

فہرست مضامین حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی

۵۹	خلیفہ منصور پر حضرت امام کا احقاق حق	۱۰	حرف آغاز چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری
۶۲	اموی اور عباسی دور کے دو درندے	۲۸	تمہید
۶۳	طبقہ حشویہ کے بعض عجیب عقائد	۲۹	امام صاحب کے عہد کی سیاسی تاریخ
۶۴	حجاج کی مطلق العنانی	۲۹	ولادت و ماحول
۶۶	پہلا منحوس دن اور پہلا مسلمانوں کا بادشاہ	۳۲	حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت
۶۸	بگڑے ہوئے حالات سے حضرت امام کا تاثر	۳۲	آزادی کا پہلا منشور
۶۸	امام کا سیاسی مسلک	۳۳	حضرت امام کا ابتدائی تعلیمی رجحان
۶۸	پہلا اقدام	۳۵	رجحان میں تبدیلی
۶۹	قاضی شریک کی ملازمت		حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات اور بعد
۷۰	دین دوزی کا نسخہ	۳۷	کے خلفاء کی گراہیاں
۷۲	حضرت امام کا وسیع پیمانے پر تجارت کا کاروبار	۳۸	خلافت اور بادشاہی کا فرق
۷۶	تجارت کی تفصیلات	۳۹	خلفاء بنی امیہ کی واقعی دینی حالت
۷۹	خر کی دوکان	۴۰	اسلامی اموال میں خلافت راشدہ کا نقطہ نظر
۷۹	خر کی کونہ کی سب سے بڑی دوکان	۴۱	اموی دور میں اسلامی اموال کے متعلق مطلق العنانی
۸۰	غلاموں کے ذریعہ مال کی پھیری	۴۶	خلافت راشدہ میں انصاف اور حکومت کا تصور
۸۱	دراآمد و برآمد کا کاروبار	۴۷	اموی دور میں انصاف و حکومت سے بے راہروی
۸۱	حضرت امام کے شریک تجارت	۴۸	قانون اہل انصاف کے متعلق حضرت عمر
۸۲	حضرت امام کے اساتذہ کی تعداد		بن عبدالعزیز کی وضاحت
۸۵	حضرت امام کے شاگردوں کی تعداد	۵۰	اموی دور میں قضا پر والیوں کا اثر
۸۵	کن کن شہروں میں حضرت امام کے شاگرد تھے	۵۳	ارباب صدق و امانت کا قضا سے انکار
۸۵	حضرت امام کے سرمایہ تجارت کے متعلق تفصیل	۵۷	اسلامی حکومت کے حدود
۸۹	امانتیں	۵۸	جہنم عباس میں حضرت امام کی کہے کو نوکروں پر

- ۱۲۰ امام کے فطری میلانات کی ابتدا
- ۱۲۲ کوفہ کے گورنر خالد کے بے پناہ مظالم
- ۱۳۱ خالد کی ایک عجیب چال
- ۱۳۲ حضرت زید بن علی کے اجمالی حالات
- ۱۳۴ ہندوستان اور خاندان نبوت
- ۱۳۷ حضرت زید کے متعلق امام کی شہادت
- ۱۳۹ حضرت حسن بن محمد کی ایک کتاب
- ۱۴۱ حضرت زید کا علم و فضل
- ۱۴۲ قرآن سے تعلق
- ۱۴۳ حضرت زید کی ایک تقریر
- ۱۴۵ حضرت زید کو نے میں
- ۱۴۶ کوفہ میں حضرت زید کے معتقدین
- ۱۵۰ امام کی حضرت زید سے عقیدت
- ۱۵۱ حضرت زید کی حمایت میں امام کا ایک تاریخی بیان
- ۱۵۲ حضرت زید کی دعوت جہاد
- ۱۵۵ حضرت امام کے سیاسی مسلک کی توضیح
- ۱۵۶ حضرت امام کے نقطہ نظر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی توضیح
- ۱۶۱ حضرت امام کے حضرت زید کے ساتھ جہاد میں نہ شریک ہونے کے وجوہ
- ۱۶۵ جہاد کے لئے امام کی حضرت زید کو مالی امداد
- ۱۶۲ کوفہ کے ظالم گورنر کے سامنے حضرت امام کا احقاق حق

- ۹۱ امانتوں کی مقدار
- ۹۲ عوام کے اعتماد کی وجہ
- ۹۳ حضرت امام کے حسن سلوک کا ایک واقعہ
- ۹۵ تحائف
- ۹۵ مشائخ اعلیٰ اور محدثین کی خدمت
- ۹۶ فقرا اور محتاجوں کے ساتھ حسن سلوک
- ۹۶ شاگردوں کے ساتھ ہرماؤ
- ۹۹ حضرت امام کے جوہر کے متعلق شیعہ بلخی کی ایک روایت
- ۱۰۰ حسم
- ۱۰۱ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک
- ۱۰۲ ذہبوں کے ساتھ حسن سلوک
- ۱۰۲ عفو و درگزر
- ۱۰۳ حسن معاملہ
- ۱۰۵ امانتوں کے متعلق ایک شرعی توضیح
- ۱۰۷ حضرت امام قاضی ابن ابی سلی کی عدالت میں
- ۱۱۰ پیداوار پر پیمانہ کبیر کا امکان
- ۱۱۱ بنک کا نظام امام نے قائم کیا تھا
- ۱۱۲ اباب حکومت کی امداد سے بے نیازی
- ۱۱۴ حضرت امام کے محابرات و ریاضات اور خانگی زندگی
- ۱۱۶ امام کے تجارتی مساعی کے محرکات
- ۱۱۷ اہل حق مصلوین کے ساتھ امام کی ہمہ رویاں
- ۱۱۹ حضرت امام کے علم و قدر کا ایک واقعہ

- ۱۹۹ منرا کے وقت حضرت امام کا ایک تادیبی فقرہ
 ۲۰۰ جیل سے رہائی
 ۲۰۱ کوفہ سے حرم محترم کی طرف وقتی ہجرت
 ۲۰۲ بنی عباس کی حکومت
 ۲۰۳ حضرت امام کی کوفہ کو واپسی
 ۲۰۶ کوفہ کے علماء کے سامنے سفاح کی تقریر
 ۲۰۸ علماء کی طرف سے حضرت امام کا جواب
 ۲۱۵ حجاز میں امام کے مشاغل
 ۲۱۹ حجاز میں مختلف علماء سے مکالمہ و مناظرہ
 ۲۲۷ وقوع سے پہلے شرعی حکم
 ۲۲۹ کوفہ کی واپسی اور مجلس وضع قوانین کی تاسیس
 ۲۲۷ نظم کے ساتھ سوال کی آزادی
 ۲۳۴ حضرت امام کی مجلس کے مرتبہ قوانین کی دفعات
 کی تعداد
 ۲۳۷ ابراہیم بن مہمون اور امام
 ۲۴۰ ابو مسلم خراسانی
 ۲۴۳ ابراہیم اور ابو مسلم کے درمیان تعلقات
 ۲۴۳ ابراہیم اور ابو مسلم کی مخالفت
 ۲۴۴ ابراہیم کا ابو مسلم کے متعلق حضرت امام
 سے مشورہ
 ۲۴۶ ابو مسلم کی مخالفت پر حضرت امام اور ابراہیم کا اتفاق
 ۲۴۷ ابراہیم کا حضرت امام سے بیعت جہاد کے
 لئے ہاتھ بڑھانا
 ۲۴۸ حضرت امام کا جواب
 ۲۵۶ ابراہیم کا ابو مسلم کے سامنے اتفاق حق

- ۱۷۶ حکومت بنی امیہ اور امام ابو حنیفہ کے
 تعلقات کی داستان
 ۱۷۸ حکومت کی جانب سے حضرت امام سے پہلا
 استفتاء
 ۱۸۰ ضحاک خارجی کا کوفہ پر قبضہ
 ۱۸۱ حضرت امام کی گرفتاری
 ۱۸۲ رہائی
 ۱۸۲ اہل کوفہ کے قتل عام کا حکم
 ۱۸۲ ضحاک خارجی سے حضرت امام کی گفتگو
 ۱۸۴ خارجیوں کا استیصال ابراہیم بن ہبیرہ کی گورنری
 ۱۸۴ حضرت امام کے متعلق اموی حکومت کی پالیسی
 ۱۸۴ ابن ہبیرہ اور حضرت امام کی ملاقاتیں
 ۱۸۷ حضرت امام سے ابن ہبیرہ کی ایک استدعا
 ۱۸۷ حضرت امام کا جواب
 ۱۸۹ نرمی کے بعد گرمی
 ۱۸۹ امویوں اور عباسیوں کی کشمکش
 ۱۹۱ حضرت امام کے سامنے وزارت مثنیٰ کی پیشکش
 ۱۹۳ حضرت امام کا انکار
 ۱۹۴ حضرت امام کی تفہیم کے لئے نقباء کی کوشش
 ۱۹۵ حضرت امام کا دوبارہ انکار
 ۱۹۶ قید
 ۱۹۶ جیل میں دوسرے عہدوں کی پیشکش
 ۱۹۷ امام پر عہدہ قضات قبول کرنے کے لئے
 حکومت کا اصرار
 ۱۹۸ حضرت امام کی استقامت

- ۲۸۲ حاکم کا طیف
- ۲۸۴ برسر عدالت حضرت امام کی ایک فیصلہ تنقید
- ۲۸۸ عدالت پر حکومت کا اثر
- ۲۹۰ حضرت امام کی جدوجہد کے نتائج
- ۲۹۲ عدلیہ پر حضرت امام کے لائے ہوئے انقلاب کا اثر
- ۲۹۹ حکومت عباسیہ سے امام کے تعلقات کی ابتدا
- ۲۹۹ ابو جعفر منصور
- ۳۰۰ بغداد کی تعمیر کے سلسلے میں حضرت امام کی طلبی
- ۳۰۱ حضرت امام بحیثیت ناظم تعمیرات
- ۳۰۳ تعمیری دنیا پر حضرت امام کا احسان
- ۳۰۴ حضرت امام نے یہ خدمت کیوں قبول کی
- ۳۰۵ ابو جعفر اور حضرت امام کی پہلی ملاقات
- ۳۰۸ نظامیت تعمیرات کے کام
- ۳۰۹ حضرت امام ابو جعفر کے ساتھ شاہی کیمپ میں ایک لطیفہ
- ۳۱۲ حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں حضرت امام کے سوالات
- ۳۱۴ ابو جعفر کے یہاں حضرت امام کا رسوخ
- ۳۱۵ بادشاہ بگیم اور ابو جعفر کے ایک جھگڑے میں حضرت امام کا فیصلہ
- ۳۱۷ ابو جعفر کے دربار میں حضرت امام کے حامدین
- ۳۲۱ ابو جعفر کا حضرت امام کی خدمت میں پہلا عطیہ
- ۳۲۳ ابو جعفر کی دوسری پیش کش

- ۲۵۷ ابو مسلم کا ابراہیم کے قتل کے لئے قانونی حیلہ
- ۲۵۹ شہادت سے پہلے ابراہیم کا ابو مسلم کے سامنے ایک تمنا کا اظہار
- ۲۶۰ ابراہیم کی شہادت
- ۲۶۲ ابو مسلم کے ہاتھوں بکیں مقتولوں کی تعداد
- ۲۶۴ ہمدی کے سامنے حضرت سفیان ثوری
- ۲۶۶ عباسی حکومت کے دور میں حضرت امام کی جدوجہد
- ۲۶۷ جدوجہد کی تفصیل
- ۲۶۷ تحفہ عدلیہ کے متعلق اپنے شاگردوں کی صحیح تربیت
- ۲۶۹ حصول علم کے صحیح مقصد کے متعلق شاگردوں کی ذہنی تربیت
- ۲۷۲ عبدہ قضا کے متعلق حضرت امام کا تاثر
- ۲۷۳ عدالت کی ذمہ داریوں کے متعلق حضرت امام کا نقطہ نظر
- ۲۷۴ عدالت کے اقتدار کی بندی
- ۲۷۴ شاگردوں کو نصیحت
- ۲۷۶ حضرت امام کا انگسار
- ۲۷۸ تضاد فصل خصوصیات میں حکومت کے نظم کی اصلاح
- ۲۷۹ حکومت کے عدالتی فیصلوں پر حضرت امام کی بے لاگ تنقیدیں
- ۲۷۹ روشن دان کا مقدمہ
- ۲۸۰ مجنونہ کا مقدمہ
- گواموں پر جبرح کے متعلق حضرت امام کا نقطہ نظر
- ۲۸۱

- ۳۵۴ عباسیوں کا دوسرا جہل حسن بن قحطبہ
- ۳۵۵ حسن بن قحطبہ امام کی خدمت میں
- ۳۵۶ حسن بن قحطبہ کے سامنے امام کی تقریر
- ۳۵۷ حسن بن قحطبہ کا امام کے سامنے عہد
- ۳۵۸ حضرت نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کی شہادت
- ۳۵۹ حضرت نفس زکیہ کی مہم میں حضرت امام کیوں شریک نہ ہو سکے
- ۳۸۴ حضرت ابراہیم کا سر ابو جعفر کے دربار میں
- ۳۸۵ بغداد کے تعمیر کے بغیر کام کی تکمیل
- ۳۸۸ نظامت تعمیرات پر امام کی بجائے حجاج بن ارطاة کا تقرر
- ۳۸۹ ابو جعفر کا حضرت ابراہیم کے حمایتوں انتقام
- ۴۹۰ ابو جعفر کی شتر کینگی
- ۳۹۱ حضرت امام مالک سے انتقام
- ۳۹۲ حضرت امام مالک کو کوڑوں کی سزا
- ۳۹۵ حجاج بن ارطاة کی پہلی نحوست
- ۳۹۶ ابو جعفر کی امام مالک سے سیاسی معافی
- ۳۹۷ ابو جعفر کی حضرت امام مالک سے تعلقات وسیع کرنے کی کوشش
- ۳۹۸ ابو جعفر کا تدین فقہ مالکی کے متعلق اظہار خیال
- ۳۹۹ تدین فقہ مالکی سے ابو جعفر کا پوشیدہ سیاسی مقصد
- ۴۰۰ امام مالک کا جواب
- ۴۰۲ عباسی حکومت کی حضرت امام مالک کو آواز کا

- ۳۲۳ حضرت امام کا جواب
- ۳۲۵ ابو جعفر کے دربار میں حضرت امام کی حق گوئی
- ۳۲۷ وطن کو واپسی
- ۳۲۸ رخصت کرتے وقت ابو جعفر کی ایک خواہش
- ۳۲۸ حضرت امام کا جواب
- ۳۲۹ ابو جعفر کے دربار میں دوبارہ طلبی اور ایک سال
- ۳۳۰ حضرت امام کی جوابی تقریر
- ۳۳۵ نفس زکیہ کے خروج کی اہمیت
- ۳۳۶ حسنی سادات
- ۳۳۶ حضرت محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ
- ۳۳۷ حسنی سادات کی جہاد کے لئے علی اسکیم
- ۳۳۹ عباسی حکومت کے تختہ الٹ دینے کا منصوبہ
- ۳۴۰ عباسیوں کے خلاف سب سے بڑی انقلابی تحریک میں حضرت امام ابو حنیفہ کا حصہ
- ۳۴۱ انقلابی تحریک کے متعلق حضرت امام کا اظہار خیال
- ۳۴۴ ابو جعفر کوفہ میں
- ۳۴۵ عباسیوں سے جہاد کے متعلق حضرت امام کا فتوے
- ۳۵۰ حضرت علیؑ اور علیہ السلام کے مضامین
- ۳۶۰ اسلامی نظام حکومت قائم کرنے کے لئے
- ۳۶۱ حضرت امام کا جوش و خروش
- ۳۶۱ امام کے شاگردوں کو پھانسی کا یقین
- ۳۶۲ امام کی کامیابی
- ۳۶۲ عباسیوں کا پہلا جہل قحطبہ

بنانے کی کوشش اور اس کی مایوسی

حضرت امام کے متعلق ابو جعفر کا آخری فیصلہ ۴۰۳

بغداد کی تعمیر کی مدت ۴۰۴

کوفہ کا علمی ماحول ۴۰۴

سفیان ثوری شریک بن عبداللہ سعد بن کدآم ۴۰۵

اور امام ابو حنیفہ کی بغداد میں طلبی

چاروں علماء کے سامنے ابو جعفر کا اظہار مقصد ۴۰۸

محمد بن کدآم اور سفیان ثوری نے کس طرح ۴۰۸

رست کاری حاصل کی

امام ابو حنیفہ کے سامنے کوفہ کے عہدہ قضا ۴۰۹

کی پیش کش اور امام کا رد

قاضی شریک کی بادل نا خواستہ عہدہ قضا ۴۱۱

کی قبولیت

حضرت امام کو دوبارہ عہدہ قاضی القضاات ۴۱۲

کی پیش کش

امام ابو حنیفہ کا آخری امتحان ۴۲۳

ابو جعفر کے وزیر عبدالملک کا حضرت امام کو مشورہ ۴۲۵

حضرت امام کے تازیانے کی سزا کی روایتوں ۴۲۵

پر تنقید

قاضی القضاة کے عہدہ کی پیش کش پر حضرت ۴۳۱

امام اور ابو جعفر کی گفتگو

ابو جعفر کے سامنے حضرت امام کا عباسی ۴۳۳

حکومت پر بے اعتمادی کا اظہار

امام ابو حنیفہ کی اہم تاویلی تقریر ۴۳۶

عہدہ قاضی القضاات پر امام کو مامور کرنے کے ۴۶۱

لئے ابو جعفر کی قسم

عہدہ قاضی القضاات کے قبول کرنے پر ۴۶۱

حضرت امام کی قسم

تازیانے کی سزا کے متعلق صحیح روایت ۴۶۲

سزا کے بعد خدمت مفتی کی پیش کش اور ۴۶۵

حضرت امام کا انکار

جیل کی سزا ۴۶۶

مصافحہ کی خدمت قضا کی قبولیت ۴۶۷

حضرت امام کی عداوت میں ایک مقدمہ ۴۶۹

حضرت امام کی وفات ۴۷۱

وفات کے اسباب ۴۷۲

غسل ۴۷۳

جنازے میں لوگوں کا ہجوم ۴۷۴

تدفین ۴۷۵

حضرت امام کی وفات کے اسباب پر بحث ۴۷۶

حضرت امام کا ترکہ ۴۸۶

خلافتِ مجددی ۴۹۰

حضرت امام کے شاگرد ۴۹۰

عہدہ قاضی القضاات کا قیام ۴۹۰

امام زفر کے سلفہ عہدہ قاضی القضاة کی پیش کش ۴۹۱

امام ابو یوسف ۴۹۲

خلافتِ ہارون الرشید ۴۹۵

عہدہ قاضی القضاة پر امام ابو یوسف کا تقریر ۴۹۵

قاضی القضاات کے اختیارات ۴۹۶

حکمران عدلیہ پر امام ابو حنیفہ کی جدوجہد کا اثر ۴۹۸

امام ابو حنیفہ کی جدوجہد کا بعد کے خلفاء کی سیرت ۵۰۰

سیرت و کردار پر اثر

۵۲۲	امام محمد پر بارون کا عقاب	۵۰۷	قاضی کی اہم ذمہ داریاں
۵۲۳	قاضی دہب کا انجہام		امام ابو یوسف کی کتاب، کتاب الخراج کے
۵۲۴	امام محمد کا قاضی القضاۃ کے عہدہ پر تقرر		دیباچہ پر تبصرہ
۵۲۵	امام محمد کی وفات		مہاسی شہزادوں کو فقہ حنفی کی تعلیم
۲۵۰	عمر و مقام تدریسین	۵۱۴	امام ابو یوسف کی وفات
	ہامول الرشید	۵۱۴	قاضی القضاۃ کے عہدہ پر قاضی دہب کا تقرر
۵۲۲	قاضی القضاۃ کے عہدہ پر یحییٰ بن اکثم کا تقرر	۵۱۵	قاضی دہب کی لپٹی کردار
۵۲۲	قاضی یحییٰ بن اکثم کی دینی خدمات	۵۱۶	ایک آد مائشی مقابلہ
۵۳۵	معتمد، متوکل اور واثق کا زمانہ	۵۱۶	امام محمد
۵۳۵	قاضی القضاۃ کے عہدہ پر ابو عبد اللہ	۵۱۸	یحییٰ بن عبد اللہ کی مہم
	کا تقرر	۵۱۹	بارون کا امن نامہ
۵۲۶	آل ابن ابی الشواربہ و آل دیمانی کے فضائل	۵۲۰	امن نامہ کی خلاف ورزی کے لئے شرعی جیلے
۵۳۸	ابن ابو عبد اللہ کی ناقابل تلافی غلطی	۵۲۰	امام محمد کی طلبی اور امن نامہ کے متعلق استنفا
۵۴۰	دوسری حکومتوں کی عدالتوں پر فقہ حنفی کا اثر	۵۲۰	امام محمد کا جواب
۵۵۰	حاصل کلام	۵۲۱	قاضی دہب کا جواب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حرفِ آغاز

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندی

تقسیم ہند سے پہلے یہ جزیرہ شاخونی فسادات کی آگ میں پٹا رہا، کبھی ملکیت میں مسلمانوں کی خوں ریزی، کبھی بہار میں بے گناہ مسلمانوں پر بے پناہ مظالم، اور کبھی گڑبگڑ کے مصوم مسلمانوں کے قتل و خون سے قوتِ فکر کو درہم برہم رکھا، خدا خدا کر کے مغربی سیادت ختم ہونے کا اعلان ہوا اور بت کدہ ہند میں ایک اسلامی حکومت وجود میں آئی، ہلالی پرچم لہرایا، ہم نے اطمینان کا سانس لیا، مگر اعلانِ تقسیم کے دو ہی دن بعد کافروں نے مشرقی پنجاب میں اللہ کا نام لینے والوں پر اللہ کی زمین تنگ کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارا علاقہ مسلمانوں کے خون سے سیراب ہو گیا۔ علاقے کے علاقے پھونک دیئے گئے، خون اس طرح بہا یا گیا کہ دو آبہ جالندھر دریائے خون میں ڈوب گیا۔ مسلمانوں کی شہرگوں سے بہا سہ جالندھر نون کا ایک طوفان اٹھا جس نے دو آبہ کے پانی کو بھی پانی کر دیا۔

یہ بے نصیب بھی اسی دو آبہ کا رہنے والا ہے، میرا گاؤں گاہندراں ضلع جالندھر بھی تباہ و برباد ہوا۔ چین کے ساتھ ہی عزیز واقارب سب کے سب منتشر ہو گئے۔ میں ڈیرہ ہزار میل کے فاصلہ پر حیدر آباد وکن میں تھا، اول ریش دماغ پریشاں، اس حالت میں کسی اشاعتی پروگرام کا روبرو عمل لانا ممکن ہی کہاں تھا۔

مشرقی پنجاب اور دہلی کے کافرانہ مظالم نے سی۔ پی۔ اور ہزار کے مسلمانوں پر دہشت طاری کر دی، اور وہ گھرانے و پریشانی میں امن اور پناہ کے لئے تھکے آباد وکن کی طرف روانہ ہوئے، اس طرح بھی دوستوں اور ملاقاتیوں کی ایک بڑی کثیر تعداد متاثر ہوئی، تھوڑے ہی دنوں کے بعد حیدر آباد کا ۸۴ ہزار مربع میل رقبہ ہندوستانی سنگینوں اور نیکوں

کی زد میں آگیا، اور آٹکھ جھپکتے ہی مملکت آصفیہ مملکت ہند کا جزو بن کر رہ گئی۔ سرزمین دکن میں جہاں سے ہم نے تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ اسلام کا نظام حیات اسلامی نظریہ اجتماع اور حکومت الہیہ جیسی کتابیں شائع کی تھیں، اب یہ حال تھا کہ ان کتابوں کا ناشر کبلا نا اقرار جسم کے برابر تھا۔

جوں توں کر کے ۲۲ روز مہر ششم کی شام کو چھ بجے میں اپنی مملکت میں پہنچ گیا۔ کئی سال کے مسلسل تجارتی نقصانات، مالی و ثنویوں اور سب سے زیادہ کراچی میں رہائشی و ثنویوں کے لاینحل مسئلہ سے الجھ رہا ہوں۔ نجات تو اب بھی نہیں ملی ہے، لیکن کسی نہ کسی طسیرج قوائے عملیہ کو مجتمع کر کے اس قابل ہوا ہوں کہ یہ کتاب امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی فاضل اجل حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانی صدر شعبہ و نیات جامعہ عثمانیہ کی عظیم الشان اور بے مثل تصنیف جسے مولانا موصوف نے ۲۵ سال کی مسلسل محنتوں کے بعد تیار کیا ہے۔ پیش کر رہا ہوں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ عالم اسلام کے ہر دل عزیز قابل فخر پیشوا اور قانون و دستور اسلامی کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ قابل افسوس ہے کہ اس عظیم المرتبت امام کے حالات سے ہم ناواقف رہیں اخلا جزاء خیر دے علامہ شبلی نعمانی کو کہ انھوں نے اپنی کتاب کے ذریعہ بڑی حد تک اس کمی کو پورا کیا، اور ان کی عظیم المرتبت شخصیت سے دنیا سے اردو کو واقف کرایا۔ اب ہم سب شکر گزار ہیں فاضل محترم علامہ مناظر احسن گیلانی کے کہ انھوں نے ۲۵ سالہ محنت سے حضرت امام اعظم کی سیاسی زندگی سے ہمیں روشناس کرایا۔ حضرت امام ابو حنیفہ صرف سب سے بڑے فقیہ رہے بلکہ وہ ایک بلند مرتبہ سیاسی رہنما بھی تھے۔ اور ان کی یہ حیثیت صرف اسی کتاب کے ذریعہ معلوم ہو سکے گی۔

فاضل مصنف نے ضمناً اس وقت کی سیاست اور اجتماعی زندگی پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے کہ آخری اموی اور اولین عباسی دور میں جماعتی زندگی کیا تھی۔ مسند نشینان علم و لوہ اور جرات آزمایان میدان قتال سے لے کر معمولی شہری زندگی تک کے حالات بڑی خوبی اور تفصیل کے ساتھ اس میں ہیں گئے۔ عدالتی کارروائیاں، انصاف رسانی اور مختلف سیاسی گروہوں کی جدوجہد کا ایک مکمل نقشہ اس میں نظر آتا ہے۔ اسلامی دستور حکومت، عامۃ المسلمین کے حقوق انتخاب کا حق، اصول، آزادی کا نصب العین، جاہل اور سخت گیر کے مقابلہ میں

حق و صداقت کی صف آرائی، استقلال، صبر اور رضا کے وہ گراں بہا نمونے دکھائی دیں گے جن پر عالم انسانیت قیامت تک فخر کرتی رہے گی۔

میں اس کتاب کی اشاعت کو حاصل زندگی، اور اپنے سیاہ نامہ اعمال میں ایک تابندہ سطر سمجھتا ہوں۔ کتاب اس سے پہلے شائع ہو چکی ہوتی، لیکن جیسا کہ اوپر لکھے ہوئے حالات سے ظاہر ہے، پریشانی، حیرانی، انتشار اور بد امنی نے اشاعت کا موقع آئے نہیں دیا۔ اب جب کہ ہماری نوازش امید ہر ملکیت پاکستان کا دستور یا سماجی ترتیب و تدوین کی منزل میں ہے، اس کتاب کی اشاعت اہل چین آرہی ہے اور شاید اللہ جل جلالہ کو یہی منظور تھا کہ ٹھیک اس وقت اس کی اشاعت ہو، جب کہ اہل علم سب سے زیادہ اس کی ضرورت محسوس کریں، یقیناً اس وقت جب کہ دنیا میں دو متضاد و نظریہ حیات کی کشمکش نے اللہ کی زمین کو اللہ کے بندوں کے لئے گہوارۂ راحت ہونے کے بجائے مقامِ کلفت و بے چینی بنا رکھا ہے، اور ملکیت پاکستان کی دستور سازی میں اس کی سعی ہو رہی ہے کہ دعوہ و کرب بے کراہی ہوئی دنیا کی ایک ایسے دستورِ ملکیت کی طرف رہنمائی کی جائے جو اس کی نجات کا ذریعہ بن سکے۔ عالم اسلام کے سب سے بڑے فقیہ امام اعظم کے سیاسی حالات امدان کے افکار سے واقفیت بہرگو نہ مفید ہوگی۔

خداوند تعالیٰ کا شکریہ ہے کہ اس نے مجھ جیسے پیچیدگان اور آغشتہ عصیان کو یہ توفیق دی کہ آج میں ایک فاضل اہل کی ۲۵ سالہ محنت کا ثمرہ امام اعظم کے سیاسی حالات و افکار کا مجموعہ پیش کر رہا ہوں۔

لعن سعادۃت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشنده

انتساب

امام عظیم^{رف}ؒ

کی

خدمت میں

حیدر آباد دکن میں تشریف لائے بے کس و بے سہارا تھے۔ ذوق و عادت سے مجبور ہو کر حیدر آباد کی مشہور صد سالہ دینی درس گاہ جامعہ نظامیہ میں نام لکھا دیا جہاں تعلیم، قیام، طعام بلکہ کتب و لباس تک سب کو مفت ملتے تھے۔ لیکن حالات نے اس کا موقع نہ دیا کہ ان سہولتوں سے کچھ استفادہ کرتے۔ جلد ہی ہی جامعہ عثمانیہ قائم ہو گئی اور غالباً مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی (وزیر امور مذہبی) کی توجہ سے آپ کو فنون و سائنس کی جماعتوں میں نئی طلبہ کو "دینیات لازم" پڑھانے کے لئے بطور لکچرار لیا گیا۔ اس کی ماہوار (۲۵ تا ۴۰) تھی۔ جامعہ عثمانیہ کوئی پھولوں کی بیج نہ تھی۔ ایک خود مختار دیسی ریاست ہونے کے باوجود انگریزی سیر متقیم رینڈیڈنٹ، کی مرضی کے خلاف کوئی اہم کام مشکل سے ہو سکتا ہے۔ جدید وضع کی جامعہ اور ذریعہ تعلیم انگریزی نہ ہو بلکہ اردو، یہ گھریلو حیدر آبادی چیز تھی، اس کے اثرات سارے برطانوی ہند کے نظام تعلیم پر پڑتے۔ انگریزوں کیوں منظور کرتا کہ اس کی بات کے چلتے انگریزی زبان پر کوئی میٹر بھی نظر بھی ڈال سکے۔ لیکن بہر حال انگریزوں نے اسے منظور بھی کیا تو اس تصور اور تیاری کے ساتھ کہ نظام کے خرچ پر یہ تجربہ کر لیا جائے اور اس کے کام ہونے پر برطانوی ہند کے سیاسی پیش قدمیوں کو بتایا جائے کہ کسی "کالی زبان میں جدید علوم کی تعلیم نہیں ہو سکتی۔"

ملک کے اعلیٰ حکام میں جو رقابتیں سر جگہ ہوتی ہیں، اس کے تحت بعض نہایت با اثر فسر ہمیشہ اس پر تکیے رہے کہ یہ جامعہ چلے نہیں۔

قدامت پسندی اور نئی روشنی کی کشمکش نے بصاب ساز جماعتوں کو اس پر آمادہ نہ ہونے یا کہ نصاب قومی ضروریات کے مطابق بنایا جائے بلکہ صرف اس پر کہ صرف زبان کی تبدیلی کے ساتھ برطانوی ہند کی جامعات ہی کا نصاب جاری ہو۔ طالب علم چاہے انگریزی میں کتابیں پڑھ کر دہریہ، غلامانہ ذہنیت والا اور اپنی سے عاری بنے یا اردو میں پڑھ کر۔ فرق کچھ نہیں بلکہ خطرہ ہی بڑھ جاتا ہے کہ دہریت وغیرہ اب عوام کی دہشت رس میں بھی آجائے۔ صرف اتنا ہوا کہ جملہ طلبہ کو چاہئے فنون کے ہوں یا سائنس کے، مذہب و اخلاق پر بھی ہفتے دو گھنٹے لازمی طور پر لکچرار ہوا کریں۔ مینیوں کے لئے دینیات لازم کے نام سے اور غیروں کے لئے اخلاقیات کے عنوان سے۔

دینیات لازم کے لکچرار کا فریضہ بڑا کٹھن اور نازک تھا۔ فلسفہ اور سائنس کے طلبہ اس

دلچسپی نہ تھی۔ دیوبند میں شریک ہوا بھی تو ایک طرح سے غور کے ساتھ کہ یہ بجا رہے ہیں کیا پڑھائیں گے۔ شیخ الحدیث کے درس میں پیچھے بیٹھتا تھا اور کچھ کھنچا کھنچا سا۔ چند دن گزرے تو استاد نے خود توجہ کی۔ درس کے بعد ٹھہرایا اور پوچھا کہ کون ہو، تعلیم کا کیا حال ہے وغیرہ میں نے عرض کی کہ علوم عقلیہ پڑھ کر آ رہا ہوں۔ طرح طرح کے وسوسے دل میں ہیں اور حدیث شریف سنتے وقت بھی یہی حال رہتا ہے اس لئے ذرا پیچھے بیٹھتا ہوں۔ کہا اب آئندہ وسوسے نہیں ہوں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ پھر اس دن کے بعد سے الحمد للہ وسوسوں کا نام و نشان نہ رہا اور میں روز افزوں دلچسپی سے علوم حدیث کی تحصیل میں مشغول ہو گیا۔

ملک کے مختلف مراکز علم میں تحصیل چشم بدور قابل رشک ملاحظہ اور ان سب کے ساتھ مطالعے کا ذوق اتنا کہ بیان سے باہر اسی کا نتیجہ ہے کہ قلم برداشتہ لکھتے ہیں اور کچھ بھی ایک بھر ذرا نظر آتا ہے کہ موجیں مارتا، ناظر کے قلب و دماغ کو غرقاب کرتا سب چھا تا نظر آتا ہے جامعہ عثمانیہ میں درس کے علاوہ مجھے پانچ سات دفعہ آپ کی تقریریں پہلک میں سننے کا موقع ملا ہے۔ کبھی سیرت النبی کے مرغوب موضوع پر کبھی اشتراکیت کا اسلامی نقطہ نظر سے چھان بین پر۔ جیسے جیسے تمہید کے بعد آگے بڑھتے ہیں۔ زور ہوتا بڑھتا جاتا ہے۔ اور جیسے جیسے زور بیان بڑھتا ہے جوش بیان بھی۔ سننے والے مسحور رہ جاتے ہیں تو خود خطیب بھی خطابت کے کیف سے سرشار۔ آواز گونجنے لگتی ہے۔ خیالات کی مناسبت سے اعضاء میں تڑپ اور حرکت، گانے میں باجے، یا فوجی بینڈ میں ڈھول کی اثر انداز شدت کا آمیزہ کر دیتے ہیں۔ الفاظ میں کہ آبشار کی طرح بیش از بیش گرتے چلے جاتے ہیں۔ بلکہ لغت خیالات کا ساتھ نہیں دے سکتی اور ہر قدم پر نئے الفاظ کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ خود بخود ڈھل ڈھل کر زبان سخاوت نشان پر نثار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور الفاظ ہونے کے باوجود نیا نیا نوس نہیں ہوتے۔ جیسے ایک ون ایسے ہی ایک موقع پر کہ ایک بڑا پھٹا ہے کہ چھوٹی پھلیوں کو نگلتا جاتا ہے۔ تقریر کی روانی کا یہ حال ہے کہ کے تیز قلم سے تیز قلم۔ مختصر نویس۔ اسٹینو گرافر، بار بار کوشش کرتے رہے مگر کبھی کامیاب نہ ہوئے کہ آپ کی رفتار بیان کا ساتھ دے سکے۔

پہلی عالمگیر جنگ کا زمانہ تھا، انگریزوں کے دورِ ستم ایک سیاسی پناہ گزین کی طرح پایہ تخت آصفیہ

حیدرآباد میں آصفیہ

نہ صرف بلند مرتبت شرفائے سادات سے ہے بلکہ علم و عمل بھی موروئی ہے۔ آپ کے بزرگوں کو غالباً علم ہیئت سے بھی خاص نگاؤ رہا ہوگا کیونکہ مکان میں ایک بہت پرانی اور عمدہ رنگ مرمر کی دھوپ گھڑی بھی دستیاب ہوتی تھی جو اوقات الصلاۃ کے لئے فرنگی گھڑیوں کی محتاجی سے بچاتی رہی ہوگی۔

آپ کی تعلیم متعدد مدنی درس گاہوں میں ہوتی۔ بعض وقت ایسی صورتوں میں آدمی لا الی ہولاء، ولا الی ہولاء ہو جاتا ہے۔ مگر مولانا میں علم و سیرت کی بڑی شان نظر آتی ہے کہ دیوبندی آپ کو اپنا کہتے ہیں تو بے یلوی اپنا ان دونوں مکاتب خیال کی انگریزی دور میں ملک میں جو "مکافرت" اور کشمکش تھی اس میں یہ اپنا یا جانا حیرت انگیز ہے۔ مگر مولانا حقیقت میں ان دونوں سے بھی بالا ہیں یعنی آپ صرف مسلمان ہیں۔ رسول اللہ کسی کو نہ سنی شیعہ بنائے تھے نہ حنفی و ہابی۔ بلکہ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ کے اذلی پیغام کی تجدید کے لئے۔

جہاں حسن و جمال سے فائز، سرخ و سپید ہزاروں میں ممتاز و فائق تھے وہاں حسن باطنی سے

بالائے سرش ز ہوش مندی

می تافت ستارۂ بلند

لا عمری ہی سے خطابت، الشاہد وازی اور شاعری قیموں میں ہمسروں میں ممتاز رہے،

کبھی گندہ سیاسیات میں حصہ نہ لیا۔ اس لئے نہ بزرگان و خطابت کے لئے محافل و عطا میں آپ کے لئے زیادہ کشش رہی تو نور کلام اور نظم و شریک موس علی اور بلند پایہ جرائد کے سوا آپ کو کہیں اور نہ لے جاسکے۔

ایک مرتبہ فرما رہے تھے لا عمری میں میری ایک نظم کسی رسالے میں چھپی۔ برسوں گزر گئے میں خود اسے بھول بھلا گیا۔ پھر ایک مرتبہ ایک صاحب سے کہیں ملاقات ہوئی جو شاعر بھی تھے انہوں نے اپنے جس کلام کلام کو فخر سے سنائے کے لئے بیاض میں سے انتخاب کیا وہ وہی بھولی بھری نظم تھی۔ پہلی بیت ہی ہر کشتہ کا یہ تو پہلے بھی کہیں پڑھی سنی ہوئی نظم ہے۔ دورانِ انشا میں یاد آگیا کہ صو چہ ولا وراست دزدی کہ بلف چراغ داروے اس سے کیا کہتے۔ صرف یہ کہا کہ ہاں بھی نظم بہت اچھی ہے۔

ایک اور دفعہ ارشاد ہوا۔ مجھے ابتداء علوم عقلیہ کا بڑا شغف تھا۔ حدیث وغیرہ سے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی

کچھ اس تالیف اور اس کے مولف کے متعلق

جناب محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی
استاذی المحترم مولانا الحاج الحافظ سید مناظر احسن گیلانی مرحوم
کی تالیف - امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی - ابھی ابھی کراچی میں طبع ہوئی ہے۔ عموماً مولف
اپنے اساتذہ یا مشاہیر اساتذہ علمائے کوئی تعارف یا پیش لفظ حاصل کرتے ہیں۔ فاضل ستاد
کی گراں مایہ تالیف ان کے سب سے ادنیٰ و حقیر تلمیذ کے پاس آئی ہے تو ایک پیش لفظ کے ذریعہ
سے خود سعادت اندوز ہونے کے سوا اور تو کوئی سوال نہیں۔ اگر ناشر کا بیان نہ ہو تا کہ خود استاد
محترم نے مجھ سے - کچھ لکھو ایفے - کا حکم دیا ہے تو شاید اس طرح کی سعادت اندوزی کو بھی گستاخی
سمجھتا۔ مشک آنت کہ خود بویہ نہ کہ - شاگردی پر اند -

مولف کی سوانح عمری
علماء کی بے نیازی اور کسیر نفسی شہرہ آفاق ہے۔
اسی لئے ہا و جود ملک کے مؤلفین کی صف اول میں
ہونے کے استاد محترم کی سوانح عمری کہیں چھپی ہوئی نہیں ملتی۔ اپنی معلومات درج کرتا ہوں
تاکہ بعد دے کے لئے کچھ کام دیکھ۔

مناظر احسن رشتہ دار، آپ کا تار بخی نام ہے۔ ریم کے زبر کے ساتھ اور ماشاء اللہ

اسم ہاسٹلی ہیں۔ خیال ہو گا کہ ابھی تو - ساٹھ پانچا - ہونے کو بھی ایک دو سال باقی ہوں گے۔

لیکن علم کی ہمتی ہے کہ مولانا کی صحت بہت کمزور ہے۔ قلب کے اور دیگر عارضوں سے بار بار

طویل عرصوں تک علیل و فریض رہے ہیں۔ خدا آپ کی عمر و صحت میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

آپ کی ولادت صوبہ بہار میں گیلانی نامی گاؤں میں ہوئی۔ یا نسبت کے مزید اضافے کی جگہ

آپ اپنے گویلائی ہی کہتے ہیں۔ قلب الاقطاب گیلان سے نسبت گو یا مقصود تھی۔ آپ کا تعلق

سے آتے دن اور ہر سال سوال کرتے۔ بعض دق کرنے کے لئے اور بعض نیک نیتی سے ازالہ
شبهات کے لئے۔ اور جو شخص خود ان جدید علوم سے بے بہرہ ہو وہ ان کی تشفی کیسے کر سکے۔
ابتداء میں صرف فطری ذہانت کام دیتی رہی ہوگی۔ پھر رفتہ رفتہ جدید علوم کی کتابیں ترجمہ
ہو کر لکچر دینیات کی دست برس میں بھی آتی گئیں اور وہ روز افزوں علوم جدیدہ کے مختلف
پہلوؤں سے واقف بھی ہوتے چلے گئے۔ ان کے کمزور پہلوؤں سے آگاہی جوابی اعتراض میں
کام دیتی تو ان کے وسائل اور حیلوں سے واقفیت کے باعث انہیں حیلوں کو اسلام کی
تائید میں استعمال کرنا ممکن ہو گیا۔ جو کام اپنے زمانے میں امام غزالی نے کیا وہی کام اس
جماعت کے استاد کو کرنا پڑتا تھا اور کوئی "احیاء العلوم" ثانی چاہے ابھی تحریر میں نہ آئی ہو
لیکن گزشتہ تیس سال سے سال بسال جامعہ عثمانیہ کے طلبہ اس جدید
علم کلام سے مستفید و متاثر ہوتے رہے ہیں اور نتیجہ یہ بتاتا ہے کہ ہمالیہ تلے کے براعظم کی
ڈیڑھ دو درجن جامعات میں سب سے کم دہریت اگر کسی جگہ پھیل سکی تو وہ جامعہ عثمانیہ رہی
ہے۔ اور اس کا سہرا بہت بڑی حد تک صرف مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ
کے سر رہا ہے۔

آپ کچھ عرصہ شعبہ دینیات میں رہے اور حدیث کا درس دیتے رہے اور غالباً۔
انٹرمیڈیٹ میں مجھے اسی مضمون کے سلسلے میں چند دن شرف تلمذ کا راست موقعہ ملا۔
پھر وہ غنوں و سائنس کے شعبوں میں دینیات لازم پڑ جانے کے لئے بالکل مستقل ہو گئے تو راست
تلمذ کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ بہت برسوں کے بعد مکرّم مولانا جواب لکچر اسے ترقی کر کے ریڈر بن چکے
تھے، اور ۵۰ تا ۶۰ ماہوار پاتے تھے، دوبارہ شعبہ دینیات میں منتقل ہوئے مگر ایم۔ اے میں
میرا مضمون فقہ تھا۔ اس لئے راست تعلق پھر بھی پیدا نہ ہو سکا۔ مختلف درمیانی اساتذہ کی
وفات ہیرا نہ سالی کی بنا پر خدمت سے سبک دوشی وغیرہ کے باعث آخر الامر مولانا ہی سب
سے سینئر ہونے کی بنا پر صدر شعبہ بنے۔ یہ دوسری جنگ عالمگیر سے کچھ ہی دن پہلے کا واقعہ ہے
اس وقت ان کی ماہوار (۵۰ تا ۱۰۰) ہو گئی۔ اور وہ فرسٹ گرڈ پر و فیسر ہو گئے۔ علوم دینیہ کا
اعزاز جامعہ عثمانیہ میں کسی اور دنیوی علم سے کم نہ تھا۔

۱۹۳۵ء میں جامعہ عثمانیہ شعبہ دینیات کا لکچرر فقہ بن کر مامور ہوا۔ لیکن چند ماہ بعد
ہی شعبہ قانون میں قانون بین الممالک وغیرہ پڑھانے کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ اس طرح

راست تلمذ کے بعد راست رفاقت بھی زیادہ دن نہ رہی لیکن ایک تو شخصی روابط اور دوسرے ایک ہی عمارت میں ہم سب کا خدمتِ علم میں مشغول رہنا اور تیسرے انصافی و انتظامی مختلف کمیٹیوں میں آئے دن لئے کا موقعہ اس دوری کو صرف نظری رکھتا ہے، واقعی نہیں۔ اور مولانا کی عملیت کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملنے لگا۔

اس پندرہ سولہ سالہ خدمتِ جامعہ نے بڑا فرق پیدا کر دیا تھا۔ اب اس مولوی میں جو دیوبند وغیرہ سے دستارِ فضیلت باندھ کر آیا تھا، اور اس پر تیسریں جو ایک جدید وضع کی جامعہ میں درس دے رہا تھا، کوئی نسبت تھی تو شاید یہی کہ وہ پہلے بھی پکتے مسلمان تھے اور اب بھی۔ لیکن جامعہ کے ماحول نے ان کو ایسی چیزوں کا موقعہ دیا جن کی کسی دینی درس گاہ میں نہ تو ضرورت ہوتی ہے اور نہ سہولت۔

اولاً جدید ذہنیت کے طلبہ کو پڑھانا تھا جس کا اد پر ذکر آیا۔ دوسرے ایک چھت کے اندر ڈیڑھ دو سو اساتذہ درس دیتے تھے جو مبسوط ہی علوم و فنون پڑھاتے تھے۔ آئے دن بلکہ ہر روز ان سے علمی بحث رہتے اور طلبہ سے کہیں زیادہ ان سے باہمی افادے استفادے اور تبادلہ خیال کا موقعہ ملتا۔ مثلاً کبھی کوئی پرہیزگار تاریخ پوچھتا، مولانا مسلمانوں کی بحری زندگی پر میں ایک مضمون لکھ رہا ہوں اور قرآن نیز تاریخ سے میں مواد لے چکا ہوں، اگر حدیث کا کچھ مواد آپ ہیا فرما سکیں۔۔۔۔۔ کوئی پرہیزگاہ کوئی پرہیزگاہیات کوئی پرہیزگاہوں آئے دن آپ سے ایسے مسائل پر مواد مانگتا جو کسی عام مولوی کو کبھی ڈھونڈنا ہی نہیں پڑتا۔ حیدرآباد کے بے نظیر کتب خانے، قلمی بھی اور مطبوعہ بھی اسلامیات کے لئے شاید استنبول اور قاہرہ کے بعد ساری دنیا میں تیسرے نمبر پر تھے۔ اور وہ ہر وقت دسترس میں تھے۔ کسی اور جگہ کے استاد کو یہ سہولت کہاں ملتی۔

اب ایک نیا واقعہ پیش آیا جس نے آپ کے فیضان کی رفتار و مقدار کو بہت بڑھا دیا۔ ۱۹۳۹ء میں بعض شعبوں میں مابعد ایم۔ اے تحقیقات علمیہ کا "ریسرچ ڈیپلومہ" قائم ہوا تھا اور پہلے ہی سال فقہ کے دو طلبہ اس میں لئے بھی گئے تھے لیکن پھر ایک طویل وقفہ رہا۔ مولانا کے صدر شعبہ بننے کے زمانے میں ایم۔ اے کے طلبہ کے لئے بھی ریسرچ لازمی کر دیا گیا۔ ہر سال تفسیر حدیث، فقہ اور کلام کے دو چار طلبہ ضرور ہوتے تھے۔ ان کے لئے اچھوتے عنوان تلاش کرنے اور ان سے تحقیقاتی کام لینے اور مقالہ لکھوانے کا کام زیادہ تر مولانا اپنے ہی متعلق رکھنے کا ایثار گولا

فرماتے تھے۔ شعبہ دینیات سے بھی اس طرح کے ڈیڑھ دو درجن مقالے مرتب اور منظور ہو گئے۔ ان میں سے بعض مختلف علمی رسالوں میں بہ اقساط یا کتابی صورت میں چھپے بھی ہیں۔ چند ایک تو کہنا چاہیے کہ لاجواب ہیں۔ مثلاً اصول فقہ کی تدوین کی تاریخ، "اسلامی اصول معاشیات" وغیرہ دوسری عالمگیر جنگ کا زمانہ تھا کہ پی۔ ایچ۔ ڈی کی جماعتیں بھی کھل گئیں اور کئی سال شوقین طلبہ آتے رہے جن میں سے غالباً دو کے مقالے منظور بھی ہو گئے۔ ایک تو "قانون جنایات برہنہ غفلت کا تقابلی مطالعہ" اور دوسرے "اسلامی اصول معاشیات" یہ مقالے اصل مع ترجمہ اردو اور انگریزی مدربالوں میں تیار ہوتے تھے اور ممتحنوں میں سے ایک یورپ یا امریکہ کا بھی ہوتا تھا۔

طلبہ سے اس طرح کا کام لینے میں اساتذہ کو بھی محنت اور مطالعہ کرنا پڑتا ہے اور طلبہ کو "تحفہ" دیئے ہوئے مواد کے بعد بھی بہت کچھ استاد کے پاس بچ رہتا ہے۔ ایسی ہی چیزوں سے مولانا اپنی بعض تالیفات تیار کرتے گئے اور ان میں سے کئی ایک اہل علم کے لئے چھپ کر منظر عام پر بھی آ گئی ہیں۔

اس کے علاوہ جامعہ عثمانیہ میں متعدد علمی رسالے تھے نیز علمی انجمنیں اور ادارے یا دائرے بھی۔ خود شہر حیدرآباد میں مزید براں رسالے اور ادارے تھے۔ ان سب میں مولانا کو حصہ لینا پڑتا اور ہر وقت کچھ نہ کچھ کہتے رہنا پڑتا۔ برطانوی ہند کے علمی رسالے ان کے علاوہ تھے۔

میں نے کئی بار مولانا سے عرض کیا کہ اپنے نشریات کا ایک مکمل ذخیرہ کسی کتب خانے میں فراہم کر دیں۔ کم از کم ایسی ایک یادداشت تیار فرمائیں کہ کون سا مضمون کن رسالے کے کس نمبر میں کہاں اور کب شائع ہوا۔ مولانا ان چیزوں سے مستغنی ہیں اور خوف ہے کہ مولانا سے آج کل قریب رہنے والے اس پر فوری توجہ نہ کریں تو بہت سے جواہر ریزے ناپید نہ ہو جائیں۔

کتاب ہذا

تقدم زمانے کے اسلامی علماء کی طرح زیر نظر کتاب جامع ضرور ہے، مگر مانع نہیں۔ یعنی اس میں اپنے موضوع پر جملہ متعلقہ مواد

توجہ جمع کر دیا گیا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ دیگر معلومات کا بھی ضمناً آجانا ممنوع رہا ہو۔ اس میں معلومات کا انبیا ہے، لطیف استنباطات کی بھرمار ہے اور صبر سے اور بار

باد پڑنے والے کو ہر قدم پر اور ہر دفعہ نئی نئی چیزیں ملتی ہیں۔

یوں تو کتاب اپنے موضوع پر مفید ترین معلومات کی حامل ہے لیکن اس کی اہمیت چودھویں صدی ہجری کے اس ثلث ثالث میں خاص کر اس کے مقام اشاعت یعنی پاکستان کے لئے غیر معمولی ہے۔

کتاب میں اصل میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ خاندانہ بنی اُمیہ جب اپنی غلطیوں کو نباہنے کے لئے مزید غلطیوں کا حکومت میں ممداء اضافہ کرتا چلا گیا اور بالآخر اپنے فالتے کے قریب اس کا پورا نظم و نسق پوری طرح ازسرنو ہمارا ہوا جسم بن گیا تو انقلاب ناگزیر بھی تھا اور ضروری بھی۔ خلفاء عباسیہ قوم کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بن کر ہمسرا اقتدار آئے۔ لیکن قوم کو جلدی ہی مایوس ہونا پڑا۔ بات یہ تھی کہ پڑلے عہدہ داروں کی جگہ لینے کے لئے نعم البدل نوجوانوں کو منظم طور پر تربیت دیتے اور تیار کرنے کی طرف توجہ نہیں کی گئی تھی اور نتیجہ عوام کا دُعا و خرافت تھا۔ عوام کی مصیبت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ نئے حکمران بھی استبداد پسند تھے اور نئے افسر اور حکام عدالت بھی جاہل و رشوت خوار۔

عام حالتوں میں انقلاب اور جوابی انقلابوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا۔ بنی اُمیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنے کے لئے عوام میں جو شوریدہ سری پیدا کی گئی تھی وہ ہرنے من چلے ہو شمند کو تیار و سائل خانہ جنگیوں کے لئے مہیا کرتی۔

امام ابو حنیفہ نے بنی اُمیہ کے خلاف تحریک کے آغاز ہی کے وقت اس ضرورت کو بھانپ لیا تھا اور گریا ایک خانقاہ بنا کر وہیں مستقبل کے افسروں کو پوری تن دہی اور بے نفسی سے اپنی بساط بھر تیار کرنا شروع کیا۔ خلافت عباسیہ کے آغاز پر انھوں نے کئی سو افراد ایسے تیار کر دیئے۔ عالم باعمل تھے یعنی ان میں دین داری، دیانت داری اور ساتھ ہی فرائض، نظم و نسق کی پنداری بھی تھی۔

جب یہ ہو گیا تو انھوں نے راتے عامہ کو ہم لڑا بنایا کہ جاہل و رشوت خوار افسروں کو بھی خدمت سے الگ کیا جائے اور استبداد پسند خلیفہ بھی روزمرہ کے نظم و نسق میں دخل نہ دے کر دستور و آئین کا پابند رہے۔ امام ابو حنیفہ نے یہ اہم امر بھی طے کر لیا تھا کہ خود کوئی عہدہ بڑے سے بڑا بھی قبول نہ کریں۔ اس چیز کے باعث ان کی آوازیں بھی قوت آگئی اور ان کے مخالفین بھی بوکھلا گئے۔

امام ابو حنیفہ کو شہید ہونا پڑا۔ لیکن ان کے خون سے اسلام کی شوکھی ہوئی کیاری سلج گئی اور چپا سکا زمین سیراب ہوتے ہی ہری بھری ہو گئی۔ چنانچہ ان کی وفات پر شاید دس سال بھی نہیں گزرے تھے کہ ان کے شاگرد نظم و نسق پر چھا گئے اور امام ابو یوسف کی سرکردگی میں ڈیڑھ سو سالہ اسلامی مملکت کو تباہی سے بچا کر مزید چند سو سال تک ایک نئی اور زیادہ صحت و زندگی بخشنے کا سامان ہو گیا۔ اور جیسا کہ مولانا نے واضح فرمایا ہے (صفحہ ۱۳۷) طبع جدید کا صفحہ ابھی مجددِ اول حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فیضِ امتناہی کی ایک اور برکت نظر آتی ہے۔ یہ دور امام ابو حنیفہ کی عمر کے تاثر پذیر دور کا ہم عصر ہے۔

ہوا یہ کہ خلفاء بنی امیہ نے بعض مرتبہ غالباً نیک نیتی سے، چند ایسے لوگوں کو قاضی مقرر کیا جو کردار تو عمدہ رکھتے تھے اور ہر طرح منصف مزاج اور بے لاگ قاضی بننے کے قابل تھے لیکن قالون سے واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ قدیم رومی روایات کے تحت روضہ شام میں کچھ نہ کچھ باقی رہی ہوں گی، خلفاء نے یہ کیا کہ ان پڑھ قاضی کو بڑے لکھے مشیر و مفتی مدد دینے کے لئے مہیا کر دیئے اور اس طرح مقصد حاصل ہو گیا تھا۔ لیکن بعد میں اس نظیر سے بے جا کام لیا گیا اور جابل قاضی روز افزوں ہوتے گئے۔ مزید برآں کوئی مجموعہ قالون و نظائر ملک میں نہ تھا۔ استبداد پسند اموی خلفاء یہ چاہتے بھی نہ تھے۔ قاضیوں کے لئے ابتداً پوری نیک نیتی سے اجتہاد کی صلاحیت رکھنے کی ضرورت سمجھی گئی تھی تاکہ قرآن و حدیث سے مسائل استنباط کر لیا کریں۔ بعد کے زمانے میں یہ لفظ تو رہ گیا اور معنوں کی طرف توجہ نہ رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شہر کی نظیریں الگ ہو گئیں۔ بلکہ برے قاضیوں کی صورت میں خود ان کے اپنے فیصلے مناسبت صورتِ مقدمہ کے باوجود فریقِ مقدمہ کے بدلنے پر مختلف ہونے لگے۔ ابھی انگریزی دور میں کلکتہ، مدراس، بمبئی، لاہور وغیرہ کی عدالت ہائے عالیہ میں دہلی کی مرکزی؟ کینئر لندن کی پریوی کونسل کی ترمیمی و اصلاحی شخصیت کی موجودگی کے باوجود جتنا اختلاف رائے تھا اس سے سب واقف ہیں اور اس سے ایک بہت ہی ہلکا تصور خلافت عباسیہ کے آقا پر اسلامی قالون کے متعلق باہم متعارض نظائر کے متعلق کیا جاسکتا ہے۔

اس صورت حال کا رجحان ذکر مولانا نے ص ۱۳۷ پر طبع جدید کا صفحہ ۱۳۷ ایک جدید معری تالیف کے واسطے سے کیلئے لیکن جو رسائل البیضا میں ابن المقفع کے اصل رسالے یعنی رسالہ

فی الصحابہ کے شائع ہو جانے کے باعث راست و بلا واسطہ بھی کیا جا سکتا ہے) امام ابو حنیفہ نے علاج یہ سوچا تھا کہ سیاست باز تو فوجی انقلاب کی تیاریوں میں سنبھک رہیں اور یہ اپنے شاگردوں کو لے کر دیوبند باہر طلبی سے بے پروا ہو کر فقہ اسلامی کے انبار میں (جس میں بے لگام نظائر کے باہمی تعارض نیز علم حدیث کے کامل طور پر تناؤں دم مدون و منتج نہ ہونے کے باعث متصادم؟) ایک مزید تعارض کے باعث مشکلیں بڑھ گئی تھیں) ایک نظام قائم کرنے کی کوشش کریں۔

انہوں نے اولاً حکومتی نقطہ نظر سے بے ضرر یعنی مسائل عبادات پر توجہ اور نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ ایک ایک باب کو لے کر اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ جزئیات کو دلائل و شواہد کے ساتھ معین کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ حکومتی مسائل مال گزاری وغیرہ کو بھی مدون کیا۔ یہ یقیناً نقش اول تھا۔ لیکن ایک تو ایک کارکردہ چیز (ترمیم و اصلاح کے لئے تیار) موجود ہو گئی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک جماعت مہیا ہو گئی جسے اس کام کے کرنے کی تربیت مل چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کی روایات نسلوں تک چلتی اور صدیوں تک کارفرما رہتی ہیں۔

مشکلات کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک خلیفہ کو ایک مرتبہ چالیس "مولوی نما" بد معاشوں نے یہ فتویٰ دیا کہ خلیفہ قانون سے بالا ہے۔ دیکھا انگلستان کا بدنام مقولہ *King can do no wrong*۔ بادشاہ سے قصور سرزد ہو ہی نہیں سکتا یہ بھی کہیں اسی کی نقالی تو نہیں تھی؟) ایک اور مشکل یہ تھی کہ فقہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے۔ اور قانون کے ماخذوں میں قانون کے علاوہ لغت، صرف نحو، تاریخ وغیرہ ہی نہیں حیوانیات، نباتات، بلکہ کیمیا و طبیعیات کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ قبل معلوم کرنا جغرافیہ طبیعی پر موقوف ہے۔ غماز اور افطار و سحری کے اوقات علم ہیئت وغیرہ کے دقیق مسائل پر مبنی ہیں۔ رمضان کے لئے رویت ہلال کو اہمیت ہے۔ اور بادل وغیرہ کے باعث ایک جگہ چاند نظر نہ آئے تو کتنے فاصلے کی رویت اطراف پر موثر ہوگی وغیرہ وغیرہ مسائل کی طرف اشارے سے اندازہ ہوگا کہ نماز روزہ جیسے خالص عباداتی مسائل میں بھی علوم طبیعیہ سے کس طرح قدم قدم پر مدد لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کاروبار تجارت، معاہدات، آب پاشی، صرافہ، بینک کاری وغیرہ وغیرہ کے سلسلے میں قانون سازی میں کتنے علوم کے ماہروں کی نہ ضرورت ہوگی! امام ابو حنیفہ ہر علم و فن کے ماہروں کو ہم بزم کرنے اور اسلامی قانون یعنی فقہ کو ان سب کے تعاون سے مرتب و مدون کرنے کی کوشش میں عمر بھر لگے رہے اور

بہت کچھ کامیاب بھی ہوئے۔

(کتاب میں قسم قسم کے معلومات ایک جا ہو گئے ہیں۔ کئی یقین آئے گا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کتاب میں زمین کے کروٹ اور گول ہونے کے قائل تھے؟ صفحہ ۱۲۳ پر جو قصہ لکھا ہے اس سے اس کے سوا کیا نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔ خلیفہ منصور کی موجودگی میں امام ابو حنیفہ سے کسی نے پوچھا کہ ”دنیا کے ٹھیک پتچ میں کون سی جگہ ہے؟“ امام نے فرمایا کہ وہی جگہ جہاں ”تو بیٹھا ہے“ زمین کے ٹھیک کردی شکل ہونے بغیر نہ تو یہ جواب صحیح ہو سکتا ہے اور نہ سائل اس پر چپ اور قائل ہو سکتا۔ رطبیین پر پکڑنے سے یہاں بحث نہیں)۔

”جریج شاید جارج کے لفظ ہی کی کوئی صورت ہے“ (ص۔ ۱) اس کا تعلق گریگوری سے سمجھا جاتا ہے۔

امام ابو یوسف سب سے پہلے قاضی القضاات تھے۔ (ص۔ ۱) بطور واقعہ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی طرح کام اولاً امام ابو حنیفہ کو پیش کیا گیا تھا جسے انھوں نے قبول نہیں فرمایا۔ (ص۔ ۱) اس کے ماننے سے بھی انکار نہیں۔ لیکن اس سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا کہ اس عہدے کا تصور امام ابو حنیفہ کی رجو ایرانی النسل تھے، تجویز سے ہوا یا خود خلفاء عباسیہ کو اپنے ماحول کے ایرانی اثرات و روایات سے قبل اسلام کے عہدے موبذان کے باعث اس کی تجویز سوچھی، بہر صورت قاضی القضاات کا تصور جو وزیر عدالت اور میر عدل دونوں کے اجتماع کی حیثیت ہے، ایرانی تھا یا نہیں، مولانا کی طویل بحث کے باوجود حل نہ ہو سکا۔ موبذ موبذان آیا خالص مذہبی افسر تھا یا خالص عدالتی یا دونوں کا جامع جب تک اس کا مواد سامنے نہ آئے خالص عدالتی قاضی القضاات کے تصور کا ماخذ معلوم نہیں ہو سکتا۔ میں پورے استناد کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا۔ لیکن قدیم تر تمدنوں مثلاً یہودیوں وغیرہ کے ہاں مذہبی اور عباداتی اعلیٰ افسر ہی اعلیٰ ترین افسر عدالت و مرافعہ بھی ہوتا تھا۔ موبذ موبذان بھی ایسا ہی رہا ہو قرین قیاس ہے۔ جاحظ نے موبذ موبذان کا ترجمہ اگر قاضی القضاۃ کیا تھا (ص۔ ۱) تو اس مذہبی افسر کے عدالتی شعبہ فرائض کے ذکر کے سلسلے ہی میں ہوگا۔ ایران میں خالص عدالتی موبذ موبذان کا پتہ نہیں چلتا کہ قاضی القضاۃ کو اس کی متبع قرار دیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خلافت راشدہ و خلافت بنی امیہ میں ایسی کوئی چیز مسلمانوں میں نہ تھی۔ اور یہ امر معنی خیر ہے کہ اس طرح کا عہدہ بغداد اور قرطبہ میں ایک ہی

وقت میں قائم ہوا (ص) ، گویا وہ ایک سماجی ضرورت تھی اور مسلمانوں کی عمرانی ضرورتوں
نے اس کا قیام بکھایا تھا۔ اور بس۔

کتاب کے بعض اور دلچسپ معلومات میں سے یہ ہے کہ ابو مسلم خراسانی کے زمانے میں بھی
چینی کے برتن پائے جاتے تھے۔

وزرا کو نماز باجماعت نہ پڑھنے کی بنا پر عدالت میں مردود الشہادت قرار دیا جاتا تھا۔

ایک بڑی دلچسپ بات یہ کہ امام محمد شیبانی کو تدوین فقہ میں جو دو گارے ان میں ان
مسلکی اپنی بعض رومی نوٹدیاں بھی تھیں (ص) ، اس سے مراد یونانی ہوں گی۔ کیونکہ تاریخ اسلام
میں رومی سے مراد صومالیہ، نبطیہ ہوتے ہیں یعنی قسطنطنیہ کی سلطنت والے۔ اور ان میں یونانی سب
سے ممتاز تھے۔ کیا یہ نوٹدیاں صرف صاف نوٹیں تھیں یا اس سے زیادہ کچھ اور بھی؟

بنی تغلب (ص) کے متعلق ایک معاہدے کا بعض مورخ ذکر کرتے ہیں کہ انھوں
نے یہ وعدہ کیا کہ خود تو عیسائی رہیں گے۔ لیکن اپنے بچوں کو بپتسمہ نہ دیں گے یعنی عیسائی نہ بنائیں
گے۔ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی والخلافتہ الراشدہ کی تدوین کے سلسلے میں پتہ چلا کہ یہ
اصل میں۔ لا تقربوا الصلوة کا سدا وقہ ہے۔ مکمل معاہدے سے دھری ص۔ خراج ابی یوسف
سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نو مسلم تغلبیوں کی اولاد کے متعلق پادریوں کے اختیار سواوت اور عمل
دغل کو روکنا مقصود تھا۔ ورنہ عیسائیوں کو یہ حکم دینا کہ اپنی اولاد کو عیسائی نہ بنائیں لاکھواہ فی الدین
کے قرآنی احکام کے مغائر ہو جائے گا۔

ہامون الرشید کے زمانے میں خاندانی ناموں کا رواج نہیں ہوا تھا۔ اور ہامون الرشید اور
اور امین الرشید (ص) کا کوئی تاریخی وجود نہیں۔ عبد اللہ الہامون اور محمد الامین صحیح نام ہیں
امین و ہامون زیادہ سے زیادہ لقب ہو سکتے ہیں۔ ان میں الرشید کے لفظ کا اضافہ ٹھیک نہیں
طبع اول میں کتاب اچھی چھپی ہے لیکن مؤلف کو ہر وقت پڑھنے کا غالباً موقع نہیں ملا۔ ص۔
سطر ۱ میں کارہ کا لفظ ہے یعنی کراہت کرنے والا۔ ہروف خواں نے اسے نہ سمجھا اور "ناکارہ" بنا
کہ اپنے ناکافی علم کا ثبوت درج کتاب کر دیا۔

سطر ۱ میں آزمائشوں کی بمعنیوں سے "کھرا" ہو کر تو کوئی نکل سکتا ہے "کھرا"
ہو کر نہیں جیسا کہ چھپا ہے۔ کم از زیادہ اہم ایسی کچھ اور بھی طباعتی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ یہ قابل معافی

سمجھی جا سکتی ہیں۔ لیکن کائنات ناشر کتاب میں ایک اشاریہ لگوا دیں جس کا شاید اب بھی وقت ہے
موجودہ فہرست مضامین تک محض نا کافی ہے۔ طبع ثانی میں تو اس کی تیاری آسان ہے۔

مولانا کی اور تالیفوں کا کتاب میں مژدہ ہے مثلاً تدوین فقہ کی تاریخ وغیرہ
دعا ہے کہ مولانا کا سایہ علم کے سر پر تا دیر صحت و عافیت کے ساتھ باقی
رہے۔ کہ ان زیر تالیف کتابوں سے دنیا محروم نہ رہ جائے برا عظم ہند میں اسلامیات کے احیاء
میں مولانا نے جو حصہ لیا ہے وہ کفر و جہالت کے منطقہ حارہ میں ٹھنڈی ہواؤں کے مصداق ہے۔
جزاہ اللہ عنا احسن الجزاء

مولانا کی اہم تر تالیفیں

گننام اور ہا نام مضامین تو بہ کثرت ہیں۔ مطبوعہ کتابوں میں سے قابل ذکر یہ ہیں ۱۔

۱۔ البنی الخاتم

۲۔ اسلامی معاشیات

۳۔ مسلمانوں کی تعلیم دو جلدیں۔

۴۔ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ

۵۔ کتاب ہذا (امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی)

۶۔ تدوین حدیث

۷۔ الدین الیوم

۸۔ حضرت ابوذر غفاریؓ

نقطہ

محمد حمید اللہ

جاوہی الاولیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِهِ السَّادِّیْنَ اَصْطَفٰی

جامعہ عثمانیہ کے سابق نائب امیر و پروفیسر چائنسلر محترمی قاضی محمد حسین صاحب مرحوم نے ایک علمی مجلس جامعہ عثمانیہ میں اساتذہ کی قائم کر رکھی تھی جس میں اپنے اپنے تدریسی فن کے مختلف موضوع پر اساتذہ مقالے سنایا کرتے تھے۔ خالصتہً کی جب باری آئی تو اپنی کتاب "تدوین فقہ" کے ایک حصہ کا انتخاب کر کے مقالہ کی شکل میں متعدد مجلسوں میں اس کو پڑھتا رہا۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی کی روئداد تھی مضمون چونکہ کافی طویل تھا، اس لئے چند قسطوں میں بھی مکمل نہ ہو سکا۔ ہر خطبہ جو اس مجلس میں پڑھا جاتا تھا، "الفرقان" بریلی میں اشاعت کے لئے بھیج دیا جاتا تھا، "الفرقان" سے بعض دوسرے مجلات میں بھی یہ مضمون نقل ہوا، خصوصاً ہمارے فاضل دوست مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعت اسلامی نے اپنے ایک طویل پیش لفظ کے ساتھ رسالہ "ترجمان القرآن" جلد ۱۶ - عدد ۳ و ۴ میں بھی اس کو شائع فرمادیا تھا۔ لیکن مضمون بہر حال نامکمل ہی تھا۔ بعض لوگوں کے اصرار سے کچھ دنوں اس مضمون کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا۔ کتاب کی موجودہ ضخامت کا اندازہ پہلے سے نہ تھا، لیکن جب قلم اٹھا لیا گیا تو اس کا روکنا میرے بس میں نہ تھا، بس جہاں پر پہنچ کر وہ خود ہی رک گیا، میں نے بھی اپنے اس تالیفی سفر کو ختم کر دیا۔

سچ پوچھیے تو حنفی تاریخوں کے گوشے میں یہ چند فقرے جو پائے جاتے ہیں، یعنی بنی اُمیہ کی حکومت کے عہد میں کوفہ کا والی ابن ہبیرہ تھا، اس نے امام ابو حنیفہ سے خواہش کی کہ حکومت کی کسی ملازمت کو قبول کر لیں، امام صاحب نے انکار کیا، انکار کی سزا میں ابن ہبیرہ نے حضرت امام کو جیل خانے بھی بھجوا دیا تھا اور تازیانے سے اس بے رحم آدمی نے ان کو ٹپوایا بھی تھا۔ ایک مختصر ساقصہ یہ اور دوسرا قصہ عباسی دور کا ان الفاظ میں جو درج کیا جاتا ہے کہ عباسیوں کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور نے جب حکومت کی باگ سنبھالی، تو بغداد شہر کی تعمیر کے بعد اس نے چاہا کہ امام ابو حنیفہ کو اس شہر کا قاضی مقرر کریں، لیکن امام صاحب

نے اس وقت بھی انکار پر ہی اصرار فرمایا۔ ابو جعفر نے بھی اس انکار کی سزا امام صاحب کو جیل اور تازیانے وغیرہ کی شکل میں دی۔

بس یہ دو فقرے حنفی تاریخوں کے گوشتوں میں جو پائے جاتے ہیں، یوں سمجھیے کہ ان ہی کو متن بنا کر اس کی جو واقعی شرح تھی، اس کتاب میں پیش کی گئی ہے، اصل واقعات کے بیان کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے عہد کی سیاسی تاریخ کا ایک ہلکا سا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

امام صاحب کے عہد کی سیاسی تاریخ

ولادت و ماحول واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب کی ولادت باسعادت بنی اُمیہ کے اس عہد میں ہوئی تھی، جب سارا عالم اسلام ان کے خوں چکاں مظالم سے تھرا رہا تھا۔ دنیا کے ان متوالوں سے وہ سب کچھ سرزد ہو چکا تھا جس کی نظیر اسلام ہی کیا شاید تاریخ عالم میں موجود نہیں۔ فرات کے ساحل پر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور ان کے خاندان کے پیارے شہیدوں کے بہتے ہوئے لہو سے یہ اپنی حرص و آرز کی پریاں بچھا چکے تھے۔ رسول کا منور و پاک شہر حرہ کے واقعہ میں لوٹا جا چکا تھا، اور اس بُری طرح لوٹا جا چکا تھا کہ جان و مال ہی نہیں بلکہ عصمتیانِ حرم کی آبرو و ناموس تک کی پروا نہیں کی گئی۔ رسول کی مسجد میں سعید بن المسیب کے سوا ایک زمانے تک نماز پڑھنے والا کوئی باقی نہیں رہا تھا اللہ کا گھر کعبہ تک بھی دنیا طلبی کی اس بھٹی کی چوکاریوں سے نیند آتش ہو چکا تھا، جو اس خاندان کے سینوں میں جل رہی تھی۔ خلافت اسلامی کے پہلے خلیفہ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر بیت اللہ کی چوکھٹ پر ان ہی کے ہاتھوں خاک و خون میں ٹرپ چکے تھے۔ ظالم الامۃ "حجاج کی بے پناہ تلوار لاکھوں مسلمانوں کی گردنیں معمولی معمولی بائوں میں اڑا چکی تھی، جن میں صحابہ کی اولاد اور جلیل القدر تابعین بھی شامل تھے۔

الغرض بنی اُمیہ اور ان کے سنگ دل و سیاہ سینہ ولادتِ دُگورنوں کی ہدایتیوں کے اس بے پناہ طوفان نے ایک ایسا دہشت ناک صیب منظرِ دنیا کے اسلام میں قائم کر دیا تھا کہ ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر دم بخود تھا۔ منکرات دیکھے جا رہے تھے۔ لیکن ہاتھ بے روکنے کی حرمت کسی کے

کیا ہوتی، بڑے بڑوں کی زبانیں تک خاموش تھیں، نیز سیدنا بن زیاد اور حجاج جیسے رسولائے زمانہ ہی نہیں بلکہ جو ان میں نیکی اور حلم و بردباری میں شہرت رکھتے تھے، ان کے درباروں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابیوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے عبدالملک بن مروان جو اپنی مذہبی زندگی میں خاص امتیاز رکھتا تھا، کے پاس بوڑھے اور نابینا صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ سے چل کر دمشق صرف اس لئے آتے ہیں کہ واقعہ حرہ کے بعد انتقاماً مدینہ منورہ والوں پر جو ظلم تہذیبے جا رہے تھے ان کو بند کرنے کی درخواست کریں۔ اس وقت رسول اللہ کے پڑوسیوں پر زندگی کے تمام ذرائع بند کر دیئے گئے تھے۔ ہر شخص گویا اپنے گھر میں قیدیوں کی سی زندگی بسر کر رہا تھا۔ رسول کے صحابی ابن عباس رحمہ کی سفارش بے کرات تھی، اور خلیفہ عبدالملک سے کہتے ہیں:-

”امیر المومنین! مدینہ منورہ جس حال میں ہے، آپ دیکھ رہے ہیں۔ وہ ”طیبہ“ یعنی پاک شہر ہے، یہ نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا رکھا ہے، اس کے باشندے آج کل قیدیوں کی طرح محصور ہیں، امیر المومنین کو اگر صلہ رحمی کا خیال ہو اور ان کے حق کو وہ پہچانیں تو ایسا کرنا چاہیے۔“

پیغمبر کے ایک صحابی پیغمبر کے شہر کے بے تصور باشندوں، بچوں اور عورتوں پر رحم کی درخواست پیش کرتے ہیں۔ لیکن بجائے سمجھنے کے عبدالملک کے سینہ میں غصہ کی آگ بجھنے لگی۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ حضرت چونکہ نابینا تھے۔ اس لئے ان کو اس کی ناراضی کا پتہ نہ چلا۔ آپ بار بار اسی بات کو دہرا رہے تھے۔ قریب تھا کہ ان کے ساتھ بھی کوئی سخت واقعہ پیش آئے۔ لیکن اتفاق سے دربار میں ان کے ایک شاگرد قبیسہ موجود تھے، انھوں نے حضرت کو خاموش کیا۔ ہاتھ پکڑ کر باہر نکال لائے، اور حضرت کو سمجھانے لگے کہ:-

یا ابا عبد اللہ ان هؤلاء القوم صاروا مملوکاً (ابن سعد) حضرت یہ لوگ (بنی امیہ)

اب بادشاہ بن گئے ہیں۔ (ابن سعد)

مطلب یہ تھا کہ آپ کیا ابھی تک ان لوگوں کو واقعی مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ ہی سمجھ رہے ہیں۔ یہ اپنے کو اب رسول کا جانشین نہیں سمجھتے، بلکہ گزشتہ رومی اور ایرانی سلاطین کے نقش قدم پر چل کر انھوں نے اپنے کو بادشاہ بنا لیا ہے۔ قبیسہ پر عبدالملک چونکہ بہت

بھروسہ کرتا تھا، اور یہ بات مشہور تھی، اس لئے حضرت جابر نے یہ سن کر قبضہ سے فرمایا۔
- مگر تم کو کوئی عذر کا موقعہ حاصل نہیں ہے، کیونکہ تمہارا صاحب تمہاری بات تو سنتا ہے۔

اس پر قبضہ نے جو بات کہی، اس سے ان خلفاء کے طرز عمل کی کیسی اچھی تشریح ہوتی ہے۔
انکھوں نے کہا۔

حضرت! وہ سنتا بھی ہے اور نہیں بھی سنتا ہے، جو بات نسا اور مرضی کے مطابق ہوتی ہے، بس اسی کو سنتا ہے۔ (ابن سعد)

مروانی خاندان کے پہلے خلیفہ کا یہ حال تھا، اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بعد کے خلفاء جنہوں نے سلطنت ہی کی گود میں آنکھیں کھولی تھیں، ملوکیت میں ان کا رنگ کتنا گہرا ہوتا چلا گیا ہوگا۔
اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل رحم حالت کو فہ یعنی امام صاحب کے مولد کی تھی کہ اسی شہر میں بدت تک ابن زیاد اور اس کے محتاج کی تلوار اپنے نیام سے باہر ہو کر ہیکوں اور مظلوموں کے سر پر مسلسل بیٹھ سال تک انتہائی بے دردی کے ساتھ چمکتی رہی۔ کو فہ وائے کس حال میں تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے استاذ حضرت ابراہیم نخعی کو جب محتاج کی موت کی خبر پہنچی تو وہ مسجد میں گر گئے اور یہاں کیا جاتا ہے کہ ان کی آنکھوں سے مسلسل خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ زمانہ تھا جب "لو ہے کر عاصی" سے ایسی حکومت قائم کی گئی تھی جس میں زبان سے کسی اصلاحی لفظ کا نکالنا اپنے خون سے کھیلنا تھا، اور اسی لئے بڑے بڑوں کے پائے استقلال اپنی جگہ سے ہل چکے تھے۔ بجائے کھڑے ہونے کے وہ بیٹھنے کو ترجیح دے چکے تھے۔ خواجہ حسن بصری، ابن سیرین، ابراہیم نخعی، شعبی جیسے ائمہ عظام کے لئے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے، یہ واقعہ ہے کہ اس کا خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ حکومت کی قہرمانیت و استبداد کے اگر یہی یل و نہار رہے تو آئندہ نسلوں میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا جذبہ جس کی قسہ آگنی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء راشدین کے طرز عمل نے مسلمانوں میں پودرش کی تھی ہمیشہ کے لئے بجھ کر رہ جائے گا، جس کا آخری مال اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ نبوت نے جو اسلامی نظام قائم کیا تھا، حرص و ہوا کے ان غلام

لے اچھی باتوں کا حکم دینا اور بُری باتوں سے روکنا ۱۲

بادشاہوں اور ان کے عمال و حکام کے ہاتھوں بدترک مسخ ہوتے ہوتے درہم و برہم ہو کر رہ جاتے۔

غالباً حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ اپنی

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت

عمر کے اٹھارہویں سال میں تھے

کہ اسلام کے متعلق وہی تجربہ جس کی شہادت تیرہ سو سال سے اسلامی تاریخ مسلسل ادا کر رہی ہے،

ظاہر ہوا۔ اپنی اسلام کی کشتی جب کبھی نزاکت کے آخری گرداب میں اس طرح پھنسی ہے کہ دیکھنے

والوں نے ہمیشہ کے لئے اس کے ڈوب جانے کی پیش گوئی کی، تو اچانک کسی غیبی لطیفہ نے ظاہر ہو کر

انسانوں کو محفوظ کی توثیق کرتے ہوئے ناامیدی کی ان مایوسانہ پیش قیاسیوں کو ہمیشہ جھٹلا کر

رکھ دیا ہے۔ میرا یہ مقصد ہے کہ ٹھیک ان ہی دنوں میں جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا، بنی اُمیہ کے

ان ہی مردہ لاشوں میں سے جنھوں نے خواہ سیاسی طور پر جس قسم کی زندگی کا ثبوت دیا ہو لیکن

اسلامی نقطہ نظر سے ان میں اکثر مردہ ہو چکے تھے۔ (اور اس حد تک مردہ ہو چکے تھے کہ ان ہی

اموی خلفاء میں سے ایک نے اپنی ایک ناپاک کتیر کو بحالت جنابت عبا اور عمامہ پہنا کر مسجد میں

الامت کے لئے بھیجا، اور بیچارے ناواقف مسلمانوں کو اسی بدست و ناپاک عورت کے پیچھے

نماز پڑھنی پڑی۔ لیکن مخرج الحی من المیت کی عجیب شان ہے کہ ان ہی مردہ ضمیروں

میں سے اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے خلیفہ کو اموی تخت کا وارث

بنایا، جس کی ایمانی زندگی نے نئے سرے سے اسلامی نظام کے تمام شعبوں میں زندگی کی نئی لہر

دوڑادی، جیسا کہ میں نے عرض کیا، امام صاحب کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا، جس وقت عمر

بن عبدالعزیز نے خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی، پہلی تقریر منبر پر پہنچ کر انھوں نے جو کی تھی

اُس کا سب سے اہم فقرہ یہ تھا کہ: لا طاعة لنا فی معصیۃ اللہ۔ (ابن سعد) اللہ کی نافرمانی میں ہماری فرماں برداری کوئی نہ کرے

آزادی کا یہ پہلا منشور تھا جس کا بنی اُمیہ کے عہد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز

آزادی کا پہلا منشور

عمر بن عبدالعزیز نے اپنی دفعہ اعلان کیا گیا تمام ظالم گورنروں کے حالات وہ بخوبی

واقف تھے ایک ایک کر کے بتا دیتے تھے ہر شخص کو حکم دیا گیا کہ اسلامی نظام میں جہاں جہاں جس قسم کی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان

کی اصلاح کی کوشش کی جائے اور پوری قوت سے کی جائے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ساری زبانیں بن پر تلوار کے تارے چڑھائے گئے تھے

گھل پڑیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اظہار حق کے جذبہ کا جو چراغ قریب تھا کہ بجھ جاتے پھر سینوں میں روشن ہو گیا۔

مشہور مدنی امام حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر کا مشہور تاریخی فقرہ۔

اب وہ بولیں گے جو نہیں بول سکتے تھے۔

خلافت عمری کے اسی اعلان آزادی کا ترجمہ ہے۔ ایک طرف عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں لوگوں کو یہ آزادی پیش کی دوسری طرف ایک دوطرفہ کی ابتدائی ہی کے زمانے سے شروع ہوئی۔ وہ یہ کہ بنی اُمیہ کی غیر اسلامی زندگی کا ایک اثر تھا لوگوں پر یہ بھی پڑا تھا کہ شرعی علوم یعنی قرآن و حدیث اور ان سے مسائل استنباط کرنے کا عام رجحان جسے فقہ کہتے ہیں بتدریج کم ہوتا جاتا تھا کیونکہ ہمیشہ علوم کی ترویج و اشاعت میں ضرورت کو بہت زیادہ دخل ہوتا ہے لوگوں میں سلامتی ملنے لگی گذرنے کا جب شوق ہی مڑ رہا تھا تو ظاہر ہو کہ اس کی ضرورت بھی کم ہو رہی تھی جیسا کہ خود امام صاحب کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے عام لوگوں کی توجہ شرعی علوم سے ہٹ کر شعری ادب وغیرہ کی طرف مائل تھی دینی علوم میں سب سے زیادہ اہمیت ان مسائل کو حاصل ہو گئی تھی جن پر فلسفیانہ رنگ غالب تھا۔ جسے اُس زمانہ میں علم کلام کہتے تھے۔ گویا دین بھی ایک قسم کی ذہنی عیاشی کا ذریعہ بن گیا تھا۔

حضرت امام کا ابتدائی تعلیمی رجحان

خود امام اعظم کا ابتدائی حال بھی یہی تھا، جیسا کہ خود بیان کرتے ہیں :-

ابتدا میں میرا حال یہ تھا کہ میں کلام کو تمام علوم میں سب سے بہتر علم خیال کرتا

تھا، سمجھتا تھا کہ اس میں نو دین کی بنیاد سے گفتگو کی جاتی ہے۔

اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ جس قسم کی فطری ذکاوت و ذہانت سے کرام امام صاحب آئے تھے، اُس نے

ان فلسفیانہ موثکافوں میں آپ کی دلچسپی کو اتنا تیز کر دیا تھا کہ :-

”امام صاحب اپنے زمانہ میں اس علم کے رئیس ہو گئے، لوگوں کی نگاہوں کے

مرکز بن گئے۔۔۔ مناقب

تعلیمی سوانح کو بیان فرماتے ہوئے امام صاحب خود اپنے کلامی شوق کا اظہار ان الفاظ میں کرتے تھے :-

”میں دراصل ابتدا میں ایسا آدمی تھا جسے ”علم کلام“ میں مقابلہ و مجاہدہ کا ذوق

تھا اس سلسلہ میں ایک زمانہ گذر گیا کہ اسی کے پیچھے میری تنگ و دو د تھی،

اسی فن میں لوگوں سے مقابلہ کرتا اور چیلنج دیتا۔

جوانی کے اس شوق بے پروا میں آپ جب کوفہ کے میدان کو تنگ پاتے تو بصرہ تشریف لے

جاتے جو اس زمانے میں علم کلام کا سب سے بڑا دنگل تھا اور وہاں بڑے بڑے چٹا دیوں سے

پنچہ آزمائی فرماتے۔ خود ہی بیان فرماتے ہیں :-

”لڑائی جھگڑے کرنے والوں کی بڑی جماعت بصرہ میں رہتی تھی۔ میں تقریباً بیس

دفعہ بصرہ اسی غرض سے گیا، اور وہاں کم و بیش سال سال بھر قیام کیا۔ اس قسم کے بے معنی مباحث میں مسلمانوں کے اچھے رہنے سے چونکہ حکومت کچھ نہیں بگڑتا تھا، بلکہ طرح طرح کی فرقہ بندیوں کی اس سے بنیاد پڑتی تھی، جس سے "فَوَقَّيْ وَ اَحْكُمْ" (پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو) کے سیاسی نظریہ کی تکمیل ہوتی تھی، اس لئے حکومت بھی اس قسم کے جمعگڑوں میں دخل نہیں دیتی تھی، بلکہ ممکن ہے کہ حوصلہ افزائی کرتی۔ امام صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بصرہ اس زمانہ میں مختلف کلامی فرقوں کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ فرماتے ہیں: "میں نے بصرہ میں خارجیوں کے مختلف فرقوں مثلاً اباضیہ اور صفریہ سے مقابلے کئے اور بھی مختلف حشوی طبقات سے مباحثے رہے۔"

ان فلسفیانہ خیالات والوں کا کیا حال تھا اس کی شہادت بھی امام ہی کی زبانی سننا چاہیے۔ اپنے ان ذہنی مباحث کو دینی رنگ دینے کے لئے ان لوگوں نے اس کا نام کلام رکھا تھا، لیکن ان کا جو حال تھا، امام صاحب بیان فرماتے ہیں:۔

"نہ ان کی صورتیں پُرانے بزرگوں کی سی تھیں، اور نہ ان کا طریقہ صالحین کا تھا۔ میں دیکھتا تھا کہ ان کے دل سخت ہیں اور ان کے قلب بے حس ہیں۔ ان لوگوں کو کتاب و سنت کے خلاف بات کہنے میں ذرا ہلکا نہ تھا۔ نہ ان میں تقویٰ تھی نہ خدا ترسی۔" (موفق)

مسلمانوں کا یہ میلان آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا، اگرچہ ابھی ملک قرآن و حدیث وفقہ کے جاننے والوں سے خالی نہیں ہوا تھا۔ لیکن خدا نخواستہ اگر بیچ میں یکایک عمر بن عبد العزیز کی حکومت قائم نہ ہو جاتی تو کون اندازہ کر سکتا ہے کہ کیا ہوتا؟ حضرت عمر بن عبد العزیز نے جس طرح اپنے پہلے خطبہ میں خلفاء کی اطاعت کی وہ نوعیت بیان کی تھی جو اوپر مذکور ہوئی، اسی طرح انھوں نے پورے غم اور کامل ارادہ کے ساتھ اس کا بھی اعلان کیا۔

نَادُوا كَانِ كُلُّ بَدْعَةٍ يَمْنَعُهَا اللَّهُ عَمَلِي
يَدِي وَكُلِّ سَنَةٍ يَبْعَثُهَا اللَّهُ عَلَيَّ يَدِي
بِبَعْضَةِ لَحْمِي حَتَّى يَأْتِيَ أَخْرُذَالُكَ عَلَيَّ
نَضِي كَانَ فِي اللَّهِ يَسِيرًا (ابن سعد)

اگر حق تعالیٰ ہر بدعت کو میرے ہاتھوں سے مڑوا کرے اور ہر سنت کو میرے ہاتھوں پر زندہ کرے اور اس راہ میں میرے جسم کا ایک ایک ٹکڑا کام آئے یہاں تک کہ آخر میں میری جان کی نوبت آجائے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہ بہت ہی معمولی قربانی ہوگی۔

اس باب میں ان کے شغف کا یہ حال تھا کہ عاملوں اور گورنروں کے جو فرامین پابیکارہ خلافت

ے اُن کے زمانہ میں جاری ہوتے تھے، ان کے متعلق مورخین کا بیان ہے :-
 فیہ سراد مظلمة واحیاء سنداً (ان میں یا تو کسی ظلم کا ازالہ ہوتا یا کسی سنت کے زندہ کرنا یا حکم یا کسی
 اذ اطفاء بدعة اذ عماد تقدیر بدعت کے مٹانے کا فرمان یا کسی کا ویشیہ مقرر ہونا یا کوئی نیکی کی بات
 عطاء اور خیر حتی خرج من الدنیا۔ رابن سعد ریس وقت یک بت، ربا، جب تک دنیا سے روانہ ہوئے)

ان ہی باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ طبائع کا رخ پلٹ گیا۔۔۔
رجحان میں تبدیلی
 قرآن و سنت کی طرف سے جو رجحان گھٹ رہا تھا پکھر
 اس میں نیا جوش اور نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ جہاں تک میرا خیال ہے امام صاحب پر بھی اس
 عام تحریک کا اثر پڑا۔ خود فرماتے ہیں کہ علم کلام کی ان ہی دلچسپیوں میں میں مستغرق تھا کہ اچانک
 میرا خیال بدل گیا اور :-

ایک مدت علم کلام کی بحثوں میں گزارنے کے بعد میں نے اپنے دل کو ٹھولا اور
 سوچنا شروع کیا، تو دل نے کہا کہ رسوا! اللہ علی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور
 تابعین جو گزر گئے، ان لوگوں سے کوئی ایسی بات چھوٹی نہیں تھی جسے ہم اب
 پانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان چیزوں کے جاننے کی زیادہ قدرت رکھتے
 تھے، ان امور کے زیادہ عالم تھے، ان کے حقائق سے زیادہ واقف تھے؛
 لیکن اس قسم کے مسائل کے متعلق نہ انہوں نے جھگڑے کئے نہ مباحثے۔
 وہ ان باتوں میں کبھی منہبک ہی نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ ان کے متعلق خاموشی
 اختیار کی۔ البتہ وہ شرائع و قوانین فقہ کے ابواب میں غور و فکر کرتے تھے، ان
 کے متعلق باتیں کرتے تھے، باہم ان مسائل پر مجسمہ کر فکر و تامل فرماتے تھے،
 اور ان کے متعلق لوگوں کو ابھارتے تھے، لوگوں کو ان ہی مسائل کی تعلیم دیتے
 تھے، اور ان کی طرف بلاتے تھے۔ صدر اول اسی حال میں گزرا، جس میں سب
 سے پہلے اسلام لانے والے صحابہؓ اور اُن کے تابعین گزرے۔

بہر حال جہاں تک میرا خیال ہے امام صاحب کی نوجوان خناس فطرت عمر بن عبد العزیز
 کے اصلاحی پیغام سے متاثر ہوئی، اور اپنی متاثر ہوئی کہ اب تک جو کچھ آپ نے کلامی مباحث
 کا ذخیرہ اپنے دماغ میں جمع کیا تھا، سب میں ایک دفعہ آگ لگا دی۔ فرماتے ہیں :-

جب میں نے اہل کلام کے اس حال کا اندازہ کیا جس کا میں نے ذکر کیا ہے تو :-

جھگڑے رگڑے میں نے ترک کر دیئے، اور کلام کے مسائل میں غور و فکر کرنے سے

الگ ہو گیا، اور سلف جس طریقہ پر تھے اسی کی طرف واپس ہو گیا، اور اسی راہ کو

اختیار کر لیا جس پر وہ تھے۔

ظاہر ہے کہ اس "انقلابی قدم" نے علم کلام کے اس عالم کو اچانک پھر ایک عامی کی حیثیت

میں پہنچا دیا کیونکہ اس وقت تک امام نے شرعی مسائل کی طرف قطعاً توجہ نہیں فرمائی تھی، بلکہ ان

مسائل سے اس درجہ بے تعلقی تھی کہ خود فرماتے ہیں :-

"لوگوں نے" ایلاہ کے لفظ کا ذکر کیا۔ امام صاحب نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا

ہیسا ایلاہ کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا میں نہیں جانتا :-

لیکن ہمت بلند تھی، عمر اگرچہ زیادہ ہو چکی تھی، مگر آپ

نے اس کی پروا نہ کی، اور "جہل" کا اعتراف کر کے اس

امام حماد کی شاگردی

زمانہ میں شرعی علوم کے مشہور امام حماد بن ابی سلیمان کے حلقہ درس میں حاضر ہونے لگے، اور اب

اس علم کا مذاق آپ پر اتنا مستولی ہوا کہ فرماتے ہیں :-

"میں دس سال تک ان کے سامنے رہا۔"

لوگوں کا بیان ہے کہ تجربہ سے اس کے بعد بھی امام نے اپنے کو اس فن میں پختہ نہ پایا، تو

پھر رجوع ہو گئے، جیسا کہ انھیں کا بیان ہے :-

"پھر میں ان سے اس وقت تک جدا نہیں ہوا جب تک ان کی وفات نہ ہوئی :-

الغرض حضرت عمر بن عبدالعزیز کے انقلابی عہد نے ایک طرف تو امام صاحب کو شرعی علوم کی

طرف راغب کیا، اور دوسری طرف اس کا بھی میدان ان ہی کی حکومت نے تیار کر دیا تھا، کہ ہر

جاننے والا اپنے علم کی اشاعت کرے اور "اسلامی نظام" میں گذشتہ خلفاء بنی امیہ کی بدولت جو

رہنے پیدا ہو گئے تھے، انھیں بند کرے۔ واقعات و حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب پر ان

دولوں تحریکوں کا کافی اثر پڑا تھا۔ علمی تحریک کے نتائج حاصل کرنے میں تو خدا نے انھیں پوری

کامیابی عطا فرمائی۔ لیکن یکایک پھر زمانے نے پلٹا کھایا، اور جس علم کو امام صاحب چاہتے

تھے کہ اصلاح یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے میدان میں اُتریں، اور اپنا حوصلہ پورا کریں، زمانہ

نے پھر اس کی راہوں پر کانٹے بکھا دیئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات اور بعد کے خلفاء بنو امیہ کی گمراہیاں

حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنی خلافت کی مختصر مدت (دو دو سو سال تقریباً) پوری کر کے اپنے خدا سے جا ملے۔ اور ان کی جگہ جو شخص بنی امیہ کی گدی پر بیٹھا، وہ عبدالملک کا بیٹا یزید تھا۔ تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی اُس نے جو فرمان نکالا وہ تاریخوں میں درج ہے، اُس کے چند فقرے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

اما بعد اذ اصبح ہو کہ عمر بن عبدالعزیز ایک فریب خورو شخص تھا تم نے اُسے اور تمہارے ساتھیوں نے اسے خوب دھوکہ میں ڈالا اب جو یہی کہ میرا یہ فرمان تمہارے پاس پہنچا، ایک سخت اُن تمام طریقوں کو ترک کرو جو اب تک تم عمر کے عہد کی چیزوں کے متعلق جانتے تھے لوگوں کی پہلی حالت کی طرف واپس لوٹاؤ، خواہ سرسبزی کا زمانہ ہو، یا خشک سالی کا۔ لوگ اسے پسند کریں یا نا پسند کریں، جیئیں یا مرئیں۔

اما بعد فان عمرو كاف مغرورا
غدا تموه انتم واصحابکم فاذا
اقاکم کتابی هل اقل عواما کنتم
تعرفون من عمده۔ اعیال والناس
الی طبقتمہ الاولی اخضر وام
احبل بواحبوا ام کسھوا احبوا
ام ماؤا والسلام دعقد الفریہ جلد

اس کے بعد لوگوں کے حوصلوں پر جو اوس پڑی ہوگی، اُس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ یزید کے بعد امام صاحب کے زمانہ میں چھ خلفاء بنی امیہ میں ہوئے، لیکن ان میں زیادہ تر اسی قسم کے لوگ تھے جو بجائے عمر بن عبدالعزیز کو اُسودہ بنائے کے اپنے آباؤ اجداد کے نمونوں پر حکومت کرتے تھے، جنہوں نے نبوت کی راہ کو چھوڑ کر عجمی سلاطین کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ خود بھی یزید جو عمر بن عبدالعزیز کے تخت پر بیٹھا، اپنی آوارگیوں اور عیاشیوں میں اس حد کو پہنچا ہوا تھا، جس کا تذکرہ سلامہ اور حبابہ کے صن و عشق کے قصوں میں عام طور پر مشہور ہے۔ یہاں تک میان کیا جاتا ہے کہ سلامہ کی مردہ لاش تک کے ساتھ اُس نے مجامعت کی۔

ایسی صورت میں حکومت کی جانب سے اصلاحی تحریکوں کے پھلنے پھولنے کا کیا موقع مل سکتا تھا؟ بھلا جو خواہی رعایا کے ساتھ اس حد تک ظلم کرنے پر آمادہ ہو کہ وہ مرے یا جیئیں لیکن حکومت اپنے مطالبات میں سے ایک رتی برابر بھی تخفیف نہیں کر سکتی۔ اس سے کیا امید ہو سکتی تھی کہ وہ نظام شریعت کے احیاء میں لوگوں کی امداد کرے گا!

لیکن اخلاص کے ساتھ جس تحریک کی بنیاد ڈالی جاتی ہے، قدرت اس کو بالآخر ناکام ہونے

نہیں دیتی۔ عمر بن عبدالعزیز تو ایک نرسنگھا پھونک کر چلے گئے، اور ان کے بعد نور اس آواز کو دبا دینے کی کوشش کی گئی، تاہم اس دبی ہوئی حالت میں یہ چنگاری ان دلوں میں اندر ہی اندر سلگتی رہی، جنہوں نے ان کے پیغام کو عزم کی طاقت کے ساتھ قبول کیا تھا۔ میرے سامنے اس وقت دو دریا کا حال نہیں ہے، بلکہ اس سلسلہ میں یہاں صرف اس نوجوان کا حال بیان کرنا ہے، جو بعد کو اُمت میں "الامام الاعظم ابوحنیفۃ النعمان" کے نام سے مشہور ہوا۔ (قدس اللہ سرہ و روح روحہ)

امام صاحب میں جو علمی انقلاب پیدا ہوا تھا اُس کا قصہ تو مشہور ہے، لیکن معلم کے بعد جس چیز کا درجہ ہے یعنی علمی انقلاب، اس میں امام ابوحنیفہ نے کیا کام کیا اور اتنے شدید نتائج کسے ہوتے ہوئے اس میں انہوں نے کس طرح کامیابی حاصل کی اگرچہ مورخین نے ان کا تفصیلی تذکرہ نہیں کیا ہے، لیکن جستہ جستہ مقامات میں جو باتیں پائی جاتی ہیں، ان سے کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہوتا ہے۔

امام صاحب نے اپنے عمل کا نظام نامہ کیا مرتب کیا تھا؟ بیچ تو یہ ہے کہ اس کا صحیح علم اُسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ امام صاحب خود یا ان کے شاگردوں کا کوئی بیان اس سلسلہ میں مجھے کسی طرح مل سکتا مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ تو بڑی بات ہے، یہاں تو اربابِ تاریخ نے بھی کوئی سلسل چیز اس ذیل میں نہیں جھوڑی ہے۔ لیکن امام صاحب کا نظام نامہ اگر ہمارے پاس نہیں ہے تو کیا ہوا ان کا کام تو ہمارے سامنے ہے، آخر ان سے بھی تو رسم تک راہ بنائی جاتی ہے اور پھلوں سے اکثر درختوں کو پہچانا گیا ہے۔ میری کوشش کی بھی اس راہ میں یہی نوعیت ہے۔

میں نے عرض کیا تھا، امام کو اپنی جوانی کے دنوں میں روشنی کے بعد جس تاریکی سے سابقہ پڑا تھا وہ یزید بن عبدالملک کی حکومت اور اس حکومت کی بنیاد کا وہ اساسی فرمان تھا جسے عقد الفرید سے میں بجنہ نقل کر چکا ہوں۔ اس فرمان کا وہ فقرہ یعنی اعیل والناس انی طبقتہم الاولیٰ رونا دو لوگوں کو پہلی حالت کی طرف، دراصل تشریح کا محتاج ہے کہ اسی کی تشریح سے امام کے ابتدائی منصوبہ رپر وگرام، کا جہاں تک میرا خیال ہے کچھ نہ کچھ

اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس فقرہ کا سیدھا سادہ مطلب تو یہی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کی حکومت سے پہلے مسلمان جس حال میں تھے اسی حال کی طرف واپس کر دیئے جائیں یہ یزید سے اپنے گورنروں کے نام حکم جاری کیا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کا وہ حال کیا تھا جس کی طرف وہ انھیں لوٹا کر پہنچانا چاہتا تھا؟

ممکن ہے لوگوں کو رنج سے اختلاف ہو لیکن میرا ذاتی خیال، یہ ہے کہ کچھ اسی زمانہ میں نہیں بلکہ تقریباً ایک حد تک ہر زمانہ میں (حکومتوں کے اثر سے) زیادہ تر وہی بگڑتے ہیں جو دراصل خود بگڑنا چاہتے ہوں۔ خصوصاً مذہب کی حد تک شاید میرا یہ دعویٰ بالکل صحیح غلط نہیں قرار دیا جاسکتا۔ علی الخصوص ایسی صورت میں جب کہ حکومت کی باگ ڈور جن ہاتھوں میں ہو وہ خود اپنے کو اسی مذہب کا پیرو بتاتے ہوں اور وہ مرتد و منافق نہ ہوں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ خلفاء بنی امیہ کی ذاتی زندگی مذہبی حیثیت

خلفاء بنی امیہ کی واقعی دینی حالت

سے جیسی کچھ ہو، لیکن بایں ہمہ اُن پر بہتان ہو گا اگر یہ کہا جائے کہ الحیا باللہ اسلامی عقائد کو ترک کر کے کفر کے خیالات پر وہ مسلمانوں کو مجبور کرتے تھے کون ثابت کر سکتا ہے کہ جس حکومت کے اکثر خلفاء خود نماز یا جماعت کے پابند تھے، خود امامت کراتے تھے روزے رکھتے تھے، حج کرتے تھے کراتے تھے وہی مسلمانوں کو نماز روزہ حج اور زکوٰۃ سے روکنا چاہتے تھے؟ یزید بن عبدالملک اپنے فرمان سے جس سابق حال کی طرف مسلمانوں کو لوٹنا چاہتا تھا ظاہر ہے کہ اُس کی قطعاً یہ غرض نہ تھی کہ مسلمان بے دین بنادیتے جائیں اور ان میں فسق و فجور پھیلایا جائے۔ کیونکہ نہ اس سے پہلے بنی امیہ کے خلفائے ایسا کیا تھا اور عموماً حکومتیں اپنی رعایا کے مذہبی معاملات میں اتنا براہ راست دخل دیتی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ سلاطین و امرا کے شخصی حالات سے متاثر ہو کر جو بگڑتے ہیں، زیادہ تر یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جن کی فطرت چمچوری اور جن کا دماغ کھوکھلا ہوتا ہے۔ پھر کسی قوم کے چند افراد بگڑ جاتے ہیں تو اُن کے دیکھا دیکھی دوسرے بھی بتدریج اُن ہی راہوں پر چل پڑتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ خود چلنے پر آمادہ ہوں۔ پختہ عزم اور بلند حوصلہ رکھنے والوں نے جب کبھی یہ طے کر لیا ہے کہ وہ ہر میں جو کچھ ہو رہا ہے ہونے لگا

لیکن ہم اس کے ساتھ نہیں گھومیں گے، تو خواہ کسی قسم کی حکومت ہو، اُن کو اپنی راہ سے ہٹانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ خصوصاً جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں یہ وہ زمانہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی ان تھک کوششوں نے اسلامی دنیا کے گوشہ گوشہ کو اہل علم و فضل سے بھر دیا تھا۔ ایک بڑا گروہ ایسے علما کا تقریباً ہر مرکزی مقام پر پیدا ہو گیا تھا جو مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی نگرانی ہی کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین بنائے ہوئے تھا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ اسی بنیاد پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کو قوم کی جانب سے معلم العلماء کا خطاب دیا گیا تھا۔ ابن سعد نے مشہور محدث میمون بن مہران سے نقل کیا ہے۔

کَلَّمَ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ مُعَلِّمَ الْعُلَمَاءِ ۶۲ ج ۱ عمر بن عبدالعزیز علماء کے معلم اور استاذ تھے۔

بہر حال اور کسی حکومت کے عہد میں ایسا ہو یا نہ ہو، لیکن جس عہد میں حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے ہوش سنبھالا تھا، اُس وقت مختلف وجوہ سے مسلمانوں کا مذہب اُن کا دین سلاطین و امراء کے دست رس سے باہر تھا، کم از کم میرا تو یہی خیال ہے۔ لیکن باوجود اس کے مسلمانوں کی زندگی کے دو شعبے، یعنی اُن کا مال اور اُن کا انصاف، حکومت کے پنجوں میں پھیر بھی پھنسا ہوا تھا اور یہ دو چیزیں ہیں بھی ایسی کہ حکومت کے سوا اُس کی نگرانی کوئی دوسری طاقت کر بھی نہیں سکتی، خلافت کے نام سے حکومت کا جو نظریہ اسلام نے پیش کیا تھا منجملہ اور خصوصیات کے ان دونوں شعبوں میں اس کا جو نقطہ نظر تھا اور خلافت کے نظریہ کو بادشاہت اور ملوکیت کے نظریہ سے جب بدل دیا گیا تو پھر حکومتوں کا جو طرز عمل اس سلسلہ میں ہو گیا تھا۔ اگرچہ اجنا لا اس کا علم تقریباً ہر پڑھے لکھے مسلمان کو ہے۔ لیکن میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے نہیں آسکتی جب تک کہ چند جزئی مثالوں سے اُسے واضح نہ کیا جائے۔

اسلامی اموال میں خلافت راشدہ کا نقطہ نظر اسلامی اموال یا بیت المال کے متعلق

خلافت کے نقطہ نظر کی تعبیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُن واقعات سے ہو سکتی ہے جو تواتر کی حیثیت میں تاریخ کی اکثر کتابوں میں عموماً بکھرے ہوئے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس کوفہ کا عامل آیا حضرت اندر تھے۔ عامل وہیں بلا لیا گیا۔ اُس نے دیکھا کہ حضرت کھانا تناؤں فرما رہے ہیں۔ وہ سخت متعجب ہوا جب ایشیا۔ افریقہ کے اتنے بڑے بادشاہ کے سامنے صرف جو کی روٹیاں اور زیتون کا تیل رکھا ہوا تھا۔ عامل نے کہا کہ آپ کے ممالک محروسہ میں گیہوں

کی کافی مقدار پیدا ہوتی ہے پھر حضرت جو کی روٹی کیوں تناؤں فرما رہے ہیں؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کیا گھیوں کی اتنی مقدار پیدا ہوتی ہے کہ ہر مسلمان تک اس کی روٹی پہنچ جائے؟ اس نے کہا کہ اس کی ذمہ داری کون نے سکتا ہے؟ فاروق نے اس وقت خلافت کے نظریہ کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:۔ مسلمانوں کا امیر گھیوں کی روٹی اس وقت تک کیسے کھا سکتا ہے جب تک مسلمان کو جو ہمارے علاقہ میں آباد ہے گھیوں کی روٹی نہ پہنچ جائے۔ عام رواد میں آپ کا غلام کچھ گھی اور پنیر لے آیا۔ حضرت نے فرمایا مجھے مسلمانوں کے حال کا احساس کیسے ہو سکتا ہے جب تک کہ خود بھی وہی نہ کھاؤں جو عام مسلمان کھاتے ہیں رکاب بن اشیر و ابن سعد وغیرہ میں اس قسم کے واقعات کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔

اموی دور میں اسلامی اموال کے متعلق مطلق العنانی

لیکن جب خلافت سلطنت کے قالب

میں ڈھل گئی تو مسلمانوں کا وہی امیر جس کے فرائض کی ذمہ داریاں خواہ جتنی بھی اونچی ہوں لیکن مالی حقوق کے میدان میں وہ مسلمانوں کی صف کا سب سے آخری آدمی قرار دیا گیا تھا، اب بادشاہ بن کر وہ اسلامی اموال کا سب سے پہلا مطلق العنان خود مختار حق دار بن گیا۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہی گدی جس پر بیٹھے والوں کو خلافت کے زمانہ میں اس حال میں پایا گیا تھا جیسا کہ امام مالک حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے راوی ہیں کہ:-

✓ میں نے عمر بن الخطاب کو دیکھا اس زمانہ میں جب کہ وہ مسلمانوں کے امیر تھے کہ اپنے ہونڈیوں کے بیچ میں تین پیوند لگائے ہوئے تھے، ایک کو دوسرے کے ساتھ چپکا دیا گیا تھا۔

اور یہ تو امام مالک جیسے ثقہ راوی کا بیان ہے۔ ورنہ عام تاریخوں میں دن دن بارہ بارہ پیوندوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے ان پیوندوں میں کبھی کبھی سرخ چمڑے کا ٹکڑہ بھی ہوتا تھا، اور جس کے گوشہ خانہ عامرہ کی یہ رپورٹ ہے کہ کبھی کبھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقت مقررہ پر گھر سے باہر نہ نکلتے، وجہ پوچھی جاتی تو اس زمانہ کی دنیا کا سب سے بڑا فرماں روا جواب دیتا:-

غسلت ثیابی فلما جفت خرجت الیکم ازالہ الخلاء، کپڑے پہن رہا تھا جب خشک ہو تو تم لوگوں کے پاس آیا ہوں۔ لیکن رسول کی یہی گدی مدینہ منورہ سے قتل ہو کر جب دمشق پہنچتی ہے تو اس پر بیٹھے والوں میں سے ایک کو گھر میں نہیں سفر میں اور وہ بھی حج کے سفر میں دیکھا گیا کہ

حج کے ارادہ سے نکلا اور چھ تھو اونٹوں پر صرف اس کے بدن کے کپڑے تھے

عقد الفرید ص ۳۶

یہ عبدالملک کا بیٹا ہشام خلفاء بنی امیہ کا پانچواں خلیفہ تھا۔ زمانہ کی کیسی نیرنگیاں ہیں؛ مسلمانوں کا وہی مال جس کی ذمہ داریوں کے احساس میں کبھی اتنی نزاکت برتی جاتی تھی کہ بحرین سے کچھ مشک کے نانے آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو وزن کرانا چاہتے ہیں، آپ کی حرم محترمہ بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ حکم ہو تو میں تول کر بتا دوں آپ چپ ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمر نے اس کے بعد جواب میں جو کچھ فرمایا دنیا کی قوموں میں نہ پہلے اس کی نظیر تھی اور نہ آئندہ اب تک ملی ہے، بی بی صاحبہ کو مخاطب فرما کر ارشاد ہوتا ہے:-
(میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم ترازو کے پلے میں مشک کو رکھو اور پھریوں کرو۔
(ہاتھ سے اپنے اشارہ فرمایا)

راوی کہتے ہیں کہ حضرت کا مقصد یہ تھا کہ چھوٹے چھانے سے ہاتھ میں مشک کی جو خوشبو رہ جائے گی اور تم نے اپنے اوپر اسے مل لیا، تو؟
فاسیب بن الک فضل علی المسلمین (ازالۃ الخلق) عام مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ حصہ ہم تک پہنچ جائے گا۔
بیت المال کا یہی مال ہے، مسلمانوں کے حقوق اس کے ساتھ اسی طرح بلا کم و کاست متعلق ہیں جس طرح پہلے تھے، مگر خلافت کے نام سے رسول کی وراثت کے مدعی بن کر جو بادشاہت کرتے تھے وہی اس مال کو خرچ کرتے ہیں اور کس پر خرچ کرتے ہیں، ابن عبد ربہ کی زبانی سینے عقد الفرید میں لکھتے ہیں۔

ولید نے مدینہ لکھا کہ اشعث (مسخرہ) کو میرے پاس بھیج دیا جائے، اشعث جب

اشعث بن عبد بنی امیہ کا مشہور مسخرہ تھا لطائف و نوادر کے بیان کرنے میں طاق تھا کسی نے پوچھا میاں اشعث! کبھی کوئی حدیث بھی تم نے یاد کی۔ بولا ہاں مجھ سے نافع بن عمر سے روایت کی ہے کہ جس میں دو خصلتیں ہوں گی وہ خدا کے یہاں خالصین مخلصین میں لکھا جائے گا، پوچھا گیا کون سی دو خصلتیں؟ بولا ایک خصلت تو نافع ہی کو یاد نہ رہی تھی اور دوسری میں بھول گیا۔ اس کے بعض عجیب نوادر صحاح و کتب کی کتابوں میں بقول میں مثلاً کھار جبید ہلے جاتے ہوئے دیکھتا تو کہتا کہ ذرا بیٹے پیلے بنایا کرو۔ کھار نے کہا کہ تمہیں اس کی کیا پڑی ہے اشعث نے کہا کہ مکن ہلے میں مجھ ہیہ بھیجا جائے چھوٹا ہوگا تو یہ کہم آئے گا۔ خود اشعث کا بیان ہے کہ چارہ کے ساتھ قبرستانوں میں جب دو آدمیوں کو گھٹنگو اور سرگوشی کرتے سمجھتے ہیں دیکھتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ میرے والے نے شاید میرے لئے کچھ وصیت کی

و مشق پہنچا تو ولید نے بندر کی کھال جس میں دم بھی تھی اُسے پہنائی اور فرمائش کی کہ کھال پہنے ہوئے تم میرے سامنے ناچو گاؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو ہزار درہم تمہیں انعام دوں گا۔

اشعب ولید کے سامنے ناچا گیا۔ ولید کو پسند آیا اور ہزار درہم اُس نے انعام میں دیے۔

اور یہ کوئی نادریا انشائی واقعہ نہیں ہے بلکہ عمر بن عبدالعزیز کے سوا مسلمانوں کے بیت المال کو ان خلفاء میں سے اکثر نے اپنی ذاتی ملکیت قرار دے رکھا تھا، من، مائے نظر پر جس طرح جی چاہتا تھا اس میں تصرف کرتے تھے۔ کس کو دے رہے ہیں، کتنا دے رہے ہیں، کس لئے دے رہے ہیں، ان سوالات میں سے کوئی سوال ان کے سامنے نہیں تھا تاریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے گڑے مردوں کی ہڈیاں اکھاڑتی نظر تائیر سے نہایت مکروہ مشغلہ ہے اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں، میں نے تمثیل کے لئے ایک واقعہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پہلے خلیفہ ولید بن عبدالملک کا درج کیا ہے۔ اور دوسری مثال کا تعلق ہشام بن عبدالملک سے ہے جو عمر بن عبدالعزیز کے بعد کا خلیفہ ہے دیکھنا یہ مقصود ہے کہ جس حال کی طرف یہ بد لوگوں کو واپس کرنا چاہتا تھا اس کا سب سے بڑا اہم شعبہ بیت المال ہی کا مسئلہ تھا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف اپنی خانگی اور ذاتی زندگی سے اسلامی بیت المال کے نقطہ نظر کو سمجھنا چاہا اور ایسی مثالیں پیش کیں جن کی نظیر خلافت راشدہ کے سوا دنیا کی کسی حکومت میں مل نہیں سکتی۔ بلکہ ہر قسم کی قوت جو انھیں حاصل تھی۔ انھوں نے چاہا کہ اس کے ذریعہ سے اس غیر اسلامی روح کو خلافت کے قالب سے نکال دیں۔ لیکن ان کے بعد کے خلفاء میں پھر وہی خبیث روح گھس گئی بنی امیہ کی عادت اتنی بگڑ چکی تھی کہ عمر بن عبدالعزیز نے جس وقت اعلان کیا کہ مسلمانوں کا بیت المال مسلمانوں کا ہے اور اس کی تقسیم اسی اصول پر ہوگی جس پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بانٹا ہے تو ابتداء میں اچھی خاصی بے چینی لہرا بنی امیہ میں پیدا ہوئی۔ لیکن جب ایک دن کروڑوں کرہر منبر انھوں نے اعلان کیا۔

ان للہ فی بنی مراد ان ذمما
واہم اللہ لئن کان ذالک الذی
صلی یدی (ابن سعد)

شاہد بنی مراد ان پر خدا کی طرف سے کوئی سخت فونزیری
مقدر ہے۔ خدا کی قسم یہ فونزیری میرے ہاتھوں
اگر ہوئی ہو تو مجھے اس سے انکار نہ ہوگا۔

راوی کا بیان ہے کہ مروانی جانتے تھے کہ عمر ارادہ کا پکا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کر گذرے

اس لئے :-

جب مروانی امرا کو اس کی خبر پہنچی تو شورش سے رک گئے کیونکہ عمر کے عزم کی

پختگی سے واقف تھے جانتے تھے کہ جس بات کا ارادہ کرتا ہے کرگزرے (ابن سعد)
ایک دفعہ یہی امراء و خد کی صورت میں اُن کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا یہ معروف و مشہور
پیش کیا۔

تم سے پہلے جو سلوک ہم لوگوں کے ساتھ تمہارے پیش رو کرتے تھے تم نے
اسے بہت گھٹا دیا ہے اس پر ان لوگوں نے حضرت عمر کو لعنت ملا مت
بھی کی۔ (ابن سعد ج ۶)

اس وفد میں مروانی خاندان کا تقریباً ہر چھوٹا بڑا شریک تھا۔ اس سے بھی اندازہ ہو
سکتا ہے کہ بیت المال کے متعلق خلفائے لوگوں کو کس بات کا عادی کر دیا تھا؟ حضرت عمر
نے اس کے جواب میں ایک ایسی بات کا اعلان کیا کہ اُن کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے اور آخری امید
جو عمر کی موت سے وابستہ تھی اُس کو بھی ختم ہوتے ہوئے دیکھ کر وہ چپ ہو گئے۔ حضرت عمر نے
جواب میں فرمایا اور پورے عزم و ارادے کے ساتھ فرمایا

لئن عد تم لمثل هذا مجلس لاس اگر تم لوگوں نے پھر بھی میرے پاس آکر ایسا کیا تو میں
شدن لکابی ثم لا قد من المدینۃ سوار ہو کر فوراً مدینہ چلا جاؤں گا اور حکومت کو مسلمانوں
ولا جعلنا امرہا مشوری (ابن سعد) کے مشورہ کے سپرد کر دوں گا۔

جس کے معنی یہ تھے کہ مسلمانوں کی حکومت اور اُن کے بیت المال کو تمہارے خاندان
سے ہٹا کر پھر مسلمانوں ہی کے حوالہ کر دوں گا۔ ظاہر ہے کہ ان میں ایسے افراد بھی شامل تھے جو
عمر کے بعد اپنی خلافت و بادشاہت کا خواب دیکھ رہے تھے خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں سارا خواب
خواب پریشاں ہو کر نہ رہ جائے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد پھر اس قسم کی آوازاں لوگوں کی طرف
سے نہیں اٹھیں اور یہ تو بیت المال کے مصارف کا حال تھا۔ خلافت راشدہ کے بعد مداخل کے
ساتھ بھی جو بے اعتنائیاں برقی جاتی تھیں ان کی داستان طویل ہے۔ بس وہی مشہور تاریخی واقعہ
اس کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ جب مصر کے فلاحوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا اور
اس کی وجہ سے جزیرہ کی آمدنی کم ہونے لگی تو اموی خلیفہ نے گورنر مصر کے نام حکم بھیجا کہ لوگوں کو سلا
قبل کرنے سے روکے۔ اور یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تک حضرت عمر بن عبدالعزیز
ہی نے اپنے فرمان سے اس کا اسناد و فرمایا شریح بن حبان مصر کے گورنر تھے انھوں نے حسب
دستور قدیم بارگاہ خلافت میں اطلاع بھیجی کہ :-

ذی رعایا تیزی سے اسلام میں داخل ہوتی چلی جا رہی ہے جس سے جزیہ کی آمدنی میں ٹوٹا آ رہا ہے۔

لیکن اب تختِ خلافت پر ولید یا عبدالملک نہیں تھا بلکہ عمر فاروق کا نواسہ تھا۔ جواب میں ارقام فرمایا :-

اما بعد معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی اور خدا کی طرف بلائے والا بنا کر مبعوث کیا تھا حضور کو خدا نے محصول (سیکس) وصول کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا تھا۔ جس وقت میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے اور ذمی رعایا تیزی سے اسلام میں داخل ہوتی چلی جا رہی ہو جس کی وجہ سے جزیہ کی آمدنی ختم ہو رہی ہو تو اپنے

اصحاب بعد فان الله بعث محمداً صلى الله عليه وسلم داعياً ولم يبعثه جابياً فاذا اتاك كتابي هذا فان كان اهل الذمة اسرعو اني الاسلام وكسر والجزية فاطو كتابك واقبل (ابن سعد ج ۶ ص ۳۱)

صحاب و کتاب کے رجسٹر کو پنیٹ کر فوراً میرے پاس چلے آؤ۔

انہوں نے صرف یہ ہی نہیں کیا بلکہ تمام صوبوں کے عمال و ولایہ کے نام احکام جاری کئے کہ جزیہ دینے والوں کو اسلام کی دعوت دی جائے۔

مروانی حکومتوں کے بگاڑے ہوئے ایک خراسانی امیر نے اس پر عرض کیا کہ دل سے یہ لوگ اسلام نہیں لاتے اس لئے مناسب ہے کہ ختنہ کرانا بھی ان کے لئے آپ ضروری قرار دیجئے۔ اس نے سمجھا تھا کہ شاید اس تدبیر سے مقصد میں کامیابی حاصل ہو جائے۔ لیکن حضرت نے جواب میں فرمایا۔

کیا ختنہ کی وجہ سے میں ان لوگوں کو اسلام سے روک دوں؟

اس کے بعد جو بات آپ نے فرمائی، ان تشدد پسند مولویوں کے لئے اس میں عبرت ہے جو مجسروں کے بچانے کے لئے اڈنٹوں کو قربان کر دینے کے عادی ہیں، اور جو ایسا نہیں کرتا اس پر عتاب کا الزام لگاتے ہیں، عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ اسلامی تاریخ میں صحابہ کے بعد متصلب فی الدین ہونے کا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟ لیکن وہی کہتے ہیں اور ختنہ جیسی موکدہ سنت بلکہ شعاری سنت کے متعلق فرماتے ہیں۔

جب وہ اسلام لائیں گے اور ان کا اسلام خوب اچھی طرح ان کے دلوں میں جم جائے گا تو ختنہ کی طرف خود دوڑیں گے۔

راوی کہتا ہے کہ اس نرمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک اس علاقہ میں۔ اُن کے ہاتھ پر چار رہنما آر میوں نے اسلام قبول کیا۔

بہر حال یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ مصارف کے ساتھ داخل میں بھی اسلامی حدود کی پر دانی نہیں کی جاتی تھی، اور اس سلسلہ میں یہاں تک غلو بڑھ گیا تھا کہ مالی ترقیوں کی ہوس میں اسلام کے تنزل تک کو گوارا کر لیا جاتا تھا۔ بیچارے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے داخل کی اصلاح کی بھی پوری کوشش کی۔ لیکن اس اصلاحی تحریک کی وجہ سے خزانہ کو جوتا وان برداشت کرنا پڑتا تھا ہر شخص کے قلب میں اُس کی قوت کہاں تھی جو عمر بن عبدالعزیز کی طرح ہجو ان کی شکایت کو سن کر یہ فرماتا جیسا کہ میمون بن مہران سے روایت ہے کہ کسی علاقہ کا عامل حاضر ہوا آپ نے محصولات کی آمدنی کا حال پوچھا اُس نے جمع بتائی تو گزشتہ خلفاء کے زمانہ سے وہ بہت کم نکلی حضرت نے وجہ پوچھی عامل نے کہا کہ فلاں فلاں مدتوں کی آمدنیوں کو آپ نے روک دیا یہ اسی کا نتیجہ ہے، جواب میں ارشاد ہوا

میں نے ان محصولات کو ساقط نہیں کیا ہے۔ ان کا ساقط کرنے والا تو خدا

ہے۔ (ابن سعد)

بیت المال کی جو حالت ان خلفاء کے زمانہ میں ہو گئی تھی اس کے اندازہ کے لئے غالباً میرا اتنا بیان کافی ہو سکتا ہے

خلافت راشدہ میں انصاف اور حکومت کا تصور

اب میں دوسرے متوجہ ہوتا ہوں، یعنی مسلمانوں کا جو "انصاف" ان خلفاء کے ہاتھ میں تھا، اب پور کیا گذری تھی۔ کس قدر افسوس کی بات تھی وہی "عدل" جس کے متعلق قرآن نے کفر و اسلام کی تمیز بھی باقی نہیں رکھی ہے اور جن قوموں سے مسلمانوں کو عداوت و بغض کا تعلق ہو قرآن نے ان کے ساتھ بھی انصاف ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ اکبر جس شریعت کے شارع و علیہ السلام نے علی رؤس الاشهاد یہ اعلان کیا ہو۔

و اوان فاطمة بنت محمد (عافا اللہ تعالیٰ) بھی اگر چوری کر گئی
نقطعت یلھا را عا ذھا اللہ منہ) تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔

اور جہاں جبلہ بن ایہم جیسے بادشاہ کی شاہی قوت کو ایک معمولی غریب بدو کے انصاف

پر ہمیشہ کے لئے قربان کر دیا گیا ہو، ایک بے جان بُت کی آنکھ کے بدلہ میں زندہ مسلمان سپاہی کی آنکھ صرف اس لئے کہ انصاف قائم ہو، قانون کا احترام باقی رہے، ایک کافر کے حوالہ بہ خوشی کر دی جاتی ہو۔

اموی دور میں انصاف حکومت کے ذریعہ

مگر جب خلافت نے سلطنت کا چولا بدلا اُس وقت کیا ہوا

اور کیا ہوتا رہا؟ ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ قانون کے نافذ کرنے میں قریب و بعید دوست و دشمن کا فرق کیا جاتا تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون کی اپنے مطلب کے مطابق تشریح کا حق بھی "ان" بادشاہ خلیفوں "اور ان کے ولایت و حکام نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جب مدینہ منورہ کے والی عمرو بن سعید نے عبد الملک کے حکم سے چاہا کہ مکہ معظمہ پر فوجی حملہ کیا جائے اور اس لئے وہ مدینہ ہی سے فوج بھیجنے کا سامان کر رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو شریح کھڑے ہوئے، بخاری میں ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔

اے امیر مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ سے ایک ایسی بات کہوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن فرمایا تھا، میرے دونوں کانوں نے اُسے سنا ہے اور میرے دل نے اُسے یاد رکھا ہے اور جس وقت حضور ارشاد فرما رہے تھے میری آنکھیں حضور کو دیکھ رہی تھیں۔

ابو شریح نے اپنے کلام میں اتنی قوت پہنچانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور حکم کہ "حرم مکہ میں خوں ریزی وغیرہ ہمیشہ کے لئے حرام کی جاتی ہے" بیان فرمایا لیکن سب کچھ سننے کے بعد عمرو بن سعید جو خود اپنے کو اسلامی قوانین کا شارح سمجھتا تھا آپ

سے یہ قسم مصر میں پیش آیا تھا کسی مسلمان سپاہی نے ایک بُت کی آنکھ توڑ دی بُت کا مالک حضرت عمرو بن عاص کے پاس داؤد خواہ ہوا۔ فیصلہ ہی کیا گیا کہ تم بھی سپاہی کی آنکھ توڑ دو۔ اگرچہ بُت پرست نے روپیہ لے کر خود معاف کر دیا لیکن اسلام نے تو مسلمان کی آنکھ کو کفر کے حوالہ اس لئے کرایا کہ انصاف کے لئے تم اس کو توڑ سکتے ہو خلافت راشدہ کی تاریخ کا ورق ورق ان حیرت انگیز واقعات سے معمور ہے، بطور مثال کے میں نے چند مشہور باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ عام ناظرین اس واقعہ کو قاضی سلیمان مرحوم کی سیرت رحمۃ اللعین جلد سوم میں دیکھ سکتے ہیں۔

کو جھڑک کر کہتا ہے۔

ابو شریح! میں تم سے زیادہ عالم اور ان امور کا جاننے والا ہوں حرم کسی نافرمان اور خون کر کے بھاگنے والے کو پناہ نہیں دیتا۔

بیچارے ابو شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے بعد یہ فرما کر چپ ہو گئے۔
میں تو حضور کی صحبت میں موجود تھا اور تم غائب تھے۔ حضور کا چونکہ فرمان تھا کہ ہم میں جو حاضر ہوں وہ اُن کو پہنچا دیں جو ہم میں سے غائب ہوں لہذا میں نے تم کو پہنچا دیا۔ اب تم جالو تمھارا کام۔

قانون اور انصاف کے متعلق حضرت عمر بن عبد العزیز کی وضاحت

”قانون“ اور ”انصاف“ کے ساتھ خلفا کا یہی طرز عمل تھا جس کی اصلاح کا ارادہ فرماتے ہوئے حضرت عمر بن عبد العزیز نے اعلان کیا تھا۔

لست بقاض و لکنی منفذ و لست
بخیر من احد و لکنی اثلکم حملا و
احسب قائل و لست بمبتدع و لکنی
متبع ص ۲ ج ۶ (ابن سعد)

(میں فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں میرا کام بحیثیت خلیفہ ہونے کے
صرف نافذ کر دینا ہے تم میں سے کسی ایک سے بہتر نہیں ہوں
لیکن میرا بازو زیادہ بوجھل ہے اور میری باز پرس زیادہ
سخت ہے۔ میں دین اور شرعی قانون میں کسی کی بیشی کتر بخت

کا حق نہیں رکھتا بلکہ قانون جس حال میں ملا ہے اس کا اتباع ہی میرا فرض ہے۔)

در اصل یہ تین منفی فقرے خلافت اسلامی کے اصول عدالت اور اموی پادشاہی کے طرز
عدالت کا بنیادی فرق پوری طرح نمایاں کر دیتے ہیں۔ پہلا فقرہ کہ ”میں فیصلہ کرنے والا قاضی نہیں
ہوں بلکہ بحیثیت خلیفہ ہونے کے میرا کام صرف نافذ کر دینا ہے“ مروانی خلفاء اور اُن کے ولایہ کے
اس طرز عمل کی تردید ہے کہ وہ شریعت کی تشریح اور واقعات پر اس کے انطباق کا اپنے کو مختار
قرار دیتے ہوئے تھے۔

دوسرا فقرہ کہ ”تم میں سے کسی ایک سے بہتر نہیں ہوں“ یہ اس غلط خیال کی تردید تھی جس کے
سلاطین اور ان کے حوالی موالی ہمیشہ شکار رہے ہیں۔ یعنی عام رعایا برا یا سے وہ اپنے کو ایک
الگ جنس قرار دیتے تھے اور اسی لئے چاہتے تھے کہ قانون ان کے ساتھ نہ کرے جو
عام لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔ تیسرا فقرہ کہ ”دین اور شریعت (قانون) میں مجھے کسی کی بیشی کتر بخت

(ابتداءً) کا اختیار نہیں ہے، بلکہ میرا کام صرف شریعت کے احکام کی تعمیل و اتباع ہے۔ یہ اُن بے جا تصرفات کی طرف اشارہ تھا جو شریعت کے قوانین میں اپنے من مانے اغراض کے تحت خلفاء کر رہے تھے، اور شاید اس کا اپنے کو حق دار سمجھتے تھے۔ آپ نے اس اعلان کے ذریعہ اس بدعتِ شنیعہ کی بیخ کنی کرنی چاہی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد اگرچہ قضا کے محکمے ہر مرکزی جگہ میں ضرور قائم تھے۔ لیکن جن لوگوں نے ”حکومت“ جس کے لغوی معنی حکم اور فیصلہ کرنے کے ہیں، کا مقصد صرف ٹیکس وصول کرنا قرار دے رکھا تھا جس کی طرف حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک بلیغِ تعریفی اشارہ ان الفاظ میں فرمایا تھا کہ ”ما بعث اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جاہلاً بالحدود اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محصول وصول کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا تھا، ان لوگوں کے عہد حکومت میں بتدریج اس محکمہ کی اہمیت کم ہو جاتی چلی جا رہی تھی۔ کہاں ایک وہ زمانہ تھا کہ قاضی کے تقرر کا اختیار براہِ راست خلیفہ اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا، اور جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالہ الخفا میں لکھا ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی ایجاد تھی کہ ہر صوبہ میں مستقلاً وہ اپنی طرف سے تین نمائندوں کو بھیجتے تھے، ایک والی (روائے)، دوسرا قاضی، تیسرا افسر خزانہ، حضرت شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ یہ تینوں عہدہ دار کسی ایک کے ماتحت نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر ایک براہِ راست بازگاہِ خلافت کے آگے ذمہ دار تھا شاہ صاحب کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

در کوفہ و بصرہ و غیرہا من البلاد جاکے جدا (کوفہ و بصرہ اور دوسرے شہروں میں حضرت عمر کا کم (اعلیٰ رگوں) معین فرمود و قاضی جدا و خولید ابی بیت المال علیہ جہا قاضی رزق احب اور بیت المال کا خولید جدا مقرر فرماتے تھے و ابی امیر بیت کہ تازمان حضرت فاروق واقع شدہ ہو اور یہ ایک ایسی خصوصیت جس کا ثبوت حضرت فاروق عظیم پہلے نہیں ملا علاوہ دیگر مصالح کے ایک بڑا فائدہ شاہ صاحب کے خیال میں اس کا یہ تھا کہ۔ بالفرض کسی سے اگر بددیانتی سرزد ہو تو دوسرا لوٹکے پرآبادہ ہو، ائمہ یہ بات کہ (تینوں کے تینوں)، بددیانتی پر اتفاق کر لیں ایسی صورت میں کہ ان کی راست بازی کا پہلے سے تجربہ بھی کر لیا گیا ہو ذرا مشکل ہے۔

اسی نظم کا یہ نتیجہ تھا کہ کسی خاص صوبہ سے نہیں بلکہ سارے اسلامی مملکت سے ممتاز آدمیوں کا انتخاب مل میں آتا تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ قاضیوں پر دالیوں کو کسی قسم کا اقتدار جو مکمل نہ تھا اس لیے بے خوف و خطر جو بات ان کی سمجھ میں آتی تھی فیصلہ کرتے تھے

اموی دور میں قضات پر والیوں کا اثر
لیکن جوں ہی خلافت مدینہ سے منتقل ہو کر دمشق پہنچی قضا

اور فصل خصوصیات کی اہمیت اس درجہ گھٹا دی گئی کہ ہر صوبہ کے والی کو اس کا اختیار دے دیا گیا کہ اپنے صواب و پیدے جس شخص کو وہ چاہیں اپنے علاقوں میں قاضی مقرر کر لیں۔

انما کان ولاۃ البلد ہم الذین
یعنی ہر شہر کا والی خود ہی قاضی کو مقرر کر لیتا
یولون القضاء (حسن المحاضرہ ص ۱۱۱)

کیا زیادہ دن کے بعد؟ نہیں، مروان ہی کے زمانہ میں اس کا نتیجہ یہ دیکھا گیا تھا
مگر جب وہ مصر کے دورہ پر پہنچا اور قاضی کو بلایا جس کا نام قاضی غالب تھا۔ غالب کے علم و
فضل کا کیا حال تھا۔ تاریخ والے بیان کرتے ہیں حسن المحاضرہ میں بھی ہے کہ
قاضی غالب ان پرٹھ تھا، لکھنا بھی نہیں جانتا تھا۔

مروان :- مروان نے اس غیر خواندہ قاضی کو مخاطب کر کے پوچھنا شروع کیا۔
قاضی :- اجمعت کتاب اللہ؟ (کیا تم نے قرآن یاد کر لیا ہے؟)
مروان :- لا (نہیں مجھے قرآن یاد نہیں ہے)
قاضی :- فاحکمت الفرائض؟ (تو کیا تم نے میراث کے مسائل کو سمجھ کر لیا ہے؟)
مروان :- لا (ان سے بھی ناواقف ہوں)

(مروان کو اس جواب پر حیرت ہو گئی اور بولا) فیما نقضی؟ آخر تم کس چیز سے فیصلہ
کرتے ہو؟

بیچارے غالب اس کا کیا جواب دے سکتے تھے۔ الغرض بجائے خلیفہ کے قاضیوں کا
تقرر والیوں کے سپرد کر دینے ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کے دفنی اغراض کے مطابق جو آدمی ہوتا تھا
اسی کا وہ تقرر کر دیا کرتے تھے۔ ان ہی قاضی غالب صاحب کے تقرر کی وجہ یہ لکھی ہے کہ
حضرت معاویہؓ نے مصر کے والی مسلمہ کو لکھا کہ یزید (کر بلائی) کے لئے لوگوں سے بیعت لی جائے
حسب الحکم مسلمہ نے بیعت لینی شروع کی۔ اور تو کسی طرف انکار نہیں ہوا لیکن مشہور صحابی
حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو فاتح مصر عمرو بن عاص کے مشہور
صاحبزادے ہیں اور علم و فضل اور عنو سیرت میں لوگوں سے باپ پند بھی انھیں ترجیح دی ہے
انھوں نے بیعت سے انکار کیا۔ مسلمہ نے ان کے انکار پر اعلان کیا۔

عبداللہ کو درست کرنے کے لئے کون آمادہ ہے؟

کہا جاتا ہے کہ یہی عابس بن سعید کھڑے ہوئے اور بوئے میں اس کام کو انجام دیتا ہوں عبداللہ بن عمرو اس زمانہ میں اپنے والد کے مشہور قصر واقع فسطاط میں قیام فرماتے تھے۔ عابس پولیس کے نو جوانوں کو لے کر پہنچا اور ان کے مکان کو گھیر لیا۔ کہا بھئی کہ بیعت یزید کے متعلق اب کیا ارادہ ہے؟ انھیں پھر بھی انکار ہی پر اصرار رہا۔ عابس نے اس کے بعد کیا کیا؟ مورخین لکھتے ہیں:-

اس نے آگ اور تلڑی جمع کی تاکہ ان کے قصر میں آگ لگا دے (حسن المحاضرہ) عبداللہ بن عمرو نے اس کے بعد اپنے کو مجبور اور معذور پایا بیچارے گھر سے نکلے، اور جو کچھ اس جاہل نے کہنے کے لئے کہا وہ ادا پایا۔ ان پڑھ عابس کا یہی سب سے بڑا کارنامہ تھا کہ ایک صحابی کو آگ میں جلا دینے کی دھمکی دے کر حکومت میں سرخ روتی حاصل ہوتی تھی۔ اسی سرخ روتی کا یہ صلہ ملا تھا کہ غریب مسلمانوں کی منڈیاں ان کی جانیں ان کے مال و جائیداد حکومت نے سب قرآن و حدیث اور فرائض سے بالکل جاہل اس شخص کے سپرد کر دیئے۔ میں نے تمثیل کے لئے یہ ایک جزئی واقعہ پیش کیا ہے، ورنہ قاضیوں کے نظرات میں جو بے اعتنائیاں مختلف اثرات کے تحت میں برتی جاتی تھیں، ان کی داستان طویل ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے قاضی جو اپنے علم و فضل، تقویٰ و دیانت کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض کسی والی کے رحم و کرم پر جیتے تھے، خود تو جو کچھ کرتے ہوں گے وہ تو ظاہر ہی ہے اس کے سوا بھی ان والیوں کے دباؤ سے کہاں تک ان کے فیصلے محفوظ رہ سکتے تھے اس کا ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے۔ شامت کا مارا بنے چارہ کوئی قاضی اپنے والی کی مرضی کے خلاف اگر کچھ کر گزرتا تھا تو پھر اس کی خیر نہ تھی۔ سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ مکہ معظمہ میں قضا کا عہدہ طلحہ بن ہرم کے سپرد تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب بنی امیہ کا مشہور گورنر خالد بن عبداللہ القرطبی مدینہ کا والی تھا۔ شیبی خاندان جو کعبہ کے کلید بردار ہیں ان کے دو آدمیوں میں کسی زمین کے متعلق جھگڑا ہوا۔ قاضی صاحب نے ایک فریق کے حق میں جس کا نام انعم تھا فیصلہ کر دیا۔ لیکن دوسرا فریق خالد کا درباری تھا۔ اس نے فوراً مدینہ پہنچ کر خالد سے قاضی

کے خلاف حکم حاصل کر لیا قاضی طلحہ کو اُس پر غصہ آگیا اور چپ چاپ اُنھوں نے سلیمان بن عبد الملک کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ خلفاء بنی امیہ میں سلیمان کا شمار بھی مقتدر لوگوں میں ہے۔ قاضی صاحب کا خط جسے بصرہ راز قاضی نے اپنے لڑکے محمد بن طلحہ سے ہاتھ بھیجا تھا سلیمان کو ملا تو وہ بہم ہوا اُسی وقت اس نے ایک حکم محمد بن طلحہ کو لکھوا کر دیا کہ سید سے مدینہ جا کر خالید کے حوالہ کرو اور کہند کہ انجم کے معاملہ میں وہ دراندازی نہ کرے۔ محمد بن طلحہ اس خط کو لے کر جس وقت مدینہ پہنچے ہیں اور خالید کے حوالے کرتے ہیں تو خالید بس پر سنکر آگ بگولہ ہو جاتا ہے اور قبل اس کے کہ سلیمان کا خط پڑھے جلا دیکر حکم دیتا ہے کہ محمد بن طلحہ کو (۱۰) سو کوڑے نکالے محمد بن طلحہ کا اس کے بعد کیا حال ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قاضی طلحہ نے اپنے بیٹے کے خون آلود لباس کو سلیمان کے پاس بھیجا سلیمان اس واقعہ کے بعد آپ سے باہر ہو گیا اور حکم دے چکا تھا کہ خالید سے ہتھ کاٹ دیے جائیں لیکن بعض یہود کی سازش سے معاملہ مل گیا۔

عقد الفرید ص ۲۲ ج ۲) اور ایک معاملہ نہیں ہے خلفاء بنی امیہ اور خلفاء بنی عباس کے زمانہ میں ہارون الرشید تک ایسے واقعات مسلسل پیش آتے رہتے تھے مثلاً لائیں دونوں خلافتوں کے متعلق ایک ایک واقعہ درج کرتا ہوں سیوطی نے اپنی مشہور کتاب "حسن المحاضرہ" میں قاضی خیر بن نعیم کے ذکر میں بنی امیہ کے عہد کا ایک واقعہ یہ بیان کیا ہے۔

(ایک فوجی سپاہی نے کسی آدمی کو گالیاں دیں۔ اُس نے قاضی خیر کے اجلاس میں دعویٰ دائر کر دیا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں صرف ایک گواہ پیش کیا قاضی خیر نے سپاہی کو حوالات میں رکھنے کا حکم اس وقت تک کے لئے دیا جب تک کہ مدعی دو میرا گواہ حاضر کرے۔ مصر کے گورنر ابو عون عبد الملک بن یزید نے اپنا آدمی بھیج کر سپاہی کو حوالات سے نکلوا دیا قاضی خیر کو جب اس کی خبر ہوئی تو قضا سے کنادہ کش ہو کر بیٹھ گئے۔ ابو عون نے اُن کے پاس آدمی بھیجا رگو یا معذرت طلب کی لیکن قاضی صاحب نے کہلا بھیجا کہ جب تک سپاہی واپس نہ ہوگا میری واپسی بھی ممکن ہے۔ مگر ابو عون نے سپاہی کو واپس نہ کیا۔ قاضی صاحب بھی اپنے ارادہ پر

ٹوٹے رہے۔

دوسرے واقعہ کا ذکر طاش کبریٰ زادہ اپنی کتاب مفتاح السعاده میں مشہور قاضی حنفی بن عیاش کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ہارون الرشید نے اُن کو بعد ازاں قاضی مقرر کیا۔ اتفاق سے ہارون کی مشہور چہیتی بنوی زبیدہ کے مرئبان رٹیل یا نمبردار کا ایک معاملہ قاضی صاحب کے پاس

دیش ہوا۔ مرزبان کسی کا دیون تھا۔ دین اس پر ثابت ہو گیا قاضی صاحب نے مرزبان سے خلاف ڈگری دے دی زبیدہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ قاضی نے یہ جاننے کے بعد کہ مرزبان میرا آدمی تھا پھر بھی اس کے خلاف فیصلہ کیا، آگ بگولہ ہو گئی۔ ہارون جب محل سے آیا تو زبیدہ غصہ میں بھری بیٹھی تھی۔

وہ ہارون کے سر ہو گئی کہ ایسے قاضی کو معزول کر دیا جائے۔ آخر ہارون نے قاضی حنفی کو معزول کر دیا۔

ایک مرزبان پر اسلام کا اتنا بڑا عالم محض ایک عورت کی خاطر قربان کر دیا گیا۔ اگرچہ یہ ایک جزیئی واقعہ ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ آئندہ آپ کو معلوم ہو گا کہ یہی ہارون الرشید ہے اور وہی اس کی قاہرہ حکومت۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے تلمیذ رشید قاضی ابو یوسف جن کا تقرر امام صاحب کی شہادت کے بعد ہارون ہی نے کیا اپنے زمانہ قضا میں ہارون کی بیوی یا حکام ہی کے خلاف نہیں، بلکہ خود ہارون کی مرضی کے خلاف فیصلے کرتے ہیں۔ لیکن بجز خاموشی کے وہ اپنے لئے کوئی چارہ کار نہیں پاتا۔ آخر یہ طرز عمل کیوں بدلا اور اس کے پیچھے کس کے اخلاص و قربانی کی قوت تھی؟ افسوس مورخین نے اس پر غور نہیں کیا۔ بہر حال اتنی مدت کے بعد بکھرے ہوئے واقعات کو جمع کر کے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا ذکر تو آئندہ آتا ہے۔ ابھی تو میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے انصاف کا جو حال ان خلفاء کے ہاتھوں ہو رہا تھا اس کی نوعیت کیا تھی؟

خلفاء کی ان بے جا

طرف داریوں ہی کا

ارباب صدق و امانت کا قضا، سے انکار

نتیجہ یہ تھا کہ امام ابو حنیفہ ہی نہیں، جن کا واقعہ مشہور ہے اور بھی اس زمانہ کے کتنے ارباب صدق و امانت، تقریبی و دیانت حکومت کے شدید اصرار کے باوجود قضا سے انکار کرتے تھے اور اگر مارے باندھے کسی نے قبول بھی کر لیا تو ہمت کر کے وہ خلفاء سے اس کا معاہدہ لیتے تھے کہ فیصلوں میں ذاتیات کو دخل نہ دیا جائے گا۔ ان بے چاروں کی تسلی کے لئے اقرار بھی کر لیا جاتا تھا۔ لیکن باوجود تر یہ وعدے "عرقوبی موعید" بن کر شرمندہ ایفا بہت کم ہوتے تھے۔ اس سلسلہ میں قاضی شریک

۱۲ ایک مشہور وعدہ خلاف یہودی کے نام کی طرف یہ انتساب ہے

کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ان خلفاء کے طرز عمل پر اس سے روشنی پڑتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ابو جعفر منصور عباسی نے قاضی شریک کو بلا کر قضا کا عہدہ پیش کیا۔ پہلے تو انھوں نے مختلف نیلے بنہائے کئے لیکن جب کوئی بات سنی نہ گئی تب قاضی صاحب نے منصور کو مخاطب کر کے فرمایا:-

میں ہر آنے جانے والے وار و صادر پر فیصلہ کروں گا اور مجھے اس کی پروا نہ ہوگی کہ میں کس کے خلاف فیصلہ کر رہا ہوں۔ کوئی بھی ہو میں نہ خلیفہ کے مقرون کو دیکھوں گا نہ ان کو جو بارگاہ خلافت سے تعلق نہیں رکھتے۔
چند الفاظ کے تلفظ میں منصور کا کیا بگڑتا تھا، بولا:-

احکمہ علیٰ و علی ولدی
آپ میرے اور میری اولاد کے مقابلہ میں بھی فیصلے کر سکتے ہیں
گویا منصور نے اپنے پیش روں کے مقابلہ میں یہ کہہ کر انتہائی انصاف پسندی کا اظہار کیا۔
ورنہ سچ یہ ہے کہ اسلام کے قانون عدل کے ماننے والوں کے لئے اس تصریح کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ تاہم منصور نے بڑی کشادہ دلی کو راہ دے کر خود اپنے کو اور اپنی اولاد کو قانون کے نیچے ڈال دینے کا اعلان کیا۔ لیکن قاضی صاحب کی اس سے بھی تشفی نہ ہوئی۔ خلفاء سے بھی زیادہ خطرہ جن لوگوں سے تھا، اور زیادہ تر اس زمانہ کا "عدلیہ" ان ہی کے ہاتھوں سے مٹا دیا گیا تھا۔ کھل کر خلیفہ کے سامنے انھوں نے اس خطرہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ "حشمت" یعنی اپنے حاشیہ نشینوں اور درباری امرا حوالی موالی، سے میری حفاظت کیجئے۔ منصور نے اس کے جواب میں بھی قاضی صاحب کو یہ کہتے ہوئے گویا مطمئن کر دیا کہ "افعل" رہاں میں ایسا ہی کروں گا،

مگر سب کچھ ہو جانے کے بعد قاضی شریک جب اپنے عہدہ کا جائزہ لے کر اجلاس کے لئے بیٹھے ہیں تو بد قسمتی سے سب سے پہلا مقدمہ جو ان کے آگے پیش ہوتا ہے وہ خلیفہ کی "مولاۃ" (چھوڑی) کا معاملہ کسی شخص سے تھا۔ عادتیں تو عام طور پر بگڑی ہوتی تھیں۔ اجلاس میں جب فریقین حاضر ہوئے تو صرف اس لئے کہ چھوڑی خلیفہ کی چھوڑی تھی اپنے فریق کے برابر کھڑے ہوئے میں اس نے اپنی توہین محسوس کی، اور آگے بڑھ کر قاضی صاحب کے سامنے آگئی۔ وہ مطمئن تھی کہ شاہی آدمیوں کے ساتھ عدالت میں اسی امتیاز کا رواج ہے لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ شاہی انتساب کے جس نشہ میں وہ مخمور ہے نیا قاضی بھی خلیفہ کے

معادہ کے نشہ سے چور ہے۔ لونڈی کے ہوش اڑ گئے جس وقت قضا کی گدی سے اس کے کان میں یہ آواز گونجی۔

او گندی عورت پیچھے ہٹ جا

قاضی صاحب کا مطلب یہ تھا کہ یہ اسلامی عدالت ہے جس میں حاضر ہونے والوں کو خواہ وہ مسلمانوں کا سب سے بڑا آدمی یعنی خلیفہ ہی کیوں نہ ہو، ہر ادنیٰ معمولی رعیت کے مساوی سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ قاضی صاحب بیچارے جانتے تھے کہ اب وہ زمانہ باقی نہیں رہا ہے۔ لیکن خلیفہ کے عہد پر ان کو غرہ تھا اس لئے شاہی لونڈی کی شان میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل پڑے۔ خدا جانے چھوکری کو بھی اپنے آقا کے معادہ کا علم تھا یا نہیں۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتی تھی۔ خصوصاً جب کہ یہ ایک نئی بات تھی خلیفہ نے دھوکے میں بھر کر مدت کی ایک رسم کے خلاف معادہ کیا تھا۔ قدرۃ اس کی خبر ہر کہ دمہ کو ہونی چاہیے، ہر حال اگر وہ یہ جانتی بھی تھی تو اس کے ساتھ ان معادوں کا جو وزن تھا اس سے بھی ناواقف نہ تھی ایک کنیز دارا بخلافہ کے سب سے بڑے قاضی کو مخاطب کر کے اس فقرہ کا جو جواب دیتی ہے حقیقت یہ ہے کہ نقل کرتے ہوئے بھی قلم کا پھٹتا ہے۔ چھوٹے ہی چھوکری نے بوڑھے قاضی کو کہا:-

بڑے تو احمق ہے

ایک چھوکری کی زبان سے اسلام کا ایک مشہور عالم یہ جملہ سنتا ہے اور دم بخود ہو کر رہ جاتا ہے اپنے کئے پر کھپکتا ہے اور کہتا ہے:-

میں نے خلیفہ سے اپنے متعلق یہی کہا تھا ر یعنی کہ میں احمق ہوں، لیکن تیرے آقائے قبول نہیں کیا۔

غیر یہ تو قاضی صاحب نے جواب دیا۔ لیکن شاہی عدالت کی اس حرکت اہانت پر منصور نے عام عدالتی رسم کی بنیاد پر نہیں اسلامی عدالت کے اصول پر نہیں، کم از کم اپنے معادہ کی لاج ہی کے لئے اس چھوکری سے کوئی جواب طلب کیا؟ کس قدر عجیب ہے کہ احکم علی و علی ولدی کا برسرِ بار معادہ کرنے والا منصور اپنے متعلق یا اپنی اولاد کے متعلق پاس عہد و زبان تو کیا کرتا اپنی ایک چھوکری کے متعلق بھی قاضی صاحب کے اس برتاؤ کو برداشت نہ کر سکا اور جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے فعن لولا قاضی شریک کو لوگوں نے معزول کر دیا اگرچہ

منصور کے بعد مہدی کے اصرار سے قاضی صاحب کو پھر یہ عہدہ قبول کرنا ہی پڑا جس کا ذکر اپنے موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا لیکن منصور کے زمانہ میں تو اس ٹوکر می کا انجام یہ ہوا ان ہی باتوں کا یہ اثر تھا کہ جو لوگ اپنے دین و علم کی حفاظت کرنا چاہتے تھے وہ ان خلفاء کے قول و قرار پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ ابن خلکان میں ہے کہ عباسی خلیفہ مہدی نے حضرت سفیان ثوری کو گرفتار کر کے اپنے دربار میں بلایا اور وہی قصار کا عہدہ پیش کیا۔ ان کو انکار پر اصرار تھا لیکن وہ قبول کر لینے پر مصر تھا۔ اس وقت مہدی اور سفیان ثوری میں ایک سخت گفت و بھی ہوئی جس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گا اور اسی وقت یہ بھی معلوم ہو گا کہ جب ان خلفاء کو اپنے منصب سے آدمی بکثرت مل رہے تھے تو ان بیچاروں کو پکڑ پکڑ کر وہ کیوں مجبور کرتے تھے۔ بہر حال حضرت سفیان نے نہ قبول کرنے کی وجہ میں خلفاء اور ان کے امراء و حواری موافقی کی غلط دخل اندازیوں کا ذکر کیا تو اس نے اپنے باپ منصور کی طرح زبانی نہیں بلکہ تحریری معاہدہ لکھ کر حضرت کے حوالہ کرنے کا حکم دیا۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ مہدی نے اپنے میرنشی کو کہا:-

کو فہ کی تمنا کرتا کہ فرمان اس شرط کے ساتھ لکھ کر تمہیں دے دو کہ کوئی ان کے فیصلوں میں دخل و انداز ہی نہ کرے گا۔

معاہدہ لکھ کر حضرت سفیان ثوری کے حوالہ کیا گیا۔ لیکن جس آسمان کے نیچے اور جس زمین کے اوپر آدم کی وہ اولاد تھی جنہیں تم اس زمانہ کے خلفاء اور امراء کے لباس میں دیکھ رہے ہو، وہیں زندگی کی تمام ضروریات رکھنے والی وہ ہستیاں بھی تھیں کہ ایک صوبہ کے بانی کورٹ کی غجی دی جاتی ہے، لیکن اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ قاضی ابن خلکان راوی ہیں:-

حضرت سفیان نے فرمان لیا اور دربار سے باہر نکل کر انھوں نے اُسے جیل میں پھینکا اور غائب ہو گئے۔ منہاج

آخر جب مہدی کا یہ حال تھا جیسا کہ خطیب نے قاضی عبید اللہ بن حسن کے حالات میں نقل کیا ہے کہ کسی زمین کے معاملہ میں ایک خوش باش تاجر اور مہدی کے کسی فوجی جنرل میں جھگڑا تھا اور مقدمہ قاضی عبید اللہ کے اجلاس میں دائر ہوا اور دوسری طرف دار الخلافہ سے خلیفہ ربیعہ مہدی کا فرمان بصیور از قاضی کے نام وصول ہوا جس میں مہدی نے قاضی کو حکم دیا انظر الی الادعی التي علی اسم فیہا ویکو فلاں تاجر اور فلاں تاجر فوجی جنرل کے درمیان فلاں التاجر فلاں فلاں فلاں قاضی نے اس مقدمہ میں فیصلہ دیا

کے منشا کے مطابق دو

للقائل (صبح تازیخ بغداد)

اگرچہ قاضی عبید اللہ نے مہدی کے فرمان کی پروا نہ کی اور حق پر چونکہ تا جبر ہی تھا۔ اس لئے فیصلہ اسی کے حق میں قاضی صاحب نے کیا۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ سننے کے ساتھ ہی مہدی نے قاضی عبید اللہ کو معزول کر دیا اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عدل و انصاف کی درگت ان نام نہاد خلفاء کے زمانہ میں کیا بنی ہوئی تھی۔

عدل و انصاف کے اس تازیخی تبصرے کے بعد اب

اسلامی حکومت کے حدود

جانتا کہ اسلامی حکومت "مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے امن و امان کا قیام، ملک کی آبادی سرحدوں کی حفاظت فوجوں کی تنظیم سلاطین عالم سے تعلقات، یہ اور اس قسم کی دوسری باتیں جن کا نام طور پر حکومتوں سے تعلق ہے ایک طرف اسلامی حکومت کے دائرے میں جہاں اس قسم کے امور داخل ہیں وہیں یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے کہ مسلمانوں کے بانوں اور ناخنوں تک کی نگرانی کی جاتی تھی۔ مسلمانوں کے پہلے بادشاہ خود ان کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور اس سے کون ناواقف ہے کہ پیغمبر کی نظر کن کن چیزوں پر رہتی تھی حتی الخراء یعنی استنجا کرنے تک کا طریقہ بھی ہمیں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سکھائے تھے اصحاب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فخر یہ اس کا اظہار دوسری قوموں کے افراد کے سامنے کرتے تھے، البچھے ہوئے بال ناصاف و انتوں کو دیکھ کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح لوگوں کو تنبیہ فرماتے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں اس کا ذخیرہ موجود ہے، حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے مصافحہ کیا جس کے دین بڑے ہو گئے تھے۔ آپ نے اس شخص کو خطاب کر کے بیان کیا کہ

جاء رجل الى النبي صلى الله عليه وسلم يسأله عن خبر السماء فقال

يحيى احدكم نبال عن خبر السماء

واظفادها اظفاد الطير مجتمع

فيها الخبائث والتفث احكام القرآن

اس کے ناخن تک اس کے پرندوں کے پھنگل کے مانند

بڑے ہوتے ہیں جن میں ہر طرح کی گندگی اور میل کچیل جمع رہتے ہیں۔

اور یہ باتیں کچھ پیغمبر ہی تک محدود نہ تھیں۔ آپ کے راشدین خلفا اسی نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ کی نگرانی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ کے سامنے ایک الجھی ہوئی بڑی لمبی چوڑی ڈاڑھی لے ہوئے ایک شخص آیا دیکھنے کے ساتھ ہی حضرت عمر اس شخص کی طرف بڑھے اور فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ میرے سامنے اس شکل میں آتے ہیں کہ گو یا وہ درندوں میں سے کوئی درندہ ہے۔

پھر آپ نے تنبیہ منگوا کر اس کے بال درست کئے (یعنی شرح بخاری)۔ بہر حال شخصی زندگی ہو یا خاندانی و عائلی قومی تعلقات ہوں یا عام انسانی تعلقات یا خدا اور بندے کے باہمی تعلقات اسلام ان سب پر حاوی ہے۔ اور ہر شعبہ کے متعلق قوانین و دفعات رکھتا ہے جن کے نفاذ و تعمیل کی اسلامی حکومت ذمہ دار بھرائی گئی ہے۔ لیکن خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد جن ہاتھوں میں اسلامی حکومتوں کی باگیں آئیں بتدیج اس راہ سے ہٹتے ہوئے بالآخر اس حد پر پہنچ گئے کہ آخری دو چیزیں یعنی مسلمانوں کا مال جو بیت المال میں جمع ہوتا تھا اور مسلمانوں کے باہمی معاملات کے چکانے فیضہ کرنے کے لئے جو قانون اسلام نے دیا تھا ان دو آخری باتوں کی ذمہ داریوں سے بھی لاپرواہیاں ہوتی جانے لگیں۔

عہد بنو عباس میں امام صاحب کی مکہ سے کوفہ کو واپسی

لوک بنی امیہ ہوں یا شاہان عباسیہ اس باب میں تقریباً دولوں کا حال ایک سا تھا۔ امام ابو حنیفہ کبیر کے صاحبزادے ابو حنیفہ صغیر کے حوالہ سے موفق نے اپنی مناقب میں جو یہ نقل کیا ہے کہ

هرب ابو حنیفۃ الی مکة و اقام بها الی ان ظهرت الهاشمیۃ
بھاگ گئے ابو حنیفہ کہ معطلہ اور مکہ ہی میں ان کا قیام رہا تاہم کہ ہاشمیوں یعنی عباسیوں نے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ تب امام صاحب کوفہ واپس ہوئے۔

فالتا یہی خیال کر کے حرم ربانی کی اس پناہ گاہ و مکہ معطلہ سے وہ کوفہ تشریف لائے کہ نئی حکومت شاید اپنا اعلانات کے مطابق گزشتہ حکومت کی کوتاہیوں کی سزا دے تلافی کرے۔

لیکن جو تجربات ابتدا ہی میں مسلسل اس نئے حکمران خاندان سے امام کو ہونے لگے اس کا اندازہ کچھ ان واقعات ہی سے ہو سکتا ہے جن کا ذکر ابو جعفر منصور بہت ہی ہارون کی مثالوں میں بھی لگدا اور عباسیوں کے متعلق تو بیرونی مثالوں سے زیادہ خود ہی واقعات کافی ہو سکتے ہیں جو خود امام ابو حنیفہ کے ساتھ عباسیوں کے دور میں پیش آئے۔

خلیفہ منصور پر امام صاحب کے احقاقِ حق کے چند واقعات

عباسیوں کے خلیفہ دوم ابو جعفر منصور نے امام کے پاس کچھ رقم بھیجی، لینے سے آپ نے انکار کیا۔ مشورہ دینے والوں نے کہا تصدق بھارے کر خیرات ہی کر دیجئے، اُسی کے جواب میں امام نے جو تارہ نخی بات فرمائی وہ یہ تھی۔

اَوْعِنْدَ هُمْ شَيْءٌ حَلَالٌ ؟ اَوْعِنْدَ هُمْ شَيْءٌ حَلَالٌ ؟ ط ۲ ج ۱
پاس حلال بھی کچھ ہے نہ۔

اور اس سے بھی زیادہ دل چسپ قصہ اسی منصور و داہقی ابو جعفر کا ہے حضرت امام کو

اے ظاہر ہے کہ حضرت امام کا تقویٰ و ورع میں جو بلند مقام تھا یا تو یہ اس کا اقتضا تھا جو ان لوگوں سے نہ لیتے تھے یا اس کو ان کا ذاتی مذاق قرار دینا چاہیے ورنہ بیچ یہ ہے کہ غنی امیہ ہوں یا غنی عباس بلکہ دنیا کی کوئی حکومت مدنی کا کچھ نہ کچھ حصہ جائز ذرائع سے بھی اس کے خزانہ میں داخل ہو سکتا ہے اور ایسی صورت میں جب جائز و ناجائز مال مخلوط ہو جائے خصوصاً شاہی خزانہ میں تو نہ صرف بعد کے لوگ بلکہ بنی امیہ ہی کے خزانے بعض تھیل اللہ سمجھا بیوں نے بھی لیا اور ان کے بعد تابعین نے بھی۔ ابو بکر الحصاص اپنی تفسیر میں کہتے ہیں۔ وکافوا ما خلدون الا ذاق من بیوت اموالہم وقل کان المختار الکذا اب یبخت الی ابن عباس و محمد بن الحنفیۃ وابن عمر اموال فیقبلونہا یعنی مختار ہے کتاب جس کے فسق و طغیان کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے وہی حضرت ابن عباس محمد بن الحنفیۃ ابن عمر کے پاس مال بھیجتا اور یہ حضرات اسے قبول فرماتے تھے ط ۲ ج ۱ بنی امیہ کے ایک امیر نے حضرت ابن عمر کو لکھا کہ مذرت ہو تو کچھ آپ کو بیع دوں آپ نے جواب میں لکھا کہ نہ تم سے نہ کچھ انہوں کا اور حق تعالیٰ تمہارے ذریعے جس روزی کو بھیجیں گے نہ اُسے واپس کروں گا حصاص ہی نے لکھا ہے کہ خواجہ حسن بھری، سعید بن جبیر، جیسے ائمہ ان ہی عالم سلاطین سے اپنے وظائف حاصل کرتے تھے! ابراہیم نخعی کے متعلق تو لکھا ہے کہ امراء کے پاس بطون کو موٹی کر کے بطور تحفہ بھیجتے مقصود یہ ہوتا کہ اس کے جواب میں وہ بھی کچھ سونک کریں گے! امام صاحب کیوں نہیں لیتے تھے اس کی ایک جو آئندہ بھی آئے گی نا نظر؟

لوگوں نے اس عام مقبرے میں دفن نہیں کیا جس میں بغداد کے لوگ دفن ہوتے تھے کہتے ہیں کہ قبر پر نماز پڑھنے منصور بھی آیا۔ اُس نے پوچھا کہ یہاں کیوں دفن کئے گئے۔ اس کے اس سوال پر لوگوں نے جواب دیا کہ امام کی یہی وصیت تھی۔ لوگوں نے بیان کیا کہ اس خطہ اراضی کو جس پر بغداد آباد کیا گیا تھا امام اس کو ارض مخصوبہ قرار دیتے تھے یعنی زبردستی بالکوں سے چھینی گئی ہے ان کا اس زمین کے متعلق یہی فتویٰ تھا اسی لئے انھوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے اس زمین میں نہ گاڑنا جو ناجائز ذریعہ سے حاصل کی گئی ہے سننے کے ساتھ یہی منصور نے کہا۔

فَمَنْ يَعْزُزْنِي مِنْهُ حَيًّا وَمَيِّتًا زندگی اور زندگی بعد بھی اس شخص کے حلوں سے مجھے کون بچا سکتا

بعض روایتوں میں ہے کہ امام کی قبر کی طرف اشارہ کر کے ابو جعفر نے کہا:-

مَنْ يَعْزُزْنِي مِنْهُ حَيًّا وَمَيِّتًا زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی تجھ سے مجھے کون بچا سکتا ہے

اور یہ حال تو داخل یعنی ان کی آمدنیوں کا تھا۔ باقی مصارف تو منصور ہی سے امام صاحب کی ایک دفعہ جو گفتگو ہوئی ہے اس کو سنئے اور دیکھئے کہ امام نے اپنے خیال کا اظہار کس پیرایہ میں کیا ہے، لکھا ہے کہ منصور نے پھر کسی موقع پر امام صاحب کو کچھ رقم دینی چاہی "حسب دستور آپ نے انکار کیا اُس نے پوچھا کہ آخر تم کیوں نہیں لیتے۔ جواب میں بجائے یہ فرمائے کہ ناجائز ذرائع سے تم حاصل کرتے ہو، آپ نے اس دفعہ مصارف کی بے ضابطگیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:-

روایہ المومنین لے خود اپنے ذاتی مال سے کبھی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں عطا فرمائی ہے

میں نے واپس کیا ہو۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کے بیت المال سے مجھے دیتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ بیت المال سے لینے کا کوئی حق مجھے حاصل نہیں مسلمانوں کی طرف سے میدان جنگ میں لڑائی اگر کرتا تو سمجھتا کہ جیسے فوجیوں کا بیت المال پر حق ہے مجھے بھی اپنا حق ملا جس طرح بیت المال سے فوجیوں کے بال بچوں اہل و عیال کو ملتا ہے، سو میں وہ بھی نہیں ہوں۔ یا میرا شمار مسلمانوں کے نادار اور مفلس لوگوں میں ہوتا تو فقر کی بد سے لینے کا حق مجھے ہوتا۔ لیکن بحمد اللہ میں محتاج و فقیر بھی نہیں ہوں" صحیح مناقب موفوق

میں سمجھتا ہوں کہ امام صاحب نے اس طریقہ سے منصور کو سمجھانا چاہا کہ آپ نہ حق دار کو دیکھتے ہیں اور نہ غیر مستحق کو بلکہ جسے جی چاہتا ہے مسلمانوں کا مال دے دیتے ہیں، گویا اس

مال میں اس قسم کا تصرف کرتے ہیں جیسے اپنے ذاتی مال میں کوئی کرتا ہوگا۔ ذاتی مال اور جس مال کا آدمی امین ہو تاہم دونوں کے اس فرق کو سمجھا رہے تھے جسے عملاً ان سلاطین نے قریب و غیب ختم کر دیا تھا۔

اسی طرح مسلمانوں کی عدالت اور انصاف کا جو قانون اسلامی سلاطین کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ جو بے انصافیاں عمل میں آرہی تھیں دوسروں کے متعلق بعض مثالیں گزر چکیں خود امام ابو حنیفہ نے اسی ابو جعفر منصور کے آگے اس کا اظہار اس وقت فرمایا تھا۔ جب قاضی بننے پر ان کو مجبور کر رہا تھا، یوں تو یہ قصہ متعدد بار جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا پیش آیا۔ اور خیال گذرتا ہے کہ مختلف مواقع پر امام نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک دفعہ اسی منصور عباسی نے امام کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا۔

”امیر المؤمنین! آپ کے گرد و پیش میں جو لوگ ہیں ان کو تو ضرورت ایسے حکام کی ہے۔

جو آپ کی وجہ سے ان کا اکرام کریں صلاً و تنفیلاً۔“

عربی کے الفاظ یہ ہیں ”ان لك حاشية يحتاجون الى من يكرمهم لك“ جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ منصور پر امام صاحب یہ تعریف کر رہے تھے کہ آپ کے حوالی موالی اعزاد اقربا انصاف میں مساوات کو پسند نہیں کرتے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بادشاہ کے مستعین ہیں میں۔ ہمارے ساتھ قانون وہ برتاؤ نہ کرے جو عوام کے ساتھ کیا جاتا ہے امام نے اس کے بعد خود منصور کو یہی کہا جس کا حاصل یہ ہے کہ:-

ابو منصور کے حالات میں لکھا ہے کہ جب کسی شاہی ملازم کو ملازمت سے برطرف کرتا تو اس غریب کی ایک ایک چیز ہمیں لیتا اور ایک خاص مکان میں یہ چھینے ہوئے اموال الگ الگ کمروں میں جمع کئے جاتے تھے ہر کمرا پر قفل توڑا لگا دیا جاتا تھا اور جس مال ہوتا اس کے نام کی چٹ دروازے پر لگا دی جاتی تھی جب منصور مرنے لگا تو اپنے بعد ہونے والے خلیفہ مہدی بن منصور کو منجملہ دوسری چیزوں کے یہ وصیت بھی کی کہ چھین چھین کر عہدہ داروں سے یہ مال جو میں نے جمع کیا ہے میرے بعد کو چاہئے کہ جس کمرے پر جس کا نام ہے اسی کو اگر زندہ ہو یا اس کے وارثوں کو بلا کر سب واپس کر دے لیکن یہی کیا احسان کے تحت اس نے کیا تھا آگے سنیں بیٹے کو اس نے سمجھایا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو عہدہ داروں کے خاندان کی ہمدردی کے لئے ساتھ ہو جائیں گی اور عام پہلک پر بھی اس طرز عمل کا گہرا اثر مرتب ہوگا۔ دیکھا آپ نے دوسروں کے مال کو اس طرز پر چھین لینا اور مال بٹے ہوئے ان کو تکلیف میں مبتلا کرنا پھر ان ہی کے مال سے لوگوں کے قلوب کی تسخیر کا کام لینا یہ تھی سیدہ سالکوں

اگر کوئی مقدمہ آپ پر دائر ہو، اور آپ مجھ سے یہ چاہیں کہ قالون کے مطابق فیصلہ نہ کروں، اور دھمکی دیں کہ ایسا اگر نہ کرو گے تو مجھے دریا میں غرق کر دوں گا، تو یاد رکھئے کہ میں دریا میں ڈوب جائے تو پسند کروں گا لیکن خلاف انصاف فیصلہ کروں، مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ (صفحہ ۱۵۱، موقوف ج ۲)

ایک اور موقع پر منصور ہی کو آپ نے یہ بھی فرمایا تھا۔

قاضی اسی شخص کو ہونا چاہیے جو آپ کے خلاف بھی فیصلہ کرنے کی ہمت رکھتا ہو

آپ کے خلاف بھی آپ کے بال بچوں کے خلاف بھی آپ کے سپہ سالاروں

اور فوجی افسروں کے خلاف بھی فیصلہ موقوف ج ۱

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی یہ دونوں آخری چیزیں جن میں بہر حال حکومت کی امداد کے

بغیر عوام کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے متعلق جو کچھ ہو رہا تھا، خود امام رحمۃ اللہ علیہ کے ان

بیانات سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسوا اس کے اور جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ان دونوں

حکومتوں کے زمانہ میں گزر رہی تھیں۔

بنی امیہ والوں نے حجاج جیسے دندے کو اور عباسیوں

کی طرف سے ابو مسلم جیسا کلب عقور مسلمانوں پر

اموی اور عباسی دور کے دور دراز

جن بے دردیوں اور بے رحمیوں کے ساتھ چھوڑ دیئے گئے تھے، واقعہ یہ ہے کہ جس کے دل میں ذرہ

براہر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت و امت کی ہمدردی کا جذبہ تھا وہ بے چین تھا کہ آخر

ان مصائب کے معاملہ میں کیا کرے۔ اُمت محمدیہ کے خون کو دونوں حکومتوں کے ان دونوں نمائندوں

نے اتنا ارزاں کر دیا تھا کہ شاعر نے تو شعر "بات پرواں زبان کشتی ہے" صرف شعر لکھا ہے

لیکن اُس زمانہ میں بات پر زبان نہیں، بلکہ یہ واقعہ ہے کہ سرکٹتے تھے۔ بے محابا جس وقت جس

مسلمان کا جی چاہتا تھا سر اڑا دیا جاتا تھا، اور نہ کوئی اس کی داد تھی نہ فریاد۔ واللہ اعلم اسی دہشت

اور ہراس کے پھیل جانے کا نتیجہ تھا۔ یا کیا۔ ایبا نعی نے اپنی تاسیخ میں بنی امیہ کے عہد کا ایک

واقعہ یہ بھی درج کیا ہے کہ یزید بن عبد الملک جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد خلیفہ ہوا تھا اور

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہم عصر تھا، لکھا ہے کہ اُسی یزید کے زمانہ میں

الاولیٰ اربعین شیعنا مشہد والہ ان چالیس شیخ پیش ہوئے اور انہوں نے اس بات کی شہادت

الخلفاء لا حساب علیہم ولا عذاب منہ ادا کی کہ خلفاء سے قیامت کے دن نہ حساب لیا جائے گا۔ اور

نہ ان کو ان کے جرائم کی سزا ملے گی۔

ایام یا فنی نے اس فقرے کو نقل کرنے کے بعد جیسا کہ چاہیے تھا ارتقام فرمایا ہے کہ
لَعُوذُ بِاللّٰهِ حَسْبُ سِلْقَى الظَّالِمُونَ مِنْ شَلَّةٍ اَمِ اللّٰهُ كِيْ بَنَاهُ اُس عذاب اور سزا سے ملنے میں جس
العذاب میں ظلم کرنے والوں کا یہ گروہ مبتلا ہو گا۔

لیکن کچھ بھی ہو، اُس سے اُس زمانہ کے حال کا تو پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کی اخلاقی قوت ان
سلاطین کے ہاتھوں کس حد تک غت رہود ہو کر رہ گئی تھی، اور خیر اس شہادت کے ادا کرنے والے
شیخ کس معنی کے لحاظ سے تھے؟ ان کی پیری و شیخوخت، سفیدی مودالی پیری تھی یا کیا تھی۔

طبقہ خشویہ کے بعض عجیب و غریب

پیدا ہو گیا تھا، جس نے اس عقیدے کو اپنا دین بنا لیا تھا، ابوبکر جصاص اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قوم من الحشویۃ و جمہال اصحاب
الحديث انکر و ا قتال الفئۃ الباغیۃ
والامر بالمعروف والنہی عن المنکر
بالسلاح و سمو الامر بالمعروف والنہی
عن المنکر فتنۃ اذ ا حیتج فیہ الی
حل السلاح و قتال الفئۃ الباغیۃ
نہی عن المنکر کہ یہ لوگ فتنہ قرار دیتے تھے یعنی باغی طبقہ سے مقابلہ میں ہتھیار کی ضرورت جہاں پیدا ہو جائے
اُس کو بھی یہ لوگ فتنہ ہی خیال کرتے تھے۔

پھر چند سطروں کے بعد اسی عقیدے کی مزید تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

و ذموا مع ذلک ان السلطان لا ینکر
علیہ الظلم و الجور و قتل النفس التي
حرم اللہ و انما ینکر علی غیر السلطان
بالقول و بالیل بغیر سلاح ص ۳۴
ان لوگوں کا اسی کے ساتھ یہ خیال بھی تھا کہ ظلم و جور اور
بے گناہ لوگوں کے قتل وغیرہ افعال کا صدور بادشاہ وقت
سے اگر ہو تو اُس کے خلاف آواز بلند کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے
ہاں بادشاہوں کے سوا عوام کو لوگنا درست ہے اور وہ بھی
صرف زبان کی حد تک ہتھیار تو بہر حال کسی کے مقابلہ میں اٹھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

اس قسم کے محدثین کی کتابوں میں اس وقت تک بطور اعتراض کے خصوصاً امام ابو حنیفہ کے

"تذکرے میں اب تک یہ الفاظ ملتے ہیں کہ کان پوری السیف (ابوحنیفہ تلوار کے قاتل تھے) الخطیب نے بغداد کی "ایجنٹ" میں بے شمار محدثین کے حوالہ سے امام رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق اس اعتراض کو نقل کیا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ یعنی ان محدثین کے مذکورہ بالا نقطہ نظر کے امام ابوحنیفہ منکر تھے اور اس کو غلط سمجھتے تھے اور یہ تو یہ ہے کہ حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ آج گھر بیٹھے ان بیچاروں پر اعتراض کر دینا آسان ہے لیکن خدا نخواستہ مبتلا ہونے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے۔

ان کو تو جانے دیجئے جنہیں الجصاص نے حشویہ اور جہاں
حجاج کی مطلق العنانی
 اہل حدیث میں شمار کیا ہے، لیکن اسی کتاب میں دوسری جگہ ان ہی الجصاص نے جو کچھ لکھا ہے۔ میرے تو رونگٹے اس کے تصور سے کھڑے ہو جاتے ہیں انھوں نے عبد الملک بن عمر کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

خرج الحجاج يوم الجمعة بالهاجرة فما زال جمعة کے دن دہرے کے وقت حجاج باہر نکلا اور خطبہ

۱۰ حجاج کے متعلق خواجہ حسن بھری سے منقول ہے کہ فرماتے اخفش ہمیشہ یہ قصیدہ النبیان (پہنچی پھنچی آنکھوں اور چوندھا مردک لیے ہاتھ بڑھا کر باتیں کرتا تھا کہ جس کی انگلیاں چھوٹی چھوٹی تھیں) ان ہی سے دوسرے الفاظ منقول ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ حجاج پستہ قد ایک آنکھ بڑی ایک چھوٹی رکھنے والا چھوٹی چھوٹی انگلیاں بنی اس نے نکالیں ایسی انگلیاں جن میں کبھی ایسی باگ نہیں گئی جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سے تر ہوئی ہو، ابن خلکان نے حجاج کے تفرقہ کا واقعہ عجیب لکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عبد الملک کو اپنی فوج کے متعلق نظم و ضبط کی سخت شکایت تھی۔ روح بن زبیر جو اس کے وزیر تھے ان سے اس شکایت کا اظہار کیا۔ روح نے کہا کہ میرے فوجی اسٹاف میں ایک سپاہی حال حال میں بھرتی ہو ہے۔ اگر نظم و ضبط کا کام اس کے سپرد کیجئے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس شکایت کا ازالہ کر دے گا یہ حجاج تھا۔ طائف میں معلوم الصبیانی کے پیشے کو ترک کر کے سپاہیوں میں شریک ہو گیا تھا، عبد الملک نے بلوایا اور کام اس کے سپرد کیا حکم دیا گیا کہ امیر المومنین کی سواری جوں ہی روانہ ہو اسی وقت ساری فوج کو کوچ کرنا چاہیے۔ حجاج تعمیل حکم کا وعدہ کر کے روانہ ہوا۔ عبد الملک کی سواری اسی دن روانہ ہوئی۔ حجاج فوج میں اعلان کرتا پھرتا تھا کہ امیر المومنین کے ساتھ ہر اوق و اعلیٰ کے سوار ہو جانا چاہیے۔ گھومتے ہوئے خود وزیر کے اسٹاف میں پہنچا، دیکھا کہ ابھی تو ان میں کوئی سو یا پڑا ہے۔ کوئی کھانا پکا رہا ہے حجاج نے اڑک کر آواز دی کہ اب تک تم لوگ کیوں سوار نہیں ہوئے ان بیچاروں کو کیا معلوم تھا کہ یہ آدمی نہیں دیکھ رہے تھے بے تکلفی میں لوگوں نے کہا کہ اب کیا بک کی لگائی ہے آبیٹھ ہم لوگوں کے ساتھ تو بھی کچھ کھا لے۔ ابھی ان لوگوں کی بات ٹھانہ پوری بھی نہ ہونے پائی تھی کہ حجاج نے بے تحاشا ہر ایک کے سر پر پیچ پر کوڑے برسائے شروع کئے ان کے

ذال یحییٰ حرمتہ عن اهل الشام و
 یملحہم و ھرتہ عن اهل العراق
 و ینمہم حتی لمدن من الشمس الا
 حرمتہ علی شرف المسجد ثم الموزن
 فاخرن فیصلۃ بنا الجمعة ثم اذن
 فیصلۃ بنا العصر ثم اذن فیصلۃ بنا

منبر پر دینے لگا پھر کبھی اس خطبہ میں شام والوں کا ذکر
 کر کے ان کی تعریفیں کرتا اور کبھی عراق والوں کا تذکرہ کر کے
 ان کی مذمت کرتا یہ خطبہ تناطویل تھا اور اتنی دیر ہو گئی
 کہ مسجد کے میناروں پر دھوپ کی سرخی کے سوا اور بھی کئی
 چیز نظر آنے لگی تب حجاج نے موزن کو حکم دیا۔ اُس نے اذان
 دی اور ہم لوگوں کو اُس نے (حجاج) بے جمعہ کی نماز پڑھائی

بقیہ فٹ نوٹ ۶۵

لئے یہ بالکل نیا تجربہ تھا کوئی اور کبھی ایسا اکثر خون سے لت پت ہو گئے حجاج نے اسی پر قناعت نہ کی بلکہ دیر اور
 اُس کے رختا کے خیموں میں اس نے آگ بھی لگا دی دربار سے جب سب واپس آئے تو اس حال کو دیکھ کر کھڑے ہوئے گئے سیدھے
 عبدالملک سے شکایت کی کہ اس سپاہی نے تو ہمارے ہی آدمیوں پر ہاتھ صاف کیا۔ عبدالملک نے حجاج کو بلایا۔ پوچھا
 تیرے یہ کیا کیا۔ جواب میں اس نے صاف انکار کیا۔ کہا گیا کیا تو نے کوٹے نہیں مارے آگ نہیں لگائی۔ بولا قطعاً نہیں پھر وزیر
 کے آدمیوں کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا؟ حجاج نے کہا کہ حضور نے عبدالملک نے حیرت سے پوچھا میں نے؟ جی ہاں آپ نے
 حجاج نے کہا اور اس کے بعد کہنے لگا امیر المومنین! کچھ غریب کی کیا مجال تھی کہ یہ کر سکتا تھا، لیکن جو کچھ ہوا، آپ ہی کے حکم
 سے ہوا امیر ہاتھ، امیر کوڑا، امیر کوڑا باقی نہیں رہا، اب وہ آپ کا ہاتھ ہے اور آپ کا کوڑا ہے۔ عبدالملک اس کی باتیں سن کر
 اچھل پڑا کہنے لگا بس اس قسم کے آدمی کی مجھے ضرورت تھی، اسی کے بعد ہندوستان حجاج بڑھتا گیا تا این کہ کوفہ کی گورنری
 تک پہنچا عبدالملک نے اس کو اتنا شوشہ دیدہ بنا دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی اور خادم
 خاص حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھرے دربار میں اس نے تو بین کی، ان کی گردن مبارک پر وہ ہر
 لگائی جو مہرموں کی گردلوں پر لگائی جاتی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت اور فتوں کا مذاق جن
 الفاظ میں اڑاتا تھا نفل کرنا بھی ان کا دشوار ہے۔ عبدالملک نے حجاج سے ایک دفعہ خود اسی سے اس کے متعلق
 رائے دریافت کی تو اُس نے کہا کہ سچی بات یہی ہے کہ میں سخت کینہ پرور، جاسد کاٹ کھانے والا آدمی ہوں، عبدالملک
 نے سن کر کہا کہ تب تو تیرا رشتہ شیطان سے لگا ہے، لکھا ہے کہ حجاج ولید کے زمانہ میں جب مر رہا تھا تو کہتا جاتا تھا
 ولید ہی کی اطاعت پر زندہ رہا اور اسی کی اطاعت پر مر رہا ہوں اور اسی کی اطاعت پر قیامت میں ٹٹوں گا۔ عباسی
 خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار میں حجاج کے اس قول کا کسی نے جب تذکرہ کیا تو اُس نے کہا کہ اس کو دراصل شیعہ دیا پٹی
 کا آدمی کہتے ہیں اس کو افسوس تھا کہ جو شیعہ دیا پٹی اس نے قائم کی تھی اس میں ایسے افراد نہ تھے۔ یہاں سے واقعات
 حافظ ابن عساکر کی تاریخ دمشق سے ماخوذ ہیں ۱۲

المغرب۔ پھر معاً اسی کے بعد عصر کی اذان موزون نے دی اور حجاب

ہی نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اس کے بعد مغرب کی اذان ہوئی اور اس نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ جماعت میں بڑے بڑے لوگ شریک ہیں، لیکن کچھ کہہ نہیں سکتے کہ تو کیا کر رہا ہے الجصاص ہی نے خواجہ حسن بھری کا ایک طویل بیان اس سلسلہ میں نقل کرتے ہوئے آخر میں ان کے یہ الفاظ دہرائے ہیں کہ:-

لیمعل المغرب فیہذا ساحتی لغوثہ منبر پر چڑھ جاتا اور یک یک شروع کر دیتا، تا اینکه الضلوة لا من الله یتقی ولا من الناس یتحیی ثوقہ الله وتحتہ مائۃ الف اویزیدون لا یقول له قائل الصلاۃ ایہا الرجل

نماز کا وقت جاتا رہتا نہ خدا سے ڈرتا تھا اور نہ مخلوق خدا سے شرماتا تھا، بس اوپر تو اس کے خدا تھا اور نیچے ایک لاکھ اور ایک لاکھ سے زیادہ ملازمین کوئی کہنے والا نہ تھا کہ اے شخص نماز یعنی نماز کا وقت جا رہا ہے، اشارہ ان ہی واقعات کی طرف ہے جو آئے دن پیش آتے رہتے تھے ہر شخص کے سر پر نیکی تلوار گویا لٹکی رہتی تھی، زبان سے لفظ نکلا نہیں کہ سرگردن سے جدا کر دیا جاتا تھا خود خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ کا معنی

ہتھیات اواللہ حال دون ذالک افسوس! اس معاملہ میں تلوار اور کوڑا حامل ہو السیف والسوط ص ۲ ج ۲ جاتا تھا۔

اور قصہ کچھ حجاج ہی کے زمانہ تک محدود نہیں تھا اس قسم کے غیر معمولی خوف قلوب میں حکومت کی جانب سے اُس نے پیدا کر دیا تھا کہ کسی میں ہمت نہ تھی کچھ کرنے کی اگر پیدا ہوتی تو حجاجی عہد کے خوف میں مناظر اور کھلے ہوئے جیل خانوں کی آہ و بکا شور و ہنگامہ کی یاد اراووں کو پست کر دیتی تھی خود ہی سوچنا چاہیے کہ غلط ہو یا صحیح، لیکن جس زمانہ میں چالیس چالیس مشائخ نے یہ گواہی ادا کی ہو کہ حکومت کرنے والے افراد ہر قسم کی مسئولیت سے بری ہیں ان کے بوجی میں آئے کر سکتے ہیں مذہب نے ان کو اس کی اجازت دے رکھی ہے اس گواہی نے سلاطین اور شاہی حکام ولایت کے لئے کھیل کھیلنے کا کتنا وسیع میدان مہیا کر دیا ہو گا۔ خلافت راشدہ کی آراویوں کی جو سنت تھی، اس کا تو عبد الملک ہی نے اپنے زمانہ میں مشہور تاریخی فقرے سے خاتمہ کر دیا تھا، یعنی خلفاء راشدین کے عہد میں عام مسلمانوں کو اتنا جری بنا دیا گیا تھا کہ بڑے بڑے حکام بلکہ خود خلیفہ وقت تک کو اتنی اللہ یا ادیر المؤمنین (امیر المؤمنین خدا سے ڈرے، کے ساتھ خطاب کرنا ایک معمولی بات تھی، اعلیٰ ہوا

اوتی بغیر کسی جھجک کے ان الفاظ کے استعمال کرنے کا عادی تھا اور ان کو اس کا عادی بنا دیا گیا تھا۔

پہلا منحوس دن اور پہلا مسلمانوں کا بادشاہ

لکھا ہے کہ جب حکومت کی باگ عبدالملک اموی

کے ہاتھ میں آئی تو ایک دن مدینہ منورہ پہنچ کر رسول علیہ السلام کے مہرے اُس نے اعلان کیا واللہ ما انا بالخليفة المستضعف یعنی عثمان ولا بالخليفة المصالح یعنی معاویہ وانکم تاحرنا ویا شیاء تنسونہا انفسکم واللہ لا یامرنی احد بعل مقامی ہذا اسقوی اللہ الا ضربت عنقه ص ۱۲۰ تفسیر جصاص ۱۲۰

خدا کی قسم میں کمزور خلیفہ نہیں ہوں، اشارہ حضرت عثمان کی طرف کرتا اور نہ مدارات کرنے والا سخن ساز خلیفہ ہوں اشارہ حضرت معاویہ کی طرف کرتا، تم لوگ ہم لوگوں سے دینی حکمرانوں سے تو فرمائش کرتے ہو، لیکن اپنے آپ پر بھول جاتے ہو، خدا کی قسم آج کے دن کے بعد کسی نے اگر تقویٰ کی وجہ سے فرمائش کی یعنی اتو اللہ کہا ابھی وقت اس کی گردن اڑا دیں گا

علامہ ابوبکر الجصاص نے لکھا ہے کہ یہی پہلا منحوس دن اور پہلا مسلمانوں کا بادشاہ تھا کہ اول من قطع السنة الناس فی الاصر بالمعروف والنہی عن المنکر۔ جس نے عام مسلمانوں کی زبانیں کاٹ دیں، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے زبانیں رک گئیں۔

اور حجاج تک پہنچ کر یہ کہ یلانیہم پر چڑھنے کے بعد تلخی و تندہی کے جن حدود تک پہنچ گیا تھا جو کچھ اس وقت تک عرض کیا گیا ہے غالباً اندازہ کرنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ حجاج نے چکا تھا، لیکن جس سنت سیئہ کی رسم مسلمانوں میں چھوڑ کر ملا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وصاتی سال کی حکومت میں اس کا قطع قطع نہ ہو سکا۔ گو وقتی طور پر لوگوں کو رائے اور زبان کی آزادی میسر آگئی تھی لیکن وہ صرف ایک وقتی اثر تھا۔ جصاص نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حجاج کی موت کے بعد منہملہ دعاؤں کے ایک اہم دعا خواجہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے رہتے تھے کہ

اللہم انت امتل فاقطع عنا سستہ اے پروردگار! تو نے جیسے اس شخص کو ختم کیا اس کے

جاری ہوئے طور طریقوں کو بھی ختم فرما دے

انھوں نے لکھا ہے کہ رائے اور زبان کی آزادی کی موت بھی حجاج کی سنت تھی جو اس کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہی دعا کرتے تھے کہ یہ بھی مر جائے۔

بنی امیہ کی تنہا ہی کے بعد امیہ کی جاتی تھی کہ ان کے پیدا کئے ہوئے طریقے بھی تنہا ہو جائیں گے۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا عباسیہ بھی ان سے کچھ زیادہ بہتر ثابت نہیں ہوئے۔ بلکہ بنی امیہ کے طاغیہ حجاج کی جگہ ابو مسلم خراسانی عباسیوں کے طاغیہ نے سرکالا بات بہت طول ہو جائے گی ورنہ دکھاتا کہ ابو مسلم اپنی طغیانوں اور سرکشیوں منطالم اور بے رحمیوں میں اگر حجاج سے آگے بڑھا ہوا نہیں تھا تو کم بھی نہیں تھا۔

یگڑے ہوئے حالات سے امام صاحب کا اثر امام رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہی حالات تھے جیسا کہ ان کی زندگی کے دوسرے واقعات جن کا کچھ حصہ گذر چکا اور کچھ آئندہ آئیں گے۔ ان سے اتنا تو قطعاً معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اس حال سے بے تعلق ہو کر "گلیم خویش بدری بردر موج" کے خود غرضانہ مسلک سے ان کی فطرت کو جبلتہ لگاؤ نہ تھا۔ وہ کچھ کرنا چاہتے تھے، لیکن کیا کریں؟ گو اس سوال کے جواب میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں میرے پاس کوئی خاص تاریخی واقعہ نہیں ہے لیکن میں نے پہلے بھی کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ انھوں نے جو کچھ کیا ہے اسی سے میں اس سوال کا جواب پیدا کرنا چاہتا ہوں اور اسی کو میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا "سیاسی مسلک" سمجھتا ہوں۔

امام کا سیاسی مسلک

سب سے پہلی بات اس سلسلہ میں ہیں ان کی زندگی کے اندر جو نظر پہلا قدم آتی ہے اس کی تعبیر چاہیے تو "حکومت ظالمہ سے مقاطعہ" یا "ترک موالات" کے الفاظ سے بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ حکومت کے خزانے سے جس کی آس اور امید نہیں ٹوٹی ہے حکومت والوں سے ترک تعلق کی آرزو یقیناً اس شخص کی مجموعی ہے۔ آدمی فرشتہ زادہ نہیں آدم آزاد ہے طبعی ضرورتوں کا محتاج بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ انسانیت کی اسی طبعی کمزوری سے ہر عہد کے جابر نے فائدہ اٹھا لیا ہے امام صاحب کے عہد میں بھی اٹھا رہے تھے۔ شیروں کے گلوں کا طوق اور پاؤں کی زنجیروں کی رو بہ مزاحیاں میں جنھیں احتیاج پیدا کرتی ہے۔ امام صاحب کے سامنے ایسے کتنے شیر تھے جنھیں بنی امیہ اور بنی عباس کے سلاطین ان ہی سیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور

نہیں رہتی جس کی توقع بے نیازی اور استغنائیں کی جاسکتی ہے اور غالباً اسی کمزوری کی تعبیر قاضی صاحب دین فروشی سے فرما رہے تھے کتابوں میں لکھا ہے کہ سفیان ثوری جو حضرت امام کے معاصرین میں ہیں ابتداءً حکومت کے بعض والیوں کی پیش کش کو انھوں نے قبول کر لیا تھا، لیکن اے یسے کے بعد اپنے اندر جس انقلاب کو انھوں نے پایا اس کے بعد طے کر لیا کہ پھر حکومت والوں سے کبھی کچھ زلوں گا۔ ابن سعد نے لکھا ہے

ثم ترك ذلك فلم يقبل من احد شيئا ۲۵ ج ۲
پھر انھوں نے قطعی طور پر اس رویہ کو ترک کر دیا اور کسی سے پھر کچھ نہ لیا

یہ بقتد عزورت آپ نے بھی تجارت کا کاروبار اختیار فرمایا تھا جس کی صورت یہ تھی کہ اپنے چند خاص قابل اعتماد تاجر معتقدوں کو سرمایہ دے دیتے یہی لوگ کاروبار کر کے جو نفع بچتا وہ ان کے حوالہ کر دیتے۔ لیکن دستور تھا کہ دوسو دینار ہمیشہ اپنے پاس بھی رکھتے پوچھنے پر لوگوں سے آپ نے مشہور فقرہ فرمایا۔

لولا هذا لتمنح لني هولا ۱۷
اگر میرے پاس یہ نہ ہوں تو یہ لوگ یعنی ارباب حکومت مجھے اپنے منہ لپوچھنے کا رومال بنالیں۔

دین دوزی کا نسخہ
حکومت والے بھی ”زر بر سر سنگ نہی نرم شود“ کے راز سے خوب واقف تھے دینی اور اخلاقی ذمہ داریوں کی ساری طاقت اسی زہرِ طلہ کی راہ میں وہ خود کھوپکے تھے دوسروں کو اپنے آپ پر قیاس کرتے کرتے تھے اور عام حالات میں ان کا قیاس زیادہ غلط بھی ثابت نہیں ہوتا تھا۔ اسی سلسلہ میں دین دوزی کے گرو کو بھی ان کے یہاں خاص اہمیت حاصل تھی۔ لوگوں نے توجہ نہ کی ورنہ تاریخ کی شہادتیں شاید یہ ثابت کر سکتی ہیں کہ بنی امیہ اور بنی عباس دونوں حکومتوں میں ”دین دوزی“ کے اس اکسیری نسخہ کا استعمال عام طور پر مروج تھا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ترقیوں سے لوگوں کی زبانوں کے بند کرنے کا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں خاص نظام مقرر تھا۔ شاید اس میں بھی ذاتی تجربات ہی کو دخل تھا۔ آپ تاریخ کی کتابیں اٹھا کر پڑھیے، نہ صرف سلاطین بلکہ ولات

۱۔ غالب کا مشہور شعر ہے غالب و خلیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعاؤں گے کہ بکتے تھے تو کہ نہیں ہوں میں

اس میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۱۲

رگورنرس، اور ان کے لواب تک کے دسترخوانوں کی وسعت و درازی کے قصے کثرت سے ملیں گے۔ کیا اس سے امرار کا یہ مقصود تھا غربا تک ان چیزوں کو پہنچایا جائے جن تک اپنی محدود آمدنی کی وجہ سے ان کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی؟

سہ جیسا کہ میں نے عرض کیا تاریخ اسلامی کا یہ ایک دلچسپ اور اہم باب ہے یہ تو مسلم ہے کہ "دسترخوان" کی اہمیت کی تاریخ کے آغاز کا تعلق امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے ہے حضرت ابو ہریرہ کا مشہور فقرہ معماط معاویۃ دسم والصلوۃ خلف علی افضل (ایلیٰ فی صلاۃ) میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی خانہ جنگی کے زمانہ میں حضرت ابو ہریرہ نے بغیر جانب داری کا مسلک اختیار کر رکھا تھا اور طریقہ عمل اُن کا یہ تھا کہ نماز تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیچھے پڑھنے اور کھانا امیر معاویہ کے دسترخوان پر کھانے دھوپ چھٹی جاتی تو فقرہ بالا دہراتے یعنی معاویہ کا دسترخوان زیادہ مرغوب ہے اور نماز علی کے پیچھے بہتر ہوتی ہے۔ تاریخوں میں امیر معاویہ کے متعلق اس قسم کے لطائف کا ایک ذخیرہ درج ہو گیا ہے۔ شاہی تو شک خالوں میں گزشتہ امرار و سلاطین کے لباس کو بھی محفوظ کر دیا جاتا تھا۔ امیر معاویہ کے لباس کی علامت ہی یہ تھی کہ آئیں۔ دفن سے بھری ہوئی امیر معاویہ کے بعد اس سلسلہ میں سلیمان بن عبد الملک نے شہرت حاصل کی جس کھانے کو عام آدمی شاید دس دن میں بھی بہ مشکل کھا سکتے تھے وہ ایک دن میں کھا جاتا تھا ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اس کی روز کی غذا سوطل شامی تھی، مختلف لطیفے سلیمان کی پرخوری کے مشہور ہیں اموی ولایت میں ابن ہبیرہ جس نے حضرت امام کو جیل اور تازیانے کی سزا دی تھی، اس راہ میں اس نے بھی خاصا نام پیدا کیا ہے۔ ایلیٰ نعی نے لکھا ہے "دودھ کا ایک بڑا پیالہ جس میں شہد ڈال کر اوپر سے دودھ نچوڑا جاتا تھا ابن ہبیرہ کے سامنے نماز صبح کے بعد پیش کیا جاتا اس کو چڑھا جانے کے بعد ناشتہ آتا جس میں دو بھنتی ہوئی مرغیاں، دو بھنے ہوئے کبوتر کے بچے۔ نصف حلوان کے سوا اور بھی مختلف قسم کے گوشت ہوتے ناشتہ سے فارغ ہو کر ابن ہبیرہ کام میں نصف النہار تک مشغول رہتا اس کے بعد دو پیر کا کھانا آتا۔ بڑے بڑے لقمے اٹھاتا اور پے درپے منہ میں ڈالتا جاتا تھا ظہر کی نماز پڑھ کر جب کام میں مشغول ہوتا عصر کی نماز کے بعد تخت بچھا یا جاتا جس پر خود بیٹھتا اور دوسروں کے لئے کرسیاں اسی کے ارد گرد بچھا دی جاتیں پھر گلاسوں میں بھر بھر کر دودھ اور شہد اور مختلف قسم کے شہرت کا درہلتا اتنے ہیں پھر دسترخوان بچھ جاتا عام لوگ تو دسترخوان پر کھاتے اور خود ابن ہبیرہ اور اس کے خاص اصحاب کے لئے چھوٹے چھوٹے پاؤں کے ٹیبل بچھائے جاتے تھے جن پر کھانے پینے جاتے تھے مغرب تک کھانے کا یہ قصہ جاری رہتا۔ بنی اُمیہ کے عہد کے ان قصوں کو اگر جمع کیا جائے تو ایک مختصر سا رسالہ ہی مرتب

ہو سکتا ہے۔ عباسی جب آئے تو اس خاندان کے پہلے حکمران سفاح کی نشاۃ و انبساط بہترین وقت و سترخان ہی کا وقت تھا۔ لوگوں کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی کام اس سے نکالنا چاہتے تو سترخان کے وقت کا انتظار کرتے کھانا جب شروع ہوتا تب اپنی ضرورت پیش کرتے ابراہیم بن محمد ایک صاحب تھے جو تاک کر ٹھیک اسی وقت اس کے سامنے اپنی ضرورتوں کو پیش کرتے پس نے ایک دن کہا بھی کہ خاص کر اسی وقت تم ایسا کیوں کرتے ہو انھوں نے کہا آپ کے انبساط و انشراح کا یہی وقت ہوتا ہے۔ منہس کر بولا کہ تم نے خوب مانا ص ۳۳ مسعودی ج ۲ اور منصور جو سفاح کے بعد گدی پر آیا اس کے متعلق تو پہلے ہی سے لوگ پیشین گوئی کرتے تھے۔ لایموت واللہ ابو جعفر ابدالہ بالبطن یعنی ابو جعفر نہیں مرے گا مگر بیٹ کے عارضہ میں طبری ص ۳۱ ج ۵۔ ایک ہندوستانی طبیب نے پھکی بنا کر اس کو دی تھی اس کے بل بوتے پر بہت زیادہ کھانا کھا جاتا تھا۔ دلچسپ لطیفہ مسعودی نے منصور ہی کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ محمد نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم سے جب اس کا مقابلہ ہوا تھا تو بڑیوں کے مغز کا حلو اسی زمانہ میں باورچی نے تیار کر کے پیش کیا منصور کو یہ حلو بہت پسند آیا اور کہنے لگا ابراہیم مجھ منی ہذا و اشباہہ ابراہیم چاہتا ہے کہ اس حلو سے اور اسی قسم کی چیزوں سے مجھے محروم کر دے ص ۳۵ ج ۵۔ ان ہی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حکمرانوں کا بڑا مقصد حصول سلطنت سے کیا تھا۔ چونکہ خود اسی قسم کی آلائشوں کے دباؤ کے نیچے یہ خود دبے ہوئے تھے سمجھتے تھے کہ دوسروں کو بھی اسی سے دبایا جاسکتا ہے۔ گو واضح الفاظ میں مجھے اس کی تصریح تو نہیں ملی ہے لیکن واقعات کے ذیل میں موضحین جن چیزوں کو نقل کرتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کھانے کی راہ سے "دہن دوزی" کا ایک مستقل نظام ہی بنی امیہ اور بنی عباس دونوں کے زمانہ میں قائم تھا اور شاید بعد میں بھی جاری رہا ابن القریہ جو بدایت سے امارت تک پہنچا تھا اس کے حالات میں لکھا ہے کہ حجاج کے عامل کے پاس آیا دروازے پر کھڑا تھا۔ الیافعی نے لکھا ہے کہ کان عامل الحجاج یغدی کل یوم ولعیشی لوگوں کو دن اور شام کا کھانا اپنے ساتھ کھاتا تھا ابن قریہ نے پوچھا کہ اکل یوم یصنع الا میرما ادری (کیا میر روزانہ یہی کرتا ہے) لوگوں نے کہا ہاں آگے دوسرے ہے دیکھو الیافعی ص ۱۱ ج ۱ الیافعی ہی نے مشہور جرنیل قتیبہ کے حال میں لکھا ہے طلب سماء طین طول اربعین فرا صمخ فی نظام واحد اس نے دو سترخان بنائے کا حکم دیا تھا جن کی لمبائی چالیس فرسخ یعنی ایک سو بیس میل کی ہو، آگے خود الیافعی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے یعنی طلب تحصیل لیجون صاہمد علیہ السعاط لاکل العساکر الممدود علیہ یعنی قتیبہ نے حکم دیا تھا کہ ایسے دو کپڑے بنے جائیں جن پر فوجیوں کے لئے کھانا چنا جاسکے، ص ۱۸۰ واللہ اعلم اس کا کیا مطلب ہے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ساری چھوٹی یا فوج کو ایک ہی سترخان پر کھانا کھلانے کے لئے ایک سو بیس میل بے اس نے دو سترخان بنائے کا حکم دیا تھا بہر حال میں نے چند متفرق اشارات جمع

اور قصوں کو تو تاریخوں میں پڑھیے، بعض چیزوں کا ذکر میں نے بھی حاشیہ میں کر دیا ہے۔ اس وقت آپ کے سامنے قاضی شریک ہی کے واقعہ کو پیش کر دیتا ہوں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مطلب ان لوگوں کا کیا ہوتا تھا، یہ تو عرض کر چکا ہوں کہ قاضی شریک نے بالآخر حکومت سے "موالات" کا تعلق قائم کر لیا۔ گوا اپنے نزدیک اس کو وہ "دین فروشی" بھی سمجھتے رہے لیکن یہ بات کہ انھوں نے قضا آریا شاہزادوں کی تعلیم کی خدمت کیوں قبول کر لی؟ البسعودی نے اسی سلسلہ میں لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عباسیوں کا تیسرا حکمران مہدی جو ابو جعفر منصور کا بیٹا تھا اور ہادی و ہارون کا باپ، اسی نے ایک دن قاضی شریک کو بلوایا اور اصرار کے ساتھ اس نے ان کے سامنے تین باتیں پیش کیں۔ اسی کے ساتھ اس سے بھی اُس نے مطلع کر دیا کہ ان تین میں سے کسی ایک کو بہر حال قبول کرنا ہی پڑے گا۔ تین باتیں یہ تھیں، قضا کی خدمت میری حکومت میں قبول کر دیا میرے بچوں کو حدیث پڑھانے اور تعلیم دینے کی ذمہ داری لو، اور یہ دونوں باتیں تھیں منظور نہ ہوں تو صرف ایک دفعہ ہمارے یان کا پکا ہوا کھانا کھا لو۔ نوکری سے تو قاضی صاحب بے زار ہی تھے، آخری بات ان کو سب سے زیادہ آسان نظر آتی۔ خیال کیا کہ وقتی کام ہے، دوائی تعلق تو اس سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کھانا کھانے پر راضی ہو گئے۔ مہدی نے اپنی باورچی خانہ میں کھانا بھیجا خاص طور پر فرمائش کی کہ مختلف کھانوں کے ساتھ انڈے کی ندوی کا حلو طبرزد کی شکر اور شہد ہیں تیار کر کے قاضی شریک کے لئے حاضر کیا جائے۔ کھانا اور حلو تیار ہو کر آ گیا، قاضی صاحب کے سامنے پیش کر دیا گیا، البسعودی نے لکھا ہے کہ کھانے سے جب قاضی صاحب فارغ ہوئے اور غالباً مہدی سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے تو مہدی کے باورچی خانہ کا قیم و داروغہ، حاضر ہوا، سنا گیا کہ مہدی سے کہہ رہا تھا۔

یا امیر المؤمنین لیس یصلح الشیخ بعد امیر المؤمنین اس لقمہ کے بعد شیخ (یعنی قاضی شریک) اپنے مقصد حاصل والا کلمہ نکاح، البسعودی برکات ابن امیر میں یعنی حکومت سے ترک موالات کے غائب نہیں کامیاب نہیں ہو سکتے

بقیہ نمٹ دے

کر دیئے ہیں کوئی صاحب چاہیں تو اس موضوع پر کام کر سکتے ہیں۔ گویا اسلامی سلاطین کے منجملہ دوسری تدبیروں کے عام پبلک کورا اپنے قابو میں رکھنے کے لئے لقمہ سے دہن دوزی کی ٹک ٹک بھی تھی۔ تاریخوں میں مسلمان بادشاہوں کے باورچی خانوں کی تفصیل کرتے ہوئے عموماً جو یہ لکھا جاتا ہے کہ اتنے ہزار کبرے اتنے مینڈے، ہل کاتے مرغ وغیرہ ذبح ہوتے تھے تو غرض اس سے یہی تھی ورنہ بنے چارے بادشاہ اور اس کے گئے چنے گھر کے لوگوں کے لئے بھلا اتنی تیاریوں کی کیا ضرورت تھی ۱۲

فضل بن یحییٰ جو اس قصہ کا راوی ہے اس کا بیان ہے کہ واقعہ آخر میں یہی پیش بھی آیا یعنی
 فحل ثلثہم واللہ شریک بعد ذلک قاضی شریک نے خدا کی قسم ان لوگوں کے بچوں کو حدیث بھی پڑائی
 وسلم اولادہم ودولی القضاہ لہم شیخ تعلیم بھی دی اور قضاہ کی خدمت بھی قبول کی۔
 والد اعلم بالصواب فضل کا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے یعنی اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ قاضی
 صاحب نے آخر عمر میں اپنی سپہ روال دی تھی۔ اور یہ سارے خدمات حکومت کے انھوں نے انجام
 دیئے۔ لیکن یہ بات کہ یہ نتیجہ اسی "الاکلمہ" رقعہ کا تھا جس کے متعلق مہدی کے داروغہ مطہر نے پیشین
 گوئی کی تھی۔ یا دوسرے اسباب پیش آئے یہ ظاہر قاضی شریک جیسی بلند ہستی کا صرف "الاکلمہ" سے
 مستحکم ہو کر اپنی عمر بھر کی آن کے توڑ دینے پر آمادہ ہو جانا بعید از قیاس ہے بلکہ زیادہ تر یہی خیال گذر رہا ہے
 کہ آخر میں اس قسم کے کلی ترک موالات کے متعلق ان کا خیال بدل گیا۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس شیر بیشہ
 آزادی و حریت کو رو بہ مزاجی پر اسی نے مجبور کیا ہو جس نے خدا جانے انسانی تاریخ کے کتنے شیروں
 کو لومڑی بنا کر چھوڑ دیا۔ بہر حال اصل واقعہ کچھ ہی ہو لیکن ان حکمرانوں کے خیال کا تو اس سے اندازہ
 ہوتا ہے کہ ان کے کھلانے پلانے داد و دہش کے پیچھے درحقیقت کون سی چیزیں کار فرما تھیں۔ میرا مطلب
 یہ ہے کہ مہدی نے تعلیم حدیث یا عہدہ قضا جیسی ان میل بے جوڑ بات جو پیش کی گئی اسی سے اندازہ
 ہوتا ہے کہ "دہن و دوزی" کے اس نسخہ پر ان کو کتنا اعتماد تھا۔ اور یہی میں کہنا چاہتا تھا کہ حضرت امام
 رحمۃ اللہ دیکھ رہے تھے کہ حکومت لوگوں کو اپنے جال میں پھنسلنے کے لئے کن کن ترکیبوں سے
 کام لے رہی ہے جب تک پوری بے نیازی اور استغنا کا انتظام نہ کر لیا جائے ان کو نظر آرہا تھا کہ
 بڑے بڑوں کے پاؤں کھسل رہے ہیں۔ قاضی شریک جیسے بزرگوں کی خدمت ختم ہو جاتی ہے، عزم ٹوٹ
 جاتا ہے، ایسی صورت میں صرف حکومت سے ترک موالات کا ارادہ کر لینا قطعاً کافی تھا اور حکومت
 سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھنے میں قناعت یا جفاکشی وغیرہ کے مشفقوں سے آدمی اگر کامیاب
 بھی ہو جائے۔ لیکن صرف اتنی بات حکومت سے مفاد بلند کرنے کے لئے یقیناً کافی نہیں ہو سکتی۔
 میں نے جیسا کہ عرض کیا خود امام صاحب کا کوئی واضح بیان ان کے لائحہ عمل کے متعلق نہیں ملا
 ہے نہ ان ہی کا ملا ہے اور نہ کسی اور کا۔ اور جو کچھ ملا ہے اس کا ذکر کر دیا جائے گا۔ لیکن جو کام انھوں
 نے کیا میں اس وقت اسی کو دکھانا چاہتا ہوں۔

حضرت امام کا وسیع پیمانے پر تجارت کا کاروبار
 کہنے کی حد تک یوں
 عام مورخین صرف اتنی

لکھ کر گدرا جاتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تجارت کرتے تھے بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ خز کی شہ تجارت کرتے تھے۔ یہ ایک قسم کا کپڑا تھا جس کا رواج اسلام کی ابتدائی صدیوں میں بکثرت نظر آتا ہے۔ لیکن امام کی تجارت کس پیاسے پر تھی لوگوں نے اس کی طرف کم توجہ کی، واقعہ یہ ہے کہ اولاً خز کی تجارت ہی کوئی معمولی تجارت نہ تھی۔ اس زمانہ میں جب عام سوئی کپڑوں کی ارزانی کا یہ حال تھا جس کا اندازہ طبقات ابن سعد کی اس روایت سے ہو سکتا ہے، ابو العالیہ الریاحی جن کا زمانہ امام صاحب نے بھی پایا تھا یعنی جس وقت ابو العالیہ کی وفات بعد میں ہوئی ہے حضرت امام کی عمر دس سال کی تھی بہر حال ان ہی ابو العالیہ کے ترجمہ میں ابن سعد نے لکھا ہے کہ ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ابو العالیہ نے اپنے شاگردوں سے بیان کیا کہ اس وقت میرے جسم پر کل پندرہ درم کا لباس تھا جس میں قمیص عمامہ چادر سب ہی چیزیں شریک تھیں پندرہ درم کا مطلب آپ نے سمجھا؟ یہ مشکل چار سو چار روپیہ ہوتے ہیں مہین کے زمانہ میں بھی جب یہ قیمت قابلِ تعجب ہے تو لوگوں کو اس زمانہ میں اگر تعجب ہو اس پر حیرت کرنی چاہیے، یعنی ان کے شاگردوں نے پوچھا کہ آخر آپ کرتے کیا تھے؟ جواب میں انھوں نے جو بات کہی تھی۔ اسی کا پیش کرنا مقصود ہے۔ ابو العالیہ نے بیان کیا۔

سلہ جہاں تک کتابوں سے معلوم ہوتا ہے یہ ایک قسم کا خاص کپڑا تھا جس کے بانے تین مختلف چیزیں مثلاً اون یا کتان ردی وغیرہ کے دھاگے استعمال کئے جاتے تھے اور بانے میں ریشم کا سوت لگایا جاتا تھا۔ دیکھو طبقات ابن سعد جہ عبد الرحمن بن ابی نعل۔ ہمارے یہاں کی بعض فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خز کسی سمندری جالار کے بال سے تیار ہوتا تھا۔ یا بعضوں نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے ریشم سے خز ہوتا تھا۔ ان بیانات میں بھی وہی بات ہے یعنی بانا ریشم مختلف چیزوں کا استعمال ہوتا تھا لیکن سدی دانا، ریشم کا ہوتا تھا۔ بعض زیادہ متقی حضرات خصوصیت کے ساتھ بانے میں بھی ریشم کے استعمال کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن صحابہ اور تابعین میں جیسا کہ میں نے عرض کیا مشکل ہی سے مجھ چند بزرگوں کے کوئی ایسی ہستی تھی جو خز نہ استعمال کرتی ہو یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ گریہوں میں غیر ادنیٰ اور جازوں میں ادنیٰ خز لوگ استعمال کرتے تھے۔ رنگ بھی اس کپڑے کے مختلف ہوتے تھے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ریشم کی شرکت کی وجہ سے کپڑے میں مضبوطی پیدا ہو جاتی تھی شریعت میں ریشم کا استعمال مردوں پر حرام کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے جائز استعمال کی یہ مخلوط صورت نکال کی گئی تھی۔ شاید ہندوستان میں اسی کو بانہ کہتے تھے ۱۲

کنت اشتری کوہا سۃ داربۃ میں بارہ درم میں ایک تھان رازی کر باس کا خرید لیا
باقی عشر درہما فاجعل منہا کرتا تھا۔ اسی سے ایک قمیص اور عمامہ بنا لیتا اور تین
قمیصا و عمامۃ و کان یجنہا یعنی ازاد ثلاثہ درم کی سنگی مجھے کافی ہو جاتی تھی، قمیص کے نیچے اس
دراہم البسہ تحت القمیس ص ۱۲۷ سنگی کو پہنتا تھا۔

اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ کی قمیص موجودہ زمانہ کی چھوٹی قمیصوں جیسی نہیں
ہوتی تھی، بلکہ اتنی لمبی ہوتی تھی کہ سنگی اس کے نیچے آجاتی تھی۔ بہر حال کپڑے کی ارزانی کے ان
ہی دلوں میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا بیان کتابوں میں یہ نقل کیا جاتا ہے کہ خز کے دو تھانوں کا ذکر
مکرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:-

لعت احدہما لعشرین دیناراً مناقبہ فی ص ۱۲۸ جن میں سے ایک تھان کو میں نے بیس ثمریوں میں فروخت کیا
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس میں اشرفی تک عام طور پر خزانہ کا ایک ایک تھان بکتا تھا
بلکہ متصل سند کے ساتھ ابو الفضل بن خثام کی جس روایت کو ارباب مناقب نے نقل کیا
ہے یعنی مدینہ کے ایک آدمی کے ہاتھ امام صاحب غیر موجود کی میں ایک شخص نے خزانہ کا ایک
تھان ایک ہزار درم میں بیچ دیا تھا۔ معلوم ہوتے پر شاگرد بے چارے عتاب میں ان کے اس
لئے مبتلا ہو گیا تھا کہ تھان کی اصلی قیمت چار سو درم تھی رد مکیہ مناقب موفق ص ۱۹۹ ج ۱
اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک تھان خزانہ کا لوگ ایک ایک ہزار درم تک میں خریدا
لیتے تھے گویا یہ کوئی ایسی بات نہیں سمجھی جاتی تھی جس کا رواج نہ ہو۔

تجارت کی تفصیلات خیر یہ تو خزانہ کی اہمیت کا حال تھا لیکن امام اس
قیمتی کپڑے کی تجارت کس پیمانے پر کر رہے تھے جہاں
تک کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ چار چیزیں اس باب میں معلوم ہوتی ہیں، پہلی بات تو
یہی ہے کہ امام صرف خزانہ کے تاجر ہی نہیں تھے بلکہ خزانہ کا کوئی بڑا کارخانہ کوفہ میں ان کا

رازی سے مراد وہ کپڑا ہوتا تھا جو شہرے میں بنتا تھا طبران کے پاس آج کل جس کے گھنڈے میں سے
سستا سہرا کا کپڑا تھا جسے کر باس ہروی کہتے تھے ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ دوم بخارا کی وجہ سے
ہروی کر باس کے گوتے پہنتا تھا اور اس میں پینڈ بھی بخارا کی وجہ سے لگاتا تھا امام جعفر صادق سے کہو
اس قصہ کو بیان کیا تو فرمایا یہ خدا کی مہربانی ہے کہ اپنی بادشاہت میں اپنی نقیری کا اس میں احساس ہے
مطلوبہ

جاری تھا (۲) کوئی حالت خاص (شاپ) بھی کوفہ میں خز کی تھی جس سے مال کی فروخت کا سلسلہ جاری تھا (۳) غلاموں سے بھی مال کی پھیری کراتے تھے (۴) کوفہ سے دس اور دور دراز علاقوں مثلاً بغداد، نیشاپور، مرو وغیرہ مال بھیجتے تھے اور وہاں سے منگواتے تھے۔ خز کی دکان بہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:-

کان ابوحنیفہ خزانہ دار در کاندہ امام ابوحنیفہ خز کپڑے کے تاجر تھے۔ ان کی دکان مرو معروف فی دار عمر ابن حنظلہ ص ۲۲۵ بن حریش کی کوٹھی میں عام طور پر مشہور معروف تھی۔ اولاً لفظ "معروف" ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشہور دکان تھی، لیکن آگے عمرو بن حریش کے دار کا جو پتہ دیا گیا ہے پہلے تو خود دار کے لفظ سے اگر وہی مفہوم سمجھا جائے جو اردو میں گھر سے سمجھا جاتا ہے تو عربی کی اصطلاح سے یہ ناواقفیت کا نتیجہ ہوگا۔ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے:-

الدار اسم للساحة اذیر علیہا دار اس میدان کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف المحل ود تشمل علی بیوت واصطبل و صحن غیر مستقف و علو ص ۳۰۲ اصطبل صحن جس پر چھت نہ ہو اور دوسری مثال وغیرہ والی عمارت ہوتی ہے۔

یعنی دراصل الدار اس پورے احاطہ کی تعبیر ہوتی ہے جسے اس زمانہ میں لوگ کمپنڈل کہتے ہیں بعض ریاستوں مثلاً ٹونک اور ام پور وغیرہ ہی "گھیر" کا لفظ الدار کا مرادف ہے۔ بیرون ایکٹر کی زمین کو یہ "گھیر" حاوی ہوتا ہے، فلاں امیر کا گھیران ریاستوں میں اسی دار کے مفہوم کو ادا کرتا ہے ماسوا اس اصطلاحی مسئلہ کے عمرو بن حریش کے اس "دار" کا اس کے طول و عرض اور غیر معمولی وسعت کی وجہ سے مورخین نے خصوصیت کے ساتھ تذکرہ بھی کیا ہے، ابن سعد میں ہے کہ:-

نزل عمر و بن حصین الکوہ و ابی عمرو بن حریش صحابی کوفہ پہنچے اور مسجد کے پہلو میں بھا دارا الی جانب المسجد وھی میں ایک حویلی تیار کی جو بہت بڑی تھی اور مشہور کبیرۃ مشہورۃ مستجم و طبقات (ہے)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا یہ معمولی دار نہ تھا اور نہ دار کے بعد "کبیرہ" اور "مشہور" کے الفاظ کے بڑھانے کی ضرورت نہ ہوتی اور اس عبارت سے حضرت امام کی اس دکان کے

محل وقوع کا بھی تعین ہو جاتا ہے یعنی کوفہ کی۔ مسجد کے متصل یہ دکان تھی میرا خیال ہے کہ عمرو بن حریث کے اس کبیرہ مشہورہ دار میں امام صاحب کی "دکان" کی حیثیت ان دکانوں جیسی نہ تھی۔ جیسا کہ اس زمانہ میں "دکان" کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے یعنی کسی کمرے میں جس کے سامنے برآمدہ ہو اس میں تاجر کپڑے رکھ کر بیچتے ہیں بلکہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن حریث کے اس پورے "گھیر" میں خزبانی کا بھی کاروبار ہوتا تھا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ابن سعد نے مذکورہ بالا الفاظ کے بعد لکھا ہے کہ

فہیہا اصحاب الخزانہ الیوم اس دار میں خزبانہ اس وقت تک رہتے ہیں۔

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ "خز" والوں کی ایک آبادی اس گھیر میں رہتی تھی ممکن ہے کہ امام صاحب کی طرف سے بطور مزدوروں کے یہ لوگ اس "گھیر" میں "خزبانی" کا کام کرتے ہوں ایسی صورت میں گویا سمجھنا چاہیے کہ حضرت امام نے یہاں خزبانی کا کوئی کارخانہ ہی کبھی رکھا تھا۔ یا ہو سکتا ہے کہ انفرادی طور پر خز بنانے والے اس گھیر میں آباد ہوں اور ان ہی سے خرید خرید کر امام صاحب ان کے مصنوعات کو فروخت کرتے ہوں، احتمال دونوں کا ہے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی دکان پر باہر سے بھی خزبانہ اپنا مال فروخت کے لئے لایا کرتے تھے، اور ایک ایک دفعہ میں کبھی کبھی آٹھ آٹھ ہزار درم کے کپڑے صرف ایک آدمی سے خریدتے جاتے تھے (دیکھو مناقب موفّق ص ۱۲۰ ج ۱) بلکہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ جامع المسانید میں ابو بکر بن عیاش کے حوالہ سے یہ قلعہ جو نقل کیا گیا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکومت کی طرف سے مزا اس لئے دی گئی کہ

ان یكون عارفا علی الخزانہ ان سے خواہش کی گئی تھی کہ خزبانوں کے عریف (نمبرطری)

کا عہدہ قبول کریں اور انھوں نے اس عہدہ کو قبول کر لیا انکار کیا تھا ص ۵۵ ج ۱

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خزانوں کا ایک بڑا گروہ حضرت امام سے تعلق رکھتا تھا خواہ یہ تعلق رکھتا ہو کہ آپ کے کارخانہ میں کام کرتا ہو یا کپڑے تیار کر کے آپ کی دکان میں فروخت کے لئے لاتا ہو۔ کیونکہ کسی جماعت کی عرافت (شناختگی) اسی شخص کو عموماً ملتی ہے جو اس کی تابع ہو ان معلومات کے بعد البیان معنی کی تاریخ میں تو ایسے مانع الفاظ ہی مل گئے جن میں صراحتاً وہی بیان کیا گیا ہے جس نتیجہ تک ہم مختلف قرآن کی روشنی میں پہنچے تھے یعنی البیان معنی لکھا ہے

لہ دار کبیرۃ لعل الخزانہ وعندہ امام کی ایک بڑی کوٹھی تھی جس میں خز بنایا جاتا تھا

مناع الخنز ص ۳۱ ج ۱

اور امام کے پاس خنز آف تھے۔

جس سے ثابت ہوا کہ امام کے پاس خنز بانی کا بہت بڑا کارخانہ بھی تھا اور اس کا رخائے میں خنز آف مزدور کام کرتے تھے۔

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ

امام کا یہ کاروبار قطعاً وسیع اور عظیم

خنز کی کوفہ کی سب سے بڑی دکان

کاروبار تھا عام طبع پر یہ بات اس زمانہ میں تسلیم کی جاتی کہ کوفہ جیسے غدار شہر میں جس کی آبادی امام رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں لاکھوں سے کم نہ ہوگی۔ سب سے بڑی دکان خنز کی امام ہی کی دکان تھی خنز کی بڑھیا سے بڑھیا قسم جو سارے شہر میں میسر نہیں آسکتی تھی۔ وہ حضرت امام کی دکان پر ریل جاتی تھی ابن خشنام کی جس روایت کا پہلے بھی ذکر آیا ہے اس کے ان الفاظ کا یعنی امام کا حال بیان کرتے ہوئے کہا گیا کہ:-

کان خنز اذا وکان فی بیعہ و امام خنز کے تاجر تھے اور خنز کے خرید و فروخت میں

شرائطہ لستفرضی و یدق النظر فیہ انتہائی تلاش و جستجو وقت شناسی سے کام لیتے تھے

میرے نزدیک تو اس کا یہی مطلب ہے کہ خنز کی بہترین قسموں کے مہیا کرنے میں پوری

وقت نظری اور انتہائی تلاش و جستجو سے کام لیتے تھے کیونکہ اسی کے بعد قصہ یہ بیان

کیا گیا ہے کہ ایک آدمی دینہ منورہ سے مختلف قسم کی چیزوں کے خریدنے کے لئے آیا تھا۔

اسی سلسلہ میں خاص قسم کے خنز کی بھی اُسے تلاش تھی۔ لوگوں نے اپنی ضرورت کا جب

اُس نے اظہار کیا تو اُسے اطلاع دی گئی۔

لا تجد مثل هذا الثوب الا عند تم اس قسم کا خنز کہیں نہیں پاسکتے ہو مگر ایک فقیہ کے

فقہ ہا ہنا خنز اذ یقال له ابو حنیفہ^{۱۹۸} پاس جو بیاں خنز کی تجارت کرتا ہے جسے لوگ ابو حنیفہ کہتے ہیں

بلکہ اسی کے بعد امام رحمۃ اللہ علیہ کی دکان میں پکری کا جو خاص طریقہ تھا اس کا اظہار

بھی اسی مدنی مسافر سے کوفہ والوں نے ان الفاظ میں کیا۔

اذا اتیت حالوزنہ و اخراج جب اس کے حالات دسپ میں تم جاؤ اور مطلوبہ شے

الیک ما طلبت فخذ منه ما یساوئک کو نکلاؤ تو جو بہاؤ اس کا بتایا جائے اسی قیمت پر اس کو

وزن له المقدار الذی یساوئک بخ خرید لینا اور جو قیمت تمہیں بتائی جائے اُسے ادا کر دینا

جس سے معلوم ہوتا ہے۔ آج کل بڑی بڑی کمپنیوں اور شاہیوں کا جو دستور ہے کہ بہاؤ

چکانے میں وقت ضائع نہیں کیا جاتا بلکہ ہر چیز کا دام مقرر کر دیا جاتا ہے خریدار بغیر کسی لیت
 فعل رگڑے جھگڑے کے چیزے لیتا ہے، ظاہر ہے کہ اس میں گاہک اور سوداگر دونوں کا
 وقت بچتا ہے۔ عموماً یہ وہیں کیا جاتا ہے جہاں کام زیادہ ہو۔ ورنہ ٹپ پونجے تاجر جن کی
 دکان کم چلتی ہے۔ چند ہی چیزوں پر لڑا جھگڑا کر چاہتے ہیں کہ نفع کمالیں حالانکہ روایتوں
 سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی دکان پر علاوہ امام کے خود ان کے صاحبزادے حماد
 اور تلامذہ بھی فروخت کا کام انجام دیتے تھے (دیکھو مناقب موفق ص ۱۹۱ ج ۱) لیکن کام
 کی کثرت کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دکان کی ہر چیز کی قیمت متعین کر دی تھی
 تاکہ لین دین میں خواہ مخواہ وقت ضائع نہ ہو ان ہی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ
 اس مال کے جو امام صاحب کی حالات رشاپ میں رہتا تھا۔ آپ لوگوں سے آرڈر بھی لیا
 کرتے تھے اور حسب وعدہ چاہنے والے کی خواہش کے مطابق خزنہ بھرا کر دیتے تھے۔ مال کی
 دکان پر معلوم ہوتا ہے کہ اتنی آمد تھی کہ فرمائش کی تعمیل میں زیادہ دیر نہ لگتی تھی (دیکھو
 مناقب موفق ص ۲۱۸ ج ۱)

کچھ بھی ہو محمد بن سعد کا تب الواقعی جن کی وفات سنہ ۳۱۰ میں ہوئی ہے، ان کا اسی عمرو بن
 حریث صحابی کے دار کے ذکر میں یہ بیان کہ۔

فیہا اصحاب الخضر الیوم

اس میں خود اے لوگ اس وقت تک رہتے ہیں
 اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے نصف صدی بعد تک عمرو بن
 حریث کا یہ وارخز بافوں اور خزنہ فروشوں کا ملجا و ماویٰ بنا ہوا تھا اور اس سے بھی حضرت امام کے
 کاروبار کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے کہ جس کام کو انھوں نے اسی مکان میں شروع کیا تھا اس کو
 اس مقام سے اتنی مناسبت ہو گئی تھی کہ برسوں بعد تک اس کام کی کرنے والی جماعت اس مکان
 میں موجود تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

جیسا کہ اس زمانہ کا دستوڑ تھا غلاموں کو
 لوگ اذون التجارۃ کر کے کاروبار کے

غلاموں کے ذریعہ مال کی پھیری

لے اطرانہ لکے میں بھیج دیا کرتے تھے۔ غلاموں کے ذریعہ سے کاروبار کرنے کا یہ طریقہ مروج تھا تھا
 کہ اسی لئے "ماخرون التجارۃ" غلاموں کے متعلق قالونی، نجات بنائے پڑے، جن سے اہل علم
 واقف ہیں۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام نے اپنی تجارتی کاروبار میں اس طریقہ کو بھی

اختیار فرمایا تھا۔ امام الامام ابو بکر زنجیری کے حوالہ سے ایک قصہ کو نقل کرتے ہوئے موفق نے لکھا ہے کہ

فجاء غلامانہ بسبعین الف درهم ^{۲۱۷} امام کے غلام ستر ہزار درہم لے کر واپس ہوئے
غلاموں کے ذریعہ سے امام کے تجارتی منافع کی نوعیت کیا تھی اس کا اندازہ اس سے بھی
ہو سکتا ہے کہ ابو سعید سماعی نے حافظ بن عبدہ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے کہ
کان لابی حنیفۃ عبد یجبہ وکان ^{۲۱۸} امام ابو حنیفہ کا ایک غلام تھا جو تجارت کرتا تھا امام نے
دفع الیہ مالاً کثیراً یتجر فیہ ثلاثین ^{۲۱۹} مال کی کثیر مقدار اس کے سپرد کر دی تھی جس کی وہ تجارت
الف درہم ^{۲۲۰} منافع ہوتا تھا اس میں اس نے نفع حاصل کیا۔

جب ایک ایک غلام تیس تیس ہزار نفع کما کر امام کی خدمت میں پیش کرتا تھا تو اسی سے سمجھنا
چاہیے کہ مجموعی طور پر امام کے مازون التجارہ "غلمان" کتنا کماتے ہوں گے۔ میرے خیال میں اس
ذریعہ سے امام کو کافی آمدنی حاصل ہوتی تھی، گویا آمدنی کا یہ ایک مستقل ذریعہ تھا اور علاوہ
دوسرے ذرائع کے صرف اسی ذریعہ سے تعجب نہیں کہ سالانہ لاکھوں لاکھ روپیہ کی آمدنی ہوتی ہو
جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا لوگوں نے امام کی زندگی
کے اس پہلو کے متعلق خصوصی معلومات کے جمع کرنے کا
اہتمام نہیں کیا ہے لیکن دوسرے واقعات کے تذکروں میں غمنا اس قسم کی چیزیں مل جاتی ہیں۔ جہاں
تک اس نقطہ نظر سے میں نے امام کے متعلق روایات کا مطالعہ کیا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ
امام رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں بیرونی علاقوں سے بھی مال منگوا کر لاتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے مشرقی علاقہ کے مرکزی شہروں میں حضرت امام کے
مختلف نمائندے یا ایجنٹ رہتے تھے۔ کوفہ سے امام صاحب ان ہی لوگوں کے پاس تجارتی سامان
بھیجا کرتے اور امام کے پاس کوفہ اپنے اپنے علاقہ کی چیزیں ان کے یہ نمائندے روانہ کیا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نمایاں نام حفص بن عبد الرحمن
کا ہے، الخلیفہ نے بغداد کی مارٹن میں علی بن حفص ہزار
امام صاحب کے شریک تجارت
کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ۔

کان حفص بن عبد الرحمن شریک ^{۲۲۱} حفص بن عبد الرحمن تجارتی کاروبار میں امام ابو حنیفہ کے
ابی حنیفۃ وکان یجھن الیہ ^{۲۲۲} شریک تھے۔ اور باہر سے مال ان کے پاس بھیجا کرتے تھے۔

نہایت عظیم الشان اور بڑے بڑے علماء کے ساتھ ساتھ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی کا مطالعہ ہوتا ہے کہ امام کے سرایہ سے وہ کام کرتے تھے گویا محنت ان کی ہوتی تھی اور سامان امام کا ہوتا تھا، الموفق نے بھی ایک موقع پر لکھا ہے۔

کان حفص بن عبد الرحمن شریک
ابی حنیفۃ وکان ابو حنیفۃ یجھن علیہ
فبعث فی سرفقۃ ہمتا ع ۱۹۳
۱۷
حفص بن عبد الرحمن تجارتی کاروبار میں امام ابو حنیفہ کے شریک تھے اور باہر سے ان کے پاس مال بھیجتے تھے ایک دفعہ چند رفقاء کے ساتھ سامان روانہ کیا۔ آگے موفق نے دوسرا قصہ بیان کیا ہے۔

بہر حال اس کی تصریح مختلف مورخین نے بھی کی ہے کہ امام صاحب کے ساتھ حفص بن عبد الرحمن تجارتی کاروبار تیس سال تک کیا تھا موفق نے حفص کا تذکرہ درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔
حفص ہذا اھوشریک فی التجارۃ
صحۃ ثلاثین سنۃ
تک ان کے ساتھ رہے۔

وکان من نیسابورادی عندہ الحلیہ
والفقہ وکان رجلاً صالحاً ع
حفص نیشاپور کے رہنے والے تھے امام ابو حنیفہ سے حدیث و فقہ بھی روایت کرتے تھے صالح اور نیک آدمی تھے خود حفص سے براہ راست حامد بن آدم نے یہ قول نقل کیا ہے کہ۔

کنت شریک ابی حنیفۃ ثلاثین سنۃ
م ۲۳ ج ۱ موفق
میں تیس سال تک امام ابو حنیفہ کی شرکت میں کام کرتا رہا دہاتیس سال تک ان کا شریک رہا،

لیکن صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چلا کہ امام صاحب ان کے پاس مال کہاں بھیجا کرتے تھے چونکہ بالالفاقی علماء نے لکھا ہے کہ وہ نیشاپور کے تھے خود نیشاپور کی قضا کا عہدہ اختیار کر لیا تھا لیکن آخر میں پچھتائے اور متعفی ہو کر گوشہ گزیں ہو گئے واقبل علی العبادۃ (یعنی عبادت ریاضت میں مشغول ہو گئے) آخر میں ان کی بزرگی کا یہ حال تھا کہ ابن المبارک جیسے محدث جلیل جب نیشاپور تشریف لاتے تو حفص کی زیارت کے بغیر نیشاپور سے روانہ نہ ہوتے "ص ۲۲ ج ۱ جوامہ

واللہ اعلم یہ وہی امام حنیفہ کے شریک فی التجارۃ حفص ہیں جن کے پاس امام مال بھیجا کرتے تھے یا کوئی دوسرے صاحب ہیں ان کا کم سے تو اپنی تاریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابو داؤد اور النسائی ان سے روایت کرتے ہیں بہر حال میرا خیال ہے کہ حفص نیشاپور ہی میں امام کا مال منگوا یا کرتے تھے۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پائے تخت خلافت عباسیہ دارالسلام بغداد جو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی تجارتی منڈی بن گئی تھی یہاں بھی امام کا کوئی تجارتی ایجنٹ رہتا تھا الخطیب

نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ حسن بن ربیع کہتے تھے کہ

کان قیس بن الربیع یحل ثنی عن قیس بن ربیع ہم سے امام ابو حنیفہ کے متعلق یہ روایت
ابی حنیفہ اندکان یبعث بالبضائع بیان کرتے تھے کہ ابو حنیفہ بغداد سرمایہ سمیٹتے تھے اور
الی بعد ارفیشتری بها الامتعة وہاں کی چیز اس سرمایہ سے خریدی جاتی تھیں وہی
یحملا الی الکوفہ ج ۳۲ ج ۱۳ کوفہ لا ذکر روانہ ہوتی تھیں۔

لیکن بغداد میں امام صاحب کا نمائندہ کون تھا؟ ممکن ہے کہ مختلف تاجروں کے
ساتھ کاروبار ہو خلیف کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوفہ سے
دوسرے شہروں میں امام صاحب کا مال جاتا تھا۔ اسی طرح دوسرے شہروں کا مال
کوفہ بھی امام صاحب منگواتے تھے۔

علاوہ نیشاپور اور بغداد کے اور جن شہروں میں امام کے تجارتی نمائندوں کا پتہ چلتا
ہے اس میں ایک مروج بھی ہے، موفق نے اپنے مناقب میں ابو غانم یونس کو ان الفاظ سے
روشناس کراتے ہوئے کہ هو من ائمة حرور یعنی مرو کے ائمہ میں ان کا شمار ہے شمس لائے
الکبروری نے ابو غانم کے متعلق لکھا ہے کہ

من کبار ائمة حرور ادرك عمر بن مرو کے بڑے ائمہ میں سے ہیں اور عمر بن عبدالعزیز اور قس
عبدالعزیز و دھب بن منبہ ۳۳۳ بن منبہ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع بھی ان کو ملا تھا
مشہور امام عبداللہ بن المبارک کے یہ استاد ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تو حذو ابن المبارک
سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

هو اول من اختلف اليه ۳۳۴ تہذیب ج ۱۱ ابو غانم پہلے آدمی ہیں جن کے پاس تحصیل علم کے سلسلے میں
پہلی دفعہ میری آمد و رفت شروع ہوئی

جس کا مطلب یہی ہوا کہ عبداللہ بن المبارک کے سب سے پہلے استاد یہی ابو غانم ہیں۔
حافظ کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرو کے یہ قاضی بھی تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

شہ مرو ہی چونکہ عبداللہ بن المبارک کا وطن تھا اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے زمانے میں انھوں نے ابو غانم ہی کے
آگے تہ کیا۔ باقی اس زمانہ میں لوگوں کا علمی اور دینی مشغلوں کے ساتھ تجارتی کا انداز یہ عام بات تھی خود عبداللہ بن المبارک کا
کیا حال تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سال کو انھوں نے تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا چار حصے تجارت میں چار حصے تحصیل علم خصوصاً
فقہ و حدیث میں اور چار حصے جہاد میں گزاری کرتے تھے۔ آخر وقت تک اپنے اس التزام کو نباہتے رہے۔

یونس بن نافع الخراسانی ابو غانم
ان کا نام یونس بن نافع خراسانی ابو غانم الروزی
المروزی القاضی رقم ۴۹ تہذیب ج ۱۱ تھا اور یہ قاضی تھے

سن وفات ان کی حافتا نے ۱۵۹ قرار دی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت امام رحمۃ اللہ
سے ۹ سال بعد ان کی وفات ہوئی بہر حال کہنا یہ ہے کہ متعدد مورخین نے ان ہی قاضی ابو غانم
کے متعلق نقل کیا ہے کہ موفق کے مناقب میں بھی ہے۔

هو من شرکاء ابی حنیفہ ص ۲۲
یہ امام ابو حنیفہ کے شرکا میں ہیں
یہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرو میں امام صاحب کی تجارت کی نمائندگی کرتے تھے امام
صاحب سے حدیث بھی روایت کرتے تھے اور اس سے امام صاحب کی تجارتی کاروبار کی وسعت
کا اندازہ ہوتا ہے گویا کوفہ سے ہزار ہا سہار میل دور جو شہر تھے وہاں بھی ان کا مال پہنچتا تھا
اور ان مقامات سے آپ کے پاس مال آتا تھا۔ معجم المصنفین میں تبیض الصغیفہ کے حوالہ سے
یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ

قل تو اتر عنه رحمۃ اللہ علیہ ان
کان یتجر فی الخن مسعوداً ماہراً فیہ
ولد وکان فی الکوفۃ وشرکاء فی بافرون
لہ فی شراۃ ذلک وبیعہ مہم بطورہ
امام ابو حنیفہ کے متعلق یہ تو اتر یہ بات منقول ہے کہ وہ خن
کے ایک بڑے کامیاب تاجر تھے اور اس میں ان کو خاص مہارت
حاصل تھی کوفہ میں ان کی دوکان بھی تھی اور تجارتی کاروبار میں ان
بہت سے شرکا تھے جو خن کی خرید و فروخت کیلئے سفر کرتے تھے

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب
کے نمائندے اور ایجنٹ ملک کے مختلف
اطراف میں گشت کر کے ان کے لئے مال بھی خریدتے تھے اور بیچتے بھی تھے اور میرا خیال تو ہے
کہ لوگوں نے جو یہ لکھا ہے کہ

انتخس واستفاض ان ابا حنیفہ رحمہ
اللہ تلک عند اربعۃ الاف من شیوخ
ائمۃ التابعین وفقہ عند اربعۃ
یہ بات عام طور پر مشہور اور سر جگہ پھیلی ہوئی ہے کہ امام
ابو حنیفہ نے چار ہزار اُستادوں سے استفادہ کیا جن میں
تابعین کے بڑے بڑے ائمہ و شیوخ تھے اسی طرح امام صاحب

یہ ظاہر کلام میں نے احتیاطاً اس لئے لکھ دیا ہے کہ کبھی کبھی "شرکا" کے لفظ درس کے شرکا بھی مراد ہوتی ہے
ہو سکتا ہے کہ ابو غانم کی شرکت بنامہ درسی شرکت ہی کی حد تک محدود ہو ۱۲

سے فقہ کی تعلیم بھی جن لوگوں نے پائی ان کی تعداد چار ہزار ہی تھی

اگر اس کو مبالغہ بھی سمجھا جائے جب بھی ان

لوگوں کے تلمذ کا انکار تو کسی طرح نہیں کیا

جاسکتا جن کا نام بنام حنفی مورخین نے اپنی کتابوں میں تذکرہ کیا ہے۔ شمس الاممہ الکردری نے امام کے تلامذہ کی اسی مفصل فہرست کو پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

فہولاء سبع مائۃ و ثلاثون رجلاً من یہ سات سو تیس آدمی ہیں جو مختلف شہروں کے اکابر مشائخ البلدان اخذوا عن الامام شاربوتہ میں جنہوں نے امام سے علم حاصل کیا، صاحب معجم نے اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ

فاذا قدرت علیہ ما ذکرنا من الخوارزمی خوارزمی نے جو تعداد بتائی ہے اس پر میرے اضافہ کردہ وہم زہاء ماتد و خمسين فالجموع زہاء ناموں کو بھی اگر شریک کر لو گے تو قریب قریب امام کے ثمانین و ثمان مائۃ من اصحاب الامام بیچ شاکردوں کی تعداد آٹھ سو اسی ثابت ہوتی ہے۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ نام و نسب وطن کی قید کے ساتھ جن تلامذہ کا علم لوگوں کو ہوا ہے ان کی تعداد آٹھ سو اسی ہوتی ہے۔

کن کن شہروں میں امام صاحب کے شاگرد تھے اسی کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ تلامذہ کی یہ تعداد

کسی خاص شہر یا کوفہ کے قریب چند محدود شہروں ہی کی نہیں ہے بلکہ عباسی حکومت کے اکثر مرکزی مقامات کے لوگ ہیں۔ یعنی ملاء وہ کوفہ بصرہ بغداد واسط موصل مکہ منظمہ مدینہ منورہ دمشق وغیرہ کے جو کوفہ سے قربت کی نسبت رکھتے ہیں یا جہاں مسلمانوں کے تعلیمی مراکز قائم تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف خلافت عباسی کے مغربی بلاد مثلاً مصر رملہ یمن یمامہ بحرین رقبہ وغیرہ کے لوگ بھی امام کے حلقہ میں موجود ہیں اور مشرقی علاقوں کا تو حال ہے کہ شاید ہی کوئی بڑا شہر اس سمت کا ایسا ہوگا جہاں امام کے شاگرد نہ پائے جاتے ہوں۔ خیال تو کیجئے کوفہ کہاں تھا اور وہاں جرجان طبرستان فامغان قوس رے نہاوند ہمدان استرآباد حلوان اصفہان کرمان مرو بخارا نسا سمرقند سخر کس صغانیاں ترمذ بلخ ہرات قہستان بختان ریم خوارزم وغیرہ وغیرہ ہر شہر کے لوگ امام سے استفادہ کے لئے پہنچتے تھے اور علم حاصل کر کے اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا رہے تھے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا گو مشرق کے علاقوں کے ساتھ مورخین نے امام کے تلامذہ میں خلافت کے مغربی شہروں کے باشندوں کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن اس فہرست پر نظر ڈالنے کے بعد یقینی ان شہروں میں بے کس کس شہر کے کتنے طلبہ امام کے پاس آئے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسبت مغربی علاقوں کے امام کی طرف مشرقی ممالک ہی کے لوگوں کا رجحان زیادہ تھا۔ کوفہ اور بصرہ جو گویا امام کی وطن کی حیثیت رکھتے تھے، ان کے سوا حجاز میں امام کو بنی امیہ کے آخری ایام میں مسلسل دوڑو حاتی سال قیام کرنے کا موقع اس وقت مل گیا تھا جب بنی امیہ کے گورنر ابن ہبیرہ کے مظالم سے تنگ آکر آپ نے حرم محترم میں پناہ لی تھی اور یوں بھی ان دونوں پاک شہروں میں آپ کی آمد و رفت کا سلسلہ آخر عمر تک جاری تھا۔ ارباب مناقب نے بالاتفاق یہ روایت نقل کی ہے کہ:-

حج خمسہ وخمسین حجة امام نے پچپن حج کئے تھے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چودہ پندرہ سال کی عمر کے بعد بلا ناغہ شاید حج کرتے تھے، ورنہ ظاہر ہے کہ ستر سال کی عمر میں پچپن حج کے سر کرنے کی صورت ہی کیا ہو سکتی ہے جیسا کہ معلوم ہے اور آئندہ بھی معلوم ہوگا کہ حجاز کے قیام کے زمانہ امام نے افادہ اور استفادہ میں گذرا تھا، اسی لئے حجاز کے دونوں مقدس شہروں میں آپ کے تلامذہ کی کافی تعداد نظر آتی ہے۔ لیکن ان کے سوا یہ واقعہ ہے کہ زیادہ تر آپ سے استفادہ کرنے والوں اور شاگردوں کی

سلسلہ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ابن ہبیرہ کے زمانہ میں امام صاحب حجاز سلسلہ ہجری میں تشریف لے گئے اور عباسیوں کی حکومت جب تک قائم نہ ہو چکی کوفہ والیں تشریف نہ لائے ظاہر ہے کہ بنی امیہ کا آخری فرمان روا مروان سلسلہ میں قتل ہو گیا اور اسی کے بعد سفاح پہلا عباسی خلیفہ تخت نشین ہوا۔ امام سے سفاح کی کوفہ میں ملاقات بھی ہوئی ہے جس کا ذکر انشاء اللہ آئندہ آئے گا۔ اس مسئلہ پر تھوڑی بحث آئندہ بھی آئے گی۔

سلسلہ کوفہ میں جب صحابہ کی اتنی بڑی تعداد آباد ہو گئی تھی کہ صرف اصحاب الشجرہ کے تین سوا در بدری اصحاب میں متر حشرات تھے، اس میں ان کے ابن مسعود اور حضرت علی کے صحبت یافتہ بزرگوں سے مسلمانوں کی یہ چھاؤنی بھری ہوئی تھی اسی کے ساتھ اس کا خیال کیجئے کہ پچپن حج امام نے کئے اور مسلسل دوڑو حاتی سال حجاز میں رہے اور اہل علم میں ہے لیکن بایں ہذا نا بھوں کا ایک گروہ ہے جو اب تک اس لطیفہ کو رٹتا جاتا ہے کہ امام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل شواہد میں معلوم تھیں حقیقت ہے کہ عقل سے دست بردار ہو جانے کے بعد آدمی سب کچھ کہہ سکتا ہے۔

بڑی تعداد خلافت عباسیہ کے مشرقی شہروں ہی کی ہے خصوصاً بخارا۔ سمرقند۔ بلخ۔ ہرات وغیرہ میں تفصیل کے لئے امام کے شاگردوں کی فہرست دیکھتے ممکن ہے کہ مشرق والوں کے اس رجحان امام میں رحمۃ اللہ علیہ کے عجیب ہونے کو بھی دخل ہو خصوصاً جب ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ عربی جو امام کی مادری زبان تھی اس کے سوا آپ فارسی زبان سے بھی واقف تھے۔ لوگوں سے اس زبان میں گفتگو بھی فرماتے تھے۔ بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں جیسا کہ پہلے کہیں ذکر آیا بھی ہے کہ امام کی کونہ کی حالت (شاپ میں) جیسے آپ کے صاحبزادے حماد اور آپ کے تلامذہ بھی تجارتی کاروبار میں ہاتھ بٹاتے تھے کیا تعجب ہے کہ ان مشرقی ممالک میں امام کے بھی تلامذہ مال کے درآمد برآمد میں بھی واسطہ کا کام دیتے ہوں آخر حفص بن عبدالرحمن اور ابو غانم یونس جو امام کے شریک فی التجارة تھے۔ یہ بھی تو امام کے تلامذہ ہی میں تھے۔ پھر کیا تعجب ہے کہ ان کے سوا بھی بخارا۔ سمرقند۔ بلخ۔ ہرات وغیرہ میں آپ کے شاگردوں کی جو ایک بڑی تعداد پھیلی ہوئی تھی ان میں کچھ لوگ تجارتی کام میں بھی حصہ لیتے ہوں۔ حضرت امام کے متعلق تاریخ کی کتابوں میں ایک بحث جو یہ پائی جاتی ہے کہ آپ کے والد کا اصلی وطن کہاں تھا؟ الخطیب نے مختلف مشرقی شہروں مثلاً نسا۔ ترمذ۔ انبار کے نام نقل کرتے ہوئے کابل کے متعلق زیادہ اقوال نقل کئے ہیں۔

سلسلہ توبہ بن سعد کے باشندوں میں امام کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے ان کا بیان ہے کہ کالی لہ بصری بغدادیہ (یعنی فارسی زبان میں امام کو اچھا دیکھا تھا) ایک شیعہ جو امام صاحب کے پاس آتا جاتا تھا تو یہ کہتے ہیں کہ ایک دن اس کے سلسلے امام صاحب نے فرمایا توبہ بدروسہ میں ۲۵۰ موفی ج ۲ یعنی فارسی کا یہ فقرہ بولے تھے اگرچہ بعضوں نے امام کو عربی النسل ثابت کرنے کی خواہ مخواہ کوشش کی ہے۔ ملا علی قاری نے نقل کیا ہے کہ بعض لوگ امام کو انصاری کی طرف نسبتاً منسوب کرتے ہیں ابو اسحاق شیرازی طبقات الفقہاء کے حاشیہ میں بعضوں کا قول نقل کیا ہے کہ نبی شیبانی کے سلاطین سے امام کا نسب تعلق تھا بعضوں نے تو امام کا نسب نامہ کی قیادہ کیخسرو اور بعضوں نے فرجیوں سے ملا دیا ہے۔ بعض احمدی کی اولاد میں آپ کو کہتے ہیں۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ امام نسلاً عربی نہیں بلکہ بھی تھے یہ بے جا طرف داری ہوگی کہ آپ کو عربی نژاد ثابت کیا جائے۔ باقی بیرون عرب آپ کا نسلی تعلق کس علاقہ کے باشندے سے تھا جیسا کہ میں نے عرض کیا ممکن ہے کہ امام کے رشتہ داران تمام ممبئی شہروں میں رہتے ہوں جن کا نام لیا جاتا ہے۔ البتہ کابل کے متعلق زیادہ روایتیں ملتی ہیں اس لئے اہل آبائی وطن میرے خیال میں امام کا کابل ہی معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ امام صاحب کے دادا کا نام زوئی جو بتایا جاتا ہے اور لوگوں نے تصریح کی ہے کہ تلفظ اس کا ان کے فتح کے ساتھ صحیح ہے۔

میل ذہن تو اصر جاتا ہے کہ شاید ان شہروں سے امام کے خاص تعلقات ہوں اور ان ہی تعلقات خصوصی کی بنیاد پر لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ آپ کا آبائی وطن وہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان شہروں میں امام صاحب کی رشتہ داریاں ہوں، یا یہاں سے لوگوں سے خاص تجارتی تعلقات ہوں۔

بہر حال امام کی تجارت کی جن وسعتوں کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں کیا گیا ہے جہاں تک قرآن کا تعلق ہے ان کے انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

۳۔ امام صاحب کے غیر معمولی سرمایہ تجارت کے متعلق تفصیل

البتہ یہاں ایک دل چسپ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے بڑے کاروبار کے لئے ظاہر ہے کہ کافی سرمایہ کی ضرورت ہے۔ امام صاحب بے چارے عجمی النسل آدمی تھے۔ امارت و ثروت زیادہ تر اس زمانہ میں عربی نژاد خاندانوں کے ساتھ مختص تھی پھر امام کو اتنا بڑا سرمایہ کہاں سے مل گیا جس سے وہ مرو اور نیشاپور، بغداد اور اسی قسم سے دوسرے شہروں تک اپنے لین دین کے معاملات کو پھیلا سکے۔ قطع نظر عجمی ہونے کے اگر ارباب مناقب کی اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ یعنی ابو جعفر منصور کے عمار نے قضا سے انکار کرتے ہوئے امام کی طرف جہاں مختلف دوسرے جواب منسوب کئے گئے ہیں ان ہی میں کہا جاتا ہے کہ حضرت امام نے ایک دفعہ منصور کو یہ بھی سمجھا یا تھا کہ

بقیہ فٹ نوٹ ص ۸۹
للا علی نے لکھا ہے کہ بفتح الزاء اور ہم جانتے ہیں کہ من رجال النوط کا لفظ جو حدیثوں میں آیا ہے بعضوں نے لکھا ہے کہ جاٹ کے لفظ کا یہ عربی تلفظ ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ نڈ علی امام کے رادا کا نام نہ ہو بلکہ قوم ردا کی طرف نسبت ہے وہ مشہور ہوں۔ بہر حال کامل سے پنجاب تریب ہے اور ردا یعنی جاٹ قوم کا مسکن اس وقت تک پنجاب اور اُس کے بالائی علاقہ میں پایا جاتا ہے ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ دعویٰ کہ امام کا آبائی وطن در حقیقت ہندوستان ہی تھا اور ہندوستان سے کابل اور کابل سے دوسرے خراسانی شہروں میں منتقل ہوتے ہوئے بالآخر کوثر پہنچا اسی لئے ان تمام شہروں سے امام کے خاندان کا تعلق ہو میں تو نہیں سمجھتا کہ بالکل بے بنیاد دعویٰ ہو گا اسی قسم کا بے بنیاد جیسے عربی النسل یا کے قبیلہ دوسریہ وں وغیرہ کی نسل کی طرف خواہ مخواہ آپ کو منسوب کیا جاتا

کان ابی خبازاً و اهل الکوفہ لا یرضون
ان یكون القاضي ابن خباز ^{ص ۱۶۲} موثق
میرے والد نان بائی تھے اور کوفہ والے اس کو پسند نہ کریں گے
کہ ایک نان بائی کے لڑکے کو ان کا قاضی بنا دیا جائے۔
اگرچہ اسی کے ساتھ حضرت امام کے دادا کے متعلق یہ روایت بھی نقل کی جاتی ہے۔
اهل علی بن ابی طالب لفاوذج فی
یوم النیر و نر قتال لوزنر ناکل یومر
نیل کان فی مہر جان قتال مہر
جوناکل یوم۔ (الخطیب ص ۲۲۶)
وزر کے دن امام ابو خنیفہ کے دادا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی خدمت میں فالودہ بطور ہدیہ کے پیش کیا تھا حضرت علی
نے فرمایا کہ میرے لئے ہر روز لوزر ہے بعض کہتے ہیں کہ
مہر جان کے تہوار میں ہدیہ پیش کیا گیا تھا۔ حضرت علی نے
فرمایا کہ میرے لئے تو ہر دن مہر جان ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس روایت سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام کے دادا کچھ
امتیازی حیثیت رکھتے تھے آخر خلیفہ وقت تک رسائی کچھ نہ کچھ امتیاز کو غالباً چاہتی ہے۔ لیکن
امتیاز کے لئے دولت مند ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح فالودہ جیسی عام اور معمولی چیز کا پیش
کرنا یہ بھی ان کی دولت مندی کی دلیل نہیں ہو سکتی، اور اگر وہ بیچارے اتنے ہی دولت مند
ہوتے جس پر امام کی تجارت کی بنیاد قائم کی جائے تو ان کے صاحبزادے ثابتاً "کو بقول امام
خبازی" کے پیشے کے اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہوتی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ امام صاحب
کو اپنے والد سے دس ہزار درم ترکے میں ملے تھے لیکن ظاہر ہے کہ یہ کوئی بڑی رقم نہ تھی۔ قد
ڈھائی ہزار روپے ہوئے اس سے امام کے اس عظیم سرمایہ اور کاروبار کی توجیہ نہیں ہو سکتی جس
کا ذکر ابھی آپ سنیں گے۔

امانتیں ہاں امام کی زندگی میں ہم ایک اور خاص چیز کو پاتے ہیں۔ چاہا جائے تو
اسی سے اس معمر کو حل کیا جاسکتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایک جگہ
نہیں متعدد مقامات میں امام کے سوانح نگاروں نے اس کا تذکرہ کیا ہے کہ لوگ امام کے
پاس "ودائع" یعنی امانتیں رکھوا یا کرتے تھے۔ حضرت زید بن علی نے بنی امیہ کے مقابلہ میں
خروج کا جب ارادہ کیا جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آئندہ آ رہا ہے اور حضرت زید نے امام
کو بھی اس جہاد میں شرکت کی دعوت دی تھی تو آپ نے اس کے جواب میں بیش قرار رقمی امداد
کے ساتھ چند باتیں بطور عذر جو کہلا بھیجی تھیں ان میں ایک وجہ یہ تھی کہ
حسبنی و دائع الناس (الکردری ص ۲۵۵) لوگوں کی امانتوں نے مجھے روک رکھا ہے۔

پہچ پوچھتے تو اسی فقرے نے میرے دل میں اس سوال کو ابتداء اٹھایا۔ خیال یہ گذر کہ ایک ایسی شدید دینی مہم میں شرکت کے لئے امام کو دعوت دی جاتی ہے۔ دعوت دینے والی ہستی وہ ہے کہ خود حضرت امام کا قول تھا۔

خروجہ ایضا ہی خروج رسول اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کی مہم کے لئے نکلنا اسی صلی اللہ علیہ وسلم یوحید رستہ مرفق کے مشابہ زید بن علی کی یہ مہم ہے جس کے لئے اس وقت وہ نکلے ہیں اسی روایت میں ہے کہ حضرت زید کی جب شہادت اسی راستہ میں ہوئی جس کی تفصیل انشا اللہ آگے آتی ہے تو ایک دودفعہ نہیں بلکہ امام کے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جب کبھی زید کی شہادت کا تذکرہ ہوتا تو امام رونے لگتے۔

ان ہی روایتوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلی قسط حضرت زید کی خدمت میں امام نے جو پیش کی تھی وہ دس ہزار کی رقم تھی سوال یہی ہوتا تھا کہ امانت و دیعت کا قصہ عموماً اتفاقی طور پر پیش آتا ہے مثلاً سفر حج یا کسی دوسرے سفر میں کوئی جانے لگتا ہے تو کسی معتبر آدمی کے پاس بطور امانت کے محفوظ رکھی بہت چیز رکھوا دی جاتی ہے امام کے پاس بھی اسی قسم کی کچھ امانتیں ہوں گی لیکن اس قسم کی معمولی امانتوں کی حفاظت کے لئے ایسی عظیم دینی مہم کی شرکت سے اپنے آپ کو محروم کر لینے کی معقول وجہ نہیں ہو سکتی۔ فرض کیجئے جیسا کہ اسی روایت میں ہے کہ امام نے فرمایا کہ قاضی ابن ابی لیلیٰ پر میں نے اصرار کیا کہ ان امانتوں کو اپنے ذمہ میں لے لیں لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔ لیکن کوفہ جیسے شہر میں اور بھی بیسیوں معتبر بستیاں مل سکتی تھیں جن کے ہاں ان امانتوں کو محفوظ کر کے امام رحمۃ اللہ علیہ اس جہاد فی سبیل الحق میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کر سکتے تھے اسی قسم کے سوالات جب دل میں آئے تو میں نے ان روایتوں کے متعلق تحقیق شروع کی کہ کما و کیف ان کی

۱۔ حضرت زید کے شہید ہو جانے اور وہ بھی اس بے کسی کے ساتھ شہید ہو جانے کا خیال امام کو جب آتا تو رو دیتے تھے ان لوگوں کے لئے جو حضرت زید کے ہمدرد امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے متعلق اسی کیفیت کو اپنے اندر رکھتے ہیں یعنی واقعہ کربلا جب یاد آ جاتا ہے تو بے اختیار اُن پر گریہ طاری ہو جاتا ہے کیا امام ابو حنیفہ کی یہ حالت ان کے لئے نمود بن سکتی ہے؟ واقعہ تو یہ ہے کہ کربا و جبراً بلکہ بعض اشک اور عرقیات کو استعمال کر کے رونا یا رونے والوں کی صورت بنانا یقیناً قابل اعتراض ہے، لیکن واقعات کربلا سے اضطراب و تاثر پنہر اور پیغمبر کے اہل بیت سے قلبی تعلق کی دلیل ہے خود امام کے رجحانات کا بھی اس سلسلہ میں کچھ پتہ چلتا ہے۔

نوعیت کیا تھی؟ تاریخی بادواشتوں نے جس مواد کو اس سلسلہ میں میرے سامنے پیش کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ ان ہی کے مطالعہ نے میرے دماغ کو ایک خاص خیال کی طرف منتقل کر دیا یعنی حضرت امام کے لئے اتنے بڑے پیانے پر تجارت کی تنظیم کا امکان کیسے پیدا ہوا؟ اس سوال کے جواب کی ایک ممکنہ صورت میرے سامنے آگئی۔

امانتوں کی مقدار میرا مطلب یہ ہے کہ لکھنے والے کو عام طور پر صرف اتنا لکھ کر چلے جاتے ہیں کہ امام کے پاس بعض لوگ اپنی امانتیں یاد دوانے رکھوا یا کرتے تھے، لیکن ان امانتوں کی مقدار کیا تھی اور امام کے پاس یہ کس حیثیت سے رکھے جاتے تھے؟ خصوصی توجہ سے یہ سوالات عموماً محروم رہے، لیکن نئے پہلا سوال یعنی امام کے پاس امانت کے ان رقوم کی تعداد کہاں تک پہنچ جاتی تھی۔ بالانفاق امام کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ مات ابو حنیفہ وفی بیتہ للناس ودائع خمسین الف صیقل موفی گھر میں پچاس ملین ریا پانچ کروڑ کی امانتیں لوگوں کی تھیں جس کے معنی یہی ہوتے کہ وفات کے بعد امام کے گھر سے امانت کی مد کے رقوم جو نکلے ان کی تعداد ۱۵۰۰۰۰۰ یعنی پانچ کروڑ تھی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مذکورہ بالا رقم وفات کے بعد آپ کے گھر سے نکلی ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ امام کی وفات جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے ستر کی عمر میں ہوئی ہے۔

امام جیسے محتاط آدمی کے متعلق اگر یہ خیال کیا جائے کہ اپنی پیرائہ سالی کا خیال کر کے انھوں نے کوشش کی ہوگی کہ زندگی ہی میں حتی الوسع لوگوں تک ان کی امانتیں پہنچا دی جائیں تو یہ بے بنیاد خیال نہیں ہو سکتا ہے۔ بڑھاپے میں عام معمولی کردار و سیرت رکھنے والی ہستیاں جب یہی کرتی ہیں تو امام کے متعلق اس قسم کی توقع بے جا توقع نہیں ہو سکتی۔ اسی بنیاد پر میرا خیال ہے کہ یہ پانچ کروڑ کی رقم امام کے پاس دینے والے کے بعد رہ گئی ہوگی۔ اور بالفرض اگر یہ نہ بھی ہو جب بھی اس زمانے کے لحاظ سے شہر کے ایک خوش باش شہری کے پاس پانچ پانچ کروڑ کی امانتوں کا رہنا کہا معمولی بات ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں بھی جب روپیہ کی قیمت بہت گر گئی ہے مشکل ہی سے افراد کے پاس سے ہمہ امانت اتنی رقم مرنے کے بعد نکل سکتی ہے۔

بہر حال میرا خیال تو یہی ہے کہ امام کے پاس اس سے زیادہ رقوم بطور امانت کے رکھے جاتے تھے۔ اور یہ رقم مرنے کے بعد صرف ان لوگوں کی رہ گئی تھی جن تک کسی وجہ سے اپنی زندگی ہی میں

امام ان کی امانتوں کو واپس نہ فرما سکے تھے جن کی امانتیں ہوں گی وہ کوفہ سے باہر ہوں گے یا ایسے نابالغ بچوں کی امانتیں رہ گئی ہوں جو ابھی سن رُشد کو نہ پہنچے ہوں۔ آخر خیال تو کیجئے بیان کرنے والے جب یہ بیان کرتے ہیں کہ

ان رجلا درہاناً اور ع عند ابی حنیفہ ایک تیلی نے امام ابو حنیفہ کے پاس ایک لاکھ ستر ہزار مائتہ الف و سبعین الف و دھم و چھ مائتہ و اربع درم بمدا امانت جمع کی تھی۔

جب ایک تیلی ایک لاکھ ستر ہزار کی رقم امام کے پاس محفوظ کر سکتا تھا تو اسی سے اندازہ کیجئے کہ دوسرے صاحبان حیثیت کے امانتی کھاتوں کا کیا حال ہوگا؟ افسوس ہے کہ مورخین نے اس مسئلہ کو مقصود بالذات بنا کر واقعات کے درج کرنے کی کوشش نہیں کی ذیلی اور ضمنی طور پر کسی دوسرے واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اتفاقاً ان اعداد کا ذکر بھی لوگوں نے کر دیا ہے اس قسم کے ضمنی بیانات اور بھی ملتے ہیں لیکن میرا جو مقصد ہے اس کے لئے مذکورہ بالا بیانات اور شہادتیں کافی ہیں۔ یعنی حضرت امام کے پاس "امانت" اور "ودیعت" کی راہ سے لاکھوں ہی نہیں بلکہ کروڑوں کا سرمایہ جمع ہو گیا تھا، اور جمع ہوتا رہتا تھا، مشہور امام فقہ و حدیث و کیچ بن الجراح کے صاحبزادے سفیان سے جو یہ منقول ہے کہ ان کے والد کیچ کہتے تھے۔

کان ابو حنیفۃ عظیم الاماۃ ص ۲۲ موفی امام ابو حنیفہ بہت بڑے تھے امانت میں اگر اس کا یہ مطلب بھی لیا جائے کہ بکثرت لوگوں کی امانتیں اور ودائع آپ کے ہاں جمع ہوتے تھے واقعات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

عوام کے اعتماد کی وجہ حقیقت تو یہ ہے کہ عام مورخین نے امام کے جو حالات بیان کئے ہیں، ان کا عام مخلوق کے ساتھ جو برتاؤ تھا، اگر یہ واقعات صحیح ہیں اور نہ صحیح ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی بلکہ کہا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ تو اثر نہیں تو شہرت کی حدود تک اس قسم کی روایتیں پہنچی ہوئی ہیں مثلاً بطور کلیہ کے امام کی یہ عام عادات بیان کی جاتی ہے۔ قاضی ابو یوسف کی روایت ہے کہ

کان ابو حنیفۃ لا یکاد لیسأل حاجۃ امام ابو حنیفہ کا حال یہ تھا کہ کوئی حاجت جو ان پر پیش کرنے والے پیش کرتے مشکل ہی سے ایسی کوئی حاجت ہوگی الا قضاہا ص ۲۵ موفی جسے وہ پوری نہ کر دیتے ہوں۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ جس کا حال یہ ہو لوگوں میں ہرول عزیزی اور اعتماد کی کیفیت

جس حد تک اس کے متعلق قائم ہو کم ہے اسی طرح امام کی اس عام عادت اور فطرت کا بھی ذکر کیا جائے کہ ان کے حلقہ میں کوئی ایسا آدمی اگر بیٹھ جاتا جو عموماً آپ کے حلقہ کا آدمی نہ ہوتا تو لکھا ہے۔

فاذا قام سال عنہ فان كانت به فاقة جب وہ اٹھ کھڑا ہوتا تو اس سے دریافت کرتے، اگر
 وصلہ دار مرض عاثرہ ۲۵۷ء موثق ۱ اس کی کوئی ضرورت ہوتی تو اسے پوری دیتے کسی کی
 بیماری کا حال اس سے معلوم ہوتا تو عیادت کرتے۔
 اور یہ حال تو اجنبی لوگوں کے ساتھ تھا۔

حضرت امام صاحب کے حسن سلوک کا ایک واقعہ

بعض قصبے اس سلسلہ میں تو ایسے بیان کئے جاتے ہیں کہ ان پر "افسانہ" ہونے کا دعویٰ ہوتا ہے لیکن ان کے تقریباً اکثر سوانح نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ قصہ تو طویل ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ کوفہ میں ایک صاحب پہلے خوش حال تھے، لیکن زمانہ کی گردش میں مبتلا ہوئے، آدمی غیرت و حمیت والے تھے جس طرح گذر رہی تھی گزار رہے تھے ایک دن ان کی چھوٹی بچی تازہ تازہ گلڑیوں کو دیکھ کر چلاتی ہوتی گھر آئی۔ ماں سے گلڑی لینے کے لئے پیسے مانگے لیکن افلاس اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ ان گلڑیوں کے لئے بھی ماں پیسے نہ دے سکی۔ لڑکی کا باپ بیٹھا ہوا اس تماشے کو دیکھ رہا تھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور طے کیا کہ کسی سے امداد حاصل کرنی چاہیے مورخین نے اس موقع پر لکھا ہے کہ

وقصد مجلس البركة وهو مجلس
 ابی حنیفہ
 مجلس البرکت کا اس نے ارادہ کیا "اور مجلس البرکت"

امام ابو حنیفہ کی مجلس کا نام مکتا

بہ ظاہر اس کا یہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ امام کی مجلس کو ہمیں "برکت کی مجلس" کے نام سے مشہور تھی جہاں سے کچھ نہ کچھ لے کر ہی آدمی اٹھتا تھا دینی یا دنیوی مادی یا روحانی نفع کچھ ہی ہو۔ بہر حال آئے کی حد تک تو بے چارہ کسی طرح "مجلس برکت" میں داخل ہو سکتا جس سے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا تھا، اس کی زبان کھل نہ سکی۔ بار بار کہنے کا ارادہ کرتا، لیکن طبعی شرم و حیا زبان کو روک دیتی، آخر یوں ہی اٹھ کر چلا گیا، لیکن امام کی نگاہ سے اثر کے دل کی کیفیت کیسے چھپ سکتی تھی۔ لکھا ہے کہ اس کے چہرے سے امام نے تاڑ لیا کہ یہ بے چارہ کوئی حاجت مند

ہے۔ شرافت کی وجہ سے اپنی حاجت کہہ نہ سکا جب اٹھ کر جانے لگا تو امام صاحب بھی پیچھے پیچھے اس کے روانہ ہوتے جس گھر میں داخل ہوا تھا اُس کو خوب پہچان لیا۔ جب رات بھر گئی تب امام صاحب اپنی آستین میں روپے کی ایک تھیلی جس میں کہا جاتا ہے کہ پانچ سو درم تھے لے کر روانہ ہوئے اور اُس کے دروازے پر پہنچ کر گنڈی کھٹکھٹائی۔ اندھیرا کافی تھا بے چارہ باہر نکلا کہتے ہیں کہ امام صاحب اس کی دہلیز پر تھیلی رکھ کر اُلٹے پاؤں یہ کہتے ہوئے واپس آئے۔

”دیکھو تمہارے دروازے پر تھیلی پڑی ہوئی ہے یہ تمہارے ہی لئے ہے“

تھیلی تو اُس نے اٹھالی لیکن پتہ نہ چلا کہ کون تھا جو اس طرح دے کر چلا گیا۔ بیوی کے پاس گیا تھیلی کھولی گئی، پانسو درم کے ساتھ ایک پرزہ ملا کہ:-

هَذَا الْمَقْدِ اس جاء عبد الوحيفة اليك ابو حنيفة اس رقم کو لے کر تیرے پاس آیا تھا یہ حلال ذریعہ سے من وعده حلال فليض غ بالك ^{۲۶۳} موثق حاصل کی گئی ہے چاہیے کہ اس سے اپنے قلب کی فراغت میں قاضی ابو یوسف امام کی اس عام عادت کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے۔

کان ابو حنيفة مثل يد البر لكل اپنے جانے والوں کے ساتھ امام ابو حنیفہ حسن سلوک کے من عرف وکان يهب للرجل خمسين عادی تھے لوگوں کو پچاس پچاس اشرفی یا اس سے زیادہ دين دارا واکثر فاذا شكره بمحض ^{۲۶۴} دیتے لیکن دوسروں کے سامنے اگر وہ امام کا شکریہ کرتا تو ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ قوم غمد ذلک ^{۲۶۵}

یہ بھی فرماتے کہ ”میاں اللہ تعالیٰ نے یہ روزی تم تک پہنچائی ہے“ کہتے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی حدیث تم نے نہیں سنی۔ انما انا خازن اضع حیث امرت میں تو صرف خزانچی ہوں، جہاں حکم دیا جاتا ہے وہاں کھد

لے لکھنے والوں نے اس کی توجیہ میں کہ جب امام صاحب اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے تو یہ پرزہ تھیلی میں ڈالا بہت سی باتیں کہی ہیں لیکن بات تو کھلی ہوئی ہے اس قسم کے مال میں میوے و حلات ہو سکتے تھے اور ان احتمالات کی وجہ سے بے چارہ ممکن تھا کہ خرچ ہی کرنے سے بچکپاتا یا خرچ کرنے کے بعد دل میں اس کے طرح طرح کے دوسرے آتے ہتے کہ کون سے تمہا کیوں دے گیا۔ کیا کوئی دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ یا کسی الزام میں گرفتار کرانا چاہتا ہے، اس پرزے کے بعد یقیناً اطمینان ہو گیا ہوگا یا آئندہ کے لئے اُس کو بتلانا مقصود تھا کہ تم حاجت لے کر آؤ گے تو نقدی کیسی ملے گی۔

تخائف

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں تحفے تخائف کے بانٹنے کا بھی امام کو بہت شوق تھا، سفیان بن عیینہ کا براہ راست قول لوگ نقل کرتے ہیں کہ لَقَدْ وَجَّهَ الِیْ بَہْذِ اِیَّاسٍ تَوَحُّشَتِ اس قدر تحفوں اور ہدیوں کی بھرمار ابو حنیفہ کی طرف سے من کثرتھا میرے پاس ہوئی کہ اس کی کثرت سے میں گھبرا اٹھا۔

کہتے ہیں کہ ابن عیینہ نے کسی سے اس کی شکایت بھی کی، سننے والے نے کہا کہ سعید بن ابی عروبہ کے پاس امام صاحب کے تحفے جو پہنچتے رہتے تھے اگر تم ان کو دیکھتے تو خدا جانے کیا کہتے، پھر اُس نے کہا کہ

مَا كَانَ يَدْعُ احَدًا مِنْ الْمَحْدَثِينَ سیر چسپی کے ساتھ حسن سلوک کے بغیر امام ابو حنیفہ الابرار براء واسعا کسی محدث کو نہ چھوڑتے

ایک عام قاعدہ اُن کا یہ بھی تھا کہ کوئی ہدیہ یا تحفہ ان کے پاس بھیجتا تو جواب میں کہیں یا وہ بہتر قیمتی چیز اس کو بھیجتے۔ ایک شخص نے تین درم کی کوئی چیز تحفہ پیش کی اس کو پچاس درم کا ایک ٹکڑا خر کا آپ نے بھیجا۔

مشائخ علماء اور محدثین کی خدمت امام کے سوانح نگاروں نے اس سلسلہ میں بھی کافی واقعات کتابوں میں درج کئے ہیں۔ حتیٰ کہ لکھا ہے کہ اُن کی عام عادت تھی کہ

ہر سال مخصوص رقم کا سامان کوفہ سے بغداد بھیجتے اور بغداد سے چیزیں منگوا کر کوفہ میں فروخت کراتے۔ اس لین دین سے جو آمدنی ہوتی۔ اس سے پہلے تو کوفہ کے محدثین کے کھانے پینے اور پہننے کا سامان خرید کر ان لوگوں کے پاس بھیجتے اس کے بعد سرمایہ اور منافع کی جو رقم باقی بچ جاتی، اسے بھی ان ہی لوگوں میں یہ کہتے ہوئے تقسیم فرما دیتے کہ:-

الْفُقُوَا فِي حَوَالِئِكُمْ وَلَا تَحْمِلُوا إِلَّا اللَّهَ اپنی ضرورتوں میں خرچ کیجئے اور شکر و تعریف خدا کے سوا فَاِنِّي مَا اَعْطَيْتُكُمْ مِنْ مَالِي شَيْئًا وَلَكِنْ مِنْ اور کسی کی نہ کیجئے کیونکہ اپنے مال سے میں نے کچھ نہیں دیا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيَّ فَيَكُنْ مِنْ هَذِهِ اَرْبَاحِ بلکہ آپ لوگوں کے متعلق مجھ پر خدا کا فضل ہوا اور آپ بَضَائِعُكُمْ مَوْثِقٌ ہی لوگوں کے (نام زدہ) سرمایہ کے یہ منافع ہیں

یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم جو نکلتی تھی حکم ہے کہ اسی کو سرمایہ بنا کر زکوٰۃ نکالنے

سے پہلے اس غرض سے کہ زیادہ بڑھ جائے، یہ ترکیب امام نے اختیار کی تھی۔ شاید اسی لئے کہتے تھے کہ تمھارے سرمایہ کے یہ منافع ہیں۔ میرا کچھ نہیں ہے اور یہ برتاؤ کچھ محدثین ہی کے ساتھ مختص نہ تھا مسعر بن کدام جو کوفہ کے صفِ اول کے علما میں شمار کئے جاتے، ہیں امام کے معاصرین میں ہیں۔ ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ کے دربار میں امام صاحب کے ساتھ یہ بھی عہدہ قضا کے لئے بلائے گئے تھے جن کا ذکر آ رہا ہے ان کا بیان ہے کہ

امام ابو حنیفہ کا یہ عام دستور تھا کہ اپنے بال بچوں کے لئے جب کوئی چیز خریدتے تو مشائخ و علما کے لئے بھی وہی چیز ضرور خریدتے خود اپنے لئے جب کپڑا بنواتے تو علما کے لئے بھی جوڑے تیار کراتے اسی طرح جس قسم کے فواکہ اور پھلوں کا موسم آتا۔ ناممکن تھا کہ اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے خریدتے اور علما کو بھی وہی پھل خرید کر نہ بھیجتے۔

بلکہ خواجہ مسعر بھی فرماتے کہ

علما یا دوسروں کے لئے امام جو چیزیں خریدتے ان میں ہمیشہ اس کا لحاظ فرماتے کہ اچھی سے اچھی قسم کی ہوں لیکن خود اپنے یا اپنے عیال کی خریداری میں عموماً لاپرواہی اور تساہل سے کام لیتے۔ ص ۲۶۱

علاوہ علما و محدثین کے عام گداگر فقیروں کے فقرا و محتاجوں کیساتھ حسن سلوک تھا اپنے بیٹے حماد کو حکم دے رکھا تھا کہ دس درم کی روٹیاں خرید کر غربا میں روزانہ تقسیم کی جائے یہ بھی امام کی عادت بیان کی جاتی ہے کہ کھائے پر جب بیٹھے تو روٹی اور جو سالن ہوتا اس روٹی پر رکھ کر فقیروں کو بھیج دیتے۔

رہے تلامذہ اور ان کے اصحاب سوان کے ساتھ شاکردوں کے ساتھ برتاؤ سلوک کی کیا نوعیت تھی آج دنیا میں اساتذہ اور ان کے جو تعلقات ہیں ان کو دیکھتے ہوئے تو ان واقعات کا باور کرنا بھی مشکل ہے لوگوں کے ان کی یہ کئی عادت لکھی ہے۔

ہر طالب علم سے پوشیدہ طور پر اس کے حالات دریافت کرتے۔ کوئی ضرورت ہوتی تو اس کی تکمیل فرمادیتے جو ان میں بہار ہوتا یا طالب علموں کے افسر با

رماں باپ وغیرہ) بیمار ہوتے تو ان کی عیادت کرتے جن کا انتقال ہو جاتا
ان کے جنازے میں حاضر ہوتے کسی پر کوئی مصیبت آن پڑتی تو امداد کے لئے
کھڑے ہو جاتے۔ ص ۲۵۷

خود ان کے تلامذہ نے امام کے حسن سلوک کے متعلق جو تذکرے کئے ہیں پڑھ کر حیرت
ہوتی ہے امام کے مشہور بصری شاگرد یوسف بن خالد السمتی ہیں، ایک لطیفہ دہی بیان کرتے
تھے کہ کسی حاجی نے امام کی خدمت ایک ہزار پاپوش بطور تحفے کے پیش کئے۔ یوسف کہتے
ہیں کہ ایک دن یا دو دن اس پر گندے ہوں گے کہ میں نے امام کو دیکھا کہ اپنے صاحبزادے
کے لئے بازار میں نعلین خرید رہے ہیں۔ میں نے تعجب سے عرض کیا کہ ابھی تو آپ کے پاس
ہزار جوڑے تحفے میں آتے تھے، اور آج بچے کے لئے جوتا خرید رہے ہیں۔ فرمایا کہ
میرا قاعدہ ان تحفوں کے متعلق یہی ہے کہ اپنے شاگردوں اور متوسلین پر تقسیم
کر دیتا ہوں۔ ص ۲۵۸

ان ہی یوسف بن خالد السمتی کا بیان ہے کہ امام اپنے طلبہ کے لئے ہر جمعہ دعوت فرمایا
کرتے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ۔

یطبخ لهم الوان الطعام وکان (یا کل) طرح طرح کے کھانے و جمعہ کے دن پکوانے لیکن کھانے
معنا و لقل انفسا و نفسی لئلا میں طلبہ کے ساتھ شریک نہ ہوتے کہتے کہ میں اپنے آپ کو اس
تحتشوا ص ۲ ج ۲ لئے الگ کر دیتا ہوں کہ تم لوگوں کی بے تکلفی جاتی ہے گی۔

علامہ جمعہ کی دعوت کے بیان کیا جاتا ہے کہ اپنے ان ہی طلبہ کے ساتھ۔
یبرهم فی الاحیاء ویرسل الی کل تہواروں کے موقع پر سب کے ساتھ حسن سلوک اور ہر ایک
واحد منهم علی قدر منفعته ص ۲۵۹ کے رتبہ کے مطابق ان کے پاس چیزیں بھیجتے۔
انتہا یہ ہے جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے

طلباء میں جن لوگوں کو ضرورت ہوتی ان کی شادی بھی امام کر دیتے اور شادی کے
معارف خود ادا کرتے۔ ص ۲۵۹ ج ۱

ان عام باتوں کے سوا طلبہ کے نام ماہوار وظائف بھی امام کے یہاں سے جاری تھے۔ لکھا ہے کہ
قد اجری علی جماعۃ من اصحابہ ہر جماعت کے شاگردوں کو ماہوار وظیفہ بھی امام کے
کل شہر جبرائیلہ سری ماکان یواسیہم ص ۲۶۰ ہاں سے ملتے تھے یہ عام حسن سلوک کے سوا تھا۔

انفرادی طور پر جن جن طالب العلموں کے ساتھ جو سلوک امام نے کیا ہے، اور بعد کو ان لوگوں نے بیان کیا ہے، اُن کی فہرست تو طویل ہے، اسی سے اندازہ کیجئے کہ قاضی ابو یوسف کہتے تھے۔

وکان یعولنی وعبانی عشرين سنة
بیس سال تک میری اور میرے اہل و عیال کی کفالت امام
صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ ابو حنیفہ نے کی۔

حسن بن زیاد جو امام کے ممتاز تلامذہ میں ہیں کہتے ہیں کہ
میں امام صاحب کے پاس پڑھا کرتا تھا میرے والد ایک دن امام صاحب کے
پاس آئے اور عرض کرنے لگے کہ حضور! میری چند لڑکیاں ہیں۔ لڑکوں میں حسن
میں سے سوا کوئی نہیں ہے۔ آپ ہی اس کو بھجائیے کہ کوئی ایسا دھندا اختیار کرے جس
سے مجھے کچھ سہولت میسر آئے۔

حسن کا بیان ہے کہ جب میں حاضر ہوا تو امام نے فرمایا کہ
”میاں حسن! آج تمہارے والد آئے تھے اور یہ یہ باتیں مجھ سے کہہ کر گئے ہیں۔“
اس کے بعد حسن سے امام نے فرمایا۔

کہ میاں تم تو پڑھنے میں لگے رہو میں نے کسی عالم کو بھوک مرتے نہیں دیکھا ہے۔
حسن کا بیان ہے کہ امام نے اُس دن سے میرے لئے کچھ ماہوار اس وقت تک مقرر کر دیا جب
تک میں روزگار سے نہ لگ گیا۔ ص ۲۶۴ موفی ج ۱

واقعہ یہ ہے کہ ہر دل عزیمتی کہیے یا محبوبیت عامہ کے حصول کے لئے جو دو سخا ہنل و کرم سے
زیادہ کارگر بے خطا نسخہ دنیا میں نہیں پایا گیا ہے۔ اس قسم کے نفوس سے ان ہی لوگوں کو محبت
و اخلاص نہیں ہوتا جنہیں اُن سے کچھ نفع پہنچا ہو۔ بلکہ تجربہ تصدیق کرتا ہے اور مشاہدہ بتاتا
ہے کہ اُن کی محبوبیت عام ہوتی ہے، نفع اٹھانے والوں کی محبت کی وجہ تو ظاہر ہے کہ آدمی
فطرۃً احسان کا بندہ ہے۔ لیکن ذاتی طور پر مستفید ہونے کا اسخیا سے جنہیں موقعہ نہیں ملتا
اُن کی محبت کی نفسیاتی وجہ ممکن ہے لوگوں کی غیر شعوری امید اور توقع ہو، سمجھا یہ جاتا ہے کہ
ضرورت اگر پڑی تو سخی کی اس صفت سے میں بھی نفع اٹھا سکتا ہوں اور یہی توقع قلوب کو
ان لوگوں کی طرف مائل کر دیتی ہے۔

حضرت امام کے جو دوستوں کے متعلق شفیق بلخی کی ایک روایت

سینکڑوں واقعات ہیں سے بطور نمونے کے حضرت امام کے جو دو کرم کے چند نمونے جو اوپر پیش کئے گئے ہیں اُن کو پیش نظر رکھنے کے بعد اس کا سمجھ لینا بالکل آسان ہے کہ خلق اللہ کے غیر معمولی اعتماد کے حاصل کرنے میں حضرت امام کو کامیابی کیوں حاصل ہوئی تھی جس قسم کے واقعات تاریخوں میں امام کے متعلق درج کئے گئے ہیں میں تو پڑھ کر حیران ہو جاتا ہوں سوچتا ہوں کہ اعتماد اور بھروسہ کے سوا اس قسم کے آدمی کے ساتھ آخر لوگ کوئی دوسرا تعلق قائم ہی کیسے کر سکتے تھے۔ خیال تو کیجئے کسی معمولی آدمی کی نہیں بلکہ مشہور شیخ ابو حنیفہ حضرت شفیق بلخی کی یہ چشم دید روایت نقل کی جاتی ہے، کہتے تھے کہ میں ایک دن ابو حنیفہ کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا اتنے میں دور سے آتا ہوا ایک آدمی ایسا معلوم ہوا کہ ہماری طرف آ رہا تھا۔ لیکن ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک دوسری گلی میں مڑ گیا، شفیق فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ لیکن امام ابو حنیفہ کو دیکھا کہ اُسی کو خطاب کر کے پکار رہے ہیں۔ جس راستہ پر تم آ رہے تھے اُسی پر چلے آؤ دوسری راہ تم نے کیوں اختیار کی سننے کے ساتھ راہ گیر کھیر گیا، اتنے میں ہم لوگ اس کے قریب پہنچ گئے۔ دیکھا کہ کچھ شرابا شرمایا سا کھڑا ہوا ہے اور میں نے دیکھا کہ امام اس سے کہہ رہے ہیں کہ تم نے اپنی راہ بدلی کیوں؟ جواب میں اُس نے کہا کہ دس ہزار کی رقم آپ کی عہد پر باقی ہے، ادا کرنے میں غیر معمولی تاخیر مجھ سے ہو گئی ہے، اور اس وقت تک مجھ میں ادا کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہے، آپ کو دیکھ کر مجھے سخت ندامت ہوئی نظر برابر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا اس لئے دوسری گلی کی طرف مڑ گیا تھا، شفیق کہتے ہیں کہ ادمعروہ بیچارا تو اپنا عذر پیش کر رہا تھا اور امام کو دیکھتا ہوں کہ اس سے فرما رہے ہیں۔

سبحان اللہ بس اتنی سی بات کہ تم نے مجھے دیکھ کر راستہ بدل دیا اور مجھ سے چھپنے کی کوشش کی :

خیر یہاں تک تو کوئی بات نہیں ہے آگے سنئے شفیق ہی راوی ہیں کہ میں نے اس کے بعد سنا کہ امام دس ہزار کے اسی قرض دار کو کہہ رہے ہیں۔

قد وھیتہ منی کلمہ ۲۶ ج ۱ میں نے اپنی طرف سے جاؤ یہ رقم تمہیں ہیہ کر دی

کیا مطلب؟ دس بیس روپیہ نہیں دس دس ہزار کے قرض کو بغیر کسی دغدغہ سوچ بچار کے ایک قلم معاف فرمادیا گیا، اور قرض ہی کی معافی کی حد تک بات ختم نہیں ہو گئی۔ حضرت شفیق ہی کا بیان ہے کہ اُس کے بعد امام صاحب خود ہی ان الفاظ میں اس قرض سے معافی چاہ رہے تھے کہ

”بھاتی! مجھے دیکھ کر تمھارے دل میں ندامت یا دہشت کی جو کیفیت

پیدا ہوئی، خدا کے لئے اُس کو معاف کر دو۔“

یہ سو ہی نہیں جس کے ساتھ امام نے بالکل خلاف توقع برتاؤ فرمایا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ اُس زمانہ میں جس کسی نے اس قرض کو سنا ہوگا اضطرابِ امام کی طرف سے اُس کے دل میں جو کیفیت پیدا ہوئی ہوگی اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ آج بھی میں نہیں سمجھتا کہ اس واقعہ کو سن کر سننے والے میں سنسنی نہ پیدا ہو جاتی ہو، میں دوسروں کی تو نہیں کہتا خود میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اب آپ ہی بتائیے کہ اپنی امانتوں کو محفوظ کرانے کے لئے لوگوں کو امام سے زیادہ بہتر آدمی اور کون مل سکتا تھا اور کچھ اس قسم کا سلوک ان کا کسی خاص طبقہ کے ساتھ محدود نہیں تھا اتفاق ہو، فاجر ہو، حتیٰ کہ عقیدے کے اتحاد کی بھی امام کے حسن سلوک کے لئے شرط نہ تھی۔ کون نہیں جانتا کہ امام ایک پختہ اعتقاد سنی تھے۔ لیکن کچھ دیر پہلے گزر چکا کہ ایک شیعہ کو حضرت امام فارسی میں فرماتے۔ ”توبہ! نہ بد مردست ہیں۔“

امام کی یہی ہر دل عزیزیاں جو ان کے ان قدرتی کمالات کے لازمی نتائج تھے بعضوں کا ان کو محسوس بھی بنا دیا تھا، ماسدوں کا گروہ شہر کے غنڈوں شہدوں کو آمادہ کر کے کبھی کبھی امام کو بڑی بھلی باتیں بھی سنوایا کرتا۔ لیکن ایسی کوئی روایت نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ کبھی امام نے ان لوگوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا ہو۔ سوانح نگاروں نے مستبذ واقعے سے اس قسم کے بیسیوں واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ بعض واقعات اس سلسلہ میں عجیب اور دلچسپ ہیں۔ لکھا ہے کہ ان ہی غنڈوں میں سے ایک شخص نے امام کا برسرِ راہ سخت سُست کہتے ہوئے پیچھا کیا چاہتا تھا کہ امام بھی اس کی یادہ گویوں کے جواب میں کچھ کہیں۔ لیکن بجائے اس کے سر جھکاتے امام صاحب گھڑی کی طرف بڑھتے رہے حتیٰ کہ گھر میں گھس گئے۔ غنڈا امام کی اس حرکت پر کچھ کھسیانا سا ہو کر کہنے لگا کہ

کیا مجھے کوئی کتا فرض کر لیا ہے کہ بھونک رہا ہوں اور جواب بھی نہیں دیتے ہو۔
کہتے ہیں کہ اُس کے بکنے پر ہلکی سی آواز اندر سے آئی کہ اور کیا سمجھو؟ اسی قسم کے
ایک واقعہ میں بیان کیا گیا ہے کہ امام جب اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے تب خطاب
کر کے اُس سے فرماتے گئے۔

لو بھائی! اب میری حویلی آگئی۔ اندر چلا جاؤں گا، جی اگر نہ بھرا ہو تو امیر
ٹہر جاتا ہوں، اپنی بھڑاس اچھی طرح نکال لو۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے جوابوں کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے وہ امام کے سامنے بھی پیش آتا تھا
یعنی بسا اوقات اس قسم کے لوگ اپنے کئے پر نادم ہو کر تائب ہو گئے۔

اسی قسم کے ایک شرابی کا قصہ عام طور پر مشہور
بھی ہے، موچی تھا امام کے پڑوس میں رہتا
تھا۔ دن بھر بازار میں کام کرتا، لوٹتے ہوئے پیٹنے پلانے کا سامان لے کر گھر آتا۔ رات بھر نشہ کی حالت میں
بکواس لگایا کرتا۔ مشہور ہے کہ اس شعر کو بکثرت نشہ کی حالت میں پڑھتا۔

اضاعونی واتی اضاعوا نیوم کریہۃ و سداد ثغرا
یعنی لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا اور کیسے گبر و جوان کو ضائع کیا۔ کٹھن دلوں میں
اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت میں ہو کام آ سکتا تھا۔

محلہ والے اُس کی ان ہنگامہ آرائیوں سے تنگ تھے آخر پولیس ایک دن اس موچی کو پکڑ
کر لے گئی اور بے چارا جیل چلا گیا۔ رات جب ہوئی تو امام کے کالوں میں اُس کی آواز حسب
دستور نہ آئی، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ قید ہو گیا کہتے ہیں کہ اپنے اس فاسق و فاجر پڑوسی
کی اس مصیبت سے امام اس درجہ متاثر ہوئے کہ خلاف دستور اپنے بلند مقام کا خیال کئے
بغیر سیدھے کچہری پہنچے۔ کچہری میں کھل ملی بچ گئی کہ امام ابو حنیفہ آج یہاں کیسے آ گئے ہیں
حاکم کو اطلاع ہوئی اجلاس چھوڑ کر باہر نکل آیا اور جیسا کہ چاہئے بڑی تعظیم و توقیر کے ساتھ
اندر لے گیا۔ امام سے اُس نے پڑھا بھی تھا۔ بہر حال تعجب سے اُس نے پوچھا کہ حضرت کے
قدم رنجہ فرمانے کی وجہ کیا ہوئی۔ سن کر بے چارے کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب امام نے فرمایا
کہ میرے محلہ کا ایک موچی جو میرا پڑوسی ہے پولیس والوں نے اُس کو گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا
ہے۔ میں حاضر ہوا ہوں کہ میری ذمہ داری پر اُسے اب کی رہا کر دیا جائے۔ سبھلا اس میں غصہ

کی گنجائش ہی کیا ہو سکتی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ موچی جب جیل سے باہر آیا تو دیکھا گیا کہ امام اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں اور فرمائے جاتے ہیں۔

کیوں بھائی! میں نے تو تمہیں ضائع ہونے نہیں دیا۔

موچی بے چارہ آنکھیں جھپکاتے کہہ رہا تھا۔

لا یاسیدی و مولای لا ترانی بعد نہیں میرے سردار! آقا! آج کے دن سے آپ مجھے

الیوم افعل شیئا تاخری بہ ایسی حرکتوں میں مبتلا نہ پائیں گے جن سے آپ کو اذیت ہوتی تھی

کہتے ہیں کہ توبہ میں وہ سچا ثابت ہوا۔ امام صاحب کے حلقہ میں آنے لگا۔

۲۲۵ ان صادر من فقہاء الکوفۃ ۲۲۵ تا ایں کہ کوفہ کے فقہاء میں شمار ہونے لگا۔

اور یہ موچی تو خیر بہر حال مسلمان تھا، ہم تو دیکھتے

ہیں کہ حضرت امام کے ابرو کرم و حسن سلوک کی

بارش کئے لئے اسلام کی شرط بھی نہ تھی۔ ابن بشکوال کے حوالہ سے صاحب معجم نے نقل کیا

ہے کہ امام ابو حنیفہ نے

ایک ذمی (یعنی غیر مسلم کی جو اسلامی حکومت کا باشندہ

تھا اس کی ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ کے پاس ایک دن میں

دفعہ سفارش کی چار دفعہ تو امام نے اپنے قاصد کو بھیج کر

سفارش کی پانچویں دفعہ خود گئے اور سفارش کی تا ایں کہ

اس کا کام ہو گیا۔

شفع لذنمی عند المنصور خمس

حرات فی یوم و احد اربع مرات برسو

والخامسة بنفسه حتی قضیت

مصلحتہ ص ۱۶۸ معجم ج ۲

ذمی کی سفارش اور وہ اپنے اعدی عدد ابو جعفر منصور کے دربار میں حقیقت یہ ہے کہ یہ امام

ہی کا کام ہو سکتا ہے نفسیاتی اصول پر سوچنا چاہیے کہ اس قسم کی شخصیت کے ساتھ عوام میں

نیاز و عقیدت کے جذبات جس حد تک بھی پیدا ہوں کیا ان پر تعجب کرنا چاہیے۔

خدا جانے اس زمانہ میں لوگ ان باتوں پر اعتماد کرنے کے لئے تیار

بھی ہوں یا نہ ہوں۔ مگر ایسے روایات مثلاً امام الائمہ ابو بکر زنجری کے

حوالہ سے امام کے سوا خ نگاروں نے یہ روایت نقل کی ہے کہ

ایک صاحب نے امام صاحب سے آکر کہا کہ حضرت مجھے ایک ضرورت پیش

آگئی تھی۔ معاف کیجئے گا میں نے آپ کی طرف سے آپ پر اعتماد کرتے ہوئے

عفو و درگزر

فلاں تاجر کے نام رقعہ لکھا کہ تیس اشرفیاں بطور قرض کے بھیج دو۔ اُس نے بھیج دیں میں نے اس کو لے لیا ہے۔

کہتے ہیں کہ امام نے ان صاحب کی یہ بات سن کر بجائے بگڑنے اور خفا ہونے کے کہا تو یہ کہا "بھائی! میں نہیں سمجھتا کہ کسی سے نفع اٹھانے کا یہ طریقہ کبھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ کو اس سے نفع پہنچا ہے تو مبارک ہو۔" ^{۲۶۵} ^{موفق} اسی قسم کی ایک روایت امام ابوالحسن مرغینانی کے حوالہ سے بھی مورخین نے درج کی ہے حاصل جس کا یہ ہے کہ

جر جان کے گورنر کے نام امام صاحب کے کسی ملنے والے نے ایک خط امام صاحب کی طرف سے لکھا جس میں چار ہزار درم کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ خط پاتے ہی گورنر نے اسی وقت چار ہزار کی رقم روانہ کر دی۔ ^{۲۶۵} ج ۲

اس کی خبر بھی جب امام کو دی گئی تو وہی فرمایا جو پہلے شخص سے کہا تھا اور میں تو کہتا ہوں کہ قطع نظر اس فراخ دلی کے ثبوت کے جو ان واقعات کا لازمی نتیجہ ہے۔ ان ہی واقعات سے اس اعتماد کا حال بھی معلوم ہوتا ہے جو ادنیٰ اور اعلیٰ طبقات میں آپ کو حاصل تھا، آخر خیال کرنے کی بات ہے کہ محض ایک رقعہ پر تیس اشرفیاں اور ان سے بھی زیادہ ایک صوبہ کے والی کا چار ہزار کی خطیر رقم کا حوالہ کر دینا کیا معمولی اعتماد کی شہادتیں ہیں۔

حُسن معاملہ میں نے کچھ دیر پہلے امام صاحب کی تجارت کی یہ خصوصیت بیان کی تھی کہ چیزوں کی قیمت اُن کے پاس مقرر تھی اسی سلسلہ میں لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک دن اتفاق سے امام صاحب اپنی دکان میں موجود نہ تھے تلامذہ جو آپ کی دکان میں کام کرتے تھے اُن میں کسی صاحب نے ایک گاہک کو مقررہ دام سے زیادہ میں ایک کپڑا دے دیا۔ امام صاحب جب آئے اور فروخت کے حساب کو جب دیکھا تو اس کپڑے کی مقررہ قیمت سے معلوم ہوا کہ دام زیادہ سے لے گئے ہیں طالب علم کی طرف آپ نے غیظ کی نگاہ سے دیکھا۔ شننے والوں کا بیان ہے کہ غصہ میں فرما رہے تھے۔

تغیر النام وانت معی فی دکانی ص ۱۹۹ تم لوگوں کو دھوکے دیتے ہو حالانکہ دکان میں میرے ساتھ رہتے ہو کہتے ہیں کہ خریدار مدینہ منورہ کا باشندہ تھا، کپڑا خرید کر وہ مدینہ جا چکا تھا۔ امام کو یہ خیال رہا تھا کہ دھوکے سے یہ دام اُس سے وصول کئے گئے ہیں۔ یعنی اس نے تو اس اعتماد پر کہ امام کی دکان

میں ہر چیز کی مقررہ قیمت ہوتی ہے جو کچھ اُس سے مانگا گیا اُس نے دے دیا اگر اس کو یہ اعتقاد نہ دلایا جاتا تو یقیناً کچھ کم کرانے کی کوشش کرتا۔ بہر حال قصہ کہاں تک صحیح ہے راویوں کا بیان ہے کہ امام نے خاص کر کے مدینہ کا سفر اختیار کیا اور معاملہ کو اُس سے صاف لیا۔ یہ واقعہ آپ کے مناقب کی عام کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

اور یہ تو خیر ایک اصول کی پابندی کا اقتضا تھا۔ ان ہی کتابوں میں لکھا ہے کہ بسا اوقات لوگ اپنا مال امام کی دکان پر بیچنے آتے۔ بیچنے والا اپنے نزدیک نفع وغیرہ رکھ کر ایک دام بتاتا۔ لیکن خود امام صاحب کے نزدیک چیز زیادہ دام کی اگر ہوتی تو بیچنے والے سے فرماتے کہ نہیں تمہارا مال زیادہ قیمت کا ہے اور اصرار کر کے اپنی مشخصہ قیمت کے لینے پر اُس کو مجبور کرتے تھے۔

بہر حال امام کی زندگی کے ان واقعات کے دہرانے سے میرا مقصد یہ ہے کہ امانتوں اور دینیعتوں کے سلسلہ میں مومنین نے جن بڑی بڑی رقموں کا ذکر کیا ہے۔ یہ ظاہر ان پر تعجب ہوتا ہے کہ ایک عام خوش باش شہری پر لوگوں کو اتنا اعتماد کیسے تھا جو اتنی بڑی بڑی رقمیں اُن کے پاس رکھواتے تھے۔

لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ جن واقعات کا ذکر آپ کے سامنے کیا گیا ہے ان کو پیش نظر رکھنے کے بعد انشاء اللہ تعجب باقی نہیں رہے گا۔ جس شخص کے معاملات کی صفائی عام ہمدردی سیرجشی کا یہ حال ہو، اگر دنیا اس کی حفاظت و ضمانت میں اپنے مال کو جمع کراتی تھی تو اس کے سوا ان حالات میں اور ہو ہی کیا سکتا تھا۔

۱۔ صحابہ میں یہ حال حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ یہ حدیث روایت کرتے یعنی فرماتے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد مسلمان ہونے کے مجھ سے ایک دفعہ اور بیعت اس بات کی لی کہ ہر مسلمان کی بھی خواہی کروں گا (النصح لكل مسلم) اسی عہد کے ایثار کی ایک شکل یہ بھی تھی کہ کسی مسلمان سے کوئی چیز اگر خریدتے اور دام و دولت جاتا جو ان کے نزدیک چیز کی خوبیوں لحاظ سے کم ہوتے تو اس کو ہدایت کرتے کہ اتنے دام کم ہیں میرے نزدیک صحیح قیمت اس کی یہ ہے۔ بعض بعض دفعہ ایک ایک چیز کی چیز کی کئی ہزار تک اسی رو و قدح میں پہنچ گئی۔ مگر دنیا اب ان روایتوں کو افسانہ سے شاید زیادہ خیال نہ کرے۔ عام قاعدہ تو یہی ہے کہ خریدار قیمت کو کم کرانے کی کوشش کرتا ہے لیکن جن لوگوں نے اپنی کوشش کا محور صرف اپنے پیغمبر کی ہدایتوں کی تعمیل قرار دینا رکھا تھا وہ اس عام دستور کی پابندی نہ کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۔ اہل امام رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا طرز عمل مسلمانوں کے اسی بھی خواہی پر مبنی تھا۔

اور یہ تو خیر اعتماد و اطمینان کے اخلاقی وجوہ ہو سکتے ہیں، مختلف قرآن و شواہد کی روشنی میں ایک بات میری سمجھ میں جو آتی ہے اگر وہ صحیح ہے تو علاوہ اخلاقی اعتماد کے ایک بڑی اہم وجہ قانونی اعتماد کی بھی نکل آتی ہے اور اسی سے یہ بھی سمجھ میں آجائے گا کہ ان دو یعتوں کی نوعیت کیا تھی؟ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کے عرض کرنے سے پہلے فقہ حنفی کے ایک قانون کو سمجھ لینا چاہیے۔

امانتوں کے متعلق ایک شرعی توضیح

اتنا تو شاید لوگ جانتے ہوں گے کہ علاوہ فصل خصوصیات اور عدل

والانصاف کے مسلمانوں کے قاضیوں کے متعلق چند دوسرے کام بھی اسلامی عہد میں سپرد کئے جاتے تھے۔ جن میں ایک کام یہ بھی تھا کہ اپنے اپنے علاقہ کے یتیموں کی جائداد کو قاضی اپنی نگرانی میں حکومت کی طرف سے لے لیا کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں ذنعات کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مل سکتی ہے مجھے اس وقت اسی سلسلہ کے ایک مسئلہ سے غرض ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ یتیموں کا جو مال قاضی کی امانت میں رکھا جاتا ہے اس مال کی حفاظت کی ایک صورت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ یقرض القاضی اموال الیتامی (قرض الیتامی) قاضی یتیموں کے مال کو قرض پر لگا دیا کرے

وہ یہ بتائی گئی ہے کہ صرف بعد امانت اگر مال رکھا جائے گا تو نقصان ہو جانے کی صورت میں مثلاً چور چرا کرے بھاگے یا اس قسم کے حادثوں کا شکار ہو جائے تو قانوناً اس کا معاوضہ نہیں لیا جاسکتا، کیونکہ امانت میں جو چیز رکھی جاتی ہے اس کو قانوناً اس چیز کا ضامن نہیں قرار دیا گیا ہے۔ یعنی نقصان ہو جانے کی صورت میں اس سے معاوضہ یا تاوان وصول نہیں کیا جاسکتا لیکن بجائے امانت کے وہی مال بطور قرض کسی کو دے دیا جائے تو قرض لینے والا بہر حال اس مال کا ضامن بن جاتا ہے اسی لئے یتیموں کے حقوق کو اتفاقی آفات و حوادث سے محفوظ کر دینے کی یہ صورت نکالی گئی ہے کہ وصولی کے متعلق ممکنہ حد تک اپنے آپ کو مطمئن کر لینے کے بعد یتیموں کے اس مال کو جو قاضی کے پاس بعد امانت رکھا جاتا ہے۔ قرض پر لگا دیا کرے۔ اصلی فائدہ تو اس طریقہ کار کے اختیار کرنے میں یتیموں ہی کا مقصود ہے۔ لیکن ضمناً عام مسلمانوں کے لئے بغیر سودی قرض کی ایک صورت محکمہ قضا میں نکل آتی تھی۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا اس مسئلہ کے مختلف دقیق پہلوؤں کے متعلق فقہ کی کتابوں میں مسائل کئی گئے ہیں لیکن میرے لئے مسئلہ کا صرف اتنا جز کافی ہے۔ یعنی حاصل اس مسئلہ کا

یہی نکلتا ہے کہ امانتوں کو حوادث و آفات سے بچانے کی صورت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نکالی تھی کہ بجائے امانت کے ان کو قرض کی شکل عطا کر دی جاتے۔ ایسی صورت میں وہ شخص جس کے پاس امانت رکھوائی جاتی ہے غیر ضامن امین نہیں بلکہ ضامن قرض وار بن جاتا ہے۔ یہ نقصان ہو جانے کی صورت میں ایک ایک پیسے کے ادا کرنے کا وہ ذمہ دار ہے۔

خیال یہی گذرتا ہے کہ جب امام نے یمینوں کی حفاظت کا یہ قانونی طریقہ پیدا کیا تھا، امام مسلمانوں کی جو امانتیں امام کے پاس رکھوائی جاتی تھیں ان امانتوں کے متعلق بھی اگر حفاظت کے اسی طریقہ کو امام نے اختیار فرمایا ہو تو جہاں تک عقل کا اقتضا ہے یہی ہونا بھی چاہیے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ امانت رکھنے والوں سے صرف اتنی بات کہہ دینی کہ کسی کاروبار میں اس رقم کو لگاؤں تو مجھے اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ گویا ایسی اجازت کو مال کی حفاظت کا قرار دیا جائے تو یہ کہنے کے ساتھ ہی امانت بجائے امانت کے فوراً قرض کی صورت اختیار کرے گی۔ لفظ قرض کا استعمال کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ یہ مسئلہ ہے کہ مضاربیت یعنی محنت کی اور سرمایہ دوسرے کا، اسی معاملہ کو مضاربیت اور قرض کہتے ہیں، کا لفظ بول کر اگر سرمایہ دہ دے کہ مجھے نفع سے بحث نہیں، صرف میرا اصل سرمایہ واپس ہونا چاہیے۔ یعنی مسئلہ کی یہ ہو کہ

شرط دے المال للمضارب کل
الربح کان المال قرضاً۔

(خلاصہ اشباہ و تحاف البعائر ص ۱۲۱)

جہاں تک میرا خیال ہے زیادہ تر امام صاحب کی ودیعتوں اور امانتوں کی یہی نوعیت معلوم ہے۔ اور بظاہر امام صاحب کی اس وسیع تجارت کا یازمہ ہی تھا۔ اس غیر معمولی اعتماد کی بدولت جو اللہ میں ان کو حاصل تھا۔ بکثرت لوگ آپ کی حفاظت میں اپنے سرمایے کو دے دیتے تھے۔ یہ کر کے صرف امانت میں رکھنے کی وجہ سے حفاظت کی ضمانت کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ امام کا دوبار کرنے کی اجازت عموماً امانت رکھانے والوں سے لے کر اس ضمانت کو پیدا کر کے اس طرف ان کے مال کی حفاظت کی انتہائی اطمینان بخش صورت پیدا کر لیتے تھے۔ اور دوسری طرف ان کو وسیع سے وسیع پیمانے پر تجارت کرنے کے لئے اس راہ سے بے گناہ سرمایہ مل جاتا تھا۔

حضرت امام قاضی ابن ابی لیلیٰ کی زندگی

شاید امام کے اسی طریقہ کو دیکھ کر ان کے ہم عصر

رقیب عالم ابن ابی لیلیٰ جن کا تفصیلی حال آگے آ رہا ہے وہ جہاں امام پر الزام عائد کرنے کی مختلف ترکیبیں اختیار کرتے تھے۔ جن میں بعض تو ناگفتہ بہ ہیں ان ہی ترکیبوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص سے امانت امام کے یہاں رکھوائی گئی اور یہ امانت قاضی ابن ابی لیلیٰ ہی کے توسط سے سپرد کی گئی۔ لکھا ہے کہ توڑے پر قاضی صاحب نے اپنی مہر وغیرہ بھی لگائی اور یہ شرط لگا دی گئی کہ اس کو امانت ہی کی مد میں رکھا جائے قاضی صاحب کی یا امانت رکھوائے والے کی یہ بدگمانی تھی کہ باوجود اس شرط کے حسب عادت امام اس سے ضرور استفادہ کریں گے۔ اور یہی گرفت کا موقع ہو گا کہ صاحب امانت کی اجازت کے بغیر اس سے استفادے کا تم کو کیا حق تھا۔ اس کے بعد جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے کارروائی یہ کی گئی کہ ابن ابی لیلیٰ جو اس زمانہ میں کوفہ کے قاضی تھے۔ اُن کے اجلاس میں ایک صاحب نے یہ دعویٰ دائر کر دیا۔ فلاں بن فلاں کی جو امانت ابو حنیفہ کے پاس رکھوائی گئی تھی۔

دفع الی ابنہ یتیم

امام نے اپنے صاحبزادے کے حوالہ امانت کی یہ رقم تجارت کرنے کے لئے کر دی ہے۔

قاضی صاحب تو فکری ہیں تھے۔ فوراً امام کے نام وارنٹ طلبی کا جاری ہوا امام حاضر ہوئے دعویٰ سنایا گیا۔ ظاہر ہے کہ امام جیسی محتاط ہستی اس امانت میں کیسے تصرف کر سکتی تھی۔ آپ نے صاف انکار کیا اور کہا کہ اپنا آدمی بھیج کر دیکھ لیجئے۔ آپ ہی کی تو مہر توڑے پر لگی ہوئی ہے۔ اگر صرف اس امانت میں ہوتا۔ تو مہر کا ٹوٹ جانا یقینی تھا قاضی ابن ابی لیلیٰ سے امام نے کہا کہ اپنا آدمی میرے ساتھ کیجئے۔ چل کر دیکھ لے کہ مہر آپ کی لگی ہوئی ہے یا نہیں۔ آدمی بھیجا گیا۔ اُس کا بیان ہے کہ اس مکان میں جہاں امانت کے رقوم تھے بے شمار تمیلیاں بھری ہوئی تھیں۔ آخر امام نے تلاش کر کے وہ توڑا نکالا دیکھنے والے کا بیان ہے۔

فاذاھی محتومة بهیئتھا ۲۱۹ بحسنہ اپنی مہر کے ساتھ توڑا رکھا ہوا تھا

واپس لوٹ کر قاضی ابن ابی لیلیٰ کے اجلاس میں اس نے جو رپورٹ پیش کی اُس کے

الفاظ یہ تھے۔

نقد رأیت الودیۃ بعینہا میں نے دیکھا کہ جس امانت کے متعلق تصرف بجا کا اقبال

مختومه

پر لگایا گیا ہے وہ بجنہ نہ توڑے کے ساتھ موجود ہے۔

خیر یہ تو اس کی شہادت اس خاص امانت کے متعلق تھی جس کے معائنہ کے لئے عدالت نے اس کو مقرر کیا تھا لیکن اسی کے ساتھ اپنی رپورٹ کے آخر میں امام کی سہمت کے لئے اپنے جس مشاہدہ کو اس نے پیش کیا ہے وہ خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ یعنی آخر میں اسی رپورٹ کے یہ بھی تھا کہ

وعندہ من الاموال والودائع امام ابو حنیفہ کے ہاں تو مالوں کی اور امانتوں کی اتنی
مالا محتاج الی هذا ۲۱۹ کثرت ہے کہ ان کو اس معمولی رقم میں تصرف کرنے کی ضرورت تھی

گو اس کا مقصود تو ان الفاظ کے اضافہ سے یہ تھا کہ جس کے پاس کاروبار میں لگانے کے لئے اتنا بڑا عظیم سرمایہ موجود ہو جسے دیکھ کر وہ امام کے خزانہ میں آیا تھا ایسے آدمی کو اس کی کیا ضرورت ہوگی کہ خواہ مخواہ خیانت سے کام لے کر اپنے بیٹے کو اسی کاروبار کے لئے ایسی چیز دے جس کے دینے کی نہ شرعاً اسے اجازت تھی اور نہ قانوناً۔ لیکن ہمارے لئے سچ پوچھئے تو یہ بھی ایک قسم کا اس دعویٰ کے ثبوت کا گویا وثیقہ ہے کہ عام ودائع اور امانتیں جو امام کے پاس لوگ رکھتے تھے ان کے متعلق تصرف کرنے اور اپنے کاروبار میں لگانے کی اجازت امانت رکھوانے والوں سے حضرت امام لے لیا کرتے تھے۔ اگر واقعہ کی یہ صورت نہ تھی تو "الاموال" کے ساتھ "الودائع" کے لفظ کا وہ ہرگز اضافہ نہ کرتا لیکن چونکہ اس سے واقف تھا کہ امام کے یہاں کی "عام ودیعتوں اور امانتوں کی نوعیت یہی ہوتی ہے۔ اسی لئے اس نے بیان کیا کہ کاروبار میں لگانے کے لئے جس کے پاس امانتوں اور ودیعتوں کا اتنا بڑا عظیم ذخیرہ ہوا ہے قطعاً اس کی ضرورت نہ تھی کہ اس امانت میں دخل اندازی کرے جس کے متعلق اس کی اجازت امانت دار نے نہیں دی تھی۔

بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ امام پر یہ دعویٰ جو دائر کیا گیا تھا کہ اس "مختومہ امانت" کو بھی تجارت میں لگانے کے لئے اپنے صاحبزادے کے حوالہ امام نے کی ہے۔ یہ دعویٰ بھی اسی کی دلیل ہے کہ لوگوں کو عام طور پر یہ معلوم تھا کہ امانتوں اور ودیعتوں کو تجارتی کاروبار میں لگانے کے چونکہ امام عادی ہیں اس لئے حسب عادت انھوں نے اس امانت کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا ہوگا۔ لیکن بے وقوفوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت امام جیسا محتاط آدمی امانتوں کی مختلف نوعیتوں میں فرق کئے بغیر حسب دستور سب کے ساتھ ایک ہی سلوک کیسے کر سکتا تھا۔ اور سوچا جائے تو رپورٹ کے آخری الفاظ سے ایک تاریخی شہادت اس بات کی بھی مل جاتی ہے کہ حضرت امام کے پاس ایسے اموال و ودائع کا بہت بڑا ذخیرہ

رہتا تھا جن سے اپنے تجارتی کاروبار میں وہ مستفید ہوتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ احناف میں امانتوں کے متعلق حفاظت و ضمانت کے اس طریقے کے اختیار کرنے کا عام رواج تھا الخلیب نے تاریخ بغداد میں اگرچہ اپنی عادت کے مطابق قاضی ابو یوسف کے مثالب اور ان کی مذمت میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک صاحب نے قاضی ابو یوسف پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص سے حدیث کی روایت اس لئے جائز نہیں ہے۔

انہ کان یعطی اموال الیتامی میتیموں کا مال مضاربیت پر لوگوں کو دیتا ہے اور مضاربۃ ویجعل الربح لنفسه ۵۸۲ نفع اُس کا خود لیتا ہے۔

سچ کہا ہے کہ کسی نے کہہ بداندیشی "ہمیشہ" ہنر "کو" عیب کی شکل دے دیتی ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے اور واقعہ ہونے میں اس کے شبہ بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ خلیب نے اس روایت کو یزید بن ہارون جیسے محدث جلیل وثقہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے خواہ مخواہ ایک غلط بات قاضی صاحب کی طرف منسوب نہ کی ہوگی۔ مگر یہ بات کہ ان کا یہ فعل میتیموں کے حق میں مفید تھا یا مضر افسوس ہے کہ عدم تفقہ کی وجہ سے وہ یہ نہ سمجھ سکے۔ بلکہ جیسے ایک عامی آدمی اس کو سن کر قاضی صاحب کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ باوجود ہرٹے آدمی ہونے کے یزید بن ہارون بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ صرف "امانت" کی شکل میں اگر میتیموں کے مال کو رکھا جائے تو ضائع ہو جانے کی صورت میں تلافی کی کوئی قانونی شکل باقی نہیں رہتی بجز اس کے کہ رد و دھوکہ کر آدمی بیٹھا جائے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر میتیموں کے ان اموال کو بطور مضاربیت کے کسی کے حوالہ کر دیا جائے۔ یعنی محنت اس کی ہو، اور نفع میں محنت کرنے والا اور تیار مئی جن کا روپیہ ہے دونوں شریک رہیں بلاشبہ نفع کی صورت میں تو میتیموں کا اس میں فائدہ ہے۔ لیکن تجارت بہر حال تجارت ہے۔

۵۸۳۔ فان الربح والنقصان فی التجار

مشہور بات ہے ہو سکتا ہے کہ تجارت میں خسارہ بھی ہو اور نفع بھی لیکن خسارے کی صورت میں نفع تو نفع کبھی اصل سرمایہ بھی ختم ہو جائے۔ جتنی صورت میں بیچارے یتامی پر یہ کتنا بڑا ظلم ہو جائے گا یقیناً اس سے یہ بہتر ہے کہ ان کے اصل سرمایہ کو اصل طوعہ پر محفوظ کر لیا جائے کہ کم از کم اصل سرمایہ بہر حال ان کو مل جائے۔ یہ بتانا ہر معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابو یوسف یہی کرتے تھے۔ یعنی بجائے "امانت" کے اس کو "قرض" کی نوعیت دے کر کاروبار کرنے والوں کو بطور مضاربیت کے دے دیا کرتے ہوں گے

یعنی خود اپنے آپ کو قرض دار قرار دے کر مضارب کے حوالہ اس رقم کو کرتے تھے ایسی صورت میں اگر نقصان بھی ہو جاتا ہوگا تو امانت نہیں بلکہ قرض ہونے کی وجہ سے یتیموں تک اُن کے اصل سرمایہ کو بہر حال پہنچانا قاضی صاحب کے لئے ناگزیر تھا یعنی خود اپنے مال سے اس کی پابجائی شرعاً ان پر واجب تھی اور کٹلی ہوتی بات ہے کہ نقصان کا جو ذمہ وار ہوگا، نفع کا مستحق بھی اسی کو ہونا چاہیے ورنہ نفع کا مستحق قرار دیتے ہوئے نقصان کی ذمہ داری سے علیحدہ ہو جانا ظاہر ہے کہ یہ تو صراحتاً سود اور ربا کی شکل تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یزید بن ہارون یا ان جیسے حضرات آخر چاہتے کیا تھے۔ کیا یہ چاہتے تھے کہ یتامی کے مال کو ایسی حالت میں چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہو تا کہ کسی وجہ سے منافع ہو جائے کی صورت میں اُن کی تلافی کی کوئی شکل نہ نکلتی یا ان کا یہ خیال تھا کہ مسلمان یتیموں کو قاضی ابو یوسف سود خوار بنا دیتے بعد کو میں نے دیکھا کہ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں یزید بن ہارون کے قول کو نقل کرنے کے بعد اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔ کہ

امد کان یقرض منها علی ذمتہ یعنی ابو یوسف یتیموں کے اموال کو خود اپنے ذمہ قرض لے کر لوگوں کو مضاربت پر مے دیا کرتے تھے۔

دیکھا آپ نے کیا یہ وہی بات نہیں ہے جسے حقیر نے عرض کیا، اگر کیا کیجئے کہ یتیموں کے اموال کی حفاظت کا ذریعہ جس طریقہ کار کو قاضی ابو یوسف نے بنا یا تھا، لوگوں نے یتیموں کے حق میں اس کو ظلم قرار دینا چاہا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت امام کی زندگی کے اس پہلو کی طرف کبھی خصوصی توجہ نہیں ڈالی۔ ورنہ نظر آ سکتا تھا کہ سود اور ربا کے بغیر حضرت امام نے بڑے سے بڑے کبیر و پیمانہ پر کاروبار کے جاری کرنے کا ایک اچھا امکان اپنے عمل کے نمونہ سے پیدا کر دیا تھا کہ ایک طرف ان لوگوں کے لئے جن کے پاس مصارف کے بعد پس ماندہ سرمایہ رہ جاتا ہے ان کے لئے اپنے سرمایہ کے حفاظت و صیانت کی ایسی مستحکم قانونی ضمانت کی شکل پیدا کر دی تھی کہ چور چکار اور اسی قسم کے آفات کے کھٹکوں سے اُن کا سرمایہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور دوسری طرف جیسا کہ میں نے عرض کیا بڑے سے بڑے کاروبار کے لئے سرمایہ کے مہیا ہونے کی بھی صورت نکل آتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ سود خوری کے اس طوفانی زمانہ میں پس ماندہ سرمایوں کی حفاظت کا مسئلہ ظاہر ہے کہ

بلکہ ان اعداد و شمار کو جو حضرت امام
کے ودائع اور امانتوں کے متعلق

بلکہ ان اعداد و شمار کو جو حضرت امام
کے ودائع اور امانتوں کے متعلق

میں نے لکھے ہیں۔ جب ان کو سوچتا ہوں، اور حضرت امام کی جو ساکھ قدرتنا ملک میں قائم
کی تھی جب اُس کو سامنے رکھتا ہوں تو یہ تصور کرنے میں مجھے کچھ مضائقہ محسوس نہیں ہوتا
امام کی تجارتی کوٹھی موجودہ زمانے کے بڑے سے بڑے بینک کی قائم مقامی کرتی تھی میں نے
بھی کہا تھا کہ جن اعداد کا مورخین نے ذکر کیا ہے یہ اُن امانتوں کی تعداد تھی جو امام کی وفات
بعد ان کے گھر سے نکلی ایک ایسا آدمی جو ستر سال کی عمر تک پہنچ گیا ہو، اور ہو وہ حضرت امام
محتاج۔ یقیناً اُس کے متعلق یہی باور کرنا چاہیے کہ اپنی عمر کے اس آخری زمانہ میں حتی الوسع
داریوں سے سبک دوش ہونے میں کوشش کا دقیقہ فردگذاشت نہ کیا ہوگا۔ لیکن ایسا معلوم
ہے کہ ان کا کاروبار اتنا پھیلا ہوا تھا کہ سیٹے سیٹے بھی آخر چار پانچ کروڑ کی امانتیں ایسی
تی تھیں جو ادا نہ ہو سکیں۔ لیکن ان کے ادا کرنے کا سامان امام کرچکے تھے۔ پس اگر یہ صحیح
کہ وفات پانے کے بعد امام کے ہاں سے پانچ کروڑ کی امانتیں برآمد ہوئیں تو یہ تسلیم کرنا

ت نہیں رکھتا کیونکہ علاوہ حفاظت کی ضمانت کے موجودہ بینکوں میں ان سرمایہ داروں کو مزید برآں کافی سود کی ہوتی ہے۔ مگر بینکوں کا موجودہ نظام جس زمانہ میں نہ تھا اُس وقت اس لیے ماندہ سرمایہ کی حفاظت کا فی اہمیت رکھتا تھا بلکہ بینک کی تاریخ بتاتی ہے کہ حفاظت ہی کی اہمیت نے تبدیلی بینک کی موجودہ ریت پیدا کی لیکن افسوس ہے کہ انفرادی سود خوار چوروں سے تو بینکوں نے لوگوں کو مطمئن کر دیا مگر یہ بچوں از چنگال گرگم در ربودی و ندانم ما قہست خود گرگ بودی

خود بینک کے نظام نے ایک بہت بڑے خطرناک اجتماعی ڈاکوؤں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یاد پڑتا ہے کہ
سے چند سال پہلے لندن میں سرمایہ دشمن اشتراکیوں نے اپنا ایک جلوس نکالا تھا۔ اخباروں میں خبر آئی تھی۔
اے والے ایک فقرے کو دہراتے تھے۔ کہتے کہ چیتھڑے سے کاغذ، کاغذ سے نوٹ، نوٹ سے بینک، بینک سے
سے افلاس سے چیتھڑا، پس چیتھڑے سے چیتھڑا پیدا ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ان ہی بنکوں کی وجہ سے
پیدا ہو گیا ہے کہ ہر شخص سود خواری کی انجمن میں شریک ہو کر سود خوار بن سکتا ہے۔ خواہ دنیا میں وہ کوئی
کرے یا نہ کرے۔ حالانکہ انفرادی سود خواری کے زمانہ میں سود خواروں کا گروہ دوسرا کام مشکل ہی سے
سکتا تھا۔ بہر حال یہ ایک الگ مسئلہ ہے جس کی بحث کا یہاں مقام نہیں ہے۔

چاہیے کہ عام دلوں میں ان امانتوں کی تعداد مذکورہ بالا رقم سے اضعاً مضاعفہ کہیں زیادہ ہو۔ امام کی تجارتی کوٹھی جس احاطہ میں تھی اُس کا حال گذر چکا کہ کوفہ کا وہ دار کبیرہ تھا۔ خصوصیت کے ساتھ مختلف تاریخی واقعات کے ذکر میں اس مکان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

بہر حال اتنا یقینی ہے کہ امام کی تجارت کوئی معمولی تجارت نہ تھی اور نہ معمولی سرمایہ سے وہ جاری تھی۔ جس کا علاوہ مذکورہ بالا باتوں کے ایک بڑا ثبوت خود امام کے خیراتی یا دوسرے مصارف میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام نے اتنے وسیع پیالے کے کاروبار کو جو اختیار فرمایا تھا، اُس کے اندرونی محرکات کیا تھے؟

یہ سچ ہے کہ وہ حکومت کی آمد سے بے نیاز رہنا چاہتے تھے۔

اربابِ حکومت کی امداد سے بے نیازی

اور اس کا اظہار مختلف طریقوں سے وہ خود بھی کیا کرتے تھے۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے انجیل تک نے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ بکثرت ان دو شعروں کو پڑھا کرتے تھے ۲۵۹ ج ۱۳

عطاء ذی العرش خیر من عطاءکم
عرش دانے کی داد تمہاری داد و دہش سے بہتر ہے
انتم یکدم ما تعطون منکم
تم لوگ (حکومت والے) جو کچھ دیتے ہو اس کو گدلا کرتے ہو
ومسبہ واسع یروجی ویتنظر
اسکی ابرکرم فراخ ہے جس امیدیں بستہ ہیں وہیں انتظار کیا جائے
واللہ ليعطی بلا من ولا کدرا
اور حق تعالیٰ دیتے ہیں جس میں احسان قبلانے کی ادائیگی
ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کی کدورت اُس میں ہوتی ہے

ظاہر ہے کہ ”کم“ تم لوگ سے مراد ان اشعار میں اس زمانہ کے اربابِ حکومت ہی ہیں۔ یہی لوگ جن کی طرف اشارہ کر کے امام صاحب فرمایا کرتے تھے۔

لواد انی اخاف ان الی الی ہولاء
اگر مجھے اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ ان لوگوں کے سامنے
ما مسکت درہما واحداً من اقبالی تادیۃ
پھیلا نا پڑے گا تو ایک درہم بھی اپنے پاس میں روک نہ سکتا

ذیل جواہر المصنیۃ

دوسروں نے بھی بیان کیا ہے کہ:-

سلفِ طبری میں دیکھتے زید بن علی کا مقابلہ جب فی امیہ کے گورنر یوسف بن عمرو سے ہوا تو جہاں جہاں کوفہ کے محکمات
میں لڑائی ہوئی۔ ایک مقام کا ذکر دارِ عمرو بن حریث سے بھی کیا گیا ہے۔ اس سے بھی اس مکان کی اہمیت ظاہر ہے۔

كان ابو حنیفة زهد الناس فی . ابو حنیفہ حکومت سے ایک ایک درم تک کے لینے میں
درہم یا خذل من السلطان ص ۲۱۳ متوفی ج سبب سے زیادہ محتاط تھے ۔

ان کے دیکھنے والوں نے اس کی شہادت دی ہے کہ

لم یأخذ ابو حنیفة من سلطان . امام ابو حنیفہ نے حکومت والوں سے نہ کبھی ایک
قطر دس ہمارا دینا د ۲۱۳ درم ہی لیا اور نہ اشرفی

لیکن اسلامی علماء و محدثین و فقہاء کی تاریخ کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے
ہیں کہ حضرت امام اصرار جو سے ترک موالات کے اس مسلک میں متفرد نہ تھے۔ جس زمانہ سے
”ملوک عضو“ کا دور شروع ہوا تقریباً ہر قرن میں ایک کافی تعداد اہل علم و تقویٰ کے
گروہ میں ان لوگوں کی پائی جاتی ہے جنہوں نے حکومت اور اس کے خزانے کی طرف نگاہ غلط
انداز والی بھی کبھی پسند نہیں فرمائی۔ گزشتہ اوراق میں سفیان ثوری اور مسعر بن کدام رحمۃ اللہ
علیہما کا ذکر آچکا ہے جو امام کے ہم وطن و ہم عصر تھے۔ یہی مشرب ان دونوں کا تھا۔ اور زیبا
بصر اسی مسلک کے یہ حضرات پابند رہے۔

سوال یہ ہے کہ صرف اتنی بات کے لئے۔ یعنی حکومت کی امداد کے لینے پر مجبور نہ ہونا پڑے
اس کے لئے امام کو اتنے بڑے طول و طویل کا روبار کے پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس قسم کے
حضرات نے ہمیشہ اس مسئلہ کو ”اجملوا فی الطلب“ یعنی دنیا کے طلب کرنے میں اجمال مختصر
گیری سے کام لو، پر عمل کر کے حل کیا ہے۔ ان ہی مسعر بن کدام کا ایک دلچسپ فقرہ مایگوں
میں نقل کیا جاتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے۔

من صبر علی الخذل والبخل لم یستغبد . جس نے سرک اور بھاجی پر سیر کرنے کا مادی اپنے آپ کو
(مشاجہ تذکرۃ الحفاظ) بنا لیا وہ کبھی غلام نہیں بنایا جائے گا !

جن لوگوں پر ”آزادی“ و ”حریت“ کا یہ بار واضح ہو چکا تھا وہ حاجتوں میں مختصر ہو جانے یا
ہرچہ گیرید مختصر گیرید کے فلسفہ کو چھوڑ کر خواہ مخواہ اس جال جنجالی کی جھنجھٹوں میں اپنے آپ کو
کیوں مبتلا کرتے خصوصاً امام کی اس عقل دور اندیش کے ساتھ جس کے چرچوں سے مسلمانوں
کی عملی تاریخ کی کتابیں معمور ہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مادی لذات کھانے پینے وغیرہ کے
تکلفات کی خواہش بھی امام میں نہیں پائی جاتی تھی۔

سے زیادہ سے زیادہ کسی شوق کا انتساب امام کی طرف اگر کیا جاسکتا ہے تو وہ لباس کا شوق ہے بیان کیا

امام صاحب کے مجاہدات و ریاضات اور خانگی زندگی

بہر حال کسی دینی جذبہ کا اقتضاء امام کے اس وسیع کاروبار کو قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی سچ تو یہ ہے کہ امام کے جن مجاہدات و ریاضات کا تذکرہ کتابوں میں کیا جاتا ہے۔ ان کو دیکھتے ہوئے تو یہی کہنا پڑتا ہے جیسا کہ پہلے کہا بھی گیا ہے کہ

کان جہادہ کلہ لای قبر (جو اللہ کی بنیاد پر جہاد ہے) ان کی ساری کدو کاوش کا رخ قبر ہی کی جانب تھا

الذابی جو امام سے اقتدار کا تعلق نہیں رکھتے ان کو بھی یہ لکھنا پڑا کہ

امام کی تہجد اور شب بیداری کے واقعات اتنی کثرت سے بیان کئے گئے ہیں کہ وہ

حد تو اتر کر پہنچے ہیں۔

انہوں نے لکھا ہے کہ

من ثم یبھی الوتک من کثرة قیامہ تنب بیداری اور اس کے قیام ہی کی وجہ سے امام ابوحنیفہ

بقیہ فتاویٰ ص ۱۱۳ جاتا ہے کہ امام کے لباس کی قیمت کبھی کبھی ہزار ہزار اور پانچ پانچ سو درہم سے زیادہ تخمینہ کی گئی ہے

و دیکھو مناتب موفی ص ۱۳۹ لیکن اس کا راز کیا تھا لوگوں نے اس کے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں۔ مگر

ہو سکتا ہے کہ علاوہ ان وجوہ کے یعنی خدا کے دربار میں جانے کے لئے امام صاحب کا خیال تھا۔ جیسا کہ

ان ہی سے نقل کیا گیا ہے کہ سلاطین کے دربار سے زیادہ تکلف کرنا چاہئے۔ بعضوں نے یہ بھی

لکھا ہے کہ دوسروں کو بھی حکم دیتے کہ خدا کی نعمتوں کو چاہئے کہ انھیں بخش جائیں انھیں ظاہر کرے۔ حدیث

میں بھی اس کا حکم آیا ہے۔ پچھلے پرانے حال میں ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا تو آپ نے اس کا حال پوچھا

لو کہ میں ہال دا خوش حال آدمی ہوں اس وقت بھی امام نے اس حدیث کی تعمیل کی طرف اس کو توجہ دلائی لباس کے تکلف سے ان کا

ایک مقصد شاید یہ بھی ہو۔ لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ ارباب حکومت کے سامنے یہ ظاہر کرنا چاہتے کہ تمہاری امداد سے بے نیاز

ہو کر بھی آدمی اچھے حال میں رہ سکتا ہے قاضی ابو یوسف کی سواری کے تکلفات کو دیکھ کر کسی نے اعتراض کیا۔

انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ میں دکھانا چاہتا ہوں کہ علم دنیا میں بھی آدمی کو کتنی بلندی و رفعت عطا کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک شریفہ کتابوں میں نقل کیا جاتا ہے کہ امام کے پردوں میں ایک صاحب کا مکان تھا۔ امام صاحب کا جب

انتقال ہو گیا تو اسی پردے کے چھوٹے بچے نے اپنے باپ سے پوچھا ابا! سامنے کی چھت پر ایک ستون نظر آتا تھا۔ کیا ہو گیا

نظر نہیں آتا۔ باپ نے کہا بھئی! وہ امام ابوحنیفہ تھے رات بھر کھڑے ہو کر وہی نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ وہ ستون گر گیا۔ امام صاحب

کی وفات ہو گئی۔

باللیل ۱۶۵ مہم کو لوگ و تدریج بھی کہتے تھے۔

یہ مشہور امام ابو عاصم نبیل کا فقرہ ہے، الذہبی نے امام کے ختم قرآن کے عجیب و غریب واقعات کی طرف اشارے کئے ہیں جو آدمی کی سمجھ میں نہیں آتے ہیں اس حکایت کا کہ جس مقام پر امام کی وفات ہوئی وہاں پر انھوں نے سات ہزار دفعہ قرآن ختم کیا تھا، الذہبی نے بھی تذکرہ کیا ہے۔ بہر حال ممکن ہے کہ بعض واقعات میں مبالغہ ہو، عام قاعدہ یہی ہے کہ اس قسم کے قصوں میں مبالغہ سے کام عموماً لیتے ہیں، کچھ بھی ہو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امام کے متعلق یہ خیال کسی حد تک صحیح نہیں ہو سکتا کہ مالی جدوجہد تجارتی کاروبار کے سلسلے میں وہ جو کچھ کر رہے تھے جذبہ دنیا طلبی کی تسکین کے لئے کر رہے تھے اگر دنیا طلبی ان کے پیش نظر ہوتی تو دنیا امویہ اور عباسیہ دونوں حکومتوں کے زمانہ میں منہ پھاڑے ان کے سامنے بار بار آتی لیکن امام نے استغنا کی ٹھوکروں کے سوا اس کا کوئی جواب نہیں دیا جس کے تفصیلات عنقریب انشاء اللہ آ رہی ہیں، اور عام طور پر تو اتر اور استغنا کی شکل میں امام کے یہ استغنائی قصے مشہور و معروف ہیں یوں بھی مورخین کا وہی گروہ جو ان کی تجارت اور دولت کے یہ قصے سناتا ہے۔ ان ہی کی زبانی ہم یہ بھی تو سنتے ہیں کہ بعض مواقع پر امام اپنے ذاتی صنف ماہوار کو بتاتے ہوئے خود فرماتے تھے کہ

انما قوتی فی الشہر دس ہمان میری ذاتی خوراک بیٹے میں دوسرے زیادہ نہیں ہے
فمراة السویق و مراة الخبز ۱۶۸ مہم کبھی ستر کبھی روٹی

ارزائی کے اس زمانہ میں ان لوگوں کے لئے جنھوں نے بقل (بھاجی) اور خل (سرکہ) پر صبر کیا شاید چنداں محل تعجب بھی نہیں ہے۔ یہی حال ان کے گھر کے ساز و سامان کا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ سہل بن مزاحم کے حوالہ سے ارباب مناقب نے نقل کیا ہے کہ
کنا ندخل علی ابی حنیفۃ فلا نری ہم امام ابو حنیفہ کے پاس حاضر ہوتے تو ان کے گھر میں
فی بیتہ الا البواری ۱۶۹ مرفق چٹائیوں کے سوا اور کچھ نہ پاتے۔

۱۷ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ امام بے چھے آٹے کی روٹی عموماً کھاتے تھے۔ مرفق ۱۷۰ ج ۱

۱۸ جہاں تک میل خیال ہے دوسرے ماہوار والی روایت کا نظام کسی خاص زمانہ سے تعلق معلوم ہوتا ہے، یہ کہنا بہت ہی دوسری روایتوں کی تکذیب ہوگی کہ ان کے دواہی خوراک کا ماہوار موازنہ ہمیشہ دوسرے زیادہ نہ تھا۔

اور یوں بھی دیکھا جائے تو امام پر کسی بڑے خاندان کا بار بھی نہ تھا، ان کی اولاد میں حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کے سوا اور کسی لڑکے یا لڑکی کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے اپنی پوری زندگی انھوں نے ان ہی حماد کی والدہ یعنی ایک ہی بوی کے ساتھ گزاری۔ بیان کرنے والوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ عباسی خلیفہ منصور سے جب تک تعلقات زیادہ خراب نہیں ہوئے تھے اور منصور بھی امام سے بالکل مایوس نہیں ہوا تھا۔ تو ایک دفعہ امام کے پاس دس ہزار درم نقد کے ساتھ ایک جوان جاریہ (شرعی لونڈی) بھی بطور تحفے کے بھیجی روپیہ کو جیسے مختلف جیلوں سے امام نے پہلے واپس کیا تھا، اب کی بھی واپس فرما دیا اور لونڈی کو واپس کرتے ہوئے آپ نے کہلا بھیجا۔

انی قل صنعت عن النساء وکبرت
فلا استحل ان اقبل جاریة الا اصل
الیہا ولا اجترئی ان ابیع جاریة
خر جت من ملک امیر المومنین ص ۲۱۶
موفق
میں عورتوں کے معاملہ میں کمزور ہو چکا ہوں بڑھا ہو گیا ہوں
ایسی صورت میں جائز نہ ہوگا کہ میں اس جاریہ کو قبول کر لوں
جس کے کام کا میں نہیں رہ گیا ہوں اسی کے ساتھ اس کی بھی
جسارت نہیں کر سکتا کہ امیر المومنین کے ملک سے جو جاریہ نکلی
ہے اسے میں فروخت کر ڈالوں۔

جیسا کہ معلوم ہے امام جیلوں میں بھی غلط بیانی سے کام نہیں لیتے تھے۔ اس لئے یقین کرنا چاہیے کہ اپنے جس حال کا تذکرہ اس بیان میں عورتوں کے متعلق فرمایا ہے وہ ایک واقعہ کا اظہار تھا۔

امام کے تجارتی مساعی کے محرکات
بہر حال بات بہت طویل ہوتی جا رہی ہے
اور جو کہنا چاہتا ہوں اب تک اس کے کہنے
کا موقع ہی نہیں آ رہا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ امام کی اس تجارتی جدوجہد کی تہ میں جہاں تک
میرا خیال ہے درحقیقت وہی جذبہ پوشیدہ تھا جس کا ذکر ان کے ایک پُرانے مہجبت یافتہ

بلکہ اس قسم کے واقعات جو بیان کئے جاتے ہیں کہ معمولی معمولی شہ پر تیس تیس ہزار بلکہ ایک دفعہ تو ستر ہزار کی رقم
امام نے فوراً خیرات کر دی کہ شرعی قانون کی وجہ سے ان کے تجارتی نمائندہ نے معاملہ صحیح نہیں کیا تھا۔ کیا ایسے آدمی کو
دنیا کا طالب قرار دینا بجز مجنوں کے اور کسی کا کام ہو سکتا ہے ان کی تمام سوانح عمریوں میں آپ کو یہ واقعات
مل سکتے ہیں۔ دیکھتے موفقی کی مناقب ص ۲۱۶ ج ۱ اور ص ۱۹۵ ج ۱

بلخی تلمیذ یعنی سلم بن سالم نے کیا ہے۔ امام موفّق نے سلم کے متعلق یہ ذکر کرتے ہوئے کہ
 "اہل بلخ کے یہ امام ہیں، ابو حنیفہ کی صحبت میں زمانہ تک رہے اور بہت سے مسائل
 امام کے ان سے مروی ہیں امام کے بلخی تلامذہ ابو مطیع اور مقاتل بن سلیمان کے اصحاب
 و تلامذہ ہیں۔"

بہر حال ان ہی سلم بن سالم نے یہ بڑے پتہ کی بات بیان کی ہے کہ

لَقِيتُ مِنْ لَقِيتِ الْمَشَاحِجِ الْكُبَارِ
 فَلَما احْبَلْتُ اَشَدَّ حَرَمَةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ابْنِ حَنِيفَةَ ص ۲۳۸ موفّق
 میں نے بڑے بڑے علماء سے ملاقاتیں کیں، لیکن رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے احرام کا جذبہ جتنا شدید
 امام ابو حنیفہ میں پایا اُس کی نظیر کہیں نظر نہیں آتی۔

میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ

اہل حق مظلومین کے ساتھ امام کی ہمدردیاں

اور ان کی فطرت کا یہی اقتضا تھا جس نے ان سے وہ سب کچھ کرایا ہم جس کا ذکر آگے کرنے والے
 ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا درد اس پر امرار "جور" کی طرف سے جو مظالم ہو رہے تھے یہی
 چیز تھی، جو انہیں بے چین رکھتی تھی ہم دیکھتے ہیں کہ اُمت محمدیہ کی اس مصیبت کے ازالہ میں
 امام سے پہلے جن جن لوگوں نے کام کیا تھا اور "امرار" جو "حکومت کے نوادہ" پشتے سے ان بچاؤ
 کے گئے گھونٹ گھونٹ کر رکھ دیئے تھے۔ بیان کرنے والوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام جب ان
 مظلوموں کا ذکر کرتے تو بے اختیار ہو کر رونے لگتے۔ ان شہیدانِ راہ و فا کا تفصیلی ذکر تو اَلشَّارِ اللہ
 آئندہ کیا جائے گا۔ لیکن ان کے ذکر پر امام کا کیا حال ہوتا تھا۔ تاریخ کی شہادتیں سن لیجئے ان کے
 سامنے پہلی قربانی اس راہ کی حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
 پیش کی۔ لیکن نبی امیہ کی قاہرہ فوج نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ راوی کا بیان ہے۔ میں نے پہلے بھی
 اس کو نقل کیا ہے۔

کان یسبکی کلمسا ذکر مقتد موفّق ص ۲۱۱ زید بن علی کی شہادت کا جب نام ابو حنیفہ ذکر کرتے تو رونے لگتے

زید کے بعد اپنے نانا کی اُمت کی خبر گیری کے لئے اہل بیت ہی کے خاندان سے حضرت امام حسن
 کے پوتے محمد بن عبداللہ جو "نفس زکیہ" کے نام سے مشہور ہیں مدینہ میں کھڑے ہوئے عباسی خلیفہ منصور
 کے بھائی یحییٰ کے ہاتھوں وہ بھی ختم کر دیئے گئے۔ عبداللہ بن زبیر کے صاحبزادے حسن کا بیان ہے کہ
 سرائیت ابی حنیفہ و ذکر محمد بن عبداللہ میں نے ابو حنیفہ کو دیکھا وہ محمد بن عبداللہ بن حسن کا

بن حسن بعد ما اصاب وغینا ۵ تذکرہ ان کی شہادت کے واقعہ کے بعد کہہ رہے تھے اور
قد معان ص ۲ ج ۲ موفق ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

ان ہی محمد النفس الزکیہ کے برادر حقیقی ابراہیم بن عبد اللہ نے بعمرہ سے جب عباسیوں
کے خلاف علم بلند کیا۔ اس وقت بھی امام نے جو کچھ کیا وہ تو ان کی زندگی کا خاص واقعہ
ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آرہی ہے۔

پھر اسی راہ میں ان کے ایک دوست اور جیسا کہ بعضوں کا بیان ہے کہ ان کے شاگرد
ابراہیم بن یحییٰ بن الصالح عباسیوں کے طاغیہ ابو مسلم کے حکم سے جب شہید ہوئے تو
ابو بکر الجصاص نے حضرت عبد اللہ بن المبارک کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

لما بلغ ابا حنیفۃ قتل ابراہیم ابو حنیفہ کو جب ابراہیم صالح کی شہادت کی خبر ملی
الصالح بکی حتی ظننا انه سیموت تو رونے لگے اور اس قدر روئے کہ ہم لوگوں کو خیل ہونے
ص ۲۳ ج ۲ احکام القرآن لگا کہ عنقریب یہ مرجائیں گے

صاحب معجم نے تبیض الصحیفہ کے حوالہ سے یہ واقعہ درج کیا ہے کہ ایک دن امام ابو حنیفہ
اور ابن السکمر کو دیکھا گیا کہ چپ چاپ کچھ باتیں کر رہے ہیں اور باتیں کرتے کرتے دونوں ابل

لہ کو فہ کے مشہور بزرگوں میں ان کا شمار ہے حضرت امام کے معاصرین میں ہیں۔ نام ان کا منصور اور کنیت ابو عتات
تھی، امام صاحب سے آٹھ سال پہلے ۲۲۵ ھ بمطابق ۸۴۰ء وفات پائی ان کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ بنی امیہ کے اسی
گوہر ابن سبیہ نے جس نے حضرت امام کو تازیانے کی منرا حکومت کے عہدہ کے قبول کرنے کی وجہ سے دی تھی اسی
نے ابن السکمر کو بھی قضا پر مجبور کیا۔ مجبور کرنے کی وجہ سے عدالت کے کمرے میں بیٹھنے کو تو بیٹھ گئے مقدمہ پیش ہوا فریقین کا
بیان سن کر کہتے: تم لوگوں کی باتیں سمجھ میں آگئیں، لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب میں کیا کروں ابن سبیہ نے یہ
حال سن کر چھوڑ دیا رصفۃ الصفوہ ص ۶۳ ابن جوزی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی والدہ کو جب معلوم ہوا کہ کو فہ کا والی
ان کے بیٹے کو قاضی بنانا چاہتا ہے لیکن وہ انکار کرتا ہے تو بہت گڑبڑیں۔ لیکن انھوں نے جواب میں فرمایا۔

”اماں جس بات کو میں جانتا ہوں، آپ نہیں جانتی ہیں صفوۃ ص ۶۴

ابن سعید نے لکھا ہے کہ ابن السکمر کہتے تھے مجھے امی نے یہ واقعہ ہے کہ علم کو کسی اچھی نیت سے حاصل

نہیں کیا تھا، لیکن علم نے میری نیت کو درست کر دیا۔ (ابن سعد ج ۲)

ہر حال واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک بھی امامی کا مسلک تھا اسی سے حکمرانوں کی کشمکش بھی جاری تھی

پڑتے ہیں روتے ہیں پھر باتیں کرتے ہیں جب ان کی گفتگو ختم ہو گئی تو امام کے لوگوں میں سے ایک صاحب نے پوچھا کہ آپ دونوں حضرات کس بات پر رو رہے تھے جواب میں امام نے فرمایا ۔

ذکرنا الزمان وغلبۃ اهل الباطل

صلی اہل الخیر فکثر ذلک بکاء فانہ ۱۷۵

بہر حال ان تاریخی یادداشتوں کی روکشی میں حضرت امام کے فطری رجحانات کا باآسانی پتہ چلا یا جا سکتا ہے۔ اور میرے نزدیک تو حضرت امام کی زندگی کے سارے واقعات کی توجہ و تاویل ان کے قلب کے ان ہی کیفیات سے ہو سکتی ہے اب آپ اپنے سامنے ایک طرف تو سلم بن سالم کے گذشتہ مشاہدہ اور تجربہ کو رکھ لیجئے یعنی دنیا نے اسلام کے جن جن علما رکبار سے وہ ملے کسی میں اُمت محمدیہ کے احترام کا جذبہ ابو حنیفہ کے مانند ان کو کہیں نظر نہ آیا اور یہی سلم بن سالم جنہوں نے امام کے ساتھ اپنی زندگی کا کافی زمانہ گزارا ہے وہ اپنا ایک دوسرا تجربہ امام ہی کے متعلق یہ نقل کرتے تھے کہ

ولم ادا حل اذوافق قوله فعلم
یعنی ان بڑے بڑے بزرگوں میں جن سے میری ملاقات ہوئی
کسی ایسے آدمی کو نہ پایا جس کا قول اس کے فعل سے اتنا مطابق
الا ابو حنیفۃ ص ۲۴ ج ۱ موثق

اور موافق ہو جتنا ابو حنیفہ کا قول ان کے فعل کے مطابق تھا

اب اسی سے اندازہ کیجئے کہ جس شخص کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ کا اتنا درد اور اتنا احترام ہو کہ اس کے ہم عمروں میں مشکل ہی سے اس کی نظیر مل سکتی تھی اور پھر اس کا قول بھی عمل سے اتنا مطابق ہو کہ اس باب میں بھی کم از کم سلم کے تجربہ میں کوئی دوسرا آدمی اس زمانہ میں نہیں تھا۔

حضرت امام کے حلم و قار کا ایک واقعہ

اور اُسی کے ساتھ اس کو سوچئے کہ جو نظام ملوک جو را اور امرا و عسوف سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ہو رہے تھے۔ ان نظام کی یاد جس کے دل کو ٹپک دیتی ہو کہ باوجود اس حلم و قار کے جس کے قہر سے ہم کتابوں میں امام کے متعلق پڑھتے ہیں، مثلاً مشہور صوفی حضرت شیعق بلخی سے لوگ یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ

ہم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مسجد میں تھے۔ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی کہ اچانک امام ابو حنیفہ جہاں پر بیٹھے تھے ٹھیک ان کے سر کے سامنے ایک سانپ نمودار ہوا۔ مسجد والوں نے بے اختیار ہو کر سانپ سانپ چہینا شروع کیا

اور کوئی اور بھانجہ گا، کوئی اور بھانجہ گا خود میں بھی بھاگنے والوں ہی میں تھا۔ لیکن امام ابو حنیفہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں اور نہ ان کے چہرے پر تغیر کے کچھ آثار تھے۔

موفق وغیرہ ۱۲۶ھ

بلکہ یہی قصہ عبداللہ بن مبارک سے جو منقول ہے، یعنی اس واقعہ کے وقت وہ بھی تھے ان کا بیان تھا کہ

”سانپ امام کی گود میں گرا، لیکن اس پر بھی اُس بندہ خدا نے نہ دایں دیکھا نہ بائیں، کیا تو برف یہ کیا کہ دامن جھٹک دیا اور سانپ دور جا پڑا۔“

لوگوں نے ابن مبارک سے پوچھا کہ کیا بھاگنے والوں میں آپ بھی تھے، انہوں نے کہا ہاں! بھائی میں سب سے زیادہ دور بھاگا البتہ میں پہلی صف میں نہ تھا۔

الغرض یہ اور اسی قسم کے دوسرے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ان لوگوں میں بھی نہ تھے جو ہر واقعہ سے بہت جلد اثر پذیر ہو کر اضطرابی کیفیات کو اپنے اوپر طاری کر لیتے ہیں، بلکہ حد سے زیادہ ضابط اور بھاری بھر کم آدمی کی جوشان ہوتی ہے۔ امام کی زندگی کے سارے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی قسم کے شخص تھے لیکن باوجود اس کے حکومت کے ان ستم زدوں کے ذکر پر ان کا ہلبلا کر رو پڑنا اور اتنا رونا کہ امن مبارک جیسے محتاط محدث تک یہ کہتے ہوں۔

”کہ گویا روتے روتے مرجا تیں گے۔“

در اصل ان واقعات سے حضرت امام کی اندرونی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں ان کے تاثرات کتنے عمیق اور گہرے تھے۔

امام کے فطری میلانات کے ظہور کی ابتداء اس میں شک نہیں کہ حضرت امام جس شہر میں پیدا ہوئے

اسی قسم کا ایک واقعہ اور بیان کیا جاتا ہے، ایک صاحب جن کا نام ابو قطن عمرو بن الہثم تھا اور اسما را الرجال کے امام شیعہ بن الحجاج جنہیں لوگ امیر المؤمنین فی الحدیث بھی کہتے ہیں کسی ضرورت سے ان کا سفارشی خط واسطے سے لے کر کوفہ امام کے پاس آئے تھے، امام کی بھان لڑائیوں اور ان کی غیر معمولی شب بیداریوں کا حال بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ سنایا کہ گزرنے کا وہ بھی بیان کرتے ہیں یہ صبح کا وقت تھا ان کا بیان ہے کہ دیر تک امام سانپ کی منڈی کو اپنے پاؤں سے دبائے رہے بتائیں کہ جب لوگ آئے تب آپ نے لوگوں سے کہا کہ اتنا رڈاؤ۔

یعنی کوفہ وہاں امام سے پہلے بھی اور خود امام کی کم سنی کے دلوں میں بھی امت محمدیہ پر مظالم توڑے جارہے تھے ان مظالم سے یہ شہر تاریک ہو رہا تھا حجاج بنی امیہ کا طاغیہ جب مرے تو اس وقت امام کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ حجاج کے واقعات آج بھی جب ہر اس شخص میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے تھوڑا بہت بھی تعلق رکھتا ہے غیظ و غضب کے جذبات میں حرکت پیدا کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ خواہ کم سنی ہی کے دلوں میں بھی لیکن امام جس فطرت کو لے کر پیدا ہوئے تھے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ان واقعات سے ان کا قلب شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر نہ ہوا ہو گا۔ خصوصاً اس نے جو کچھ کیا تھا: پادہ تر اس کا تعلق کوفہ ہی سے تھا تاہم جہاں تک مودعین کے بیانات میں دیکھا جاتا ہے۔ امام کی زندگی کے ابتدائی دنوں میں "سیاسی میلانات" کے ثبوت کی کوئی شہادت نہیں ملتی، زیادہ سے زیادہ جو چیز اس سلسلہ میں پیش ہو سکتی ہے وہ وہی ہے جن کا ذکر شاید پہلے بھی آچکا ہے یعنی ابتدائی زندگی میں بجائے فقہ کے حضرت امام پر علم کلام کا جب غلبہ تھا اور ان لوگوں سے جو اسلام کے اعتقادی مسلمات میں رخنہ اندازیاں کرتے تھے۔ ان سے مقابلہ کے لئے آپ بار بار کوفہ سے بصرہ تشریف لے جاتے تھے بعض بعض دفعہ اسی سلسلہ میں سال سال بھر یا اس سے کچھ زیادہ دن بھی

لے بندر گاہ ہونے کی وجہ سے غیر مالک کے لوگ بصرہ بکثرت آتے تھے اور اپنے ساتھ اپنے عقائد و خیالات لاتے تھے۔ ہندوستان سے اس بندر گاہ کا تعلق جس حد تک تھا اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ بصرہ کے آباد ہوئے سے پہلے اس علاقہ کو ارض الہند (ہندوستان) کی زمین، ہی کہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی عہد میں اپنے خیالات و عقائد کے اظہار کی آزادی ہر شخص کو حاصل تھی جس کی وجہ سے عوام میں طرح طرح کے ادہام و دوسواں پھیل جاتے تھے ابو الہندیل (علف کے تذکرہ میں الخطیب نے لکھا ہے کہ بصرے میں ایک یہودی آیا و کان فیقض الاسلام یعنی اسلامی اصول پر اعتراض کرنا تھا ابو الہندیل اس کے مقابلہ پر اسلام کی طرف سے کھڑا ہوا۔ مناقرے میں جب یہودی غالب رہا تو اس نے ابو الہندیل کو گالیاں دینی شروع کیں مطالب اس کا یہ تھا کہ مسلمان اس کی اس حرکت پر خدایا غضب ہو کر چڑھ دوڑیں اور مجھے اس کا حیلہ مل جائے کہ دلائل کے لحاظ سے میں ہی غالب تھا لیکن مسلمانوں نے یہاں توت سے کام لے کر مجھے مغلوب کر دیا لیکن ابو الہندیل نے مسلمانوں کو شہادت سے روکا اور کہا کہ کسی سے اس پر الزام لیا تو اس کی مراد پوری ہوگی اس پر یہودی کھسکا سا ہو کر رہ گیا دیکھو الخطیب ص ۳۶ ج ۳ مگر چہ یہ ایک جزئی واقعہ ہے لیکن اس سے اس زمانہ کی مذہبی آزادی کا اور بصرے کے ماحول کا پتہ چلتا ہے۔

امام کو بصرے میں رہنا پڑا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تجارتی بندرگاہ ہونے کی وجہ سے حضرت امام تجارتی کاروبار بھی بصرے میں کرتے ہوں۔ لیکن تجارت کے ساتھ ساتھ اعداء اسلام کے مقابلہ میں لسانی جہاد بھی اس زمانہ میں آپ کا دل چسپ مشغلہ تھا۔

لیکن علم کلام بے دل چسپی جب آپ کی کم ہوئی اور اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کی صحبت میں فقہ سیکھنے شروع کی تو اس عرصہ میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس میں آپ کے "سیاسی رجحان" کی جھلک پائی جاتی ہو لیکن ٹھیک جس سال حماد بن ابی سلیمان امام صاحب کے اسناد کی وفات ہوئی ہے۔ یعنی ۱۲۲ھ ہجری جس کے معنی یہ ہوئے کہ امام کی عمر اس وقت (۷۲) سال کی ہوئی چاہیے اسی کے بعد بنی امیہ کے دور حکومت میں ایک "سیاسی انقلاب" کا واقعہ پیش آتا ہے اور ہم امام رحمۃ اللہ علیہ کو پہلی دفعہ اس واقعہ سے متعلق پاتے ہیں۔ لیکن اس واقعہ کی تفصیل سے پہلے کچھ اجمالی تذکرہ اس زمانہ کے "سیاسی ماحول" کا بھی سن لینا چاہیے۔

کوفہ کے گورنر خالد کے بے پناہ مظالم

یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا ہے

جب بنی امیہ کی فرماں روائی کی باگ

ہشام بن عبدالملک کے ہاتھ میں تھی، کوفہ کا گورنر ہشام کی طرف سے پندرہ سال تک مسلسل موی تاریخ کی مشہور شخصیت تھی جسے عام طور پر لوگ ابن النضرانیہ کہتے تھے اور اصلی نام اس کا خالد بن عبداللہ القسری تھا۔ خلفہ سے سلسلہ تک یہ کوفہ کا گورنر رہا۔ جس کے معنی یہی ہوئے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پچیس سال کی عمر سے چالیس سال کی عمر تک کا زمانہ اسی ابن النضرانیہ کی ولایت کے عہد میں گزارا تھا۔ ابن النضرانیہ کیا تھا۔ تفصیلی حالات تو اس کے تاریخ میں پڑھیے۔ حاصل یہ ہے کہ باپ تو اس کا عربی قبیلہ بکیل سے تعلق رکھتا تھا، لیکن اس کی ماں ایک "رومیہ نصرانیہ" تھی یعنی یورپین عیسائیہ عورت تھی۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ماں اس کی مرتے دم تک اپنے آبائی مذہب (عیسائیت) پر قائم رہی خود خالد تو نظر ہر مسلمان تھا۔ لیکن اگر یہ واقعات صحیح ہیں جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں سارا وہ علاقہ جو اس کی زیر ولایت و نگرانی تھا، وہاں غیر مسلموں کی حکومت قائم ہو گئی تھی، کامل میں ہے۔

کان الاسلام ذلیلاً والحکم فیہ اہل اسلام اس زمانہ میں ذلیل تھے اور حکومت اہل لاہل الذمۃ سے

غیر مسلم رعایا کے ہاتھ میں تھی۔

خالد کی معزولی کے بعد یوسف بن عمر جب کوفہ کا گورنر ہو کر آیا تو یحییٰ بن نوفل شاعر نے ایک

قصیدہ لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ بھی تھا کہ:-

اتانا و اهل الشراك اهل ذکاتنا
و حکامنا فیما نستر دنجہما
یوسف بن عمر ایسے زمانہ میں آیا ہے جب ارباب شرک ہم سے ٹیکس وصول کرتے تھے اور کھلی
ڈھکی بات میں وہی ہمارے حکام تھے۔

یہ قصہ بھی اسی کا بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے مسلمانوں کی مسجدوں کے میناروں کے منہدم
کرائے کا حکم دیا تھا وجہ یہ بتائی کہ ان پر چڑھ کر مؤذن لوگوں کی بہو بیویوں کو جھانکتے ہیں۔ اور مؤذنین
پر یہ الزام قائم کر کے کوفہ کی مسجدوں کے مینارے ڈھائے جا رہے تھے اور دوسری طرف ستم ظریفی اسی
ابن النعمان کی یہ تھی کہ اپنی نعرانیہ ماں کے نام سے ایک عظیم الشان گرجا بھی اُس نے کوفہ میں تعمیر
کرایا مسلمانوں میں اس کے اس طرز عمل سے جب بے چینی پیدا ہوتی تھی کہ مشہور رند مشرب شاعر
فرزدق سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور ایک طویل قصیدہ میں اسلام اور مسلمانوں کی اسی بے کسی کا رونا
روتے ہوئے اُس نے کہا۔

نبی بیعة فیہا النصاری لا مد
ویہل من کفر مناد اہل ساجد
اپنی ماں کے لئے تو کوفہ میں اُس نے گرجا بنایا اور مسجدوں کے میناروں کو ڈھارہا ہے اپنے کفر کی وجہ
کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی اس شکایت کو سن کر اس نے عند بھی جو پیش کیا تو منجملہ دوسری باتوں کے
اُس کا یہ تاریخی فقرہ اب تک کتابوں میں نقل کیا جاتا ہے یعنی اُس نے کہا۔

لعن اللہ دینہم ان کان نسرنا من
خدا کی لعنت ہوان کے (مسیحیوں) کے دین پر اگر ان
دینکم مسئلہ ج ۵ کامل ابن اثیر
کا دین تمہارے دین سے بدتر ہے۔

اسے خدا جانے خالد نے خود ہی شعر بنائے تھے یا واقعی کسی مسخرے شاعر کو جیسے بیسیوں بے بنیاد باتیں سوچتی ہیں
ان ہی میں ایک خیال یہ بھی آگیا اور شعر کی صورت اُس نے اختیار کر لی

لینی فی المؤخرین حیا تی
انہم یبصرون من فی السطوح

نیشیرون او تشیر الیہم
بالہوے کل دل صلیح

یعنی کاش مؤذنین کے ساتھ میری بھی زندگی گذرتی یہ لوگ چھتوں پر رہنے والیوں کو دیکھتے ہیں پھر خود یہ
مؤذن اشارے کرتے ہیں۔ اہم ناد و غزے والی لمحے عورت محبت کا پیغام مؤذنین کو دیتی ہے۔ کامل ابن اثیر
مسئلہ ج ۵ کہتے ہیں میناروں کے انہدم کی وجہ ان ہی اشعار کو اُس نے قرار دیا تھا۔

بیان کرنے والے ایک طرف تو یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کی شان اقدس میں اپنے آقاؤں (بنی امیہ) کو خوش کرنے کے لئے صلواتیں سنایا کرتا تھا۔ لیکن ایک لطیفہ کامل وغیرہ میں بھی یہ نقل کیا ہے کہ بنی امیہ ہی کے خاندان کے ایک صاحب نے ابن النضر سے کچھ امداد چاہی، لیکن بیچارے کو صاف جواب دیا گیا۔ چونکہ داؤد دیش میں خالد کا ہاتھ کھل ہوا تھا یہ بھی کہتے ہیں کہ بنی ہاشم والوں کے ساتھ بھی وہ حسن سلوک کیا کرتا تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ اپنے یوب کی پردہ پوشی کے لئے "دین دوزی" کے نسخہ پر عموماً عمل کرتے ہیں، بہر حال جہاں سب ہی کو دیتا دلاتا تھا ممکن ہے کہ بنی ہاشم کے بعض افراد کو اس نے کچھ دیا ہو، اموی سائنل نے اسی واقعہ کو پیش نظر رکھ کر یعنی بنی ہاشم کی خالد مدد کرتا ہے کہا کہ۔

لین دین کا تعلق تو خالد ہاشمیوں سے رکھتا ہے اور ہمارے لئے اس کے پاس

صرف علی کی صلواتیں رہ گئی ہیں۔ ص ۵۲ ج ۵ کامل ابن اثیر

لطیفہ یہ ہے کہ خالد تک جب اس اموی کی یہ شکایت پہنچی تو بے ساختہ اس کی زیادت

سے نکلا۔

لین احب فلانا عثمان لشیعی کامل ص ۵۲ ج ۵ اس کا اگر جی چاہے تو کچھ عثمان کو بھی سنا دے

اسی لئے لوگوں کا خیال ہے کہ درحقیقت اس کو نہ حضرت علی ہی سے تعلق تھا اور نہ

عثمان سے بلکہ صرف دنیا سازی کے لئے

کان خالد یبالغ فی سب علی فقیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مذمت کرنے میں مبالغہ

کان ذلک نفیاً للترحمۃ تقر بالی کام لیتا تھا لوگ کہتے ہیں کہ اہل بیت کے ساتھ میل جول

القوم ص ۵ ج ۵ جو وہ متہم اور بدنام تھا اسی بدنامی کا ازالہ حضرت علی کو

دے کر کیا کرتا تھا۔

اور بات بھی کچھ یہی معلوم ہوتی ہے کہاں تو ہشام کے ساتھ عقیدت کے اظہار میں

یہ ابن النضر یہ اس حد تک پہنچا دیتا تھا کہ مننے والوں کا بیان ہے نقل کفر کفر نہ باشد

کبھی کبھی کہتا کہ

اپنے اہل و عیال اور گھر والوں پر کسی کو اگر کوئی اپنا خلیفہ اور نمائندہ مقرر

کرے کیا اس خلیفہ کے برابر ہو سکتا ہے جسے اس شخص نے بطور اپنی اور

قاصد رسول، کسی کے پاس بھیجا ہو۔

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ (العیاذ باللہ) اشارہ اس کا اصرار ہوتا تھا کہ
ان الخلیفۃ ہشام افضل من رسول اللہ خلیفہ ہشام (العیاذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سچ ۵ سے بھی افضل ہے۔

مگر ابن اثیر نے یہ قصہ بھی نقل کیا ہے کہ ہشام خلیفہ نے خالد کے نام بصیغہ راز یہ
بران بھیجا کہ

”جب تک امیر المومنین یعنی (ہشام) کا غلہ فروخت نہ ہوئے اُس وقت
تک کسی دوسرے کو غلہ کے بیچنے کی اجازت نہ دی جائے۔“
خالد نے اسی کے مطابق تمام جگہ احکام نافذ کر دیئے نتیجہً ظاہر تھا کہ غلات میں غیر
مقبولی گرائی پھوٹ پڑی، لکھا ہے کہ کوفہ کے بازار میں

کیا جتنا بدرہم ایک کیلجہ (چنیو) پیمانہ غلہ کا، ایک درم میں بکے لگا
خلق خدا کی اس گرائی سے چیخ اٹھی۔ عوام کا الزام خالد پر تھا کہ اسی نے کاشت کاروں کو
فروخت کرنے سے روک دیا ہے خالد سخت دماغی کوفت میں مبتلا تھا، ہشام کے راز کو ر
ی ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ اور صبح و شام لوگوں کی کالیاں، لعنت و ملامت بھی اس کے
نے ناقابل برواشت بنی چلی جا رہی تھی۔ آخر ایک دن اس نے بر سر منبر دل کا بخار ان
ناظ میں نکالنا شروع کیا۔

عستم انی افلی اسعارکم فعلى
ن یغلیہا لعنة اللہ علیہ
تم لوگوں کا خیال ہے کہ اناج کو میں نے گراں کر رکھا
ہے یہ میں تمہارے سامنے کہتا ہوں کہ جس کی وجہ سے یہ
گرائی ہے اُس پر خدا کی لعنت۔

یعنی اشارہ ہشام کی طرف کر رہا تھا کہ میرا کیا تصور ہے، خود تمہارے امیر المومنین کا حکم ہی یہ
ہے کہ پہلے سرکاری نئے کا ایک ایک دانہ زمین فانی قیمتوں پر فروخت ہوئے، تب بازار میں
سرخے بیچنے والوں کو مال لانے کی اجازت دی جائے اور اس سے انداز ہو سکتا ہے کہ جس
نام کو کبھی وہ رسولوں پر بھی فضیلت دیتا تھا۔ اسی کو آج وہ بر سر منبر کالیاں سن رہا
ہے، لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اپنی پراپیٹ مجلسوں میں ہشام بے چارے کا

نام ہی خالد بن ابی حمزہؓ۔ "ابن الحمقی" رکھ چھوڑا تھا جب اس کا نام لیتا تھا تو کہتا کہ ابن الحمقی کا حکم آیا ہے ابن الحمقی نے اب یہ نیا شوٹہ چھوڑا ہے اور گورنری کی مدت ابن النعمانیہ کی کل پندرہ سال ہے۔ لیکن اسی پندرہ سال میں اس نے جو کچھ لوٹا اور لٹایا اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب معزولی کا وقت اس کی آیا ہے تو اس نے خود اقرار کیا کہ حکومت کے خزانے کا بقایا میرے ذمہ پچاس کروڑ رہ گیا ہے۔ تنخواہ میں حالانکہ کل بیس ہزار سالانہ کی جاگیر اس کی ملی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے بیت المال کے روپے سے اُس نے اپنی جاگیر میں نہروں کا جال پھیر دیا۔ اب تک اس کی متعدد نہروں مثلاً نہر خالد نہر بجرانہر تار مانا نہر مبارک نہر جامع کے سالور کی نہر نہر صلح کے نام تاریخوں میں درج ہیں۔ ان ہی نہروں کی بدولت بیس ہزار کی آمدنی کی جاگیر پندرہ سال میں ایک کروڑ تیس لاکھ سالانہ کی آمدنی دینے لگی۔ ان ہی حالات نے اس کے دماغ کو بے قابو کر دیا تھا کہتے ہیں کہ جوش میں آکر اپنے بیٹے کو کہتا کہ ہشام کے بیٹے مسئلہ سے تو آخر کس بات میں کم ہے۔ کبھی کہتا

"بیٹا! وہ کیا مزے کا زمانہ ہو گا جب ہشام بھی تیرا محتاج بن کر رہے گا۔"

آخر میں تو سارے عراق کو وہ اپنی موروثی جائیداد قرار دینے لگا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام لگاتا تھا کہ میری قوم بھیلہ ہے انھوں نے مجھیں کرز برستی مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔

۱۷۔ یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا یعنی ہشام کی ماں جس کا نام عائشہ تھا، اور ہشام بن اسماعیل بن ہشام

الولید بن المہقرۃ الخزومی کی بیٹی تھی، یعنی ابو جہل کے بھائی کے خاندان کی لڑکی تھی۔ لکھا ہے کہ حد سے زیادہ یہ عورت

نعمی اس سے تنگ آکر آخر میں ہشام کے باپ عبدالملک نے اس کو طلاق بھی دیدی تھی لوگ اسی وجہ سے ہشام

پس پشت عموماً ابن الحمقی ہی کہا کرتے تھے اور خالد بھی اسی لفظ کو استعمال کرتا تھا بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ

شروع میں یہ خطاب اپنے آقا کو اسی نمک حلال لڑکا ابن النعمانیہ نے دیا تھا۔ بعد کو دوسرے بھی کہنے لگے

۱۸۔ عراق جسے السواد بھی اسلامی تاریخ میں کہتے ہیں جب فتح ہوا اور فتح کرنے والی فوج میں زیادہ تعداد قبیلہ

نعمی یعنی وہی قبیلہ جس کی طرف مشہور صحابی حضرت جریر بن عبد اللہ البجلي رضی اللہ تعالیٰ عنہ منسوب ہیں۔ ابتدا میں فتح

کے متعلق جب تک یہ بات سے نہیں ہوتی تھی کہ اس کو فتح کرنے والی فوج میں تقسیم کر دیا جائے یا مسلمانوں کے بیت

کے نام ان کو روک لیا جائے اس لئے کچھ دن کے لئے سواد کے راجہ چوتھائی، ملائے پز بھیلہ والوں کا قبضہ تھا لیکن

کے مشورہ سے تمام مفسورہ زمینوں کو حکومت کے قبضہ میں داخل کر کے تمام مسلمانوں کی مشترکہ جائیداد کی حیثیت

رہے۔ اسی کو بھیلہ والوں سے بھی یہ زمین واپس لے لی گئی۔ اسی کی طرف اشارہ خالد کر رہا تھا۔

اسی لئے کہتا۔

انہی مظلوم مائتحت قد می شیئی میں مظلوم ہوں یعنی میرے پاؤں کے نیچے کا کوئی حصہ
الاهولی کامل مشہور ۵ بھی ایسا نہیں ہے جو میرا نہ ہو۔

کو نہ میں خالد اور خالد کے گرد و پیش میں رہنے والوں کا روز روز عید اور شب شب برات کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ اس کے ملازم طارق نے اپنے بچے کی ختنہ کی اس تقریب میں اور تو کچھ خرچ کیا سو کیا۔ صرف اپنے آقا ابن النضرانیہ کے سامنے تقریب کے سلسلہ میں جو تحفے اُس نے پیش کئے تھے۔ ان میں علاوہ قیمتی تھانوں، اور دوسری چیزوں کے ایک ہزار غلام اور ایک ہزار لونڈیاں بھی تھیں منہ ایسا نفعی نے لکھا ہے کہ خالد کا بھائی اسد جسے اُس نے اپنے علاقے کے خراسانی حصہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا جس زمانہ میں وہ بلخ میں تھا مجوسیوں کی عید مہرجان ان ہی دنوں میں واقع ہوئی ہرات کے دہقان نے جو مجوسی تھا اسد کے پاس عید کی عیدی جو پیش کی تھی ابن عساكر نے تاریخ دمشق میں اس کی تفصیل دی ہے لکھا ہے۔

ایک قصر سونے کا اور ایک قصر چاندی شاید کاسکٹ کی شکل کے ہوں گے ان کے پیچھے چند طلائی لوٹے اور چند نقرئی لوٹے تھے۔ ان کے بعد سیم وزر کے بڑے بڑے بادئے اور رکابیاں تھیں، اور ان سب کے بعد مروزی قوتی ہرومی وغیرہ وغیرہ کپڑوں کے تھان کے تھان تھے، ان ہی تھانوں میں وہ رقاآن، اپنے ساتھ سونے کے چند کُرنے رکھیں، بھی لایا تھا۔

الفرض یہ تھا وہ تماشا بنی اُمیہ کی حکومت کا جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے خاص

اسد کے متعلق لوگوں نے لکھا ہے کہ ایک حد تک وہ دیندار آدمی تھا۔ سب سے بڑی صفت اس کی سخاوت تھی ابن عساكر نے لکھا ہے کہ دہقان ہراۃ کے ان سارے تھانوں کو مجلس سے اٹھنے سے پہلے اسد نے بانٹ دیا آدمی بڑا بہادر تھا۔ کانترکوں اور ان کے خاقان کی بڑی بڑی فوجوں کو اس نے شکست دی آخر میں ہرات ہی میں ایک سرطانی زخم سے جو اُس کے پیٹ میں تھا بلخ ہی میں مر گیا۔ اور اسی کے بعد خالد پر بھی آفت آئی۔ پندرہ سال کا سارا خواب ختم ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ یہی خالد جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے معزول ہونے کے بعد شکبے میں کسا گیا۔ پہنے پاؤں میں شکنجہ کیا گیا اور ہڈیاں تڑا تڑا ٹوٹ گئیں۔ یوں ہی آہستہ آہستہ شکنجے کو اوپر سرکاتے جاتے اور اس کی ہڈیاں توڑی جاتی تا آنکہ دم نکل گیا لیکن بڑا سخت جان تھا۔ مزے اُف بھی نہ نکالی۔ قاعنبر وایا ادلی الالبصار

ان کے وطن اور مستقر کوفہ میں دکھایا جا رہا تھا۔ مسلمانوں پر گورنر نے کافروں کو مسلط کر رکھا ہے۔ مسلمانوں کی مسجدوں کے مینارے ڈھائے جا رہے ہیں، اور عیسائیوں کے گرجے کی تعمیر مسلمانوں ہی کے پیسوں سے ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کے رسول پر خلیفہ کو ترجیح دی جا رہی ہے، علی پر لعنت بھیجی جا رہی ہے۔ عثمان کو بھی بخشا نہیں جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے دین کے ساتھ تمسخر کیا جا رہا ہے، یہ تو گورنر کر رہا ہے، خود خلیفہ اس تک نہیں سمجھتا کہ خواہ غایا پر کچھ بھی گذر جائے۔ لیکن اس کا مال بھلے اچھے دامنوں میں بک کر روپیہ کی شکل میں اس کے پاس پہنچ جاتے عام مسلمانوں کے گھر میں فاقہ ہے اور مسلمانوں کے امیر کا نوکرا ایک ایک بچے کے ختنہ میں وہ وہ اولوالعزمیاں دکھائے رہا ہے کہ شاید بادشاہوں کے لڑکوں کے ختنہ میں بھی اتنی رستیاں نہ دکھائی جاتی ہوں مگر ساری دنیا چپ ہے بنی امیہ کی بے پناہ تلوار نے خون کی جوندیاں بہائی ہیں، اور ظلم کے جو آتش کدے جوڑ رکھے تھے، ان کو دیکھ کر بھلا کس کا گروہ اور کس کا جگر تھا کہ آہ نیم شبی کے سوا کچھ اور بھی کرنے کے تھے۔ یہ سلسلہ دیکھا جا رہا تھا کہ زبان سے بات نکلی نہیں کہ سر تن سے جدا ہو گیا۔

لیکن اپنی آمدنی بڑھا بڑھا کر خالد نے اصل اپنی قبر آپ کو دور با تھا جس چیز کے عشق میں ہشام مبتلا تھا۔ اسی کا سودا اس کے سر میں بھی سما یا۔ ہشام کی بھی جاگیر خالد کی جاگیروں کے قریب تھی۔ شاہی جاگیر کے داروغہ نے بادشاہ کو اطلاع دی تھی کہ

”شاہی جاگیروں کی زمین کے بند کو خالد توڑ رہا ہے“

کہتے ہیں کہ یہیں سے بات کی ابتدا ہوئی جس کی انتہا خالد کی معزولی پر ہوئی اس زمانے میں یمن کا گورنر یوسف بن عمر تھا۔ راز میں ہشام نے اس کو لکھا کہ فوراً عراق پہنچ کر خالد کو گرفتار کر لے اور سرکاری مطالبے وصول کر لے۔ یوسف پہنچا، خالد گرفتار ہو گیا۔ اور مطالبے تقاضا یوسف نے شروع کیا۔ ہشام کا حکم تھا کہ قتل کرنے کے سوا مطالبے کے لئے جتنی اذیت تم دے سکتے ہو خالد کو دو یوسف نے بھی اذیت پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ روزانہ نئی سزا یا سزا جویر ہوتی تھیں۔ پوچھا جاتا تھا کہ یہ پچاس کروڑ سرکاری خزانہ کا مال تو نے کہاں رکھا ہے۔ قصہ تولیوں ہی جاری رہا۔ کوفہ کے مسلمانوں کو اس کی خوشی ہوئی کہ ابن النصرانیہ سے ان نجات ملی۔ کہتے ہیں کہ یوسف نماز روزے کا بڑا پابند تھا۔ کامل کے الفاظ ہیں کہ دیر دیر تک نماز میں پڑھتا مسجد میں زیادہ وقت گزارتا تھا۔ اپنے گروہ پیش

والوں اور گھر کے لوگوں کو عوام پر ظلم و زیادتی کرنے سے روکے ہوئے رہتا، نرم کلام، منکسر المزاج، آدمی تھا، مصیبتوں میں دعا و الحاج کا عادی تھا، اس کی عادت تھی کہ صبح کی نماز کے بعد کسی سے گفتگو نہ کرتا، جب تک کہ چاشت کی نماز نہیں پڑھ لیتا تھا، قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتا تھا اور خدا کے سامنے گریہ و زاری کرتا صبح ۵

اسی لئے کوفہ کے شاعر یحییٰ بن زغل نے شعر لکھا

فلما اتانا يوسف الخیر اشقت له الارض حتی کل واد منور

جب بھلائی والا یوسف آیا تو زمین چمک اٹھی گویا ہر وادی جگمگا رہی ہے۔

لیکن نبی امیہ کا گورنر بہر حال نبی امیہ کا گورنر نہ تھا۔ چند ہی دن کے بعد معلوم ہوا کہ یوسف کو جنون ہے، اور نماز روزہ کا سارا قاعدہ یہ بھی جنون ہی کے ظہور کی ایک شکل ہے۔ جنون کے جو واقعات لوگوں میں مشہور ہوئے ان کی فہرست تو طویل ہے۔ نمونے کے لئے یہ چند مثالیں کافی ہو سکتی ہیں۔

چار خانے بنے ہوئے کپڑے جلا ہوں سے بنواؤں۔ بے چارہ جلا ہا بنا کر لاتا۔ اپنے سکرٹری سے پوچھتا کیوں بے کیسا ہے؟ سکرٹری کہتا کہ خانے کچھ پھوٹے ہیں، تب جولاہے سے کہتا سچ تو کہتا ہے اے الخنار کا بچہ جولاہا کہتا حضور اس فن سے میں زیادہ واقف ہوں تب سکرٹری سے کہتا سچ تو کہتا ہے اے الخنار کے بچے، سکرٹری جواب میں کہتا کہ اس خطبہ کو سال میں ایک تھان بنانے کی نوبت آتی ہوگی اور میرا تھ سے سیکڑوں تھان سالانہ گندے ہوتے ہیں بیچارہ اس کی خوب کھانا کھاتا

تب جولاہے سے یوسف کہتا سچ تو کہتا ہے اے الخنار کے بچے۔ الغرض یوں ہی اس کی بھی تصدیق کرتا اور اس کی بھی پھر اسے بھی جھٹلاتا اور اُسے بھی اسی طرح مزاج میں سختی اتنی تھی کہ فرمائش سے ذرہ برابر بھی کسی چیز میں نقص نہ جاتا تو بنائے والوں پر سیکڑوں کوڑے پڑ جاتے ایک دفعہ اپنی لونڈیوں کو بلا کر اس وقت جب سفر میں جا رہا تھا پوچھا کہ کون کون میرے ساتھ چلے گی، ایک بولی کہ سرکار میں جاؤں گی۔ بس بگڑ بیٹھتا اور نحش باتیں کہتا حکم غلام کو دیتا کہ لگا اس کے سر پر کوڑے دوسری یہ دیکھ کر کہتی کہ سرکار میں گھری پر رہوں گی تب کہتا کہ مجھ سے چڑھتی ہے غلام! لگا اسے کوڑے اب تیسری سے پوچھتا کہ بتا تو کیا چاہتی ہے۔ دونوں کے حشر کو دیکھ کر کہتی کہ میں کیا بتاؤں، جو بات بھی کہوں گی

اس کی سزا دیکھ چلی ہوں تب کہتا کہ کیوں ری میری بات میں بیخ نکالتی ہے اور
باتیں بناتی ہے۔ غلام! لگا اسے بھی کوڑے۔

ظاہر ہے کہ خون کے سوا اور ان حرکات کی دوسری توجیہ کیا ہو سکتی ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ
یوسف بہت پستہ قد تھا لیکن ٹواڑھی بڑی لمبی تھی کپڑے سلوانے کے لئے درزی کو بلا تا۔ اگر
درزی کہہ دیتا کہ جو کپڑا دیا گیا ہے اس میں ناضل بچے گا تو بگڑ بیٹھتا اور فوراً کوڑے مارنے کا حکم دیتا
لیکن جاننے والا درزی ہوتا تو کہتا کہ اتنا کپڑا سرکار کے بھاری بھر کم بدن کے لئے کافی نہیں ہو سکتا
تو خوشی سے پھول جاتا اس زورید سے درزی خوب کپڑے وصول کرتے تھے دیہ سارے واقعات ابن
کثیر وغیرہ سے منقول ہیں۔

مسلمان اس کے حال کو دیکھ کر مایوس ہوئے۔ یحییٰ بن زوغل شاعر کو پھر لکھنا پڑا

ادانا والخلیفة اخرا صا ت مع الاخلاص بالوجل الخجل یل
کا هل الترحین دعوا اعیشوا جمیعا بالحیم و بالصل یل
جس کا مطلب یہی ہے کہ خلیفہ نے گو اخلاص سے نئے آدمی سے ہم لوگوں کو مشرف فرما
لیکن واقعہ یہ ہوا کہ جہنمی جب جہنم میں نہرا د کریں گے۔ اور مانگیں گے تو ان کی فریاد رسی گرم پانی
اور پیپ سے کی جاتے گی۔ یہی حال ہمارا ہوا کہ فریاد تو سنی گئی۔ لیکن یوسف کو بھیج کر گویا گرم
پانی اور مہیم کے زوریدہ فریاد رسی کی گئی ہے۔

خیر یہ قصہ تو طویل ہے اس کے نقل کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ جب ان واقعات
سے عام لوگ متاثر ہو رہے تھے تو اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ اس شخص کے دل پر کیا گز رہی
ہو گی جس کے متعلق سلم بن سالم کی شہادت گزر چکی ہے کہ

میں نے بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات کی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی امت کا احترام اور اس امت کی ہمدردی ابو حنیفہ کے دل میں

جتنی پائی اس کی نظیر دیکھنے میں نہیں آتی۔

فرزدق جیسا لابی شاعر بھی جن واقعات پر تڑپ اٹھتا ہو تو ابو حنیفہ اور ان جیسے اکابر اسلام
کے قلوب کی کیفیت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ بس سمجھنا چاہیے کہ اندر ہی اندر آگ سلگ رہی ہو
جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس اندرونی آگ کو خالد سے زیادہ سمجھنے والا اور کون ہو سکتا تھا۔ یہ
نیال ہے کہ اس کے دماغ میں ایک چال آئی۔

خالد کی ایک عجیب چال

کہا یہ جاتا ہے کہ یوسف خالد پر سرکاری مطالبات کی پابجائی کے لئے جیسے روزانہ تشدد کیا کرتا تھا ایک دن جیل سے بلوا کر طرح طرح کی سزائیں دے کر دریاقت کر رہا تھا کہ آخر بتا تو نے مال کن لوگوں کے پاس چھپا یا ہے۔ خدا جانے خالد پہلے سے سوچ کر آیا تھا یا اسی وقت اُسے یہ سوچھی۔ اُس نے کہنا شروع کیا کہ بیچ بیچ پوچھتے ہو تو اس عرصہ میں جو کچھ میں نے دولت جمع کی اس کا بڑا حصہ میں نے مدینہ منورہ میں تین آدمیوں کے پاس محفوظ کر دیا ہے۔ یوسف نے چونک کر پوچھا مدینہ میں؟ بولا ہاں ہاں اور اس کے بعد اُس نے ان لوگوں کے نام بتاتے ہوئے جن کے پاس مدینہ میں اس نے مال محفوظ کرائے کا دعویٰ کیا تھا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت زید بن علی الشہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی نام لیا۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ خالد کے متعلق بنی امیہ والوں کو اس کی شکایت بھی تھی کہ ہاشمیوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے اور اس نے ہشام کو اس بات کی خبر دی ہشام نے اسی وقت ان لوگوں کے متعلق کوفہ پہنچنے کا انتظام کر دیا اور یہ لوگ کوفہ پہنچ گئے جن میں حضرت زید بن علی الشہید بھی تھے۔ یوسف نے خالد کے سامنے ان لوگوں کا اظہار لینا شروع کیا۔ خالد کو دیکھ کر حضرت زید نے فرمایا کہ ”بھلا یہ ہمارے پاس مال کیوں جمع کرائے لگا۔ صبح و شام برسرِ مہر میرے عبد امجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گالیاں سناتا ہے۔“ پھر خالد سے پوچھا کہ آخر تجھے یہ کیا سوچھی اس نے جو جواب دیا اُسی کا ذکر مقصود ہے۔ اس نے کہا۔

نشدد علی العلان فادعیت
دولت واملت ان یاتی اللہ بفرج
قبل قتل و مکرم صہ
میری سزائیتوں میں بہت شد یہ ہو گئی اس لئے
میں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ آپ لوگوں کے پاس مال میں
نے جمع کر لیا ہے اغرض میری یہ معنی کہ شاید خدا اسی کو میری

معصیت کے ازالہ کا سبب بنادے یعنی آپ لوگوں کی تشریف آوری سے میری مشکل حل ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ خالد جیسے آزاد آدمی کے متعلق یہ فرض کرنا کہ ان بزرگوں کے قدم میں سنت لزوم کی برکت اور غیبی لاہوتی امداد کی وہ توقع کئے ہوئے تھا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسے بڑی دور کی اور پتہ کی سوچھی۔ خالد کے اس فقرے کا جو مطلب ہے۔ اس کو پیش کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ حضرت زید بن علی علیہ السلام کے مختصر حالات درج کر لوں کہ اسی سے اس

فقرے کا مطلب سمجھ میں آسکتا ہے۔

حضرت زید بن علی کے کچھ اجمالی حالات

واقعہ یہ ہے کہ دشتِ کربلا کی مصیبت اور اس کے

بعد سہل بنی امیہ کے غولادی پنجوں کی آہنیں گرفتوں نے عام مسلمانوں پر اس ڈال دی تھی باطل کے مقابلہ میں اٹھنے کی تاب مسلمانوں میں عموماً باقی نہ رہی اور سب سے زیادہ خصوصیت کے ساتھ جو دنیا میں پیسے گئے، وہ فاطمہ اور علی کی اولاد تھی رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جب حال یہ ہو گیا ہو جیسا کہ امام زید بن العابدین سے منقول ہے کہ بیمار ہونے کی وجہ سے لوگوں نے ان کو قتل نہ کرنے سے چھوڑ دیا۔ فرماتے ہیں کہ ان ہی میں سے ایک آدمی مجھے چھپا کر اپنے گھر لے گیا، اور میری خاطر و مدارات کرتا جب گھر آتا یا گھر سے جاتا تو میرے حال پر ترس کھا کھا کر روتا میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس سے زیادہ وفادار آدمی اب کون ہو سکتا ہے۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں۔
ان یکن عند احل من الناس اگر بھلائی اور وفاداری کسی کے پاس ہو سکتی ہے تو خیر و دفاع عند ہذا۔ طبقات ۵۱ اس شخص کے پاس ضرور ہوگی۔

مگر فرماتے ہیں، چند روز بھی گزرنے نہ پائے تھے ابن زیاد نے عام اعلان کیا کہ علی بن حسین (یعنی امام زید بن العابدین) کا جو پتہ دے گا اور لا کر حاضر کر دے گا تین سو درم لے گا انعام میں دیئے جائیں گے۔ یہ سننے کے ساتھ میرے لئے ہر وقت رونے والا وہی آدمی جس نے مجھے پناہ دی تھی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ رستی لئے ہوئے آ رہا ہے اور میرے ہاتھ باندھ کر ان کو گردن سے باندھ رہا ہے روتا جاتا ہے اور باندھتا جاتا ہے۔ یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ احاف ر مجھے ڈر لگتا ہے، اور اسی طرح باندھے بھانڈے اس نے اطمینان سے مجھے ابن زیاد کے پاس لا کر کھڑا کر دیا اور تین سو درم لے کر روانہ ہو گیا۔ ابن زیاد کی نظروں ہی کہ مجھ پر پڑی چند باتوں کے بعد اس نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ سنتے ہی میری پھو پھی زینب بنت علی چیخ اٹھیں۔

ہمارے گھرنے سے جتنا خون پیا گیا ہے ابن زیاد نے بہت کافری سے میں خدا کا واسطہ دیکر کہتی ہوں کہ اگر قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو پہلے مجھے قتل کرے۔

یا ابن زیاد حسب من درمائت استبک باللہ ان قتلتہ الا قتلتنی۔ طبقات ج ۵ ص ۱۵

ان کی اس چیخ سے ابن زیاد متاثر ہو گیا، اور میری جان بچ گئی روکیو طبقات ابن زیاد

اسی لئے حضرت نے ان لوگوں سے جو اہل بیت سے محبت کے دعوے کر کے ان حرکات کا ارتکاب کیا کرتے تھے فرماتے کہ

احبوا صاحب الاسلام فما تخرج بنا
حبکم حتی صار علینا عاراً طبقات ص ۱۵۸
بس اسلام کی اخوت کے تعلق سے لوگوں کو محبت
کو دتم لوگوں کی محبت تو ہمارے لئے باعث ننگ عار بن گئی ہے
کبھی فرماتے کہ

”تم لوگوں کی اسی محبت نے دنیا کو ہم لوگوں کا دشمن بنا دیا ہے“

یہ بھی فرماتے کہ

”معروف و شرعی نیکیوں کے کرے اور منکر و غیر شرعی امور سے بچنے کے

حکم سے اعراض کرنا خدا کی کتاب کو پس پشت ڈالنا ہے۔“

مگر جن حالات میں وہ گرفتار تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرماتے الا ان تنقوا مسلم تقا
یعنی بدایشوں سے بچنے کے لئے بچنے کی کوئی تدبیر کی جائے،
پوچھا جاتا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ جواب دیتے کہ

بمخاف جنبا ذر عنید ان بمخاف
زبردستی کرنے والے کینہ پروروں سے آدمی ڈرے

ان یضطر علیہ اد بیعی
ڈرے اس بات سے کہ وہ ظلم اور زیادتی کریں گے

اس اندیشے سے اپنے آپ کو ان کے مظالم سے بچانے کے لئے ایسی تدبیر اختیار کی جائے جو ظلم سے اس کو محفوظ رکھے،
اہل بیت کو اتنا کچل دیا گیا کہ مدینہ میں جب حرہ کا واقعہ پیش آیا۔ حالانکہ یہ یادہ تر اس واقعہ
کے پیش آنے میں بڑا سبب حضرت امام حسین علیہ السلام کی کربلا میں شہادت تھی لیکن طبقات
میں لکھا ہے خود حضرت سید زین العابدین کا بیان ہے کہ

مخرج فیہا احد من ال ابی طالب
ابو طالب کے خاندان میں سے بھی کوئی آدمی اس

ولا خرج من فیہا من بنی عبد
بنگامے میں شریک ہونے کے لئے نہ نکلا اور نہ عبدالمطلب

المطلب لزموا ببوتہم ص ۱۵۹
کے گھرانے والے نکلے سب کے سب اپنے گھروں

میں پستے رہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد اہل بیت نبوت والوں نے سیاسی قصوں سے اپنے
آپ کو الگ ٹھٹھک کر لیا تھا۔ خود امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی عبادت
و ریاضت و مجاہدے میں گزار دی مدینہ منورہ کے پاس عقیقی نامی ندی کے کنارے جو محلہ تھا وہیں آپ نے

مکان بنو الیاء اور اپنے ہاں بچوں خاندان والوں کے ساتھ صبر و شکر کے ساتھ زندگی کے دن پورے کر رہے تھے اگرچہ ریحانۃ البی سیدنا جبین علیہ السلام کی اولاد و زکوریہ میں آپ تنہا باقی رہ گئے تھے لیکن خدا نے آپ کی اولاد میں برکت دی۔ آپ نے بعد کو زکوریہ و انات کی شکل میں اپنی اولاد کی کافی تعداد آپ نے چھوڑی جن میں سب سے زیادہ شہرت امام یاقر محمد بن علی بن حسین نے حاصل کی آپ کی والدہ امام حسن علیہ السلام کی چونکہ صاحبزادی تھیں اس لئے دونوں بھائیوں کی نمائندگی آپ کا وجود ہا جو کرتا تھا گو آپ کے ایک حقیقی بھائی عبداللہ بن علی بھی تھے لیکن عظمت و احترام کا جو مقام عالی امام یاقر کو حاصل ہوا یہ کچھ ان ہی کی خصوصیت تھی۔ سیدنا زین العابدین کے دوسرے صاحبزادے دوسری عورتوں سے تھے جن میں ایک زید بن علی الشہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔

ہندوستان اور خاندان نبوت

کھنے والوں نے تو خود حضرت امام زین العابدین تک کے متعلق اگرچہ یہ لکھ دیا ہے کہ

قیل ان امر زین العابدین یقال کہا گیا ہے کہ امام زین العابدین کی والدہ جن کا نام غزالہ لہا غزالہ و قیل سلا مہ من بلاد یا بعض سلامہ بتاتے ہیں سندہ کی رہنے والی تھیں۔

گو یہ اس عام اور مشہور روایت کے خلاف ہے کہ آپ کی والدہ محترمہ یزدیہ جو کی شاہزادی تھیں جن کا ایرانی نام شہرہ لہا اور عربی نام سلافہ رکھا گیا تھا ایسا بھی ہے کہ یہ بھی لکھا ہے کہ۔

واملا سلافہ بنت یزد جرد

سلافہ ایسا بھی ہے اسی سلسلہ میں الزمخشری کے حوالہ سے یہ غبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یہ ان کے قبیلہ جب مدینہ لائے گئے تو یہ معلوم کر کے کہ ان قیدیوں میں شاہی خاندان کی چند شاہزادیاں بھی ہیں حضرت علی نے حضرت عمر کو پیشورہ دیا کہ شاہی خاندان کی شاہزادیوں کے ساتھ عوام کا معاملہ کرنا درست نہ ہو گا۔ آخر حضرت علی نے ان تینوں شاہزادیوں کو بیت المال میں قیمت ادا کر کے لیا اور آپ ہی نے ان میں سے ایک کو حضرت عمر کے صاحبزادے عبداللہ اور دوسری کو حضرت ابو بکر کے صاحبزادے محمد اور تیسری کو امام حسین علیہ السلام کو عطا فرما دیا۔ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ہی شاہزادی کے بیٹن سے پیدا ہوئے۔ اسی طرح

آخر منول فارس ص ۱۹ ج ۱ ایران کے آخری بادشاہ کی صاحبزادی تھیں؛

حضرت عبداللہ بن عمر کے گھر میں جو شاہزادی داخل ہوئیں ان سے سالم اور محمد بن ابی بکر والی شاہزادی سے۔
قاسم بن محمد پیدا ہوئے تینوں اپنے وقت کے امام تھے علم و فضل تقویٰ و طہارت ریاضت و مجاہدہ میں ان
تینوں کے برابر مشکل ہی سے کوئی آدمی مدینہ منورہ میں اس زمانہ میں تھا۔ لکھا ہے کہ ان ہی تینوں صاحبزادوں کو
دیکھ کر عربوں کا یہ خیال بدل گیا کہ بھی عورتوں سے بچے نہ پیدا کرانا چاہیے لیکن ان کو دیکھ کر کثرت سے لوگ
بھی خواتین کو اپنے بچوں کی مائیں بنانے لگے۔ دیکھو ایسا فحی ص ۱۵ ج ۱؛

سہ داصل ایک زمین کے تھے میں دونوں میں کچھ جھگڑا ہوا تھا۔ عبداللہ بن حسن نے اس موقع پر یہ کہتے ہوئے کہ اس
زمین پر تم کیسے قبضہ رکھ سکتے ہو حالانکہ تم تو ایک ہندوستانی عورت کے بطن سے ہو بعض روایتوں میں ہے کہ عبداللہ نے
کہا کہ اقطع ان تنازعات و انت لامۃ مسند یہ کیا تم اس زمین کی خواہش کرتے ہو حالانکہ تم ایک ہندو
عورت کے بطن سے ہو ص ۲۲ ج ۸ طبری) بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً آپ کی والدہ سندھ کی تھیں ہند کا
لفظ چونکہ سندھ کو بھی شامل تھا اس لئے کبھی سندھ یہ اور کبھی ان کی والدہ کو ہند یہ کہہ دیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔
اتنا یقینی ہے کہ وہ ہند بمعنی الاعم کی ضرورت تھیں اب خواہ سندھ کی ہوں یا ہندوستان کے کسی دوسرے مقام کی زیادہ قرینہ
سندھ ہی سے ہونے کا ہے طبری نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس بار ملائے پر بچائے تھا ہونے کے قضا حنف زید رحمت
رہیں پڑے) اور ایک فقرہ استعمال کیا یعنی اپنی ہندوستانی ماں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ خواتین لقد سدرت
بعد وفات مسیلھا فاقبعت بالیھا اذالہم یسیر غیرھا جس کا حاصل یہ ہے کہ میری ماں نے اپنی شوہر
کے انتقال کے بعد صبر کیا اور کسی دوسرے آدمی سے شادی نہیں کی حالانکہ اس کے مقابلہ میں دوسری عورت نے تو صبر
سے کام نہیں لیا کہتے ہیں کہ یہ اشارہ عبداللہ بن حسن کی والدہ کی طرف تھا بعد کو زید اپنے اس قول سے پشیمان بھی
ہوئے کہ میں نے ایسا کیوں کہا اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید کی والدہ نے ہندوستانی دستور عقیدہ و عادات کے
مسئلہ میں جو تھا اس کو عرب میں بھی نباہا دیکھو طبری ص ۲۶ ج ۸ مطبوعہ مصر بہر حال اگر یہ صحیح ہے کہ حضرت زید شہید کی
نانہال ہندوستان تھی تو اس ملک میں جو تاج کل زیدی سادات آباد ہیں وہ بھی اس کا دعویٰ کر سکتے ہیں واقعہ بھی کچھ
محیب ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ مختلف قرون و ادوار میں سادات کی مختلف شاخیں ہندوستان میں آکر آباد
ہوئیں۔ لیکن جو امتیاز اس ملک میں زیدی سادات نے حاصل کیا مشکل ہی سے دوسری شاخوں میں اس کی نظیر مل
سکتی ہے بار ص ۲ کے سادات بلگرام کے سادات کا ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں جو حصہ ہے اس سے کون ناواقف
ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ زیدی سادات ہی سے دونوں کا تعلق تھا، انگریزی عہد میں بھی سرسید علی امام حسین
امام رفیعہ نے جو اقتدار حاصل کیا اس کا کون انکار کر سکتا ہے ان لوگوں کا تعلق بھی زیدی سادات ہی سے تھا۔

حضرت زیدؒ بہر حال امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی رگوں میں ہندوستانی خون تھا یا نہ تھا۔ لیکن ان کے صاحبزادے زید کے متعلق مورخین کا اتفاق ہے کہ ان کی والدہ ہندیہ تھیں۔ طبری نے حضرت زید اور ان کے چچا زاد بھائی عبد اللہ بن حسن سے جس گفتگو کو نقل کیا ہے اس میں عبد اللہ بن حسن نے صاف لفظوں میں زید کو کہا کہ :-

یا ابن الہند کیہ اے ہندوستانی عورت کا بچہ دیکھو صفحہ ۲۵

میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر یہ صحیح ہے یعنی حضرت زید کی والدہ تو ہند کیہ تھیں اور جیسا کہ کہتے ہیں کہ ان کی دادی شہر بالو ایرانیہ خاتون بلکہ شاہزادی تھیں تو اس کا مطلب گویا یہی ہوا کہ ان میں عربی قریشی ہاشمی فاطمی علوی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ایرانی اور ہندوستانی صفات بھی موزوں طور پر منتقل ہوئے۔ شاید ہی اس زمانہ میں اس قسم کے موزوں خصوصیات کسی شخص واحد میں جمع ہوتے ہوں۔

شکل و صورت اسی لئے لکھا ہے کہ حضرت زید غیر معمولی طور پر حسین و جمیل تھے شیخ ابو محمد یحییٰ الشافعی کے حوالہ سے "الروض الکبیر میں" جو زیدی فقہ کی کتاب ہے اس کے مقدمہ میں نقل کیا ہے کہ :-

كان ابيض اللون اعين مقرون ۱ رنگ حضرت زید کا گورا تھا آنکھیں بڑی بڑی ابرو دو ان
الحي جبین تامر الخلق طویل القامة ۲ بڑے ہونے سے جسم کی بناوٹ مکمل تھی۔ قد دراز تھا ذرا بھاری
کث اللحية عریض الصل راقی الالف ۳ گھنی، سینہ فراخ و کشادہ، بلند بینی، ڈاڑھی اور سر کے
اسود الراس واللحية الا انه غالط ۴ بال سیاہ تھوڑی سی آمیزش سفید بالوں کی دونوں خسانوں
الشيب فی عارضیه ۵ مقدمہ الروض البکر کے اطراف میں ہونچکی تھی۔

شاید نہرت زید کی ان صورتی خصوصیتوں میں ان تمام چیزوں کی جھلک پائی جاتی ہے جنہیں نسباً ان میں ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح ان کے باطنی صفات میں بھی بین طور پر موزوں اشارے جلوے نظر آتے ہیں غیر معمولی ذہن و فطین علم دوست، معارف پرور

بقیہ فٹ نوٹ ۱۳۷

بہار میں ایک ممتاز گاؤں زیدی سادات کا آباد ہے جنہیں جاجیری سادات کہتے ہیں زید کی کے شیعہ میں ان کو نمایاں دیکھا جاتا ہے۔ کیا اس میں ہندوستان کے ساتھ ان کے اس نسلی تعلق کو بھی دخل ہے؟ واللہ اعلم بالقراب

ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بہادر اور نڈھتھے۔

حضرت زید کے متعلق امام کی شہادت
 ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی شہادت اس باب میں یہ نقل کی گئی ہے، یعنی حضرت امام فرماتے تھے۔

مشاہدات زید بن علی کما شہدت
 اہلہ فما رأیت فی زمانہ افتد مند
 ولا اعلم ولا اسرع جواباً ولا
 بین قولاً
 میں نے زید بن علی کو دیکھا تھا جیسے اُن کے خاندان کے دیگر
 حضرات کے مشاہدے کا موقع مجھے ملا ہے میں نے ان کے
 زمانے میں ان سے زیادہ فقیہ آدمی اور کسی کو نہیں پایا
 اور ان جیسا حاضر جواب اور واضح صاف گفتگو کرنے والا
 آدمی اس عہد میں مجھے کوئی نہ ملا۔

اخیر میں امام صاحب کا بیان اس لفظ پر ختم ہوا ہے۔

لقد کان منقطع القرین من روض
 در حقیقت ان کے جوڑ کا آدمی اُس زمانہ میں نہ تھا،
 اور امام ہی کیا اس عہد کے بڑوں میں مشکل ہی سے کوئی آدمی نظر آتا ہے جس سے
 حضرت شہید کے متعلق اسی قسم کے الفاظ منقول نہیں ہیں۔ الشبہی سے روایت کرے والوں
 نے یہاں تک روایت کیا ہے کہ

زید بن علی سے بہتر بچہ شاید کسی عورت سے پیدا کیا ہو، ایسا فقیہ اتنا
 بہادر اور قانع عابد و زاہد مجھے کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
 کہ علمی اور دینی فہم و فراست کے ساتھ حضرت شہید کی دنیاوی سوجھ
 بوجھ غیر معمولی طور پر بہتر تھی۔

امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ شہید کی شہادت کی خبر جب معلوم ہوئی تو فرمایا
 "واللہ میرے چچا ہم لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن کے پڑھنے والے
 سب سے زیادہ اللہ کے دین میں سمجھ رکھنے والے اور رشتہ کا خیال
 کرنے والے تھے۔"

اور آخر میں فرمایا

واللہ ما ترک فینا لدینا ولا
 خدا کی قسم دنیا اور آخرت دونوں کے لئے یعنی دونوں کے

للا خسرۃ مشنہ روضہ منہ
متعلقہ مسائل کے لئے انھوں نے ہمارے خاندان میں

اپنا جیسا آدمی نہیں چھوڑا

گویا حضرت زید کی اس جامعیت کا حضرت صادق کی طرف سے یہ اعتراف تھا جو ان کے موروثی صفات کے منطقی نتیجہ ہونے کی حیثیت رکھتی تھی، بہر حال یہ تو ان کے نظری صفات کی طرف کچھ اشارے تھے ان جبلی صفات کے ساتھ جن اکتسابی کمالات کو حضرت زید نے اپنے اندر جمع کیا تھا۔ اس کا اندازہ ان کی طالب علمانہ زندگی سے ہوتا ہے۔ میرے سامنے ان وقت ان کی مفصل سوانح عمری نہیں ہے، تاہم اجمالاً کچھ ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ بات یہ ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ دشت کربلا کے زہرہ گداز مناظر نے اہل بیت کے افراد کو غموں اور حضرت سینا امام زمین العابدین کو خصوصاً اتنا دل شکستہ بنا دیا تھا کہ زیادہ تر ان بزرگوں پر یک سوئی اور عزالت گزینی کے جذبات غالب آگئے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ سیاسی مسائل اور الجھنوں کے متعلق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ قطعی طور پر یہ طے کر لیا گیا تھا کہ کچھ بھی گزر جائے۔ لیکن ان کانٹوں میں نہ الجھا جائے گا۔ طبقات ابن سعد میں حضرت امام زین العابدین کے متعلق یہ روایت بھی نقل کی گئی۔

ان عی بن حسین کان یبھی
عن القتال وان قومًا من اهل
خراسان لقوا فاشکوا لہ ما تلقون
من ظلم ولا تہم فامہم الصبر
والکف وقل انی اقول کما قال
علی بن مرثیم علیہ السلام ان
تعن بہم فانہم عبادک وان
تعن لہم فانک انت العزیز الحکیم ﷺ
ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم ﷺ
اور اگر ان کو بخش دیتے ہیں تو آپ کی ذات سب پر غالب ہے اور آپ ہی حکمت والے ہیں۔

۱۔ بخلاف غفور الرحیم کے اللہ تعالیٰ کی صفت۔ عزت و غلبہ اور حکمت و دانائی کا حوالہ اپنی اس سفارشی دعا میں حضرت مسیح علیہ السلام نے کیوں دیا ہے، بڑا دلچسپ سوال ہے، بعض کہتے ہیں کہ گناہ پر سزا دینے کا قانون اللہ تعالیٰ ہی کا بنایا ہوا ہے

آخری فقرہ حضرت کا یعنی امت محمدیہ کے لئے اسی دعا کو استعمال کرنا جو حضرت مسیح علیہ السلام عیساہیوں کے لئے فرمائیں گے اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اپنے نانا کی امت کے ان حالات کو دیکھ کر ان بزرگوں پر کیا گذر رہی تھی ایمان و اسلام کے دعویٰ کے بعد جس قسم کے حرکات بنی امید کی حکومت کی سرپرستی میں مسلمانوں سے سرزد ہو رہے تھے بہ ظاہر ان کے ازالہ کی امید سے دلوں میں ہو کر بجائے سختی کے ان کے رجحانات کچھ نرمی کی طرف مائل ہو رہے تھے بلکہ "ارجا" جو فرقہ مرجیہ کا مسلک سمجھا جاتا ہے جس کا عام مطلب کتابوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایمان لے آئے کے بعد نجات کے لئے عمل صالح کی ضرورت کا یہ فرقہ انکار کرتا تھا۔ یعنی اپنے آپ کو مومن قرار دینے کے بعد جس کے جو جی میں آئے کرتا چلا جائے بہر حال وہ جنتی ہے اور دوزخ کی آگ اُن پر حرام ہو جاتی ہے اگرچہ یہ بدترین قسم کی ارجائیت ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے ابتدا اس کی ان ہی رجحانات سے ہوئی جس کی جھلک اہل بیت ہی کے بزرگوں میں ابتداؤ پائی جاتی ہے۔ لکھنے والوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خزندہ محمد بن الحنفیہ کے صاحبزادے حسن بن محمد پہلے آدمی ہیں۔ من تکلم فی الاسراجاء طبقات ص ۵۵ جنھوں نے "ارجا" کے مسلک پر گفتگو شروع کی

حضرت حسن بن محمد کی ایک کتاب

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حسن بن محمد نے اپنے اس مسلک کی تائید میں کتاب بھی لکھی تھی اور مسلمانوں میں عام طور سے اس کتاب کو تقسیم کرانے کا بھی انھوں نے نظم کیا تھا۔ بہ ظاہر اس کے اسباب وہی معلوم ہوتے ہیں جو میں نے عرض کیا۔ آخر کیا سوچا جاتا۔ کیا یہ طے کر لیا جاتا کہ ایمان لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اکثریت پھر کفر کی طرف واپس ہو کر مرتد ہو گئی ہے۔ افسوس ہے کہ دنیا سے حسن بن محمد کی یہ کتاب غائب ہو گئی ہے یوں بھی خاص تاریخی چیز ہوتی اگر مل جاتی۔ کیونکہ پہلی صدی ہجری کا یہ خاص تالیفی کارنامہ ہے اب تک بات قرآن لکھا جاتا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو لوگوں نے جمع کیا تھا۔ لیکن قرآنی آیات اور آثار و احادیث کو پیش نظر رکھ کر کسی خاص نظریہ

تفسیر قرآن مجید

اپنے قانون کو وہ اگر اٹھا لیں تو ان سے بڑا کون ہے جو پوچھ گا۔ اور حکیم کے لفظ سے اشارہ اس سے بھی زیادہ گہری حقیقت کی طرف کیا گیا ہے۔ ۱۲۔

کو پیدا کر کے اس پر کتاب لکھنا غالباً حسن بن محمد کا یہ پہلا کام تھا۔ اسی سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جس ارچار کو وہ پیش کر رہے تھے، وہ کوٹنا ارچا تھا۔ بہر حال بجائے نفع کے چونکہ اس کتاب سے لوگوں میں اور دلیری پیدا ہو گئی۔ اس لئے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ آخر میں حسن بن محمد کہتے تھے کہ

لو دوت انی کنت مت ولما کتبت^{۱۴۱} میری یہ آرزو ہے کہ کاش میں مرجاتا اور اس کتاب کو نہ لکھتا تو کچھ بھی ہو، مقابلہ اور تصادم کا خیال اہل بیت کے قلوب میں مضحمل ہو گیا تھا۔ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قدر شا سیاسی دلچسپیوں سے الگ ہونے کے بعد زندگی کے دوسرے مشغلوں کی طرف ان کا مائل ہو جانا ضروری تھا جن میں عبادات و ریاضات و مجاہدات کا جو سلسلہ تھا وہ تو خیر تھا ہی جو بیس گھنٹوں میں روزانہ ایک ایک ہزار رکعتوں کے ادا کرنے کا التزام کر لینا اور آخر وقت تک اس التزام کو نبھانا کیا معمولی بات ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خاندانِ نبوت سے تعلق رکھنے کے باوجود علم کے طلب اور حصول میں بھی ان حضرات کا شغف غیر معمولی طور پر بڑھا ہوا تھا۔ ان فطری اور قدرتی بلندیوں کے ساتھ جو آپ کو موروثی طور پر ملی ہوئی تھی لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ حضرت امام زین العابدینؑ موائی اور غلاموں کے تعلیمی اور اخلاقی حلقوں میں شریک

۱۴۰ ارچا کا ایک مطلب تو وہ ہے جو قرآنی آیت لہا ما کسبت و علیہا ما اکتسبت (یعنی ہر شخص کو اپنے اچھے کئے ہوئے کام کا نفع ملتا ہے اور بُرے کام کا وبال بھی بھگتنا پڑتا ہے) سے صراحتہ متصادم ہے بل کا کوئی اثر ہی ان کے نزدیک نہیں ہے۔ لیکن ایک ارچا معتزلہ و خوارج کے مقابلہ میں اہل سنت کا تھا کہ گنہگاروں کو چاہے خدا عذاب سے چاہے بخش دے پھر اپنے گناہوں کی سزا پانے کے بعد بالآخر مومن کے لئے نجات ہے اہل سنت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے۔ اربابِ اعتزال اس کو بھی ارچا کہہ دیتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک گنہ گنہ کبیرہ کے ارتکاب کے بعد آدمی مسلمان باقی نہیں رہتا نجات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتا ہے اور خوارج کبیرہ ہی نہیں صغیرہ گناہوں کے مرتکب کلمہ ہی انجام قرار دیتے تھے امام ابو حنیفہ کی طرف بعضوں نے ارچا کو جو منسوب کیا ہے وہ ثانی الذکر اہل سنت والا ارچا ہو سکتا ہے بشرطیکہ انتساب صحیح ہو۔ حضرت امام زین العابدینؑ کی عبادت و مجاہدے کے حالات کتابوں میں پڑھتے ایسا بھی ہے اس واقعہ کا تذکرہ کیا کہ گھر میں حضرت کے آگ لگ گئی آپ سجدے میں تھے۔ لوگ چلا رہے تھے لیکن آپ نے سجدے سے سر نہ اٹھایا جب پوچھا گیا تو فرمایا جو آگ آئے والی ہے اس کی یاد نے اس آگ کی طرف متوجہ ہونے نہ دیا، فرزدق کا مشہور قصیدہ کتابوں میں حضرت کی شان میں جو لکھا گیا ہے نقل کیا جاتا ہے جس کا ایک شعر ہے۔ هذا بن خیر عباد اللہ کلہم

ہوتے ہیں۔ حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام سالم جن کا علم میں اس زمانہ میں ممتاز مرتبہ تھا۔ لوگوں نے امام کو ان کے خلقہ میں پا کر تعجب سے پوچھا کہ تلع قس لیشیا و تنجالس عبد بنی عدی زقریش کے علماء کو چھوڑ کر بنی عدی کے غلام کے پاس بیٹھے ہیں، جواب میں فرمایا۔

انما یجلس الرجل حيث ينتفع طبقاتہ آدمی وہیں بیٹھا ہے جہاں سے نفع اٹھا سکتا ہے۔

اور اسی کا اثر ہم حضرت امام کے صاحبزادوں خصوصاً

حضرت زید بن علی میں پاتے ہیں۔ یعنی اس زمانہ

میں جن جن چیزوں کو علم سمجھا جاتا تھا اور ان کے ماہرین جہاں کہیں پائے جاتے تھے۔ حضرت زید کے سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے ان تمام علوم میں ان کے ماہرین سے دست گاہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی کہ بیان کرنے والوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ حاصل بن عطا جو اپنے بعض اعترافی عقائد کی وجہ سے بدنام بھی تھا، آپ اس سے بھی استفادہ کرنے میں نہ جھجکے اور اسی چیز نے اس زمانہ کے سروجہ علوم و قرآن حدیث فقہ و کلام میں آپ کے پایہ کو اتنا بلند کر دیا تھا کہ گویا ان تمام

بیت فوٹ ڈیٹ حاکم
هَذَا الْقَوْلُ الْقَائِلُ بِالطَّاهِرِ لَعَلَّمَهُ - هَذَا الَّذِي تَصْرَفُ الْمَطْهَاءُ وَطَائِفَةُ وَالْبَيْتِ
بِحُجْرَتِهِ وَالْحُجْلُ وَالْحُجْرَامُ - لَيْكِنْ هَذَا مِنْ مَجْدِ ثَمَنِ الْأَمَلِ السَّنَةِ كَوَاسِ شَخْصٍ بِرَحْمَةِ هَيْدِ زَيْدِ كِ
اجْتِهَادَاتِ وَنَبَائِلِ كَوَجْعِ كَرَكِ دُنْيَا فِي مِشْ كِيَا اِعْتَادِ نَحِيْ هِي - اِسْ شَخْصٍ كَا نَامِ اِبُو خَالِدِ عُمَرُو بْنِ خَالِدِ الْوَسْطِيِّ
تَحْتَ اَسْمَاءِ الرِّجَالِ كِي كِتَابُوْنَ فِي اِسْ شَخْصٍ بِرَجْرَحِ كِي كَتِي هِي سَبْ بِي اِلْزَامِ اِسْ بِرِي هِي كِي عَطَارُوْنَ كِي
دَكَانِ سِي رَوِي كِي كَا نَذَرِيْدِ لَيْتَا - اَوْ رَجُوْ حُدُثِيْنَ اِنْ كَا نَذَرُوْنَ فِيْ مِثْلِيْنَ اِنْ كُوْ اِنِّيْ طَرَفِ مَسُوْبِ كَرَكِي رَوَايَتِ
كِرَا تَحْتَ اِتْفِصِيْلِ كِي لِيْ مِيْزَانِ ذِيْ اُوْرْلَانِ اَلْمِيْزَانِ اِبْنِ حَجْرٍ وَغِيْرِهِ دِيْ كِيِيْ ۱۲

سے بصرہ کا اوزبان (غزال) تھا عقلیت کا عارضہ جس فرقہ سے اسلام میں شروع ہوا یعنی معتزلہ کے قدیم سربراہ و ردہ لوگوں میں سمجھا جاتا ہے گناہ کبیرہ کا ارتکاب مسلمان کو مسلمان باقی نہیں رکھتا لیکن وہ کافر بھی نہیں ہوتا یہ درمیانی منزل اسی کی تراشی ہوئی ہے۔ حمل کے دونوں فریق میں سے ایک کو بر غلطی سمجھتا تھا لیکن کون عالم پر تھا اس کو متعین کر چکے تھے پھر نیز کرتا تھا حضرت عائشہ حضرت طلحہ حضرت زبیر صحابیوں کے متعلق بہت کہتا تھا کہ ایک رشتہ بھاجی۔ پر شہادت بھی ان لوگوں کی قابل قبول نہیں ہو سکتی لطیفہ یہ تھا کہ اس کا حرف اس کی زبان سے ادا نہیں ہوتا تھا لیکن الفاظ کا اتنا بڑا عظیم سراپا اس کے پاس تھا کہ ساری عمر لیے لیے خیلے دیتا رہا سب میں ایسے الفاظ استعمال کرتا تھا جن میں سے نہیں ہوتی تھی مثلاً بزرگیوں کو قمع سطر باش کو نیت کہتا۔ واصل خواجہ حسن بصری کے حلقہ میں بھی بیٹھا تھا۔

علوم میں بذات خود وہ اجتہاد کا مقام رکھتے تھے آج بھی فرقہ زید یہ کا خیال ہے کہ وہ ان ہی کے اجتہاد کے مقلد ہیں، حضرت کی طرف متعدد کتابیں اس فرقہ میں منسوب ہیں۔ جن میں بعض طبع بھی ہو گئی ہیں۔

قرآن سے تعلق خیر فرقہ زید یہ اور ان کے خیالات سے اس وقت بحث نہیں لیکن اتنا مسلم ہے کہ خاندانہ نبوت میں حضرت زید نے

طلب علم میں جتنی کوشش کی، اس خاندان میں اس کوشش کی نظیر نہیں ملتی۔ خصوصاً قرآن کے ساتھ آپ کا جو تعلق تھا، اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے جو خود آپ سے منقول ہے۔ خلوت بالقرآن ثلاث عشر سہ ماہ فیہ تیرہ سال تک قرآن کے مطالعہ کیلئے میں نے خلوت اختیار کی تیرہ سال تک ہر چیز سے الگ ہو کر قرآن میں آپ کا یہ استغراق کس لئے تھا جہاں تک قرآن سے معلوم ہوتا ہے بات وہی تھی کہ امت اسلامیہ میں مختلف مل وادیان کے لوگ فوج در فوج جو داخل ہوئے، اور ہر ایک اپنے ساتھ کچھ اپنے موروثی عقائد و خیالات کے جراثیم بھی لایا۔ مسلمان ہونے کے بعد شعوری اور زیادہ تر غیر شعوری طور پر ان میں بعضوں نے یہ کوشش کی کہ اسلامی عقائد و مسلمات اور اپنے موروثی عقائد و خیالات میں مصالحت و موافقت کی شکل پیدا کریں، اور صحیح پوچھتے تو پہلی صدی ہجری میں بیسیوں فرقوں کی اسلام میں جو بھرا ہو گئی تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ واقعہ بھی تھا دوسری طرف حکومت قائمہ کے ساتھ مسلمانوں کو کیا تعلق رکھنا چاہیے اس باب میں جیسا کہ گذر چکا طرح طرح کے خیالات لوگوں میں

بقیہ فٹ نوٹ ۱۴۱

اگر خدا کی توفیق رفیق ہوتی تو کسی مستقل کتاب میں اس قصے کی تفصیل کی جائے گی، اتنی بات اس وقت بھی لوگوں کے گوش گزار کر دیتا ہوں کہ سب سے پہلا فرقہ اسلام میں قریلوں کا پیدا ہوا۔ صحیح مسلم وغیرہ سے بھی معلوم ہوتا ہے معہ بن خالد جھنی نے اس مسئلہ کو چھیڑ کر فرقہ بندی کی ابتدا کی، مگر زیدی نے لکھا ہے کہ معہ بن خالد کے ایک آدمی جس نے اپنی کینیت ابو یونس رکھ لی تھی اس مسئلہ کو اخذ کیا تھا اسی لئے ابو یونس الاسواری کہلاتا تھا۔ اسواری کون تھے ان کے تفصیلی حالات ابلاوری نے ہیں جس کے خلاصہ یہ ہے کہ ایران کے شاہی ہاڈی گاند یا شاہی حبش کا نام اسواری تھا، ایرانی حکومت کی شکست کے بعد اس پوری ایرانی فوج نے حضرت سعد فاتح ایران سے خواہش کی کہ مسلمانوں کو جو رعایتیں حاصل ہیں اگر ہیں عطا ہوں تو ہم مسلمان ہو کر اسلامی آبادیوں میں آباد ہو جائیں۔ ان کی شرط منظور کر لی گئی۔ اور پھر خیر کو فرقہ وغیرہ میں یہ آباد ہوئے۔ بلاذری نے تفصیل کے ساتھ ان کے حالات بھی ہیں۔ اسلام یا اسی منافع کے لئے انھوں نے قبول کیا تھا۔

پھیلے ہوئے تھے چالیس چوروں کی جماعت مشائخ کی تھی اس نے تو عملاطین وقت کو ہر قسم کی مصلحت سے آزادی ہی بخش دی تھی۔ ان ہی کے بالمقابل خوارج اور ان کے بولمبول خیالات رکھنے والے فرقے تھے جو بات بات پر مسلمانوں کی گردنیں اڑا دینا ان کے جان و مال کو حلال سمجھ لینا عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنالینا اسی کو بطور پیشہ کے اختیار کئے ہوئے تھے جن کی جراتیں اس حد تک پہنچی ہوئی تھیں کہ حضرت مرتضیٰ علیہ السلام تک سے توبہ کر کے مطالبہ کرتے ہوئے کہتے کہ تب کہا تبنا دم بھی اس طرح توبہ کرو جس طرح ہم نے توبہ کیا ہے، اسی طرح آپ دیکھ چکے کہ خود اہل بیت کے اراکین سیاسی معاملات سے یکسوئی اور قطعی علیحدگی کا طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے الغرض یہی سوال کہ پراگندگی اور انتشار کے اس حال میں حق کیا ہے، جہاں تک میں سمجھتا ہوں، تیرہ سال تک قرآن کے استغراق میں اسی سوال کا شاید جواب حضرت زید تلاش کر رہے تھے۔ پھر اس کا جواب ان کو کیا ملا میری بحث کے دائرے سے اس کی تفصیل خارج ہے۔

حضرت زید کی ایک تقریر

اجالاً ان کی اس تقریر کا تذکرہ کر سکتا ہوں جو اس زمانہ کے مختلف اعتقادی فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا جاتا ہے، حضرت شہید نے فرمایا تھا کہ میں ان لوگوں سے بھی بری ہوں جو حق تعالیٰ کو اس کے مخلوقات جیسی ہستی خیال کرتے ہیں۔ اور ان جہولوں سے بھی بری ہوں جنہوں نے اپنی ساری شرارتوں اور بد اعمالیوں کی گٹھری خدا پر لاد دی ہے (یعنی ہم کچھ نہیں کرتے سب خدا کرتا اور کراتا ہے) اور میں ان لوگوں سے بھی بری ہوں جنہوں نے بدکاروں اور شرمدوں کے دل میں یہ توقع پیدا کر دی ہے کہ خدا ان کو یوں ہی چھوڑ دے گا (یعنی صرف ایمان کا دعویٰ کافی ہے نجات کے لئے عمل صالح کی ضرورت نہیں جو مرجیہ کا عقیدہ ہے) اور میں ان دین باختوں سے بھی بری ہوں جو حضرت علی کو کافر کہتے ہیں اور ان را فضیوں سے بھی جدا

لے اشارہ ان لوگوں کی طرف تھا جو خداوند تعالیٰ کے لئے آدمی کی طرح آنکھ نہ ہاتھ وغیرہ ثابت کرتے بلکہ بعض ان میں کہتے کہ بجز ڈاڑھی اور شرم گاہ کے خدا میں وہ سارے اجزا پائے جاتے ہیں جو آدمی کے جسم میں ہیں ان کا یہ بھی خیال تھا کہ عرش کی حسامت اللہ میاں کی حسامت سے چار اٹھل زیادہ ہے لیونکہ عرش کی صفت تکرار میں عظیم آلی ہے کم از کم چار انگل تو اس تخت کو بڑا ہونا چاہیے جس پر خدا بیٹھا ہے (العیاذ باللہ)

ہوں جو ابو بکر و عمر کی تکفیر کرتے ہیں، مگر خیر ان باتوں کا تعلق تو دینی اور مذہبی عقائد و خیالات سے تھا، حکومت مسلطہ جن ناکردوں کا ارتکاب کر رہی تھی اور اس کے حکام جن ناگفتیوں پر مسلمانوں کے حق میں جبری ہو گئے تھے ان کے مقابلہ میں کیا طریقہ عمل اختیار کر لیا جائے۔ یقیناً اس خلوت بالقرآن کے تیرہ سالوں میں یہ سوال بھی ان کے سامنے تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اسی سوال کا جواب تھا جو کوفہ کی گلیوں میں آپ کے خون سے لکھا گیا بیان کیا جاتا ہے کہ اپنی شکست کا جب آپ کو یقین ہو گیا تو اس وقت فرمایا کہ:-

”شکر ہے اُس خدا کا جس نے مجھے اپنے دین کو حد کمال تک پہنچانے کا اس وقت موقع عطا فرمایا۔“

اس کے بعد فرمایا اور یہی فقرہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے، یعنی فرمایا:-
جب کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت شرمندہ تھا کہ اُن کی اُمت کو معروف کا حکم میں نے کیوں نہیں دیا اور منکر سے کیوں نہیں روکا۔
دوسری روایت کے الفاظ اسی کے قریب قریب ہیں یعنی آپ نے فرمایا:-
خدا کی قسم مجھے یہ چیز سخت ناگوار تھی کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کروں اور اس حال میں ملاقات کروں کہ ان کی اُمت کو نہ معروف کا میں حکم دیتے ہوتا اور نہ منکر سے منع کئے ہوتا۔
اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ:-

”خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کو جب میں نے درست کر دیا تو اس کے بعد مجھے اس کی قطعاً پرواہ نہیں ہے کہ میرے لئے آگ جلائی جائے اور مجھے اس میں جھونک دیا جائے۔“ مقدمہ روض النضر۔

میرے خیال میں تو شائدان کا یہی جذبہ تھا جس کی چنگاری ان کے اندر سلگتی اور بھڑکتی رہتی تھی مشہور محدث ابو عوانہ نے حضرت عہید کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ:-

کان زید بن علی یروی الحیاۃ عن اُمّا زید بن علی کے لئے زندگی ایک بوجھ بن گئی تھی زندگی سے وہ کانِ ضحیراً بالِحیاۃ تھو مقدمہ روض النضر وہ تنگ آ چکے تھے۔

یہی خیال کہ اپنے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا اسی چیز نے شاید ان کی زندگی کو ان پر دو بھر کر دیا تھا حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اندر تھا وہ باہر کیسے آئے

اسی فکر میں زندگی کے ایک بڑے حصہ میں وہ سرگرداں اور پریشان تھے کہ اچانک ابن النضر نے کو بات سُوجھی یا سُجھائی گئی۔ وہ حضرت کے پاس مال کے رکھوانے کا دعویٰ کرتا ہے اور ہشام کے لئے "مال" کی آواز سے زیادہ دلچسپ آواز کوئی نہ تھی۔ المسعودی نے اس کی خصوصیت ہی یہ لکھی ہے کہ کان۔ مجمع الاموال (یعنی مال جمع کرنے کا اس کو بہت ڈھب تھا) حتیٰ کہ اسی کا بیان ہے کہ

"ہشام کے عہد میں لوگ اسی کی روش پر چلنے لگے جس کے پاس جو کچھ تھا اس کے دبا لینے کی فکر میں ڈوب گیا حسن سلوک کے راتے مسدود ہونے اور مہمان نوازی کا سلسلہ ٹوٹ گیا (المسعودی بر حاشیہ کامل ص ۱۴۴)

بھلا جس بادشاہ کا حال یہ ہو کہ رعایا پر خواہ کچھ ہی گذر جائے لیکن اپنے غلہ کی فروخت کی فکر دوسروں کے غلوں کی بکری سے پہلے ہو، یہ بادشاہ ہوا یا کوئی اور بہر حال ہوا یہی جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ سننے کے ساتھ ہشام نے اسی وقت مدینہ کے والی کے نام فرمان روانہ کیا کہ زید اور جن جن لوگوں کا نام خالد نے اس سلسلہ میں لیا ہے ان کو میرے پاس دمشق بھیج دو، فرمان مدینہ آتا ہے والی ان سب کو واقعہ سے مطلع کرتا ہے۔ حضرت زید حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ کہاں خالد اور کہاں اس کا مال والی نے بھی سن کر یہی کہا کہ آپ لوگ سچ کہتے ہیں مگر میں مجبور ہوں دمشق جانا پڑے گا۔ وے برندش روانہ ہوتے دمشق پہنچے، ہشام نے پہلے خود پوچھ گچھ کی، طبری نے لکھا ہے کہ بیان سننے اور کافی جرح و سوال کے بعد ہشام کو حالانکہ اطمینان بھی ہو گیا خود اس نے اعتراف کیا کہ

انتما عندی اصدق من ابن النضر ^{۲۶۱} نضرانیہ کے لڑکے (خالد) سے آپ لوگ میرے نزدیک زیادہ سچے ہیں

چاہیے تھا کہ اب ان حضرات کو مدینہ منورہ واپس کر دیتا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مال کی محبت میں اسے دوسرے ہوا کہ شاید برسرِ زمین خالد کے رو برو ہونے کے بعد کوئی ایسی بات معلوم ہو جس سے مال کا پتہ چلے، اس نے دونوں کو حکم دیا کہ۔

آپ دونوں یوسف (گورنر کوفہ) کے پاس جائیے تاکہ یوسف خالد سے آپ کے سامنے معاملہ دریافت کرے اور منہ پر اس کے دعوے کو جھٹلاتی ہو ^{۲۶۲} کا مل

اور یوں خود ہشام نے کوفہ پہنچنے کا حضرت زید کے لئے ایک ذریعہ پیدا کر دیا تقدیر اسی نام ہے اسرارِ نبی امیہ ہمیشہ اس کی نگرانی رکھتے تھے کہ اہل بیت کا کوئی آدمی کوفہ پہنچنے نہ پائے۔ یا پہنچے بھی تو اس کی باضابطہ نگرانی رکھی جاتی تھی، لیکن مال کی محبت میں ہشام کچھ ایسا اندھا ہو رہا تھا کہ خود ہی تدفین کر کے باضابطہ تمام حضرت شہید اور ان کے ساتھ عبداللہ بن عباس کے پوتے داد بن علی کو زبردستی کوفہ پہنچا دیا جیسا کہ عرض کر چکا ہوں خالد اور حضرت زید کی دودھ و گفتگو جب ہوئی تو خود خالد نے اعلان کیا کہ میں نے مال ان حضرات کے پاس نہیں رکھوایا ہے۔ اور حضرت زید کے یہ دریافت کرنے پر کہ پھر تو نے ہمارا نام کیا لیا اس نے جوابات جواب میں کہی تھی کہ آپ کے آنے سے مجھے توقع ہے کہ شائد نجات کی کوئی راہ نکل آئے۔ وہی بات سامنے آگئی۔

کوفہ جہاں گذشتہ دنوں میں جو کچھ گذر چکا تھا وہ تو گذر ہی چکا تھا لیکن مسلمانوں کی مسجدوں کے مینارے جو ڈھائے گئے تھے اور ان کے مقابلہ میں عیسائیوں کے لئے گرجا بنایا گیا تھا۔ ایمان والوں پر شرک و کفر کا تسلط قائم کیا گیا تھا، بادشاہ کی آمدنی میں تاخیر کی نہ ہو رہا یا کو بھوکوں مرے پر مجبور کیا جا رہا تھا، خالد کے ہٹنے کے بعد جو دو سرے صاحب گورنر بن کر آئے وہ بھی سب زبردستی بھائی شغال ہی نکلے صدق ابن اللخنا جس کا نکیہ کلام تھا، سچ بھی ان کے نزدیک جھوٹ تھا اور جھوٹ بھی جھوٹ تھا، دن کو کہنا بھی جرم تھا، اور دن کہنا بھی گناہ، یہ اور اسی قسم کے بیسیوں ہرے زخم تھے جن کو کوفہ والے ٹرپ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ظلم و ستم کی ان ہی تاریخوں میں اچانک خالو اہ نبوت کے ایک چشم و چراغ کا ان تمام ظاہری و باطنی کمالات کے ساتھ ان لوگوں میں آجانا جن کی ہر مومن قلب کو تلاش رہتی ہے، رحمت کے ایک فرشتہ ہی کا آجانا تھا نہ صرف عوام بلکہ کوفہ میں خواص کا جو طبقہ تھا، اس میں بھی ایک ہل چل پیدا ہو گئی۔ اتفاق کی دیکھئے کہ احمق یوسف نے بجائے کوفہ کے ایسے خطرناک دنوں میں حیرہ کو اپنا مستقر بنا لیا۔ حضرت زید چونکہ خود خلیفہ کی طرف سے کوفہ تشریف لائے تھے۔ اس لئے اہل بیت کی آہ پر جو نگرانی حکومت کی رہتی تھی، اس نگرانی میں بھی قدرتا نگرانوں نے تساہل سے کام لیا۔ بہر حال نتیجہ ان باتوں کا جو کچھ تھا وہی سامنے پیش آیا،

کوفہ میں حضرت زید کے معتقدین

تو جانے دیکھتے جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ خواص کے طبقات میں بھی یہ بات محسوس ہونے لگی کہ حضرت زید کا اتفاقی طور پر کوفہ آ جانا ایک معتمد موقعہ ہے۔ خواص سے میری ملاقات اہل علم و تقویٰ کا گروہ ہے جن کی کوفہ میں ایک نہایت بڑی تعداد تھی۔ پھر ان میں بعض جو زیادہ جوشیلے تھے انہوں نے تو علانیہ حضرت زید کی طرف سے لوگوں سے بیعت تک لینے شروع کر دی۔ اس طبقہ کے سرگروہ وہی منصور بن المعتمر تھے جن کے متعلق کچھ دیر پہلے یہ تذکرہ کیا گیا تھا کہ حضرت امام ابو حنیفہ اور ابن معتمر خلوت میں مل کر باتیں کرتے اور روتے تھے۔ لکھا ہے کہ کان منصور بن المعتمر یس و علی الناس منصور بن معتمر گشت کر کے لوگوں سے حضرت زید بن علی یا خن البیعد لزید بن علی سہ روض کے لئے بیعت لیتے تھے۔

یہ ظاہر ابن معتمر اور ان ہی جیسے بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ جیسا کہ تاریخوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار انسانوں نے حضرت زید کے ساتھ مل کر بنی امیہ کی حکومت سے مقابلہ کرنے کا عہد کیا۔ اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اسی کے مقابلہ میں خواص ہی کا ایک دور اندیش طبقہ تھا جس کے سامنے کوفہ کی گذشتہ تاریخ کے اوراق کھلے ہوتے تھے، کوفہ والوں ہی نے ان ہی زید کے دادا حضرت امام حسین اور امام حسن بلکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ سب ان کے سامنے تھا اس طبقہ کے سرخیل مشہور محدث سلمہ بن اکیل تھے سلمہ انہوں نے صحابہ کی بھی آنکھیں دیکھی تھیں اور اہل بیت کے ساتھ خاص تعلق رکھنے کی وجہ سے کچھ تشیع میں بدنام بھی تھے انہوں نے حضرت زید کو بہت سمجھا یا پچھلے تاریخی واقعات یاد دلائے لیکن سلمہ گفتگو کامیابی اور ناکامی کے نتائج کو پیش نظر رکھ کر رہے تھے اور شہید کے سامنے صرف ایک بات تھی۔ حضرت کی زبان مبارک پر چند اشعار بھی اس زمانہ میں جاری تھے ایک مصرعہ یہ بھی تھا:

انی امی و ساموت ان لم اقل

میں ایک شخص ہوں بہر حال مروں گا اگر قتل ہو گا

۱۔ منصور بن المعتمر اور سلمہ بن اکیل کا مقام کوفہ میں کیا تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ عبدالرحمن بن ہدی مشہور ناقد محدث کا قول تھا۔ لم یکن بالکوفۃ اثبت من اربعۃ منصور و عثمان بن مرہ و سلمہ و ابو حصین التہذیب یعنی منصور اور سلمہ عمرو بن مرہ اور ابو حصین سے حدیث میں استوار ترین محدث کوئی دوسرا کوفہ میں نہ تھا۔

کہتے ہیں کہ سلمہ بن کہیل نے جب دیکھا کہ حضرت اپنے ارادہ پر مستقل ہیں تو عرض کیا کہ مجھے کوفہ سے باہر نکلنے کی اجازت دیجئے شاید کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جو مجھ سے دیکھا نہیں جاسکے (کامل ج ۷، ۷۷) اور واقعی کوفہ سے نکل کر یہاں چلے گئے لیکن جیسا کہ طبقات میں ہے سلمہ بن کہیل کا سلسلہ میں انتقال اسی زمانہ میں ہوا جس زمانہ میں حضرت زید بن علی کوفہ میں شہید ہوئے (۲۲۱) اور حضرت شہید کی وہی بات۔

انی اہمّ مسا موت ان لم اقتل میں ایک شخص ہوں، بہر حال مردوں کا اگر قتل نہ ہوگا پوری ہوئی۔ کسی نے یہی کہا ہے کہ موت کے معنی کا حل "شہادت" کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جاں بچاؤ وہ دگر نہ از تو بستاندا جل خود تو منصف باش اے دل این مکن یا آں مکن مگر ظاہر ہے کہ یہ دونوں طبقہ مخلصین ہی کا تھا یعنی جو کچھ بھی یہ لوگ کہہ رہے تھے اخلاص و صداقت و فاداری ہی کے تحت کہہ اور کر رہے تھے۔ پھر ان ہی مخلصین میں ایک اور طبقہ نظر آتا ہے

اس میں نے مخلص کا لفظ اس لئے لکھا ہے کہ ان ہی کوفہ والوں میں ایک اور گروہ بھی تھا جو اہل بیت کے محنت کے دعوے میں سب سے آگے تھا حضرت کے ارادے سے مطلع ہونے کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں جواب میں فرمایا "اللہ کی کتاب کی طرف اور اللہ کے رسول کی سنت کو زندہ کیا جائے اس کی طرف تم لوگوں کو بلاتا ہوں اور یہ کہ دین میں جو نئی باتیں پیدا ہو گئی ہیں ان کا ازالہ کیا جائے۔ اگر میری بات سنتے ہو تو سعادت حاصل کرو گے اور انکار کرتے ہو تو میں تم پر دافہ مقرر نہیں کیا گیا ہوں" کہتے ہیں کہ اس پر ان لوگوں نے سوال اٹھایا کہ ابو بکر و عمر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت میں ان حضرات نے زندگی گذاری اور صحبت و رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ دونوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا کوشش کی جتنی کوشش کہ ممکن تھی اور میں نے اپنے گھر کے لوگوں میں کسی سے نہیں سنا کہ ان دونوں سے برا اور صدامی انھوں نے اختیار کی بلکہ جس کسی سے سنا ہمیشہ خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہ سنا تب ان لوگوں نے کہا کہ پھر تم اپنے خاندان کے خون کا اور ظلم کا بدل لینا نہیں چاہتے۔ ابو بکر و عمر نے تمہارے خاندان کی حکومت پر قبضہ کر لیا اور دنیا کو تم لوگوں کی پیٹھ پر سوار کر دیا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے کہ لوگ تم لوگوں کو قتل کر رہے ہیں مار رہے ہیں حضرت زید نے سن کر فرمایا بلاشبہ ان لوگوں کے وہ حکم ہوئے اور ہم لوگوں کے بھی لیکن کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقے پر عمل کرنے میں ان لوگوں نے قطعاً کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تب ان لوگوں

جو ایک طرف کوفہ والوں کی تاریخی ہے وہاں یوں کو دیکھتے ہوئے کھل کر مقابلہ کا مشورہ دیتا ہے اور چونکہ بنی امیہ کے مظالم کا پانی لوگوں کے سر سے اونچا ہو چکا تھا اس لئے اس مفتنم موقع کے ضائع ہو جانے پر اپنے آپ کو اس نے راضی نہیں پایا۔ اس گروہ کے سرخیل جہاں تک میرا خیال ہے کوفہ کے محدث جلیل اور امام نبیل الاعمش میں تاریخوں میں ان کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ ایک طرف وہ یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ

واللہ لیخون لہ واللہ لیسبند
خدا کی قسم یہ لوگ زید کو چھوڑ دیں گے دشمنوں کے سپرد کر دیں گے
کما فعلوا بجل و دعمہ
جیسے ان کے دادا اور چچا کے ساتھ بھی ان ہی کوفہ والوں نے یہی سلوک کیا
لیکن اسی کے ساتھ بے چارے یہ بھی کہتے کہ :-

بغیۃ فہ لا یط عشا

میں نے کہا کہ اگر ابو بکر و عمر نے تم لوگوں پر ظلم نہیں کیا تو پھر بنی امیہ بھی ظلم نہیں کر رہے ہیں اور جب واقعہ یہی ہے تو بنی امیہ سے مقابلہ کرنے کی دعوت ہم لوگوں کو کیوں دیتے ہو کیونکہ ایسی صورت میں تو وہ بھی ظالم نہیں ہیں کیونکہ بنی امیہ والے تو ابو بکر و عمر ہی کے طریقے کی پیروی کر رہے ہیں اس پر حضرت زید نے فرمایا کہ بنی امیہ والے قطعاً ابو بکر و عمر جیسے نہیں ہیں بنی امیہ والے تو تم پر بھی ظلم کر رہے ہیں اور خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اور رسول اللہ کے گھرانے والوں پر ظلم کر رہے ہیں یہی موقع تھا جس پر ان لوگوں نے مشہور لفظ استعمال کیا۔ یعنی بولے کہ ان ہرمت منہما والاس فضناک ریا تو ابو بکر و عمر سے بیزاری کا نغمہ اعلان کر دو ورنہ ہم تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے، یہ سننے کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ حضرت زید نے زور سے اللہ اکبر کی صدا بلند کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے والد فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے کہا تھا کہ ایک قوم ہوگی جو ہم لوگوں راہل بیت سے محبت کرے گی، لیکن ان کا ایک لقب ہوگا، اُسی سے وہ پہچانی جائیگی جاؤ تم لوگ "الرافضہ" ہو رافضہ روض بکوالہ مقرر بیری وغیرہ کہتے ہیں کہ یہی پہلا دن تھا جس دن سے "رافضہ" کا لفظ دنیا میں چل پڑا یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت زید سے ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ تم ہمارے امام نہیں ہو انھوں نے پوچھا کہ پھر کون تمہارے امام ہیں بولے کہ تمہارے چچا زاد بھائی جعفر ہمارے امام ہیں حضرت زید نے کہا کہ بے شک اگر جعفر اس کا دعویٰ کریں کہ وہی امام ہیں۔ تو وہ سچ کہیں گے خط لکھ کر ان لوگوں نے کہا کہ استبداد منورہ کا آج کل بند ہے کوئی قاصد چالیس اشرفی سے کم میں خط لے جانے پر آمادہ ہی نہیں ہوتا حضرت نے چالیس اشرفیاں اسی وقت حوالہ کیں اور فرمایا قاصد روانہ کرو، لیکن صبح کو ان لوگوں نے کہا کہ جعفر تمہاری خاطر کرتے ہیں۔ مدارات سے کام لیتے ہیں اس پر زید نے فرمایا افسوس تم لوگوں پر کیا امام سخن سازی سے کام لیتا ہے یا حق کو چھپاتا ہے اس پر وہ لوگ چلے گئے ۱۲

واللہ لولا ضارۃ لی لخر جبت معدۃ یمنی، خدا کی قسم اگر آنکھ میں میرے ہرج نہ ہوتا تو ان کے ساتھ میں بھی نکل کھڑا ہوتا۔

یہ اعمش کے شاگرد و رشید امیر المومنین فی الحدیث شعبہ کی روایت ہے، کچھ ہی حال کو وہ کے دوسرے امام سفیان ثوری کا معلوم ہوتا ہے یعنی حضرت کے ساتھ جنگ میں بھی شریک نظر نہیں آتے۔ لیکن اسی کے ساتھ ابو عوانہ کی روایت ہے کہ:-

اذا ذکر زید بن عسی یقول بل ل
مہجۃ لربہ وقامر بالحق لخالقہ
والحق بالشہداء المرہن وقین من
آبائہ ۵۵ (مقدمہ روض)

ابو سفیان ثوری حضرت زید کا ذکر کرتے تو کہتے اپنی جان اللہ کی راہ میں نثار کر دی اور اپنے خالق کی مرضی کی پابندی میں حق کو لے کر کھڑے ہوئے اور اپنے ان گزشتہ آباء و اجداد میں شریک ہو گئے جنہیں خدا نے شہادت روزی کی تھا

مخلصین کے اسی طبقہ میں کچھ حضرت امام ابو حنیفہ بھی نظر آتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ امام کے

امام کی حضرت زید سے عقیدت

متعلق بعض خصوصی واقعات بھی اسی سلسلے میں بیان کئے جاتے ہیں جن میں سب سے بڑی بات تو یہ نظر آتی ہے کہ امام ابو حنیفہ کو خود حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے یاد فرمایا اور اپنا ایک خاص قاصد جس کا نام فضیل بن زبیر تھا اس کو حضرت امام کے پاس روانہ فرمایا۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو امام کے سوا اکابر کو فہ کے ساتھ جہاں تک روایات کا تعلق ہے حضرت شہید نے غالباً اختیار نہیں فرمائی۔ خود فضیل بن زبیر کا بیان ہے:-

كنت رسول زید بن علی الی ابی حنیفۃ ۵۶ میں امام ابو حنیفہ کے پاس حضرت زید کا قاصد بن کر گیا تھا۔ فضیل کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ نے سب سے پہلے سوال اس سلسلہ میں مجھ سے جو کیا تھا وہ یہ تھا کہ

نقباء جو اس زمانہ میں طبقہ اہل علم کی تعبیر تھی، ان لوگوں میں سے حضرت زید کے پاس کن کن لوگوں کی آمد و رفت ہے۔

فضیل نے چند ممتاز ہستیوں کے نام گنوائے جنہیں کہا جاسکتا کہ امام ابو حنیفہ کی غرض اس

۵۶ الامش اور شعبہ صریح و رجال کے اسمہ میں ان کے حالات کی تفصیل موجب تطویل ہوگی۔ اہل علم سے ان کے حالات پوشیدہ نہیں ہیں ۱۶

سوال سے کیا تھی؟ یہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ذریعہ سے تحریک کے انجام کے متعلق کچھ رائے قائم کرنا چاہتے تھے۔

حضرت زید کی حمایت میں حضرت امام کا ایک تاریخی بیان

اور غالباً فضیل کے اسی جواب کے بعد امام نے اپنا وہ تاریخی بیان دیا جو چند معمولی الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ حضرت امام کے سوانح عمریوں میں نقل ہوتا چلا آ رہا ہے مختلف واقعہ پر اس بیان کے بعض اجزاء کا ضمنی ذکر میں نے پہلے بھی کیا ہے لیکن وقت آگیا ہے کہ حضرت امام کے اس بیان پر اب ذرا تفصیلی نظر ڈالی جائے۔ اس بیان کے چند اجزاء ہیں۔

(۱) پہلا جز تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے یہ فتویٰ دیا کہ

خروجہ یضاً ہی خروج رسول اللہ ﷺ حضرت زید کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر ص ۲۳ علیہ وسلم کی بدر میں تشریف بری کے مشابہ ہے۔

یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فضیل بن زبیر کو ایلچی بنا کر حضرت شہید نے امام کے پاس جو بھیجا تھا تو گو لکھنے والوں نے صرف یہی لکھا ہے کہ

ارسل اعلیٰ ابی حنیفۃ یلعو ۶ حضرت زید نے فضیل کو ابو حنیفہ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اپنی ذات کی طرف امام ابو حنیفہ کو دعوت دینا چاہتے

تھے یعنی میرے ہاتھ پر بیعت کرو

لیکن جہاں تک سیرا خیال ہے۔ ممکن ہے کہ اسی کے ساتھ امام سے اس باب میں حضرت شہید نے اگر یہ شرعی مشورہ بھی حاصل کیا ہو کہ موجودہ حالات میں بنی امیہ کی حکومت کے مقابلہ میں کھڑا ہونا شرعاً آپ کے نزدیک کس قسم کی بات ہے؟ تو اس کی بھی گنجائش ہے ہو سکتا ہے کہ اسی کا جواب امام نے ان الفاظ میں دیا یعنی قریش کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صف آرا ہو جانا جیسے ایک غیر مشتبہ فیصلہ تھا۔ اسی طرح گو اس وقت مقابلہ میں بجائے کافروں کے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ لیکن اپنے طریقہ عمل سے بنی امیہ کی حکومت جن نتائج تک پہنچ چکی ہے ان کو دیکھتے ہوئے اس حکومت کے الٹ دینے کی کوشش قطعاً ایمان و اسلام کا اقتضار ہے گویا امام نے ان الفاظ میں حضرت زید کے خروج کی شرعی تصدیق فرمائی ہے جیسا کہ آئندہ معلوم بھی ہو گا کہ اس قسم کے مواقع میں حضرت

امام کا جو مسلک تھا اسی مسلک کا اظہار ایک خاص قسم کی تعبیر کے ذریعہ فرمایا ہے بلکہ اگر اُسے خوش اعتقاد ہی نہ قرار دیا جائے تو ایک طرح سے ان ہی الفاظ سے حضرت امام نے اس انجام کی پیش گوئی بھی کر دی تھی جو آخر حضرت شہید کے سامنے آیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس وقت فضیل حضرت شہید کا پیغام لے کر امام ابو حنیفہ کے پاس آئے تھے۔

جیسا کہ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، 'بخیر الرافضہ' حضرت زید کی دعوت جہاد کے قریب قریب سارے اہل کوفہ امام کے ساتھ ہو کر حکومت سے مقابلہ اور مقابلہ کے لئے تیاری کا وعدہ کر چکے تھے بلکہ لکھا ہے کہ چالیس ہزار آدمیوں نے تو حضرت شہید کے ہاتھ پر اس معاہدے کے متعلق باضابطہ بیعت بھی کی تھی جو حضرت شہید لوگوں سے لے رہے تھے یعنی حضرت زید فرماتے تھے۔

ہم تم لوگوں کو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تمہیں 'بلا تے' ہیں کہ آؤ اور ظالموں سے جہاد کرو، جو کمزور ہو گئے ہیں ان کو ظلم سے بچاؤ، اپنے حقوق سے جو محروم کئے گئے ہیں ان کے حقوق ان تک پہنچاؤ، اور مسلمانوں کا یہ مال جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے اس کو مساوی طور پر مسلمانوں میں تقسیم کرایا جائے۔

لوگ جواب میں جب نعم رہاں، کہتے تب آپ ہر بیعت کرے دے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پھر فرماتے کہ:-

یہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ معاہدہ ہے کہ تم میرے ساتھ وفادار ہو گے اور میرے دشمن سے لڑو گے، اور ظاہر و باطن، خلوت و جلوت میں میری ہی خواہی کرو گے۔

جب اس کے جواب میں میں بھی نعم رہاں، کی آواز آتی تب آپ ہاتھ پر ہاتھ کر پھر فرماتے

اللہم اشہد (اے اللہ گواہ رہ)

بعضوں نے اگرچہ لکھا ہے کہ اس طریقہ سے باضابطہ بیعت پندرہ ہزار آدمیوں نے کی تھی لیکن عام روایت چالیس ہزار ہی کی ہے۔ خود سلمہ بن کہیل کے مکالمہ میں یہ دریافت کرنے پر کہ اب تک کتنے آدمی آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، حضرت شہید نے اربعون الفاظ فرمایا تھا سلمہ بن کہیل نے حضرت کو مقابلہ کے اسامے سے روکنے کے لئے جو مکالمہ کیا تھا اسی کی شرفِ شانہ ہے۔ لکھا ہے

مگر جیسا کہ آخر میں ثابت ہوا کہ لڑنے کے لئے حضرت شہید جب باہر نکلے تو آپ کے ساتھ قریب قریب وہی تعداد رہ گئی تھی جو بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ یعنی بعض روایتوں میں تو آپ کے ساتھ کل دو سواٹھارہ آدمی رہ گئے اور بعضوں میں بجائے دو سو کے

بقیہ نمٹ نوٹ ص ۱۵۲

کہ سلمہ نے حضرت شہید سے پوچھا۔ آپ کے ہاتھ پر اس وقت تک کتنے آدمی بیعت کچکے ہیں۔ شہید:- چالیس ہزار۔

سلمہ:- اور آپ کے دادا حسین کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کی کتنی تعداد تھی۔ شہید:- اسی ہزار۔

سلمہ:- لیکن وقت پر حسین کے ساتھ کتنے رہ گئے تھے شہید:- تین سو

سلمہ:- خدا کا حوالہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ بہتر ہیں یا آپ سے زیادہ بہتر آپ کے دادا تھے۔

اس کے جواب میں حضرت شہید نے جو بات کہی اُس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود سب کچھ جاننے کے وہ کچھ نہ بولے ہوئے تھے بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے بیعت کا غدر کیا یعنی لوگوں سے بیعت لے کر میں بھی گویا معاہدہ کا پابند ہو چکا ہوں اب تو بہر حال اس کو نباہنا پڑے گا بعض روایتوں میں اسی سوال کے جواب میں ایک دلچسپ بات حضرت شہید سے منقول ہے کہ میرے دادا حسین علیہ السلام نے یزید سے اُس وقت مقابلہ کیا جب بنی امیہ آگے کی طرف بڑھ رہے تھے اور میں ان کے مقابلہ میں اس وقت اُترا ہوں جب یہ گر رہے ہیں۔

لے قلعہ تو طویل ہے تفصیل غام تاہی کتاہوں میں پڑھے۔ حاصل یہ ہے کہ یوسف بن عمر جو اس وقت کوفہ سے باہر حیرہ میں تھا کو قوال شہر کے نام اس نے حکم بھیجا کہ لوگ مسجد کی نمازیں جب مسجدوں میں داخل ہوں تو فوراً مسجدوں کے دروازے بند کر کے ان کا محاصرہ کر لیا جائے اور کسی کو مسجدوں سے نکلنے کا موقع نہ دیا جائے اسی طرح ہر محلہ کے دروازے بھی بند کر دیے جائیں مسجد کو حضرت اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب معرکہ آرائی کے لئے نکلے تو اس تھوڑی تعداد کو دیکھ کر فرمایا کہ لوگ یہاں گئے جواب دیا گیا کہ مسجدوں میں بند کر دیئے ہیں۔

حضرت نے فرمایا قل جعلوہا حسینۃ (لوگوں نے اس واقعہ کو بھی حسینی واقعہ بنا لیا) لیکن آپ نے بہت آہستہ باری۔ اتنے ہی آدمیوں کے ساتھ جنگ کرتے رہے یہ سارے واقعات کامل بن اثیر نے دغیرہ سے ماخوذ ہیں

تین سو کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ بدر کی تشبیہ سے امام ابو حنیفہ نے اس پیش آنے والے انجام کی طرف اشارہ نہ کیا تھا۔

(۲) دوسرا جہنم امام کے بیان کا جو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ یہ ہے یعنی حضرت شہید کے پیاری سے امام ابو حنیفہ نے کہا۔

لو علمت ان الناس لا یخونونہ
و یقومون معہ قیامہم لکننت
أتبعہ واجاہل معہ من خالفہ منہ
اگر میں جانتا کہ لوگ آپ کو وقت پر چھوڑ نہ دیں گے اور واقعی راست بازی اور پے عزم کے ساتھ ان کی وفات میں کچھ ہوں گے، تو میں ضرور ان کی پیروی کرتا۔ اور ان کے مخالفوں کو جہنم

اس سے بھی وہی بات معلوم ہوتی ہے کہ امام کے نزدیک جہاں یہ فیصلہ غیر مشتبہ تھا کہ حضرت زید کا اقدام صحیح اور شرعی اقدام ہے اسی کے ساتھ کوفہ والے خصوصاً حضرت شہید کے گرد و پیش میں جو لوگ تھے ان کے کردار و حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام کو اندازہ ہو چکا تھا کہ جو صورت پہلے پیش آتی وہی پیش آکر رہے گی، گو یا اس حد تک امام ابو حنیفہ بھی مخلصین کے اس گروہ کے ساتھ تھے جس کے سرگروہ سلمہ بن کہیل تھے۔ لیکن سلمہ بن کہیل نے اسی انجام کا اندازہ کر کے حضرت زید کے مقابلہ سے جو روکنا چاہا تھا ہم دیکھتے ہیں کہ امام اس طریقہ کو اختیار نہیں فرماتے یعنی جو مشورہ سلمہ حضرت شہید کو دے رہے تھے کسی روایت سے ثابت نہیں کہ امام ابو حنیفہ نے بھی اس مشورہ کو پیش کیا ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ بدر والی تشبیہ سے امام کا اشارہ اس کے خلاف ہو یعنی بدر میں بھی اقلیت قلیلہ کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت سے ٹکرائے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لحاظ سے بہت بڑی اکثریت تھی ایک اور تین کی نسبت تھی اگر یہاں بھی حضرت زید کے ساتھ یہی صورت پیش آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پیغمبر کی سنت سامنے موجود تھی۔ اور اس باب میں تو خود قرآن کا نص بھی۔

کم من فئۃ قلیلة غلبت فئۃ
کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین
کچھ چھوٹے گروہ پر اللہ کے حکم سے غالب آئے ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔
موجود تھا

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف حضرت زید کو اس اقدام سے روکتے بھی نہیں اور اس اندیشہ سے کہ لوگ آپ کو چھوڑ دیں گے ساتھ بھی نہیں دیتے پوچھتے تو اسی سوال کا جواب حضرت امام ابو حنیفہ کا صحیح سیاسی مسلک ہے۔ وقت آگیا ہے کہ اب اس پر بحث کی جائے۔

قانون اور فقہی نقطہ نظر سے اس مسئلہ کی تعبیر

حضرت امام کے سیاسی مسلک کی توضیح

”الامر بالمعروف اور النہی عن المنکر“ کے الفاظ سے کی جاتی ہے یعنی دوسرے واجبات کے ساتھ مسلمانوں پر ایک فرض یہ جو عائد کیا گیا ہے کہ المعروف کا دنیا کو حکم دیں اور المنکر سے لوگوں کو روکیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی زندگی پر لوگوں کو قائم رکھنا اور اسی کی طرف دعوت دینا مسلمانوں کے ان فرائض میں ہے جن کا بار مطالبہ قرآن میں مختلف حیثیتوں سے کیا گیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ قرآن کی مشہور آیت یہ بھی ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم اے ایمان والو! تم پر اپنے ذات کی نگرانی واجب ہے لا یضربکم من ضل اذا هتد بتم جو گمراہ ہو تمہیں ضرر نہیں پہنچتا جب تم سیدھی راہ پر چلے جس کا حاصل یہی ہے کہ لوگوں کو اپنی اپنی ذاتی ذمہ داریوں ہی کا خیال کرنا چاہیے دوسرے اگر گمراہ ہو رہے ہوں تو ان کی گمراہی کا اثر ان لوگوں پر نہیں پڑے گا جو اپنی ذاتی ذمہ داریوں کی تکمیل میں اپنی استطاعت کی حد تک مشغول ہیں۔

جب حکومت جابرہ اور ملک عنفوض کا دور شروع ہوا تو جن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ان ظالم سلاطین کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ ان کا استدلال اسی آیت سے تھا۔ تاہم بعد میں آثار کا بھی ایک ذخیرہ پیش کیا جاتا تھا جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ لیکن سوال یہی پیدا ہوتا تھا کہ اگر اسی آیت کو اصل قرار دے دیا جائے تو معنی اس کے یہی ہوں گے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو فرض مسلمانوں پر عائد کیا گیا تھا اگر زیادہ نسوخ ہو گیا۔ حالانکہ اس کا بھی کوئی مدعی نہیں ہے۔ جواب دینے والوں میں ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جو اسی آیت کے آخری لفظ ”اذا اهتد بتم“ پر توجہ دلاتا ہے۔ یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ دوسروں کی گمراہی سے تمہیں ضرر نہیں پہنچے گا۔ یہ ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے اور نہ شرط یہی ہے کہ ”تم اگر سیدھی راہ پر ہو“ جو اذا اهتد بتم کا ترجمہ بہت جس کا مطلب یہی ہے کہ اپنے متعلقہ فرائض صحیح طور پر ادا کر رہے ہو جب دوسروں کی گمراہیوں سے تمہیں ضرر نہیں پہنچے گا، اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے متعلقہ فرائض میں جب المعروف کا امر اور المنکر کی نہی بھی ہے تو اس فرض کا تارک ہدایت یافتہ ہی کب ہوا۔ مقصد ان بزرگوں کا یہ ہے کہ اس فرض سے سبک دوشی کے بعد بھی اگر گمراہیوں سے کوئی باز نہیں آتا تو اس وقت اس

کی گمراہی دوسروں کے لئے ضرر رساں نہیں ہے اسی لئے کسی حال میں بھی یہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے سکوت اختیار کرنے کو جائز نہیں سمجھتے البتہ حدیثوں میں اس فرض کی ادائیگی کے متعلق چند مدارج جو مقرر کئے گئے ہیں، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ "منکر" اور غیر اسلامی چیز کو دیکھ کر چاہیے کہ آدمی ہاتھ سے اس کو روک دے۔ اگر اس کی سکت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اس کی گنجائش بھی نہ ہو تو دل سے بُرا جائے فرمایا کہ ایمان کا یہ ضعیف ترین درجہ ہے۔ نفس قرآنی کی اسی نبوی تشریح کو پیش نظر رکھتے ہیں ان لوگوں کا فیصلہ ہے کہ ان مدارج میں سے کسی درجہ کی حد تک حکم کی تعمیل فرض ہے۔ سبک دوشی کے لئے اور ہدایت یافتہ ہونے کی شرط کی تکمیل کے لئے کافی ہے۔ اگرچہ بڑا درجہ اس کا ہے جس کی ایمانی قوت ہاتھ سے بدل دینے کی جرأت پر اس کو آمادہ کرے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک الامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض میں اس فرض کی تعمیل ہی کامیابی ہے۔

حضرت امام کے نقطہ نظر سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی توضیح

لیکن حضرت امام ابو حنیفہ کے مختلف اقوال و اعمال سے بعد کو لوگوں نے جو نتیجہ نکالا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نہ تو ان لوگوں کے ساتھ ہیں جنہوں نے علیکم السلام والی آیت کو سامنے رکھتے ہوئے سکوت مطلق یا اعراض مطلق کے مسلک کو اختیار کر لیا تھا جس کا آل شاید بھی ہو سکتا ہے کہ معروف کے امر و منکر کی نہی کا فرض قرآنی گویا منسوخ حکم کی حیثیت اسلام میں رکھتا ہے خصوصاً "جابرہ" اور حکومت جابرہ کے مقابلہ میں ان لوگوں نے اسی مسلک کو اختیار کر لیا تھا۔ امدان لوگوں پر معترض ہوتے تھے جو ان ظالم سلاطین کو معروف کا حکم یا منکر سے روکنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ محدثین کا ایک بڑا طبقہ اسی خیال کا قائل تھا حتیٰ کہ الذہبی جو اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے ہشام کے مقابلہ میں حضرت زید شہید کے مقابلہ کے قلعے کو بیان کرتے لکھا ہے۔

خرج علی ہشام فقلت لہ لم یخرج منہ ہشام کے مقابلہ میں زید کل کھڑے ہوئے کاش نہ کھڑے ہوئے لیکن اسی کے ساتھ امام کا خیال یہ بھی تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم محض اس لئے نہیں دیا گیا ہے کہ حالات کا اندازہ کئے بغیر صرف اس کی تعمیل ہی کو فرض قرار دے دیا جائے بلکہ قرآن کی دوسری آیتوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں صحابہ کے طرز عمل کو پیش نظر رکھ کر

اس مجموعہ سے نتیجہ پیدا کرنا چاہیے، آخر قرآن ہی میں یہ بھی تو ہے۔

فذلک کو ان نفعات الذکر ہی

لوگوں کو نصیحت کرو، اگر نصیحت فائدہ پہنچا رہی ہو
پھر قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں ہاتھ سے منکر کو بدلنا فرض نہیں ہے ورنہ
آخر اس قسم کی آیتوں کا کیا مطلب ہوگا جن میں ہے۔

فذلک کو انما انت مذکور لست
علیہم بمسیطر۔
تم لوگوں کو نصیحت کرو، تم صرف نصیحت کرنے والے
ہو تم کو ان پر داروغہ نہیں مقرر کیا گیا ہے۔

نیز حضرت ابو ثعلبہ الخثنی کی یہ روایت جو ہے کہ قرآن کی اسی آیت کے متعلق یعنی

یا ایہا الذین امنوا علیکم انفسکم ایمان والوا تم پر اپنی ذات کی نگرانی واجب ہے جو
لا یضارکم من ضل اذا اھتد یتم گمراہ ہوا تمہیں ضرر نہیں پہنچاتا اگر تم سیدھی راہ پر چلے۔

کے متعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا
کہ معرّف (یعنی اچھی باتیں) کرتے رہنا اور منکر بری باتوں سے بچتے رہنا۔ پھر جب دیکھو کہ لوگ
اپنی حرص و ہوا کے بندے بن گئے اور اپنی خواہشوں کی پیروی میں لگ گئے دنیا کو انھوں نے اختیار
کر لیا اور ہر شخص اپنی اپنی رائے پر ناز کرنے لگے تو یہی وہ وقت ہے جس میں تمہیں صرف اپنی ذات
کی خبر لینی چاہیے اور یہی کیا بکثرت ایسی روایتیں صحاح میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا
ہے کہ ایسا وقت کبھی آئے گا۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا
کہ اپنے اپنے گھروں کے ٹاٹ بن کر رہ جائیں۔ فرمایا گیا کہ بیٹھنے والا ان دلوں میں کھڑے ہونے
والے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والوں سے چلنے والا دوڑنے والوں سے خلاص
ہے کہ مذکورہ بالا قرآنی آیات اور پیغمبر کے روایات سے بھی قطع نظر نہیں کیا جاسکتا
عزیز جلیل القدر صحابہ کا ایک طبقہ بنی امیہ کی حکومت جابرہ کے زمانہ میں موجود تھا۔ خود ان
اظہار عمل بھی "الامر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے قانون کے سمجھنے اور اس قانون کے
تعمال کرنے میں راہ نہائی کر رہا تھا۔

مشہور حنفی امام ابو جعفر طحاوی نے اسی بنیاد پر تمام روایتوں کو جمع کرنے کے بعد
غنی نقطہ نظر کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

فیما ذکرنا توکید الامر بالمعروف
نہی عن المنکر یكون الزمان الذی
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکیدوں کے متعلق
جو باتیں میں نے بیان کیں معلوم ہوا کہ ایک زمانہ آئے گا

ينقطع ذلك هو الزمان الذي

وصفه رسول الله صلى الله عليه وسلم

في حديث ابى ثعلبة الخشبي الذي

لا منفعة فيه بامر معروف ولا ينهي

منكر ولا قوة مع من ينكره على

العامة بالواجب في ذلك فسقط الفرض

عنه ورجع امره الى خاصة نفسه

فلا يضره ذلك من ضل - مشكل الاشارة ۷۷

زمانہ سے متعلق کہا گیا ہے کہ گمراہوں کی گمراہی ان لوگوں کو جو اپنی ذاتی ذمہ داریوں کے پوری کرنے میں کمی نہ کریں ضرر نہ پہنچے

مطلب طحاوی کا وہی ہے کہ جیسے دوسرے فرائض صوم و صلوٰۃ حج وغیرہ کی حالت ہے کہ

ہوتے ہیں ان کو کون شک کرتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہی روزہ جسے قرآن نے فرض کیا ہے حالانکہ

مرض و بنصر میں اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ استطاعت سبیل نہ ہو تو حج جیسا فرض باقی نہیں

رہتا۔ کچھ یہی حال امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت کا ہے اور قرآن کی ان دونوں آیات

یعنی جن میں اس فرض کا مطالبہ کیا گیا ہے، ان میں اور اس آیت میں جس میں ہر شخص کو اس

شخصی ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اعلان کیا گیا ہے کہ دوسروں کی گمراہی سے تم کو

نہیں پہنچے گا ان دونوں احکام میں تطبیق کی یہی شکل ہے کہ ہر حکم کو ایک خاص زمانے کے

محدود قرار دیا جائے باقی رہی یہ بات کہ ان دونوں زمانوں کے پہچاننے کا کیا معیار ہے

طحاوی نے اسی کی طرف اشارہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ثعلبہ کی روایت میں

خود ہی متعین فرمادیا ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ جس غرض کے لئے امر و نہی کا یہ کام مسلمانوں

فرض کیا گیا ہے۔ جب دیکھا جا رہا ہو کہ وہ غرض حاصل نہیں ہو رہی ہے یعنی قبول کرنے کے

لوگ تیار بھی نہ ہوں اور کہنے والا بیچارا اپنے اندر ان سے مقابلہ کی قوت بھی نہ پاتا ہو تو

لینا چاہیے کہ علیکم انفسکم دتم پر صرف تمہاری ذمہ داری ہے، کے قانون پر عمل کرنے کا وقت

ہے۔ اور معروف کے امر منکر کی نہی کی فرضیت ساقط ہو گئی۔ ابراہیم الصانع والا قصہ جس کا

ذکر اجمالاً پہلے بھی آیا ہے اور تفصیل انشاء اللہ تھوڑی دیر بعد کی جائے گی اس قصہ کو بیان

ہوتے عبد اللہ بن المبارک نے امام ابو حنیفہ سے براہ راست یہ نقل کیا ہے کہ ابراہیم کو فہم

جس میں اس کی تاکید کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور یہی

ہوگا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خصوصیتیں

بیان کی ہیں جن کا ذکر ابو ثعلبہ خثنی کی روایت میں کیا گیا ہے

یعنی وہی زمانہ جس میں معروف کے امر اور منکر کی نہی

کوئی فائدہ نہ ہوگا اور جن لوگوں کو روکنے کی ضرورت ہے

ان سے مقابلہ کی طاقت روکنے والے میں نہ ہوگی، بلکہ

یہاں وہ وقت ہوتا ہے جب فرض ساقط ہو جاتا ہے اور

صرف اپنی اپنی ذات کی حد تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے

زمانہ سے متعلق کہا گیا ہے کہ گمراہوں کی گمراہی ان لوگوں کو جو اپنی ذاتی ذمہ داریوں کے پوری کرنے میں کمی نہ کریں ضرر نہ پہنچے

مطلب طحاوی کا وہی ہے کہ جیسے دوسرے فرائض صوم و صلوٰۃ حج وغیرہ کی حالت ہے کہ

ہوتے ہیں ان کو کون شک کرتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہی روزہ جسے قرآن نے فرض کیا ہے حالانکہ

مرض و بنصر میں اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ استطاعت سبیل نہ ہو تو حج جیسا فرض باقی نہیں

رہتا۔ کچھ یہی حال امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت کا ہے اور قرآن کی ان دونوں آیات

یعنی جن میں اس فرض کا مطالبہ کیا گیا ہے، ان میں اور اس آیت میں جس میں ہر شخص کو اس

شخصی ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اعلان کیا گیا ہے کہ دوسروں کی گمراہی سے تم کو

نہیں پہنچے گا ان دونوں احکام میں تطبیق کی یہی شکل ہے کہ ہر حکم کو ایک خاص زمانے کے

محدود قرار دیا جائے باقی رہی یہ بات کہ ان دونوں زمانوں کے پہچاننے کا کیا معیار ہے

طحاوی نے اسی کی طرف اشارہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ثعلبہ کی روایت میں

خود ہی متعین فرمادیا ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ جس غرض کے لئے امر و نہی کا یہ کام مسلمانوں

فرض کیا گیا ہے۔ جب دیکھا جا رہا ہو کہ وہ غرض حاصل نہیں ہو رہی ہے یعنی قبول کرنے کے

لوگ تیار بھی نہ ہوں اور کہنے والا بیچارا اپنے اندر ان سے مقابلہ کی قوت بھی نہ پاتا ہو تو

لینا چاہیے کہ علیکم انفسکم دتم پر صرف تمہاری ذمہ داری ہے، کے قانون پر عمل کرنے کا وقت

ہے۔ اور معروف کے امر منکر کی نہی کی فرضیت ساقط ہو گئی۔ ابراہیم الصانع والا قصہ جس کا

ذکر اجمالاً پہلے بھی آیا ہے اور تفصیل انشاء اللہ تھوڑی دیر بعد کی جائے گی اس قصہ کو بیان

ہوتے عبد اللہ بن المبارک نے امام ابو حنیفہ سے براہ راست یہ نقل کیا ہے کہ ابراہیم کو فہم

کرتے ہوئے امام نے فرمایا کہ ایسے لوگ جن کے متعلق معلوم ہو چکا کہ ہماری نہیں سنیں گے اور مقابلہ کی طاقت چونکہ امر بالمعروف کرنے والے میں نہ تھی اس لئے وہ بے چارہ جباروں کے ہاتھ

قتل ولم یصلح للناس امر صیحات احکام القرآن مارگیا اور عام لوگوں کے لئے کوئی اصلاحی کام بھی ان بن نہ پڑا جس کا مطلب یہی ہوا کہ ایسوں کی جان بھی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ان کی اس قربانی کا کوئی نفع بھی نہیں پہنچتا بلکہ بجائے نفع کے بعض حالات میں جیسا کہ امام نے اسی کے بعد بعض دوسری باتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :-

واذا قتل الرجل لم یجتبر غیرہ ان اور جب امر بالمعروف کرنے والا قتل ہو جاتا ہے تو دوسروں کا بھروسہ نہیں رہتا۔

یعنی اس کو قتل ہوتا ہوا دیکھ کر دوسروں کی ہمت بھی چھوٹ جاتی ہے اور دوسرے سے لوگ اس سے ہی اپنے آپ کو الگ کر لیتے ہیں۔ امام نے فرمایا کہ بلاشبہ ایسی صورت میں کہ ان وجد علیہ اعوانا صالحین ورجلاً یؤاس علیہم ما موفا علی دین اللہ ایک آدمی ان کی سرکاری کرے یہ ایسا آدمی ہو جو اللہ کے لا یجول س۔

تب اس وقت اس آدمی کے ساتھ مقابلہ کے لئے کھڑا ہو جانا چاہیے۔ امام نے آگے وضاحت کی کہ ہذا فریضة لیست کسائر الفرائض لان امر بالمعروف نہی عن المنکر کا شمار ان فرائض میں نہیں سائر الفرائض یقوم بہا الرجل وحده ہے، جن کی تعمیل میں تنہا ہر شخص کی ذات کافی ہے۔ مطلب آپ کا یہ تھا کہ یہ اجتماعی فرائض میں ہے اور اپنے ساتھ کچھ شرط رکھتا ہے جب تک ان پر تحقق نہ ہو گا فرض بھی عائد نہ ہو گا۔

لیکن یہ گفتگو تو صرف فرضیت تک تھی، یعنی خود فرائض قرآنی اور پیغمبری اللہ علیہ وسلم کے بیان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خاص حالات میں یہ فرض ساقط بھی ہو جاتا ہے۔ مگر فرضیت کے ساقط ہونے کے باوجود سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس فرض کی بجا آوری پر آمادہ ہی ہو جائے تو پھر اس باب میں امام کا کیا خیال تھا، علامہ بدرالدین عینی نے اپنی شرح ہدایہ میں اس سوال کو اٹھاتے ہوئے حنفی نقطہ نظر سے اس کا جواب یہ دیا ہے۔

لو علم انه یسبر علی من ضی بہم ولم اگر سمجھتا ہے کہ مخالفین کی مار دھاڑ پر سبر کر سکے گا اور کسی کے

یشتک الی احد فلا یأس به و هو مجاہد (یعنی جہاد) آگے اس کا گاہ شکوہ نہ کرے گا، تو پھر امر بالمعروف نہی عن المنکر لیتے ہیں ایسے آدمی کے لئے مضائقہ نہیں ہے بلکہ اس کو مجاہد قرار دیا جائے گا۔

فقہاء حنیفہ اس کی تائید میں علاوہ ان مشہور حدیثوں کے مثلاً الوداد و اور ترمذی وغیرہ میں ہے ان من اعظم المجہاد کلمۃ عدل عنہ سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے سلطان جائز صلاہ انصاف کا اظہار کیا جائے۔

اس حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں جسے خود امام ابو حنیفہ اپنی سند سے ایک خاص طریقہ سے روایت کرتے تھے اور اسی بنیاد پر اصول حدیث اور جہال کی کتابوں میں ان کی طرف بعض خاص مسائل غالباً منسوب کئے گئے ہیں یعنی

ابن انا حدثت ابراہیم الصائغ عن عکرمۃ عن ابن عباس قال ابی صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب و رجل قام الی امامہ جائر فاصرا و لہا و فقتلہ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۲۷ ج ۲)

میں نے ابراہیم صائغ سے عکرمہ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی تھی کہ ابن عباس سے عکرمہ روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کے سید و مرؤا حمزہ بن عبد المطلب ہیں۔ اور وہ شخص ہے جو ظالم امام یعنی حاکم کے سامنے کھڑا ہوا اور معروف کا حکم دیا یا منکر سے منع کیا پھر اس امام نے اس کو قتل کر دیا۔

جس کا حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ الامر بالمعروف نہی عن المنکر کی بنیاد صرف افادہ ہی پر نہیں ہے بلکہ ابتلا بھی ایک بڑا مقصد اس قانون کا ہے یعنی محض یہی غرض نہیں ہے کہ حکم کر کے لوگوں کو معروف اور اچھی باتوں کا پابند بنایا جائے اور منکر ریزی باتوں سے روکا جائے۔ بالفاظ دیگر غیروں کو صرف فائدہ پہنچانے ہی کے لئے حق تعالیٰ نے بندوں پر یہ فرض نہیں عائد کیا ہے بلکہ جن پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے خود ان کا بھی امتحان اور ان کے ایمان کی جانچ بھی مقصود ہے۔

لیکن فرضیت قانون کی جب ساقط ہی ہو چکی تھی۔ تو جہاں تک میں سمجھتا ہوں حضرت امام کے نزدیک فوراً ابتلائی نصب العین کی تکمیل پر آمادہ ہو جانا ضروری نہیں تھا۔ ورنہ فرضیت کے سقوط کے معنی ہی کیا ہوں گے بلکہ لوگوں کے سننے اور ماننے سے مایوسی کے بعد بھی مسلمانوں کو معروف پر قائم رکھنے اور منکر سے دور رکھنے کے امکانات اگر نظر آتے ہوں تو امام کے نزدیک ابتلائی نصب العین کی تکمیل پر آمادہ ہو کر اپنے آپ کو قتل کر دینے یا اسی

قسم کے نقصان میں مبتلا کر لینے سے یہ بہتر ہے کہ ان امکانات سے نفع اٹھانے کی حتی الوسع کوشش کی جائے عن کی طرف عقل راہ نہائی کرتی ہو یہی مطلب ہے ان کے اس فقرے کا۔

”امرا بالمعروف نہی عن المنکر کا کرنے والا ایسی صورت میں اگر قتل ہو گیا تو عام لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے لئے تو کوئی فائدہ بخش بات یہ نہ ہوگی۔“

بلکہ قتل ہونے والے کا ذاتی فائدہ ہوگا اگر بجائے خود یہ بھی ایک بڑا فائدہ ہے اور اس سے بڑا فائدہ بھلا اور کہا ہو سکتا ہے کہ ”شہدار“ کی جماعت کی سیادت اور سرداری اسے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن کچھ بھی ہو ہے یہ ذاتی ہی فائدہ۔ عام مسلمانوں کے لئے اس میں کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں نے کہا ہے امام صاحب کا خیال یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض مواقع میں دوسروں کی ہمت شکنی اور حوصلہ گسلی کی وجہ یہ ابتلائی تعمیل بن جاتی ہے۔ بہر حال فرضیت کے سقوط کے بعد ابتلائی نصب العین کی تعمیل پر آمادگی امام صاحب کے نقطہ نظر سے بہ ظاہر اقدام کی آخری شکل معلوم ہوتی ہے۔

اور اسی کو میں امام ابوحنیفہ کا سیاسی مسلک قرار دیتا ہوں

حضرت امام کے حضرت زید کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کی وجہ

لیکن اب سوال حضرت زید شہید کے مسئلہ میں پیدا ہوتا ہے یعنی امام کے نزدیک اقدام کے لئے جو یہ شرط تھی کہ صالح اور اچھے لوگ امداد پر اگر آمادہ ہو جائیں۔ اور ان کی سرداری کے لئے ایسی ہستی مل جائے جس پر اللہ کے دین کے لحاظ سے بھروسہ کیا جاسکتا ہو اور توقع ہو کہ دین کے حدود سے تجاوز نہ کرے گا تو اس وقت امام صاحب کا بھی فتویٰ تھا کہ اس وقت فرض کی تعمیل کے لئے کھڑا ہو جانا چاہیے مگر باوجود اس فتویٰ کے امام ان کے ساتھ ارباب ظلم سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں کیوں نہیں اترے؟ دراصل اسی سوال کا وہ جواب تھا جو امام نے ان الفاظ میں دیا تھا یعنی

”اگر میں یہ جانتا کہ لوگ حضرت کو چھوڑ نہ دیں گے اور یہ کہ حضرت کے ساتھ واقعی سچائی کے ساتھ لوگ کھڑے ہوں گے تو میں ضرور آپ کی ہم رکابی اختیار کرتا، اور آپ کے مخالفین کے ساتھ جہاد کرتا کیونکہ امام برحق ہیں“

چالیس سال امام صاحب کے کوفہ میں گزر چکے تھے ان سے بڑھ کر وہاں کے

باشندوں کے حالات سے کون واقف ہو سکتا تھا جیسا کہ میں نقل کر چکا ہوں فضیل بن زبیر حضرت شہید کے پیام لانے والے سے امام نے جو یہ پوچھا تھا کہ حضرت کے پاس بڑے لوگوں میں رجن کی تعبیر امام نے فقہائے کی تھی، کن کن لوگوں کی آمدورفت ہے، اس سے کچھ غرض اسی کا پتہ چلانا تھا انھوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ جو لوگ کھڑے ہوتے ہیں وقت پڑنے پر قطعاً بٹھ جائیں گے، اور حضرت کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور یہ خیال کچھ امام ہی کا نہیں تھا ابھی گزر چکا کہ کوفہ کے مسلم عندالکل امام اعمش تو قسم کھا کر کہتے تھے کہ:-
 "ہذا کی قسم لوگ حضرت شہید کو قطعاً ضرور چھوڑ دیں گے خدا کی قسم لوگ ان کو دشمنوں کے سپرد قطعاً ضرور کر دیں گے۔"

سلمہ بن کہیل جیسے وفادار تجربہ کار مخلص سرد گرم چشیدہ آدمی نے بھی یہی پیش گوئی کی تھی خود حضرت زید کے ساتھ اسی خالد بن النضرانیہ کے قصہ میں عبداللہ بن عباس کے پوتے داؤد بن علی نے بھی حضرت شہید سے انتہائی لجاجت و سماجت سے عرض کیا تھا کہ
 "میرے چچا کے بیٹے دیا بن عم) یہ کونے والے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپ سے بھی زیادہ جن کا مقام بلند تھا یعنی آپ کے دادا علی بن ابی طالب کو ان لوگوں نے چھوڑ دیا حتیٰ کہ حضرت والا شہید ہو گئے اور امام حسن و علیہ السلام کے ساتھ بھی ان لوگوں نے یہی کیا پہلے بیعت کی پھر ان ہی پر چڑھ دوڑے ان کی چادر چھین لی، ان کو زخمی کیا اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپ کے جد امجد امام حسین (علیہ السلام) کو یزید کے مقابلہ میں ان ہی لوگوں نے کھڑا کیا، ان کے سامنے حلف اٹھایا مگر ان کو ان ہی لوگوں نے چھوڑ دیا۔ اور دشمنوں کے سپرد کر دیا۔ حتیٰ کہ اس پر بھی انھوں نے بس نہیں کیا۔ لیکن بالآخر آپ کو بھی ان لوگوں نے قتل ہی کر دیا۔"

اور سب سے بڑا وثیقہ اس سلسلہ میں خود خالد بن ابی نضیر کے ایک بڑے رکن رکن عبداللہ بن حسن بن الحسن کا تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ کو جب زید شہید کے ارادے اور کوفہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو بڑے جوش کے ساتھ ایک بلیغ خط حضرت زید کے نام انھوں نے لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے :-

اما بعد کوفہ والے بظاہر بہت پکھولے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اندر سے یہ بالکل کھوکھلے ہیں، جب اس اور ارزانی و اطمینان کا زمانہ ہوتا ہے تو اس وقت یہ شورش پسند ہیں، لیکن جب مقابلہ کی گھڑی آ جاتی ہے تو اس وقت یہ گھبرا اٹھتے ہیں چیتے چلانے لگتے ہیں، ان کی زبانیں آگے آگے چلتی ہیں۔ لیکن ان کے قلوب زبانوں کا ساتھ نہیں دیتے۔
انہوں نے لکھا تھا:-

میرے پاس پیہم اور مسلسل خطوط آتے رہے جن میں مجھے بھی یہ کوفہ بلاتے رہے لیکن ان کی پکار سے میں نے اپنے آپ کو بہرا بنا لیا ہے۔ میں نے اپنے دل پر ان لوگوں کی یاد اور ان کے خیال سے پردہ ڈال دیا ہے۔ میں نے ان لوگوں سے قطع نظر کر لیا ہے، ان کا حال وہی ہے جو علی بن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ) فرمایا کرتے تھے یہ اگر چھوڑ دے جائیں تو گھس پڑتے ہیں اور ڈائے جائیں تو سست بن کر بیٹھ جاتے ہیں، کسی ایک امام پر لوگ جمع ہو جائیں تو اس پر فوراً اعتراض لے کر کھڑے ہو جاتیں اور کسی محنت و مشقت کے کام کی طرف ان کو بلایا جاتے تو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتے ہیں یہ۔

بکشمہ یہی رائے امام کی تھی، بلکہ قرب و نزدیکی ذاتی تجربات پھر جس فہم و فراست کے قضاوہ مالک تھے اس کے زیادہ مستحق تھے کہ جو واقعہ بعد کو پیش آیا۔ اس کی پیش قیاسی وہ پہلے ہی سے کر لیتے۔ اگرچہ بعض لکھنے والوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام نے کچھ عذر بھی پیش کیا۔ یعنی کہا:-

بسط عن ساری عندہ موفق صلا حضرت زید کے سامنے میرے عذر کو بیان کرنا

لیکن یہ عذر کیا تھا، موفق نے ایک دوسری روایت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

اعتل نر بمرضی یعتبریہ فی الایام آپ نے اپنی ایک بیماری کا عذر کیا، جس کا دورہ و قضا وقتاً حتی تخلف عندہ صلا پڑ جاتا ہے اسی وجہ سے حضرت زید کا ساتھ نہ دے سکے۔

واللہ اعلم امام جو کس مرض کا دورہ پڑتا تھا ہو سکتا ہے کہ یہ وجہ بھی ہو یا ممکن ہے کہ یہاں

سارے وثائق طبری کامل وغیرہ میں موجود ہیں۔

کے شرائط میں والدین کی اجازت جو شرط ہے اور خود رسول اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب سے یہ دریافت کرے کے بعد کہ تمہارے والدین زندہ ہیں اثبات میں جواب پانے کے بعد ارشاد ہوا تھا کہ

فیسہما فجاہل
جاؤ تو ان ہی دونوں (ماں باپ کی خدمت میں) جا کر چاہو کہ
شاید امام کے لئے ان کی والدہ بھی عذر ہوں۔ چھپا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ امام کو اپنی ان والدہ کا خیال اتنا رہتا تھا کہ ابن ہبیوتے جب تازیانے سے حضرت کو پٹوایا، تو اپنی تکلیف سے زیادہ فرمایا کرتے تھے۔

سكان غم والذی اشد علی من
ار کی تکلیف سے زیادہ مجھے اپنی والدہ کے غم کا خیال
الضرب صلیح
زیادہ تکلیف دہ تھا؛

بعض روایتوں میں ہے کہ

امام کے سر خصوصاً چہرے پر جب کوڑے پڑے تو امام رو پڑے۔ پوچھا گیا تو فرمایا میری ماں مجھے یا داتیں خیال گذرا کہ وہ بے چاری میرے چہرے کے ان لغالوں کو جب دیکھیں گی تو ان کو کتنا دکھ ہوگا۔ اور آخر میں فرمایا۔

ان تمام مصائب سے سب سے سخت ترین مصیبت میرے میری والدہ کا غم اور دکھ ہے۔

حضرت امام کو اپنی والدہ کا کتنا خیال تھا اس کا ایک دلچسپ لطیفہ بھی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ زرعہ نامی کوفہ میں ایک واعظ تھے۔ امام صاحب کی والدہ ان کے مواعظ میں معلوم ہوتا ہے کہ بہت مسرور ہوتی تھیں۔ لے "زرعہ" کی خاص معتقد تھیں کسی مسئلہ میں ایک دفعہ ان کو پوچھنے کی ضرورت ہوئی پہلے تو اپنے بیٹے ابوحنیفہ ہی سے پوچھا۔ امام صاحب نے مسئلہ کا جو جواب تھا بتا دیا، لیکن ان کو اطمینان نہیں ہوا اور پھر زرعہ واعظ جب تک توثیق نہ کرے گا مجھے اطمینان نہ ہوگا۔ امام صاحب اپنی والدہ کو لے کر زرعہ واعظ کے پاس پہنچے۔ بیچارہ حیران ہوا۔ امام نے کہا کہ یہ میری ماں ہیں تمہاری معتقد ہیں تم سے مسئلہ پوچھنے آئی ہیں۔ بیچارہ واعظ مسئلہ کیا جانے اس نے کہا کہ بھلا میں کیا مسئلہ بتاؤں آپ ہی بتائیے کہ کیا ہے۔ امام نے کہا کہ بھائی میں نے تو یہ جواب دیا تھا۔ زرعہ نے تب امام صاحب کی والدہ کو بھائی کا مسئلہ وہی ہے جو آپ کے صاحبزادے نے بتایا اس پر بڑی بی کو اطمینان ہو گیا اور گھر آ گئیں۔ ص ۲ جلد ۲ موفی وغیرہ

بہر حال ممکن ہے کہ یہ باتیں بھی کہی ہوں، لیکن حقیقی وجہ وہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ فریضہ نہیں بلکہ ورم ہے جو کوفیوں کی شکل میں حضرت شہید کے ارد گرد جمع ہو گیا ہے۔ اس یقین کے بعد ظاہر ہے کہ فرضیت تو ساقط ہی ہو چکی تھی چاہتے تو جیسے اسی طبقہ کے دوسرے بزرگوں یعنی اعمش، سفیان ثوری وغیرہ نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا وہی آپ بھی اختیار کر لیتے۔ یعنی نہ منع کرتے اور نہ شریک ہوتے اور حضرت شہید کے متعلق وہی خیال کر لیتے کہ ابتدائی نصب العین کی تکمیل کر کے شہدا کی سیادت کا مقام اپنے احباد کی طرح حاصل کیا جیسا کہ سفیان ثوری کہا بھی کرتے تھے۔

لیکن اب یہ امام کی وقت نظری کہیے یا اسے جو کچھ قرار دیجئے کہ انجام اور باطن کے لحاظ سے کون کا یہ مجمع کچھ ہی ہو مگر نظر ہر وہ ایک ایسی ہستی پر سمٹ کر جمع ہو گیا تھا کہ بقول حضرت اعمش

لَوْ فِی لَدُنِّ مَنْ بَالَعَهُ قَامَهُم
عَلَى الْمَسْجِدِ الْوَاضِعِ رُوضِ بَوَالِہِ مَقَرِّمِزِی مَنہ

اگر ساتھ اپنے والے حضرت زید کے ساتھ وفادار رہتے تو ان کو سیدھی راہ پر لا کر وہ کھڑا کر دیتے۔

جہاد کے لئے امام کی حضرت زید کو مالی امداد میں تو سمجھتا ہوں کہ اسی نظام کے اقتضا کی رعایت کا نتیجہ تھا کہ سب

کچھ کہنے کہلانے کے بعد آخر میں حضرت امام نے دس بیس روپے نہیں بلکہ ان ابتدائی دنوں میں جب بظاہر ان کے کاروبار کا آغاز ہی ہو گا کیونکہ اس وقت تک زیادہ وقت ان کا حادین ابی سلیمان اپنے استاد کے پاس حصول علم ہی میں گذرتا تھا ہزار ہزار روپے کی دس تحصیلیاں گھر سے لاکر فضیل بن زبیر کے حوالہ کیں اور فرمایا

اَعِیْنِدْہِ بِمَا لِی فِی تَقْوٰی بَدْعِی
مَنْ خَالَفَہُ مَلَّحْہُ اَمْرُہُ

میں حضرت کی خدمت اس مال سے کرتا ہوں حضرت کے عرض کرنا کہ اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں اس سے بھی فائدہ حاصل کریں،

اور سمجھا جائے تو حضرت امام کے تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں یہ سوال جو اٹھایا گیا تھا کہ اتنے وسیع پیمانے پر اپنے اس کاروبار کو وہ کیوں پھیل رہے تھے اس کا جواب امام کے اس طرز عمل سے نکالا جاسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر کی فرضیت کے سقوط کے بعد ابتدائی نصب العین کی تکمیل پر آمادہ ہونے سے پہلے اسی معروف و منکر کے متعلق امکانات سے حتیٰ الوسع نفع اٹھانے کی کوشش کرنا کہ ممکنہ حد تک عام مسلمانوں تک فائدہ پہنچنے کی کوئی صورت اگر نکل سکتی ہو تو نکالی

جلتے یہ جو امام صاحب کا مسلک اس باب میں متعین ہوا تھا اسی کی ایک تعمیلی شکل یہ تھی۔

ہر ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی پیش قیاسی پر کامل اعتقاد کے بعد بھی امام کے دل میں یہ خیال ضرور گزرتا ہو گا کہ جو انجام ابھی سامنے نہیں ہے صرف قرآن و قیاسات کی بنیاد پر اس کے متعلق قطعی فیصلہ کر لینا بھی شاید احتیاط کا اقتضاء ہو شاید یہی کچھ سوچ کر گوجانی شرکت پر آمادہ نہ ہوئے لیکن بالکل یہ شرکت سے محرومی بھی ان کے لئے غالباً ناقابل برداشت تھی۔ اور اس وقت کی مالی استطاعت کے لحاظ سے بڑی سے بڑی مالی قربانی جو وہ پیش کر سکتے تھے اسے پیش کر دی۔ بلکہ اسی سلسلہ میں خود حضرت شہید کے صاحبزادے محمد بن زید بن علی سے جو یہ روایت ہے کہ مالی امداد ہمیشہ کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ نے عرض کیا تھا کہ:-

استعن بد علی حرامک وما انت فیه
واعن بد ضعفاء اصحابک موفیہم
اپنے گھر کے لوگوں کی خبر گیری میں اس سے کام لیجئے۔ اور آپ کے رفقاء میں جو ضعیف لوگ ہیں۔ ان کی اس سے امداد فرمائیے۔
اس کا آخری فقرہ یعنی

آپ کے ساتھیوں میں جو کمزور ہیں وہ ظاہر مالی کمزوری کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی سامان حرب ہتھیار گھوڑے وغیرہ کا سامان جو نہیں کر سکتے ان کی اس مال سے مدد فرمائی۔

اس میں یہی نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی ضعف کی مالی امداد کر کے امام صاحب نے بھی اپنے آپ کو گویا اس جہادی مہم میں شریک کر دیا شاید انھوں نے حج وغیرہ فرائض پر اس کو کچھ قیاس کیا جس میں بصورت بنیادیت جسے حج بدل کہتے ہیں جاری ہوتی ہے گویا بجائے حج بدل کے امام صاحب نے ”جہاد بدل“ کا طریقہ اختیار کر کے جیسے حج بدل کرانے والے حج کا ثواب بھی مل جاتا ہے اور حج کی فرضیت بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شاید انھوں نے خیال کیا کہ اگر میری پیش قیاسی غلط نکلی تو ”جہاد بدل“ کے طور پر تو شرکت کی سعادت سے محروم نہیں رہوں گا اور میں تو سمجھتا ہوں کہ ابو جعفر سے کناہوں میں یہ جو نقل کیا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو انھوں نے یہ کہتے سنا کہ ”فرمایا کرتے تھے کہ:-

استغفر اللہ من ترک الامر بالمعروف
وامہی عن المنکر مع حج ۲۰
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں اپنی کوتاہیوں پر
میں حق تعالیٰ سے مغفرت چاہتا رہتا ہوں۔

کیا تعجب ہے کہ اس ترک میں حضرت شہید کی رفاقت جسمانی کے ترک کا خیال بھی امام کے سامنے ہو، کیونکہ مسئلہ بہر حال اجتہادی تھا۔ آخر یہ طے کرنا کہ الامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کے سقوط کا جو واقعی وقت ہے وہ درحقیقت آگیا کچھ آسان نہیں ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جو حضرت شہید کے ساتھ پیش آگئی تھی کہ لوگ بھی امداد پر آمادہ ہیں اور قیادت و ریاست کے لئے بہتر سے بہتر ہستی اس وقت جو مل سکتی تھی وہ مل گئی تھی۔ باوجود اس کے محض اپنے ذاتی معلومات اور احساسات کی بنیاد پر جسمانی شرکت سے قاعد کا فیصلہ کیا آسان تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ امام کے لئے یہ بڑی کشمکش اور ایمانی قوت کی آزمائش کی گھڑی تھی، ایک طرف وہ اس ساز و سامان کو دیکھ رہے تھے جس کے صرف ظاہر پر اگر نظر رکھی جاتی تو شرکت سے یک سوئی کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن دوسری طرف آپ کے چالیس سالہ تجربات و معلومات ان تاریخی و ثائق کے ساتھ جو کوفہ اور کوفہ والوں کے متعلق حد تو اتر تک پہنچے ہوئے تھے بلکہ گویا چشم دید واقعات کی حیثیت رکھتے تھے ان نیات کی بنیاد پر امام کو انجام کا بھی یقین تھا اور اس کا بھی کہ اگر علانیہ ذاتی طور پر اس مہم میں شریک ہو جاتا ہوں تو جو انجام ہونے والا ہے اس کے بعد نبی امیہ کے جبارانہ سارے امکانات کو ختم کر دیں گے جو اسی سلسلہ میں سقوطِ فرضیت کے بعد امام مسلمانوں کے متعلق امام اپنے دماغ میں رکھتے تھے بعض مورخین نے جو یہ نقل کیا ہے کہ:-

کان ابو حنیفہ یفتی سرّاً الوجوب امام ابو حنیفہ پوشیدہ طور پر حضرت زید کی امداد کے فرض نفساً نہ سربیل و حمل المال الیہ ﷺ ہونے کا فتویٰ دیتے تھے امدان کے پاس پوشیدہ طور پر مالی امداد بھی بھیجتے تھے،

اس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ساری امداد کو امام سرّاً یعنی پوشیدہ طور پر پیش کر رہے تھے اس کی مصلحت مجھے تو یہی نظر آتی ہے کہ جس انجام کا اس زیدی جہاد کے متعلق ان کو یقین تھا اور اس انجام کے بعد جن نتائج کے خطرات ان کے سامنے تھے ان ہی کے سترِ باب کے لئے امام نے بطور پیش بندی اس ستری طریقے کو اختیار فرمایا۔ لیکن جیسا کہ کہا گیا ہے۔

”نہاں کے ماند آں راز سے کرو سازندہ مغلہا“

امام صاحب کے سیاسی رجحانات حکومت کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکے اور گو حضرت شہید کا قتل بنی امیہ کی حکومت کے "مرگ" کا پیغام بن چکا تھا۔ اور سال کے ایک ہفتہ کے اندر اندر اس حکومت کا مشرق میں خاتمہ ہو گیا۔ لیکن اس مختصر مدت میں بھی حضرت

۱۵ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اشخاص کے لئے جو حیثیت ایک دن کی ہوتی ہے حکومتوں کے لحاظ سے ایک سال کو ایک دن ہی کے مساوی سمجھنا چاہئے اس اعتبار سے اگر دیکھئے تو حضرت شہید کی شہادت کے بعد کل سات سال کے اندر اندر بنی امیہ کی حکومت جس کا پایہ تخت دمشق تھا۔ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا اس عرصہ میں ہشام ولید زید، ابوالہثم مروان، یاسنج بادشاہ یکے بعد دیگرے بنی امیہ کی گدی پر بیٹھے جن میں بعضوں کو چند مہینے سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع نہ ملا گو پانی بادشاہ ایک سال کچھ مہینے کا اوسط پڑتا ہے۔ اور یہ سب کچھ جو ہوا، جہاں تک میرا خیال ہے اسی ابن الحنفیہ ہشام بن عبد الملک کی حاکمیتوں کا نتیجہ تھا ایک مدت سے اہل بیت کے لوگوں کو سلاطین بنی امیہ نے مدینہ منورہ میں گویا نظر بندوں کی حیثیت سے محصور کر رکھا تھا لیکن محض ابن النضرانیہ خالد کے ایک بے نبیاد دعویٰ سے متاثر ہو کر تھوڑے سے روپیہ کے لئے شیر کو ہشام نے پھربے سے باہر نکلنے کا خود ہی موقعہ دیا، اور خود ہی اس کو اپنے جنگل میں بندھا۔ ابن النضرانیہ جانتا تھا کہ کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت زید یوں ہی واپس نہیں چلے جائیں گے اور وہی ہوا، لیکن اس حلقہ کے لوگوں نے اسی پر پس نہیں کیا۔ کوفہ والوں کے عادی غدر کی وجہ سے حضرت زید شہید ہو گئے۔ بنی امیہ کی شہر کیلنگی کا خیال کر کے لوگوں نے راتوں رات حضرت شہید کی لاش مبارک کو بہتے ہوئے پانی کے ایک راج باہے میں دفن کر کے اس پر آبی نباتات کے بیلین چڑھا دیں لیکن اپنے آقا ہشام کی خدمت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کا سر تحفہ بھیجنے کے شوق میں یوسف گورنر کوفہ نے حضرت کی لاش کا بڑی جدوجہد کے بعد پتہ چلا لیا۔ اور سر کاٹ کر دمشق بھیجا گیا! ابن الحنفیہ نے ایک طرف دمشق کے دروازے پر اس سر کو لٹکانے کا حکم دیا اور دوسری طرف یوسف کو لکھا کہ کسی نہال یا مقام پر عریاں کر کے حضرت زید کی لاش لٹکا دی جائے۔ چودہ مہینے تک یہ لاش بمقام کناسہ کوفہ میں بحالت عریانی لٹکی رہی اس عرصہ میں ہشام تو خیر مر گیا لیکن اس کے جانشین ولید کے عہد میں حضرت زید کے صاحبزادے یحییٰ بن زید بلخ کے قریب جوزجان ضلع کے ایک گاؤں ارغونہ نامی میں شہید ہوئے اور جوزجان شہر میں ان کی لاش اسی طرح لٹکا دی گئی جیسے ان کے والد کی کوفہ میں لٹکی ہوئی تھی۔ گویا خراسان عراق شام تک مسلسل ایک تماشا کھڑا کیا گیا تھا حکومت کی جباریت سے لوگ خود کچھ نہ بول سکتے ہوں لیکن نفسیاتی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر اس دردناک دوائی منظر کا جو اثر پڑ سکتا تھا حکومت کے نشہ میں وہ بنی امیہ والوں کی سمجھ میں نہ آیا اور میرا خیال ہے کہ خراسان میں عباسیوں کے داعی ابو مسلم کو جو کامیابی ہوئی

اس کامیابی میں بہت زیادہ دخل اسی عجیب و غریب تماشے کو تھا۔ اسی سے خراسانی مسلمانوں کے تارک کا اندازہ کیجئے کہ جب عباسیوں کا اقتدار خراسان میں قائم ہوا تو پہلا کام یہی کیا گیا کہ جو جہان میں حضرت یحییٰ کی لاش سولی سے اتاری گئی۔ سناڑ بھارہ پڑھی گئی اور سات دن تک خراسان کے ہر ہر گاؤں میں ماتم منایا گیا یہی نہیں بلکہ اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ ولیم یولڈ فی تالک السنۃ بخراسان مولود الاوسیٰ یحییٰ ابو یزید اس سال خراسان میں جہاں کہیں جو بچے بھی پیدا ہوئے ان کا نام یحییٰ یا یزید رکھا گیا۔ المسعودی ص ۵۷۹ چودہ ماہ کے بعد حضرت یزید کی نکلی لاش کو اتروا کر ولید نے جلا کر دریا برد کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی کے انتقام میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد عباسیوں کے دلا کا حکام نے تلاش کر کے بنی امیہ کے تمام حکمرانوں کی لاشیں (باستثناء عمر بن عبدالعزیز) قبر سے نکال نکال کر چلائی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ صرف ہشام کی لاش چھ سات سال کے بعد بالکل صحیح و سالم حالت میں بھلی صرف ناک کا بالنسہ نماب ہوا تھا۔ قبر سے نکال کر اتنی کڑے اس کی لاش پر لگائے گئے اور زید شہید کی لاش جیسے چلائی گئی تھی ہشام کی لاش بھی چلائی گئی۔ لکھا ہے کہ یزید بن معاویہ کی قبر سے صرف ایک ہڈی نکلی اور کچھ تو جیہ اس کی نہ ہو سکی۔ کہ ایک سپاہ و معارف طو لا اس کی قبر میں پائی گئی۔ یوسف بن عمر کا انجام یہ ہوا کہ اس کی ڈاڑھی نوچی گئی اور ٹڑپا ٹڑپا کر مارا گیا۔ اس کے جسم کا ایک ایک حصہ دمشق کے مختلف مقامات میں لٹکا یا گیا۔ بنی امیہ کے انبی شہزادوں کو باندھ کر اران پر فروش بچھا کر لوگوں نے کھانا کھایا۔ اور پھر ایک ایک کی گرون مار کر گھروں پر ان کی لاش پھینک دی گئی۔ آخری حکمران بنی امیہ مروان مصر میں جب مارا گیا اور اس کی گھر کی حورتوں نے جو شور و بکا کیا ہے تاریخ میں یہ مقامات پرستے نہیں جلتے۔ ایک دلچسپ لطیفہ اس سلسلہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مروان کو جب اپنی موت کا یقین ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند تبرکات دروازہ مبارک اور عصا مبارک وغیرہ کو اس نے بالوں میں گاڑ دیا تھا تاکہ عباسیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ میراث ہاتھ نہ لگ سکے لیکن اس کے ایک غلام نے بعد کو بتا دیا۔ بہر حال میرا خیال یہی ہے کہ یوں تو تقدیر میں جو لکھا تھا وہ پورا ہوا لیکن عالم اسباب میں اسی ابن الحنفیہ ہشام بن عبدالملک کی حرص اور حماقت کی شکار مولیوں کی دولت فاسد ہوتی ہشام کی لاش کے ساتھ عباسیوں نے تو کئی سال بعد وہ ناگفتہ بہ کشتیں کیں، لیکن اس کے مرنے کے ساتھ ہی خود اس کے بھائی بندوں نے جو کچھ کیا وہ کیا کم جبرٹ انگیز ہے۔ افاقتہ الموت کے طور پر مرنے سے کچھ پہلے ہوش آیا۔ ہشام نے کوئی چیز مانگی لیکن ولید کے نام نہ آچکے تھے جو اس کے بعد خلیفہ ہوا تھا انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر یہ آخری الفاظ انا لله کننا نحن انا ولید انا لله کہا ہم صرف ولید کے خزانچی تھے ہم کہتے ہوئے مر گیا۔ لکھا ہے کہ لکڑی کا براہ منسل کے پانی گرم کرنے

امام کو اپنے قابو میں لانے کے لئے حکومت سے جو کچھ ممکن ہو سکا اس میں اس نے کمی نہیں کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دمشق تک یہ خبر پہنچی اور وہاں کے نہ صرف ارباب سیاست بلکہ اہل علم کی محفلوں میں بھی امام ابو حنیفہ کے اس مسلک پر تنقیدیں کی گئیں۔ ابو بکر الجصاص نے شام کے مشہور محدث و فقیہ مجتہد امام ابو زاعبی کا جو یہ قول نقل کیا ہے۔

احتملنا ابا حنیفۃ علی کل شیء حتی فسا ابو حنیفہ کی ساری باتیں ہم برداشت کرتے رہے تا اینکه جانا با لسیف ر یعنی قتال الظلمة بالآخر یہ شخص تلوار لیکر آگیا یعنی ظالم حکمرانوں کے خلاف تلوار اٹھالینے کا فتویٰ اس نے دیا، ہم نے اسکی بات کو برداشت کیا۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اس زمانہ میں اہل السنۃ والجماعت میں سمجھا جاتا تھا۔ ان کے ایک مستند فقیہ و عالم کی طرف سے نبی امیہ کی حکومت کے مقابلہ میں امام ابو حنیفہ کا اقدام تعجب اور انکار کی نظروں سے دیکھا گیا ہے۔

تفسیر فتح بوٹ حد ۱۳۹

کے لئے مانگا کیا۔ نہ ملا۔ کفن کے لئے کپڑے بھی اس کے غلام غالب نے دیئے۔ اور انیس سال تو بھینے تک جو صرف مال جمع کرنے کی دھن میں مشغول رہا تھا۔ انجام آخری اس کا یہی ہوا اس سلسلہ میں ایک بات تاریخ کو عجیب ہے کہ حضرت زید کے سوا جزا دے کبھی اور ان کے بعد ابراہیم جن کا ذکر آگے آ رہا ہے تینوں حضرات کی وفات اچانک تیر کے گٹنے سے ہوئی حضرت زید کی پیشانی میں حضرت یحییٰ کی کپٹی میں حضرت ابراہیم کی پیشانی میں تیراچانک آکر گٹے اسی سے سب کی وفات ہوئی وہ نہ ہزاروں نہار کی فوج بھی ان حضرات کے قریب آنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی اگر بے سان و گمان یہ تیران حضرات کو نہ گٹے تو ان پر قابو پانا بلکہ شکست دینا آسان نہ تھا۔ اسی لئے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خدا کی مشیت بھی یہ تھی کہ ظاہری ناپاک سیاست والی حکومت خاندان نبوت کے لوگوں کو نہ مل سکی۔

سہ میں نے اس سلسلہ میں جتنے جتنے طور پر مختلف مقامات میں اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ بجا کے خود اسلام کے سیاسی شعبہ کا یہ بڑا اہم مسئلہ ہے محض اشاروں اور کنایوں سے اس کے تفصیلات سمجھ میں نہیں آسکتے۔ خدا کرے کہ اسلامی سیاسیات پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا جوارادہ کر رہا ہوں اس ارادہ کی تکمیل کا موقعہ اگر دیا گیا تو اس پر تفصیل سے گفتگو ہو سکتی ہے یہاں پر بھلا اتنا اور کہہ دیتا ہوں ابن خلدون نے کتاب مل والنہل میں لکھا ہے کہ اس پر متفق ہو جائے کے بعد کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے آگے اس مسئلہ میں کہ فرض کی نوعیت کیا ہے۔ اہل السنۃ میں امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ

اور صورت حال بھی کچھ یہی رہی کہ حضرت زید شہید کی مہم میں خضیہ مالی شرکت کے بعد اس باب میں امام کا قدم بجائے پیچھے ہٹنے کے آگے ہی کی طرف بڑھتا چلا گیا گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ چالیس سال کی عمر سے ستر سال کی عمر تک یعنی کامل تیس سال امام رحمۃ اللہ علیہ کے بالواسطہ اور آخر میں بلاواسطہ ان ہی قتلوں میں گزرے حتیٰ کہ بالآخر اسی راہ میں اس منزل

یعنی قتل و قتل صحتاً

دل سے ہر جاننا اس حد تک فرض ہے اور زبان سے بھی قدرت ہو لیکن حکومت کے مقابلہ میں خواہ ظالم ہی کیوں نہ ہو ہاتھ اٹھانا یا تلوار کھینچ لینا جائز نہیں ہے۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ بالاتفاق شیعوں کا بھی یہی مذہب ہے یعنی جب تک امام مہدی جن کے وہ قتل میں نہ نکل لیں تلوار اٹھانا ان کے ہاں ممنوع ہے خواہ دنیا کے تمام شہید قتل ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ سر اسلمہ جس میں اہل السنۃ کا بھی ایک گروہ شریک ہے اور تمام معتزلہ اور خارجی فرقہ کے لوگ نیز زید یہ سب کا یہی مذہب ہے کہ جب منکر اور ظلم و جور کا ازالہ کی شکل تلوار نکالنے کے سوا اور کچھ باقی نہ رہے تو اس وقت تلوار کھینچ لینا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے فرض ہو جاتا ہے بشرطیکہ باطل کے مقابلہ میں کامیابی کا غالب گمان ہو لیکن منصف کی وجہ سے کامیابی سے اگر ایسی ہو تو اس وقت فرضیت تلوار نکالنے کی ساقط ہو جاتی ہے۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ مالک شافعی و اڈو ظاہری سب کا یہی مذہب ہے۔ پھر دونوں فرقوں کے دلائل کا تفصیلی ذکر کر کے آخری مسلک کو ابن حزم نے ترجیح دی ہے۔ المجتہدین نے بھی لکھا ہے جس کا میں نے شاید پہلے بھی کہیں تذکرہ کیا ہے ان کے بیانات سے کچھ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت حکومت کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی کسی حال میں اجازت نہیں دیتی تھی۔ خواہ وہ کچھ بھی کر رہی ہو۔ بلکہ ہاتھ یا زبان سے امر بالمعروف نہی عن المنکر کا حکم صرف عوام سے متعلق ہے۔ بقا ہر امام اذاعی بھی ان ہی لوگوں میں معلوم ہوتے ہیں۔ اور اہل السنۃ میں نقی طور پر اس مسئلہ کو منع امام ابوحنیفہ نے شروع شروع میں کیا۔ اسی لئے ان پر محدثین کی طرف سے اظہارِ تعجب بھی کیا گیا۔ اور بعض ظمن بھی لیکن بقول المجتہدین کہ ان ہی کمزوریوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ فساق و فجار کے ہاتھوں میں حکومت چلی گئی۔ اور پھر کفار نے حکومت چھین لی مسلمانوں کی سرحدیں کمزور ہو گئیں۔ جس بہت البلاد و ممالک الدین والدنیا و ظہرت الزندقة و الغلو و من اصب الشیبة و الخرمیة و المنزکیہ صیغۃ احکام یعنی مسلمانوں کی آبادیاں کھنڈ بن گئیں کہ دین بھی رخصت ہو گیا اور دنیا بھی خستہ ہو گئی۔۔۔ زندقۃ الحساد ہے دینی خیالات میں انتہا پسندی نیز مجوسیوں کے مقابلہ رکھنے والے بابک خرمی کے ہانے والے مزدک مشہد اشتراکی کے ہم نوا دنیا پر چھا گئے۔

سے بھی ان کو گزرنا پڑا جس سے گذرنے کی تیاری تو ۱۱ سالہا سال سے کر رہے تھے۔ بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے اترے تھے تو اس میدان میں اسی نیت سے لیکن جب تک دوسرے امکانات سے نفع اٹھانے کا موقعہ ان کو ملتا رہا ان سے استفادے میں بھی انھوں نے کوئی کمی نہیں کی اور آخر میں انسانی زندگی کے سب سے بڑے مشکل سوال کا جو آسان ترین حل ہے اسی حل سے وہ بھی اپنی اس مشکل کے حل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ بالفاظ دیگر سلطان جاتر کے سامنے کلمہ حق کا اظہار کر کے شہادت یا قریب قریب شہادت کے جام کو نوش کر کے موت جیسے مشکل سوال کو انھوں نے اپنے لئے آسان بنا دیا اور اب آپ کے سامنے اسی اجمال کے تفصیلات پیش ہوں گے۔

کوفہ کے ظالم گورنر کے سامنے پہلی مرتبہ حضرت امام کا احتیاق حق

جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ حضرت زید شہید کی مہم سے پہلے کسی ایسے واقعہ کا پتہ نہیں چلتا جس سے امام کے سیاسی رجحان کا سراغ مل سکتا ہو، الا یہ کہ تاریخوں میں ایک واقعہ کا سرسری طور پر لوگوں نے ذکر کیا ہے۔ یعنی کہا جاتا ہے کہ جن دنوں کوفہ میں ابن النضرانیہ خالد بن عبدالقصر کی حکومت تھی، جمعہ کی نماز کے اس زمانہ کے دستور کے مطابق گورنر ہی پڑھایا کرتا تھا خالد خطبے کے لئے منبر پر چڑھنے کو تو چڑھ گیا۔ لیکن منبر پر چڑھ چکنے کے بعد حکومت کے مراسلات کے پڑھنے میں کچھ اس طرح مشغول ہوا کہ کا حیل خل وقت العصر صیلا مو قریب تھا کہ عصر کا وقت داخل ہو جائے۔

بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں یہ بھی الفاظ راوی نے کہے تھے یا کہا تھا کہ

اے اور یہ مسئلہ بھی بظاہر کسی نیک تمی پر مبنی نہ تھا بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے محدثین بیچارے جو یہ روایت بیان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا تھا کہ تمھارے بہترین حکمران وہ لوگ ہوں گے جو تمھارے بھی محبوب ہوں اور تم بھی ان کی نگاہوں میں محبوب رہو گے تم ان سے محبت کرو گے اور وہ تم سے محبت کریں گے اور بہترین حکمران تمھارے وہ ہوں گے جن سے تم بغض ہو گا وہ تم سے بغض رکھیں گے تم ان پر لعنت کرو گے اور وہ تم پر لعنت کریں گے صحابہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا ایسے حکمرانوں کو ہم الگ نہ کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں جب تک تم میں وہ نماز قائم کرتے رہیں نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں الغرض لا ما اقاموا فیکم لصلواتہ کے فقرہ کو تین بار دہرا کر کر لیا اللہ نے فرمایا یہ روایت صحیح کی کتاب صحیح مسلم میں بھی پائی جاتی ہے کون کہہ سکتا ہے کہ نماز پر ان کا قبضہ محض اسی لئے تھا کہ اللہ علم بصرا

دخل وقت العصر

عصر کا وقت داخل ہو چکا تھا۔

بہر حال روایت کے راوی جن کا نام ابوالملیح ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اسی جمعہ کے دن کوفہ پہنچا تھا وہاں کے لوگوں سے واقف بھی نہیں تھا۔ دیکھا کہ ساری مسجد خاموش ہے، اپنا تک ان میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور

الصلوة الصلوة خراج الوقت و دخل تکلم نماز جمعہ کا وقت نکل گیا اور عصر کا وقت داخل ہو گیا ابوالملیح کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ فوراً اس شخص کے گرفتاری کا حکم دیا گیا اور وہ گرفتار ہو گیا۔ میں نے ان لوگوں سے جو میرے قریب تھے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تب کسی نے کہا کہ نعمان ابوحنیفہ ان ہی ابوالملیح سے بعض راویوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کنکریاں ہاتھ میں لے اسی شخص نے منبر کی طرف پھینکا شروع کیں جو نماز نماز کا لفظ پکار رہا تھا۔ اس کے بعد نماز تو خالد نے پڑھ لی پھر اس نے حکم دیا کہ نعمان کو پکڑ لو وہ پکڑ لئے گئے۔ اور خالد کے سامنے حاضر کئے گئے۔ خالد نے پوچھا کہ اس حرکت پر جو تم سے ابھی سرور ہوتی بیچ بتاؤ کس چیز نے آماجہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ جواب میں وہ کہہ رہا تھا۔

نماز کسی کا انتظار نہیں کرتی، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے اور تم زیادہ مستحق ہو کہ قرآن کی پیروی کرو۔ پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی۔ یعنی اصاعوا الصلوة واتبعوا المشادات انھوں نے نمازیں نہ پڑھیں نہ لے کر دیں اور اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے۔

خالد نے یہ بیان سُن کر پھر اسرار سے پوچھا کہ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ نماز کے سوا اور کوئی دوسری چیز تمہارے پیش نظر نہ تھی انھوں نے کہا ہاں یعنی نماز کے سوا اور کوئی دوسرا محرک اس فعل کا میرے دل میں نہ تھا، خالد نے یہ سُن کر ان کو چھوڑ دیا۔

بہر حال اُس وقت کو حضرت زید شہید کے واقعہ سے پہلے یہی ایک موقع ہے جس میں ہم امام کو حکومت کے ایک افسر پر غرائض کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ خالد کا معزلی سوال و جواب کے بعد چھوڑ دینا یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ امام کے اندرونی رجحانات کا اظہار اس وقت تک لوگوں پر نہیں ہوا تھا۔ ایک اچھے عالم اور اچھے مال دار تاجر سے زیادہ اُس وقت تک شاید وہ اور کچھ نہیں سمجھتا تھے۔ مگر حضرت زید شہید کے واقعہ میں شرکت کے بعد خواہ خفیہ شرکت کیوں نہ تھی لیکن حکومت کی نگاہوں میں آپ پڑھ گئے۔

۱۷ دیکھو موفق کے مقابلہ سے ۱۷

بنی امیہ کی حکومت اور حضرت امام کے تعلقات کی نوعیت اس کے بعد کیا رہی افسوس ہے کہ تفصیلات کا ذکر تاریخوں میں بہت کم کیا گیا ہے لیکن حجاج بنی ثقیف کی جس قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی قبیلہ کے ایک آدمی جن کا نام حکم بن ہشام ثقفی تھا ان سے بھل الفاظ میں ایک روایت کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ الفاظ اگرچہ مختصر ہیں۔ لیکن اسی اجمال سے تفصیل کا پتہ چلا یا جاسکتا ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حکم بن ہشام کے متعلق ایک طرف تو لوگوں نے یہ لکھا ہے جیسا کہ ابن عساکر میں ہے۔

کان صل یقالا بنی حنیفۃ صلیح ج ۴ امام ابو حنیفہ کے قدمت تھے۔

اور شاید اسی وجہ سے محمد بن حنفیہ دستور کچھ اس بچا رہے زیادہ خوش نظر نہیں آتے یہی بادر کیم ابو زرعہ یحییٰ بن معین و لمید بن مسلم وغیرہ نامہ دین رجال نے حکم کی توثیق کی ہے۔ لیکن پھر بھی ابو حاتم رازی سے یہ الفاظ نقل کئے جاتے ہیں۔

یکتب حدیثہ ولا یجتہد بہ حکم بن ہشام کی حدیث لکھ لی جائے لیکن اس کو دلیل میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہو امام صاحب سے ان کے تعلقات گہرے معلوم ہوتے ہیں۔ لکھا ہے کہ ان کا پیشہ بھی تجارت ہی تھا۔

کان یتجہا الی الشام ہشام کے علاقے کی طرف تجارتی کاروبار کرتے تھے۔

جس سے ہم پیشگی بھی امام صاحب سے ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ بنی امیہ کی حکومت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکم بن ہشام کے اچھے تعلقات تھے ابن عساکر ہی کا بیان ہے۔

یتورد الی الشام یمضون عطا مہ شام جا کر رہتے تھے اور وہیں سے اپنی گھڑاواہ وصول من هناك کرتے تھے۔

کچھ خیالات بھی ان کے ایسے تھے کہ بنی امیہ والوں کو ان سے خوش ہی رہنا چاہیے تھا۔

اسے یعنی ان سے پوچھا گیا کہ حضرت عثمان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے تو بڑے تعلق سے تقریر کی کہا کہ کان واللہ خیاد الخیر الامیر البربر قتیل الفجر منصور النصرہ فخذ ول الخذلہ اما خاذلہ فقد خان لہ اللہ اما قتالہ فقد قتله اللہ پوچھا گیا کہ حضرت علی اچھے تھے یا معاویہ تو بچا رہے سے حق چھپایا نہ گیا کہا کہ اچھے تو معاویہ سے علی ہی تھے۔ تب دریافت کیا گیا کہ خلافت کا حق دارہ دونوں میں کون زیادہ تھا حکم نے جواب میں کہا کہ خدا نے جس کو خلیفہ بنا دیا اسی کو زیادہ حق دار سمجھنا چاہیے اس سے بھی ان کی طبیعت کا رنگ معلوم ہوتا ہے یعنی ہر دو جانب کو خوش رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنا چاہتے تھے اسی لئے دونوں سے ان کے تعلقات تھے ۱۲

اگرچہ جو بنی امیہ کے مخالف تھے ان کو بھی ناراض رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ بہر حال ان ہی حکم بن ہشام سے کہتے ہیں کہ ایک شخص سے امام ابو حنیفہ کا حال دریافت کیا جو اب میں اس مشہور نقرے کو دہراتے ہوئے بیٹھی علی الحبیبر سقطت سے تم نے پوچھا ہے۔

انھوں نے امام ابو حنیفہ اور بنی امیہ کی حکومت جسے وہ اپنی حکومت کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے ان دونوں کے تعلقات کو بیان کرتے ہوئے امام صاحب کی عام اخلاق و عادات کی تعریف کرنے کے بعد پتہ کی جو بات کہی وہ یہ تھی کہ۔

لو ادہ سلطاننا علی ان یتولی مغلہ نعلج ہماری حکومت نے چاہا کہ اپنے خزانے کی کچھ چیزیں ان کے خزانہ اور یضرب ظہرہ فاخترہ حوالہ کرے یعنی اس خدمت کو وہ قبول کریں یا اپنی بیٹی عنابہم علی عناب اللہ عن رحل کو کوڑے سے پٹوائیں پس اس شخص نے یعنی ابو حنیفہ نے حکمرانوں کے عذاب کو اختیار کر لیا اللہ تعالیٰ کے عذاب پر

حکم سے ان الفاظ کو سننے کے بعد پوچھنے والے نے کہا کہ
"آپ نے تو ابو حنیفہ کے متعلق ایسی بات بیان کی جو کسی دوسرے سے میں نے نہیں سنی۔"

حکم نے اس پر کہا
هو کما قلت لك

بات وہی ہے جو میں نے تم سے کہی
دیکھنے میں تو حکم کا یہ بیان چند لفظوں سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک میں خیال کرتا ہوں اگر حکم کے اس بیان پر اعتماد کیا جائے اور نہ اعتماد کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ نیز اس بیان کو اتنی ہی اہمیت دی جائے جتنی اہمیت کہ خود حکم نے اپنے بیان کو دی ہے۔ اور سننے والے نے بھی سن کر جو کچھ کہا اگر ان ساری باتوں کو سامنے رکھ لیا جائے اور سمجھا جائے کہ امام کے سوانح نگاروں نے بنی امیہ کے گورنر ابن ہبیرہ کی طرف جن واقعات کو منسوب کیا ہے درحقیقت یہ ابن ہبیرہ کا نہیں بلکہ حکم کے "سلطاننا" یعنی براہ راست بنی امیہ کی حکومت کی پالیسی تھی۔ البتہ ظہار اس پالیسی کا ابن ہبیرہ کے ذریعہ سے ہوا تو حکم کے بیان سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں جس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں جیسا کہ حکومتوں کا قاعدہ ہے امام کے سامنے مال اور مال کے ساتھ جاہ کی رشوت پیش کی گئی اور کیسی رشوت؟ حکومت

کے خزانہ کی کبنیاں امام کے سپرد کر دی جائیں اس کا تک فیصلہ کیا گیا نہیں کہا جاسکتا کہ فیصلہ صرف عراق و خراسان کے خزانہ تک محدود تھا، یعنی کوفہ کے بیت المال کی افسری تک بات محدود تھی یا طے کیا گیا تھا کہ امام اگر راضی ہوں تو پائیہ تخت (دمشق) کے مرکزی خزانہ کی کبنیاں ان کے حوالہ کر دی جائیں گویا مرکز کے وزیر فیائنس بنا دیئے جائیں، آئندہ تفصیلات پیش ہوں گے ان سے تو کوفہ ہی کی حد تک یہ تجویز محدود معلوم ہوتی ہے۔ حکم کا بیان چونکہ عام ہے اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ بات وہاں تک پہنچی ہو مگر جیسا کہ نئے ثابت کیا اور آئندہ ان کی تفصیل آتی ہے جب امام اس پر راضی نہیں ہوئے تو یہ رغبت کے طریقہ کو چھوڑ کر بہت دھمکی اور دباؤ سے کام لیا گیا، انشاء اللہ تفصیلات کے اب کئے جائیں گے۔ مجھے کہنا یہ ہے کہ یہ ہو یا وہ ہو یعنی رغبت ہو یا رہبت کی کار اگرچہ بہ ظاہر بنی امیہ کے عہد میں ابن ہبیرہ ہی کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ لیکن حکم بیان نے یہ ناز واضح ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہو امر مرکزی حکومت کے اشارے سے ہوا۔

حکومت بنی امیہ اور امام ابو حنیفہ کے تعلقات کی داستان

جیسا کہ میں نے عرض کیا حضرت زید کی شہادت کے بعد بنی امیہ کی حکومت حواری و آفات کے طوفانی تھپیڑوں میں مسلسل ہیکوے کھاتی چلی جا رہی تھی۔ خلفا پر خلفا پہلے چلے جا رہے تھے بغاوتوں اور فتنوں کا ایک سلسلہ تھا جو ملک کے ہر گوشہ میں پھوٹ رہا تھا اور طرز ماجرایہ کہ خلفا بھی جو اس عرصہ میں گزرے ان میں ایک ایک سے بڑھا ہوا تھا۔ چونکہ نام کی

سے تفصیلات تو تاریخ کی کتابوں میں پڑ جائے، لیکن مختصر یہ ہے کہ ہمام کے بعد ولید نامی خلیفہ گئی پر جو بیٹھا تو گورنمات کہندہ کا موت ایک سال دو مہینے بائیس دن سے زیادہ اس کو نہیں ملا لیکن اس وقت کو بھی اس نے صرف گائے کے اور شراب خواری میں ختم کر دیا۔ بدستی کا اس کے یہ حال تھا کہ قوال نے ایک غزل سنائی جس سے اتنا مسرور ہوا کہ سے لپٹ پڑا اور اس کے ہر عضو کو چومنا شروع کیا تا اینکه شرم گاہ کے چومنے پر بھی مصر ہوا قوال بے چارہ اس میں چمپائے چلا جاتا تھا اور وہ تھا کہ اصرار کر رہا تھا کہ ضرور چوموں گا۔ نشہ ہی میں ایک دن قرآن کھول کر تلاوت کی و خواب کل جبار عنید دما کام ہوا ہرزبرکتی کرنے والا کہینہ پرور اس کو عیاں گزرا کہ یہ اشارہ کا میری طرف ہے اسی وقت قرآن کو ہٹا کر تیروں سے چاند ماری و العیاذ باللہ شروع کر دی۔ تیرہ

نہیں کی گئی ہے اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ واقعہ کس خلیفہ کا ہے۔ لیکن جہاں تک میں خیال کرتا ہوں، حضرت امام ابوحنیفہ سے براہ راست جو یہ واقعہ منقول ہے اور راوی بھی اس کے حسن بن زبیرؓ

یعنی فٹ فٹ فٹ فٹ
جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔

اقول کل جبار عنید : فہا انا ذاک جبار عنید : اذا ما جئت سہل یوم حشر : فقل یا رب قتلنی لولید
لا سے قرآن تو زبردستی کرنے والے کینہ پرور کو دھکتا ہے، تو نے میں وہی زبردستی کرنے والا کینہ پرور ہوں تقیہ
کے دن اپنے خدا کے پاس جب تو جائے تو کہہ دینا کہ ولید نے مجھے پھاڑ دیا، ظاہر ہے کہ یہ سارا تماشائے الجہان کا
تھا اگرچہ اس کی طرف بعض ایسے اشعار بھی منسوب ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پر اس نے تعرض
کی ہے۔ ولید کے بعد یزید تخت نشین ہوا کل پانچ مہینے دو راتیں حکومت کے لئے ملیں یہ اعتقاد اکثر معتزلی
تھا اور سب سے بڑا سرمایہ ناز اس کا یہ تھا جسے ایک شعر میں اس نے ادا کیا ہے : انا ابن کسر والی مردان
وقصر جدی و جدی خاقان (میں کسری کا بیٹا ہوں میرا باپ مروان تھا اور قیصر بھی میرا دادا ہے اور خاقان
بھی میرا دادا ہے) کہتے ہیں کہ اس کی ماں جس کا نام شاہ فرزند تھا یزدجو کے بیٹے فیروز کی بیٹی تھی اور فیروز کی ماں
ہاسلی تعلق کچھ ساسانیوں سے بھی کچھ قیصر سے بھی اور کچھ خاقان ترک سے بھی تھا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتا تھا
واسفاه واحسرتا کہتے کہتے دم یزید کا نکل گیا۔ پھر ابراہیم بیٹھا چار مہینے میں اس کی خلافت بھی ختم ہو گئی تب
آخری اموی حکمران مروان گدی پر آیا مروان کو گو کہنے کی حد تک پانچ سال کچھ اوپر حکومت کرنے کا موقع ملا۔
لیکن خود اپنی قبر اپنے ہاتھ سے یوں کھودی کہ اس کے باپ دادا تو صرف عربی تعصب رکھتے تھے۔ غیر عربی مسلمانوں
کی ہمت شکنی ان کا عام شیوہ تھا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح ایک
موتی (آزاد کردہ بھی غلام) سے کیا اور اپنی ایک عجمی لونڈی کو آزاد کر کے خود اس سے عقد فرمایا اس پر عبدالملک نے
بڑے طعن و تشنیع کے خطوط حضرت کو لکھے کہ تم نے قریش کی ناک کٹوا دی۔ حضرت نے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے مولوں کو لکھ کر بھیج دیا کہ ایک یہودن عورت کو آزاد کر کے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان سے نکاح کیا یعنی صفیہ بنت یتیم ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور زید اپنے غلام کو آزاد کر کے
اپنی بیوی زاد بہن زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ان سے نکاح کر دیا۔ لیکن عربیت کا غرور بنی انبیہ کے سر سے نہ نکلا اور
مروان نے تو حد کر دی کہ یمن کے غوطانی النسل عربوں کی بھی اس نے تحقیر شروع کی اور یہی چیز اسکی اور اسکی حکومت کی بربادی کی آخری جھلکی
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰
۱۰۱
۱۰۲
۱۰۳
۱۰۴
۱۰۵
۱۰۶
۱۰۷
۱۰۸
۱۰۹
۱۱۰
۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰
۲۰۱
۲۰۲
۲۰۳
۲۰۴
۲۰۵
۲۰۶
۲۰۷
۲۰۸
۲۰۹
۲۱۰
۲۱۱
۲۱۲
۲۱۳
۲۱۴
۲۱۵
۲۱۶
۲۱۷
۲۱۸
۲۱۹
۲۲۰
۲۲۱
۲۲۲
۲۲۳
۲۲۴
۲۲۵
۲۲۶
۲۲۷
۲۲۸
۲۲۹
۲۳۰
۲۳۱
۲۳۲
۲۳۳
۲۳۴
۲۳۵
۲۳۶
۲۳۷
۲۳۸
۲۳۹
۲۴۰
۲۴۱
۲۴۲
۲۴۳
۲۴۴
۲۴۵
۲۴۶
۲۴۷
۲۴۸
۲۴۹
۲۵۰
۲۵۱
۲۵۲
۲۵۳
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۶
۲۵۷
۲۵۸
۲۵۹
۲۶۰
۲۶۱
۲۶۲
۲۶۳
۲۶۴
۲۶۵
۲۶۶
۲۶۷
۲۶۸
۲۶۹
۲۷۰
۲۷۱
۲۷۲
۲۷۳
۲۷۴
۲۷۵
۲۷۶
۲۷۷
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۰
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
۲۸۴
۲۸۵
۲۸۶
۲۸۷
۲۸۸
۲۸۹
۲۹۰
۲۹۱
۲۹۲
۲۹۳
۲۹۴
۲۹۵
۲۹۶
۲۹۷
۲۹۸
۲۹۹
۳۰۰
۳۰۱
۳۰۲
۳۰۳
۳۰۴
۳۰۵
۳۰۶
۳۰۷
۳۰۸
۳۰۹
۳۱۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۱۳
۳۱۴
۳۱۵
۳۱۶
۳۱۷
۳۱۸
۳۱۹
۳۲۰
۳۲۱
۳۲۲
۳۲۳
۳۲۴
۳۲۵
۳۲۶
۳۲۷
۳۲۸
۳۲۹
۳۳۰
۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰
۴۰۱
۴۰۲
۴۰۳
۴۰۴
۴۰۵
۴۰۶
۴۰۷
۴۰۸
۴۰۹
۴۱۰
۴۱۱
۴۱۲
۴۱۳
۴۱۴
۴۱۵
۴۱۶
۴۱۷
۴۱۸
۴۱۹
۴۲۰
۴۲۱
۴۲۲
۴۲۳
۴۲۴
۴۲۵
۴۲۶
۴۲۷
۴۲۸
۴۲۹
۴۳۰
۴۳۱
۴۳۲
۴۳۳
۴۳۴
۴۳۵
۴۳۶
۴۳۷
۴۳۸
۴۳۹
۴۴۰
۴۴۱
۴۴۲
۴۴۳
۴۴۴
۴۴۵
۴۴۶
۴۴۷
۴۴۸
۴۴۹
۴۵۰
۴۵۱
۴۵۲
۴۵۳
۴۵۴
۴۵۵
۴۵۶
۴۵۷
۴۵۸
۴۵۹
۴۶۰
۴۶۱
۴۶۲
۴۶۳
۴۶۴
۴۶۵
۴۶۶
۴۶۷
۴۶۸
۴۶۹
۴۷۰
۴۷۱
۴۷۲
۴۷۳
۴۷۴
۴۷۵
۴۷۶
۴۷۷
۴۷۸
۴۷۹
۴۸۰
۴۸۱
۴۸۲
۴۸۳
۴۸۴
۴۸۵
۴۸۶
۴۸۷
۴۸۸
۴۸۹
۴۹۰
۴۹۱
۴۹۲
۴۹۳
۴۹۴
۴۹۵
۴۹۶
۴۹۷
۴۹۸
۴۹۹
۵۰۰
۵۰۱
۵۰۲
۵۰۳
۵۰۴
۵۰۵
۵۰۶
۵۰۷
۵۰۸
۵۰۹
۵۱۰
۵۱۱
۵۱۲
۵۱۳
۵۱۴
۵۱۵
۵۱۶
۵۱۷
۵۱۸
۵۱۹
۵۲۰
۵۲۱
۵۲۲
۵۲۳
۵۲۴
۵۲۵
۵۲۶
۵۲۷
۵۲۸
۵۲۹
۵۳۰
۵۳۱
۵۳۲
۵۳۳
۵۳۴
۵۳۵
۵۳۶
۵۳۷
۵۳۸
۵۳۹
۵۴۰
۵۴۱
۵۴۲
۵۴۳
۵۴۴
۵۴۵
۵۴۶
۵۴۷
۵۴۸
۵۴۹
۵۵۰
۵۵۱
۵۵۲
۵۵۳
۵۵۴
۵۵۵
۵۵۶
۵۵۷
۵۵۸
۵۵۹
۵۶۰
۵۶۱
۵۶۲
۵۶۳
۵۶۴
۵۶۵
۵۶۶
۵۶۷
۵۶۸
۵۶۹
۵۷۰
۵۷۱
۵۷۲
۵۷۳
۵۷۴
۵۷۵
۵۷۶
۵۷۷
۵۷۸
۵۷۹
۵۸۰
۵۸۱
۵۸۲
۵۸۳
۵۸۴
۵۸۵
۵۸۶
۵۸۷
۵۸۸
۵۸۹
۵۹۰
۵۹۱
۵۹۲
۵۹۳
۵۹۴
۵۹۵
۵۹۶
۵۹۷
۵۹۸
۵۹۹
۶۰۰
۶۰۱
۶۰۲
۶۰۳
۶۰۴
۶۰۵
۶۰۶
۶۰۷
۶۰۸
۶۰۹
۶۱۰
۶۱۱
۶۱۲
۶۱۳
۶۱۴
۶۱۵
۶۱۶
۶۱۷
۶۱۸
۶۱۹
۶۲۰
۶۲۱
۶۲۲
۶۲۳
۶۲۴
۶۲۵
۶۲۶
۶۲۷
۶۲۸
۶۲۹
۶۳۰
۶۳۱
۶۳۲
۶۳۳
۶۳۴
۶۳۵
۶۳۶
۶۳۷
۶۳۸
۶۳۹
۶۴۰
۶۴۱
۶۴۲
۶۴۳
۶۴۴
۶۴۵
۶۴۶
۶۴۷
۶۴۸
۶۴۹
۶۵۰
۶۵۱
۶۵۲
۶۵۳
۶۵۴
۶۵۵
۶۵۶
۶۵۷
۶۵۸
۶۵۹
۶۶۰
۶۶۱
۶۶۲
۶۶۳
۶۶۴
۶۶۵
۶۶۶
۶۶۷
۶۶۸
۶۶۹
۶۷۰
۶۷۱
۶۷۲
۶۷۳
۶۷۴
۶۷۵
۶۷۶
۶۷۷
۶۷۸
۶۷۹
۶۸۰
۶۸۱
۶۸۲
۶۸۳
۶۸۴
۶۸۵
۶۸۶
۶۸۷
۶۸۸
۶۸۹
۶۹۰
۶۹۱
۶۹۲
۶۹۳
۶۹۴
۶۹۵
۶۹۶
۶۹۷
۶۹۸
۶۹۹
۷۰۰
۷۰۱
۷۰۲
۷۰۳
۷۰۴
۷۰۵
۷۰۶
۷۰۷
۷۰۸
۷۰۹
۷۱۰
۷۱۱
۷۱۲
۷۱۳
۷۱۴
۷۱۵
۷۱۶
۷۱۷
۷۱۸
۷۱۹
۷۲۰
۷۲۱
۷۲۲
۷۲۳
۷۲۴
۷۲۵
۷۲۶
۷۲۷
۷۲۸
۷۲۹
۷۳۰
۷۳۱
۷۳۲
۷۳۳
۷۳۴
۷۳۵
۷۳۶
۷۳۷
۷۳۸
۷۳۹
۷۴۰
۷۴۱
۷۴۲
۷۴۳
۷۴۴
۷۴۵
۷۴۶
۷۴۷
۷۴۸
۷۴۹
۷۵۰
۷۵۱
۷۵۲
۷۵۳
۷۵۴
۷۵۵
۷۵۶
۷۵۷
۷۵۸
۷۵۹
۷۶۰
۷۶۱
۷۶۲
۷۶۳
۷۶۴
۷۶۵
۷۶۶
۷۶۷
۷۶۸
۷۶۹
۷۷۰
۷۷۱
۷۷۲
۷۷۳
۷۷۴
۷۷۵
۷۷۶
۷۷۷
۷۷۸
۷۷۹
۷۸۰
۷۸۱
۷۸۲
۷۸۳
۷۸۴
۷۸۵
۷۸۶
۷۸۷
۷۸۸
۷۸۹
۷۹۰
۷۹۱
۷۹۲
۷۹۳
۷۹۴
۷۹۵
۷۹۶
۷۹۷
۷۹۸
۷۹۹
۸۰۰
۸۰۱
۸۰۲
۸۰۳
۸۰۴
۸۰۵
۸۰۶
۸۰۷
۸۰۸
۸۰۹
۸۱۰
۸۱۱
۸۱۲
۸۱۳
۸۱۴
۸۱۵
۸۱۶
۸۱۷
۸۱۸
۸۱۹
۸۲۰
۸۲۱
۸۲۲
۸۲۳
۸۲۴
۸۲۵
۸۲۶
۸۲۷
۸۲۸
۸۲۹
۸۳۰
۸۳۱
۸۳۲
۸۳۳
۸۳۴
۸۳۵
۸۳۶
۸۳۷
۸۳۸
۸۳۹
۸۴۰
۸۴۱
۸۴۲
۸۴۳
۸۴۴
۸۴۵
۸۴۶
۸۴۷
۸۴۸
۸۴۹
۸۵۰
۸۵۱
۸۵۲
۸۵۳
۸۵۴
۸۵۵
۸۵۶
۸۵۷
۸۵۸
۸۵۹
۸۶۰
۸۶۱
۸۶۲
۸۶۳
۸۶۴
۸۶۵
۸۶۶
۸۶۷
۸۶۸
۸۶۹
۸۷۰
۸۷۱
۸۷۲
۸۷۳
۸۷۴
۸۷۵
۸۷۶
۸۷۷
۸۷۸
۸۷۹
۸۸۰
۸۸۱
۸۸۲
۸۸۳
۸۸۴
۸۸۵
۸۸۶
۸۸۷
۸۸۸
۸۸۹
۸۹۰
۸۹۱
۸۹۲
۸۹۳
۸۹۴
۸۹۵
۸۹۶
۸۹۷
۸۹۸
۸۹۹
۹۰۰
۹۰۱
۹۰۲
۹۰۳
۹۰۴
۹۰۵
۹۰۶
۹۰۷
۹۰۸
۹۰۹
۹۱۰
۹۱۱
۹۱۲
۹۱۳
۹۱۴
۹۱۵
۹۱۶
۹۱۷
۹۱۸
۹۱۹
۹۲۰
۹۲۱
۹۲۲
۹۲۳
۹۲۴
۹۲۵
۹۲۶
۹۲۷
۹۲۸
۹۲۹
۹۳۰
۹۳۱
۹۳۲
۹۳۳
۹۳۴
۹۳۵
۹۳۶
۹۳۷
۹۳۸
۹۳۹
۹۴۰
۹۴۱
۹۴۲
۹۴۳
۹۴۴
۹۴۵
۹۴۶
۹۴۷
۹۴۸
۹۴۹
۹۵۰
۹۵۱
۹۵۲
۹۵۳
۹۵۴
۹۵۵
۹۵۶
۹۵۷
۹۵۸
۹۵۹
۹۶۰
۹۶۱
۹۶۲
۹۶۳
۹۶۴
۹۶۵
۹۶۶
۹۶۷
۹۶۸
۹۶۹
۹۷۰
۹۷۱
۹۷۲
۹۷۳
۹۷۴
۹۷۵
۹۷۶
۹۷۷
۹۷۸
۹۷۹
۹۸۰
۹۸۱
۹۸۲
۹۸۳
۹۸۴
۹۸۵
۹۸۶
۹۸۷
۹۸۸
۹۸۹
۹۹۰
۹۹۱
۹۹۲
۹۹۳
۹۹۴
۹۹۵
۹۹۶
۹۹۷
۹۹۸
۹۹۹
۱۰۰۰

اولیٰ میں جن کا شمار امام کے ارشد تلامذہ میں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے خود یہ قصہ سنا۔ فرماتے تھے کہ نبی امیہ کے گورنروں کا قاعدہ تھا کہ موالی (غیر عربی) مسلمانوں میں جو علما تھے ان کو فتویٰ وغیرہ کے لئے اپنا دربار میں نہیں بلاتے تھے۔ حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ اس کے بعد امام نے فرمایا:-

اول من دعا بالموالی فلان ذکر رجلا سب سے پہلے موالی کو اس کام کے لئے جس نے بلایا وہ منہم سہار۔ فلاں تھا امام ابو حنیفہ نے اس کا نام بھی لیا۔

حکومت کی جانب سے حضرت امام سے پہلا استفتا۔ مگر معلوم نہیں کہ

کی تصریح کیوں نہ کی، بہر حال میرا خیال ہے کہ زید کی شہادت کے بعد غالب قرینہ یہی ہے کہ ہشام کے اشارے سے یوسف بن عمر ہی نے امام کو اپنے دربار میں فتوے کے لئے بلایا۔ یہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام کی اندرونی امداد کی خبر جب حکومت کو پہنچی تو ابتدا ہی میں ارادہ کیا گیا کہ امام کو حکومت کا ہمنوا بنا لیا جائے۔ اور اسی لئے موالی کے متعلق جو تدبیر دستور تھا اور حکومت بنی امیہ اس کی پابند چلی آرہی تھی، اُس کو توڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ بہر حال اس کے بعد گورنر نے عربی النسل فقہاء کے مجمع میں امام کو شریک کر کے فتویٰ پوچھا اور یہ پہلا موقع تھا جس میں صرف اجتہاد و تفقہ بلکہ امام ابو حنیفہ کی وسعت معلومات کا اندازہ حکومت کو بھی ہوا۔ اور ان عربی النسل علماء کو بھی ہوا جو بھی لوگوں کو آنکھ نہیں لگاتے تھے۔

۱۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے امام کے ساتھ ہی عربی قبائل سے تعلق رکھنے والے جتنے سربراہان اور تھوڑے سیاست میں الجھ کر رہ گئے تھے موالی یعنی عجم کے نو مسلموں کا حکومت سے چونکہ زیادہ تعلق نہیں تھا، اس لئے دین اور علم میں ترقی کرنے کا فرائض میدان ان کو مل گیا۔ مشہور قصہ ہے کہ ہشام ہی کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے دربار میں عطا پہنچے۔ اُس نے پوچھا کہ عطا، اسلامی شہروں میں اس وقت جو علماء ہیں ان سے تم واقف ہو۔ انھوں نے کہا کیوں نہیں۔ ہشام نے دریافت کرنا شروع کیا کہ بتاؤ، میںہ کا فقیہ آج کل کون ہے۔ بڑے نافع یعنی ابن عمرؓ مولیٰ اُس نے پوچھا اور کہہ کے؛ کہا کہ عطا بن ابی رباح اُس نے کہا کہ یہ عربی ہیں یا مولیٰ عطا نے کہا مولیٰ۔ ہشام نے پوچھا اور یمن کا فقیہ؛ عطا نے کہا کہ طاؤس بن کیسان، ہشام عربی ہیں یا مولیٰ۔ عطا۔ مولیٰ۔ ہشام اور ہشامہ کے؛ عطا بھی بن کثیر ہشام عربی ہیں یا مولیٰ۔ عطا۔ مولیٰ۔ ہشام اور ہشام کے؛ عطا کھول ہشام عربی ہیں یا مولیٰ؛ عطا۔ مولیٰ۔ ہشام الحمریہ (موصل وغیرہ) کا فقیہ کون ہے عطا

منصور بن جہور کو کوفہ کی ولایت سپرد ہوئی۔ لیکن بہت جلد اس کو بھی رخصت ہونا پڑا۔ بظاہر ان شورشوں کے دبانے میں منصور بھی کامیاب نہ ہو سکا جن سے کوفہ لیریز ہو رہا تھا۔ لکھا ہے کہ یزید نے آخر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو بلا کر کہا کہ سر ای الحراق فان اهلہ یمینون تمہی عراق کی حکومت کی باگ اپنے ہاتھ جاکر لے لو۔ وہاں کے باشندے تمہارے باپ کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

انی ابیث ص ۱۳۰ ج ۲

لیکن کوفہ میں انقلاب کی آگ بھڑکن چکی تھی۔ عبداللہ بن عمر کو بھی مختلف فتوں کا مقابلہ کرنا پڑا جس میں سب سے بڑا فتنہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کا تھا۔ بڑے مقابلہ اور مقابلہ کے بعد یہ فتنہ فرو ہوا۔

اس عرصہ میں کل پانچ بیٹے کچھ دن حکومت کر کے یزید بن الولید بھی مر گیا۔ تخت کے چند مہینوں میں قتال و جہال کا بازار خوب گرم رہا۔ چند آدمیوں کے ہاتھوں پر بیعت کی گئی اور توری

بقیہ فٹ نوٹ ص ۱۸

اور چند سربرہنہ عورتیں چادر کے کناروں پر بیٹھی ہوتی تھیں گویا ایسا باند کر رہی تھیں کہ غلہ و لہ کی کسی ڈبیر پر چھڑاڑھا کر یہ عورتیں مٹھی میں بگر واقعہ کا لوگوں کو علم تھا بٹانگ پکڑ کر چادر کے نیچے سے گھسٹا گیا اسی وقت اس کی ڈاڑھی جو غیر معمولی طور پر بہت بڑی تھی نوچی گئی اور یزید کے سنانے اسی حال میں پیش ہوا۔ لکھا ہے کہ بدحواسی میں یزید کے سامنے ڈاڑھی پکڑے کھڑا رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ امیر المؤمنین لوگوں نے میری ڈاڑھی اکھاڑ دی ایک بال بھی باقی نہ رکھا ص ۱۷۲

سہ حضرت جعفر طیار جو حضرت علی کے بڑے بھائی تھے ان کے خاندان سے ان کا تعلق تھا۔ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کی گورنری کے زمانہ میں شیعوں نے یہ قرار دے کر کہ یہ بھی تو اہل بیت ہی کے خاندان کے آدمی ہیں ان کے ہاتھ پر بیعت شروع کی۔ بڑے جھگڑے پیش آئے۔ کوفہ چھوڑ کر یہ ایران چلے آئے اور ایران سے خراسان کی طرف بھاگے وہاں ابو مسلم عباسیوں کا داعی اپنا اقتدار قائم کر چکا تھا۔ چونکہ ابو مسلم اہل بیت ہی کے نام سے کام کر رہا تھا۔ عبداللہ بن معاویہ نے اس سے پناہ چاہی۔ لطیفہ یہ ہے کہ ابو مسلم نے کہلا بھیجا کہ تمہارے نسب نامہ میں معاویہ نام کیسے ہے۔ اہل بیت والوں میں آج تک یہ نام نہیں سنا گیا۔ جواب میں انہوں نے لکھا کہ امیر معاویہ نے زہر پستی کر کے میرے والد کا نام معاویہ رکھوایا تھا۔ اور میرے دادا جب اس پر راضی ہو گئے تو ایک لاکھ درم انعام بھی دیا تھا۔ اس لئے مجبوراً یہ نام میرے نسب نامہ میں گھس گیا۔ ابو مسلم نے جواب میں کہا کہ تمہارے خاندان والوں نے بہت بستے داموں میں اس نام کو خرید لیا پھر ابو مسلم ہی نے گرفتار کر کے ان کو قتل کر دیا۔ مال ص ۱۷۹

گئی بالآخر مروان بن محمد بن مروان غالب آیا اور آخری خلیفہ ہونے کی حیثیت سے یہی بنی امیہ کی گدی پر قابض ہو گیا۔ لیکن خاندانی جھگڑوں سے فارس ہونے کے ساتھ ہی مختلف گوشوں سے خوارج اہل پڑے۔

حضرت امام کی گرفتاری

اسی سلسلہ میں نہجاک نامی خارجی بھی تھا جس نے عبداللہ بن عمرو الی کوفہ کو شکست دے کر کوفہ پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی امام ابو حنیفہ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے سیاسی رجحانات اب پوشیدہ نہیں رہے تھے۔ اسی لئے خارجیوں نے امام کی گرفتاری غالباً ضروری قرار دی۔ لکھا ہے کہ جب امام خارجیوں کے قائد کے پاس آئے تو لوگوں نے توبہ دلائی کہ ہذا شیخہم ربیعہ کوفہ کے مسلمانوں کا یہ مذہبی پیشوا ہے، یہ سن کر بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے لیڈر نے امام کو سامنے بلوایا اور جیسا کہ خارجیوں کا دستور تھا، ہر مسلمان سے توبہ کراتے تھے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان بد بختوں نے توبہ کما تبنا تم بھی اسی طرح توبہ کرو جیسے ہم نے توبہ کی، کا مطالبہ کیا تھا توبہ چارے امام ابو حنیفہ کس شمار میں تھے۔ ان پر بھی اسی توبہ کرنے کا مطالبہ پیش کیا گیا۔ کہا گیا کہ

توب یا شیخ من الکفر بڑے میاں کفر سے توبہ کرو۔

کہتے ہیں کہ جواب میں امام نے اپنے ہوش و حواس کو قائم رکھتے ہوئے فرمایا کہ

انا نائب من کل کفر میں ہر کفر سے نائب ہوں

یہ سن کر خارجیوں نے امام کو چھوڑ دیا لیکن کسی کو پھر شرارت نہ تھی۔ اُس نے خارجیوں کو باور کرایا کہ کفر سے مراد ان کے نزدیک تم لوگوں کے عقائد ہیں، انہوں نے تمہارے عقائد سے توبہ کی ہے۔ خارجی گنوار تو تھے ہی۔ پھر امام واپس بلائے گئے اور پوچھا گیا کہ:-

شیخ ہم نے سنا ہے کہ جس کفر سے تم نے توبہ کی ہے اس سے مراد ہمارے

عقائد اور ہمارا طریقہ کار ہے:-

خارجیوں نے اپنا اصول یہ مقرر کر رکھا تھا کہ ہر چیز سے الگ ہو کر صرف قرآن کے سامنے جھکنا چاہیے۔ وہی حکم اور فیصلہ ہے حضرت امام نے دیکھا کہ ان جاہلوں سے خلاسی کی سورت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ قرآن ہی سے ان پر الزام قائم کیا جائے آپ نے فرمایا:-

”یہ جو تم کہہ رہے ہو، کیا یہ صرف ظن اور گمان کے سوا اور کچھ ہے۔ کیا

آپ لوگوں کو یقین ہے کہ کفر سے میں نے وہی مراد لیا ہے جسے میری طرف

تم منسوب کرتے ہو؟

ان کے لیڈر نے کہا کہ

”ہاں! صرف گمان اور ظن ہے، یقین سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔“

امام صاحب نے تب قرآن کی آیت ان بعض الظن اثمہ بعض گمان گناہ (ہوتا ہے) تلاوت کر کے فرمایا کہ بدگمانی کر کے تم نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ اور گناہ کے متعلق تم لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کفر ہے۔ ہر آدمی کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ تقریر کر کے امام نے نذر دے کر خارجیوں کے اسی لیڈر سے کہا کہ جناب! پہلے آپ اس کفر سے توبہ کیجئے یہ سن کر خارجی لیڈر بولا کہ ہاں! یہ تم نے سچ کہا اور میں اس کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ لیکن ابو حنیفہ تم بھی کفر سے توبہ کرو امام نے اس کے جواب میں پھر اپنے پہلے جملے کو دہرایا کہ:-

”میں ہر قسم کے کفر سے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔“

کہتے ہیں کہ خارجیوں نے یہ سن کر امام کو چھوڑ دیا۔

لیکن یہ تو شخصی مصیبت تھی جس سے امام کو نجات ملی۔ خارجی اب شہر کے عام باشندوں کی طرف

اہل کوفہ کے قتل عام کا حکم

متوہ ہوئے۔ یہ طے کر کے کہ کوفہ والے عموماً شیعہ عقائد رکھتے ہیں۔ یا کم از کم خارجی عقائد ان کے نہیں ہیں۔ اس لئے وہ کافر ہیں اور کافروں کا خون بھی حلال ہے اور ان کے بال بچوں کو غلام اور لونڈی بنالینا ہم سچے مسلمانوں کا ذہنی حق ہے۔ یہ سب کر کے بیان کیا گیا ہے کہ مرد و دھاک خارجی کوفہ کی جامع مسجد میں تلوار نکال کر بٹھیرا گیا اور عام اعلان اس نے کر دیا کہ کوفہ والوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں بال بچوں کو لونڈی غلام بنایا جائے۔

امام ابو حنیفہ کی زندگی میں کوفہ کی صحاک خارجی سے حضرت امام کی گفتگو

کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ ان وحشی گنوار خارجیوں کے پاس جا کر کچھ کہہ سکے بظاہر ایسا معلوم

نہ بطور ظمن کے بعض تاریخوں میں امام کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ کفر سے امام ابو حنیفہ کی توبہ کرائی

گئی ہے۔ لیکن اس توبہ کی اصل حقیقت یہی ہے لوگوں نے واقعہ کے ان اجزاء کو حذف کر کے صرف

یہ مشہور کر دیا کہ ابو حنیفہ سے توبہ کفر سے کرائی گئی۔ دیکھو مونیق ص ۱۷۱

ہوتا ہے کہ شخصی طور پر امام کو ایک دفعہ ملنے کا موقعہ ان لوگوں سے چونکہ مل چکا تھا گفتگو بھی ہو چکی تھی۔ اسی لئے جان پر کھیل کر اس دن ابو حنیفہ ہی آگے بڑھے اور ضحاک کے سامنے پہنچ کر کہا کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اس نے اجازت دی۔ امام نے ضحاک سے پوچھا کہ یہ مردوں کے قتل اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لینے کو حلال کس بنیاد پر قرار دیا گیا ہے۔ ضحاک نے کہا کہ یہ لوگ مرتد ہیں۔ اس کی اس تعبیر نے امام کے لئے موقعہ پیدا کیا۔ ضحاک سے آپ نے فرمایا کہ:-

"مرتد ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا ان لوگوں کا پہلے کچھ اور دین تھا؟ اور اس دین کو ترک کر کے مرتد ہونے کے بعد اب کوئی نیا دین انہوں نے قبول کیا ہے۔ یا جس دین پر پہلے سے چلے آ رہے ہیں وہی دین اس وقت بھی ان کا ہے؟"

ضحاک امام کے ان الفاظ کو سن کر کچھ چوکنسا سا ہوا اور بولا کہ

اعد علیٰ بہ تم نے جو بات کہی اسے ذرا پھر دہراؤ۔

امام نے بات دہرا دی کہتے ہیں کہ دیوانے کی سمجھ میں خدا جائے کیا آیا اور زور سے اس نے اخطار نارہم سے غلطی ہوئی، کا اعلان کرتے ہوئے خود اپنی تلوار میان میں کر لی اور اس کے بعد دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی۔

بہر حال کچھ بھی ہو۔ حق تعالیٰ کی رحمت نے کوفہ والوں کو اس دن امام ابو حنیفہ کے ذریعہ سے بچا لیا۔ اسی لئے بطور لطیفہ کے ابو معاذ السبلی کا یہ فقرہ نقل کیا جاتا ہے کبھی کبھی وہ کہتے کہ:-

اصل یہ ہے کہ سر بھروں اور دیوانوں کے ایک گروہ کا نام "خارج تھا" زود فرہی اور زود ناغری ان کی خصوصیت تھی۔ اسی لئے قتل کا فتویٰ بھی بہت جلد دے دیتے تھے اور توبہ پر بھی بہت جلد آمادہ ہو جاتے تھے، ورنہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ حضرت امام کے ان الفاظ سے اس کی تسلی کیسے ہو گئی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیسے کر لیا۔ بجز اس کے کہ مرتد ہونے کا لفظ جو بولتا تھا اس لفظ کے صدق کے لئے جس چیز کی ضرورت تھی امام نے اس پر واضح کیا کہ یہ بات ان میں نہیں پائی جاتی یعنی کوفہ والوں کا دین بجائے خود کچھ بھی ہو۔ کفر بولہ اسلام۔ لیکن ارتداد کا الزام ان پر قطعاً غلط ہے کیونکہ ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کو قبول کرنا ارتداد کی تعریف تو یہ ہے۔ اور کوفہ والوں نے یہ بھی نہیں کیا بلکہ جس دین پر بھی ہیں ہمیشہ سے ہیں ۱۴

اہل الکوفۃ کلہم موالی اہلی سارے کوفہ والے امام ابو حنیفہ کے آزاد کردہ موالی رندم حنیفہ لاندہ سبب عتقہم صحیح موثق ہیں کیونکہ وہی ان کے آزادی کے سبب تھے۔

خارجیوں کا استیصال اور ابن ہبیرہ کی گورنری

دن تک ہاتھی نہ رہا، فصحا کشتی بن عمران العاندی کو کوفہ کا حاکم بنا کر خود مروان کے مقابلہ میں پہنچ کر مارا گیا اور ثنی بن عمران کے مقابلہ میں مروان نے اپنے اس افسر کو مقرر کیا جس کا امام ابو حنیفہ کی سوانح عمریوں میں بکثرت ذکر آتا ہے۔ یعنی یزید بن عمرو بن ہبیرہ (ابن ہبیرہ نے عراق پہنچ کر جوارج کا اس علاقے سے استیصال کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ ابن ہبیرہ اپنی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے لحاظ سے کچھ بھی ہو۔ لیکن عراق سے خارجیوں کو نکالنے کے بعد ۱۶۹ھ سے ۱۷۲ھ ہجری یعنی کم و بیش چار سال تک اپنے علاقہ میں اس نے امن و امان قائم کر دیا تھا۔ جیسا کہ میرا خیال ہے امام ابو حنیفہ کے متعلق حکومت بنی امیہ نے جو اپنی پالیسی مقرر کی تھی۔ اس پر عمل کرنے کا موقع ابن ہبیرہ کو اپنی حکومت کے زمانہ میں ملا۔ اسی لئے جتنے واقعات اس سلسلہ میں بیان کئے جاتے ہیں ان میں اسی ابن ہبیرہ ہی کا نام لیا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور ابن ہبیرہ

امام کے سوانح نگاروں نے اس سلسلہ میں واقعات کو غیر مرتب طور پر بیان کیا ہے۔ لیکن قرآن و قیاسات سے کام اگر لیا جائے تو شاید ہم ان میں ایک قسم کی ترتیب بھی پا سکتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا، حکومت کی پالیسی امام ابو حنیفہ کے متعلق یہ تھی کہ پہلے نرمی سے کام لیا جائے۔ اور نرمی میں جس حد تک مبالغہ ممکن ہے اس میں کمی نہ کی جائے۔ لیکن نرمی سے جب کام نہ چلے۔ تب گری کے طریقوں کو اختیار کیا جائے۔

ابن ہبیرہ اور حضرت امام کی ملاقاتیں

اس سلسلہ میں ہم ابو حنیفہ کو ابن ہبیرہ کے دربار میں اس شان کے ساتھ پاتے ہیں کہ ایک شخص کو ابن ہبیرہ قتل کی دھمکیاں دے رہا ہے اور قریب ہے کہ اس بیچاے کو حبلا دے کے سپرد کرے۔

اچانک امام ابو حنیفہ ابن ہبیرہ کے دربار میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کا ذکر مورخین نے نہیں کیا ہے کہ کیوں آئے تھے۔ خود آئے تھے یا بلائے گئے تھے، لیکن میرا خیال ہے کہ بلائے ہی

گئے تھے۔ بہر حال لکھا ہے کہ غریب ملزم کی نظر جوں ہی امام ابو حنیفہ پر پڑی بدحواسی یا جان بوجھ کر اس نے ابن ہبیرہ سے کہا کہ آپ کو میرے متعلق اگر شبہات ہیں تو یہ صاحب جو آپ کے پاس بھی آئے ہیں ان سے میرا حال دریافت کر سکتے ہیں زاور واقعہ یہ تھا کہ امام صاحب نے اس کو نہ کبھی دیکھا تھا اور نہ اس کے حال سے واقف تھے، لیکن یہ محسوس کر کے کہ اس بے چارے نے مجھ سے گویا امداد چاہی ہے اس مظلوم کو بچانے کی کوئی صورت پیدا کرنی چاہیے۔ خدا نے جس قسم کا ذہن رسا اور شاقب طبیعت آپ کو عطا کی تھی فوراً ایک خیال سامنے آیا یعنی امام کی طرف مخاطب ہو کر ابن ہبیرہ نے جب پوچھا کہ آپ کیا اس شخص کو پہچانتے ہیں؟ جھوٹ تو بول نہیں سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے ملزم کی طرف خطاب کر کے پوچھا کہ ”تم وہی آدمی ہو جو اذان دیتے ہوئے لا الہ الا اللہ کے کلمہ کو خاص طور پر کھینچا کرتے ہو۔ اس نے بھی کہہ دیا جی ہاں! امام نے فرمایا کہ اچھا اذان دو۔ اس بے چارے نے اذان دی۔ اذان جب ختم ہوئی تو امام صاحب نے کہنا شروع کیا یہ تو اچھا آدمی ہے مجھے تو اس میں کوئی بات اعتراض کی معلوم نہیں ہوتی کہتے ہیں کہ امام مکے یہ فرمانے کے ساتھ ہی ابن ہبیرہ نے ملزم کو چھوڑ دیا۔ جن لوگوں نے امام کے اس واقعہ کو نقل کیا ہے آخر میں انھوں نے اس کا اضافہ بھی کیا ہے کہ:-

انما کان غرض ابی حنیفہ ان یسمع
الرجل یقر بالشہادۃ یتوصل الی
خلاصہ فاصراہ بالاذان لن لک صیغۃ
بات کہ کثرت اذان کا فقہ امام نے اس لئے چھیڑا کہ اس کی
تعریف کی گنجائش پیدا ہو جائے یعنی کلمہ شہادت ادا کر کے
اس کی خلاصہ کی وجہ امام نے نکال لی اس کو اذان کا نیک حکم دیا گیا
گویا امام کا مطلب یہ تھا کہ جو آدمی توحید کا مقرر ہے رسالت کو مانتا ہے اس کے متعلق اگر یہ
کہا جائے کہ یہ تو اچھا آدمی ہے، یہ جھوٹ نہ ہوگا۔ مگر میرا خیال ہے کہ اسی کے ساتھ ابن ہبیرہ کو اپنے

سلسلہ زیادہ تر وثائق کی تیاری کے لئے امام کو بلایا جاتا تھا یا کبھی کوئی مشکل مقدمہ پیش ہوتا تب آپ کو دعوت دی جاتی
کہتے ہیں کہ شروع شروع میں ابن ہبیرہ امام کی قابلیت سے ایک دھیمے کے بعد ہی واقف ہوا۔ پہلے اس نے
شہر کی عربی النسل علماء ابن ابی لیلیٰ اور ابن خبیرہ سے مسودہ لکھوایا لیکن پسند نہ آیا تب امام کو بلوایا۔ ان دونوں کے مسودوں
کو دیکھ کر امام نے فرمایا کہ اللہ کے نام کے سوا ان میں جو کچھ لکھا گیا ہے سب غلط ہے تب ابن ہبیرہ نے آپ سے مسودہ لکھنے
کی خواہش کی۔ آپ نے فرمایا کیا ابھی جانتے ہو۔ بلوایا ابھی۔ فرمایا کسی کاتب کو بلوایا کاتب آیا اور اسی وقت آپ نے
مسودہ لکھوایا اس دن سے امام کی عظمت ابن ہبیرہ کے قلب میں جا گزریں ہو گئی۔ ۱۱ مروج

طرز عمل سے یہ بھی ثابت کرنا تھا کہ حضرت امام کی اس کے دل میں کتنی عزت اور کتنا احترام ہے گویا محض ان کی معمولی توثیق سے ایسے مجرم کو جو واقع میں مجرم تھا یا نہ تھا، لیکن ابن ہبیرہ تو اس کو واجب قتل قرار دے چکا تھا اس کو چھوڑ دیا، اگر یہ سمجھا جائے کہ اس طرز عمل سے نفسیاتی طور پر وہ امام کو متاثر کرنا چاہتا تھا تو بعید نہیں ہے البتہ بجائے قول کے اس دفعہ اس نے صرف عمل سے کام لیا اسی قسم کا ایک قصہ امام کردری نے بھی ابن ہبیرہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے نام سے ایک جعلی سفارش نامہ لکھ کر کسی شخص نے ابن ہبیرہ کے پاس پیش کیا تھا۔ اتفاقاً تھوڑی دیر بعد امام بھی ابن ہبیرہ کے پاس آئے۔ اس نے پوچھا کہ آپ ہی نے یہ سفارش کی تھی۔ یہ امام کی نیک نفسی تھی کہ دیکھا کہ اس کا کام بنتا ہے ابن ہبیرہ سے کہا جزاک اللہ وہ خوش ہو گیا اور سمجھا کہ امام نے تصدیق کی ہے۔ بہر حال مقصود ان باتوں سے امام کو قائلہ میں لانا تھا

اسی سلسلہ میں چند ہی دنوں کے بعد ایک اور لطیفہ پیش آیا جس میں ابن ہبیرہ کو کھل کر اپنے منشا کے اظہار کا موقعہ فوراً ہی امام کے سامنے

مل گیا موفق نے اپنی مسلسل سند کے ساتھ اس قصے کو بیان کرتے ہوئے ابتداءً ان الفاظ سے کیا ابن ہبیرہ دعا یوما بالی حنیفۃ ابن ہبیرہ نے امام ابو حنیفہ کو اپنے پاس بلایا ان کی لافہر احتاج الی داٹہ ص ۱۱۱ رائے کسی مستند میں لینا چاہتا تھا۔

اس سے بھی یہی معلوم ہے کہ امام رحمۃ اللہ علیہ خود اس کے دربار میں نہیں جایا کرتے تھے بلکہ اپنی ضرورت سے وہی ان کو بلایا کرتا تھا۔ بہر حال امام جب ابن ہبیرہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک نگینہ "اُس کے سامنے پڑا ہوا ہے اور کچھ سوچ رہا ہے" امام نے دریافت کیا کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ اس نے کہا مجھے یہ نگینہ پسند آگیا ہے میں اس کو چاہتا ہوں کہ استعمال کروں لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس پر دوسرے آدمی کا نام لکھا ہے۔ امام صاحب نے یہ سن کر فرمایا کہ لائیے مجھے دیکھئے کیا لکھا ہوا ہے دیکھوں تو نگینہ امام صاحب کو دیا گیا، امام نے دیکھا کہ اس میں "عطاء بن عبد اللہ" کے الفاظ کندہ ہیں۔ ان کا وہی فوراً منتقل ہوا۔ ابن ہبیرہ سے انھوں نے اجازت لی اور سامنے ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اس کے حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ حاکم کے پاس لے جا کر صرف اتنی ترمیم اس میں کراؤ کہ "بن" کے لفظ کو وہ "من" بنا دے۔ یعنی بن کے ب کو ذرا زیادہ گھس کر ہم کام نہ بنائے اور عبد اللہ کی ب کے نقطہ کو مٹا کر اس کے اندر وزن کا نقطہ لگا دے۔ وہ گیا اور فوراً اس ترمیم کو کر کے واپس لے آیا۔ امام نے ابن ہبیرہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ اب اس کو آپ اطمینان سے پہن سکتے ہیں۔ تعجب سے اس نے پوچھا کہ کیا ہوا۔ فرمایا اب پڑھیے۔ پڑھا تو عطاء بن عبد اللہ کی جگہ

عطا من عند اللہ" لکھا ہوا تھا خدا کی طرف سے دی ہوئی چیز ہے۔ اب اس کا یہ مطلب ہو گیا۔ امام کی اس ذہنی انتقال کی اس غیر معمولی تیزی و سرعت پر ابن ہبیرہ اچھل پڑا۔ جونش مسرت میں اسی وقت نگینہ سار کے یہاں بھیجا گیا کہ انگوٹھی میں جڑ کر فوراً واپس کرے خیرہ تو لطیفہ تھا۔

حضرت امام سی ابن ہبیرہ کی ایک استدعا
اسی لطیفہ کے ساتھ ابن ہبیرہ جو اپنے عہد کا ممتاز ترین سیاست

میں تھا یہ پا کر کہ حکومت کی پالیسی کو امام کے سامنے پیش کرنے کا یہ بہترین موقع ہے، لکھا ہے کہ امام جب اٹھنے لگے تو اصرار کر کے بٹھا لیا۔ اور کہنا شروع کیا۔

ایہا الشیخ لو اکثر غشیاننا اے شیخ! اگر آپ اپنی آمد و رفت کو ہمارے ہاں
وزیر اتنا لاف تہنا و نفعتنا سے ذرا بڑھاویں تو آپ سے ہم فائدہ اٹھائیں اور ہمیں آپ
سے نفع پہنچے۔

آج ان بے جان الفاظ کا ظاہر ہے کہ وزن محسوس کیا جاسکتا ہے، لیکن ذرا اپنے خیال کو ماضی کی طرف منتقل کر کے یہ سوچتے ہوئے کہ اس زمین میں زمین کی سب سے بڑی قاہرہ حکومت کا سب سے بڑا گورنر ایک معمولی خوش باش شہری سے آرزو کی شکل میں اس استدعا کو پیش کرتا ہے جس کے خیال سے بھی بدن پر لوگوں کے جھرجھری طاری ہو جاتی ہے، ابن ہبیرہ کے ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے سوا اور وہ بھی جیسا کہ میں نے عرض کیا خود ابن ہبیرہ ہی کی ضرورت سے امام اس کے دربار میں کبھی کبھی تشریف لے جایا کرتے تھے لیکن اب وہ کھل کر پینگ بڑھانے کی درخواست جو اس کی حکومت کی پالیسی تھی اس کو پیش کرتا ہے۔

حضرت امام کا جواب
امام نے انتہائی سنجیدگی اور متانت سے جواب اس وقت دیا
تھا وہ آج بھی امیروں کے قرب تلاش کرنے والوں کے

لئے سرمایہ عبرت و بصیرت ہے فرمایا کہ

ما اصنع عندك ان قس تبتنی فتنی تمہارے پاس آکر میں کیا کروں گا، اگر مجھے تم نزدیکی اور
وان اقصیتی اخن تبتنی سے دور رکھا یا قرب عطا کرنے کے بعد نکال دیا تو خواہ مخواہ کے غم میں مجھے مبتلا کر دو گے۔

اگرچہ یہ مختصر الفاظ ہیں لیکن سیاسی اقتدار رکھنے والوں کی مجلسوں میں آمد و رفت رکھنے والوں کی یہ صحیح تصویر ہے پہلا فقرہ کہ قرب بخشی کی صورت میں تم فتنہ میں مجھ کو مبتلا کر دو گے۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ اولاً دربار کے دوسرے لوگ ان کی ایسی حالت میں اس بے چارے کو قرب حاصل کرنے والے کے ساتھ رقابت کے تعلقات پیدا کر کے ہمیشہ اسے رک و بند کی فکر میں ڈال دیتے کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ فتنہ تو دوسروں کی طرف سے ہوتا ہے نیز قرب حاصل کرنے والا ان امکانات کو محسوس کر کے جو اس قسم کے اقتدار والوں کی نزدیکی کے بعد آدمی کے دل میں قدرتا جھانکنے لگتے ہیں بجائے خود یہ ایک مستقل فتنہ ہوتا ہے جو اسی کے سینے سے اٹھتا ہے اور اسی پر شب و روز غور کی طرح کرتا رہتا ہے ماسوا اس کے سلاطین و امراء و حکام کی نگاہوں کی ہلکی سی بے التفاتیاں قرب حاصل کرنے والوں کے جگر جگر خون بنانا کر گھسیلاتی رہتی ہیں اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنہیں اس راہ کے کچھ تجربات حاصل ہوئے ہیں۔ یہ تو امام کی خالق شناس فطرت ہی تھی جس نے تجربے سے پہلے اس قرب کے نتائج ان پر واضح کر دیئے تھے۔ خیر یہاں تک تو ایک واقعہ کا اظہار تھا کہ اگر اپنے غلامتے کے مطلق العنان حاکم اعلیٰ کے سامنے اتنا کہنے کی جرأت بھی آدمی کو مشکل ہی ہے ہوتی ہے لیکن اس کے بعد امام نے جو فرمایا وہ ان کی بے لاگ اور بے باک طبیعت کی ایک زندہ شہادت ہے فرمایا کہ

ولیس عندک ما ارجوہ ولا عندی
ما اخافک علیہ

مطلب یہ تھا کہ تمہارے پاس مال ہے یا جاہ مال کے لحاظ سے خدائے حضرت امام کو ان امارت کے آگے ہاتھ پھیلانے سے پہلے ہی مستغنی کر دیا تھا یا جاہ کا مسئلہ تو عام دنیا داروں کی نگاہوں میں چیزیں سرمایہ عزت و آبرو سمجھی جاتی ہیں امام پر اگر ان کی عقارت واضح نہ ہوتی تو کس پر ہوتی۔ ربا و جملہ کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے تمہارا ڈر میرے دل میں پیدا ہو۔ میرے خیال میں تو یہ ان شکوک و شبہات کے ازالہ کی طرف اشارہ تھا جن سے حضرت زید کی خضیہ معاذ اللہ کے بعد حکومت حضرت امام کو متہم کر رہی تھی۔

بہر حال مطلب جو کچھ بھی ہو الفاظ جو مورخین نے نقل کئے ہیں وہ یہی ہیں۔ یہ نہیں بیان کیا کہ ابن ہبیرہ نے اس کے جواب میں کیا کہا یا کیا کیا یہ ظاہر اس نے گفتگو ختم کر دی اور معاویہ کسی دوسرے موقع کے لئے اس نے ملتوی کر دیا۔

اسے موثق وغیرہ میں لکھا ہے کہ ان ہی الفاظ کو لوگوں نے امام کی طرف اس وقت بھی منسوب کیا ہے۔ جب اسی

نرمی کے بعد گرمی کی ابتدا
 اگرچہ امام نے ان الفاظ کو سن کر ابن ہبیرہ خاموش ہو گیا لیکن اس قسم کے فریب خوردہ اصرار پر امام کے انتہائی طرز عمل اور بے باکانہ گفتگو سے جو اثر مرتب ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے۔ گو امام نے یہ فرما کر جس کی وجہ سے میں تم سے ڈروں میرے پاس بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ اس کو مطمئن کرنا چاہا لیکن اسی چیز نے جہاں تک میرا خیال ہے اس کو اور غیر مطمئن کر دیا ہوگا۔ ان جراثیم کا اس کو پتہ چل گیا ہوگا جو امام کی فطرت میں پوشیدہ تھے اور سیدنا زید شہید کے ایام خروج میں وجود کا انھوں نے خواہ جس درجہ بھی مخفی شکل میں ہو ثبوت دیا بھی تھا۔

مویوں اور عباسیوں کی کشمکش
 جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے ۱۸۹ھ ہجری میں ابن ہبیرہ کوفہ میں عراقیوں کے ہونے کی حیثیت سے داخل ہوا اور یہی وہ سال ہے جس میں عباسیوں کے داعی ابو مسلم خراسان کے باشندوں کی اکثریت کو عباسیوں کی بیعت میں داخل کرنے میں غیر معمولی کامیابی حاصل کرتا چلا جا رہا تھا۔ خراسان کا والی نصر بن سیار مسلسل ابن ہبیرہ کو حالات کی

بقیہ فٹ نوٹ ۱۸۹ھ
 کی گفتگو کے بعد امام نے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور اور اس کے والی عبیدی بن موسیٰ سے کہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ امام صاحب کا یہ طے شدہ فیصلہ تھا جو سیاسی اقتدار والوں کے ساتھ تعلق قائم کر لینے کے متعلق انھوں نے طے کر لیا تھا۔ اور کوئی تعجب نہیں جیسا کہ موفق نے بھی لکھا ہے کہ ان پنج خطبہ بھی اس کے لئے یہی سلسلہ ہجری کا سال ہے جس میں خراسان کے مشہور تجربہ کار نیکن آخر میں نا کام والی نصر بن سیار نے عباسیوں کے آخری خلیفہ مروان کے نام عباسیوں کی خراسان میں جو اندرونی کامیابیاں ابو مسلم کے زیر قیادت حاصل ہو رہی تھیں ان کی تفصیل کرتے ہوئے مشہور اشعار لکھے تھے۔

اروی بن الرمان دومیض جہم : واخشی ان یکون لنا ضرام
 میں راکھ کے ڈنیر کے نیچے چنگا۔ یوں کی چمک پار ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آگ بن کر بھڑک اٹھے
 ورنہ پند اشعار کے بعد ایک شعر تھا۔

اقوال من التعجب لیت شعری : ایفاظ امیة امر مینام
 میں نے تعجب سے کہا کہ ہو کیا گیا ہے کیا امیہ واسے سب کے سب ہو گئے ہیں۔
 نصری عن صاحبك شم قونی : علی الاسلام والعراق السلام
 پس اے غوث اپنے ڈیرے سے بھاگ اور کہتی جا کہ اسلام اور عرب پر سلام ہے۔

ابو موسیٰ بن ہبیرہ نے امام کو یہ خطبہ بھی لکھا تھا جس میں امام نے ان کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ میں نے تم سے ڈرنا شروع کر دیا ہے۔

اطلاع دیتے ہوئے فوجی امداد طلب کرتا تھا، لیکن حالات ایسے تھے کہ پایہ تخت خلافت سے مدد نہیں مل رہی تھی اور ابن ہبیرہ بھی ایسی مقامی الجھنوں میں گرفتار تھا کہ اس سلسلہ میں وہ بھی نصر کی زیادہ پشت پناہی نہ کر سکا عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کے خروج کی وجہ سے وہ ایرانی علاقوں میں الجھا ہوا تھا تاہم آخر میں اپنے بیٹے داؤد کو اصطخر کے مقام پر عبداللہ بن معاویہ سے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اور یہ فتنہ کسی طرح فرو ہوا اس کے بعد ابن ہبیرہ نے نصر بن سہیل کی امداد کے لئے نہایت ابن خنظلہ کی سرکردگی میں ایک فوج خراسان کی طرف بھیجی لیکن جرجان کے مقام پر عباسیوں کے مشہور جنرل حسن بن فحطیہ کے مقابلہ میں خود نہایت اور اس کے ساتھ ابن ہبیرہ کی بھیجی ہوئی فوج جس کی تعداد دس ہزار تھی اس میں بھی دس ہزار آدمی مارے گئے، ابن ہبیرہ کے لئے یہ بدترین ذلت اور کوفت کی خبر تھی اور اب ہبیرہ عباسیوں کے ساتھ آخری مقابلہ کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ نصر کو اسی زمانہ میں اس نے ایک تاریخی خط لکھا جس میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ایک لاکھ فوج تمہاری امداد کے لئے عنقریب روانہ کرتا ہوں۔ تھوڑے سہرے اور استقلال سے کام لے لیں گے، جاتا ہے کہ اسی

بقیہ فٹ نوٹ ص ۱۷۹

ہے اسلام اور اسلامی قوانین کی پروا بنی امیہ کب کرتے تھے تو پھر عباسیوں سے اس کی کیا شکایت لیکن اس میں شبہ نہیں کہ دولت بنی امیہ جو عربی عصبیت پر قائم تھی عباسیوں نے بنی امیہ کو توڑنے کے لئے عربوں کو بھی ہتھیار لئے ختم کر دیا عباسیوں کا پہلے امام ابراہیم نے ابو مسلم کو جب خراسان کے بعض سربراہان اور وہ عربوں کو اس نے چھوڑ دیا تھا سخت سست لکھتے ہوئے آخر میں لکھا تھا کہ ان لاید ع بخلاسان متکلم بالحر بیۃ الاقت راکل م۱۳۴) یعنی خراسان میں جو بھی عربی بولتا ہوا سے قتل کر دو۔ اللہ اللہ کچھ ہی دن بعد منصور عباسی کے میں یعنی کل سات آٹھ سال بعد محمد نفس زکیہ کے خلاف جو فوج مدینہ منورہ پر چڑھاتی کرنے کے لئے عباسیوں نے بھیجی اور محمد نفس زکیہ کا ایک سپاہی ابن حفیرہ جو بے جگر لڑنے والا تھا جب عباسی فوج کی طرف پلٹتا تو متفقہ آواز آتی "ابن حفیرہ آمد ابن حفیرہ آمد" (بھوسری وغیرہ)

سے کہا جاتا ہے کہ اسی موقع پر نصر نے ابن ہبیرہ کو لکھا تھا کہ

بھائی! ایک لاکھ فوج تو بعد کو بھیجتا۔ ارے کم از کم دس ہزار آدمی تو سر دست روانہ کر دو۔ خراسان والوں

کے سامنے میں جھوٹا بنا جا رہا ہوں اگر اس وقت تم دس ہزار آدمی بھی نہ بھیج سکتے تو آئندہ ایک لاکھ آدمی

فوج کچھ نہ کر سکتے گی۔ ص ۱۷۹ کا مل

لیکن بجائے جواب دینے کے ابن ہبیرہ نے نصر کے خط اور قاصدوں کو روک لیا۔ گھر کر نصر بن سہیل نے پانچت

زمانہ میں ابن ہبیرہ نے کوفہ کے تمام سربراہان اور وہ لوگوں کو جمع کیا۔ یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اندراندر عباسیوں کے کارندے خود عراقی میں بھی کام کر رہے تھے اور لوگ فوج میں بھرتی ہونے سے گریز کر رہے تھے صاحب معجم نے نقل کیا ہے کہ

ان ابن ہبیرہ کان والیا بالعراق بنی امیہ کی طرف سے عراق کا والی (گورنر) ابن ہبیرہ تھا
من بنی امیہ فظہرت الفتنة بالعراق عراق میں جب فتنوں نے سر اٹھایا تو اس نے عراق کے فقہاء
فجمع فقہاء العراق فلی کلا منهم کو اکٹھا کیا اور اپنی حکومت کے مختلف شعبوں میں سے
شیئا من عملہ سے ایک ایک شعبہ ہر ایک کے حوالہ کیا۔

حضرت امام کے سامنے وزارت پیشی کی پیشکش میرے خیال میں یہ وہی فتنہ ہے جو

میں پیش آیا۔ ابن ہبیرہ بڑی تیاریوں میں مصروف تھا اور عباسیوں پر آخری فیصلہ کن ضرب لگانے کا انتظام کر رہا تھا۔ اس وقت اس نے دیکھا کہ عوام کی لیڈری جن جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے ان سب کو حکومت میں شریک کر کے عوام کی ہمدی حاصل کی جائے ابن ہبیرہ کا ایک بڑا مقصد علیہ جس کا نام عاصم بن ربیع تھا اسی کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ کو راضی کر کے لانے کے لئے ابن ہبیرہ نے بھی کو مقرر کیا تھا امام کو وسیع کے ذریعہ یہ پیغام دیا گیا تھا کہ:-

یکون عسی خاتمہ ولا یمضی کتاب (گورنر کی مہر ان کے سپرد کی جائے گی تاکہ جو کوئی حکم
ولا یخرج شئی من بیت المال الا من نافذ ہو اور کوئی کاغذ جو حکومت کی طرف سے صادر ہو اور
تحت یلہ معجم ج ۲ خزانہ سے کوئی مال برآمد ہو وہ سب امام ابو حنیفہ ہی کی نگرانی ہی

میں ہوا اور ان ہی کے ہاتھ کے نیچے سے نکلے:

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ امام کو صرف اپنی ولایت کے خزانہ ہی کا وزیر

بقیہ فٹ نوٹ صرف
کی طرف آدمی دوڑایا۔ نصر بن حنفیہ سے ابن ہبیرہ کے اس تعاقب اور بے رحمی کی شکایت لکھی اسی خط میں نصر نے
لکھا تھا میرا حال اس شخص کے مانند ہو گیا ہے جسے اپنی کوٹھڑی سے نکال کر لوگوں لان میں آئے ہوں اور والان سے سامان بھا
سامان سے عمن میں ادمن سے نکل کر اب وہ مکان کے آخری احاطہ میں کھڑا ہے اگر اس وقت اس کی مدد کی گئی تو ممکن ہے کہ
پھر اپنے گھر میں واپس ہو جائے۔ ورنہ احاطہ سے نکال کر اگر لوگوں نے اسے باہر رستے کی طرف کھینچ دیا تو اس مکان میں
اس کے لئے ناممکن ہو جائے گی نہ اس کے لئے گھر ہی باقی رہے گا اور نہ احاطہ سے نکلے گا۔

نہیں بنانا چاہتا تھا۔ بلکہ امام کی خدمت میں اُس نے اپنی پیشی کی وزارت بھی پیش کی تھی۔ آخر اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ بیت المال ہی سے نہیں۔ بلکہ جس قسم کا کاغذ ابن ہبیرہ کے پاس سے نکلے امام کے دستخط کے بغیر وہ نافذ نہیں ہو سکتا۔ میرے خیال میں گورنری کے بعد جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا یہ آخری عہدہ تھا جو کسی کو دیا جاسکتا تھا، خصوصاً ایسے گورنر کی وزارت مطلقہ جو عراق، ایران و خراسان جیسے عظیم صوبوں کا مطلق العنان حاکم تھا، لکھا ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں یہ امتیاز یعنی العراقین کی گورنری زیادہ بن ابیہ کو ملی تھی۔ یا آخر میں یہ امتیاز ابن ہبیرہ کو حاصل ہوا تھا، الیافعی کا بیان ہے۔

وہو معدود من جملة من جمع لہ
العراق فان کان اولہم زیاد بن ابیہ
استخلفہ معاویہ و آخرہم یزید
المنکوری و لم یجمع لاحد بعدہ۔
الیافعی ص ۲۵۵

ابن ہبیرہ کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے لئے دولہ
عراق عراق عرب عراق عجم کی گورنری جمع کی گئی، اس
طبقہ میں پہلا آدمی زیاد بن ابیہ ہے جس کا امیر معاویہ
اس عہدہ پر تقرر کیا تھا اور دوسرا آدمی یہی یزید بن معاویہ
ہے ان دونوں علاقوں کی گورنریاں کسی ایک شخص کے
ہبیرہ ان دونوں کے سوا کسی کے نہیں ہوئیں۔

۱۔ ابتدا اسلام کی چند خاص شخصیتوں میں زیاد بھی ہے امیر معاویہ نے اپنے زمانے میں اُس کو لپٹا بھائی بنایا
تھا جس کا قصہ طویل ہے کہتے ہیں کہ ایک ایرانی "دہقان" بیمار ہوا تھا۔ طائف کا طبیب حارث بن کلدہ نے اس کا علاج
کیا تو انعام میں ایک ایرانی لونڈی اس نے عطا کی جس کا نام حارث نے سمیہ رکھا تھا حارث نے سمیہ سے اولاد پیدا
پیدا کی اور آخر میں ایک رومی غلام جس کا نام عبیدہ تھا سمیہ کا عقد کر دیا تھا لیکن سمیہ ایک بدچلن عورت تھی کہتے ہیں
کہ امیر معاویہ کے والد ابو سفیان کفر کے زمانے میں طائف کسی ضرورت سے گئے۔ تھے وہاں کے بھٹی خانہ میں شراب پی
بھٹی خانہ کے کمال جس کا نام ابو مریم تھا اس سے عورت کی خواہش ظاہر کی ابو مریم نے سمیہ کا نام بیان کیا گیا
کہ یہ سن کر ابو سفیان نے کہا ہاں تھا علی طول شد یہاں درج البطیحا اسی کو سے آؤ خواہ اس کی چھائی
ہی کیوں نہ ہو اور بغل۔ ہے اس سے بہ بڑی کیوں نہ آتی ہو یوں ابو سفیان نے سمیہ سے تقاربت کی اور کہتے ہیں کہ اس
کے کچھ دن بعد زیاد پیدا ہوا۔ چونکہ سمیہ باضابطہ عبیدہ رومی کی بیوی تھی اسی لئے زیاد بن عبیدہ ہی کے نام سے مشہور
تھا لیکن زیاد جب جوان ہوا تو اس سے غیر معمولی صلاحیتوں کا اظہار ہونے لگا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کے
موش و گوش خطابت و نظم و نثر پیر کی شہرت ہو چکی تھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب زیاد کی تعریف ہونے لگی تو ایک دن

بہر حال کچھ بھی ہو، امام کے پاس ایک عہدہ پیش ہوا اور ایک ایسی عرب پرست متعصب حکومت کی طرف پیش ہوا جو معمولی مسئلوں کو پوچھنے میں بھی دیکھ لیتی تھی کہ جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ عرب ہے یا غیر عرب، اور آج وہ کچھ ایسے حالات میں اپنے آپ کو پا رہی ہے کہ بادشاہ اور حکمران کے بعد اس زمانہ میں اموی دولت کی جو سب سے بڑی ذمہ داری تھی یعنی ابن ہبیرہ وہ اپنی نیابت اور اپنا سارا خزانہ امام کے سپرد کرتا ہے۔ پڑھنے والوں کے لئے تو اس واقعہ کا پڑھ لینا آسان ہے لیکن امام ابوحنیفہ کی تقلید پر ناز کرنے والوں کے لئے سوچنے کا مقام ہے تقلید کے ساتھ ساتھ اگر یہی صورت حال ان کے سامنے پیش آجاتی یا آج بھی پیش آجائے تو ان میں کتنے ہوں گے جو امام کی اس سنت کے اقتدار پر آمادہ ہوں۔ اور آج ہی کیا اگر امام کے خفی سوانح نگاروں کے اس بیان کی بلاوجہ تردید نہ کی جائے یعنی ان لوگوں نے لکھا ہے کہ ابن ہبیرہ نے امام کے ساتھ اور جن فقہاء کو حکومت کی کسی نہ کسی خدمت کو قبول کرنے کے لئے مدعو کیا تھا تو لکھا ہے۔

بشع فقہاء العراق ببابہ فیہم ابن اپنے مدانے پر عراق کے فقہاء کو ابن ہبیرہ نے جمع
ابی لیلیٰ و ابن شبرمہ و داؤد بن ابی کیا جن میں ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ اور داؤد بن ابی ہند
ہند و عدۃ منہم ج ۲۔ اور بھی ان ہی میں سے چند لوگ تھے۔

ابن ابی لیلیٰ کو تو خیر جانے دیجئے محدثین کو ان سے کچھ
شکایت ہے، لیکن ابن شبرمہ اور داؤد بن ابی ہند تو

حضرت امام کا انکار

بقیہ فہم نوٹ صفحہ ۱۹۲

قریش کے بڑے بوڑھوں کے مجمع میں زیاد کا ذکر ہو رہا تھا اس وقت ابوسفیان نے کہا انی لاعرف ابابہ
ومن وضعہ فی رحمہ امہ میں زیاد کے باپ کو جانتا ہوں جس نے اس کی ماں کے رحم میں اس کو ڈالا
اسے بھی جانتا ہوں اور یوں بھی ابوسفیان اشارے کئے کبھی کبھی زیاد کے باپ ہونے کا دعوے کرتے
تھے جب حضرت علی اور امیر معاویہ میں جنگ ہوئی اور زیاد حضرت علی کے طرف داروں میں تھا امیر معاویہ نے
اپنے والد کے ان کنایوں اور اشاروں سے نفع اٹھاتے ہوئے آخر زیاد کو اپنا بھائی بنا کر اپنا ہم نوا بنا لیا اس کے بعد لوگ
زیاد کو زیاد بن ابی سفیان کے نام سے موسوم کرنے لگے ابن عمر وغیرہ زیاد بن ابیہ کہتے تھے۔ عمر بن عبد العزیز زیاد بن
البصرہ کے نام سے موسوم کرتے تھے اسی زیاد کے بیٹے عبید اللہ کے حکم سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کربلا میں ہوئی یہ حال
زیاد کی شخصیت و چسپ شخصیت ہے اس کی خطابت اور سیاست اس کی مستحق ہے کہ کوئی مستقل مقالہ اس پر لکھ سکتا ہے
ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اس کے حالات کا ذکر تفصیل سے کیا ہے ج ۵۔

صحاب کے راویوں میں ہیں لیکن واقعہ کیا پیش آیا۔ کوفہ کے ایک خباز یا خراز کے لڑکے
اتنا بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ لیکن بالاتفاق راویوں کا بیان ہے دوست اور دشمن سب
شہادت ہے کہ "ابن و امتنع" یعنی امام ابو حنیفہ نے دولت بنی امیہ کے اس جلیل منسب
قبول کرنے سے انکار اور قطعی طور پر انکار کر دیا۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ چانس کی تاک
رہنے والوں کو امام کی سبک مغزی پر کتنی حیرت ہوتی ہوگی، سمجھانے والے نے کیا کیا
ہوگا، اور کس کس طرح کن کن پہلوؤں کو نہ پیش کیا ہوگا۔ ایسے زرین مواقع کیا ہمیشہ
آتے ہیں؟ اس سوال کو کس کس رنگ میں امام کے سامنے پیش کرنے والوں نے پیش کیا
قصہ کیا صرف رغبت ہی کا تھا۔

حضرت امام کی تفہیم کیلئے فقہاء کی کوشش

ان ہی سواخ نگار
نے لکھا ہے کہ جن
فقہاء کو بلا کر ابن ہبیرہ نے خدمتیں سپرد کی تھیں ہر ایک کو طوعاً یا کرہاً یعنی رضا مندی
ساتھ یا جبراً قبول کرنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ علاوہ دوسروں کے ابن ہبیرہ
کا ایک وفد بھی حضرت امام کے پاس آیا اور بالاتفاق لوگوں نے سمجھانا شروع کیا کہ
انا نشتدک للہ ان تھلک نفسک فانا ہم لوگ خدا کی تمھیں قسم دیتے ہیں کہ اپنے آپ کو
اخوانک و کلنا کادہ لھذا الاصرء ولم میں نہ والو ہم لوگ آخر تمھارے بھائی ہیں اور
نجد بد امن ذلک ص ۲۳ ج ۲ موفق اس تعلق کو ہم میں ہر ایک نا پسند ہی کرتا ہے لیکن
اس وقت قبول کر لینے کے سوا نظر نہیں آتا پس چاہیے کہ تم بھی انکار پر اب اصرار نہ کرو

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکار کی صورت میں ابن ہبیرہ نے اپنے تمام اختیار
استعمال کی طرف اشارہ کر چکا ہوگا۔ ورنہ لہم نجد بد امن ذلک ہم لوگوں کو کوئی چارہ
قبول کر لینے کے نہ پایا، کا مطلب کیا ہوگا۔ کوئی ایسی ہی مجبوریاں ہوں گی کہ داد و سب

اسے یہ بھی سلف کے ان ہی اکابر میں ہیں جنھوں نے حکومت کی امداد سے اپنے آپ کو بے نیاز رکھنے
خیاطی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ تہذیب میں لکھا ہے کہ کان خیاطا ابن سعد نے ان کا عجیب تجربہ نقل کیا
زبردگی کے ابتدائی زمانہ میں کہتے تھے کہ طاعون کا ان پر حملہ ہوا غشی طاری ہو گئی۔ اسی حال میں کہتے ہیں کہ دو شخص
پاس آئے۔ ایک نے زبان کا کنارہ پکڑ لیا دوسرے نے تلوے کے درمیان حصہ پر ہاتھ رکھ کر ایک دوسرے

اور ابن شبرمہ جیسے بزرگوں کے سامنے بھی گریز کی راہ باقی نہیں رہی۔

لکھا ہے کہ علماء کا یہ وفدنا صحابہ مشفق کی شکل میں
حضرت امام کا دوبارہ انکار

امام کے پاس جب آیا تو آپ نے اس وقت فرمایا کہ
یہ ملازمت تو خیر پڑی بات ہے، اگر یہ شخص مجھ سے چاہے کہ واسطہ شہر کی مسجد
کے دروازے صرف گنا کروں تو میں یہ بھی نہیں کروں گا۔

لغیہ فٹ نوٹ ص ۱۹۴

کیا پاتے ہو۔ جواب میں کہا کہ کچھ تکبیر کچھ تہلیل اور کچھ مسجدوں کی طرف آمد و رفت اور کچھ ٹھوڑا بہت قرآن
بھی۔ دادو کہتے ہیں کہ اس وقت تک میں نے قرآن یاد نہیں کیا تھا اسی بیماری کے زمانہ میں ان کا بیان ہے
کہ قضا حاجت کے لئے جاتا ہوں تو اس کا خیال ہوتا ہے کہ کاش! یہ وقت جلد ختم ہو تو ذکر کا موقع ملے۔
بیماری سے شفا یاب ہونے کے بعد دادو بن ابی ہند نے پہلا کام قرآن یاد کرنے کا کیا مشن، حصہ دوم۔
سید قاضی ابن شبرمہ جن کا نام عبداللہ قبیلہ نسبیہ سے تعلق رکھتے تھے حکومت کی ملازمت ہی میں ان کی زندگی گزری
بنی امیہ کے عہد میں بھی یہ اور قاضی ابن ابی ملی قاضی رہے اور بنی عباسیہ کا دور جب آیا جب بھی درویش اس
عہد سے پر ہے ابن سعد نے قاضی ابن شبرمہ کے متعلق مشہور یحییٰ محدث معمر کے حوالہ سے یہ قسے نقل کیا ہے کہ ہمز کہتے
تھے کہ ابن شبرمہ بن کے والے تھے اس عہد سے جب عزیز ہونے اور گھر جانے لگے تو رخصت کرنے کے لئے
میں بھی کچھ دوران کے ساتھ گیا۔ لوگ جب پھٹ گئے اور میں ہی ان کے پاس تنہا رہ گیا تو میری طرف دیکھ کر انہوں
نے کہا کہ میں خدا کا نکر کرتا ہوں کہ جس قمیص کو پہن کر بہن آیا تھا اس کے بدلے میں وہ تیرے لئے دو سویرے قمیص
میں نے نہیں دیوائی۔ معمر کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر چپ ہو گئے پھر کہنے لگے کہ میں یہ حلال کا ذکر کر رہا ہوں باقی حرام کی تو گنجائش
ہی نہ تھی ص ۲۴۲ ج ۱۶ ابن سعد۔ یہ تھا تقویٰ ان لوگوں کا جنہوں نے حکومت کی ملازمت اختیار کر لی تھی ص ۲۲

سے روایتوں میں واسطہ بھی کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن ہبیرہ نے آخر وفد فقہاء عراق کو جمع کر کے حکومت کے
مختلف شعبے ان کے سپرد کرنے کا جوارادہ کیا تھا اور ان ہی میں امام ابو حنیفہ بھی تھے۔ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب کہ نو ہجری
کر مختلف معرکوں میں شکست کھاتے ہوئے بالآخر ابن ہبیرہ شہر واسطہ میں محصور ہو گیا تھا حصار کی یہ مدت کافی طویل بہت
گیارہ مہینے کے قریب قریب عباسیوں کی فوج واسطہ کا محاصرہ کرتے پڑی رہی آخر میں سفاح نے اپنے بھائی ابو جعفر منصور
بھائی کو ابن ہبیرہ کے مقابلہ میں بھیج دیا تھا بڑے طویل قحطے پیش آئے دجلہ اور نرات کے آبی راہوں سے ابن ہبیرہ
کے پاس امداد اور سدا کی تھی عباسی کشتیوں میں کابڑی سہر کر آگ لگا دیتے تھے اور جو چیزیں دریا کی راہ سے آتیں ان کو جہاز
پتے تھے ابن ہبیرہ اس کے مقابلہ میں ایک خاص قسم کی جنگی کشتی حراقات میں زنجیر اور قلابے وغیرہ لگا کر دریا میں چھوڑتا

حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی

آخر میں امام نے فرمایا کہ

فلیف وهو یرید منی ان یکتب
بضرب عنق رجل و اختتم علی ذلک

پھر خیال کرنا چاہیے کہ میں اس کی پیش کردہ اس خط
کو کیسے قبول کر سکتا ہوں جس میں وہ کسی کی گردن مارا
حکم دے گا اور میں اس حکم پر ہر گناؤں کا

اور بار بار اس جملہ کو دہراتے

فواللہ لا ادخل فی ذلک ابداً

خدا کی قسم میں اس میں اپنے آپ کو کبھی شریک نہیں کر سکا

گویا امام نے قسم کھائی علماء حیران تھے اس انکار کے عواقب اور خطرناک نتائج ان کے

سامنے تھے۔ لیکن جناب امام نے قسم کھائی تو سب چپ ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ نے

صرف اتنا کہا کہ

دعوا صاحبکم فهو المصیب وغیرہ

چھوڑ دو اپنے رفیق کو حق پر دہی میں ان کے سوا اور

المخطی ص ۲۲ ج ۲

غلا راستہ پر ہیں۔

بعضوں کا بیان ہے کہ اسی انکار کے بعد ابن ہبیرہ امام کو تازیانے کی سزا دینے پر آمادہ ہو گیا لیکن

قبیلہ جہاں تک قرآن کا اقتضا ہے ابن ہبیرہ نے غالباً عجلت سے کام نہیں لیا بلکہ بعض ارباب مناجات

نے جو یہ لکھا ہے کہ

فحبسہ صاحب الشرطة جمعین

پولیس کے افسر اعلیٰ نے توجہ تک ابوحنیفہ کو جیل میں

ولم یضربہ ص ۲۲ ج ۲

اھ مارا نہیں د

اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ تلامذہ

کا حکم اس انکار کے فوراً ہی بعد ابن ہبیرہ

جیل میں دس عہدوں کی پیشکش

بقیہ فسطیہ ۱۹۹

آگ سے بھری ہوئی عباسیوں کی کشتیوں کو وہی کینچ کر ساحل پر پہنچا دیتے تھے آخر میں ابن ہبیرہ نے ابوحنیفہ

منصور کو کہلا بھیجا کہ آؤ! ہم دونوں شخصی طور پر مقابلہ کر کے فیصلہ کر لیں لیکن ابو جعفر تیار نہ ہوا کہلا بھیجا کہ تم

مثال تو جنگلی سور کی جے جو شیر سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے مارے گئے تو ایک سور مرا اور مجھ پر غالب آئے تو

میری سخت سبکی ہو گئی کہ سور کے ہاتھ سے مارا گیا۔ آخر صلح کا پیغام دیا گیا۔ صلح ہو گئی۔ لیکن بعد کو عباسیوں نے ابن ہبیرہ

سے عہد شکنی کی اور ہچارے کو بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا جس وقت قتل ہو رہا تھا کہتے ہیں کہ گوہ میں اس کے

کا ایک بچہ تھا اس کو الگ کیا اور خود مسجد میں گر گیا کل ۵۴ سال کی عمر تھی عرب کے بہت بڑے فوجی و کشوری آدمی

شمار کیا گیا ہے ۱۲

نے نہیں دے دیا تھا بلکہ قید کر کے جہاں تک میں خیال کرتا ہوں پندرہ دن تک ابن ہبیرہ نے کوشش کی کہ یہ خدمت نہ ہی کوئی اور خدمت حکومت کی وہ قبول کر لیں اس سلسلہ میں چند خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن ترتیب کا لحاظ بیان کرنے والوں نے نہیں رکھا میں سمجھتا ہوں کہ خز کی تجارت کی وجہ سے ممکن ہے کہ اس عہدہ کے بعد غالباً ابن ہبیرہ نے اس خدمت کو پیش کیا جس کا ذکر مورخین نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

ادادہ ابن ہبیرہ ان یدخل فی الطراز صیۃ ابن ہبیرہ نے ان سے خواہش کی کہ "طراز" کی نگرانی قبول کریں۔ موفق نے خدا جانے کس بنیاد پر "طراز" کی شرح میں لکھ دیا ہے کہ اس سے مراد بیت المال ہے اگر طراز والی خدمت اور جو خدمت پہلے پیش کی گئی تھی موفق کے نزدیک ایک ہی ہے لیکن میرے نزدیک اس سے وہی مراد ہے جو عام تاریخوں میں اس سے مراد لیتے ہیں یعنی شاہی خاندان سے اور بڑے بڑے حکام و ملائکہ کے خصوصی لباس فرش و فرش نیچے وغیرہ جس کا رخاٹے میں تیار ہوتے تھے اسی کو "طراز" کہتے تھے۔ فقہی الارب میں لکھا ہے۔

"طراز معرب است جائے بافتن جاہائے نیکو و جید و گستردنی و جامہ است کہ برائے سلطان بافتند۔"

اور مسلمانوں میں آخر آخر وقت تک عام دستور تھا کہ نہ صرف سلاطین بلکہ عام امراء کے لوازم میں چند کارخانے ہوتے تھے مثلاً آب دارخانہ جہاں پانی کی تیاری کا کام ہوتا تھا اسی طرح ایک مستقل کارخانہ ہر امیر کے پاس کپڑوں کے بننے اور بنانے کا بھی ہوتا تھا بہر حال میرا خیال یہی ہے کہ کوفہ میں جو "طراز" تھا ابن ہبیرہ نے چاہا ہوگا کہ اسی کی نگرانی قبول کر لیجئے۔ کیونکہ کپڑوں کی تجارت تو آپ کرتے ہی ہیں۔ لیکن امام نے اس سے بھی انکار کر دیا۔

امام پر عہدہ قضا قبول کر لینے پر حکومت کا اصرار آخر میں کہتے ہیں کہ اس زمانہ کے اہل علم کا

جو عام پیشہ تھا یعنی قضا یہ پیش کیا گیا۔ لیکن امام تو طے کر چکے تھے کہ کسی قسم کا کام ہودنی ہو یا دنیوی میں اس کو قبول کر کے اس ظالم حکومت کے ساتھ موالات کا تعلق نہیں قائم کروں گا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ دن جیل میں امام کے جو گذرے ان میں یہی رد و بدل اور گفتگو ابن ہبیرہ اور امام کے درمیان ہوتی رہی تھی کہ جب قضا کی خدمت قبول کرنے سے بھی امام نے صاف انکار کر دیا تب ابن ہبیرہ کے غصہ کی حرارت اپنے آخری درجہ پہنچ گئی سننے کے ساتھ ہی انتہائی غیظ میں معمر ہو کر قسم کھاتے

ہوئے اس نے اعلان کیا کہ

ان لم یفعل لنضر بنہ بالنسیاط اگر اس خدمت کو بھی اس نے قبول نہیں کیا تو میں ان
علا سراسہ ص ۲۲ سر پر کوڑے مار کر رہوں گا۔

سننے کے ساتھ لوگ کانپ اٹھے۔ امیر نے قسم کھالی اب وہ یہ کر گذرے گا اسی کا لوگوں کو اندیشہ
تھا جو سامنے آگیا امام تک ابن ہبیرہ کی اس ہولناک قسم کی خبر پہنچائی گئی خدا جانے لوگوں کا کیا
خیال تھا کہ امام پر کیا حال طاری ہو گا مگر آپ نے سن کر اطمینان کے ساتھ فرمایا :-

ضر بد لی فی الدنیا السہل علی من دنیا میں اس کے مار لینے کو آخرت کے آہنیں گزروں کی
مضامع الحدید فی الاخرۃ مارے میں آسان خیال کرتا ہوں۔

اور جیسے ابن ہبیرہ اپنی امارت کے گھنٹہ میں قسم کھا بیٹھا تھا اسی طرح جو دین کے نشہ میں محو
تھا اور ابن ہبیرہ کے تازیانے سے زیادہ آخرت کی آہنیں گزر کی چمک جس کی یقین آنکھوں کے سامنے
کوند رہی تھی اس نے بھی اسی لب و لہجہ میں کہا کہ

واللہ لا فعلت و لو قتلتی خدا کی قسم میں ہرگز نہیں کروں گا خواہ مجھے ابن ہبیرہ قتل ہی کیوں لگے
امام کی اس قسم کی خبر ابن ہبیرہ کو پہنچائی گئی سننے کے ساتھ ہی غصے سے اُس کا منہ تھمتا
اٹھا اور کہنے لگا۔

بلغ من قدر ان یعارن عینی بمیدۃ لعاب کا (ابوحنیفہ) کا درجہ اتنا بلند ہو گیا کہ میری
قسم کا مقابلہ وہ اپنی قسم سے کرتا ہے۔

وہ اس وقت اپنے آپ کو اونچا سمجھ رہا تھا اتنا
اونچا کہ رے زمین پر اس کے آقا مروان کے بعد

حضرت امام کی استقامت

اسی کا درجہ تھا امام کی جو ابی قسم اس کی رفعت کے مینارے کی کلہاڑی تھی وہ اپنی بلندی
کو محفوظ کرنے کے لئے اب امام کے گرانے پر آمادہ ہوا لیکن تاریخ مسکرا رہی تھی چند ہی
سالوں کے بعد دنیا جسے بھولنے والی تھی وہ اس سے ہاتھ ملانا چاہتا تھا جس کی یاد کا
قیامت تک کے لئے کرور ہا کرور انسانوں کے قلوب میں مرتکز ہونا مقدر ہو چکا تھا ابن ہبیرہ
کے احساس برتری پر یہ ایسی چوٹ تھی کہ تھلا اٹھا اسی وقت اس نے امام کو اپنے سامنے
حاضر کرنے کا حکم دیا جیل سے وہ ابن ہبیرہ کے سامنے لائے گئے۔ ابن ہبیرہ کے سپاہی
امام کو اس کے ساتھ لئے کھڑے ہوئے تھے اور وہ قسمیں کھا کھا کر اُن کے منہ پر کبہ رہا تھا۔

ان لم یمل لیضربن علی راسہ اگر اس نے حکومت کی خدمت قبول نہ کی تو اس کے سر پر
حتی موت اس وقت تک کوڑے لگائے جائیں گے جب تک کہ اس کا
دم نہ نکل جائے اور مرنے جائے۔

لیکن امام کی سکینت و استقامت میں کسی قسم کی کوئی جنبش نہیں پیدا ہوئی۔ ابن
ہبیرہ جہنم کی طرح بھڑک رہا تھا۔ اپنے اختیارات کی وسعتوں کو اس نے موت تک
پہنچا دیا تھا، لیکن سنتے ہو کتنی بے نیازی سے امام اس سے فرما رہے تھے۔

انماھی سیتہ واخلدہ صرف ایک ہی موت تک اس کا اقتدار ہے

ابن ہبیرہ ان کی

اس ادا اور اس

سزا کے وقت امام کا ایک تاریخی فقرہ

جواب پر جس کا اس سے پہلے اسے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا آپ سے باہر ہو گیا جلاواں جلاواں
کے ساتھ چھینے لگا۔ یہ کوڑے مارنے والوں کو کہتے تھے جو تازیانہ بدست حکام کے سامنے
کھڑے رہتے تھے جلاواں دوڑ پڑے۔

"میں کوڑے اس شخص کے سر پر مسلسل لگائے جائیں"

یہ حکم ابن ہبیرہ نے ان کو دیا،

امام کا سر کھلا ہوا تھا اور ایک ڈوٹین کوڑے تھے جو پے درپے اس سر پر پڑ رہے تھے
جس میں خدا کی بڑائی کچھ اس طرح ساگتی تھی کہ کسی مخلوق کی بڑائی کی گنجائش ہی اس میں باقی
نہیں رہی تھی چند کوڑوں تک امام خاموش رہے آخر میں یہ تاریخی فقرہ زبان مبارک سے
نکلا جواب تک نقل کیا جاتا ہے۔ ترجمہ جس کا یہ ہے۔ ابن ہبیرہ کو خطاب کر کے فرما رہے تھے۔

یاد کر! اس وقت کو جب اللہ تعالیٰ کے سامنے تو بھی کھڑا کیا جائے گا

اور آج تیرے سامنے میں جتنا ذلیل کیا جا رہا ہوں اس سے کہیں زیادہ ذلت

کے ساتھ خدا کے دربار میں پیش کیا جائے گا۔

ابن ہبیرہ! مجھے تو دم کا تار ہے۔ حالانکہ دیکھ میں شہادت دے رہا ہوں کہ اللہ کے سوا

کوئی الہ نہیں ہے۔ اقرار کرتا ہوں کہ۔

(لا الہ الا اللہ)

"دیکھ! میرے متعلق تو بھی پوچھا جائے گا اس وقت بجز یہی بات کہ کوئی جواب تیرا

نہیں جائے گا۔ کوڑے پڑ رہے تھے اور امام کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے کہتے ہیں کہ آخری فقرہ کو سن کر ابن ہبیرہ کا چہرہ نفق پڑ گیا اور اشارہ سے جلاؤ کی طرف اشارہ کیا کہ

”بس“

لکھا ہے کہ پولیس دستور ہوا لے امام کو جیل خانے پھر واپس لے گئے رات وہیں جیل خانہ میں گذری صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ مظلوم امام کا چہرہ سو جا ہوا تھا اور سر پرانے نشان پٹے موئے تھے کہتے ہیں کہ اسی زمانہ میں جب امام کو جیل لے جا رہے تھے یا جیل پہنچنے کے بعد امام رحمۃ اللہ علیہ پر گریہ کی حالت طاری ہوئی لوگوں نے دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ

”اس مار کا مجھے خیال نہیں بلکہ مجھے اپنی ماں کا خیال ہے میرے اس حال کو دیکھ کر ان بے چاری کا کیا حال ہوگا۔“

کہتے ہیں کہ ابن ہبیرہ کا غصہ اب کچھ دیکھا پڑا۔ لیکن راج ہسٹ

جیل سے رہائی

جس کا ترجمہ اس زمانہ میں۔ وقار حکومت کے الفاظ سے کیا جاتا ہے وہ اس پر اب بھی سوار تھا۔ آخر گھبرا کر اس نے کہا کہ

الان انا صم لہذا الرجل المحبوس کیا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو اس قیدی کو یہ سمجھائے کہ ان یستاجلنی فاجلدہ فینظر فی امرہ مجھ سے یہ ہمت چاہے تاکہ میں اس کو اپنے معاملہ میں غور کرنے کا موقع دوں۔ رص ۲۷۷ موثق ج ۱۲

بیان کیا گیا ہے کہ امام تک ابن ہبیرہ کی اس خواہش کی خبر پہنچائی گئی۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ:-

”اچھا! مجھے چھوڑ دیا جائے میں اپنے احباب اور اپنے بھائیوں سے مشورہ کرتا ہوں اور جیسا کہ اس نے کہا ہے غور کرتا ہوں۔“

یہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ یہ رہائی ضمانت اور مچلکے کے ساتھ ہوتی یا بغیر مچلکے اور ضمانت کے نہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام کی طرف سے اس منظوری کی خبر ابن ہبیرہ تک جوں ہی پہنچائی گئی۔ اتنی سی خوراک بھی امام جیسی کردار والی شخصیت سے اس کے کبر کے لئے کافی ہوئی۔ رہائی کا

۱۔ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ یہ روایت امام کی عام سوانح عمریوں میں درج ہے میں امام موفق کے مناقب ص ۱۱۲ سے اس کو نقل کیلئے ۱۲ بعضوں نے لکھا ہے کہ ابن ہبیرہ اپنے کسی خواب سے بھی متاثر ہوا لیکن جس خواب کو اس کی طرف منسوب

حکم اسی وقت اُس نے دے دیا۔

رہا ہونے کے بعد امام نے کیا کیا۔ اگرچہ امام کے عام سوانح نگاروں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن اللہ درسی کے مناقب سے معلوم ہوتا ہے کہ جیل سے نکلنے کے بعد حسب وعدہ امام نے اپنے اخوان و احباب سے مشورہ فرمایا اور قاضی ابو یوسفؒ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ لوگوں نے امام کو آخر میں مشورہ دیا کہ جب والی قسم کھا چکا ہے تو صرف اس کی قسم کی تکمیل کے لئے کوئی سی بھی خدمت قبول فرمالیجئے ورنہ قسم ہی کا حیلہ کر کے پھر وہ گرفتار کرے گا۔ اور جیسا کہ وہ حلفیہ اعلان کر چکا ہے کہ اس وقت تک پٹواتار ہوں گا جب تک کہ موت نہ آجائے اسی کو پیش کر کر کے امام سے لوگوں نے عرض کیا کہ

لا تعن علی قتل نفسك ص ۲۰۲ اپنی خودکشی پر اس کی اعانت نہ کیجئے۔

مگر سوال یہی تھا کہ کس قسم کی خدمت قبول کی جائے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ الخزازین کے عریف ہونے کا عہدہ بھی پیش کیا گیا۔ لیکن اس سے بھی امام نے انکار کیا بالآخر بحث و مباحث کے بعد امام صاحب اس پر راضی ہو گئے کہ شہر میں اطراف و جانب سے انخیرانگور وغیرہ فواکہ جو آتے ہیں۔ ان کے گننے کی خدمت اگر میرے سپرد کی جائے تو خیر اس کو قبول کر سکتا ہوں۔ ابن ہبیرہؒ تک امام کی اس منظوری کی خبر پہنچائی گئی وہ خود تنگ آ گیا تھا۔ محض "وقار حکومت" کا پاس امام کو بالکل چھوڑ دینے میں مانع آ رہا تھا۔ آخر بات اس کی رہ گئی اور امام کو اس کے پیچھے استبداد و ظلم سے رہائی ملی۔

امام چھوڑ دے گئے یہ معلوم

نہ ہو سکا کہ اس خدمت کو

کوفہ سے حرم محترم کی طرف وقتی ہجرت

کب تک امام نے انجام دیا لیکن بالاتفاق آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ابن ہبیرہ کے

بقیہ فہرست ص ۲۰۳

کیا جاتا ہے دل راضی نہیں کہ اتنی دولت بیدار سے وہ مشرف ہوا ہو یہ میرا ذاتی احساس ہے مگر ہو سکتا ہے کہ مالین کے لئے جس کی ذات والا دست تھی اپنے دین کے ایک وفادار خادم کے طفیل میں اس کو سرفراز کیا گیا ہو دل یہ بھی کہتا ہے کہ لقد تجبرت واسعاد تو نے بڑی وسیع رحمت کو محض کر دیا واللہ اعلم ۱۳

۱۳ اس روایت میں قاضی ابو یوسف سے مروی ہے کہ کوٹھوں کی مارے امام کے جسم سے گوشت ٹکڑے ٹکڑے کٹ کر گرتے تھے ۱۴

اس جو نو تعدی ظلم و ستم کے بعد

فہر ب الخ مکتہ واقام بہا فی سنۃ ۲۰۰ مائۃ و ثلاثین ص ۲۷ کردری

بعض روایتوں میں ہے کہ "دکب و دالہ" یعنی اپنی سواریوں پر لد کر امام مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

میرا خیال ہے کہ غالباً اس وقتی ہجرت کا ارادہ اور خرم محترم میں پناہ لینے کا ارادہ امام پہلے ہی کر چکے تھے اور شاید اسی مصلحت سے انھوں نے ایک ایسی خدمت قبول کی کہ شہر سے باہر آئے جانے پر لوگوں کو تعجب نہ ہو، گویا ایک طرح سے کروڑ گیری کے محکمہ کی یہ ملازمت تھی اور اس محکمہ کے ملازموں کا ظاہر ہے کہ شہر کے ناکوں اور راستوں ہی سے تعلق ہوتا ہے، امام نے سواریوں کا انتظام کر لیا ہوگا۔ یوں جس قدر بھی ساز و سامان کی ضرورت ہوگی اس کو اڈوں اور گدھوں خچروں پر لد واکر حجاز کی طرف روانہ ہو گئے ہوں گے خود ابن ہبیرہ بھی چاہتا ہوگا کہ اس قسم کے سخت و کمرخت آدمی سے شہر جہاں تک جلد خالی ہو بہتر ہے خطرہ ہوتا ہوگا کہ اس کو دیکھ دیکھ دوسرے نہ بگڑ جائیں۔ اور یہ خطرہ کچھ بے جا بھی نہ تھا، میں تو سمجھتا ہوں کہ آج اعلیٰ معیاری کردار کے نمونوں کے لئے دیکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے سامنے غیر اقوام کے ابطال رہبروں کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ حالانکہ اسلامی تاریخ کا ورق ورق صفحہ صفحہ اس قسم کے اعلیٰ اخلاقی اسباق کے مواد سے بھرا ہوا خود امام ابو حنیفہ ہی کی زندگی اپنے اندر کن کن نمونوں کو نہیں رکھتی؟ کام کرنے والے زندگی کے ہر دور میں امام کی سوانح عمری کو اپنے لئے شمع راہ اور حوصلہ کی بلندی و قوت کا ذریعہ بنا سکتے ہیں آخر یہ لوگ بھی آدم زاد ہی تھے جنہوں یا فرشتوں کی اولاد تو نہ تھے۔

بنی عباس کی حکومت

بہر حال بنی امیہ کی حکومت کے ساتھ امام کی کشمکش کے متعلق جو واقعات تاریخ میں بیان کئے گئے ہیں ان کا اختتام اسی ابن ہبیرہ کے واقعہ پر ہو جاتا ہے اس کے بعد جیسا کہ امام کے سوانح نگاروں نے امام کی ہجرت کے تذکرے کے بعد عموماً یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ

اقام بمکۃ حتی صادت الخلافۃ مکہ معظمہ ہی میں وہ اس وقت تک مقیم رہے جب تک کہ

لعباسیۃ ص ۲۴ ج ۲

خلافت پر عباسیوں نے قبضہ نہ کر لیا۔

انقلاب حکومت کا یہ واقعہ ظاہر ہے کہ اسلامی تاریخ کا بڑا اہم باب ہے یوں بھی تفصیلاً سے لوگ ناواقف نہیں ہیں کہ اس انقلاب میں سب سے بڑا ہاتھ ابو مسلم خراسانی عباسیوں کے داعی کا تھا جس نے عربوں میں پھوٹ پیدا کر کے بنی اُمیہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ٹھیک جس سال امام ابو حنیفہ کو فہ چھوڑ کر حجاز کی طرف ہجرت کر گئے اسی سال یعنی سنہ ۱۳۰ میں ابو مسلم مرو میں داخل ہوتا ہے اور بہت سی سازشوں کے بعد آخر میں اس نے اپنی جماعت جسے وہ شیعہ اہل بیت کہتا تھا۔ یہ مشرودہ سنایا کہ:-

ان یبنوا المساکن فقد اغناهم اب اطمینان سے اپنے گھر بناؤ اور آباد ہو جاؤ۔ اب من اجتماع کلمۃ العرب علیہم یہ بات کہ عرب پھر مسئلہ حکومت، میں کسی ایک نقطہ کامل ابن اثیر ص ۴۱۱ ج ۲ پر جمع ہوں گے خدا نے اس سے فارغ البال بنا دیا۔

اس کا تو کوئی ثبوت اس وقت تک نہیں ملا ہے کہ دولت بنی اُمیہ کے خلاف جس سازش کا جال اندراندر ابو مسلم سارے ممالک اسلامیہ میں پھیلا رہا تھا۔ اس میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی بالواسطہ یا بلا واسطہ شرکت تھی۔ لیکن ابراہیم بن میمون جن کا مختلف حیثیتوں سے ذکر گذر چکا ہے اور آخر میں ابو مسلم ہی کے حکم سے ان کو شہید بھی ہونا پڑا ہے ان کے متعلق ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے:-

کان ھو و محمد بن ثابت العبیدی ابراہیم بن میمون الصائغ اور محمد بن ثابت عبیدی صل یقین لابی مسلم الداعیۃ یہ دونوں ابو مسلم کے دوست تھے جو عباسیوں کا خراسان بخراسان مجلسان الیہ ولیمعان میں داعی تھا دونوں کی ابو مسلم کے پاس نشست و برخاست کلامہ ص ۱۳ ج ۲، حدودہم تھی اور اس کی باتیں سنا کرتے تھے:-

چونکہ ابراہیم بن میمون اور امام ابو حنیفہ میں خاص تعلقات تھے خود امام صاحب سے ابن المبارک یہ روایت نقل کیا کرتے تھے کہ ابراہیم ابن میمون میرے پاس آیا کرتے تھے دونوں میں تنہائی کی ملاقاتیں بھی ہوتی تھیں، امام صاحب پر بھی ان کا بہت اثر تھا آخر میں جب ابراہیم نے ابو مسلم کے ظالمانہ حرکات کو دیکھ کر اس سے مقابلہ کا ارادہ کیا تو اس باب میں انہوں نے امام ابو حنیفہ سے نہ صرف مشورہ ہی لیا بلکہ امام کے ہاتھ پر ابو مسلم کی مخالفت کے سلسلہ میں باضابطہ بیعت

۱۲ تفصیلی قصہ آگے آ رہا ہے

کرنی چاہی۔ اور جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ امام نے اس کو خلاف مصلحت قرار دیتے ہوئے بیعت سے انکار کیا۔ لیکن اس سے ابراہیم اور امام کے باہمی سیاسی تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جیسے ابراہیم، ابو مسلم کی مخالفت میں امام سے مدد کے طالب ہوئے تھے۔ اسی طرح جب ابو مسلم سے ان کی موافقت تھی۔ اس معاملہ میں کوئی گفتگو نہ ہوئی ہوگی۔ لیکن ظاہر ہے کہ تاریخ میں جب اس کی صراحت نہیں ملتی۔ اس لئے قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ عباسیوں کی تحریک میں امام نے بھی عملاً کوئی حصہ لیا تھا جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ ٹھیک جن دلوں میں عباسیوں کی اندرونی تحریک اندر سے باہر آگئی اور ملک کے مختلف حصوں میں بنی امیہ کے خلاف عباسیوں کے اشارے سے ابو مسلم نے بغاوتیں برپا کرائی شروع کیں۔۔۔ حضرت امام نے ان ہی دلوں میں مجاہدیت حرم کی زندگی اختیار کر لی اور اس وقت تک جب تک کہ عباسی تحریک بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ کر کے تخت خلافت پر عباسیوں کو قبضہ دلانے میں کامیاب نہ ہوئی امام حمہن ہی میں گھومتے رہے باوجود تلاش کے کوئی ایسی چیز بھی نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ امام کو کسی زمانہ میں عباسیوں کی تحریک سے ہمدردی تھی۔

حضرت امام کی کوفہ کو واپسی^۴ اور پچ تو یہ ہے کہ اس تحریک کی ابتدا ہی جن غیر اسلامی بنیادوں سے ہوئی تھی ان کے نتائج کا دوسروں کو اندازہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دور رس نگاہوں سے وہ کیسے ادھل رہے تھے۔ بہر حال کچھ بھی ہو امام کو الگ تھلگ حجاز میں زندگی گزارتے ہوئے ہم اس وقت تک پائے ہیں جب تک کہ عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابوالعباس السفاح کوفہ میں پہنچ کر اپنی خلافت اور حکومت کا اعلان جمعہ کی نماز کے بعد بحالت بخارا اپنے مشہور تاریخی خطبہ کے ذریعہ سے کرتا ہے۔

۱۔ تاویخوں میں ابوالعباس کی اور اس کے بعد اس کے چچا زاد بھائی واوہن علی کی تقریریں لوگوں نے نقل کی ہیں جن سے اس زمانہ کے مسلمانوں کی خطابت اور قوت بیانی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اور اس سے زیادہ حقیقت اس پر ہے کہ لوگوں نے ان تقریروں کو یاد کیسے رکھا ممکن ہے کہ الفاظ میں کچھ رد و بدل ہوا ہو۔ لیکن پھر

بھی مختصر نویسی کا زمانہ جب نہ تھا پوری پوری تقریروں کے نقل کرنے کا مسلمان مورخین میں خاص ذوق پایا جاتا ہے۔ ابن اثیر کے تقریباً دو صفحے میں یہ تقریریں درج ہوئی ہیں اسی سے ان کی طوالت کا اندازہ کیجئے پوری تقریریں تو کتابوں میں پڑھتے، بعض خاص فقروں کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ ابو العباس نے تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا

شکر ہے اس خدا کا جس نے اسلام کو اپنے لئے شرف و عظمت کے لئے انتخاب فرمایا اور اسلام کو پھر ہمارے لئے قرار دیا اسی سے ہماری خدا نے مدد کی اور اس کا محافظ اس کا قلعہ اس کی پناہ گاہ ہم لوگ بنائے گئے ہمارا فرض قرار دیا گیا کہ اسلام کو بے کرکھڑے ہو جائیں اور جو اس پر حملہ کرے اس کی مدافعت کریں۔ تقویٰ کے کلمہ کو ہمارے لئے لازم کیا گیا اور ہم لوگوں کو تقویٰ کا سب سے زیادہ حق وار بنایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری کے شرف سے ہیں تو ازاں ہم لوگوں کو ایک ہی آبا و اجداد سے پیدا کیا جس درخت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اسی سے ہم بھی پھوٹے۔ رسول اللہ کو خدا نے ہمارے اندر پیدا کیا۔ ان پر وہ چیزیں گراں تھیں جن سے ہم لوگوں کو دکھ پہنچتا ہو وہ ہم لوگوں کے فلاح و بہبود کے چاہنے والے تھے۔ عام ایمان والوں پر مہربان اور رؤف و رحیم تھے۔ خدا نے ہم لوگوں کو اسلام میں اور اسلام والوں میں بلند مرتبہ عطا کیا اور خود قرآن میں اس کے متعلق آیتیں نازل ہوئیں۔ ابو العباس نے اس کے بعد قرآن کی ان آیتوں کی تلاوت کی جن میں اہل بیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقربا کا ذکر ہے۔ پھر اس نے کہا کہ

نی اور غنیمت کو ہمارے لئے مختص فرمایا۔ یہ خدا کی ہم لوگوں پر مہربانی ہے اور خدا بڑے فضل والا آخر میں نبی امیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس نے کہا کہ:-

گمراہ شایموں نے یہ خیال قائم کر لیا کہ ریاست سیاست اور خلافت کے حق دار ہم لوگ نہیں بلکہ ہمارے اخیار ہیں، پھر خدا نے ان کے منہ کاٹے کئے لوگو! گمراہی کے بعد خدا نے ہدایت کی راہ تم لوگوں کو ہمارے ذریعہ سے کھولی ہے۔ یہ حالت کے بعد لوگوں میں اب سوجھ بوجھ مابین آگئی۔ تب ہی کے بعد نجات ان کے سامنے آئی ہے، حق ہمارے ذریعہ سے واضح ہوا باطل پھسل کر گر پڑا، جو باتیں بگڑ گئی تھیں ہمارے ذریعہ سے وہ سلجھ گئیں بکھرنے کے بعد لوگ پھر سمٹ گئے، اب ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح خوش ہو رہی ہے۔

پھر خلفاء راشدین اور ان کے طرز عمل کو سراہنے کے بعد اس نے کہا:-

جس راہ سے تم بد بھلائی آئی ہے اسی سے اب بُرائی نہ آئے گی، ہم رسول اللہ کے گھرانے والوں کا بھر دسہ بس صرف اللہ پہ ہے۔

اس عرصہ میں کوفہ میں بیسیوں انقلابات آتے رہے، بالآخر ابن ہبیرہ کوفہ چھوڑ کر واسط میں محصور ہو جاتا ہے۔ اور عباسیوں کے شیوہ کوفہ پر اپنا کامل اقتدار قائم کر لیتے ہیں۔

کوفہ کے علماء کے سامنے سفاح کی تقریر

اسی زمانہ میں یعنی ۳۲ھ ہجری میں ابو العباس کوفہ میں داخل ہوا ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے باشندگان کوفہ کے سامنے مشہور تاریخی تقریر کرتا ہے عام تاریخ کی کتابوں میں لوگ ابو العباس اور اس کے بعد ابو العباس کے چچا داؤد بن علی کی تقریر کا تذکرہ کرتے ہیں۔ لیکن ابو العباس نے آیا کوفہ کے فقہاء اور علماء کو بھی علیحدہ جمع کر کے کوئی علیحدہ تقریر کی تھی اس کا ذکر ہم ان عام تاریخی کتابوں میں نہیں پاتے، لیکن امام ابو حنیفہ کے حنفی سوانح نگاروں نے معمولی سند سے نہیں بلکہ قاضی ابو یوسف نے داؤد طائی

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۲۰۵

کوفہ والوں کو خطاب کر کے اُس نے کہا

”کوفہ والو! ہماری محنت کے تم ہی سرکیز ہو۔ تم ہمارے ساتھ وفادار رہے، اگرچہ ظلم والے ظلم کرتے تھے

آخر ہماری دولت سامنے آگئی تم میں ہر ایک کے وظائف میں میں نے تلوٹو درم کا اضافہ کیا۔

بخاری کی وجہ سے السفاح بیٹھ گیا اس کا چچا داؤد منبر پر پہنچا اور ایک لمبی تقریر اس نے کی جو السفاح کی تقریر

زیادہ بہت زیادہ طویل بھی ہے اور فصیح و بلیغ بھی، السجودی نے لکھا ہے کہ بنی امیہ کی بدعتوں میں ایک بدعت

یہ بھی تھی کہ بجائے کھڑے ہونے کے جمہور کا خطبہ بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ السفاح نے پہلی دفعہ سنت کے مطابق

ہو کر خطبہ شروع کیا۔ لوگوں نے بڑی تعریف کی کہ ایک مردہ سنت کو پہلی دفعہ اس نے زندہ کیا، السفاح نے جمہور

کے خطبہ کو مختصر طور پر پڑھ کر نماز پڑھائی اور اس خطبہ کو جس کا ترجمہ کیا گیا ہے نماز کے بعد دیا گیا۔

ابن ہبیرہ کے حالات میں واسط کے محاصرے کا اور اس کے قتل ہونے کے واقعات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

۳۵ھ داؤد طائی کا شمار اسلام کے اکابر اولیاء اللہ میں ہے۔ یہ امام کے قدیم ملازمہ میں تھے۔ ابتداءً خراسان سے

کوفہ زبردنگ کی عبا پہن کر آئے تھے کوفہ والے اس پر ہنستے تھے۔ مگر بعد ریح اس زمانے کے سامنے علوم میں کمال حاصل

کیا۔ عربیت، ترائہ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد امام کے پاس فقہ کی تعلیم مدت تک حاصل کرتے رہے۔ ایک دن

امام صاحب نے کہا کہ داؤد آلات تو تمہارے مکمل ہو گئے۔ داؤد نے کہا تو پھر کچھ چیز باقی بھی رہی فرمایا کہ علم پر عمل کرنا

رہ گیا۔ اسی وقت اٹھے اور وراثت میں کچھ زمین کوفہ میں ملی تھی اس کو چار سو درم میں فروخت کر کے دنیا سے الگ ہو گئے

تیس سال اسی چار سو درم پر گنہگار رہے جماعت اور عام مسلمانوں کی راہوں سے ہٹنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لوگوں کا

کے حوالہ سے یہ نقل کرنے کے بعد کہ جب ابو العباس السفاح کوفہ پہنچا تو اس نے علماء و مشہر کو جمع کرنے کا حکم دیا علماء جب جمع ہو گئے تو ان کے سامنے بھی ابو العباس کھڑا ہوا اور حسب ذیل تقریر کی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

آخر یہ چیز خلافت، تمھارے پیغمبر کے گھر والوں تک پہنچ گئی، خداوند تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ صادر ہو گیا، حق کو خدا آخر کھڑا کر کے رہا۔

ابو العباس نے ان تمہیدی فقرہوں کے بعد علما کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ اور آپ لوگ جو علما کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اس حق کی اعانت کے لئے آگے بڑھیں، اعلان کیا جاتا ہے کہ اس کے صلے میں آپ کے ساتھ داود ہش کی جائے گی۔ آپ کی عزت بڑھائی جائے گی، اور اللہ کے مال سے آپ لوگوں کی خواہش کے مطابق نہان تواری کی جائے گی۔

پس چاہئے کہ اس کی رعایت خلافت کے لئے جس کا انتخاب ہو اسے، اس کے ہاتھ پر بیعت کیجئے، ایسی بیعت جو آپ لوگوں کے امام (خلیفہ) کے سامنے حجت و دلیل کا کام دے۔ یہ بیعت حجت ہوگی آپ لوگوں کے حقوق کی بھی اور آپ کے فرائض کی بھی رعایت تم لوگوں پر بھی حجت ہوگی اور تمھارے لئے بھی حجت ہوگی، اسی میں آپ لوگوں کے احتجاج اور امن کی ضمانت ہے آخرت میں اسی سے آپ کو پناہ ملے گی۔ چاہئے کہ تم میں خدا سے جو بھی ملے وہ امام (خلیفہ) کے بغیر نہ ملے کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو تم لوگ ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو اپنے پاس اپنے متعلق کوئی وثیقہ نہیں رکھتے۔

آخر میں یہ جملہاتے ہوئے کہ یہ بیعت اخلاص کی بیعت ہونی چاہئے محض خوف اور ہیبت کی وجہ سے نہ ہو کہا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

”اور دیکھو! محض خوف اور ہیبت کھا کر کوئی مجھے امیر المومنین نہ کہے اور نہ حق کے

بقیہ صفحہ ۲۰۷

بہت کم ملتے جلتے تھے فضیل بن عیاض ملتے آئے دروازہ نہ کھولا فضیل باہر بیٹھ بیٹھے روئے لگے۔ داؤد اندر بیٹھ نور ہے تھے فضیل نے کہا کہ آخر کہاں جاؤں مجھے آدمی کی تلاش ہے نہ پایا یہی تو وہ گم گشتہ شے ہے جو نہیں ملتی۔ ان کا تذکرہ تفصیل سے کتابوں میں کیا گیا ہے ۱۲

قاضی ابو یوسف داود طائی کی زبانی اسی روایت کو نقل کرنے کے بعد ان ہی کی زبانی ناقدین میں کہ علماء کی جس جماعت کو ابو العباس نے اس وقت خطاب کیا تھا اس میں ابو ضیفہ بھی تھے اور مورخین کا جب یہ اتفاقی بیان ہے کہ ابو العباس ۳۲ھ میں کوفہ پہنچا تو اس کے یہی معنی ہیں کہ حجاز سے حضرت امام ابو ضیفہ ۳۲ھ میں ہی کوفہ واپس آ چکے تھے۔

قاضی ابو یوسف کی اسی روایت میں اس کے بعد یہ بیان کیا گیا کہ

علماء کی طرف سے حضرت امام کا جواب

ہے کہ ابو العباس جب اپنی تقریر سے فارغ ہو چکا تو علماء کی نگاہیں امام ابو ضیفہ کی طرف اٹھیں امام نے اس حال کو دیکھ کر لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں کی اگر خواہش ہو تو میں اپنی طرف سے بھی اور آپ لوگوں کی طرف سے بھی جواب دوں۔ لکھا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے لوگ خاموش رہے آخر میں بالاتفاق علماء کی طرف سے امام ہی کو جواب دینے کی وکالت سپرد کی گئی۔ امام کھڑے ہوئے اور حسب ذیل تقریر جواب میں آپ نے فرمائی:-

الحمد لله که حق ان لوگوں تک پہنچ گیا جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے ظالموں کے مظالم کا گلا گھونٹ دیا اور ہماری زبانوں کو اب اس کی گنجائش ملی کہ ہم حق کا اظہار کریں۔

ان تمہیدی فقرات کے بعد امام نے بیعت کے متعلق یہ دو مختصر فقرے فرماتے ہوئے۔
قد بايعناك على اصر الله والوفاء لك خدا کے حکم اور امر پر ہم نے تمہاری بیعت کی اور اس بیعت

میں جیسا کہ مختلف طریقے سے اس کا ذکر کرتا چلا آ رہا ہوں کہ عباسیوں کے متعلق ممکن ہے کہ ابتداء میں لوگوں کو خدا کا اہل بیت نبوت سے قرب کی وجہ سے حسن ظن ہو لیکن جوں ہی کہ اقتدار کا کچھ ہی حصہ ان کے ہاتھ میں آیا انہوں نے ان ہی حرکات کا اعادہ شروع کر دیا جس کی وجہ سے لوگ بنی امیہ سے بیزار ہو رہے تھے۔ سفاکیوں اور خون کے اسی منظر کو انہوں نے بھی ہر جگہ پیش کرنا شروع کیا، حتیٰ کہ ابو العباس کا لقب ہی السفاح (خون ریز) دیا گیا۔ بہانے والا مشہور ہو گیا۔ بلکہ اسی کوفہ والی تقریر کو ختم کرتے ہوئے کامل میں لکھا ہے کہ ابو العباس نے خود اعلان انا السفاح المبيع والشاؤ المبيع یعنی میں ہی خون بہانے والا اور لوگوں کی جان و مال کے حلال کرنے والا ہوں میں ہی پرانندگی پھیلانے والا اور خوب داد و دہش کرنے والا ہوں۔ کامل ابن اثیر ص ۵۵ ج ۴

بعہد لک الی قیام الساعة
آخر میں بطور دعا کے کہا کہ

پس خدا سے دعا ہے کہ اب اس معاملے (خلافت) کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں
سے خالی نہ رکھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کا رشتہ کہتے ہیں
بس ان ہی چند جملوں پر امام اپنی تقریر کو ختم کر کے بیٹھ گئے ابو العباس نے امام
کی تقریر سن کر کہا کہ

علماء کی طرف سے تمہارے ہی جیسے آدمی کو تقریر کرنا چاہیے تھا علمائے
بہت اچھا کیا جو تمہارا انتخاب کیا۔ تم نے خوبی کے ساتھ اپنے مقصد کو

ادا کیا، ^{مستحب} مستحب

مجلس ختم ہو گئی جب ابو العباس کے سامنے سے اٹھ کر علماء باہر نکلے تو سمجھوں نے
امام کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور پوچھنا شروع کیا کہ
”قیام الساعة“ تک وفادار رہیں گے۔

تمہارا مقصد اس سے کیا تھا۔ امام نے فرمایا کہ۔

تم لوگوں نے بات میرے حوالہ کی، پس میں نے خود اپنے لئے بھی ایک راہ
نکال لی اور تم لوگوں کو بھی مصیبت سے بچا لیا۔

لکھا ہے کہ اس جواب کو سن کر لوگ چپ ہو گئے اور باہم کہنے لگے کہ امام نے جو کچھ کیا
ٹھیک کیا تھا۔

اگرچہ موفق نے اس قصہ کو نقل کر کے آگے کسی تشریحی اضافہ کا ذکر انھوں نے نہیں
کیا ہے، لیکن الکردی جن کے مناقب امام موفق ہی کے مناقب سے ماخوذ ہیں انھوں
نے اسی قصہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے۔

يَحْتَمِلُ اَنْ يَرَادَ بِدِالِي قِيَامَ السَّاعَةِ
من المجلس فخذف الباء واكتفى

بالكسر لا ادالي قيا م الساعة
ان کا یہ ہو کہ اس مجلس کی گھڑی تک ہم تمہارے وفادار رہیں الکردی

نے غوی قاعدے الفاظ میں گنجائش نکالی ہے اس کی آگے توضیح یہی کی ہے

مقصد یہ ہے کہ ابو العباس کو امام نے جو جواب دیا اس کا مطلب کیا تھا؟ یہ ظاہر ان کے

کھام سے معلوم ہوتا ہے کہ خود انھوں نے اپنی طرف سے بھی اور علماء کی طرف سے بھی جن کے وہ وکیل تھے ابو العباس کی بیعت قبول کر لی۔ لیکن بعد کو امام اور دوسرے کوئی علماء کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی عباس نے ظہور کے بعد جن مظالم کا اعادہ مسلمانوں کے ساتھ شروع کیا اور مسلمانوں کے مال کے ساتھ جس طرز عمل کو بنی امیہ نے اختیار کر لیا تھا اسی طرز عمل کو انھوں نے بھی اپنے عہد میں جاری رکھا ان چیزوں کو دیکھ کر عباسیوں سے بھی وہ اسی طرح ناراض رہے جیسے بنی امیہ سے ناراض تھے حضرت امام کے متعلق تو آئندہ جو کچھ بیان کیا جائے گا۔ زیادہ تر وہ اسی کش مکش کی داستان ہی ہوگی جو ان میں اور عباسی حکومت میں آخر وقت تک جاری رہی سوال ہوتا ہے کہ جب صورت حال یہی تھی تو انھوں نے اتنے واضح اور موکد الفاظ میں بیعت کیسے قبول کر لی۔

یہ ظاہر اسی کا جواب کر دے دینا چاہا کہ امام رحمۃ اللہ نے اس وقت ایک خاص طریقہ عمل کو اختیار فرمایا جس کی اجازت ایسے حالات میں اسلام میں دی گئی ہے۔ یعنی ایک صحیح

اسلام عام طور پر لوگوں نے اس کی تعبیر الجھیل کے لفظ سے مشہور کر دی ہے۔ لیکن ائمہ احناف نے شدت سے اس لفظ کا انکار کیا ہے لکھا ہے قال ابو سلیمان مکن ابو اعلیٰ محل لیس لہ کتاب الجھیل راتحاف البصائر والابصار خلاصہ اشباہ ص ۲۶۵ جن لوگوں نے مشہور کیا ہے کہ امام محمد نے کتاب الجھیل نامی بھی کوئی کتاب لکھی ہے، یہاں پر اقرآن ہے البتہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قسم کے قصے میں قرآن نے جو یہ بیان کیا ہے کہ بچے ٹٹو لکڑیوں کے ٹٹو لکڑیوں کے گٹھے سے ایک دفعہ مار دینے کو قسم کی تکمیل کے لئے کافی قرار دیا گیا تھا اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں شاہی قانون کی تکمیل کے لئے حضرت یوسف نے اپنے بھائی کو روک لینے کے لئے جو تدبیر قرآن میں جس کے لئے کن اللہ کدنا لیوسف کے انشاء استعمال کئے ہیں ان نظائر کو پیش نظر رکھ کر اس کی اجازت دی گئی ہے کہ کسی صحیح مقصد کے حاصل کرنے میں اگر اس قسم کی تدبیروں سے مدد مل سکتی ہو تو مسلمانوں کو اس قسم کی امداد سے محروم نہ کرنا چاہیے۔ لیکن کسی غیر شرعی حرام و باطل مقصد کے لئے قانون سے ناجائز نفع اٹھانا بالاتفاق یہ حرام ہے اگر دیکھ لیں مفتی الذی یعلم الناس الجھیل هو الما جن الذی یشحق الحج علیہ فی جمیع المذاہب یعنی شریعت اور قانون کے ساتھ متحر کرنے والے مفتی اس قسم کی تدبیریں بتانے والے قرار دیئے گئے ہیں۔ واجب ہے کہ قانون اس قسم کے مفتیوں کو فتویٰ دینے سے روک دیا جائے اس پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے ۱۲

مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اگر بعض ایسی وسیع لفظی تعبیروں سے کام لیا جائے جس کے چند پہلو ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مقابلہ یہاں السفاح جیسے خوں خوار کا تھا جس میں مخالفت کے برواشت کرنے کی تاب نہیں تھی۔ بلا وجہ ان علماء کی گردن اڑا دینے کا حکم دے دیتا اگر اس لفظی تعبیر سے امام فائدہ نہ اٹھاتے یعنی السفاح نے تو سمجھا کہ وفاداری کا یہ معاہدہ قیامت تک کے لئے کیا گیا ہے، لیکن امام کی غرض یہ تھی کہ اس مجلس سے اٹھنے تک ہم لوگوں کا تم سے یہ معاہدہ ہے، الفاظ میں دلوں کی گنجائش تھی ابو العباس نے اپنے منشا کے مطابق مطلب لیا اور امام نے اپنے مطلب کے موافق لیا۔

بہر حال امام کی تقریر کے اس فقرے کا جو مطلب بھی ہو زیادہ تر اس واقعہ کے ذکر سے میرا مقصود یہ ہے کہ اس واقعہ کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے۔ حجاز سے اپنے وطن کوفہ امام ابو حنیفہ ابو العباس السفاح کے زمانہ ہی میں واپس آ گئے تھے۔ لیکن امام کے جن سوانح نگاروں نے السفاح کے اس مکالمہ کو نقل کیا ہے مشکل یہ ہے کہ بالاتفاق ان ہی لوگوں نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ

قدم ابو حنیفۃ الکوفۃ فی
 زمن ابی جعفر المنصور سنة موفی وغیرہ
 امام ابو حنیفہ کوفہ ابو جعفر منصور کے زمانہ میں آئے
 یعنی سفاح کے بعد جو عباسیوں کا جو دوسرا خلیفہ تھا،
 جس کا مطلب یہی ہوا کہ السفاح کی حکومت کا پورا زمانہ (چار سال تو بیٹے) یہ
 بھی امام نے کوفہ سے باہر حجاز ہی میں بسر کئے۔ ایسی صورت میں السفاح کے مکالمہ کی
 مجلس میں امام کے پائے جانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا
 ہے کہ کوفہ میں مستقل قیام کے لئے تو امام صاحب منصور کے زمانہ میں آئے اور اس
 سے پہلے ضرورتاً آمد و رفت ان کی ہوتی رہتی ہوگی السفاح جب کوفہ پر آکر قابض ہوا تو
 اتفاقاً امام وہاں موجود تھے البتہ امام موفی نے ابو حنیفہ الکبیر البخاری کے حوالہ سے ان کی
 ایک طویل روایت کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کرنے کے بعد

”امام ابو حنیفہ ابن ہبیرہ کے ظلم سے تنگ آکر مکہ جب چلے گئے تھے تو ان کا
 قیام مکہ معظمہ میں اُس وقت تک رہا جب تک کہ ظاہر ہوا کہ ہاشمیوں نے
 حکومت پر قبضہ کر لیا اور اسی کے بعد یعنی ہاشمیوں کے ظہور اور حکمران

ہونے کے بعد امام کوفہ واپس تشریف لائے۔

لکھا ہے کہ

فارسل الیہ ابو جعفر یقصد الی
پھر ابو جعفر نے امام ابوحنیفہ کے پاس آدمی بھیجا کہ
بغداد اور صلا
ان کو بغداد لے آئے۔

اگر اس روایت کو سامنے رکھ لیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ پہلی روایت میں لوگوں نے
بغداد کی جگہ نعلطی سے کوفہ کا لفظ استعمال کیا ہو یعنی وہاں بھی یہی سمجھا جاتے کہ ابو جعفر
منصور نے کوفہ سے بغداد اپنے زمانہ میں امام کو بلایا ورنہ حجاز سے کوفہ امام عباسیوں کی
حکومت کے قائم ہونے کے ساتھ ہی آگئے تھے۔

کچھ بھی ہو امام کی واپسی کوفہ کسی زمانہ میں ہوئی ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ عباسی حکومت
سے امام کے تعلقات کی ابتداء ابو جعفر منصور ہی کے زمانہ سے ہوئی ہے۔ السفاح کی حکومت
جس کی مدت کل چار سال نو مہینے تھی اس میں بحیرہ مکالمہ کے اس واقعہ کے جس کا ذکر ابھی
گذرا مورخین نے امام کے متعلق اس سلسلہ میں اور کسی چیز کا ذکر نہیں کیا ہے۔

میرا ذاتی خیال تو یہی ہے کہ متقبل طور پر السفاح کے زمانہ تک امام کوفہ قیام
کرنے کے لئے تشریف نہیں لائے۔ السفاح کے مکالمہ کا واقعہ اگر صحیح ہے اور چونکہ قاضی
ابو یوسف اور داؤد طائی جیسے بزرگوں کی طرف اس روایت کو لوگوں نے منسوب کیا ہے
اس لئے بلاوجہ اس کو مسترد بھی ہم مشکل ہی سے کر سکتے ہیں اس لئے مناسب یہی ہے
کہ دونوں روایتوں میں تطبیق کے لئے یہی کیا جائے کہ السفاح کے زمانہ میں اتفاقاً امام کی
وجہ سے کوفہ آتے ہوئے تھے۔ اور مکالمہ کے اس واقعہ کے بعد پھر حجاز تشریف لے گئے
صورت حال کا اقتضاء بھی کچھ یہی ہے السفاح کے زمانہ تک پہنچ پوچھیے تو عباسی حکومت
کی جڑیں جیسا کہ چاہیے مضبوط بھی نہیں ہوئی تھیں۔ وقتی طور پر السفاح نے انبار کو اپنا
ستقر بنا لیا تھا۔ عموماً وہ بیمار رہتا تھا۔ کہہ چکا ہوں کہ حکومت کا پہلا خطبہ جامع کوفہ کے
منبر سے اس نے بحالت بخار دیا تھا۔ پوری تقریر اسی لئے کر بھی نہ سکا۔ اور تھک کر
بیٹھ گیا جس کی تکمیل بعد کو اس کے چچا داؤد بن علی نے کی کچھ عمر بھی السفاح کی زیادہ نہ
تھی المسعودی نے تو لکھا ہے کہ:-

کل ۲۹ سال کی عمر میں اس کا انتقال ہو گیا اور عام مورخین بھی ۳۳ سال

سے زیادہ اس کی عمر نہیں بتاتے۔

بس سچ یہی ہے کہ عباسیوں کا پہلا حقیقی خلیفہ ابو جعفر منصور ہی ہے اسی نے جن

سلسلہ ابوالعباس سفاح بڑا خوش رہا حسین و جمیل آدمی تھا ہشام بن عبدالملک کی بیوہ ام سلمہ جو اہل کعبہ کے خاندان کی لڑکی تھی خلافت سے پہلے سفاح پر فریقہ ہوئی اور نکاح کر لیا۔ سفاح نے ساری زندگی اس ایک عورت کے ساتھ گزاری اسلامی سلاطین میں اُم کی مثالیں کم ہیں خلافت کے بعد کچھ دن تو لوگوں نے ملتا جلتا رہا لیکن سال بھی گزرنے نہ پایا کہ بعض ایرانی سلاطین اور شیر کی اتباع کرتے ہوئے پس پردہ رہنے لگا تو اہل تک پرست کے پیچھے سے سنتا وہیں سے فاد دیتا۔ تو انوں مغنیوں کو خوب یقین دیتا تھا اور کھانے کا خاص طور پر جیسا کہ گذر چکا ہے حد شوقین تھا سب سے زیادہ بٹاش رہنے کا وقت السفاح کے دسترخوان ہی کا وقت تھا۔ انباری میں بے چارے کو چپک ہوئی اور

سے گل سبزندیدیم بہار آخر شد شد میں ختم ہو گیا۔ اسی کے بعد ابو جعفر منصور نے عباسی حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور اسی نے اس حکومت کو دنیا کی یہ تاز حکومتوں کی شکل میں بدل دیا۔ جو کسی نہ کسی شکل میں تقریباً پانچ سو سال تک دنیا میں قائم رہی تاہم انہوں کے ہاتھ خاتمہ ہوا اگرچہ عباسیوں کا خیال تھا کہ اپنی قائم کردہ حکومت کا جائزہ وہ قیامت کے قریب حضرت مسیح علیہ السلام ہی دیں گے کامل ابن اثیر وغیرہ میں ان کے اس عجیب و غریب خیال کا تذکرہ کیا گیا ہے واللہ اعلم۔
۲۔ نہ صرف سلاطین اسلام بلکہ دنیا کے بادشاہوں میں ابو جعفر منصور نے ایک خاص امتیازی مقام حاصل کر لیا ہے۔ المسعودی نے لکھا ہے کہ منصور کی ماں جس کا نام سائما تھا یہ بیان کرتی تھی کہ جب میں منصور سے حاملہ ہوئی تو خواب میں میرے دیکھا کہ میرے اندر سے شیر نکل پڑا اور جیسے دو لڑکے ہاتھوں پر ٹیک لگا کر خیر بیٹھا ہے وہ بیٹھ گیا اور دھڑکے لگانے لگا۔ دم بھی پھٹتا جاتا تھا۔ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ میرے سے نکل نکل کر بہت سے شیر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے لیکن جوں ہی میرا اندر سے جو شیر نکلا تھا اس کے قریب آتے، عمدے میں گر جاتے سچ پوچھتے تو ابو جعفر منصور کی پوری زندگی کی یہ تصویر ہے۔ لوگوں نے منصور کو بخت میں بہت بدنام کیا ہے طرح طرح کے لطیفے اس سلسلہ میں مشہور ہیں۔ تاہم اگر یہ صحیح ہے کہ مرتے کے بعد ابو جعفر کے خزانے سے چھ ارب درہم اور ایک کروڑ چالیس لاکھ اشرفیاں برآمد ہوئیں جو دوسرے سادو سامان کے سوا انہیں تو ظاہر ہے کہ جزیری کے بغیر اتنی بڑی دولت خصوصاً کوئی بادشاہ مشکل ہی سے جمع کر سکتا ہے۔ الدلائل کا لفظ اس نام کے پیچھے سی بخت کی وجہ سے یا دوسرا اضافہ کیا ہے؟ دلائل واثق کی جمع ہے حرا و حبث یعنی چسپ ہے شاید دانہ سے ملحق معرب ہو اسی سے اس کی جزیری کا اندازہ کیجئے کہ اس نے شاہی مٹھے کے ملازموں کو حکم دیا تھا کہ شاہی مٹھے کے لئے تھنے جانور دیجے ہوتے ہوں ان کی کھالیں اور ہری یا یہ تم نے لیا کرو اور ان کے معاوضہ میں تو اہل ریعنی مال مبارک روغن وغیرہ کا بھیا لرتا یہ تھا کہ ذمہ ہوگا۔ المسعودی نے لکھا ہے کہ ابو جعفر کا محل زہد کے اس قول پر تھا کہ ثنوا و نث بھی میرے پاس ہوں اور ان میں کوئی اونٹ بیمار ہو جائے تو

چن کر اپنی حکومت کی راہ کے ایک ایک کانٹے کو صاف کیا یہی بغداد اور مدینہ السلام کا بانی ہے حکومت کرنے کا وقت بھی اس کو کافی ملا، ضبط و نظم کے سلسلہ کو اسی نے مستحکم بنیادوں پر تمام ملک میں قائم کیا اور میرے نزدیک کیا بلکہ تمام مورخین کے نزدیک دولت عباسیہ کا معمار اول یہی ابو جعفر الہدایتی ہے اور اسی کے ساتھ امام ابو حنیفہ کی کشمکش دراصل امام کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے میں جہاں تک خیال کرتا ہوں کوفہ چھوڑ دینے کے بعد کامل امن و امان نظم و ضبط کے قیام سے پہلے امام نے حجاز سے واپسی کی غیر مناسب خیال کیا ہوگا یہ ممکن ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں بہ ضرورت وہ کوفہ آتے جاتے رہتے ہوں اور اسی سلسلہ میں سفاح کی مجلس مباحثہ میں شرکت کا موقع آپ کو مل گیا لیکن مستقل قیام کے لئے غالباً ابو جعفر منصور ہی کے حکمراں ہونے کے بعد ہی کوفہ واپس تشریف لائے۔ جس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہجرت کے بعد حجاز میں قریب قریب چھ سال امام صاحب نے گزراپے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں امام حجاز میں کیا کرتے رہے یہ تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کی وفات سالہ میں ہوئی اور ان کی وفات کے بعد لوگوں نے امام کو مجبور کیا کہ حماد کی جگہ افتاء اور درس کا کام انجام دیں تھوڑی روکد کے بعد امام نے اس خدمت کو قبول کر لیا۔ لکھا ہے کہ پہلے تو لوگوں نے حماد کے صاحبزادے اسماعیل کو ان کا جانشین بنانا چاہا۔ لیکن بجائے تفقہ کے تجربہ سے ثابت ہوا کہ ان پر شعر اور افسانہ و تاریخ کا ذوق غالب ہے اس لئے ان کو ترک کر کے حماد کے چند دوسرے تلامذہ ابو بکر نخشلی ابو بردہ محمد بن جابر الجعفی کا نام لیا گیا۔ لیکن بعض بڑے بوڑھوں نے مشورہ دیا کہ :-

ان هذان الخزاز حسن المعصنة وان كان خذاً لم يأت به خزانة ما خراجها علم رکتا به اگرچہ نوجوان اور لا عمر ہے۔
لوگوں کا یہ حسن ظن سچا ثابت ہوا۔ اور حماد کی صحیح شائستگی امام کرنے لگے۔ لیکن امام کی زندگی کا یہ پہلا دور تھا۔ اس دور میں اور حجاز سے واپسی کے بعد امام کے خدمات کا سلسلہ نئے انداز میں جو شروع ہوا، دونوں میں بڑا فرق تھا۔ مشہور امام فن رجال بخاری بن سعید القطان

اس بیمار اونٹ کی نگہداشت میں اس شخص کی طرح کر دیں گا جس کے پاس بیمار اونٹ کے سو کوئی دوسرا اونٹ نہ ہو جس کے سفر میں چلے
لے خود ان الفاظ سے کہ اگرچہ وہ جوان لا عمر ہے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کی زندگی کا یہ ابتدائی زمانہ تھا۔

کامیہ تاریخی فقرہ خاص طور پر لائق توجہ ہے یعنی امام ابو حنیفہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتے کہ:-
 کان فی اول امرہ لم یکن کل ذلک
 ثم استفاد امرہ بعد ذلک وعظم
 (ص ۲۵ ج ۲ موفی)
 نہ تھا اس شخص کی گیم بازاری، بعد کو ہوئی اور بات بڑی ہو گئی۔

یہ ایک عینی شہادت ہے اس بات کی کہ امام کے خدمات کا دو مختلف دوروں سے تعلق ہے ابتدائی دور کی زیادہ سے زیادہ حیثیت صرف یہ تھی کہ حماد بن ابی سلیمان کی وفات سے کوفہ میں جو کمی محسوس ہو رہی تھی اس کمی کی تلافی حضرت امام کے خدمات سے ہو گئی تھی اور ان ہی خدمات کی شہرت نے ابن ہبیرہ کو آپ کی طرف متوجہ کیا تھا، لیکن ابن ہبیرہ کے پنجہ ستم سے آزاد ہونے کے بعد امام جب حجاز پہنچے تو اس میں شک نہیں کہ اصل مقصود تو آپ کا حریم حرم میں پناہ لینا ہی تھا نہ صرف "البلد الامین" جس میں پناہ لینے والوں کے امن وامان کی ضمانت قرآن میں لی گئی ہے۔ بلکہ ابن ابی فدیک ہے جو یہ قصہ کتابوں میں منقول ہے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ میں نے امام مالک کو دیکھا کہ امام ابو حنیفہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مسجد نبوی کی طرف جا رہے ہیں۔ جوں ہی کہ دونوں حضرات مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچے۔ میں نے دیکھا کہ امام ابو حنیفہ "بسم اللہ" کے ساتھ ساتھ

هذه اموضع الامان ص ۲۲ موفی ج ۲ یہ امان کا مقام ہے

کہتے ہوئے مسجد کے اندر داخل ہوئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے محبوب پیغمبر کے دامن اقدس میں امام امان ہی کی نیت سے داخل ہوئے تھے۔ دنیاوی مصائب سے بھی امان اور آخرت کے مصائب سے امان کی جگہ بیت اللہ الحرام کے بعد ان کے نزدیک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مسجد تھی۔ اور پتہ تو یہ ہے کہ مومن کے لئے "پناہ گاہ" دنیا میں ہو یا آخرت میں اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا اور کہاں ہے، بہر حال سوال یہی ہے کہ پناہ گزینی کے سوا چھ سال کی اس طویل مدت میں امام نے حجاز میں کیا کیا؟

حجاز میں امام کے مشاغل
 ظاہر ہے جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا۔ امام کے لئے حجاز کے علماء اور محدثین کے حلقوں میں شریک ہونے کا یہ معتنم موقع مل گیا تھا۔ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی کہ امام اس سُنہرے موقع سے نفع نہ اٹھاتے بلکہ امام ابو حنیفہ البکیر البخاری کی طرف اس روایت کا انتساب اگر صحیح ہے

یعنی ایک موقع پر ان کو ضرورت پیش آئی کہ امام ابو حنیفہ کے مشائخ اور اساتذہ کا شمار کیا جائے تو کہا جاتا ہے ۔

قالوا انهم بلغوا اربعة الاف شيخهم مائة

امام کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار تک پہنچتی ہے اور حافظ ابن حجر کی کتاب خیرات الحسان کے حوالہ سے صاحب معجم نے اس پر مزید اضافہ کیا لوگوں کا قول یہ بھی ہے کہ :-

لہ اربعة الاف شيخ من

التابعین فما بالك بخيرهم

(معجم ص ۲۸ جلد ۲)

یہ چار ہزار اساتذہ تو امام ابو حنیفہ کے تابعین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی صحابہ کے دیکھنے والے اور صحابہ کے تلامذہ تھے ۔ پھر سی سے اندازہ کرنا چاہیے کہ تابعین کے علاوہ ان کے اور کتنے استاد ہوں گے ۔

لوگوں نے حروف "ہجاء" کی ترتیب سے امام صاحب کے ان ہزار ہا ہزار اساتذہ کی فہرست بھی دی ہے مطولات میں جس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے ۔

جس کی علمی جستجو اور تشنگی کا یہ حال ہوا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حرین کے اساتذہ سے استفادہ میں اس نے کیا کمی کی ہوگی لیکن ظاہر ہے کہ امام اپنی اس ہجرت کے سفر میں محاذ نہ صرف عالم بلکہ معلم ہونے کے بعد گئے تھے اسی کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف عوام بلکہ حرین کی مرکزی ہستیوں میں امام کا علمی وقار بہت جلد قائم ہو گیا ۔ امام کا جو مقام تھا وہ پہچان لیا گیا انتہا یہ ہے کہ حجاز کے ایسے اساتذہ جن کے استاذ بنائے پر امام کو بھی ناز تھا مثلاً عطاء بن ابی رباح جن کا امام جب نام پیتے تو کہتے کہ :-

ما لقيت افضل من عطاء معجم ص ۳۹

عطاء بن رباح سے بہتر آدمی سے میری ملاقات نہ ہوئی

کبھی یہ بھی فرماتے کہ

سہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کے عہد میں پیدا ہوئے ۔ حضرت عائشہؓ ابو ہریرہؓ ابن عباسؓ وغیرہم صحابہ کرام کے تلامذہ سر فراز ہیں منتی اہل مکہ دیکھیں ان کا خطاب ہے حبشی تھے مگر عربی فصیح بولتے تھے ابن جریرؒ ان کے شاگرد کا بیان ہے کہ بیس سال تک مسجد کا فرش ان کا فرش تھا علم و فضل کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام مثلاً ابن عباسؓ کوئی کمی مستند پوچھتے تو کہتے کہ میرے پاس کیوں آئے ہو کیا تھا میرے ہاں عطاء نہیں ہیں ابی عمر بھی یہی کہتے کہ میرے پاس کیوں آئے ہو کیا عطاء تھا میرے لئے کافی نہیں ؛ کیا تابعین میں ان کا شمار ہے ۔ مستحق ہیں کہ ان کی مستقل سوانح عمری لکھی جائے ۔

ماریت اجمع لجمع العلوم من عطاء سارے علوم (جو اس زمانے میں علوم سمجھے جاتے تھے) بن ابی رباح صنف مرقیہ

ان کی جامعیت جیسی عطار میں ہے پائی گئی نہیں پائی
ان کا بھی حال یہ تھا جیسا کہ ان کے شاگرد حارث بن عبد الرحمن ناقل ہیں کہ
کنا نکون عند عطاء بن ابی رباح

بعضاً خلف بعض فاذا حياء ابو حنیفہ ہم لوگ جب عطاء بن ابی رباح کے پاس بعض بعض کے
اوسع له وادناہ صنف ج ۲ مور پیچھے بیٹھے ہوتے پھر جب ابو حنیفہ آ جاتے تو عطار مجلس
والوں کو پھیل جانے کا حکم دیتے اور ابو حنیفہ کو اپنے قریب
بلا کر بٹھاتے۔

اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ استفادے کے ساتھ حجاز میں بھی لوگوں نے امام کو افادہ کی
مجلس کے قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔ وزیر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ

سمعت یاسین الزیات بمكة وعندہ میں نے کہ منظمہ میں یسین زیات کو دیکھا کہ سامنے ایک
جماعة عظيمة وهو یصیح باعلی صوتہ و یقول بڑی جماعت ہے اور وہ چلا چلا کر کہہ رہے ہیں کہ لوگو!
یا ایہا الناس اختلفوا الی ابی حنیفہ ابو حنیفہ کے پاس آیا جایا کرو یعنی ان کے حلقہ
واقبتموا مجالسة وخذوا من میں جا کر بیٹھو اور ان کے ساتھ بیٹھنے کو غنیمت شمار
علیہ فانکم لم تجالسوا مثله و کرو ان کے علم سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ ایسا آدمی پھر
لن تجدوا علما بالجلال والحرام بیٹھنے کے لئے نہیں ملے گا۔ اور حلال و حرام کے ایسے عالم
منہ فانکم ان فقدتموه فقد تم کو پھر نہ پاؤ گے اگر اس شخص کو تم نے کھو دیا تو علم کی
علما کثیرا مرقیہ صنف بہت بڑی مقدار کو کھو بیٹھو گے۔

اسلام کے اس سب سے بڑے مرکز میں جہاں مشرق و مغرب شمال و جنوب کے
مسلمان جمع ہوتے ہوں ایک ممتاز و مشہور عالم و محدث کی طرف سے اس قسم کے اعلان کا

سہ یسین الزیات الزہری کے تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ پایہ ان کا اتنا بلند نہ تھا، لیکن مشرب
محدثانہ ہی رکھتے تھے ان کا پہلے قول تھا کہ اصحاب الربیع سنت کے دشمن ہیں لیکن امام ابو حنیفہ کی باتیں سن کر اتنے
محمور ہوئے کہ کہنے لگے کہ امام ابو حنیفہ کی رائے تو سنت سے ماخوذ ہے صنف ج ۲ مرقیہ اسی کے بعد امام
کے معتقد ہو کر حرم میں یہ اعلان کرنے لگے ۱۲

جو اثر مرتب ہو سکتا تھا ظاہر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام پر مکہ میں دنیا ٹوٹ پڑی عمار بن محمد کے حوالہ سے امام الموفق نے ان کی یہ روایت نقل کی ہے کہ

كان ابو حنیفۃ جالساً فی المسجد الحرام
وعلیہ رحمہ کثیر من کل الآفاق
قد اجتمعوا علیہ من کل جانب
فیحبہم و یفتیہم مثلاً

ابو حنیفہ حرم کعبہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور
ان پر خلقت کا ہجوم تھا ہر علاقے اور آفاق کے
لوگ جن میں ہوتے تھے سب کو جواب دتے اور
فتوے بتاتے۔

جوں جوں امام کے تحرواحاطہ تفقہ کے تجربہ کا ذکر حجاز میں پھیلتا جاتا تھا، لوگوں کی
توجہ بھی بڑھتی چلی گئی تھی کہ آخر میں نہ صرف عوام بلکہ ابن مبارک نے مکہ معظمہ میں اس تماشے
کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جسے ان الفاظ میں وہ خود بیان کرتے تھے کہ
رأیت اباحنیفۃ جالساً فی المسجد الحرام میں نے حرم کعبہ کی مسجد میں ابو حنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے
و یفتی اهل المشرق والمغرب بیچے ہوئے ہیں اور مشرق و مغرب کے باشندوں کو فتوے دے رہے ہیں
ابن المبارک نے اس کے بعد یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ امام کی اس مجلس میں کس قسم کے
لوگ شریک رہتے تھے۔ آخر میں یہ اضافہ بھی کرتے تھے۔

والناس یومئذ ناس بیچے موفق اور یہ زمانہ تھا جب لوگ لوگ تھے

الموفق نے ابن المبارک کے ان الفاظ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ

یعنی الفقہاء الکبار و خیار الناس حضور بڑے بڑے فقہاء اور چیدہ و برگزیدہ نفوس ابو حنیفہ کی
اس مجلس میں موجود رہتے تھے:

گویا خدا کی طرف کی بات تھی کہ امام ابو حنیفہ جن کے استفادے اور افادے کا دائرہ صرف
کوفہ یا زیادہ سے زیادہ کوفہ کے قرین بصرہ تک محدود تھا اچانک ابن ہبیرہ کے پیدا کئے ہوئے
ایک شرت سے اس خیر سے شمتع ہونے کا موقعہ ان کو مل گیا جو حجاز کے سوا انھیں اور کسی جگہ
میسر نہیں آ سکتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ امام حج کے لئے بکثرت حجاز آتے جاتے رہتے تھے لیکن سالہا
سال تک مستقل قیام کا موقعہ ان کو حجاز میں یقیناً ابن ہبیرہ کے ظلم ہی کی بدولت میسر آیا اسلام
کے مختلف علاقوں کے مسلمانوں کی ضروریات ان کے ہاں کے مقامی خصوصیات کا علم جہاں
میں سمجھتا ہوں ان معلومات سے جو غیر معمولی فائدہ امام کو پہنچا اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس

نے حنفی فقہ کی جامعیت اور احوالیت کو پیش نظر رکھ کر اس کا مطالعہ کیا ہے۔

حجاز میں مختلف علماء سے مکالمہ و مناظرہ

یہی نہیں بلکہ جہاں تک واقعات سے

پتہ چلتا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں مختلف ممالک و اقطار کے اہل علم و اجتہاد کے نقاط نظر اور ان کی حد پرواز کے اندازہ کرنے کا بھی براہ راست موقعہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ہی میں ان کو ملا حجازی فقہاء و ائمہ تو خیر حجازی میں رہتے تھے اور دوسرے ممالک کے علماء و مجتہدین حج کے لئے یہاں آتے تھے۔ قیام کی مدت چونکہ کافی تھی اس لئے اس زمانہ کے اکثر اہل علم سے امام کی ملاقات ہوتی اور جیسا کہ قاعدہ ہے اہل علم کی اہل علم سے ملاقات صرف خشک ملاقات نہیں ہوتی امام کی ملاقاتیں بھی صرف رسمی اور خشک نہیں تھیں کہ معظمہ کے مشہور امام ابن جریر کے متعلق الموفق نے لکھا ہے کہ:-

بینہ و بین ابی حنیفۃ مناظرات مشہورہ ان میں اور ابو حنیفہ میں مناظرے ہوتے رہے

ان مناظرات کا امام کے سوانح نگاروں نے تذکرہ بھی کیا ہے تفصیل کے لئے مطولات کا مطالعہ کیجئے اور جس طرح مکہ کے اس امام بلا مدافع سے امام کے متعدد مناظرے نقل کئے جاتے ہیں اسی طرح امام طحاوی کی سند سے موفیق نے امام مالک کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ ابن وریادی کہتے تھے:-

رُئیت مالکاً و ابی حنیفۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے مالک اور ابو حنیفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مبارک میں دیکھا کہ عشاء کی نماز کے بعد دونوں الاخرۃ و ہما یتذکران و یدارسان باہمی علمی مذاکروں میں اور مباحثوں میں مصروف ہیں۔ اور مذاکرہ و مدارس کا یہ سلسلہ جو عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتا تھا کب تک جاری رہتا تھا ابن الدردادی ہی کا بیان ہے کہ

فلما نزل الکنان حتی صلیا الغلۃ یہ سلسلہ و مناظرے مباحثے کا مسلسل جاری رہتا تھا کہ

لہ ان کا نام عبدالعزیز تھا والد کا نام عبدالملک تھا سوانحی راہداد کردہ غلاموں سے تعلق تھا لکھا ہے کہ وہ رومی تھے یعنی یورپ کے کسی علاقہ کے تھے ہجرت شاید جارج کے لفظ ہی کی کوئی صورت ہے ابن جریر پہلی صدی ہجری کے ان علماء میں ہیں جن کے ہاتھوں نے علم و حدیث وفقہ قراۃ تفسیر کی بنیاد قائم کی۔ ۱۲

صبح کی نماز بھی وہیں پرافا کرتے جہاں پر عشا کی نماز کے بعد
دولوں بیچہ کو بحث و مباحثہ میں مشغول ہوتے ہیں

اسی سے اندازہ کیجئے کہ جب مکہ کے امام ابن حریج اور دارالہجرت کے امام مالک سے
امام کے مناظروں کا یہ حال تھا۔ تو حجاز کے دوسرے علما کے ساتھ امام کے مباحثوں کی
نوعیت کیا ہوگی اس روایت کے راوی اگرچہ واقفی ہیں لیکن تاریخی روایات میں بھی اگر واقفی
بے چارے پر لوگ اعتماد نہ کریں گے تو پھر تاریخ کا کتنا حصہ قابل اعتماد باقی رہے گا۔ بہر حال
واقفی امام مالک کی زبانی یہ فقرہ نقل کیا کرتے تھے، یعنی امام مالک واقفی سے براہ راست
ایک دن امام ابو حنیفہ کے ذکر پر فرمائے گئے۔

وَمَنْ يَكْمُرُ فُقَيْهًا مِنْ فُقَهَائِنَا
حَتَّى يَرُدَّ إِلَى رَأْيِ نَفْسِهِ ثَلَاثَ
مَرَّاتٍ وَقَالَ هَذَا أَيْضًا خَطَأٌ مَرَّةً
میں نے ابو حنیفہ سے اپنے یہاں کے فقہاء یعنی حجازی
فقہاء میں سے ایک فقیہ کو بحث کرتے ہوئے دیکھا کہ تین
دفعہ حجازی فقیہ کو ابو حنیفہ نے اپنی رائے کے ماننے
پر مجبور کیا اور آخر میں تیسری رائے جس کے ماننے پر اس کو مجبور کیا تھا ابو حنیفہ نے ثابت کر دیا کہ یہ بھی درست نہیں ہے
اگر واقفی کی یہ روایت صحیح ہے تو اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ان مناظروں سے امام
ان لوگوں کی حد پر واز کا بھی اندازہ کرنا چاہتے تھے جو مسلمانوں میں شرعی فتویٰ دینے کا کام کر
کرتے تھے۔ امام مالک کی طرف ابو حنیفہ کے متعلق یہ فقرہ جو منسوب کیا گیا ہے کہ مسجد کے اس
ستون کے متعلق ابو حنیفہ اگر دعویٰ کر لیں کہ وہ سونے کا ہے تو اس کو بھی وہ ثابت کر کے رہیں گے
شاید ان ہی مشاہدات نے ان میں اس اعتقاد کو پیدا کیا تھا اور جو خیال حجاز کے علما کا تھا حجاز
کے سوا دوسرے اسلامی ممالک کے علماء سے بھی ہم امام کو علمی مباحث میں مشغول پاتے
ہیں شام کے مشہور امام ثقہ و حدیث امام اوزاعی کے متعلق ابن مبارک کا بیان یہ ہے۔

سہ ماہی مذہب کے مشہور مورخ قاضی عیاض جن کی طبقات مالکیہ میں سب سے پہلی اور بڑی معتبر کتاب
”مذہبک“ ہے اس سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ امام مالک اور ابو حنیفہ میں مناظرے اور مباحثے جو ہوتے تھے تو مصر کے امام
لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ بنی امام مالک کو پسیفہ سے شرابورد دیکھا جب مجلس سے اٹھے میں نے کہا کہ آپ تو
پسینے پسینے ہو رہے ہیں امام مالک نے سن کر کہا کہ انا فقہ یا مصری یعنی امام ابو حنیفہ فقہ آدمی ہے
مصری بلوغ الامانی ص ۱۵۱ سے ان مباحث کی گہرائیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

التقی ابو حنیفۃ والاوزاعی بمکہ مکہ معظمہ میں امام ابو حنیفہ کی ملاقات اوزاعی (شام کے
وکان بینہما اجتماع فرستہ یحیاری امام ہے ہوتی دونوں جب اکٹھے ہوئے تو میں نے دیکھا کہ
ابا حنیفۃ ص ۲ ج ۲ اوزاعی ابو حنیفہ سے بحث و مباحثہ کر رہے ہیں۔

امام اوزاعی اور امام ابو حنیفہ کے بعض باہمی مناظروں کا کتابوں میں لوگوں نے تفصیلی ذکر بھی
کیا ہے ابن مبارک ہی یہ بھی کہتے تھے کہ اوزاعی کا خیال امام کے متعلق پہلے کچھ اچھا نہ تھا لیکن اس
ملاقات کے بعد جب اوزاعی سے میں ملا تو جیتے جیتے کہ

مجھے تو اس شخص کے علم اور عقل پر رشک سا ہوا میں خدا سے اپنی غلط فہمی کی
معافی چاہتا ہوں میں فاش غلطی میں مبتلا تھا بلا وجہ اس شخص کو الزام دیتا تھا
واقعہ یہ ہے جو باتیں ان کی سمجھ تک پہنچائی گئی تھیں میں نے ان کو اس کے
برعکس پایا ص ۲ ج ۱

اسی طرح مصر کے اس زمانہ میں جو امام الامت تھے یعنی لیث بن سعد نے خاص کر کے ان
سے ملنے کے لئے سفر حج کیا لیث کا بیان ہے کہ :-

"میں نے دیکھا کہ لوگ ان کو گھیرے ہوئے ہیں

مختلف سوال و جواب کا سلسلہ جاری تھا لیث کہتے ہیں کہ ایک مشکل سوال اس سلسلہ
میں پیش کیا گیا۔ امام نے اتنی آسانی کے ساتھ بہترین جواب اس کا دیا کہ میں حیران ہو کر رہ گیا
ان کے الفاظ میں :-

واللہ ما اشجبتنی صوابہ کما اشجبتنی سمعے ان کے صحیح جواب پر اتنی حیرت نہیں ہوتی
جتنا تعجب ان کی اردو جوابی پر تعجب ہوا۔

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے امام سے مختلف ابواب مثلاً جنایات قتل خطا شبہ
عمد کے متعلق سوالات کئے۔ اس سلسلہ میں لوگوں نے واقعات کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا ہے میری

سلا اس موقع پر کہتے ہیں کہ امام کی زبان سے وہ مشہور فقرہ نکل گیا تھا جس میں ان کی تربیت پر اعتراض کیا گیا
ہے یعنی قتل عمد کے لئے امام کے نزدیک آٹھ چار حصہ کا ہونا ضروری تھا اسی کو سمجھاتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ جاریہ آراء
کوئی کسی کو اگر اردو لے خواہ "سرماء" یا باقیس "یعنی ابو قیس پہاڑی اٹھا کر کیوں نہ مار دے جب بھی قاتل اور قاتل
عمد نہ ہوگا جو عربی زبان کی ابتدائی واقفیت بھی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بجائے بابا قیس کے باقی آپس پہلے

غرض ان مثالوں کے پیش کرنے سے یہ ہے کہ امام کو دوسرے تجربات کے ساتھ ساتھ حرمین کی اس طویل زندگی میں اس بات کا اندازہ کرنے کا بھی موقع ملا کہ حجاز میں ہو یا حجاز کے باہر شریعت اسلامی پر کام کرنے والے جس طرح کام کر رہے ہیں یہ کام نہ صرف ناکافی ہے بلکہ مختلف وجوہ سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفرت رساں بھی ہے امام کے اقوال لوگوں نے جو جمع کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ میں ان کو بڑی شکایت ان محدثین سے تھی جو اپنا فرض صرف نحن نردی کما سمعنا ہم تو جیسا سنتے ہیں اسی کو روایت کر دیتے ہیں

قرار دیتے تھے یعنی گرد و پیش کے حالات اور یہ کہ ان حدیثوں میں مقدم کون ہے، مؤخر کون ہے، کس وقت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حکم دیا تھا الغرض ناسخ و منسوخ اور اسی قسم کے دوسرے اہم مباحث سے بے تعلق ہو کر بڑے بڑے حلقے قائم کر کے لوگوں کو جو حدیثیں سنایا کرتے تھے امام سے مروی ہے کہ ان کے اس حال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے

فیریح لهم ما اقل اهتمامهم باہم افسوس ہے کہ ان لوگوں پر اپنے انجام کی ان لوگوں عاقبتہم حيث يتصبون لنا میں بہت کم اہمیت پائی جاتی ہے کہ عوام کے سامنے کھڑے فیصلہ ٹو نہم ص ۹۹ ج ۱ امر ہو جاتے ہیں اور بے سوچے سمجھے احادیث بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں

سیراۃ کے عالم ابو جبار جن کا شمار امام کے تلامذہ میں ہے اور ان ہی کے متعلق مشہور ہے کہ امام کی میت کو غسل دیتے ہوئے پانی، بھی ڈال رہے تھے۔ وہی کہا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ عموماً فرماتے کہ

بقیۃ فٹ نوٹ ص ۲۲۱
تھا لیٹ نے اس قصہ کو جب بیان کیا تو امام کے حاسدوں کو موقع مل گیا اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلامی ممالک میں اس کو پھیلا دیا گیا۔ حتیٰ کہ آج تک کتابوں میں لوگ اس کا ذکر کرتے چلے آ رہے ہیں حالانکہ اس قسم کی غلطی جو سبقت لسانی کی غلطی ہوتی ہے بڑے بڑے آدمی سے ہو سکتی ہے۔ امام موفق نے پرچ لکھا ہے کہ اس واقعہ کا تذکرہ اور چرچا خود اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کو اس ایک غلطی کے سوا امام کے کلام میں کوئی غلطی نہیں ملی یقیناً یہ قدح بلکہ ابو حنیفہ کی مدح ہے بعض لوگوں نے اس کی تصحیح کی بھی کوشش کی ہے کہتے ہیں کہ حضرت علی نے بھی دستخط کرتے ہوئے لکھا تھا شہد علی بن ابوطالب ہمارے دوست ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو جو کتبہ خندق کے سلسلہ میں ملا ہے یہ عجیب بات ہے کہ اس میں بھی علی بن ابوطالب ہی لکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ یہ تحریر سیدہ خدیجہ کے قریب قریب کی ہے۔ ۱۲

حدیث کو تفقہ کے بغیر جو حاصل کر رہے ہیں، ان کی مثال اس عطار کی ہے جو صرف دوائیں جمع کرتا ہے، لیکن کس مرض میں کون سی دوا کام آتی ہے، اُس سے ناواقف ہے ص ۹۱۔

ایک صاحب جن کا نام محمد تھا، اور حدیث کے طلب کا ذوق ان پر غالب تھا۔ امام صاحب نے ایک حدیث کا مطلب ان سے پوچھا جسے صحیح طور پر نہ بتا سکے امام نے صحیح مطلب کو بیان کرنے کے بعد ان کو سمجھانا شروع کیا:-

محمد! جو لوگ صرف حدیث کی طلب میں مشغول ہیں، لیکن اس کی تفسیر اور حدیث کا جو مطلب ہے اس کی تلاش سے لاپرواہی اختیار کرتے ہیں تو یقین کرو کہ اپنی کوشش کو وہ ضائع کر رہے ہیں۔

آخر میں تو یہاں تک اپنی رائے کی شہرت کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ

وَصَادَ ذَٰلِكَ الْعِلْمُ وَالْأَعْلٰیہ ص ۹۱ اور یہ علم ان کے لئے وبال جان بن جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ صرف حدیثوں کے جمع کر لینے کو چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ آثار و احادیث کا وہ ذخیرہ جس کا تعلق مسلمانوں کے روزمرہ کے اعمال و افعال عبادات و معاملات سے ہے اس کی حیثیت خصوصاً جس زمانہ میں امام ابو حنیفہ تھے۔ قریب قریب ان اخباری خبروں کی تھی جن کا تعلق اس زمانہ کے کسی اہم حادثہ یا وقت کے کسی خصوصی مسئلہ سے ہوتا ہے تقریباً ہر اخبار میں ان خبروں سے جیسے عموماً لوگ واقف رہتے ہیں کچھ یہی حال حدیث و آثار کے اس ذخیرے کا تھا کہ خواص تو خواص عوام میں دین داروں کا جو طبقہ تھا مشکل ہی کوئی ایسی چیز اس سلسلہ کی ہوگی جس سے وہ واقف نہ ہوتے تھے اس قسم کی باتوں کے بادر کرنے والے یا کرانے والے کہ امام ابو حنیفہ کی رسائی حدیث کے اس عام ذخیرہ تک بھی نہ تھی وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو گرد و پیش کے حالات سے بے تعلق ہو کر چیزوں کو سوچا کرتے ہیں۔ بہر حال یہ ایک دلچسپ مسئلہ ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ تدوین فقہ والی کتاب میں کی جائے گی۔ سر دست مجھے تو یہ کہنا ہے کہ حدیثوں سے زیادہ ان حدیثوں کی تاریخ کو وہ اہمیت دیتے تھے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو قول یا فعل منسوب کیا گیا ہے اس کے متعلق یہ پتہ چلانا چاہیے کہ کس زمانہ میں کس وقت کن لوگوں میں کن حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی تھی

یا اس فعل کو کیا تھا، بتانے والوں نے امام کی جو یہ خاص عادت بتائی ہے کہ:-

کان نشد یل الفحص عن المناہج حدیثوں میں مانع و منوع کی تلاش میں ابو حنیفہ سخت من الحلیٰ یث والممنسوخ صیو ج ۱ سرگرداں رہتے تھے۔

در اصل اس کا یہی مطلب ہے۔ امام کا خیال تھا کہ جن لوگوں نے تاریخی ترتیب سے آٹا روا حدیث کا مطالعہ نہیں کیا ہے وہ اسلامی شریعت کی صحیح ترتیب و تدوین پر کبھی قادر نہیں ہو سکتے۔

مشہور محدث و فقیہ یحییٰ بن آدم نے لوگوں نے جو یہ نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی خصوصیتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی بڑی خصوصیت اسی تاریخی ترتیب کی جستجو وہ قرار دیتے تھے اور کہتے کہ:-

آخری بات جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی امام ابو حنیفہ کی

نظر اسی پر رہتی تھی اور اسی کو وہ اختیار کرتے تھے صیو ج ۱

واقعے پہلے شرعی حکم

ایک اور خیال جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ

حجاز کے تجربات نے اس کو امام میں اور پختہ کر دیا

وہ یہ تھا کہ اس زمانہ تک لوگوں کا عام دستور یہ تھا کہ واقعہ کے واقع ہو جانے اور اس کے متعلق

پوچھنے والوں کے پوچھنے کے بعد یہ سوچا کرتے تھے کہ شریعت کے رو سے اس کا حکم کیا ہے

چاہیے۔ فتویٰ دینے والوں کا بھی یہی حال تھا اور حکومت جن لوگوں کو قصا کے عہدہ پر

مقرر کرتی وہ یہی کیا کرتے کوئی بدون قانون جو قرآن و حدیث آثار صحابہ وغیرہ کو پیش نہ

رکھ کر مرتب کیا گیا ہو۔ لوگوں کے پاس نہیں تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا تھا کہ عین وقت

سوچنے کی وجہ سے اطمینان سے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر کا لوگوں کو موقع نہیں ملتا

تھا بسا اوقات اس کی وجہ سے اچھے اچھوں سے لغزشیں ہو جاتیں مشہور ہے کہ بصرہ کے مشہور

اہم قضا وہ امام ابو حنیفہ کے ابتدائی زمانہ میں کوفہ آئے ان کے علم کی شہرت سن کر اوروں

طرح وہ امام ابو حنیفہ کے پاس بھی آئے باتوں بات میں ایک مسئلہ کا ذکر چھڑا۔ امام ابو حنیفہ نے مسئلہ کی دفعہ

تھا وہ پروا نہ کیا۔ بجائے اس بات کے قتاوہ دشواری کو حل کئے امام سے پوچھنے لگے کہ بھائی!

ایسی صورت کوئی پیش بھی آئی یا یوں ہی ایک فرضی بات پوچھ رہے ہو امام صاحب نے کہا کہ

ابھی پیش تو نہیں آئی ہے یہ سن کر قتاوہ نے کہا کہ

مجھ سے ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو ابھی واقع نہیں ہوئی ہیں۔
 اس موقع پر امام نے اپنے جس خیال کو ظاہر کیا تھا اس سے بھی ان کے فطری رجحان کا اور
 اس بات کا کہ یہ خیال ایک زمانے سے ان کے دماغ میں گردش کر رہا تھا۔ آپ نے قتاوہ سے فرمایا۔
 علم والوں کو چاہیے کہ جن باتوں میں لوگوں کو مبتلا ہونے کا امکان ہے ان کے
 حل کے لئے وہ پہلے سے آمادہ ہو جائیں واقع ہونے سے پہلے ان سے بچنے کی جو
 صورتیں ہیں ان کو سوچ لینا چاہیے اور خدا نخواستہ اگر واقع ہی ہو جائے تو اس
 کوئی ایسی چیز نہ ہونا چاہیے جس سے لوگ پہلے سے واقف نہ ہوں بلکہ معلوم
 ہونا چاہیے کہ ان امور میں کسی کو مبتلا ہی ہونا پڑے تو شرعاً ابتلا کے وقت کیا کرنا
 چاہیے۔ اور مبتلا ہونے کے بعد شریعت نے اس سے خلاصی کی کیا صورت بتائی
 ہے۔ ج ۱ مو

قتاوہ کی وفات چونکہ سالہ یا سالہ میں ہوتی اس لئے ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ امام نے
 ان کے سامنے اپنے اس خیال کو اس زمانہ میں ظاہر کیا تھا جب حاد بن ابی سلیمان کے حلقہ میں وہ
 ابھی طالب علمی ہی کر رہے تھے اور اسی سے ان کے جلی رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ صحیح پوچھئے تو یہی دو باتیں
 یعنی ایک تو احادیث و آثار کی تاریخی جستجو کی اہمیت اور دوسری یہی چیز یعنی اچانک مسئلہ کے پیش
 آجانے کی صورت میں نہیں بلکہ وقوع سے پہلے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سوچنا اور پہلو
 کے لحاظ سے ممکنہ پیش آنے والے واقعات کے متعلق وقوع سے پہلے کتاب و سنت کی روشنی میں
 احکام پیدا کرنے کی کوشش، ان ہی دو باتوں نے نہ صرف اپنے وقت کا بلکہ آئندہ ہر زمانہ کے لئے
 مسلمانوں کا ان کو امام بنا دیا۔ قیس بن ربیع جن کا شمار حفاظ حدیث میں ہے۔ الذہبی نے اپنے
 تذکرۃ الحفاظ میں ان کو بھی جگہ دی ہے امام ابو حنیفہ کے متعلق ان سے جب پوچھا جاتا کہ ان کی
 خصوصیت کیا ہے تو جواب میں یہی کہتے۔

سہ ابن سعد نے تو لکھا ہے کہ لوگ ان کو "قیس الجوان" کہتے تھے لکن تو سماعہ و سلمہ یعنی حدیث و آثار کی تلاش
 و جستجو میں اتنے گھومے اور پھرے تھے کہ لوگوں نے حال و گردش کرنے والا، ان کا نام ہی رکھ دیا تھا۔ الذہبی نے لکھا ہے کہ
 انھوں نے حکومت کی ملازمت کر لی تھی اور مجرموں کو سزا دینے میں حد سے زیادہ سخت تھے۔ انتہائی سختی کی یہ تھی کہ عورتوں کو
 چھاتیوں کے ساتھ لٹکا دیتے تھے اور مجرموں کو بھڑوں سے کوٹاتے تھے ان کے اسی قسم کے غریزہ عمل سے لوگ ان کے شہر کی تھے۔

اعلم الناس بما لم يكن صريحاً ج ۱ جو حوادث ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے ہیں ان کے متعلق احکام کے وہ سب سے بڑے عالم تھے۔

جہاں تک میرا خیال ہے ان دونوں ضرورتوں کا احساس تو امام میں ابتداء ہی سے تھا لیکن حجاز میں مختلف اقالیم اور علاقوں کے اہل علم اور عام مسلمانوں کے ساتھ میل جول نے اس احساس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیز سے تیز تر کر دیا۔

کوفہ کی واپسی اور مجلس وضع قوانین کی تاسیس

اور شاید احساس کی اسی شدت کا نتیجہ تھا کہ نبی اسبیہ کی حکومت کے اختتام کے بعد حضرت امام جب مستقل قیام کے لئے پھر دوبارہ کوفہ واپس لوٹے تو ہم ان کو ایک جدید مشغلے میں مصروف پاتے ہیں، ایسا مشغلہ جس کی نظیر اسلام تو اسلام شاید غیر اسلامی تاریخوں میں کبھی مشکل ہی سے مل سکتی ہے، اور سچ پوچھتے تو اسی چیز نے امام کی زندگی کے پچھلے دور کو جیسا کہ یحییٰ بن سعید القطان کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں پہلے دور سے ممتاز کر دیا۔ پہلے دور میں امام کے کام کی نوعیت قریب قریب وہی تھی جو دوسرے کر رہے تھے لیکن حجازی تجربات کے بعد جس نظام کو کوفہ میں آکر انھوں نے قائم کیا سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ خیال ان کے دماغ میں کہاں سے پیدا ہوا، بجز اس کے اس کو ایک "لاہوٹی الہام" کا نتیجہ سمجھا جائے۔ کم از کم میرے نزدیک تو اس کی کوئی دوسری معقول توجیہ آسان نہیں ہے میرا اشارہ اس مشہور مجلس شوریٰ کی طرف ہے جسے امام نے جہاں تک میرے تتبع و تلاش کا نتیجہ ہے عباسیوں کے دور میں بمقام کوفہ کتاب و سنت کی روشنی میں وضع قوانین کے لئے قائم کیا امام کی اس "مجلس شوریٰ" کا ذکر مجھ سے پیشتر اردو زبان کے مصنفین امام ابو حنیفہ کی سوانح عمولوں میں کر چکے ہیں، تھوڑے بہت حالات جن کی اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے ضرورت ہے میں یہاں بھٹی کروں گا لیکن قبل اس کے کہ اس مجلس کے خصوصیات کا ذکر کیا جائے چند چیزوں کا ذکر اگر پہلے ہی کر دیا جائے تو مناسب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مقصد تو اس مجلس کے قائم کرنے سے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے محدثین جن باتوں کی اشاعت مسلمانوں میں کر رہے تھے ان میں تاریخی ترتیب قائم کر کے مسلمانوں کو عمل کے لئے آخری فیصلہ کی

صورت میں مسئلہ کو متعین کر دیا جائے۔ یہ تو پہلا مقصد تھا اور دوسری بات وہی تھی کہ حوادث و لوازل جو ابھی پیش نہیں آئے ہیں۔ ان کے متعلق عین وقت پر کتاب و سنت سے حکم پیدا کرنے کے بجائے ممکنہ حد تک پہلے ہی سوچ سمجھ کر تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے احکام لگائے جائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ عمومی طور پر اس پہلے سے پر تو نہیں جو امام کی مجلس کے کام کا پیمانہ تھا، لیکن اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک ان دلوں شاخوں پر کچھ نہ کچھ کام کرنے کی ابتداء ہو چکی تھی، اگرچہ زیادہ تر اس کام کو لوگ انفرادی طور پر انجام دے رہے تھے۔ خود امام کے معاصرین سفیان ثوری، امام ابو ذاعی، ربیعۃ الراسی اور ان کے بعد امام ہی کے ہم عصر امام مالک کے خدمات کی ذمیت بھی یہی تھی۔ لیکن جہاں تک تاریخ کی شہادت ہے ان لوگوں کے خدمات کی حقیقت بالکل انفرادی خدمات کی تھی۔

امام کے دل میں پہلی دفعہ یہ خیال آیا کہ انفرادی طور پر اتنے بڑے کام کو کامیابی کے حدود تک صحیح معنوں میں پہنچانا ناممکن ہے صرف یہی نہیں کہ اس کے لئے اجتماعی سعی کی ضرورت انھوں نے محسوس کی بلکہ میں تو یہ پڑھ کر حیران رہ گیا۔ یعنی ایک دفعہ امام ابوحنیفہ سے آکر ایک شخص نے بیان کیا کہ "فلاں مسجد میں حلقہ بنا کر لوگ فقہی مسائل کے متعلق بحث و مباحثہ کر رہے ہیں" کہتے ہیں کہ جواب میں امام نے دریافت فرمایا۔

لہم سراسر اس
کیا ان کا کوئی سر رہی ہے یعنی "صدر مجلس" بھی کوئی ہے
جواب میں کہا گیا کہ نہیں حلقہ کا صدر کوئی نہیں ہے۔ یہ سننے کے ساتھ ہی امام نے فرمایا اور عجب لہجہ میں فرمایا۔ یعنی کہا کہ

لا یقہ ہولا ۱۶ ابل امون ص ۲۹
تو یہ لوگ کبھی فقیہ نہیں بن سکتے

درازا کے لفظ کے زور کا اندازہ کیجئے کہ ایک طرف بجائے "انفراد" کے "اجتماع" کے فوائد اگر امام پر روشن تھے تو اسی کے ساتھ غیر منظم اجتماع کے انجام کا بھی کتنا صحیح علم ان کے سامنے گویا کھڑا ہوا تھا کہ دو لوگ فیصلہ کن الفاظ میں اس کی ناکامی کا آپ نے اعلان کر دیا۔ اجتماعی مساعی اسی وقت بار آور

نظم کے ساتھ سوال کی آزادی

ہوتے ہیں جب ضبط و نظم کے تحت
ان کو انجام دیا جائے۔ امام پر جہاں یہ راز واضح ہو چکا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتے

تھے کہ مجلس کے تمام اراکین کو جب تک کامل آزادی اپنے خیالات کے اظہار میں نہیں دی جائے گی، اجتماع کا جو مقصد ہے وہ پورا نہیں ہو سکتا آزادی کے اس دائرے پر امام نے کتنی وسعت دے رکھی تھی اس کا اندازہ اسی واقعہ سے ہو سکتا ہے جس کو امام کے مختلف سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے۔ المجر جانی کہتے ہیں کہ میں امام کی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک لڑکا جو اسی حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا امام سے اس نے کوئی سوال کیا تھا جس کا امام صاحب نے جواب دیا لیکن جوان کو میں نے دیکھا کہ جواب کو سننے کے ساتھ ہی بے تحاشا وہ امام کو مخاطب کر کے اخطات (آپ نے غلطی کی، کہہ رہا ہے جرجانی کہتے ہیں کہ جوان کے اس طرز گفتگو کو دیکھا میں تو حیران ہو گیا اور حلقہ والوں کی طرف خطاب کر کے میں نے کہا کہ "بڑے تعجب کی بات ہے کہ استاد شیخ کے احترام کا تم لوگ بالکل لحاظ نہیں کرتے"

جرجانی ابھی اپنی اس نصیحت کو پوری کرنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ سن رہے تھے امام ابو حنیفہ فرما رہے ہیں۔

دعہم فانی قد عودتہم خلک من تم ان لوگوں کو چھوڑ دو، میں نے خود ہی اس طرز فحشی ص ۱۴۷ معجم کلام کا ان کو عادی بنایا ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ اس آزادی کا مقصد اور ارادہ امام نے اپنی مجلس کے اراکین کے لئے بالکل مذہ کو عادی بنا رکھا تھا اور یہ جان کر بنا رکھا تھا کہ جو مقصد ہے اس آزادی کے بغیر وہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

بہر حال جیسا کہ معلوم ہے کہ امام نے شریعت اسلامی کو باضابطہ قانون کے قالب میں ڈھالنے کے لئے وضع قوانین کے لئے ایک منظم مجلس شوریٰ قائم کی تھی جس کے اس (صدر) خود تھے۔ اس مجلس کے تفصیلات جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں مجھ سے پیشتر مختلف مصنفین زبان میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی لئے بحجز چند اجمالی اشاروں کے اس مجلس کے متعلق میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا اس سلسلہ میں ضرورت ہو تو مولانا شبلی نعمانی کی سیرۃ النعمان اور پچھلے دور میرے برادر عزیز ڈاکٹر حمید اللہ نے جو مقالہ اسی عنوان پر لکھا ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے کتاب تہذیب فقہ جو زیر ترتیب ہے اگر اس کی تکمیل کا جیسا کہ ارادہ ہے موقعہ میرا آج اس میں اس مجلس کی پوری تفصیل اور اس کے سارے خط و خال نمایاں کئے جائیں گے۔

والا ہر بید کہ سمجھا نہ تعالیٰ

بہر حال میرا خیال ہے کہ اس مجلس کی تاسیس امام نے ہجرت حجاز سے واپسی کے بعد اس زمانہ میں فرمائی جب عباسیوں کی حکومت کا دور شروع ہو چکا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ ایک سلسلہ امام کے درس و تدریس کا تو وہ تھا جو حماد بن ابی سلیمان اپنے استاد کی جانشینی کے ساتھ ہی انھوں نے شروع کر دیا تھا۔ واؤد طائی جن لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے کہ

ہی الطبقة العليا۔ یہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقہ علیا کی تعلیم کا طریقہ وہی تھا جو ان کے استاد حماد کا یا ان کے معاصرین کا تھا۔ لیکن امام کے سوانح نگاروں نے یہ کہتے ہوئے کہ

فوضع ابو حنیفہ من ہبہ شوری بنیہم
لم یستبد فیہ بنفسہ دولہم ہو فیہ
پھر امام نے اپنے مذہب کو شوری (باہمی مشورہ) پر مبنی کر دیا
یعنی مجلس شوری کے اراکین سے الگ ہو کر فقہ کی تدوین کو خود اپنی
انفرادی ذات کے ساتھ وابستہ نہیں کیا۔

اور جس کے متعلق طریقہ بحث کی تفصیل کو بیان کرتے ہوئے ان لوگوں نے لکھا ہے

کان یلقی مسئلۃ مسئلۃ یقلبہم و
یسبح ما عندہم ویقول ما عندہ و
یناظرہم شہراً او اکثر من ذلک حتی
یستقر احد الاقوال فیہا ص ۲
ایک ایک مسئلہ کو پیش کرتے اور لوگوں کے خیالات کو الٹے پلٹے
جو کچھ مجلس کے اراکین کے پاس معلومات ہوتے انھیں سنتے اور جو
علم امام کا ہوتا اسے ظاہر کرتے اور مجلس والوں سے مناظرہ کرتے
یہ مناظرہ کسی ایک سلسلہ پر، مہینہ مہینہ بھر یا اس سے بھی زیادہ
زمانہ تک جاری رہتا تا ایکن مسئلہ کا کوئی پہلو متعین ہو جاتا۔

اور جس مجلس شوری کے اعضاء و ارکان کے متعلق وکیع بن الجراح لوگوں سے یہ کہا کرتے تھے

کیف یقلد ابو حنیفہ ان یخطی و معہ
مثل ابی یوسف و زفر و محمد بن قیس و
واجتہادہم و مثل یحییٰ بن ابی زائد و
وخص بن غیاث و حبان و مندل ابنا
عنی فی حفظہم للحديث و معرفتہم بہ
والقاسم بن معن یعنی ابن عبد الرحمن
امام ابو حنیفہ کے کام میں غلطی کیسے باقی رہ سکتی ہے جب واقعہ
یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر، محمد جیسے لوگ قیاس و
اجتہاد میں رمد دینے والے موجود تھے اور حدیث کے باب
میں یحییٰ بن زکریا، بن ابی زائد، خص بن غیاث، حبان، مندل
علی کے بیٹے، جیسے بہترین حدیث ان کی مجلس میں شریک تھے
اور لغت و عربیت کے ماہرین میں قاسم بن معن یعنی عبد الرحمن

بن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی معرفتہ باللغۃ والعربیۃ و
 داد بن نصیر الطائی و فضیل بن عیاض
 فی ذہل ہما و ہر عہد جامع للسانہ
 اور ان ناموں کو گناہ کے بعد وکیح کہتے
 بن عبد اللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے
 حضرات شریک تھے اور داؤد بن نصیر طائی
 فضیل بن عیاض جیسے لوگ تھوڑی دہلیاڑت
 وزمہ اور پرمیز گاری رکھنے والے موجود تھے۔

من کان اصحابہ ہولاء و جلسائہ
 لم یکن لیخطی لہ ان اخطاء
 کردہ الی الحق۔
 جس کے رفقاء اور ہم نشین اس قسم کے لوگ ہوں وہ غلط
 نہیں کر سکتا، کیونکہ غلطی کی سورت میں صحیح امر کی طرف
 لوگ یقیناً واپس کر دیتے۔

کہتے ہیں کہ وکیح نے یہ فرمانے کے بعد امام ابو حنیفہ کے مدوئے قوانین پر اعتراض کرنے
 والوں کے متعلق یہ فیصلہ بھی صادر کیا تھا۔
 والذی یقول مثل ہذا کالانعام بل
 ہما ضل صلیح
 ان کی طرف اس قسم کی باتیں منسوب کرنے والے
 (یعنی فقہ ابی حنیفہ بے بنیاد ہے، ہالہ میں یا ان
 سے بھی زیادہ گم کردہ راہ میں۔)

وضع قوانین کی اسی مجلس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ اس کام کو حجاز سے واپسی کے
 امام نے شروع کیا کیونکہ عموماً اس مجلس کے اعضاء زیادہ تر وہی حضرات ہیں جن کی شرکت
 امکان خصوصاً اس حیثیت سے جن کا ذکر ان لوگوں نے کیا ہے اسی زمانہ میں ممکن ہے جب امام
 نے حجاز سے واپس آکر دوبارہ کوفہ میں سب سے وضع قوانین کا کام شروع کیا۔ وضع قوانین
 کی اس مجلس کے خصوصیات کا امام کے سوانح نگاروں نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ عبد اللہ بن
 نمیر کے حوالہ سے موقوف ہونے لکھا ہے کہ:-

امام جب بیٹھے تو اسی کے ارد گرد اصحاب بیٹھ جاتے جن میں قاسم بن معن
 عافیہ بن یزید داؤد طائی زفر بن ہذیل اور اسی قسم کے لوگ ہوتے۔
 اس کے بعد کسی مسئلہ کا ذکر چھیڑا جاتا پہلے امام کے تلامذہ اپنے اپنے
 معلومات کے لحاظ سے بحث کرتے اور خوب بحث کرتے یہاں تک کہ
 ان کی آواز بلند ہو جاتی۔ جب باتیں بہت بڑھ جاتیں تب آخر میں امام
 اپنی تقریر شروع کرتے امام کی تقریر جس وقت شروع ہوتی لوگ خاموش

ہو جاتے اور جب تک امام تقریر فرماتے رہتے۔ کوئی کچھ نہیں بولتا تھا۔^۲
اسی قسم کی رپورٹ ابو سلیمان جوڑ جاتی ہے بھی منقول ہے وہ کہتے تھے کہ:-
”جب ابو حنیفہ اپنی تقریر شروع کرتے تو سب چپ ہو جاتے ایسا معلوم
ہوتا کہ گویا کوئی اس مجلس میں موجود ہی نہیں ہے حالانکہ اس مجلس میں
رقوت رہے بڑے بڑے گھاگ حاضر رہتے۔“

امام محمد بن حسن الشیبانی امام کی اس مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے
ابو حنیفہ کی عادت تھی کہ وہ اپنے تلامذہ سے مناظرہ کرتے تلامذہ کبھی تو
امام کی بات مان لیتے اور کبھی امام کے دلائل کے مقابلہ میں اپنے دلیلیں پیش
کرتے منہ بوجہ ۱

گذر چکا کہ اعتراض کرنے کی یہ آزادی امام ابو حنیفہ نے خود ان لوگوں کو عطا کی تھی۔ خود
ہی فرماتے کہ میں نے ہی ان کو اس کا عادی بنادیا ہے۔

علی بن مستہر جو امام کی اسی مجلس وضع قوانین کے ممتاز منبروں میں ہیں۔ ان ہی کا
بیان ہے۔

امام کی مجلس میں چند حدیثوں کے متعلق بحث ہو رہی تھی کہ ان کے اسناد کیا ہیں
مستقر کا بیان ہے کہ اتفاق ہے ان کے اسناد مجھے معلوم تھے میں نے عرض کیا۔
امام اس سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔

احسنیت یافتی بجلہ مشرق ج ۲ شاباش بجلہ کے جو ان کے تلبیہ کا نام تھا
خلاصہ یہ ہے کہ ہر رکن کو جیسے آزادی کے ساتھ رائے دینے کا اختیار تھا اسی طرح ہر شخص
کی اس کوشش کے مطابق حوصلہ افزائی بھی کی جاتی تھی اور خواہ اسے حوصلہ افزائی خیال کیجئے
یا امام کی اس احتیاط و انصاف کا نتیجہ قرار دیجئے کہ اسی حلقہ کے ایک رکن جن کا نام عافیہ بن یزید
تھا اور بعد کو مشاہیر قضاۃ میں شمار ہوئے ان کے تذکرے میں بالاتفاق لوگوں نے یہ لکھا
ہے کہ وضع قانون کی اس مجلس سے اتفاقاً کسی دن قاضی عافیہ اگر غائب ہوتے تو گو مسئلہ پر
بحث جاری رہتی تھی اور مجلس کسی نتیجہ پر پہنچ بھی جاتی۔ لیکن امام ارشاد فرماتے کہ ابھی یادداشت
کی کتاب میں اس فیصلہ کو درج نہ کیا جائے جب تک عافیہ کی نظر سے گزر نہ جائے۔ مورخین
نے لکھا ہے کہ

ماذا حضرات عافیہ و وافقہم قل
 اثبتوها و ابرہم فیہ ص ۲۳۷ ج ۱
 جب عافیہ حاضر ہو جاتے اور عافیہ سے اتفاق کر لیتے تب
 امام صاحب فرماتے کہ مسئلہ کو یادداشت کی کتاب میں
 اب درج کر لو۔

مذکورہ بالا اجہالی خصوصیتوں ہی سے اندازہ کیجئے کہ ان حالات میں جو نتائج
 بھی اس مجلس میں منتقع ہوتے ہوں گے ان کی کیا اہمیت ہوگی ابن مبارک
 کے حوالہ سے موفق نے نقل کیا ہے کہ خود ان کے سامنے کی بات ہے
 کہ مسئلہ پیش آیا اور

فیضا ضوا فیما ثلثہ ایام ص ۵۴
 تین دن تک ارکان مجلس اس میں غور و خوض
 کرتے رہے۔

بحث و مباحثہ کے اس طریقہ سے قوانین کی تدوین اگرچہ اس
 زمانہ کی ایک عام بات ہے۔ لیکن اس عہد کے حساب سے سوچنا چاہیے
 جب امام نے وضع قوانین کی یہ نئی راہ نکالی تھی، کونہ کے مشہور محدث اعمش
 نے امام کی اس مجلس اور اس کے خصوصی طریقہ کار کو بیان کرتے ہوئے کئے
 اچھے الفاظ میں تصویر کشی ہے۔

اذا وقعت لہم مسئلۃ یدبروا نہا
 حتی یضیو نہا ص ۵۴
 جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ آتا تو باہم یہ لوگ اس
 کو گردش دیتے ہیں اور یوں گردش دیتے ہوئے بالآخر اس کو
 روشن کر لیتے ہیں۔

جہاں تک میرا خیال ہے حجاز سے واپسی کے بعد امام کی زندگی کے آخری سالوں تک وضع
 قوانین کا یہ کام جاری رہا ہے گو اس عرصے میں جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا امام کو مختلف حوادث سے گزرنا
 پڑا۔ لیکن یہ کسی روایت سے نہیں معلوم ہوتا کہ امام نے اس کام کو کسی زمانہ میں بند کر دیا ہو بلکہ محدث
 جلیل عبداللہ بن المبارک کے حوالہ سے یہ الفاظ موفق نے جو نقل کئے ہیں کہ

کتبت کتب ابی حنیفہ غیر صرۃ کلان
 یقع فیہا زیادت فاکتبھا ص ۲۶ ج ۲
 میں نے ابوحنیفہ کی کتابیں ایک سے زیادہ دفعہ نقل کی ہیں
 ان کتابوں میں اضافے ہو جاتے تھے تو ان کو بھی لکھ لیا کرتا تھا

ان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس کے مرتبہ قوانین کی کتاب کو لکھوا کر کام نہیں بند
 کروایا گیا تھا بلکہ اس پر اضافے بھی ہوتے رہتے تھے اور اضافہ کا یہ کام برابر جاری رہا، امام کی وفات

کے بعد بھی لکھا ہے کہ عبداللہ بن المبارک امام کے حلقہ کے مشہور رکن زفر سے عاریتہ ان کی کتابیں لے کر نقل کیا کرتے تھے عطیہ بن اسباط جو ابن المبارک کے بہنوئی تھے یہ ان ہی کا بیان ہے وہ کہا کرتے تھے کہ کتبہا مراراً یعنی متعدد مرتبہ نقلیں ابن مبارک نے کی تھیں اور یہ تو یہ ہے کہ امام کی اس مجلس میں جتنے قانونی دفعت مرتب ہوئے تھے ان کی تعداد کے متعلق پانچ لاکھ والی روایت مان بھی لی جائے کہ مبالغہ ہو اور صحیح وہی ہو جو خوارزمی سے منقول ہے کہ

وضع ثلاثۃ آلاف و ثمانین الف (۸۲) ہزار سیکڑے اس مجلس میں طے کئے گئے

مسئلہ - مناقب قاری ص ۱۷

تو اس کے لئے بھی پندرہ سے بیس سال کی مدت اسی وقت کافی ہو سکتی ہے جب امام اور ان کے تلامذہ کی غیر معمولی صلاحیتوں کو ان میں دخیل پایا جائے بے چارے عوام جو "فقہ" کے متعلق سمجھتے ہیں کہ اس میں کچھ نماز روزہ حج زکوٰۃ جیسے ابواب ہی کے صرف مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ اس کام کی صحیح نوعیت کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ ان کو کیا معلوم کہ آج دنیا کے بڑے بڑے مستقل فنون - مثلاً معاشیات و سیاسیات و منزلیات وغیرہ ان سارے علوم کو فقہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور ان علوم کے متعلق جو قوانین مدون کئے گئے ہیں یہی نہیں کہ ان کی بنیاد صرف کتاب و سنت اجماع و قیاس و استحسان ہی پر مبنی ہے بلکہ قانون سازی کے اس مرحلے میں لغت نحو صرف حساب وغیرہ علوم سے بھی کافی مدد لی گئی ہے

موفق نے بالکل سچ لکھا ہے کہ امام کے مدونہ قوانین کا مجموعہ

مشملة علی و قالن النخود الحساب وہ مشتمل ہے نحو اور حساب کے ایسے دقیق مسائل پر جن کے

ماتبع فی استخراجها الی اهل سمجھنے کے لئے مرہیت یعنی ادب عربی اور اس کے متعلق

العلم بالعربیة و اهل العلم فنون اور جبر و مقابلہ کے ماہرین کی ضرورت

بالجہد والمناہیۃ ص ۱۳۸

سہ موفق ج ۲ ص ۱۳۸ پانچ لاکھ کا مطلب ممکن ہے کہ یہ ہو کہ امام کے کلیات سے پانچ لاکھ مسائل بعد کو لوگوں نے پیدا کئے

چونکہ بنیاد ان کی امام ہی کے کلیات پر قائم تھی اس لئے ان کو بھی منسوب کر لئے والوں نے امام کی طرف منسوب کر دیا۔

۱۳۸ قرآن کی قطعی تفسیر کے مصنف امام ابو بکر حصص نے شرح جامع صغیر کی شرح میں لکھا ہے کہ میں نے مدینۃ السلام

ابنعلہ میں ایک بہت بڑے بخوی کو اس کتاب کے بعض مسائل سنائے بخوی کا نام حسن بن عبدالغفار تھا جس نے

لکھا ہے کہ جیسے جیسے وہ مسائل سنتے جاتے تھے حیرت سے میری طرف دیکھتے آخر میں بولے ان نتائج کو دی پیدا

کر سکتا ہے جو علم نحو میں خلیل و سیبویہ کا ہم رتبہ ہو ۱۴

اور ایک عربیت یا جبر و مقادیر ہی کیا واقعہ یہ ہے کہ فقہ کہتے یا قالون اور وہ بھی مسلمانوں کا یہ فقہی قانون اس کے مرتب کرنے والوں کو تو اور بیسیوں ہی طرح کے معلومات کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت امام کی مجلس کے مرتبہ قوانین کی دفعات کی تعداد

خوارزمی نے امام ابو حنیفہ کی مجلس کے مرتبہ قوانین کے دفعات کی جو گزشتہ بالا تعداد بتائی ہے ان ہی کا بیان ہے کہ

ان (۸۳) ہزار دفعات میں صرف (۴) ہزار مسائل کا تعلق عبادات (یعنی خالص دینیات) سے ہے اور باقی (۷۹) ہزار دفعات کا براہ راست معاملات یعنی انسان کے دنیاوی کاروبار کے متعلقہ آئین و دستور سے تعلق ہے ص ۴۷ قاری

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے معاملات کے اس لفظ کے نیچے وہ سارے معاملات درج ہیں جن کا آدمی کے انفرادی، عائلی، قومی، عام انسانی مسائل سے تعلق ہے درحقیقت اس سلسلہ میں فقہ کا ہر باب صرف مستقل کتاب ہی نہیں بلکہ مستقل فن ہونے کی حیثیت رکھتا ہے وہی

اسے قاضی ابو یوسف کے تذکرے میں ایک لطیفہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ خنفسار درسیاہ کیڑا جو راتوں کو روشنی پر گرتا ہے، لکھا ہے کہ بارون رشید کے دربار میں جو فرش بچھا ہوا تھا اس پر رینگ رہا تھا غالباً بارون کا حکم تھا کہ فرش پر کیڑے کوٹے اگر دیکھے جائیں گے تو فراشوں کو سخت سزا ملے گی بارون کی کیڑے پر جو نظر پڑی تو آپ نے سے باہر ہو گیا فراش غریب بدترین عتاب میں مبتلا ہوا قاضی ابو یوسف موجود تھے انہوں نے عرض کیا کہ امیر المومنین اس قسم کے کیڑوں کی عادت ہے کہ لاکھ ان کو دوڑ کیا جائے پھر پلٹ کر آ جاتے ہیں کہا کہ آپ خود تجربہ کیجئے تجربہ کیا گیا بات صحیح ثابت ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ فراش نے صفائی میں کمی نہیں کی تھی اس کیڑے کی عادت ہی یہ ہے کہ پلٹ پلٹ کر آتا ہے۔ بارون کا غصہ دھیا ہوا اور قاضی صاحب کا بہت مسنون ہوا کہ اس فراش کو اس کے غصے کی آگ میں جلنے سے انہوں نے روک لیا ان ہی باتوں کی بنیاد پر لوگوں نے لکھا ہے کہ نقباء کو اس قسم کے عام معلومات کی بھی ضرورت ہوتی ہے مثلاً یہ علم جو انما ہے کا مستند ہے بسا اوقات قالون ان ہی معلومات کو پیش نظر رکھ کر بنایا جاتا ہے۔

جب مسلمانوں کے صد ہا سال کی ان محنتوں کی جانچ پڑتال چھان بین کرنے کی توانائی زندگی کے بے شمار مشکلات کو پائے گی کہ پہلے ہی سے ان کا حل ان میں موجود ہے۔

خیر امام کے وضع قوانین اور اس کی مجلس کے اس مقصد کو تو سر دست نہیں چھوڑتے یہ بات کہ اپنے اس کام کے سامنے امام کا نصب العین کیا تھا؟ کن محرکات نے ان کو اس مہم کی سرانجامی پر آمادہ کیا تھا؟ اب میں اس پر بحث کرنا چاہتا ہوں اگرچہ ضمنی کچھ اشارے ان کی طرف مختلف حیثیتوں سے مختلف مقامات میں کرتا چلا آ رہا ہوں۔ لیکن بنجائے اشاروں کے وقت آگیا ہے کہ جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اسے اب کھل کر کہوں۔

اس کے تو شاید کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ سب سے بڑا مقصد جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا اور امام جیسی ہستیوں سے اس کے سوا اور کسی بات کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی کہ سب سے بڑا مقصد ان کا اپنے مالک کی خوشنودی تھی ان کے شاگردوں سے سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے کہ

امام کا دستور تھا کہ مجلس میں جس وقت بحث و مباحثہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا تو ہر بار بیچ بیچ میں ان کی زبان پر قرآنی آیت فبشر عباد الذین یسمعون القول یتبعون احسنہ پس بشارت سنا دو میرے ان بندوں کو جو بات کو سنتے ہیں اور سب سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، جاری ہو جاتی تھی ص ۳۳ قاری وغیرہ

در اصل یہی احسن القول یعنی تمام پہلوؤں میں سب سے بہتر پہلو قرآن و حدیث کی عبارتوں کا جو کل سکتا ہو اسی پہلو کی جستجو اور تلاش یہی ان کی اصل خدمت کا سب سے بڑا نصب العین تھا اور یہی مطلب ہے ان کے اس مشہور قول کا جو اپنے اجتہادی مسائل کے لئے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

هو احسن ما قل ونا علیه شك قاری سب سے بہتر پہلو جہاں تک پہنچنا میرے بس میں تھا وہ یہی ہے امام کی اس مجلس کے اختتام کا یہ دستور جو نقل کیا جاتا ہے کہ ہر مجلس کے ختم ہوتا مذہ کو خطاب کر کے ان کا قاعدہ تھا کہ ان الفاظ کے ساتھ رخصت فرماتے۔

خدا تم لوگوں کی باہمی اخوت اور برادری کو ایمان کے رشتہ سے مضبوط فرمائے اور تمھاری باہمی محبت و اُلفت میں اپنی رحمت شریک فرمائے اور تمھارے

دلوں کو علم اور قرآن سے صحت مندی عطا فرمائے " موقوف ص ۵۴ ج ۱

اس سے بھی ان کے نقطہ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ بلکہ عبداللہ بن المبارک نے اسی مجلس کا یہ عجیب دستور بھی جو بیان کیا ہے یعنی جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بحث و مخبریں کے بعد آخری فیصلہ کی صورت اختیار کرتا تو وہ فرماتے ہیں کہ

کہروا جميعاً قالوا الله اکبر ص ۵۵ ج ۲ سب لوگ تکبیر بلند کرتے یعنی اللہ اکبر کہتے

گویا موجودہ زمانے کے مجالس کا جو دستور ہے کہ پسندیدگی اور اطمینان کا اظہار تصفیق (چیر) کی تالیوں سے کیا جاتا ہے امام کی مجلس جس کا کاروبار للہیت پر مبنی تھا اس میں جیسے چیز کے تکبیر کا رواج تھا۔

بہر حال جیسا کہ میں نے کہا یہ مسئلہ تو شاید قابل بحث بھی نہیں ہو سکتا بھلا جو علانیہ اپنے تلامذہ کو کہتا ہو۔

ان لم تربوا هذا العلم بخير اگر علم سے آخرت کی بھلائی تمہارے سامنے نہیں ہے تو تمہیں تو فقیہ نہیں بننی جائے گی۔

بعض لوگ جنہیں ان کے کام کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہ تھا کبھی ان پر معترض ہوتے تو اس وقت فرماتے۔

بھائی اس سے بڑی نیکی اور کیا ہوگی کہ حلال و حرام کا فیصلہ کیا جائے
مذہب کی طرف کوئی غلط بات منسوب کر لے والے نہ منسوب کر دیں اور خدا
کی مخلوق لا علمی کی وجہ سے خدا کی نافرمانیوں میں نہ مبتلا ہو جائے۔ اس کا
تذکرہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ص ۹۳

امام کے نصری شاگرد خالد سہتی کہا کرتے تھے کہ بکثرت امام کی زبان مبارک پر بے ساختہ
عموماً یہ شعر جاری رہتا تھا جس کا حاصل یہ ہے۔

لہذا اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پچھلے چند دنوں سے تصفیق کی جگہ ایسے مواقع پر تکبیر کے نعرے کا جو
طریقہ مسلمانوں کے عوام نے اختیار کیا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ قدیم دستور ہے جس کا رواج جاتا رہا تھا
اور پھر کسی طرح وہ زندہ ہو گیا ہے ۱۲

لہذا اصل عربی شعر یہ ہے۔ کفی حسنان ان لا حیاة ہینة ولا عمل یرضی بہ اللہ صار

عَمَّ وَالْم کے لئے یہ دو باتیں کافی ہیں۔ ایک تو یہ کہ زندگی آدمی کی ناخوش گوار گزرے اور دوسرے یہ کہ انسان ایسے عمل میں مشغول ہو جس سے خوشنودی حق مطلب نہ ہو۔ ”صیغہ موقف“

لیکن سوال یہ ہے کہ علاوہ اس علمی کام کے کوئی دوسری غرض بھی امام صاحب کے اس قانونی کاروبار کے پیچھے کیا پوشیدہ تھی؟ میں واقعات پیش کرتا ہوں نتائج خود بخود آپ کے سامنے آجائیں گے۔

لیکن واقعات کے پیش کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہونا ہے کہ عباسی حکومت کے قائم ہو جانے کے بعد حجاز سے امام رحمۃ اللہ علیہ جب کوئٹہ واپس ہوئے اور وضع قوانین کی مجلس کے اس کاروبار کو آپ نے شروع کر دیا ان ہی دنوں میں اچانک ایک بڑی سیاسی آزمائش میں جو ان کو مبتلا ہونا پڑا تھا اس کا ذکر کر لوں۔

یعنی وہی ابراہیم بن میمون بن الصائغ المرزوری
ابراہیم بن میمون اور امام
کا واقعہ جس کا مختلف مقامات میں اب تک اجمالاً تذکرہ کیا گیا ہے وعدہ کرتا چلا آیا ہوں کہ تفصیلاً آئندہ اس واقعہ کو بیان کروں گا۔ قصہ یہ ہے کہ مروانیوں نے تو زید شہید اور ان کے صاحبزادے یحییٰ وغیرہ کے ساتھ ناعاقبت اندیشانہ اعمال کا ارتکاب کر کے اپنی قبر آپ کھود لی تھی۔ ضرورت صرف کسی ایسے بے جگر آدمی کی تھی جو ذرا ہمت کر کے انھیں ان کی بنائی ہوئی قبروں میں ڈھکیل دے جیسا کہ معلوم ہے عباسیوں کے واعیہ ابو مسلم خراسانی نے اس کام کو انجام دیا یہ ایک عجیب و غریب طلسمی شخصیت عباسیوں کو خوش قسمتی سے مل گئی اور بٹی امیہ کی حکومت کی بچھیز و تکفین بلکہ تدفین کے کام کو اسی نے پورا کیا ہے۔

سہ نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ غالباً دنیا کی سیاسی تاریخ میں ابو مسلم کا وجود خاص اہمیت کا مالک ہے۔ ہامون الرشید کے دربار میں ونبہائے چند جلیل القدری قہوں کا ذکر آیا تو لکھا ہے کہ خود ہامون نے ابو مسلم کا نام بھی پیش کیا تھا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس کی پرزور رستی کیا تھی اگرچہ بعد کو اس کے متعلق بڑے بڑے افسانے تراشے گئے کبھی عذری النسل قرار دیا گیا اور کبھی عجمی النسل قرار دینے والوں نے اس کے نسب نامے کو مشہور ایرانی دانشور حکیم نیر چہر سے ملا دیا تھا تاہم جہاں تک واقعات کا تعلق ہے وہ عجمی النسل ہی تھا اس کا باپ برہیل مرزوری

کے قریب قریب ماخون کارہنے والا مویشیوں کی پھیری کا کام کرتا تھا اسی سلسلہ میں کوفہ بھی کبھی کبھی آیا آخر زمانے میں رستاق (تعلقہ) فریدین جو عراق کا تعلقہ تھا اس کے گاؤں سنجد میں زمین لے کر کاشت کاری شروع کر دی لیکن مال گزاری حکومت کی اس پر باقی رہ گئی ادا کرنے کی استطاعت نہ تھی و شکہ نامی جو اس کی عورت تھی اس کو لے کر آذربائیجان کی طرف بھاگ گیا عورت حاملہ تھی۔ ابو مسلم اپنے باپ کے مرنے کے بعد پیدا ہوا بعض فارغ النبال اسلامی خاندانوں میں اس کو پناہ دی گئی جہاں اچھی تعلیم و تربیت کا اس کو موقع ملا وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کا غیر معمولی خطیب تھا رنگ گورا آنکھیں بڑی بڑی چوڑی پیشانی گھٹا ہوا بدن دیکھ کر اس کی شخصیت ہی سے لوگ متاثر ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ابتدائی جوانی ہی سے اس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات موج زن رہتے تھے ان ہی دنوں میں بعضوں نے دیکھا کہ رات رات بھر ٹھٹھاتا رہتا ہے نیند نہیں آتی پوچھا گیا کہ کیا حال ہے۔ اُس نے کہا کہ کیا پوچھتے ہو میرا دماغ ہر وقت شدید تک و دو میں مبتلا رہتا ہے۔ حد سے زیادہ میرا ذہن صاف ہے جیسے تھک ہو کر اپنے پہنچ جاتا ہے۔ ارادے میں حد سے زیادہ بلندی پیدا ہو گئی ہے جو میں گھٹنے ہی خبط دماغ پر مسلط رہتا ہے کہ کوئی بڑا کام مجھے کرنا چاہیے۔ لیکن سادہ زندگی کے ساتھ ہی خیال مجھے بے چین رکھتا ہے جانتا ہوں کہ صرف بیداری سے دل کی بے چینی کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن آخر کروں کیا؟ کہا گیا کہ تو جو جی میں تیرے آ رہا ہے اُسے کر گزر۔ بولا سلطنت کے حصول کے بغیر مجھے تسلی نہیں مل سکتی کہا گیا کہ تو اسی راہ میں کوشش کر۔ بولا ہائے ہائے یہ تو مشکل ہے یہ میری بد بخت عقل مجھے آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ خطرات میں گھسے بغیر حکومت مل نہیں سکتی اور عقل خطرے میں اپنے آپ کو ڈالنے سے مانع ہے۔ لوگوں نے کہا کہ بھائی تو پھر یوں ہی گھٹ گھٹ کر تو مر جائے گا۔ تب اس نے کہا کہ میں اس کی تیاری کر رہا ہوں کہ اپنی عقل کے کچھ حصہ کو جہل و ناعاقبت اندیشی سے بدل دوں اور جس نصب العین کی تکمیل جہالت اور مصلحت سوزی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس کو میں اسی جہل سے حاصل کر کے رہوں گا۔ اس کے بعد پھر عقل سے ان چیزوں کو سلجھاؤں جو عقلی تدبیروں کے بغیر سلجھ نہیں سکتیں۔ آخر میں اُس نے کہا کہ میں ایک ایسی زندگی گزارنا چاہتا ہوں جو موت نہ معلوم ہو گم نامی اور نیستی ایک ہی چیز ہے اور عالم کا باپ دی ہے جس نے شہرت حاصل کی (نویسری) ابو مسلم اس کے بعد تیار ہوا اور عباسی جو بنی امیہ کے زوال سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھے۔ ان سے ملتا ہے عباسیوں نے تو سمجھا کہ وہ ہمارا آلہ کار ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ ابو مسلم عباسیوں کو اپنے آلہ کار کی حیثیت سے استعمال کرنا چاہتا تھا مختلف حالات سے گذرتے ہوئے اپنے آبائی وطن مرو پہنچا اور یہیں سے سامنے خراسان میں اُس نے آگ لگا دی ابتداء میں

اپنے حسین و جمیل چہرے فصیح و بلیغ گفتگو سے لوگوں پر اس نے یہی ظاہر کیا کہ بنی امیہ کے ظلم سے نجات حاصل کر کے پیغمبر کے خاندان والوں میں اسلامی حکومت کا لانا یہی میرا مقصد ہے لیکن اقتدار پر قابو پانے کے ساتھ ہی اُس نے بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا فوجی مقابلوں کے سوا انفرادی طور پر اپنے سامنے کھڑا کر کے جن لوگوں کو اس نے قتل کیا ہے بالاتفاق مورخین ان کی تعداد پانچ لاکھ بتاتے ہیں۔ حالت یہ تھی کہ مروہی میں کسی نے اس کے سپاہ لباس کے متعلق پوچھا کہ اس رنگ کو آپ نے کیوں اختیار کیا ہے جواب تو اُس نے دے دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر فتح مکہ کے وقت سپاہ عامہ تھا لیکن صرف اس جرم میں کہ پوچھا کیوں اضراب یا غلام غنقدار یعنی اسے غلام پوچھنے والی کی گردن اڑا دے، خطیب مشرق و مغرب پوچھنے والا ختم کر دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ عربیت کے مقابلہ میں عجمی عصبیت کی پرورش میں پوری طاقت اس نے خرچ کر دی اور آخر میں تو معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کو الٹ کر حکومت بنی پر قبضہ کرنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا۔ منصور عباسی خلیفہ نے اس کو قتل کرنے سے پہلے خود اس کے منہ پر جو الزامات لگائے تھے ان میں یہ الزامات بھی تھے چونکہ تحریری تھے اس لئے اس نے انکار بھی نہیں کیا صرف معافی چاہتا تھا۔ یعنی اپنے آپ کو عبداللہ بن عباس کے صاحبزادے سلیم کی اولاد ہے ہونے کا مدعی ہوا تو نے میری پھوپھی زاد بہن آسیہ نے نکاح کا پیغام خود مجھے لکھ کر بھیجا تو اپنے خطوط میں ہمارے نام سے پہلے اپنے نام کو درج کرتے دگا (ابن خلکان) منصور نے ان چیزوں کو دیکھ کر سب سے بڑا دشمن اپنا اور اپنی حکومت کا یقین کر کے انتہائی دانش بندی سے اگر اس کو ختم کر دیا تو اس کے سوا وہ اور کیا کرتا جہاں تک معلوم ہوتا ہے اسلامی حکومت کا تختہ الٹ کر عجمی حکومت کے تخت کو کچھانے کی مختلف کوششیں جو ہوتی رہی ہیں ان میں سب سے بڑی کامیاب کوشش ابو مسلم ہی کی تھی لیکن ابو جعفر منصور پر اور جتنے الزامات بھی ہوں مسلمانوں پر اس کا یقین ایک بڑا احسان ہے خواہ اس کی نیت میں کچھ ہی ہو واللہ اعلم مافی الصدور۔ ابو مسلم سے کتابوں میں بڑے عجیب و غریب دبرانہ فقرے منقول ہیں۔ بنی امیہ کے زوال کے اسباب کو بیان کرتے ہوئے ایک سبب یہ بھی بیان کرتا تھا کہ دوستوں پر اعتماد کر کے انھوں نے دور دراز علاقوں میں ان کو بھیج دیا اور دشمنوں کو مالوس کرنے کے لئے اپنے پاس رکھا۔ لیکن دشمن دشمن ہی رہے اور دور ہونے کی وجہ سے دوستوں کی بھی نیت بدل گئی۔ دشمن بن گئے۔ کسی نے اُس سے پوچھا کہ بہادر قوم کون ہے؟ اس نے کہا کہ ہر وہ قوم جو ہر سر اقبال آتی ہے۔ بہادر ہو جاتی ہے۔ اب اس کا فیصلہ کون کرے کہ بہادری اقبال کو پیدا کرتی ہے یا اقبال سے بہادری پیدا ہوتی ہے؟

ابو مسلم خراسانی

ابو مسلم نے اپنے کام کا آغاز ۲۹۰ھ میں مرو اور خراسان کے مشہور و شہر سے کیا جو اس کا آبائی وطن تھا یہ اسلام کا مجوزہ

ہے کہ کل صدی ڈیڑھ صدی کے اندر دور دراز ممالک اور شہروں میں بڑے بڑے لوگ پیدا ہو چکے تھے۔ مرو جو عرب سے سینکڑوں میل دور تھا۔ لیکن غیر معمولی ایمانی اور علمی و عملی شخصیتوں سے مہمور تھا۔ ان ہی شخصیتوں میں ایک بڑی ہستی ابراہیم بن میمون کی تھی امام بخاری نے تاریخ کہہ میں لکھا ہے کہ میمون ابراہیم کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں تھے۔ حافظ بن حجر کا بیان ہے کہ یہی میمون تھے جن کا نام مہران بھی بتایا جاتا ہے چند خاص حدیثوں کے میمون راوی بھی ہیں۔ بہر حال ابراہیم نے مرو کو وطن بنا لیا تھا ان کے نام کے ساتھ الصانع کے لفظ کا اضافہ کیا جاتا ہے اس سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زرگری کا کام کرتے تھے اسی لئے صانع کے نام سے مشہور ہوئے حافظ ابن حجر نے ان کے حالات میں جو یہ فقرہ ابن معینی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

کان اذ اذفع المطرقۃ فسمع النداء ان کا حال تھا کہ تھوڑی اٹھاتے ہوتے میں گراؤں کی آواز آتی تو اس تھوڑی کو پھر دوبارہ نہیں دہلیں کرتے تھے

لعمریہ! ما حاج التذیب کام ختم کر دیتے اور نماز کی تیاری میں مصروف ہوجاتے تھے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زرگری ان کا معاشی شغل تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ حدیث میں بڑے بڑے جلیل القلم مثلاً عطاء بن ابی رباح نافع ابو اسحاق ابو زبیر سے روایت کرتے تھے نسائی ابو داؤد صحاح کی کتابوں میں ان کی حدیثیں میں تعلیقاً صحیح بخاری میں بھی ان کی روایت پائی جاتی ہے۔ اور یہی حال ان کا فقہ میں بھی تھا، حنفی طبقات کی کتابوں میں ان کا امام مروان کے نام کی ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے موفق نے ابو حمزہ اسلمی کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

ابو حنیفہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ احمد بن سید نے مرو کی ایک مستقل تاریخ لکھی ہے مسلمانوں کی کتابوں کا سلسلہ بھی علیٰ ضابطہ قریب قریب ہر بڑے مرکزی شہر کی انھوں نے تاریخ لکھی مگر افسوس کہ ہلاؤد مصار کی ان تاریخوں میں اس وقت تک کہ عیسیٰ بن ابی اسحاق بن عمار کی تاریخ دمشق کا فائدہ ملے ہوئے ابن عساکر کی اس کتاب کے متعلق لکھا ہے کہ اس جلدوں میں بھی بصرہ کو فہم غار اسمرقند مروا صنفیان نیشاپور وغیرہ وغیرہ سب ہی کی مستقل تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ یہ وہی ابو حمزہ اسلمی ہیں جن کی ایک روایت ابو حنیفہ کے اجتہاد کی بنیاد کی حیثیت سے عام طور پر مشہور ہوئی

ابراہیم صانع نے مجھے امام ابوحنیفہ کے پاس کچھ پوچھی دینی زادراہ وے کرلیک
ہزار فقہی سوالات کے ساتھ روانہ کیا تاکہ میں امام سے ان کے جوابات حاصل کرے
اُن تک پہنچا دوں" ص ۱۷۱

اس سے ابراہیم کے فقہی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے اور صحیح تو یہ ہے کہ جس شخص کے متعلق اللہ
بن المبارک جیسے ثقہ حجت محدث امام ابوحنیفہ کے یہ الفاظ نقل کیا کرتے تھے کہ
کان شدید الورع شغل البدن ل
یعنی امام ابوحنیفہ ابراہیم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے کہ وہ
لنفسه في طاعة الله
بڑے سخت پرہیزگار اور حق تعالیٰ کی فرماں برداری میں
ص ۱۷۲ جواہر وغیرہ اپنی جان چھڑکنے والوں میں تھے۔

توان کے تقویٰ اور ربانی قوت کی بلندی میں شک کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے عبد اللہ بن
المبارک کی اسی روایت میں امام صاحب کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔
"کہ وہ میرے پاس آیا کرتے تھے اور مجھ سے پوچھا کرتے تھے"

جس سے معلوم ہوا کہ ابو حمزہ اسکرری کے ہزار سوالات کے علاوہ براہ راست ابراہیم صانع
کو بھی امام سے استفادہ کا موقع ملا تھا، اس روایت میں یہ بھی ہے کہ امام ابوحنیفہ کہتے تھے۔
ابراہیم کے تقویٰ کا حال یہ تھا کہ جب میرے پاس آتے تو میں اُن کے سامنے کچھ
کھانے کی چیز پیش کرتا وہ مجھ سے پوچھتے وہ غایت تقویٰ کی بات تھی کہ امام ابوحنیفہ
سے بھی پوچھا جائے کہ یہ کھانا کس درجہ سے آیا ہے، پھر کبھی ناپسند کرتے اور
چکھتے بھی نہیں یوں ہی واپس کہہ دیتے اور کبھی پسند کرتے تو کھا لیتے۔ ص ۱۷۳

شاید شدت تقویٰ کا یہ نتیجہ تھا کہ انھوں نے موش کے لئے زرگری کے پیشے کو اختیار کر لیا
تھا۔ ورنہ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے ظاہر ہے کہ بڑے سے بڑا عہدہ حکومت کا ان سے زینت حال
کر سکتا تھا۔

ہے کہتے تھے کہ میں نے براہِ دست امام سے یہ سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث جب مجھے
مل جاتی ہے تو اس کو میں اپنا مذہب بناتا ہوں اور جب صحابہ سے مختلف اقوال نقل کئے جاتے ہیں تو ان میں سے کسی کو
ترجیح دیتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ صحابہ کے فتووں سے باہر نہ جاؤں لیکن جب صحابہ کے بعد والے لوگ یعنی تابعین کے اقوال
کا مطالعہ آتا ہے تو اجماعاً (تو پھر ہم بھی مقابلہ کرتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ تابعین کے اقوال میں خود بھی جہاد کی کوشش کرتا ہوں۔ ص ۱۷۴ جواہر وغیرہ

بہر حال ابو مسلم جس وقت اپنی دعوت لے کر مرو پہنچا تو جیسا کہ ابن اثیر نے لکھا ہے۔

مصادر الیہ الناس وھل اھل . لوگ اس کی طرف پل پلے اور مرو کے باشندوں
صرعایا تو نہ متوجہ کی آمد و رفت اس کے پاس شروع ہو گئی۔

جس کی وجہ وہی تھی کہ کان یل عوای خلیع مروان رہینی بنی امیہ کا حکم اس زمانے
میں مروان تھا اس کو تخت خلافت سے اتارنا، اسی نصب العین کو لوگوں کے سامنے ابو مسلم
پیش کرتا تھا۔ بنی امیہ کے منظم سے دنیا تنگ آ چکی تھی اتنی تنگ آ چکی تھی کہ کھلی بغاوت
کی ابو مسلم حالانکہ لوگوں کو دعوت دے رہا تھا۔ لیکن لکھا ہے کہ

اپنے خیمہ میں ابو مسلم بغیر کسی پہرے اور دربان کے رہتا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں میں ابو مسلم کے متعلق یہی مشہور ہو گیا تھا
کہ ادا کیا گیا تھا جیسا کہ کامل ہی میں ہے کہ

بنی ہاشم سے ایک آدمی ظاہر ہوا ہے جو بڑے وقار و وزن والا، بھاری بھر کم

آدمی ہے ص ۳۷ ج ۵

اور صرف یہی نہیں بلکہ اُس کے علم و فضل کا چرچا بھی عوام میں پھیلا دیا گیا تھا کہ

یہی میں ہے کہ

”مرو کے نوجوان ابو مسلم کے پاس فقہ اور دینی مسائل کا علم حاصل کرنے
کے لئے حاضر ہونے لگے۔“

لیکن جب اُس سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو کہتا کہ

”بھائیو! یہ وقت مسئلوں کے پوچھنے کا ہے؟ ضرورت تو اس کی ہے کہ پہلے

معروف (شرع کے مطابق قوانین) کو نافذ کرنے کی اور منکر (خلافت شرع امور)

کو روکنے کے ذرائع مہیا کئے جائیں۔“

آخر میں کہتا کہ

”اس وقت آپ کے ان مسئلوں سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ مجھے

کمزور کی جو حق کو قائم کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہے مدد فرمائی جائے۔“

کبھی کبھی لوگ اُس کے نسب کے متعلق بھی پوچھ بیٹھتے جواب میں کہتا کہ

”میری زندگی میرے نسب سے زیادہ غالباً آپ لوگوں کے سامنے میری

خوبیوں کو ظاہر کر سکتی ہے۔

ابراہیم اور ابو مسلم کے دوستانہ تعلقات
 علامہ یہ ہے کہ
 مرو میں اُس نے اپنے آپ کو نمایاں کیا تھا کہ بڑے بڑے لوگ اس کے جال میں گرفتار
 ہو گئے ان ہی لوگوں میں یہ بے چارے ابراہیم الصانع بھی تھے ہیں نے اسی موقع پر
 طبقات ابن سعد سے نقل کیا ہے کہ ابراہیم صانع اور ابو مسلم میں دوستانہ تعلقات پیدا
 ہو گئے تھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ابراہیم اور ایک دوسرے محدث محمد بن ثابت ابو مسلم
 کے خاص لوگوں میں تھے۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ

یجلسات النہد ولیمعان کلامہ
 دو لوگوں (یعنی ابراہیم صانع اور محمد بن ثابت) ابو مسلم کے
 پاس بیٹھا کرتے تھے اور اُس کی باتیں سنا کرتے تھے۔
 لیکن ظاہر ہے کہ اُس کی شاطرانہ کارروائیوں کا راز کب تک چھپا رہتا ہوں ہی کہ وقتاً
 کی باگ اس کے ہاتھ میں آنے لگی جو کچھ اس کے اندر تھا وہ باہر آ گیا۔ کھل گیا کہ یہ بھی شغال
 کا بھائی سگ زدہ ہی ہے گویا۔
 چو از چنگال گر گم در دیوی
 ندانم عاقبت خود گرگ بودی
 کا قصہ لوگوں کے سامنے پیش آ گیا۔

ابراہیم اور ابو مسلم کی مخالفت
 ابراہیم صانع اور ابو مسلم میں دوستانہ تعلقات ہیں۔
 جو اس کے مخالفوں کے شکار ہو گئے
 تھے۔ حقیقت جب بے نقاب ہو کر ان کے سامنے آئی تو اپنے اپنے طرف اور ایسا ہی زکارت صبی
 کے لحاظ سے ہر ایک پر اپنی اُس غلطی کا رد عمل ہوا۔
 ابراہیم صانع جس طبیعت کے آدمی تھے ان کے تھوڑے بہت حالات جن کا اوپر ذکر
 کیا گیا ہے۔ اسی سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اپنی اس ناش غلطی کی مذمت کا ان پر
 کیسا کچھ اثر مرتب ہوا ہو گا۔ ابو القوی کی نیت سے جس تعاون کو انھوں نے پیش کیا تھا۔
 اب معلوم ہوا کہ یہ تو بالکل غلطی الاثم والعدوان پر مبنی تھی اس کے دست و بازو کو تو پتہ چلا ہی
 پھر اس غلطی کی تلافی کیسے کی جائے جہاں تک ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر
 کی طرح ان کے اندر اس سوال کا شعور بھڑکنے لگا۔

ابراہیم کا ابو مسلم کے متعلق حضرت امام سے مشورہ عجیب بات

بعد ہم ابراہیم کو بجائے مرو کے کوفہ میں پاتے ہیں یعنی امام ابو حنیفہ سے ابو مسلم کے متعلق مشورہ کو رہے ہیں ابراہیم اور امام ابو حنیفہ کے درمیان اس مسئلہ میں جو گفتگو ہوئی اس کا ذکر تو خیر آہی رہا ہے لیکن یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ مرو سے نئے کوفہ تک کے درمیانی علاقے میں مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں تھیں، ماسوا اس کے باہر ہی کے کسی آدمی سے اگر ابراہیم کو اس مسئلہ میں مشورہ کرنا تھا تو اسلامی دنیا کے طویل و عریض علاقے میں ان کی نظر انتخاب ابو حنیفہ ہی پر کیوں پڑی؟ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کے سیاسی رجحانات ہی نے اسے بے چوڑے سفر پر ان کو آمادہ کیا اس زمانے میں جب مسلمانوں کی سیاست میں ارباب اغراض نے عام طور پر تشیع طعنا رنگ بھردیا تھا دوسرے خیال لوگ یعنی جو مسلمانوں کی حکومت

سے تشیع سے یہاں مراد وہ نہیں ہے جو آج کل سمجھا جاتا ہے بلکہ ابتدا ہی سے مسلمانوں میں سیاسیات کے دو مکتب خیال جو پیدا ہو گئے تھے ایک گروہ تو یہ سمجھتا تھا کہ سیاسی اقتدار جس کی تعبیر امامت اور خلافت کے الفاظ سے کی جاتی تھی یہ کسی خاندان کا مورد ثی حق ہے مگر کس خاندان کا ہے اور اس خاندان میں کس کا حق ہے اس باب میں اتنے خیالات اور مسالک بنتے چلے گئے کہ شاید ان کا شمار کرنا بھی مشکل ہے کسی خاندان پر متفق ہو جانے کے بعد آگے کی شاخوں میں اختلاف کا پیدا ہو جانا ناگزیر تھا ابو مسلم حضرت عباس اور ان کے خاندان کو مسلمانوں کی سیاسی امامت کا حق دار ثابت کرنا چاہتا تھا کہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصبہ رچھا۔ یہی تھے اسی سلسلے میں وہی شیعہ وارث تھے لیکن اسی کے مقابلہ میں شیعہ ہی سے مسلمانوں کا ایک طبقہ ان لوگوں کا تھا جن کا خیال بقول مسعودی یہ تھا کہ "سیاسی امامت یہ خود امت کے اختیار کی چیز ہے یعنی مسلمانوں کی رائے کے حوالہ اس مسئلہ کو کر دیا گیا ہے اس لئے قرآن میں کسی شخص یا خاندان کی تخصیص نہیں کی گئی ہے مسلمان جس کا پاپا ہیں انتخاب کر سکتے ہیں صرف اس میں امامت کے صفات ہونے چاہئیں" ۱۷۵ ج ۴۴ برکات مل لیکن جس زمانہ کا یہ قصہ ہے اس میں ارباب اغراض نے پہلے خیال ہی کو زیادہ تر پھیلا دینے کی کوشش کی تشیع سے اس وقت میرا یہی مقصد ہے عوام جو ایک زمانہ سے مورد ثی بادشاہوں کی عادی تھے اس قدیم ذہنیت کے لئے اسی کا ماننا زیادہ آسان تھا یہ تو اسلام کے بعد بتدریج دنیا اس نقطہ پر پہنچی ہے کہ حکمرانوں کا انتخاب ان ہی لوگوں کا حق ہے جن پر

کو شوری اور رائے عامہ سے وابستہ سمجھتے تھے بہت کم پائے جاتے تھے۔ ابن سعد نے تو صاف طور پر لکھا ہے کہ ابو مسلم سے ابراہیم کی مخالفت کی ابتدا اسی وقت سے شروع ہوئی جب اس نے

اظهر الدعوة بخبر اسان وقام مھن لنامہ اس نے عباسی دعوت کا اعلان شروع کیا اور اس ہم پر وہ کھڑا ہوا۔ بہر حال ابراہیم مرو سے روانہ ہوئے کوفہ پہنچے آگے قصہ جس شکل میں پیش آیا ہے عبداللہ بن المبارک نے خود امام ابوحنیفہ سے اس کو سنا ہے اور ابو بکر جصاص نیز القریشی صاحب طبقات حنیفہ وغیرہ سب ہی نے اس قصے کو نقل کیا ہے

حاصلی یہ ہے کہ جب ابو مسلم اور ابراہیم صالح میں اختلاف پیدا ہوا تو جہاں تک معلوم ہوتا ہے ابراہیم مرو سے روانہ ہو کر سید سے امام ابوحنیفہ کے پاس کوفہ پہنچے یا درکھنا چاہتے کہ یہ عباسیوں کی خلافت کا ابتدائی عہد ہے بغداد کا نقشہ زمین پر کیا ابھی دماغوں میں بھی نہیں آیا ہے کیونکہ اس کی تعمیر تو منصور عباسی نے کی اور ہم جس زمانہ کا قصہ لکھ رہے ہیں یہ عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابو العباس سفاح کا زمانہ ہے گو سفاح نے اپنی زندگی کے آخر دنوں میں انہار کو پایہ تخت خلافت بنالیا تھا جو کوفہ سے اگرچہ زیادہ فاصلے پر نہ تھا لیکن خود کوفہ تھا، مگر اب اس نے اپنی قیام گاہ ابن ہبیرہ کے قصر ہی کو قرار دیا تھا جس میں اس کا مطلب ہوا کہ خود کوفہ ہی تھا اور جہاں تک نہیں ملے

حکومت کی جاتی ہے دنیا کا اسلام سے پہلے اس باب میں کیا حال تھا اسی سے اندازہ کیجئے کہ ابو مسلم کے ماننے والوں کا ایک طبقہ راوندیہ کے نام سے مشہور ہے ان کا مذہب یہ تھا کہ خلیفہ وقت ابو جعفر منصور مہم الذی بطعنہم وبتقویم یعنی ان کا خط منسوب ہے وہی ان کو کھلاتا پلاتا ہے آخر منصور ہی کے ہاتھوں اس فرقہ کا قلع قمع ہوا میرے خیال میں چنداں تعجب کی بات نہیں ہے اس وقت تک ہندوستان میں بڑی اکثریت اپنے راہوں مہاراجوں کو ان واما بہار کے نام سے یاد کرتی تھے ان ہندی میں روزی اور رنق کو کہتے ہیں بجز ان ہی الفاظ کا ترجمہ نہیں راوندیہ منصور کی طرف منسوب کرتے تھے ۵

۶ حالانکہ مرو میں ابو مسلم شروع شروع میں بیعت لوگوں سے جن الفاظ میں لیتا تھا ان کا ترجمہ یہ ہے کہ میں اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر بیعت کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کی فضیلتی و فرائض برائی کا موازنہ کرتا ہوں اور اپنے حکمرانوں سے کسی قسم کی تحوا یا خوراک کا مطالبہ نہیں کروں گا بلکہ وہی جو کچھ مناسب سمجھ کر دیں گے اس پر راضی رہوں گا، بیعت میں یہ شرط بھی لگا رہتا کہ اس عہد کو اللہ کا عہد سمجھتا ہوں نیز میری غیبیوں کو طلاق اور میرے ظلم آنا دہو جائیں اگر غیبی کنی کروں امد کہ تک پیادہ پا ج کرنا مجھ پر لازم ہو گا ۷ کامل ج ۵ لیکن قابو پانے کے ساتھ ہی اس نے عباسی دعوت یہ کہتے ہوئے شروع کی کہ وہ بھی اہل بیت ہی سے ہیں ۱۲

اور دو ہزار قرآن سے پتہ چلتا ہے انام بکنہ پاس ابراہیم صانع اسی زمانے میں آئے ہیں میں زمانہ میں عباسی خلیفہ اسی ابن ہبیرہ کے قصر یا قصر ہی کے قریب ہاشمیہ نامی گڑھی میں رہتا تھا۔

ابو مسلم کی مخالفت پر حضرت امام اور ابراہیم مہم کا اتفاق

ہر حال ابراہیم امام کے سامنے پہنچتے ہیں جہاں تک معلوم ہوتا ہے سارا قصہ ابتدا سے انتہا تک امام کے سامنے دہراتے ہیں اور جن خطبے کو ابو مسلم اسلام کے سامنے لا رہا تھا اس سے آگاہ کرتے ہیں امام کا بیان ہے کہ اس کے بعد اس شخص نے مجھ سے اس مسئلہ پر بحث کرنی شروع کی کہ جو کچھ ہو رہا ہے کیا اس کا مقابلہ مسلمانوں کا فرض نہیں ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں اس مسئلہ پر دیر تک بحث ہوتی رہی، کیونکہ آخر میں امام کے الفاظ ہیں کہ

إلى ان اتفقنا على انه ضايفنة ہم دونوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ مقابلہ کے لئے
من الله تعالى ع کھڑا ہونا خدا کی طرف سے فرض ہے۔

بلکہ مطلب یہ ہے کہ بنی امیہ کو ختم کر کے جب عباسیوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو قدیم پایہ تخت یعنی دمشق میں رہنا مصلحت کے خلاف سمجھا گیا اور عراق کو مختلف وجوہ سے ترجیح دی گئی کو فہ ہیں ابن ہبیرہ جس کا بار بار ذکر گذر چکا ہے ایک سختکام اور خوبصورت محل اس کا بنا ہوا تھا اسی میں سفاح نے قیام اختیار کیا اور جلد جلد بہت سے مکانوں کا اس کے ساتھ اضافہ کر کے شاہی آبادی کا نام "ہاشمیہ" رکھا گیا لیکن لوگوں کی زبان پر "قصر ابن ہبیرہ" دلوں کا چڑھا ہوا تھا لاکھوں شیش کی گئی کہ ہاشمیہ کا نام اس کی جگہ پہلے مگر نہ چلا تب ابن ہبیرہ کے قصر کو چھوڑ کر اس کے سامنے کی زمین میں ایک جدید آبادی قائم کی گئی جس میں اپنے لاکھوں شجر کے ساتھ خلیفہ نے بھی اپنا محل تعمیر کیا اور اب اس جدید آبادی کا نام ہاشمیہ رکھا گیا زمانہ تک سفاح اسی میں رہا لیکن پھر مناسبت معلوم ہوا کہ کو فہ سے ہٹ کر انباری مقام جو نرات کے ساحل پر تھا اور ایرانی سلاطین کا محلہ خانہ یا انبار خانہ تھا اسی شہر میں پایہ تخت خلافت کو سفاح نے منتقل کر کے بڑی بڑی عمارتیں اس کے سامنے اپنے زمانے میں خود بنوائیں سی میں اس کا چھوٹے سے انتقال ہوا اس کے بعد جب گدی پر بیٹھا تو کچھ دن وہ بھی انباری کی تعمیر و تجدید میں مصروف رہا لیکن حالات نے اس کو بالکل جدید شہر کی تعمیر پر مجبور کیا بغداد جہاں آباد ہے اسی زمین کا انتخاب کیا گیا اور مدینہ السلام کے نام سے منصوبہ دیکھ کر اس شہر کی بنیاد ڈالی جس کا نام عالم کے ماسکات میں شاید زیادہ خوب ہزار ہا نثر آیات کا مجموعہ ہے دس ہزار مزدور بغداد کی تعمیر میں کام کرتے تھے واقف ہو رہا

ابراہیم کا حضرت امام سے بیعت جہاد کیلئے ہاتھ بڑھانا

کلام کا یہ طرز بتا رہا ہے کہ روودرح کا کوئی طویل سلسلہ اس کے پیچھے چھپا ہوا ہے امام فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کو طے کر لینے کے بعد میں نے دیکھا کہ ابراہیم اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ

مَدِّ يَدَكَ حَتَّىٰ أَبَا يَدِكَ

ہاتھ بڑھا یہ تاکہ میں بیعت کروں

یہ مرید ہونے کی بیعت نہیں تھی بلکہ اُس وقت کرہ زمین کی کہیے یا کم از کم اس علاقے میں سب سے بڑی تہرانی طاقت جس کی حکومت بن چکی تھی ابراہیم اسی طاقت سے ٹکرانے کے لئے امام ابو حنیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ جب یہ سلسلہ ہو چکا کہ خدا کی طرف سے فرض غامد ہو چکا ہے تو اب اٹھئے اور خدا کے فرض کو پورا کیجئے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سارا معاملہ کوفہ میں ہوتا تھا۔ اسی کوفہ میں جس کا ہاشمیہ گویا ایک محلہ تھا اور نئی نئی قائم ہونے والی حکومت کے خفیہ کارندے ہر گھر میں آنکھیں پکھاڑے پکھاڑے دیکھ رہے ہیں کہ کہاں کیا ہو رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ زید شہید کے ایام خروج ہی ہیں سیسی و چسپی اور رجحانات کے معاملہ میں کافی بدنام ہو چکے تھے۔ اور نئی قائم ہونے والی حکومت کے متعلق گو امام کے رویہ کا ابھی لوگوں کو پتہ نہیں چلا تھا بلکہ سفارح کی تقریر کے بعد امام نے جو الفاظ علماء کوفہ کی طرف سے فرمائے تھے جن کا ذکر گذر چکا ہے ان کی بنیاد پر بھی حسن ظن قائم کیا جاسکتا کہ موجودہ حکومت سے مطمئن رہیں اور یوں بھی جہاں تک قیاس کا اقتضا ہے بعد کو امام نے جس طرز عمل کو بھی حکومت عباسیہ کے مقابلہ میں اختیار کیا ہو لیکن جس زمانہ میں ابراہیم نے موجودہ حکومت کے مقابلہ میں اس مہم کے لئے آمادہ کرنا چاہا جو عباسیوں کی حکومت کا ابتدائی دور تھا اس زمانے میں وہ فرصت کے اوقات کو غیرت شمار کر کے اُن سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ بظاہر ان کی نیت یہ تھی کہ پسند و شح قوانین کے مسئلہ سے فراغت حاصل کر لی جائے دل میں ان کے کون کون سے ارادے تھے اس کا پتہ تو بعد کو چلا لیکن سرپرست ہر چیز سے الگ ہو کر معصومانہ ماعول میں ایک ایسے پرامن شہری کی زندگی گزار رہے تھے جو ایک طرف تجارتی کاروبار اور دوسری طرف حلقہ بنا کر طلبہ کو فقہ کی تعلیم دینے میں مصروف نظر آ رہا ہو۔

لیکن ابراہیم الصانع کے حسن ظن اور اپنی روشنی طبع نے اچانک ان کو ایک عجب محضے میں مبتلا کر دیا۔ امام پر جو حال ابراہیم کے ہاتھ بڑھانے کے بعد طاری ہوا خود اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا کرتے تھے کہ

فاظلمت اللہ نیا بنی و بدینہ میرے اور ابراہیم کے سامنے دنیا گویا تاریک ہو گئی۔

کیا جان کے خوف سے امام کی یہ یتاالت ہوتی؟ میں اس کا خود کیا جواب دے سکتا ہوں جس نے "حق پڑو ہی" اور راست بازی ہی کی راہ میں جان دی۔ اسی کے متعلق یہ خیال ظاہر ہے کہ منطقی تناقض ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور جیسا کہ آئندہ امام کے بیان سے معلوم بھی ہوتا ہے کہ اچانک سخت کش مکش کی حالت میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے ان پر یہ حالت طاری ہوئی۔ ایک طرف ابراہیم کی صداقت و اخلاص ان کے دلائل کی قوت و ضرورت کی شدت کا تقاضا یہ تھا کہ ابراہیم کی درخواست کو بغیر رد و کد کے فوراً قبول کر لیں اور جس حال میں تھے کھڑے ہو جائیں لیکن اس کا انجام بھی سامنے تھا۔ اس انجام کو دیکھ کر امام خیال کرتے ہوں گے کہ جو پروگرام میں نے بنایا ہے وہ خاک میں مل جائے گا۔ کامیابی نہ اس راہ سے ہوگی اور جو راہ میں نے سوچی ہے وہ بھی ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گی۔ دل کی حالت کا سامنے والا تو غلام الغیوب علیہم بذات الصدور ہی ہے لیکن یہ ظاہر میری سمجھ میں بھی بات آتی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک فوری حال تھا جس میں اچانک وہ مبتلا ہو گئے تھے تاہم اپنے آپ کو امام نے سنبھالا اور سنجیدگی کے ساتھ ابراہیم کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا کہ آخر میں تمھاری بیعت کس لئے ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم نے پھر کوئی طویل تقریر کی خلاصہ اس کا امام نے اپنے الفاظ میں یہ بیان کیا ہے کہ

وَعَالِي الْحَقِّ مِنْ حَقِّكَ اللَّهُ
اللہ کے حقوق میں سے ایک حق کی طرف ابراہیم نے پھر مجھے دعوت دی

تب امام نے ابراہیم کو سمجھانا شروع کیا اس تقریر کے بعض اجزاء کا ذکر پہلے ہی کچھ کیا جا چکا ہے اس وقت پوری تقریر نقل کی جاتی ہے امام نے فرمایا کہ

میں نے بیعت لینے سے انکار کیا اور کہا کہ اس حق کو ادا کرنے کے لئے ایک دو آدمی اگر کھڑے ہوں گے تو قتل کر دیئے جائیں گے اور مخلوق خدا کے لئے کام کی کوئی بات انجام نہ دے سکیں گے:

اس کے بعد اس قسم کی مہم کے لئے جس تنظیمی و اجتماعی قوت کی قدرتی ضرورت ہے اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپ نے فرمایا:-

ولكن ان كان وحده عليه اعداؤه
صالحين ورجل يورع عليهم مملوكا
علي دين الله ص
البتہ اگر اس کام کی سرانجامی میں کچھ اچھے صالح لوگ مددگار بن جائیں اور ان لوگوں کا کوئی سرد مظر ایسا آدمی ہو جس کے دین پر بھروسہ کیا جاسکتا ہو:

یعنی تین چیزوں کی ضرورت امام نے بتائی۔

۱۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ اس قسم کے کام میں افراد کامیاب نہیں ہو سکتے بلکہ اچھے صالح رفقا اور مددگاروں کی ضرورت ہے۔

۲۔ صرف عوام کے غیر منظم گروہ سے بھی کام نہیں چلتا کسی وحدت کے ساتھ کثرت کی شیرازہ بندی کے بغیر سچی کامیابی نہیں ہو سکتی ہر شخص دماغ بن جائے یا انجن بن جائے اور اپنی اپنی رائے پر اصرار کرنے لگے تو خواہ کتنا ہی بڑا اجتماع ہو کثرتوں کے ایک پھاگندہ مجموعہ سے زیادہ اس کی اور کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ ضرورت ہے کہ دماغ کے ساتھ دوسرے لوگ ہاتھ پاؤں بنیں یا کسی کو انجن بنا کر لوگ اپنے آپ کو گاڑی بنا کر اس انجن کے ساتھ اپنے آپ کو جوڑ دیں۔

۳۔ ایمانی اور دینی حالت اس کی درست ہو یعنی دین میں منافق یا کمزور نہ ہو راست باز اور پختہ ہو۔

جس کا حاصل یہی ہوا کہ باطل کاٹنا اور حق کو آگے بڑھانا یا دین بالمعروف نہی عن المنکر اگرچہ ہر مسلمان کا قرآنی فریضہ ہے لیکن تمام شرائط قرآنی کی نوعیت یکساں نہیں ہوتی۔ آخر نماز بھی فرض ہے اور حج بھی۔ لیکن حج کے لئے استطاعت عین کی شرط ہے جو نماز کے لئے نہیں ہے امام ہی کے الفاظ اس کے بعد یہ بھی ہیں کہ:-

هذه الفريضة ليست كالفرض يقوم بها الرجل وحده ص
بلاشبہ یہ بھی فرض ہے لیکن ایسا فرض نہیں ہے جس کے لئے تنہا ایک آدمی کھڑا ہو جائے۔

پھر ایک خاص شبہ کا جیسا کہ میرا خیال ہے امام نے جواب دیا ہے مطلب یہ ہے کہ حضرات

انبیاء علیہم السلام کو تو دیکھا گیا ہے کہ باطل کے مقابلہ میں وہ تنہا کھڑے ہو گئے امام کی
فجائش کے یہ الفاظ

هَذَا الْأَمْرُ لَا يَصْنَعُ لَوْ أَحَدٌ مَا طَاقَتْهُ الْأَنْبِيَاءُ
حَتَّى عَقَلَتْ عَلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مِنْهُ

امام صاحب کا یہ ظاہر مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو بھی دیکھا گیا ہے کہ اپنے آپ کو باطل کے مقابلے میں تنہا پا کر اس خطرے کو انہوں نے پیش کیا ہے جس کا اندیشہ بہر حال ایسی صورت میں کیا جاتا ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے مقابلہ میں بھیجا جا رہا تھا تو اس نے کہا کہ میں تنہا نہیں جاؤں گا۔ پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بشری احساس کا اظہار بارگاہ رب العزت میں بایں الفاظ فرمایا کہ۔

دینا اننا نخاف ان یضربنا علینا
او بطنی رطہ

جب حق تعالیٰ کی طرف سے بایں الفاظ کہ

قال لا تخافنا انسى معك اسمع
واری

امام کے الفاظ کہ پیغمبروں کے لئے یہی یہ صورت حال اسی وقت قابل برداشت ہوئی جبکہ آسمان پر ان کے لئے عہد باندھا گیا اس میں میرے نزدیک یہ یا اسی قسم سے دوسرے واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

امام صاحب کی غرض یہ ہے کہ پیغمبروں کو تو خیر اس کا موقع بھی تھا لیکن ایک عامی آدمی جس کے پاس اس قسم کا کوئی آسمانی وثیقہ نہیں ہے۔ کیسے ایسے کام کی جرات کر سکتا ہے اسی کے ساتھ امام نے ابراہیم کے سامنے وہ باتیں بھی دہرائیں جن کا ذکر امام کے سیاسی سرکار کی تنقید کرتے ہوئے میں پہلے کرچکا ہوں یعنی بغیر منطقی قوت کے نہراہی کے اس قسم کے خطرات میں پل پڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک بڑا قیمتی سرمایہ (جان عزیز) مفت کسی قیمت کے بغیر ضائع ہو جاتی ہے جب اتنی بڑی قربانی پر آدمی آمادہ ہی ہو گیا ہے تو کچھ قیمت حاصل کر کے مرنا یہ زیادہ مفید ہے عربی کے الفاظ یہ ہیں کہ

وہذا امتی امر بہ الرجل وحده ۛ اور جب تنہا کوئی آدمی اُس کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا تو بے قیمت

اپنے خون کو رائیگاں کرنے کا

اشاط بد مذہب

اشاط بد مذہب عربی زبان کا محاورہ ہے منتہی الارب میں ہے شاط درمد رائیگاں رفت

وں اور اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ

وعرض نفسه مقتل اور اپنے آپ کو خود قتل کے لئے پیش کرتا ہے

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس قسم کے مواقع میں قتل ہو جانے کی وجہ سے گو آدمی خود کشی کا

عبرم تو نہیں قرار دیا جاتا ہے بلکہ ہمارے خفی فقہاء کا فتویٰ ہے کہ باطل کے مقابلہ میں تنہائی اور

ضعف کی وجہ سے اگر باطل والوں کے مظالم کے پہنچنے کی صلاحیت ہو وہ اپنے دل پر اعتماد ہو

کہ جو تکلیفیں اس راہ میں پہنچیں گی، ان کی شکایت لوگوں سے کرنا نہ پڑے گی تو ایسی صورت

میں مقابلہ کے میدان میں اترنا اور ظالموں کو ان کے ظلم پر ٹوٹنا صرف یہی نہیں کہ جائز ہے

بلکہ "فصو مجاہد" سمجھا جائے گا کہ اس نے جہاد کے فریضہ کو ادا کیا۔ ظالم بادشاہ کے سامنے

حق بولنا سب سے بڑا جہاد ہے" اس حدیث سے جو ترمذی ابوداؤد وغیرہ میں ہے، فقہاء

حنفیہ نے استدلال کیا ہے۔ بلکہ دلچسپ لطیفہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ان ہی ابراہیم الصالح

کے حوالے سے امام ابو حنیفہ کی طرف ایک روایت فقہ و حدیث کی کتابوں میں منسوب کی گئی ہے

میں نے شاید پہلے بھی اس کو نقل کیا ہے حاصل جس کا یہی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس حدیث کو قرار دیتے تھے کہ "ظالم حکمران کے سامنے معروف

کے امر اور منکر کی نہیں کہے جو کھڑا ہوا وہ اور حمزہ بن عبد المطلب یہ دونوں شہداء رسکے

سروار ہیں۔ یہ ظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ اس مہم میں جو قتل کر دیا جائے گا اسس کو

شہادت کا وہی مقام حاصل ہوگا جو سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا کیا گیا

—

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی گفتگو کے موقع پر ابراہیم الصالح نے امام کے سامنے یہ

روایت جو عکرمہ مولیٰ ابن عباس سے انھوں نے سنی تھی پیش کی تھی۔ بہر حال اغروی انعام

والکرام یہ دوسری بات ہے سورہ یسین میں اس شخص کا جو رسولوں کے پاس شہر کے کنوئیں

اقصی المدینہ سے آیا تھا مفسرین جس کا نام صیب تجارتی بتاتے ہیں ان کے قصے سے بھی اس

کی تائید ہوتی ہے قرآن میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

یا لیت قومی یصلون بما غفر لی کاش! میری قوم جانتی کہ خدا نے مجھے بخش دیا اور

ربی وجعلنی من المکر میں عزت دلوں میں مجھے شریک فرما دیا۔

اور ظاہر ہے کہ یہ بیچارے حبیبِ نجات بھی پیغمبر نہ تھے۔ بلکہ ابھی تازہ ایمان لئے والوں میں تھے فرعون نے حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں جن جادو گروں کو پیش کیا تھا اور حضرت موسیٰ کے معجزے کو دیکھ کر ایمان لے آئے تھے۔ ان کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ قتل پر آمادہ ہو گئے اور ان کی یہ آمادگی قرآن میں محلِ ستائش قرار پائی۔

پس بات وہی ہے جو پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ جہاد کے اسلامی قانون کی بنیاد صرف افادے ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ افادے کے ساتھ ابتلا رہ بھی مشتمل ہے ایسی صورتوں میں اپنے آپ کو قتل کر دینے سے فائدہ تو کچھ حاصل نہیں ہوتا لیکن

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کے نصب العین کی تکمیل کر کے جان دینے والا اخلاص و صداقت کی امتحان گاہ میں یقیناً کامیاب حاصل کر لیتا ہے۔

لیکن امام کا نقطہ نظر یہ تھا کہ جب جان ہی دینے کی ٹھیری تو اس کے معاوضہ میں بڑی سی بڑی جس قیمت کا حصول ممکن ہو اس کو حاصل کر کے اسلام اور مسلمانوں کو جو فائدہ پہنچا جا سکتا ہے اس کو خواہ مخواہ قتل ہو کر ضائع نہ کرنا چاہیے ابن المبارک سے روایت کے نقل کرتے والوں میں سے بعضوں نے امام کی طرف یہ بھی غسوب کیا ہے کہ خلافت آدم کے قرآنی قصے میں ملائکہ نے انسان پر اعتراض کرتے ہوئے خدا سے جو یہ کہا تھا کہ آپ زمین پر کیا اس مخلوق کو پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اس میں فساد برپا کریں گے، اور خون بہائیں گے امام نے ابراہیم کو یہ قرآنی آیت یاد دلانی اگر واقعی امام ابو حنیفہ نے یہ آیت بھی آخر میں تلاوت کی تھی تو یہ ظاہر ان کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب قتل ہو جائے اور نہ ہو جائے، دونوں کا شرعاً اختیار دیا گیا ہے تو مذکورہ بالا آیت کی ریسے بھی قتل کے پہلو کو بلا وجہ اختیار کر لینا مناسب نہیں ہے اور گو قریشی کے طبقات میں یہ اضافہ نہیں ہے۔ لیکن علامہ ابوبکر الجصاص نے اپنی تفسیر میں امام کے بیان کو جن الفاظ میں درج کیا ہے ان میں آخری فقرہ یہ بھی ہے میں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ

اپنے آپ کو جبار سے ٹکرا کر قتل کر دینے میں ایک اور مصلحت بھی مانع ہے وہ یہ کہ اس قتل کے بعد اندیشہ ہے کہ دوسروں کے جوصلے بھی باطل کے مقابلہ

پست ہو جائیں گے۔

بلاشبہ یہ ایک عام نفسیاتی مسئلہ ہے، تڑپتی ہوئی لاش اور بچتے ہوئے خون کو دیکھ کر نظرنا انسان غیر معمولی طور پر متاثر ہوتا ہے گویا فائدہ تو الگ رہا امام نے توجہ دلائی کہ اس جسارت بے جا میں ایک نقصان کا پہلو بھی مضمر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابو مسلم کے مقابلہ میں ابراہیم کا ایہانی جوش جس خونی تماشے کے پیش کرنے پر ان کو آمادہ کر رہا تھا امام نے اپنی پوری ذہانت اس ارادے سے ان کو باز رکھنے پر خرچ کی لیکن ابراہیم کچھ طے کر چکے تھے امام کی فہمائش ان کو متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی اسی روایت میں امام ہی کی زبانی یہ بھی منقول ہے یعنی امام فرماتے تھے کہ

وكان يتقاضى ذلك كلما قدم على محمد بن اسلم من شريك هو جالس في ابراهيم تقاضا كرت تقاضى الغريم الملعون كلما قدم على تقاضا في ابراهيم تقاضا جيسے کئی دفعہ امام مراد و تشدد کے ساتھ قرض دے تقاضا کرتا، ہو جب کبھی ابراہیم میرے پاس آتے اسی کا تقاضا کرتے

صاحب طبقات اور علامہ جصاص دونوں نے اپنی اپنی کتابوں میں ان الفاظ کو درج کیا ہے ان ہی الفاظ کو دیکھ کر میں تو اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ امام ابو حنیفہ اور ابراہیم الصائش کے درمیان یہ قصہ ایک ہی دفعہ پیش نہیں آیا ہے، بلکہ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کے بھانے بکھانے سے وقتی طور پر ابراہیم کا خیال شاید کچھ بدل جاتا تھا۔ لیکن مروجہ روایت پر ابو مسلم کے حرکات پر ان کی نظر جب پڑتی تو پھر آپس سے باہر ہو جاتے ایہانی جوش ان کو پھر ادا سے مرض پر آمادہ کر دیتا تھا مروجہ پھر مشورہ کہنے اور اپنا ہم لڑا بنانے کے لئے وہ امام ابو حنیفہ کے پاس آتے تھے چھ نمک ابو مسلم نے اپنے کاروبار کا آغاز خراسان میں ۱۳۰ھ رمضان سے شروع کیا تھا کچھ دن تو مخالف قوتوں کو زیر کرنے میں خرچ ہوئے۔ لیکن مادہ پکا ہوا تھا نصف بن ہار

یعنی کہ ابو جعفر منصور جس کے ہاتھ سے وہ قتل ہوا ایک دفعہ اسفار کو بھی ابو مسلم کے قتل پر آمادہ کرتے ہوئے اس کے کہا تھا کہ ان کا میا بیل میں ابو مسلم کا کوئی کمال نہیں ہے منصور نے کہا کہ وامت سنو ان مقام مقدمہ طریق ۹۵ سے یعنی آپکی جگہ کو بھی اس موقع پر خراسان بھیجتے تھے تو جو کام ابو مسلم نے کیا وہی کام آپ کا بھیجا ہوا ہے ابھی انجام دے سکتا تھا کچھ بھی ہوا ابو مسلم کی کامیابیاں خراسان میں غیر معمولی تھیں اپنی گزشتہ زندگی اور حکمرانی کے اس چھ سال میں وہ دہکے سرحدی ممالک سے بھی اس کا مقابلہ ہو چکی کہ چین والوں سے بھی اس کی فوج لڑی کامل میں ہے کہ چینی ظروف جن پر سونا چڑھا ہوا تھا اور چین کے ریشمی تھان فتوحات میں ابو مسلم کے پاس جب پہنچے تو بڑا مسرور ہوا تھا۔ ۵

جو بنی امیہ کی طرف سے خراسان کا گورنر تھا شکست کھا کر شہر بہ شہر مارا پھرتا تھا آخر رستہ پہنچ کر کہے چار مارا گیا اور سارے خراسان کا حاکم مطلق ابو مسلم بن گیا نصر بن سہب کا انتقام لینے میں ہوا۔ گویا سمجھنا چاہیے کہ ابو مسلم بس اسی سال سے سارے خراسان پر سترہ سال تک حکمران رہا۔ سترہ میں عباسی خلیفہ اول السفاح کی دعوت پر بڑی مشکلوں سے وہ عراق گیا۔ گویا چھ ساڑھے چھ سال کے بعد واپس ہوا اس غرضے میں گو حکم فرماتا رہتا رہتا اور خراسان کے دوسرے شہروں کا بھی دورہ کرتا رہتا تھا۔ لیکن مستقر اس نے مروی کو قمر دیا تھا جہاں پہلے بھی بنی امیہ کے گورنر رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے جو ابراہیم الصامی کو اس نے ظاہری اور باطنی کارروائیوں سے واقف ہونے کا اور بہت قریب سے موقع ملتا رہا اور وہی یہ

اسے مطلب یہ ہے کہ دشمنوں اور مخالف قوموں سے خراسان کو خالی کرنے کے بعد ابو مسلم کو مسلمانوں پر مظالم توڑ کر کھلا میدان مل گیا۔ سارے شہروں پر الزام لگا کر کہ یہ سب کے سب بنیانی یعنی بنی امیہ کے شیعہ ہیں قتل کیا حتیٰ کہ پیچھے رہے حج کے لئے گئے ہوتے تھے۔ ان ملک کی جائیداد اور ارضی اور اموال کے ضبط کر لینے کا حکم دیا جب کہ سے لوٹے حاجیوں کا یہ قافلہ کو نہ پہنچا تب ان کو اس عام ضبطی کا حال معلوم ہوا اب چارے کو نہ ہی میں ٹھہر گئے یہ سترہ سال کا ہے السفاح کے پاس ابو مسلم کے اس ظلم کی رادہ سی چلی لکھا ہے کہ سفاح کو ان حاجیوں پر رحم آگیا اور ابو مسلم کے ناموں پر بھی کہ حاجیوں کے مال سے ضبطی اٹھائی جائے لیکن اس پر بھی اس نے سفاح کو کھنکھایا کہ یہ لوگ قابل رعایت نہیں۔ مگر سفاح نے جب دوبارہ امر کے ساتھ واپسی کا حکم دیا تو قہراً جبراً اس کی تعمیل کی۔ بالکل اس شہر کے لکھا ہے کہ السفاح نے زبردستی کھنکھاتا تھا اٹھا کر پھینکا دیتا تھا آخر عباسی چونکے تو السفاح نے سترہ سال میں خراسان کے ایک فوجی کو روپا دیں صلح کو یہ راز لکھا کہ جس طرح مسکن ہو ابو مسلم کو قتل کر دو لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا اسی کے بعد السفاح نے اپنے پاس بلایا ابو مسلم نے السفاح کو لکھا کہ حج کی مجازت ہو تو حاضر ہو سکتا ہوں اس کا ارادہ تھا کہ فوج کے ساتھ روانہ ہوا اور خراسان کے فتوحات سے جو دولت جمع کی تھی عربوں میں تقسیم کر کے ان کو اس ذریعہ سے ہم کو اپنا بچاؤ لے لے اس کی بددستی کا انداز دکر لیا اپنے بھائی منصور کو جو بعد کو خلیفہ ہوا اور اس وقت موصل کا گورنر تھا خط لکھا کہ ابو مسلم پہنچے سے پہلے تم حج کا اعلان کر دو تاکہ امیر انعام بنے کہ موقع ابو مسلم کے لئے باقی نہ رہے۔ حال یہی ہوا جس کا ابو مسلم نے ایک صد مہ تمنا السفاح نے فوج کو ساتھ لائے کی بھی ممانعت کر دی یہ یقین کہ ابو مسلم کو جب معلوم ہوا کہ منصور نے بھی حج کا کیا ہے تو بار بار کہتا تھا کہ اس سال کے سوا اور کوئی سال حج کے لئے منصور کو نہیں ملتا تھا لاکھوں کھ پونے کی دھند میں عربوں کے ساتھ اس نے کی اور اسی حج سے واپسی کے درمیان ہی میں السفاح کی وفات کا وجہ سے منصور خلیفہ ہو گیا جس نے ابو مسلم کا

جس کا احساس بعد کو خود مہا سی خلفاء (السفاح اور منصور) کو ہوا ابراہیم کی آنکھیں براہ راست اس کا مشاہدہ کر رہی تھیں۔

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابراہیم امام کے پاس اس مسئلہ کوئے کر کتنی دفعہ آئے لیکن جتنی دفعہ بھی آئے ہوں ان کے بار بار پلٹ کر آئے ہیں یقیناً اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ امام کی طرف سے ایک دفعہ جواب پالینے کے بعد بھی ابراہیم ان سے مایوس جو نہیں ہوتے تھے اس کی وجہ وہی تھی کہ اختلاف دونوں میں جو کچھ تھا وہ صرف طریقہ کار میں تھا ورنہ باطل کے مقابلہ میں غرض کے احساس کی آگ دونوں میں برابر لگی ہوئی تھی موجودہ حکومت سے بیزاری اور ممکنہ حد تک اس سے مقابلہ کی کوشش میں دونوں کا سیاسی مذاق ایک ہی تھا مذاق اور طبیعت کی یہی وحدت ابراہیم کو بار بار مایوس ہو جانے کے بعد بھی ان میں اس کی امید پیدا کرتی تھی کہ شاید اب نہیں تو نب امام ابوحنیفہ میری ہم ذاتی اور پشت پناہی پر آمادہ ہو جائیں جیسے کسی پر غرض باقی ہو اور غرض خواہ اس سے تقاضا کرتا ہے اسی طرح بقول امام ابوحنیفہ ابراہیم کا امام سے تقاضا کرنا یہ بھی اس اعتماد کی دلیل ہے جو نفس مسئلہ کی حد تک ابراہیم امام پر رکھتے تھے۔

کچھ بھی ہو اندر دونوں کا بیچ پوچھتے تو ایک ہی تھا البتہ بے چارے ابراہیم میں صرف ایمانی جوش تھا اس جوش کو عقل اور تدبیر کی راہ نمائی میں استعمال کرنے سے وہ معذور تھے لیکن امام چاہتے تھے کہ ایمان کی اس حرارت سے اگر کسی چیز کے تیار کر لینے کا امکان ہو خواہ وہ کوئی معمولی سبب یا ہی کیوں نہ ہو تو اس موقع کو کیوں کھوایا جائے اسی بیان کی بعض روایتوں میں ہے کہ امام نے ابراہیم کو سمجھانے کے بعد آخر میں اپنے مسلک کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ

ولکنہ ينتظر الجصاص ص ۲۳ ج ۱ لیکن چاہیے کہ انتظار کیا جائے۔

جس کا مطلب جیسا کہ امام کی آئندہ طرز عمل سے پتہ چلتا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی کسی باضابطہ اجتماعی تنظیم میں شریک ہو کر مقابلہ کا موقعہ اگر مل گیا تو میں اس میں شریک ہو کر غرض سے سبک دوشی حاصل کر لوں گا ورنہ انتظار کی ان گھڑیوں میں جس حد تک حق کو آگے بڑھانے اور باطل کو پیچھے ہٹانے کے امکانات ملتے چلے جائیں گے ان امکانات سے نفع اٹھانے کی کوشش کرنے میں زندگی کے اوقات گزاروں گا اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ امام کے سامنے دونوں صورتیں آئیں جس کی تفصیل ابھی آپ کے سامنے آئے گی۔

ابراہیم کا ابو مسلم کے سامنے احتیاق

یعنی اس سے پہلے بے چارے ابراہیم
الصانع کا جو انجام ہوا ہے اسے بھی

سن لینا چاہیے اس سلسلے میں ایک روایت تو وہ ہے جو امام ابوحنیفہ کے حوالہ سے کتابوں
میں درج کی گئی ہے، اور دوسرے اجزاء طبقات ابن سعد کی روایتوں میں ملتے ہیں ساری
روایتوں کو ملانے کے بعد واقعہ کی جو ترتیب میرے دماغ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ بالآخر
بار بار عرض کرنے کے بعد جب امام رحمۃ اللہ علیہ سے ابراہیم کو مایوسی ہو گئی تو آخری فیصلہ
کر کے وہ کوفہ سے مرو روانہ ہوئے اور ابو مسلم جو مرو کی آخری اقتداری طاقت کے قالب
میں وہاں حکمرانی کر رہا تھا ذرا وہی بات پر گردنیں اڑوا رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے کہیں میں
نے نقل کیا ہے کہ سیاہ لباس کیوں اختیار کیا گیا ہے۔ صرف اس سوال پر پوچھنے والے
کی گردن اڑادی گئی خودی سوچنا چاہیے کہ صبر یعنی فوجی مقابلے میں نہیں بلکہ سامنے
کھڑا کر کے، اس کے حکم اور ہاتھ سے قتل ہوتے والوں کی تعداد باتفاق مورخین چھ لاکھ
تک بتائی گئی ہے ایسے شخص کی جباریت بعد قہرمانیت کا کیا حال ہوگا لیکن ایمان و یقین
کے نشہ میں مست احساس فرض کے جذبہ سے بے چین ابراہیم اپنے طے شدہ ارادے کے ساتھ
مرو آکر سیدھے اس کے دربار میں پہنچے ہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا ابو مسلم اور ابراہیم میں دیرینہ
تعلقات تھے ان کے علم و فضل و دیانت و تقویٰ سے خوب واقف تھا اس لئے ابو مسلم
دربار میں ان کا آنا کسی اجنبی دیوانے خبطی آدمی کا آنا نہ تھا لیکن خلاف معمول پہنچنے کے ساتھ
ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم نے ابو مسلم کے سامنے ایک تقریر کی افسوس ہے کہ بیان کرنے
والوں نے تقریر کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں ابن سعد نے صرف اتنا لکھا ہے۔

ان ابراہیم الصانع اتی بابا مسلم فوعظہ ابراہیم صانع ابو مسلم کے پاس آئے اور اس کو نصیحت

مستاج، قسم دوم کرنے لگے

چاہیے تو یہی تھا کہ اسی تقریر کے بعد جس انجام کو سوچ کر انھوں نے تقریر کی تھی وہ سامنے
آجاتی یعنی قتل ہو جاتے لیکن ابراہیم کوئی معمولی آدمی نہ تھے ان کے دین و تقویٰ کا سارے
خراسان بلکہ اس زمانے کے عام اسلامی ممالک پر اثر تھا لکھا ہے کہ تقریر کو ابو مسلم نے بڑے
ضبط و سکون کے ساتھ سنا اور بجائے اپنے اظہار غیظ و غضب کے اس نے ان سے صرف یہ
کہا کہ

آپ کی رائے مجھے معلوم ہوگئی اچھا تو اپنے مکان تشریف لے جائیے

مسند ابن سعد

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دفعہ وہ واپس ہو گئے لیکن جیسا کہ امام ابوحنیفہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے وقفہ کے بعد پھر پہنچے اور اس دفعہ کلمہ بکلام غلیظ ذرا تیز و تند لہجہ میں ابو مسلم کو آپ نے خطاب کیا، اس دفعہ بھی قتل کا حکم ابو مسلم نہ دے سکا۔ بلکہ صرف گرفتار کر لیا امام ابوحنیفہ کا بیان ہے کہ ابراہیم کی گرفتاری کی خبر جس وقت مرو اور اس کے اطراف میں مشہور ہوئی تو

فاجتمع علیہ فقہاء و اهل خراسان خراسان کے علماء اور مشائخ ابو مسلم کے پاس و عبادہم جمع ہوئے۔

بالآخر اہل علم و دین کے اس مجمع کے اصرار پر ابراہیم کو اس دفعہ بھی چھوڑ دیا ممکن ہے کہ لوگوں کے کہنے سننے سے کچھ دن ابراہیم رُک گئے ہوں لیکن امام ابوحنیفہ ہی کا بیان ہے کہ پھر پہنچے اور تند و تیز لہجہ میں اس کے حرکات پر متنبہ کرنا شروع کیا واللہ اعلم کیا صورت پیش آئی کہ اس دفعہ بھی ابو مسلم نے صرف ڈانٹ ڈپٹ جھڑپوں سے کام لیتے ہوئے اُن کو چھوڑ دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابو مسلم کا ابراہیم کے قتل کے لئے قانونی حیلہ تیسرے حملے کے بعد ابو مسلم کی نیت بدل گئی اور ابراہیم کے متعلق وہ دوسری فکریں کرنے لگا۔

ابن سعد کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ قانونی گرفت میں لا کر اُن کے قاتلہ کے لئے اس نے ایک مسودہ تیار کیا گند چکا کہ اختلاف سے بچنے ابراہیم کے ساتھ محمد بن ثابت العبدی نامی صاحب کبھی ابو مسلم کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اب واللہ اعلم ابو مسلم نے ان کو سازش میں شریک کر لیا تھا یا وہ بھی ناواقف ہی تھے بہرحال قصہ یہ ہے کہ ایک آدمی کو ابو مسلم نے تیار کیا کہ خفیہ طور پر تم ان دروڑوں (یعنی ابراہیم الصانع اور محمد بن ثابت) سے ایسے مسئلہ دریافت کرو کہ ابو مسلم کے فتک کا اثر ادا نہ کیا جائے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے اچانک دروڑ ہو کر کئی پر قاتلانہ حملہ کرنا اسی کو عزلی میں فتک کہتے ہیں اس زمانے میں بھی اس کو دستور تھا کہتے ہیں کہ اس کی ہدایت کے مطابق ابو مسلم کا گونڈہ دروڑوں حضرات کے پاس

پہنچا اور اسی سوال کو اس نے پیش کیا محمد بن ثابت کے متعلق تو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے جواب دیا۔

لا اری ان یقتل بہ لان الایمان قید الفتک۔
اچانک قاتلانہ حملہ کرنا میرے نزدیک ابو مسلم پر صحیح نہ ہوگا کیونکہ "ایمان" اس قسم کے قتل سے مانع ہے؛

"الایمان" کے لفظ کے متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ یمین کی جمع ہے یعنی قسمی معاہدہ کے بعد جس شخص سے پُر امن رہنے کا معاہدہ کر لیا گیا ہو اس پر قاتلانہ حملہ کرنا جائز نہ ہوگا یہ محمد بن ثابت نے فتویٰ دیا لیکن دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ بجائے جمع کے اس کو "ایمان" یعنی مصدر کا سیغہ قرار دیا جائے اور مطلب یہ ہو کہ ایمان کا جو دعویٰ کرتا ہو اس کے قتل کی شریعت کیے اجازت دے سکتی ہے کچھ بھی ہو محمد بن ثابت نے اس حملہ کو ناجائز قرار دیا۔ لیکن وہی آدمی جب ابراہیم کے پاس آیا اور اسی سوال کو ان پر پیش کیا تو انھوں نے فتویٰ دیا کہ اری ان یقتل بہ و یقتل لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابو مسلم پر اچانک قاتلانہ حملہ بھی کرنا چاہیے اور اس کو قتل کر دینا چاہیے۔

یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ فتویٰ زبانی لیا گیا آیا تحریری دستخط کے ساتھ ابو مسلم نے اس کو حاصل کیا ابن سعد کا بیان ہے کہ اسی فتوے کو وثیقہ اور سند بنا کر ابو مسلم نے حضرت ابراہیم کے قتل کا حکم نافذ کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہی واقعہ ہو اور ایمان اگر یمین کی جمع ہے تو ابراہیم کے نزدیک معاہدہ کی پابندی اس لئے ضروری نہ رہی ہوگی کہ جن امور کی پابندی کا اس نے معاہدہ کیا تھا ان کا ارتکاب کر کے معاہدہ کو اس نے توڑ دیا اور ایسی صورت میں مسلمانوں پر بھی معاہدے کی پابندی ضروری نہیں رہتی۔ اور اگر "ایمان" کا لفظ سمجھا جائے تو ابراہیم پر

لہ خود قرآن کی متعدد آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں مثلاً وان نکثوا ایمانہم بعد عہد ہم و طعنوا فی و نیکم فقاتلوا لایمت جس کا مطلب یہ بھی ہے کہ معاہدہ کر کے بعد جب معاہدہ کی پابندی انھوں نے نہ کی تو مسلمان فوج پر بھی تکمیل معاہدہ واجب درہا اور ان سے لڑو معاہدے کے بعد قریش نے بنی خزاعہ کے مقابلہ میں بنی بکر کی خفیہ امداد کر کے معاہدے کو چوڑا کر دیا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر چڑھائی فرمادی۔ علامہ ابو بکر الجصاص مذکورہ بالا آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ فید دلالت علی ان اہل العہد حتی خالفوا شیئاً مما عہدوا علیہ و طعنوا فی دیننا فقد نقضوا العہد یعنی جن سے

واسطے ہو چکا تھا کہ درپردہ اسلامی حکومت کی اسٹنٹ کی فکر میں ہے۔

بہر حال یہ تو جب ہے کہ ہم یہ مان لیں کہ واقع میں ابراہیم نے یہ فتویٰ دیا تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ فتویٰ سرے سے جعلی تھا اور صرف ابراہیم کے قتل کے جواز کی قانونی سند حاصل کرنے کے لئے ابو مسلم نے کسی کو آمادہ کر کے اُن کی طرف اس فتوے کو منسوب کرا دیا اور یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ امام ابو حنیفہ نے ابراہیم کے قتل کے قیسے کو جو بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کی طرف جو فتویٰ منسوب کیا گیا ہے وہ ان کا مسلک نہ تھا۔

شہادت پہلے ابراہیم کا ابو مسلم کے سامنے اپنی تمنا کا اظہار

امام ابو حنیفہ کا بیان یہ ہے کہ ابراہیم ابو مسلم کے پاس آخری دفعہ جب آئے تو اس سے کہنا شروع کیا۔

”حق تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے اس وقت سب سے بڑی چیز میرے نزدیک یہ ہے کہ میں تجھ سے جہاد کروں کوئی کام اس وقت اس سے بہتر خدا کو خوش کرنے کے لئے میرے نزدیک باقی نہیں رہا ہے۔“

اس تمہید کے بعد اُن کے آخری الفاظ جو بحسنہ نقل کئے جاتے ہیں یہ تھے کہ

ولا جاهدک بلسان لیس لی قوۃ
بیدی و لکن یرانی اللہ وانا بغضک
فیہ را الجصاص والقریشی
اسی اللہ کی وجہ سے میں تجھ سے بغض رکھتا ہوں (صرف اسی کا ثبوت پیش کرنا مقصود ہے)

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ سے ایسے مواقع پر جہاد اور حملہ کرنا جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے یہ عوام کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا کام ہے جو صاحب امر ہوں یہی مسلک ابراہیم کا بھی

مسلمانوں کا معاہدہ ہوا اگر ان باتوں میں سے جن کی پابندی معاہدے میں لازم کی گئی ہو کسی ایک بات کی پابندی نہ کریں اور ہمارے دین پر طغنه کریں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ معاہدہ انھوں نے توڑ دیا جس سے معلوم ہوا کہ معاہدے کے شرائط میں کسی ایک شرط کے توڑنے سے معاہدہ ختم ہو جاتا ہے ۱۲

اسے یہ ہدایہ کے متن کا مسئلہ ہے کہ الامر بالمعروف بالیہدالی الامراء و باللسان الی غیرہم ص ۳۴۲ کتاب الغصب جس

تھا البتہ عدم افادہ اور قتل کے اندیشہ کی وجہ سے امر باللسان یعنی زبان سے بھی، کہنے کی فرصت گوسا قسط ہو چکی تھی۔ لیکن انھوں نے امام ابو حنیفہ کے سمجھانے کے باوجود عزیمت ہی پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا اور حقیقت افادہ سے زیادہ اس ایسانی حال کے لحاظ سے جو ان پر طاری تھا ابتلا کے میدان میں کامیابی نے ان کی نگاہوں میں زیادہ اہمیت حاصل کرنی تھی وہ اپنے مالک کے قدموں پر اپنی جان نثار کرنا چاہتے تھے اور موت جیسے لایخل عقہ کا حل انھوں نے یہی نکالا تھا کہ خدا کی دشمن کی تلوار ان کو خدا کے پاس پہنچا دے ان کے الفاظ

”میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا مالک، اللہ دیکھے کہ صرف اسی اللہ کی وجہ سے میں تجھ سے بغض رکھتا ہوں۔“

ابراہیم کی شہادت

ان ہی الفاظ سے ان کے دل میں جو ارادہ تھا وہ ظاہر ہو رہا ہے پھر کیا ہوا؟ امام ابو حنیفہ کی روایت میں تو

کا مطلب یہی ہے کہ حکومت کا اقتدار چھوڑتے ہیں ان ہی سے اس حکم کا تعلق ہے کہ بزرگوں کو حق پر قائم کرنے اور باطل سے ہٹانے کی کوشش کریں لیکن ایک عامی آدمی جو حکومت کے اقتدار سے محروم ہے اس پر صرف بان سے معوف کا امر اور منکر کی ہنسی واجب ہے حتیٰ کہ اسی نبیاد پر امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ہے کہ گائے بچانے کے آلات جو ممنوعات شرعیہ میں سے ہیں اگر کسی مسلمان کے پاس ہوں اور دوسرا مسلمان اس کو غیر شرعی چیز قرار دیتے ہوئے توڑ دے گا تو اس کو تادان اور کرنا پڑے گا کیونکہ اُس نے ان حدود میں تصرف کیا ہے جو اس کے فرائض کے دائرہ سے خارج تھے قریب قریب مختلف الفاظ میں مالکی اور شافعی علماء کی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہوا ہے یعنی مارنے پٹنے پر یا قتل و قتال پر آمادہ ہو جانا یہ عام لوگوں کا کام نہیں ہے دیکھئے احکام القرآن ابو بکر بن عمر مالکی اور احیاء العلوم غزالی وغیرہ بہر حال امام ابو حنیفہ کا صحیح مسلک ہی ہے جو جسے صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے اگر اس قسم کے مواقع میں جہاں شدید جسمانی اور جانی ضرر وغیرہ کا اندیشہ ہو جہاد باللسان کی غرضیت بھی ساقط ہو جاتی ہے اور خاموش رہنے کی بھی اجازت ہے صرف دل سے برا جانا کافی ہے قرآن میں الا ان تنفوا منہ لقاتلوا سے جس تفسیر کا ثبوت ملتا ہے وہ یہی ہے عہد نبوت میں مختلف نظائر ملتے ہیں کہ بعض لوگوں نے تفسیر سے کام لیا ہے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعضوں نے اس وقت پر بھی زبان سے حق کے اظہار پر اصرار کیا تا اینکہ شہید ہو گئے جیسے عمار بن عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیکن عمار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اعتراض نہیں کیا ان ہی عمل توقیہ کے مجدد کو متین کتاب

صرف اسی قدر ہے کہ فقتلہ د پس ابو مسلم نے ابراہیم کو قتل کر دیا، لیکن ابن سعد نے اسی واقعہ کو ذرا زیادہ تفصیل سے لکھا ہے یعنی آخری دفعہ یہ سمجھ کر کہ اب کی ابو مسلم مجھے زندہ نہ چھوڑے گا تختہ ر یعنی میت کو جو خوشبو وغیرہ لگائی جاتی ہے ابراہیم نے اپنے کپڑوں کو ان سے ہاسا، اور تکفن رکفن کا کپڑا بھی پہن لیا، اس کے بعد ابو مسلم کے سامنے اُس وقت آئے جب وہ بھرے دربار میں بیٹھا ہوا تھا ابن سعد کے الفاظ اس کے بعد یہ ہیں کہ

فوعظه وکلمہ بکلام شد بین ابراہیم نے ابو مسلم کو خطاب کر کے نصیحت و وعظ کہنا شروع کیا اور
ذہب بہ قتل و طرح فی البیض منہ سخت الفاظ استعمال کئے اسی پر ابو مسلم نے حکم دیا بے چارے قتل
کر دیئے گئے اور کسی بادی میں ان کی لاش پھینکوا دی گئی۔

اور یوں طرہ نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا۔ شاعر کی اس شاعرانہ تمنا کو انھوں نے واقعہ بنا کر دکھایا، فرضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہاں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ابراہیم صانع نے حالانکہ امام کے مشورے کو نہیں مانا اور جو دھن اُن پر سوار تھی اس پر ان کا اصرار باقی رہا لیکن آپ دیکھ رہے ہیں اس اختلاف کا ثمرہ کہ عبداللہ بن مبارک ہی راوی ہیں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ جب ابراہیم کا تذکرہ امام کی مجلس میں آتا روئے لگتے اور کیسا رونما؟ یہ شاعر کی نہیں ایک جلیل وثقہ محدث کی خبر ہے کہ

حتیٰ نضنا انہ سیموت ص ۳۹ ہم خیال کر سکتے کہ شاید امام ابوحنیفہ عنقریب مرجا تیں گے

بات ذہبی تھی کہ اختلاف صرف راہ میں تھا منزل دو لوں کی ایک تھی ابراہیم ابتلا کی راہ سے پہنچے اور بالآخر امام ابوحنیفہ اپنے آپ کو اسی منزل تک پہنچا کر رہے لیکن افادے کی راہ سے اور اب آپ کے سامنے اسی کی تفصیل آتی ہے۔

مگر قبل اس کے ایک سوال یہاں پیدا ہوتا ہے اس کے جواب پر بھی فوراً کر لینا چاہیے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ عباسی حکومت کا اس زمانہ میں جو سب سے بڑا معمار بلکہ اساسی ستون بنا ہوا تھا یعنی ابو مسلم اس کے مقابلہ میں ایک دفعہ نہیں بار بار ابراہیم کا ابوحنیفہ کے پاس آنا اور پھر جانا اور آمد و رفت کا یہ سلسلہ جاری بھی کہاں تھا کوفہ میں کہہ چکا ہوں کہ بصر بن ہبیرہ ہو یا ہاشمیہ جو اس زمانے میں عباسیوں کا مرکزی مقام بلکہ پایہ تخت ہونے کی حیثیت رکھتے تھے یہ کوفہ کے مصلحتاتی محلے تھے زیادہ تر قرینہ یہی ہے کہ ابراہیم کی آمد و رفت کے اس زمانے تک بھی انبار پایہ تخت نہیں بنا تھا اور مان لیجئے کہ انبار ہی ہو تو انبار بھی کوفہ سے کتنا دور تھا حیرہ جو سبلاطین

مناذرہ کا قدیم پایہ تخت تھا، اسی کے مقابل سمت میں دریائے فرات کے ساحل پر انبار تھا اور جبرہ کا فاصلہ کونے سے کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ کل چھ میل تھا۔

ابو مسلم خراسانی کے ہاتھوں سکس مقتولوں کی تعداد

یہ خیال بھی صحیح

نہ ہو گا کہ ابو مسلم

کے چھ لاکھ بے کس اور گنہگار مقتولوں میں ایک ابراہیم بھی تھے جن کی حکومت کی نگاہوں میں کوئی اہمیت نہ تھی قطع نظر اپنی ذہنی اور علمی منزلت کے جس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ پہلی دفعہ جب ابو مسلم نے ان کو گرفتار کیا تو امام ابو حنیفہ ہی کا یہ بیان گذر چکا ہے کہ

فما جتمع علیہ فقہاء اہل خراسان ابو مسلم کے یہاں خراسان کے علماء اور مشائخ جمع ہوئے
وعبادہم حتی اطلقوا منه وجصاص جواہر تا اینکه ابراہیم کو چھڑا لیا

صرف مرد نہیں بلکہ عام طور پر خراسان کے فقہاء اور عباد کا ابراہیم کی رہائی کے لئے جمع ہو جانا خود ظاہر کر رہا ہے کہ اپنے زمانے میں ان کا مسلمانوں میں کیا مقام تھا؛

علاوہ اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم کی شہادت کے برسوں بعد تقریباً چالیس پچاس سال بعد ایک خراسانی محدث جن کا نام نصر بن باب تھا بغداد پہنچتے ہیں حسب دستور لوگ ان سے حدیث سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں جن میں دوسروں کے ساتھ امام احمد بن حنبل بھی ہیں۔

بیان یہ کیا جاتا ہے کہ جب تک دوسرے محدثین کی روایتیں نصر بن باب سے لوگ سنتے رہے لیکن جوں ہی کہ ابراہیم الصائغ کے حوالہ سے انھوں نے ایک دو حدیثیں بیان کیں بجز چند خاص لوگوں کے سارا مجمع اٹھ گیا کسی معمولی آدمی کی نہیں بلکہ خود امام احمد بن حنبل کی چشم دید شہادت ہے الذہبی نے ان ہی کے حوالہ سے نقل کیا ہے یعنی لکھا ہے

قال احمد ما کان سہ باس انما انکرو امام احمد نے فرمایا کہ نصر بن باب کوئی خراسانی نہ تھی
علیہ حین حدث عن ابراہیم الصائغ بلکہ محض ابراہیم سے جب حدیث نصر بن باب کی
رمیزان الامثال ص ۵۲ ج ۱۲ تو لوگ اٹھ کھڑے ہوئے

یقیناً یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ابراہیم صائغ کی حیثیت عام مقتولوں کی نہیں تھی جیسا کہ اس وقت ہوا چل رہی تھی ابو مسلم نے سفاکانہ کرتوتوں کا نہیں بلکہ ابراہیم کو یقیناً حکومت عباسیہ کا دشمن مشہور کر دیا ہو گا۔ جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ بنی امیہ کے شیعوں میں وہ بھی شریک کرنے گئے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ بغدادی جو غرہ جس کا کھاتے ہیں اس کا گاتے ہیں۔

عمومی طور پر اپنے آپ کو عباسیوں کے شیعہ سمجھتے تھے ان کے لئے بھلا یہ بات قابل برداشت ہو سکتی تھی کہ عباسی شہر میں بنی امیہ کے حامی کی حدیثوں کو بیان کرنے کا موقعہ دیں اور اطمینان سے ان کو سنیں ایسے لوگ جو اس عہد کے سیاسی تشیع و تخریب سے جدا رہ کر صرف التذاور اس کے رسول کے دوست کو دوست اور ان کے دشمنوں کو دشمن سمجھنے والے ہیں بجز امام احمد جیسے بزرگوں کے بہت کم تھے اور اس زمانہ میں کیا عوام کا حال ہر زمانہ میں قریب قریب یہی رہا ہے۔

میرا خیال ہے کہ عباسی حکومت سے ابراہیم اور امام ابو حنیفہ کے تعلقات پوشیدہ نہ ہوں گے مگر کوئی ایسی روایت نہیں ملتی کہ اس جسم میں امام ابو حنیفہ کی طرف بھی حکومت نے کوئی توجہ کی اور ایک یہی کیا میں پوچھتا ہوں کہ ابھی تو بنی امیہ حکومت ختم ہوئی تھی۔ عباسیوں نے ہی کے توجہ نشین تھے پھر زید شہید کے زمانہ میں امام نے اپنے جس سیاسی رویہ کا اظہار کیا تھا اس سے عباسی کیا ناواقف ہوں گے جن وجوہ و اسباب نے امام کو بنی امیہ والوں کے مقابلہ میں حضرت زید شہید کی حمایت پر آمادہ کیا تھا عباسیوں میں جب وہ ساری باتیں پائی جا رہی تھیں تو امام ابو حنیفہ سے نہ کھٹکے رہنے کی کوئی وجہ ہو سکتی تھی؛ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ جہاں تک واقعہ کا تعلق ہے ایک مدت تک عباسیوں کو ہم امام اور ان کے سیاسی رجحانات سے کچھ بے تعلق سا پاتے ہیں، کم از کم السفاح جس نے قریب قریب پانچ سال تک حکومت کی اس پانچ سال کے عرصے میں کسی ایسے واقعہ کا پتہ نہیں چلتا جس نے امام ابو حنیفہ اور اس نئی قائم ہونے والی حکومت کا موافقت یا مخالفت تعلق ثابت ہوتا ہو یہ بھی تو نہیں تھا کہ امام حکومت کے کسی دور دراز گوشہ میں مقیم تھے وہ تو کوفہ ہی میں تھے اسی کو نہ میں جہاں سے عباسیوں نے سر اٹھایا اور ایک مدت تک اسی کے آس پاس میں بغداد کی تعمیر پہلے اپنے دار الخلافہ کو انھوں نے رکھا بلکہ یہ لطیفہ تاریخ کا اگر صحیح ہے جس کا ذکر متعدد کتابوں میں کیا گیا ہے یعنی کہتے ہیں کہ

• خلیفہ منصور ابو جعفر کے پاس ایک آئینہ تھا جس میں دوست دشمن سے

الگ ہو کر اس کو نظر آ جاتے تھے ۔

مختلف مواقع پر اسی آئینہ میں دیکھ کر منصور نے اپنے دشمنوں کا پتہ چلا یا ہے اس کا بھی اس آئینہ سے پتہ چل جاتا تھا کہ دشمن کہاں مقیم ہے کہتے ہیں کہ بعض قدیم سلاطین کے خزانے سے

لے دیکھو کمال بن اثیر ص ۵۵

یہ چیز منسور کو ملی تھی واللہ اعلم بالصواب :-

ہیں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا چیز تھی؟ جمشید کے ساغر جہاں نما کا افسانوی روایات میں جیسے ذکر آتا ہے کچھ اسی قسم کی چیز تھی یا یہ آئینہ کیا تھا؟ بہر حال اگر کوئی ایسی چیز ان عباسیوں کو مل گئی تھی تو امام ابو حنیفہ کیا ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ سکتے تھے خصوصاً جب ان کے دار الخلافہ کے زیر سایہ ہی بے چارے کا مکان تھا :-

مہدی کے سامنے حضرت سفیان ثوری پھر ایک زمانہ تک امام کے ساتھ بے تعلقی کا رویہ حکومت

نے کچھوں کا نام کر رکھا تھا اس کے لئے ضرورت ہے کہ اس مہدی کی حکومتوں کے اس سیاسی نظریہ کا ذکر کر لیا جائے ایک تاریخی مثال سے اس کو سمجھئے۔ المسعودی اور ابن خلکان دونوں میں یہ واقعہ موجود ہے ابو جعفر منصور کے بعد عباسی تخت پر مہدی نامی خلیفہ متمکن ہوا اسی مہدی کے زمانہ کا قصہ یہ ہے کہ سفیان ثوری گرفتار ہو کر اس کے دربار میں لائے گئے مہدی نے سفیان کو دیکھ کر کہا کہ سفیان! تم ہم لوگوں یعنی حکومت والوں سے، اوپر اوڑھ بھاگے بھاگے پھرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ ہم لوگ اگر تم پر مصیبت لانا چاہیں تو اس طریقے سے ہی جاؤ گے، مگر اب بتاؤ کہ تم اس وقت میرے قابو میں ہو کہو اس وقت اگر تمہارے متعلق

سلف اس کتاب کے پڑھنے والوں سے گواہ کی توقع نہیں ہے کہ وہ سفیان ثوری اور اسلامی علوم و حدیث و فقہ وغیرہ میں ان کا جو مقام ہے اس سے ناواقف ہوں گے لیکن پھر بھی عوام کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اسلام کی چند چہیدہ اور برگزیدہ ہستیوں میں آپ کا شمار ہے ابن اسلم کے حوالہ سے توذہبی نے لکھا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ تم سے اگر کوئی کہے کہ میں نے سفیان سے بھی اچھا آدمی دیکھا ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہ کرنا ابن جوزی نے ایک مفصل مستقل سوانح عمری ان کی لکھی ہے علم کے ساتھ تقویٰ اور تدبیر میں اپنی آپ نظر تھے اسی مہدی خلیفہ عباسی کے متعلق لکھا ہے کہ سفیان نے اس سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے بیٹے میں کل بارہ دینار خرچ کئے تھے لیکن تم ان ہی کی جانشینی کا دعویٰ کرتے ہو اور تمہارے مصارف کا کیا حال ہے اس پر مہدی بگڑ گیا اور بولا کہ تم کیا یہ چاہتے ہو کہ میں بھی افلاس و فلاکت زدگی کے اسی حال میں اپنے آپ کو رکھوں جیسے تم ہر سفیان نے کہا کہ نہیں ہو تو میں نہیں چاہتا لیکن جس معیار پر اس وقت تم اپنی زندگی گزار رہے ہو اس کو گھٹائے کی حدود ضرورت ہے سلف میں آپ کی وفات مہدی ہی کے زمانہ میں ہوئی ۱۲

میں کوئی حکم فوری طرزوں تو اب کیا کرے؟ سفیان نے جواب میں بے تحاشا کہا کہ تم میرے متعلق اگر کوئی حکم اس وقت دو گے تو جو سب بڑی قدرتی لالچے اور عجیب و غریب چسک جس کے سامنے عباسیہ وہ تم پر بھی حکم اٹانڈ کر لیا اقتدار رکھتا ہے۔ مہدی کا درباری امیر بیچ بھی اپنی تلوار پر ایک دنگاٹے مہدی کے سر پر کھڑا ہوا تھا سفیان کے اس بے باکانہ جواب سے اس کے رونٹے کھڑے ہو گئے غصہ سے مہمت ہو گیا، اور مہدی کو خطاب کر کے کہنے لگا حضور اس گنوار جاہل کی یہ مجال کہ سر دربار آپ کی شان میں آپ کے سامنے ایسی گستاخانہ بات کرے مجھے اجازت دیجئے اس کی گردن مار دیتا ہوں۔

اسی موقع پر ریح کو جواب دیتے ہوئے مہدی نے جو بات کہی تھی اسی کو میں پیش کرنا چاہتا ہوں
بیچ سے اس نے کہا کہ

اسکت ویلک مایریل ہن ادا مثالہ بدعت چپ رہ! یہ اور اس قسم کے لوگ یہی تو چاہتے
الا ان نقتلہم فنشقی بسعاد تہم ہیں کہ ہم ان کو قتل کر کے ان کی کامیابی کو اپنی نجاتی لو
المسعودی ص ۱۳۱ برکاتیل بدنامی کا ذریعہ بنائیں

جس سے معلوم ہوا کہ حسین کے قتل میں ہر زمانہ کے یزیدوں کو اپنی موت کی تصویر نظر آتی ہے بلکہ سمجھنے والے اگر سمجھنا چاہیں تو اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حکمران (یعنی مہدی) کی مذکورہ بالا شہادت سے یہ نتیجہ بھی پیدا کر سکتے ہیں کہ حسینی نمونے کی اقتدار کرنے والوں نے بھی برعکس اس کے اپنی موت ہی میں اپنی زندگی کی ضمانتوں کو مستور پایا ہے۔

یہ حال قطعی طور پر کوئی بات نہیں کہی جا سکتی، لیکن ہو سکتا ہے کہ اپنے قیام کے ابتدائی چند سالوں تک امام ابو حنیفہ سے عباسی حکومت کی بے تعلقی میں بھی کچھ اسی قسم کے اسرار پوشیدہ ہوں یا یوں سمجھتے کہ قدرت کو امام سے اسلام کا ایک کام لینا تھا ایسا کام کہ بقول یزید بن مارون کے۔

فقہ امام ابو حنیفہ کا خاص ہنر تھا، میں نے نہیں دیکھا کہ فقہ کے متعلق ان سے کسی نے گفتگو کی ہو اور امام سے وہ مغلوب نہ ہو گیا ہو۔

آخر میں انھوں نے کہا کہ

فہو صناعة وساعة اصحابہ یہ تو ان کا اور ان کے شاگردوں کا خاص ہنر اور فن
کا لہم خلقا لها ص ۶۵ موج ۲ ہے گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی کام کیلئے یہ لوگ مہدی کے پاس

دور یہ ہے کہ حنفی فقہ ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے پاس فقہ کا آج جو کچھ بھی سرمایہ ہے وہ شافعی فقہ ہو یا حنبلی بلکہ مالکی فقہ تک کسی نہ کسی حیثیت سے سب کی بالآخر امام ابوحنیفہ ہی کی ان دیدہ ریزیوں سے آبیاری ہوتی ہے جن کا موقعہ قدرت نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حجاز سے واپسی کے بعد "وضع قوانین" کے اس مشغلہ میں جو مہمک ہوئے تو جہاں تک میرا خیال ہے مسئلہ تک ابراہیم صانع کی اس آزمائش کے سوا جس سے متعلق ان کا خود اقرار ہے کہ مجھ پر دنیا اندھیری ہو گئی تھی، کوئی ایسا واقعہ نہیں پیش آیا جو ان کے اس اطمینان اور جمعیت خاطر میں خلل انداز ہوتا جس کی ضرورت ایک ایسے عظیم مہم کی سرانجامی کے لئے ناگزیر ہے۔

عباسی حکومت کے ابتدائی دور میں حضرت امام کی خاموش جدوجہد

وقفہ کی اس مدت میں جو تقریباً تیرہ چودہ سال سے کم نہ تھی جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے امام کے سامنے دو ہی باتیں تھیں یعنی مسلمانوں کی کوئی تخلیقی قوت اگر فراہم ہو جائے تو اس میں شریک ہو کر حق کی حمایت اور باطل کے ازالہ کے جس فرض کو وہ ادا کرنا چاہتے تھے اسے ادا کریں اور جب تک یہ ممکن نہ ہو اس وقت تک بجائے ابتلائی راہ کے ممکنہ مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جس حد تک حق کی اقامت اور باطل کے مغلوب کرنے میں آگے بڑھنے کا امکان ملتا جائے بڑھے چلے جانا چاہیے۔

یہ خدا کی طرف کی بات تھی کہ عباسی حکومت کے قیام کے ابتدائی سالوں میں یعنی ۱۳۵ھ تک تو ثانی الذکر مقصد کے متعلق پورے انہماک اور توجہ کے ساتھ کام کرنے کا کھلا میدان ان کو ملا اور جب کام ایک ایسی حد پر پہنچ گیا کہ دوسرے بھی اس کو آگے بڑھانے میں امام کی نمائندگی کر سکتے تھے، قدرت نے امام کو دوسرے حوصلہ کی تکمیل کا بھی موقعہ عطا فرمادیا۔ میں جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں اس کے پیش کرنے سے ایک غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہے یعنی ۱۳۵ھ تک حکومت سے بے تعلقی کا جو دعویٰ میں نے کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عباسی حکومت

۱۔ اس دعوے کو کتاب "تدوین فقہ" میں انشاء اللہ دلائل و شواہد کی روشنی میں پیش کیا جائے گا اس وقت صرف اشارہ کافی ہے۔

اور امام میں کش مکش کے جو تعلقات بعد کو پیدا ہونے ان مخالفانہ تعلقات سے امام کی زندگی کے یہ چند سال خالی رہے ہیں، ورنہ جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہو گا السفاح جس کی وفات ۱۳۲ھ میں ہوئی اس کے عہد حکومت میں تو نہیں، لیکن سفاح کے بعد جوں ہی کہ ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا اس نے اپنی خلافت کے چند ہی دنوں کے بعد امام ابو حنیفہ سے اچھے خاصے خوش گوار تعلقات قائم کر لئے تھے لیکن یہ مشکل یہ خوش گواری ۱۳۵ھ تک قائم رہی اس کے بعد تو ہوا جو کچھ تفصیل خود آگے آرہی ہے۔

امام ابو حنیفہ وقفہ کے اس زمانے میں کیا کرتے رہے اور جو

جدوجہد کی تفصیل

کچھ بھی کرتے رہے کیوں کرتے رہے۔ اس سوال کے جواب کا ایک حصہ تو گذر چکا یعنی ”وضع قوانین“ کی مجلس قائم کر کے ان کی زندگی کے ان تمام شعبوں کے متعلق جن کے کلیات اسلام میں پائے جاتے تھے خصوصاً جن کا آدمی کے عملی زندگی سے تعلق ہے اسلامی آئین کی روشنی میں جزئیات پیدا کرتے رہے امام کی خدمت کے اس حصے کے متعلق اس رسالہ کی گنجائش کی حد تک میں بحث کر چکا ہوں دراصل صحیح مقام اس کی تفصیلی بحث کا کتاب تدوین فقہ ہے پڑھنے والوں کو اسی کتاب کا انتظار کرنا چاہیے۔

اس وقت اس سلسلے میں اب جن چیزوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں وہ مذکورہ بالا سوال کے جواب کے دوسرے اجزاء ہیں۔

محکمہ عدلیہ کے متعلق اپنے شاگردوں کی صحیح تربیت

(۱) سب سے پہلی بات اس سلسلہ میں جو نظر آتی ہے وہ قضا کے متعلق اپنے تلامذہ میں خاص قسم کے جذبات کی پرورش ہے۔

مطلب یہ ہے کہ امام جس کام کو اپنے تلامذہ کی امداد اور رفاقت میں انجام دے رہے تھے یہ کام ہی ایسا تھا کہ اس میں کمال حاصل کرنے والوں کے لئے حکومت کے سب سے بڑے اور سب سے اہم شعبہ میں داخل ہونے کا قدرتی موقع پیدا ہو جاتا تھا اور کچھ اسی زمانے میں نہیں۔ آج بھی دنیا کی حکومتوں میں اگر دیکھا جائے تو پارلیمان سے تھائی تعلقی داری کچھ یوں تک میں اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے جسے اسلامی حکومتوں کے زمانے میں قضا اور مفتی وغیرہ انجام دیتے تھے وہی قانون بنانا ان کو حوادث و واقعات پر منطبق کرنا اور ان ہی کی روشنی میں

”امن و امان“ دادرسی جو حکومتوں کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا فرض ہے اب بھی موجودہ زمانہ کی حکومتوں کا سب سے بڑا مشغلہ ہے اور اس زمانے میں بھی یہی تھا بلکہ عربی زبان میں باہمی جھگڑے جو لوگوں میں ہوتے رہتے ہیں ان کے چکائے ہی کو حکومت کہتے تھے جس کا مطلب یہی ہوا کہ حکومتوں کا اصلی کام یہی ہے۔

بہر حال امام صاحب چاہتے تھے کہ ان کی مجلس کے اراکین اور شرکار جس علمی کمال کو اپنے اندر پیدا کر رہے ہیں یہی کمال ان حکومت کے اس شعبہ میں شریک و خیل ہونے کا مستحق بنا رہا ہے چونکہ اسلامی قانون جس کی تدوین کا کام ابوحنیفہ انجام دے رہے تھے صرف قانون دینی نہ تھا بلکہ وہی مسلمانوں کا دین بھی تھا جس کے معنی یہ ہوتے کہ دنیا کے دواڑے بھی ان لوگوں پر دین کی راہ سے کھل رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ دین کے لئے جس اخلاص اور راست بازی، استقامت وغیرہ کی ضرورت ہے دنیا میں مبتلا ہونے کے بعد دین کے ان اقتضائوں کی تسہیل ہر معمولی آدمی کا کام نہیں ہو سکتا:

حضرت امام کو ایک طرف جو دیکھا جاتا ہے کہ اسلامی آئین کے باریک سے باریک دقیق سے پہلوؤں پر اپنے تلامذہ کو تہذیب کر رہے ہیں لیکن اسی کے ساتھ جب کبھی موقع ملتا ہے تو اس جانب کی یعنی اس علم کو حکومت کے محکمہ عدلیہ میں داخل ہونے کا ذریعہ بنایا جائے سخت حوصلہ شہائی کرتے ہیں۔ نوح بن ابی راج جو بعد کو حکومت عباسیہ کے ممتاز قضات میں شمار کئے گئے وہ خود اپنا ذاتی قصہ بیان کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ سے میں ایسے بعض خاص مسائل و غرضیات کے ساتھ دریافت کیا کرتا تھا جن کا تعلق قضا سے ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں امام ان کے سوالوں کا جواب دیتے رہے آخر ایک دن ان سے نہ رہ گیا اور نوح کو خطاب کر کے فرمائے گئے۔

نوح میں تم کو دیکھ رہا ہوں کہ تم زیادہ تر قضا کے ابواب کے متعلق سوال کرتے رہتے ہو میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے اندر قاضی بننے کی آرزو پردش پار ہی ہے، نوح!

سلطان خلیفہ وغیرہ نے کھابے کہ نوح کے والد نبطی حاکم تھے یعنی عراق کے دیسی لوزبان تھے لیکن خدا کی شان چار بیٹے وراج کے قاضی ہوئے کھابے کہ قاضی فریک بن عبد اللہ اپنے بچوں کی تربیت اور نگرانی میں زیادہ توجہ سے کام نہیں لیتے تھے جس پر لوگ ان کو ٹوکا کرتے جواب میں جھجلا کر قاضی فریک کہتے کہ وراج لوزبان حاکم نے کیا اپنے بچوں کی تربیت کی تھی کہ سب کے سب عباسی حکومت کی ججی کے عہدے پر مرفراز ہوئے۔ ۱۲

دیکھو! تمہاری ذکاوت تمہاری سمجھ بوجھ مجھے پسند ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ

ان ضداد و عطیوں کو تم بگاڑ نہ بیٹھو۔ ص ۹

تلامذہ کی اسی مجلس میں کبھی فرماتے کہ:-

جو قاضی بنایا گیا سمجھ لینا چاہیے کہ سمندر میں وہ ڈوبا، تیرنا بھی اگر کوئی جانتا ہو تو

سمندر میں کب تک تیرتا رہے گا اور ہاتھ پاؤں پھینکتا رہے گا، منہ ج ۲

خالد بن صبیح جو امام کے ممتاز طلبہ میں شمار ہوتے ہیں مروی ہے کہ باشندے تھے انھوں نے تو

اسی سلسلہ میں امام صاحب سے یہ عجیب روایت نقل کی ہے یعنی ایک دن امام ابوحنیفہ اپنے اصحابوں
ور تھا، کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے گئے:-

ان میں سب سے بہتر تو وہ ہیں جنہوں نے فقہ کے علم کو حاصل تو کر لیا لیکن فتویٰ

دینے کے پیشے کو اختیار نہیں کیا ان کے بعد درجہ ان لوگوں کا ہے جو فتویٰ دینے

کا کام بھی کریں مگر اور سب سے کم تر درجہ ان لوگوں کا ہے جو قاضی نہیں گئے۔

ص ۱۵۹ ج ۲

امام کے بحسب الفاظ یہ ہیں کہ

اخصم القضاۃ

سب سے کم تر درجہ ان کا ہے جو قاضی نہیں گئے

حصولِ علم کے صحیح مقصد کے متعلق شاگردوں کی ذہنی تربیت

ظاہر ہے کہ یہ پیش گوئی نہیں تھی جو امام پر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان شاگردوں میں جو سب

سے بڑے تھے یعنی ابو یوسف وہی تو قاضی بنے بلکہ درحقیقت اپنے تلامذہ کی تربیت کا ایک طریقہ

تھا مقصود ان الفاظ سے یہی تھا جسے امام بھی کبھی ان الفاظ میں ادا کرتے ابو شہاب نحاط امام کی

زبانی یہ نقل کیا کرتے تھے کہ:-

علم کو جس سے دنیا کے لئے سیکھا وہ علم کی برکت سے محروم کر دیا جاتا ہے، ایسے

ادی کے دل میں علم جاگزیں نہیں ہوتا اور اس کے علم سے لوگوں کو زیادہ فائدہ بھی

نہیں پہنچتا۔ لیکن جس نے دین کے لئے علم حاصل کیا اس کے علم میں برکت دی

جاتی ہے اور دل میں اس کے علم راسخ ہو جاتا ہے اور لوگ اس کے علم سے

زیادہ نفع اٹھاتے ہیں منہ ج ۲

یہ اور اس قسم کے بیسیوں اقوال امام صاحب سے کتابوں میں منقول ہیں امام کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے لئے غالباً یہ چند مثالیں کافی ہو سکتی ہیں۔

اب ایک طرف امام کے ان اقوال کو رکھتے اور دوسری طرف ان ہی سے اس باب میں جو دوسری باتیں منقول ہیں وہ بھی سن لیجئے ان کے تلمیذ رشید جن پر محدثین کو بھی اعتماد ہے یعنی قاضی ابو یوسف ہی کی روایت ہے کہ:-

امام کی مجلس میں اگر کوئی ادھر ادھر کی باتیں کرتا جب اس کی گفتگو طویل ہو جاتی تو امام سے پھر رہا نہ جاتا اور اس کی بات کاٹ کر کچھ مسئلہ مسائل کا ذکر چھیڑ دیتے پھر تلاذہ کی طرف خطاب کر کے فرماتے خبردار! جو بات ناگوار گذرتی ہو، خواہ مخواہ اس سے لوگوں کو مطلع کرنے کی ضرورت نہیں رہے ظاہر لوگ امام تک یہ تذکرے بھی پہنچاتے کہ فلاں آپ کو یہ کہتا ہے۔ کہتا ہے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، آخر میں فرماتے کہ بھائی جو میرے متعلق بڑی باتیں کہتے ہیں خدا ان کو معاف فرما دے اور جو اچھے خیالات رکھتے ہیں خدا ان پر رحم فرمائے

اس کے بعد ”گز“ کی بات امام کا یہ آخری فقرہ ہوا کرتا تھا کہ

تفقهوا فی دین اللہ وددوا الناس تم لوگ اللہ کے دین کی سمجھ پیدا کئے چلے جاؤ اور لوگ جو

وما صنعوا لانفسہم فی حوجہم الیکم کچھ کر رہے ہیں ان کو ان ہی کے حوالہ کر دو، اگر تم ایسا

کر دو گے تو تمہارا علم لوگوں کو تمہارا محتاج بنا کر رہے گا

۲۷۰

بس امام کے ان ہی الفاظ کی طرف میں توجہ دلاتا

چاہتا ہوں کہ ایک طرف اپنے تلاذہ میں ”تضا“ وافتا کی حوصلہ شکنی کی بھی کرتے رہتے تھے اور دوسری طرف ان ہی شاگردوں کو اس کے لئے بھی تیار کرتے تھے کہ تم اپنے اندر ایسا کمال پیدا کرو کہ خواہ مخواہ لوگوں کو تمہارا محتاج ہونا پڑے۔

ظاہر ہے کہ جس علم کو ان کے تلاذہ حاصل کر رہے تھے اس کی طرف احتیاج افتاء اور تضا کے سوا اور کس مسئلہ میں ہو سکتی تھی۔ وہ طب کا علم تو حاصل نہیں کر رہے تھے کہ اپنے جسمانی امراض میں لوگ ان کے محتاج ہوتے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ تضا وافتا کے باب میں اپنے شاگردوں

سے پہلے بھی مفتی اور تاضی کے الفاظ آتے ہیں اور یہاں بھی افتاء اور تضا کے الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے عوام کو شاید

جو ہمت شکنی کیا کرتے تھے اس سے غرض یہی تھی کہ دنیا کے لئے دین کے اس علم کو اس طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے کہ دین کے احترام کا جو اقتضا ہے وہ ہاتھ سے جاتا رہے۔

آخر آپ اس کو کیا کہیں گے؟ امام ہی کے ایک اور بڑے شاگرد سہل بن مزاحم جن پر مامون الرشید نے خراسان کی گورنری کے زمانہ میں شدید اصرار کیا تھا کہ قضا کا عہدہ قبول کر لیں لیکن وہ انکار پر مصر رہے جیل کی سزا بھی اسی انکار کی وجہ سے ان کو بھگتنی پڑی لیکن مامون کی بات نہیں مان تھیں۔ ان کو اس لئے ان کو چھوڑ دیا بہر حال وہی راوی ہیں کہ ۱۔

ایک دن امام صاحب اپنے تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمائے گئے کہ میرے اصحاب میں تیس آدمی خاص اہمیت رکھتے ہیں جن میں دس آدمی تو نیک لوگ ہیں اور فقہیہ ہیں اور دس ہی ان میں ایسے ہیں جو فتویٰ دینے کے قابل ہو چکے ہیں لیکن دس ایسے ہیں جو قاضی بن سکتے ہیں۔ ص ۸۹

سہل بن مزاحم نے اس کے بعد امام کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے کہ آخری جماعت جو قاضی بننے کے قابل ہو چکی ہے! ان کے ذکر کے بعد امام نے فرمایا کہ ۱۔

دھما حسن اصحابی ص ۸۹
یہی لوگ ہمارے شاگردوں میں سب سے بہتر ہیں

امام کے اس بیان کو جس میں قاضی بننے والوں کو تیسرے درجے کا آدمی قرار دیا گیا تھا اس بیان سے لائے جس میں اپنے ان شاگردوں کو جو قاضی بننے کے قابل ہو چکے تھے اپنے بہترین تلامذہ میں شمار قرار ہے۔ یہ بظاہر دونوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ پہلی گفتگو کی حیثیت ایک نظرہ کی تھی جس کا مال گویا یہ تھا کہ فقہ کی تعلیم قاضی بننے کے لئے جو حاصل کرتے ہیں وہ ادا درجے کے آدمی

ان دونوں چیزوں میں جو فرق ہے معلوم نہ ہو گا عام مسلمانوں کو نہ ہی زندگی میں جو ضرورتیں پیش آتی ہیں اور لوگوں سے پوچھ کر اپنے مذہب کا حکم معلوم کرتے ہیں اسی کا نام استفاء ہے اور اہل علم کا جو طبقہ وہام کی راہ نمائی اس باب میں کرتا ہے ان ہی کو مفتی کہتے ہیں مفتیوں کا کام صرف مسئلہ بتانا ہے لیکن کسی پر اپنے بتائے ہوئے مسئلہ کو نافذ نہیں کر سکتے بخلاف قضا کے وہ حکومت کا محکمہ ہے، فیصلہ جو قاضی کرتا ہے حکومت ذمہ دار ہے اس کے نافذ کرانے کی البتہ اسلامی عدالتوں میں قاضیوں کی مدد کے لئے یعنی ضرورت کے وقت قاضی کو علمی مشورے دینے کے لئے کچھ لوگ ملازم رکھے جاتے تھے ان کو بھی مفتی کہتے تھے مفتیوں کا یہ گروہ حکومت کا ملازم ہوتا تھا لیکن فیصلوں کے نفاذ کا حق اس کو بھی حاصل نہ تھا۔

ہیں امام کے نزدیک اس سے دلیل اور کہینہ کوئی نہ تھا جو دنیا کے لئے دین کو آلہ بنائے یہ حال تو ہے اُن کے پہلے قول کا تھا باقی سہل بن مزاحم نے دوسری بات جو اس سے نقل کی اس میں واقعہ کا اظہار فرمایا گیا ہے آخر وہ کیا کرتے جن جن لوگوں میں قاضی بننے کی قابلیت پیدا ہو چکی تھی جب وہی ان کے تمام شاگردوں میں اچھے ثابت ہوتے تھے تو اس واقعہ انکار کیے کر دیتے اس روایت پر اس کا بھی تو شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ جن لوگوں نے قضا عہدہ قبول کر لیا تھا وہ اپنے طرز عمل کی تصحیح کے لئے امام کی طرف اس قسم کی روایتوں کو منسب کر دیا کرتے تھے کیونکہ یہ روایت تو بے چارے سہل بن مزاحم کی ہے جنھوں نے عرض کر چکا تھا کہ مامون الرشید کے انتہائی اصرار پر بھی اس عہدے کو قبول نہیں کیا اور جیل جانا پسند فرمایا۔

عہدہ قضا کے متعلق حضرت امام کا تاثر

نام کے لئے تیار کر رہے تھے اس کا اندازہ ان کے اسی قسم کے اقوال سے ہوتا ہے امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد جو اپنے وقت کے مشہور قاضی تھے اُن سے بھی قریب قریب اسی کی روایت ہے فرق اتنا ہے کہ بجائے تیس کے حماد کی روایت میں پچیس آدمیوں کا ذکر ہے امام ان کے متعلق فرمایا کہ:-

اٹھائیس تو ان میں قاضی بننے کے قابل ہو چکے ہیں اور چھ فتوے دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن دو (یعنی ابو یوسف اور زفر) یہ دونوں قاضی اور مفتی بننے ہی کے نہیں بلکہ دوسروں کو قضا و افتاء سکھانے کی بھی صلاحیت پیدا کر چکے ہیں ۲۷۲ھ میں اب خود ہی سوچنا چاہیے کہ قضا کے متعلق طلبہ کی حوصلہ شکنی بھی اور پھر اپنے جلیل تلامذہ کے متعلق یہ اعلان بھی کہ فلاں فلاں قاضی و مفتی بنے اور فلاں فلاں قاضی و مفتی بنانے کی صلاحیت پیدا کر چکے ہیں ان کے دونوں اقوال کا حاصل اس کے ہوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ درحقیقت امام قاضی اور مفتی بننے کے مخالف تھے بلکہ قاضی اور مفتی بننے کے لئے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں کی ہمتوں میں بلندی پیدا کرنا چاہتے اور واقعہ یہ ہے کہ قضا کے اس عہدے کی جواہریت امام کی نظروں میں اگر اسی قدر تھی تو ان کے ان کی طرف منسوب کیا ہے تو اس کو دیکھتے ہوئے ان کے اس طرز عمل پر تعجب بھی نہیں ہوگا۔ نوح بن دراج جن کا پہلے ذکر گذر چکا ہے ان کے سوا امام کے ممتاز تلامذہ میں نوح ہی کے ایک اور صاحب بھی تھے مشہور نوح بن ابی مریم کے نام سے ہیں عام طور پر کتابوں میں لوگ

زوج الجائع بھی کہتے ہیں۔

ان کا مشہور بیان کتابوں میں نقل کیا جاتا ہے وہ بھی کہتے تھے کہ بعض خاص مسائل کے دریافت کرنے پر مجھے بھی امام نے ڈنٹتے ہوئے فرمایا تھا۔

یا زوج تلک باب القضاء صلیح ۲ زوج تم قضا کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہو۔

ان کا وطن بھی مرو تھا کہتے ہیں کہ غار غ ہو کر کوہ سے جب وطن واپس لوٹا تو قضا کی مصیبت میں مجھے مبتلا ہونا پڑا، امام ابو حنیفہ ابھی بقیہ حیات تھے ڈرتے ڈرتے اپنے اس قصور کی اطلاع میں نے امام کو دی۔ جواب میں امام نے ان کو ایک خط لکھا ہے جس کا شمار امام کے تاریخی خطوط میں ہے کتابوں میں عموماً اس خط کو لوگ نقل کرتے ہیں، بہر حال اسی خط کی ابتداء امام نے ان الفاظ سے کی تھی۔

”ابو حنیفہ کی طرف سے ابو عصہ (یہ زوج کی کینیت تھی) کے نام تمہارا خط پہنچا جو کہچہ اس

میں تم نے لکھا ہے اس سے واقف ہوا“

اس کے بعد امام کے اصل الفاظ یہ تھے۔

وَقُلْتُ اَمَّا نَا عَظِيْمَةٌ فَيَعْنِي عَنْهَا الْكِبَارُ مَحَارَے سپرد بہت بڑی امانت کی گئی ہے! اتنی بڑی امانت جس من الناس و امانت کا الضریق فاطلب بنفسك کے اٹھانے سے بڑے بڑے لوگ عاجز ہیں تم اب ایک ایسے آدمی مخرجاً صلیح ۲ ہو جو ڈوب رہا ہو چاہیے کہ نجات کی راہ اپنے لئے پیدا کر دے

ان الفاظ میں جو قوت بھری ہوئی ہے، لوگوں کو اس کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ عہدہ قضا کی ان چند ذمہ داریوں کا ذکر نہ کر لیا جائے جو امام کے نزدیک ضروری تھیں اس قسم کی باتیں مثلاً کسی سے قاضی کو مرعوب نہ ہونا چاہیے خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو صلیح ۲

عدالت کی ذمہ داریوں کے متعلق حضرت امام کا نقطہ نظر

عدل و انصاف و فیہ جیسی عام چیزیں تو ان ہی کے نزدیک کیا انصاف و عدالت کے متعلق ساتھ عالم کا یہی خیال ہے خواہ اس پر عمل ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو لیکن میں تو دیکھ کر دنگ ہو گیا جب اس وصیت نامہ میں جو قاضی ابو یوسف کے نام ہے ایک فقرہ امام کا یہ بھی پایا جاتا ہے

”اگر امام و مسلمانوں کے بادشاہ اور حکمران، سے کوئی ایسا جرم سرزد ہو جس کا تعلق مخلوق خدا سے بادشاہ کو ہو تو اس جرم کی سزا اس قاضی کو دینی چاہیے جو اس

زمانہ میں بادشاہ سے قریب تر ہو، صحت۔

میں نے امام کے الفاظ کا ترجمہ کیا ہے میری سمجھ میں تو اس کا یہی مطلب آیا جو لکھا ہے خود الفاظ کو بھی درج کر دیتا ہوں

وان اذنب ذنبا بینہ و بین الناس
اقامہ علیہ اقرب القضاۃ علیہ
مسلمانوں کا حکمران کسی ایسے جرم کا اگر مرتکب ہو جس کا تعلق عام لوگوں سے ہو تو اس حکمران کو وہی قاضی مندرجہ گاہ جو اس سے قریب تر ہو۔

اگر امام کے نزدیک قضا کا درجہ اتنا بلند ہے تو اس کے صاف معنی یہی ہوتے کہ حکومت کے اقتدار سے بھی قضا کے اقتدار کو وہ بالا ترجیح دیتے تھے۔

ابو بکر الجصاص نے اپنے تفسیر میں جو یہ مسئلہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کے جس علاقے میں ان کی حکومت باقی نہ رہے تو مسلمانوں کی جماعت جس شخص کو اپنا قاضی انتخاب کرے گی اس کے فیصلے اسی طرح واجب النفاذ ہوں گے جیسے حکومت کی طرف سے مقرر کردہ قاضیوں کے فیصلے واجب التعمیل ہوتے ہیں۔ اس سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ قضا کے اس عہدے کے لئے شخصی مذاہب میں حکومت کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے اور قاضی حکومت کے بغیر بھی اقتدار کا مالک بنا یا جا سکتا ہے۔

پس بات تو یہی ہے کہ یہ جو کچھ بھی کیا جا رہا تھا اور اصل مسلمانوں کے لئے صحیح قاضیوں کے پیدا کرنے کی حکمت کو شش تھی پہلی ضرورت تو اس کے لئے یہ تھی کہ خود اسلامی قانون کو ممکنہ غور و فکر کے ذریعہ سے مدوں کر لیا جائے۔ اس کام کو تو وہ اپنی مجلس وضع قوانین کے ذریعہ انجام دے رہے تھے

شاگردوں کو نصیحت

لے الجصاص کے اپنے الفاظ یہ ہیں :- لو ان اہل بلد لا سلطان علیہم لواجتمعوا علی الرضا بتولید رجل عدل منہم امضا قتی یقرؤوا ما نالہ علی من تمنع من قبول احکامہ فکان قضا وہ ناخذ اذان ہم یکن لہ دلائلہ من تہام و سلطان علیہ یعنی ایسا علاقہ جہاں کے لوگوں پر کوئی حکمران بادشاہ نہ ہو اگر وہاں کے لوگ اپنی رضا مندی سے کسی نیک کردار آدمی کو قضا کا عہدہ سپرد کریں اور اس کے حکم کو جو نہ ملے تو منوائے میں اس کے مددگار بن جائیں اس شخص کے احکام ناخذ ہوں گے خواہ کسی امام اور بادشاہ کی طرف سے یہ عہدہ قاضی کو نہ ملا ہو۔

اور دوسری قدرتی ضرورت یہ تھی کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں یہ قالون دیا جائے وہ صحیح معنوں میں ہر چیز سے بے پروا ہو کر اُس کے نفاذ کی ہمت اور جرأت اپنے اندر رکھتے ہوں اپنے شاگردوں کو جیسا کہ ان سے منقول ہے بار بار اس کی تاکید کرتے کہ:-

خدا نے تم لوگوں کو علم کا جتنا حصہ بھی عطا کیا ہو خدا کے لئے اس علم کے اقرار کو باقی رکھنے کی کوشش کیجو اور آخر میں فرماتے کہ میں خدا ہی کا حوالہ دے کر تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ کسی امیر کی رضا مندی کی ذلت سے اس کو محفوظ رکھیو۔ ص ۱۱۶

آخر ان کی غرض مذکورہ بالا باتوں سے اگر یہ نہ ہوتی تو پھر امام ہی کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ:-

حکومت کی ملازمت اس وقت تک تم لوگوں کو قبول نہ کرنی چاہیے جب تک کہ تم کو اس کا یقین نہ ہو جائے کہ ہم اس عہدے کو اگر نہیں قبول کرتے میں تو اُس پر اس قسم کے لوگ قبضہ کر لیں گے جن سے خدا کی مخلوق کو ضرر پہنچے گا ص ۱۱۶

صاف ظاہر ہے کہ جہاں یہ صورت حال ہو وہاں حکومت میں شریک ہو جائے گا وہ مشورہ دے رہے ہیں اور میرا تو خیال ہے کہ امام کی عملی جو نرم طبیعت کے خلاف ان کی زندگی میں ایک خاص پہلو جو ایسا پایا جاتا ہے جو بظاہر ان کی فطری افتادہ طبع کے مخالف ہے یعنی وضع قوانین کی سہم کے ساتھ تلامذہ میں مذکورہ بالا جذبات کو پیدا کرتے ہوئے ہم ان کو پاتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے کوفہ میں جن قضاۃ کا تقرر ہوا تھا ان کے متعلق ان کا ایک خاص رویہ یہ تھا کہ ان کے اجلاس میں جو مقدمات فیصلہ ہوتے تھے امام صاحب ان کو معلوم کر کے چند ایسے سخت اعتراضات کر دیتے تھے کہ بے چارے قضاۃ حیران ہو جاتے تھے اس سلسلہ میں ایک ہی نہیں بیسیوں واقعات ہیں جن میں زیادہ تر واقعات کا تعلق تو کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ سے ہی اور کبھی ابن شبرہ بھی اس پیٹ میں آجاتے تھے۔

امام کے انکسار و تواضع کے جو حالات اسے تک عرض کئے جا چکے ہیں وہی اس بدگمانی کی تردید کے لئے کافی ہیں کہ اس میں امام کی رعوت و نخوت یا خود نمائی جیسے ذلیل صفات کو دخل نہ تھا۔

حضرت امام کا انکسار

علاوہ ان اخلاقی واقعات کے جن کا ذکر مختلف مقامات میں گذر چکا ہے خود اپنے علم کے متعلق امام

کے جو احساسات تھے ان کا پتہ خود ان ہی کے بعض بے ساختہ اقوال سے چلتا ہے کہتے ہیں کہ کونہ کے بلڈار میں ایک آدمی یہ پوچھتے ہوئے داخل ہوا کہ ابو حنیفہ فقیر کی دکان کہاں پر ہے؟ اتفاقاً یہ سوال خود امام ہی سے اُس نے کیا آپ نے فرمایا:-

لبیٰ هو بقیہ انما هو مفت مشکف وہ فقیر نہیں ہے بلکہ زبردستی مفتی یعنی فتویٰ دینے والا
موسمیر ج ۲ بن بیٹھا ہے۔

حضرت جعفر الا عمر ایک بزرگ گذرے ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا جواب انھوں نے دیا میں نے عرض کیا کہ جب تک آپ اس شہر میں موجود ہیں اس وقت تک خیر و بہتری سے یہ شہر کبھی خالی نہ ہوگا۔ جعفر ہی کہتے ہیں کہ یہ سن کر بے ساختہ امام کی زبان پر یہ شعر جاری ہوا۔

خلت الدیار فسلمت غیر مسود آبادیاں اجر گئیں تو سردار ہونے کی صلاحیت کے بغیر میں سردا
ومن الشقاء تضر دی بالمسود وصیر ج ۲ ہو گیا یہ بڑی بختی کی بات ہے کہ آج میں تنہا پشورا اور
سردار سمجھا جاتا ہوں۔

حکم بن ہشام کا بیان ہے میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو جو فتوے دیا کرتے ہیں کیا آپ کو یقین ہے کہ وہی صحیح ہے؟ امام نے سننے کے ساتھ فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ غلط ہونے کے سوا وہ اور کچھ نہ ہو۔

حسن بن صالح جن کا شمار اکابر علماء میں ہے خود اپنا واقعہ لوگوں سے بیان کیا کرتے تھے کہ شہر کے والی نے مجھے اور ابن ابی لیلیٰ اور امام ابو حنیفہ تینوں کو بلا کر ایک مسئلہ دریافت کیا حسن کہتے ہیں کہ میں نے جو جواب دیا وہ امام اور ابن ابی لیلیٰ کے جواب سے مختلف تھا۔ والی نے حکم دیا کہ امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ ہی کے فتوے کے مطابق عمل کیا جائے ہم نے دیکھا کہ امام ابو حنیفہ کچھ سوچ میں غرق ہو گئے اور اُس کے بعد والی کو مخاطب کر کے فراموش ہوئے۔

صاحب! میں نے جو جواب دیا تھا صحیح نہیں ہے صحیح مسئلہ وہی ہے جو حسن

نے بتایا ہے مسئلہ سرف

اور ایسے متعدد واقعات نقل کئے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ امام صاحب ایک صاحب گنگو کر رہے تھے کہ اچانک اس نے امام سے کہا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اِسَ لَفْظِکَ اِسَ کے منہ سے نکلنا تھا کہ امام کا چہرہ زرد پڑ گیا سر جھکا لیا اور کہتے جاتے تھے۔

بھائی! خدا آپ کو جزائے خیر دے علم پر ناز جس وقت کسی کو ہونے لگے اُس وقت اس کا وہ بہت محتاج ہوتا ہے کہ کوئی اسے خدا یاد دلا دے

صفحہ ۱۵ ج ۲

بھلا جس کی ڈکاوٹ حسی کا حال یہ ہو کہ راستہ میں اچانک ان کا پاؤں کسی رٹکے کی بانگ پر پڑ گیا۔ رٹکے کا چلا کر بولا! بڑے میاں! قیامت کے دن اس کا بدلہ جو لیا جائے گا۔ اس سے تم نہیں ڈرے سحرین کدام جو اس وقت امام کے ساتھ تھے کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امام ابو حنیفہ چکر اکر گر پڑے، میں کھڑا ہو گیا اور ان کو سنبھالنے لگا جب ہوش میں آئے تو میں نے کہا کہ اس بوٹے کی بات کا آپ نے اتنا اثر لیا۔ امام نے فرمایا کہ بھائی! مجھے خطرہ ہوا کہ خود نہیں بولا ہے بلکہ شاید بولوا یا گیا ہو ص ۱۳۸

اور یہی کیا ہیں تو کہتا ہوں کہ امام کی پوری زندگی اس بات کی زندہ شہادت بن سکتی ہے کہ ان کے سواغ ننگاروں نے یہ واقعہ جو ان کی طرف منسوب کیا ہے کہ:-

ما زال ابو حنیفہ یخطی ابن ابی لینی امام ابو حنیفہ ابن ابی لینی (کوفہ کے سب سے بڑے قاضی) کے فی مسائلہ وقضا یاہ ویظہر ذلک مسائلہ فیصلوں میں بیشتر غلطیاں نکالتے رہتے تھے اور لوگوں پر ان غلطیوں کو ظاہر کرتے رہتے تھے۔ ص ۱۳۲ ج ۲

اگر یہ واقعہ ہے اور کوئی ایک ہی بیان کرنے والا ہو یا ایک ہی روایت ہو تو شک کی گنجائش بھی ہو سکتی ہے اجمالاً و تفصیلاً اتنے مختلف ذرائع سے امام کے اس طرز عمل کو لوگوں نے نقل کیا ہے کہ مشکل ہی سے اتنے راولوں کی طرف غلط بیانی کے انتساب کی اجازت عقل دے سکتی ہے۔

کوئی شبہ نہیں کہ نفسانیت یا خود نمائی وغیرہ کے ذلیل جذبات کے سوا اگر اس کی توجیہ کی کوئی دوسری شکل نہ ہوتی تو امام کی پوری زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے شاید ان روایتوں کو مسترد کرنے کی ایک وجہ نکل سکتی تھی۔

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ امام کے سامنے جو کام تھا اس کی تکمیل میں درحقیقت

اس منزل سے گزرنا ناگزیر تھا انھوں نے ممکنہ حد و حد فکر و تامل تحقیق و تدقیق کے سائے درائع کو خرچ کر کے اسلامی آئین کے تمام شعبوں کو مدون کر لیا تھا اور ایسے لوگ بھی اپنی صحت اور تربیت میں رکھ کر تیار کر چکے تھے جن میں وہ محسوس کرتے تھے کہ نفاذ کا اختیار اگر ان کے ہاتھ دے دیا جائے گا تو وہ اس مدونہ آئین کے دفعت کو ہر چیز سے بے پروا ہو کر حواشی و واقعات پر مشغول کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

قضا و فصل خصومات میں حکومت کے نظام کی اصلاح

لیکن اُسی کے ساتھ قضا و فصل خصومات کے اس نظم کو جو اب تک حکومت نے قائم کر رکھا تھا اس کے نقائص برسرِ عام جب تک ظاہر نہ کئے جائیں گے امام کے ماتحت عمل کی طرف حکومت اور عوام کو توجہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہوگی۔

اسی ماہ کا یہی سوال تھا کہ خاموشی اور مروت سے اگر کام لیا جاتا ہے تو امام دیکھ رہے تھے کہ سارا کیا کرایا یوں ہی دھرا کا دھرا رہ جائے گا اور جن بے تمیز لوگوں سے اس وقت اس معاملہ میں حکومت کام لے رہی ہے ان کے اصلاح کی کوئی صورت پیدا نہ ہوگی۔

جن میں مروت و سماجت کے جذبات کی نوعیت وہی ہو جو امام میں تھی وہی کچھ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کٹھن منزل کو طے کرنے کے لئے اپنے سینے پر ان کو کتنی بڑی چٹان رکھنی پڑی ہوگی حقیقت تو یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کی اُمتِ مرحومہ کے فلاح و صلاح کا جو بے پناہ ولولہ اور تڑپ امام میں تھی اگر وہی ان پر غالب آکر مروت و مہذبات کے جذبات پر غالب نہ آجاتی تو میں نہیں سمجھتا کہ ان جیسے آدمی سے یہ جرأت تقریباً ناممکن تھی خیال کرنے کی بات ہے کہ جو بچوں کی ڈانٹ سے ڈر جاتا ہوتا بنا ڈر جاتا ہو کہ چکر اگر گھڑتا ہو بازار لوگوں کے سخت دست بستہ کی خاموشی کے ساتھ عادی ہو، والی کے بھرے دربار میں اپنی غلطی کے اعتراف پر جری ہو۔ اسی آدمی کے متعلق یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک اچھے لکھے پڑھے عالم کی غلطیوں کی جستجو میں لگ جائے ایک دفعہ نہیں بلکہ اسی کو اپنا مشغلہ بنا لیا اور اسی پر بس نہ کرنا بلکہ کوچہ و بازار میں ان غلطیوں کی تشہیر اور کسی اجنبی کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے ہم شہر ملنے جلنے والے آدمی کے ساتھ معاملہ کیا شدید ترین دینی ضرورت کی احساس کے بغیر امام ابو حنیفہ جیسے آدمی سے ممکن ہے؟

حکومت کی عدالتوں کے فیصلوں پر حضرت امام کی بے لاک متعین

پس واقعہ وہی ہے کہ یہاں کسی کی شخصیت کا سوال ہی نہیں تھا بلکہ جو ان کا نصب العین تھا اس کی تکمیل کی اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ تھی کہ اس طریقے سے حکومت کو نقصان کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا جائے اور جب وہ متوجہ ہو تو اپنی ساری زندگی اور زندگی کے سارے وسائل کو کھپا کر جو صحیح چیز انھوں نے تیار کی تھی اس کے قبول کرنے پر قدرتا وہ مجبور ہو جائے۔

یقیناً ابن ابی لیلیٰ کی شخصیت سے ان کو بحث نہیں تھی۔ اس راہ میں جو بھی ان کے سامنے آتا اس کے ساتھ ہی معاملہ کرتے بلکہ میرا خیال ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کی جگہ امام کے اکلوتے صاحبزادے حماد ہی کیوں نہ ہوتے جب بھی وہی کرتے جو ابن ابی لیلیٰ کے ساتھ انھوں نے کیا۔

ابن ابی لیلیٰ کے مسائل اور مقضایا جن میں امام مسلسل غلطیاں نکالتے رہے میرا خیال تو یہ ہے کہ تالون کے اصلاحی سلسلے کی وہ عجیب چیز ہوگی لیکن اس کا افسوس ہے کہ امام کے سوانح نگاروں نے جیسا کہ میں نے عرض کیا بیسیوں واقعات نقل کئے ہیں۔ مگر زیادہ تر یہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں ہم بجائے تالونی اصلاحات کے گویا گرمی بزم کے لطائف سے زیادہ مشابہ پاتے ہیں ابن ابی لیلیٰ زلمے تک کوفہ میں قاضی رہے اور امام بھی کوفہ ہی میں موجود تھے، خدا ہی جانتا ہے کہ یہی قصہ اگر وہاں چھڑ گیا ہوتا تو کتنے مقدمات اور مسائل ایسے ہوں گے جن پر امام کی طرف سے نکتہ چینی کی گئی ہوگی میرے خیال میں علم کا وہ ایک ذخیرہ ہوگا۔ بہر حال اس سلسلہ میں امام کے سوانح نگاروں نے جن لطائف کا ذکر کیا ہے چند کا تذکرہ تو مجھے کبھی دینا چاہیے مثلاً وہی دریچہ کا مقدمہ

کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ کے اجلاس میں ایک شخص نے

روشن دان کا مقدمہ

یہ عرضی پیش کی کہ اپنے مکان میں ایک شبقہ یا روشن دان ہنا چاہتا ہوں لیکن میرا پڑوسی بنائے نہیں دیتا اور روکتا ہے پڑوسی بلایا گیا۔ اس نے کچھ وجوہ پیش کئے ابن ابی لیلیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ روشن دان نہ کھولا جائے مسئلہ کو لے کر وہ امام ابو حنیفہ کے پاس پہنچا امام نے کہا کہ تم بجائے روشن دان کے عرضی دو کہ میں اپنے مکان کی ایک دیوار گرا دینی چاہتا ہوں اور جس دیوار میں روشن دان قائم کرنا چاہتے ہو اسی کو گرانے کا ارادہ کرو اس نے یہی کیا۔ ابن ابی لیلیٰ نے فیصلہ کیا کہ ہر شخص کو اپنے مکان کی دیوار کے گرا دینے کا حق ہے تم اس دیوار کو ڈھکا سکتے ہو وہ اس فیصلہ کے ساتھ گھرا یا اور

ام کی ہدایت سے دیوار کے گرائے کا اعلان کیا۔ پڑوسی گھبرایا ہوا ابن ابی لیلیٰ کے پاس پہنچا کہ جناب اب تو روشن دان ہی نہیں وہ پوری دیوار ہی کو گرا رہا ہے میرے لئے روشندان دیوار کے گرنے سے زیادہ آسان تھا۔ ابن ابی لیلیٰ خاموش ہو گئے اور سمجھ گئے کہ ابو حنیفہ کا اس مشورے میں ہاتھ ہے۔

اسی طرح دوسرا مقدمہ مجنونہ کا یہ بیان کیا جاتا ہے

مجنونہ کا مقدمہ

کہ کسی محلہ میں ایک بڑھیا رتھی تھی لوگوں نے اس کا ایک خاص نام رکھ چھوڑا تھا جہاں اس نام سے اُسے پکارتے تھے بے تکان نام بیٹے والوں کو گالیاں سنائی شروع کرتی۔ حسبِ عادت کسی نے اسی نام سے بڑھیا کو پکارا اس نے صلواتی سنائی شروع کیں جن میں اس کے باپ ماں کے نام کی بھی گالیاں تھیں یہ صاحبِ جنموں نے بڑھیا کو چھیڑا تھا۔ تھے غضبناک آدمی آپ نے فوراً ابن ابی لیلیٰ کے اجلاس میں قذفِ رگالیاں دینا یا ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ بایں الفاظ دائر کر دیا کہ میری ماں اور باپ کو اس بوڑھی نے گالیاں دی ہیں۔ قذف جیسا کہ معلوم ہے اسلام نے ان جرائم کے ذیل میں اس کو شریک کر دیا ہے۔ جس پر حد جاری ہوتی ہے۔ یعنی قذف کے مرتکب کو کوٹے لگائے جاتے ہیں ابن ابی لیلیٰ نے تحقیقات کے بعد قذف کے ثابت ہو جانے کی وجہ سے بوڑھی پر حد جاری کر دی چونکہ اس نے مدعی کی ماں کو بھی گالیاں دی تھیں اور باپ کو بھی اس لئے بچائے ایک حد کے دو حدوں کے قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور مسجد جو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں عدالت گاہ کے لئے بھی استعمال ہوتی تھی وہیں اس بڑھی پر دونوں حدیں جاری کر دی گئیں واقعہ یہ تھا کہ مدعی کے ماں باپ کو بڑھی نے گالیاں دی تھیں وہ اس وقت تک بقید حیات تھے امام تک ابن ابی لیلیٰ کے اس فیصلے کی خبر پہنچائی گئی آپ نے فرمایا کہ ایک ہی نہیں اس مقدمہ میں قاضی نے مستعد غلطیاں کی ہیں پہلی بات تو یہی ہے کہ وہ بڑھی مشہور ہے کہ مجنونہ ہے اس کی تحقیق ہونی چاہیے تھی کہ واقعہ اس کو جنون ہے یا نہیں دوسری بات یہ ہے کہ جب ماں باپ مدعی کے زندہ ہیں تو قذف کے دعوے کے پیش کرنے کا حق اس مدعی کو تھا ہی نہیں بلکہ یہ حق تو اس کے ماں باپ کا تھا انھوں نے دعوے کو قبول ہی کیسے کیا جب کہ ان لوگوں کی طرف سے دعویٰ پیش نہیں ہوا تھا جن کے ساتھ قذف کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ مسجد میں انھوں نے حد لگوائی۔ حالانکہ مسجد سزا دینے کی جگہ نہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ قانون یہ ہے کہ بہت سے

لوگوں کو شریک کر کے ایک ہی مجمع میں اگر کوئی گالیاں دے تو گالی دینے والے کو ایک ہی مزا دی جائے گی نہ کہ ہر شخص کی طرف سے وہ علیحدہ علیحدہ سزاؤں کا مستحق ہوتا ہے۔

اسی طرح امام نے اور بھی چند نقائص نکال کر دکھائے جن کی تعداد کافی دراز تھی۔ خطیب بغدادی نے بھی اس واقعہ کا اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے آخر میں یہ اضافہ ہی ان کی روایت میں ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کو جب امام کے ان اعتراضوں کی خبر ہوئی تو اپنے ہاکمانہ اختیار سے کام لے کر یہ حکم دے دیا کہ شرعی معاملات میں امام ابو حنیفہ کسی قسم کی گفتگو نہ کریں یعنی فتویٰ وغیرہ نہ دیا کریں اس قانون کا نام قانونِ حجر ہے لیکن کچھ ہی دن کے بعد خطیب نے لکھا ہے کہ دلی عہدِ حکومت کی طرف سے چند سوالات کو فہ آئے دلی عہد کا حکم تھا کہ امام ابو حنیفہ سے بھی ان مسائل کے متعلق فتویٰ لیا جائے قاصد نے ان سے دریافت کیا جس کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ مجھے قاضی شہر نے فتویٰ دینے سے حکماً منع کر دیا ہے قاصد نے دلی عہد کو خبر سنائی فرمان ہوا کہ حجر امام سے اٹھا لیا جائے۔ آئندہ ابن ابی لیلیٰ کے لئے یہ اختیار بھی باقی نہ رہا امام نے آزادی کے ساتھ اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کتابوں میں ایک ذخیرہ ان اعتراضات اور تنقیدوں کا نقل کیا گیا ہے جو سرکاری قاضیوں کے فیصلوں پر امام کی طرف سے آئے دن ہوتے رہتے تھے سب کا نقل کرنا دشوار بھی ہے اور غیر ضروری بھی ہے نہایت کے لئے غالباً ان چند لطیفوں کا تذکرہ کافی ہے۔

گواہوں پر جرح کے متعلق حضرت امام کا نقطہ نظر

عجیب بات یہ ہے کہ گواہوں پر جرح کے سلسلے میں اعداد و شمار اور عمل و قوت کے حاصلہ وغیرہ کے متعلق سوال کر کے شہادت کو کمزور کرنے کی کوشش و کلام کی طرف سے موجودہ زمانہ کی عدالتوں میں جو فروغ ہے امام کی سوانح عمری میں بھی ایک واقعہ اسی قسم کا نقل کیا گیا ہے۔ لیکن اس قسم کے لغو جرح کو امام نے مسترد کر دیا تھا کہتے ہیں کہ کسی باغ کا مقدمہ تھا، گواہ ابن ابی لیلیٰ کے سامنے جو پیش ہوا۔ اُس سے دریافت کیا گیا کہ باغ میں کتنے درخت ہیں کیا تم بتا سکتے ہو؟ گواہ نے کہا کہ جناب میں نے درختوں کے گننے کی کوشش کبھی نہیں کی ابن ابی لیلیٰ نے محض اسی کو جرح قرار دے کر اس کی شہادت مسترد کر دی۔ قاصد امام تکبہ پہنچا امام نے گواہ کو یہ تعلیم کر کے واپس کیا کہ قاضی صاحب سے جا کر یہ دریافت کر دو کہ جناب

کوفہ کی جامع مسجد میں اتنے زمانہ سے اجلاس کر رہے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں کیا بت سکتے ہیں کہ اُس کے ستونوں کی تعداد کیا ہے؟ قاضی صاحب نے کہا میں نے تو کبھی ستونوں کو اُس کے نہیں گنا گواہ نے کہا کہ تو پھر درختوں کی تعداد نہ بتانے کی وجہ سے آپ نے یہ فیصلہ کیسے کر دیا کہ میں اس باغ سے واقف نہیں ہوں۔

الغرض یہ اور اسی قسم کے اعتراضات کا ایک سلسلہ تھا جو حکومت کے مقرر کردہ قاضیوں ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ پر امام کی طرف سے مسلسل جاری تھا ابن ابی لیلیٰ کی طرف یہ فقرہ جو منسوب کیا گیا ہے کہ :-

من هذا الخنزير لا يزال ياتي بي
 یہ خنزیر (خزاف یا خرفوش) کون ہے جس کی طرف
 منہ الصواعق ص ۲۲۵
 سے پہنچتا ہے۔

مگر بے چارے بجز اس کے سٹ پٹا کر رہ جائیں اور کر کیا سکتے تھے اعتراضات اور یہ بھی امام ابو حنیفہ کے اعتراضات بھلا ان کا جواب وہ کیا دے سکتے تھے زیادہ سے زیادہ یہی کہ "خنزیر یا حانک (جولاہے) وغیرہ الفاظ کا امام کی طرف انتساب کر کے دل کی بھڑاس نکال لیا کرتے تھے۔

ایک دلچسپ لطیفہ اس سلسلہ میں یہ نقل کیا جاتا ہے کہ
 حانک کا لطیفہ
 موسیٰ بن عیسیٰ مکہ کا عباسیوں کی طرف سے والی تھا حج کے

سے کوفہ کی جامع مسجد کی وسعت کے لحاظ سے یہ معمولی سوال نہیں تھا۔

سہ اس موقع پر بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ العزیز کا وہ واقعہ یاد آتا ہے کہ جب شاہ جہاں پور کے قریب ایک ندی کے کنارے "میلہ خدا شناسی" میں پنڈت دیانند مہر سوتی نے اسلام کی جنت کی نہروں پر اعتراض کرتے ہوئے پوچھا کہ مولوی قاسم بتا سکتے ہیں کہ جنت کی ان نہروں کا طول و عرض کیسا ہے؟ مولانا جب جواب کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ "جنت" تو عالم غیب کی ایک چیز ہے یہ ندی جس کے کنارے کھڑے ہو کر پنڈت جی نے ابھی تقریر فرمائی ہے کیا بتا سکتے ہیں کہ اس ندی کا طول عرض کیا ہے پنڈت جی چپ تھے مولانا نے تب تنبیہ فرمائی کہ اس قسم کے صفات کے نہ جاننے سے یہ نتیجہ نکال لینا کیسی ٹیٹے موجود نہیں ہو سکتی محض مغالطہ ہے ندی سب کے سامنے موجود ہے لیکن طول و عرض کا علم سوا اس کے کسی کو نہیں ہے کیا اس سے یہ لازم آئے گا کہ ندی موجود نہیں ہے یا جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کو اس ندی کا علم نہیں ہے یہ کہ پرانی فرسودہ جرح اس زمانہ کی عدالتوں میں بھی اب تک مروج ہے شاید سمجھا جاتا ہے کہ یہ بھی اس دامن کے نئے اکتشافوں میں ایک اکتشاف ہے ۱۲

کے بس میں کوئی دوسری چیز نہیں تھی اگرچہ بعضوں نے لکھا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ نے بعض باتوں میں امام کو پھنسانا چاہا۔ لیکن میرے خیال میں شاید یہ بعد کی بنائی ہوئی باتیں ہیں اور اصل واقعات سے جو ناواقف ہیں انہوں نے امام اور ابن ابی لیلیٰ یا کوفہ کے دوسرے تضاؤ کے ساتھ حضرت امام کی اس طرز عمل کو مولویانہ چھیڑ چھاڑ کی چیزیں قرار دے کر گرمی ہزم کے تھے بعض واقعات تراش لئے ہیں ابن ابی لیلیٰ کی طرف بھی بعض ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو ان کی شان کے مناسب نہیں اور جو امام کی طرف بھی ان میں ملایا نہ مزاج والوں کی جانب سے ایسے اقوال منسوب کئے گئے ہیں جو میرے نزدیک تو کسی طرح امام ابوحنیفہ کے منہ پر پھبتے نہیں کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ کی طرف سے اس قسم کی خبریں امام تک پہنچا تی جاتیں کہ آپ کو اس قسم کے خطالوں سے وہ مخاطب کرتے ہیں یا دھکیلتے دیتے ہیں تو جواب میں امام نے فرمایا کہ:-

فلیجتهد فانی انا ابشجائی حلقہ ان کو کہو جتنا چاہیں اپنا زور خرچ کر لیں لیکن میں اس شخص کے حلق کا نشان کر رہوں گا

ج ۲ ص ۱۷۰

گویا اس کے یہ معنی ہیں کہ امام صاحب میں ابن ابی لیلیٰ کے متعلق کوئی ذاتی کاوش نہ ہو گئی تھی جہاں تک امام کی مجموعی زندگی سے ان کی فطرت اور جبلتی نہاد کا پتہ چلتا ہے اس میں ابن ابی لیلیٰ تو خیر ایک بڑے آدمی تھے کسی معمولی آدمی کے متعلق ذیل جذبات کی پرورش اپنے اندر نہ کر ہی نہیں سکتے تھے افسوس ہے کہ ان کی پوری زندگی اس وقت میں نہیں پیش کر رہا ہوں تاہم دوسرے مسائل کے ضمن میں جو چیزیں اب تک گزر چکی ہیں پڑھنے والوں کے

سے مثلاً کہتے ہیں کہ ایک دن بطور سیر کے ابن ابی لیلیٰ کسی باغ میں گئے ہوئے تھے تھوڑی دیر میں ابوحنیفہ بھی پہنچے اتفاقاً باغ میں دوسری طرف کچھ عورتیں تھیں جو گارہی تھیں گاتے گاتے جب گانے کو اپنے انھوں نے ختم کیا تو بے ساختہ امام ابوحنیفہ کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا احسن رنوب تم عورتوں سے) بظاہر جس سے معلوم ہوتا تھا کہ امام نے عورتوں کے گانے کی تعریف کی ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ تم پر فسق کے سبب اسے کا مقدمہ چلا کر میں تمہیں مردودا شہادۃ قرار دوں گا۔ امام نے کہا میں نے کیا بوسے تم نے غیر شرعی گھسنے کی تعریف کی امام نے کہا کہ کس وقت بوسے چپ ہوئیں امام نے کہا میں نے تو اس کی تعریف کی کہ فسق کے فعل کو ترک کر کے تمہارے خاموشی اختیار کی ہے اچھا کام تم نے کیا ابن ابی لیلیٰ کھسیانے سے ہو کر رہ گئے اور بھی بعض واقعات ہیں مگر مجھے ان پر اعتماد نہیں ہے

ملوب خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس قسم کی معمولی ملایانہ نفسانیتوں کی کیا امام صاحب کے سینے میں گنجائش پیدا ہو سکتی ہے۔

زیادہ سے زیادہ ان روایتوں میں ایسی باتیں مثلاً کبھی کبھی ابن ابی لیلیٰ کے حملوں کو سن کر امام فرمادیتے کہ

میرے متعلق یہ شخص اُن حدود تک چلا جاتا ہے کہ میں شاید اُس کے پہلے اور اُس کے گدے کے متعلق بھی باتیں نہیں کہہ سکتا ص ۳ ج ۲۔

اور اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ اور ان کے ہم پیشہ دوسرے سرکاری مضاد امام کو خواہ کچھ کہہ دیتے ہوں۔ جولاہہ۔ خزاز۔ خوارزمیہ لیکن امام کی شرافت دیکھئے کہ ابن ابی لیلیٰ تو ابن ابی لیلیٰ ہی تھے وہ ان کے پہلے اور ان کے گدے کے متعلق بھی ایسی باتیں سند نہیں کرتے تھے۔

یہ سچ ہے کہ امام صاحب میں تمام خوبیوں کے ساتھ جیسا کہ دوسری شہادتوں سے بھی تائید ہوتی ہے مزاج میں کچھ ظرافت اور مزاح کا عنصر بھی شریک تھا بالکل ممکن ہے کہ بطور مذاق کے انھوں نے کبھی کبھہ دیا ہو۔ بلکہ بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے۔

مثلاً کہتے ہیں کہ آخر زمانہ میں تنگ آکر ابن ابی لیلیٰ نے چند آدمیوں کو مقرر کر لیا تھا جو اپنی طرف سے امام ابو حنیفہ سے ان مسائل کے متعلق پہلے ہی رائے دریافت کرا لیتے جن کے متعلق ان کو شبہ ہوتا تھا کہ امام ان پر اعتراض کریں گے مگر مسائل کے طرز سوال ہی سے امام صاحب تاڑ جاتے کہ یہ خود سوال نہیں کر رہا ہے بلکہ پس پشت خود قاضی صاحب پر بیان کیا جاتا ہے کہ بے ساختہ اس وقت امام کی زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا کہ۔

اذا نکلون عظیمۃ ادعی لہا
واذا یحاسن الحیس یدعی جندب
جب کوئی کڑی گٹری آپڑتی ہے تب یہ بندہ بلا یا جاتا ہے
اور جب ملوے انڈے پر ہاتھ پھیرنے کا معاملہ ہوتا ہے تب جندب کی طلبی ہوتی ہے۔

شاعر نے تو یہ شعر جندب نامی کے لئے لکھا تھا امام ابو حنیفہ اس کو ابن ابی لیلیٰ پر منطبق کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام کے سامنے جیسا کہ بار بار عرض کرتا چلا آ رہا ہوں جہاں تک میرا خیال ہے قطعاً کسی کی شخصیت نہیں تھی حکومت اسلامی میں قضا اور فصل خصوصاً۔

کے مسئلہ کو وہ اس بلندی پر دیکھنا چاہتے تھے جس کا وہ قرار واقعی طور پر مستحق تھا۔ لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت تھی وہ اس باب میں اپنی ذمہ داریوں جیسا کہ چاہیے تھا نہیں محسوس کر رہے تھے۔ بعض مثالوں کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں اور گزشتہ واقعات جن کا ابن ابی لیلیٰ کے سلسلے میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی سے اندازہ کیجئے کہ کس قسم کے لوگوں کا انتخاب حکومت اس اہم اسلامی فرض کی تعمیل کے لئے کر رہی تھی یہ حال کسی معمولی گاؤں یا قصبہ قلعہ کے قاضی کا نہ تھا بلکہ اس مختلف و بڑے داسباب کی بنیاد پر جو قصبۃ الاسلام "تھا بلکہ جیسا کہ آپ مجھ ہی سے سن چکے کہ بغداد سے پہلے عباسیوں نے اپنا دار الخلافہ کو نہ یا اطراف کو نہ کو بنا رکھا تھا جہاں لاکھوں لاکھ آدمی کی اس وقت آبادی تھی اور بڑے بڑے لوگ جہاں مقیم تھے وہاں کے قاضی صاحب کا تصفیہ مقدمات میں یہ حال تھا۔

برسر عدالت حضرت امام کی ایک فیصلہ پر تنقید

ان واقعات کی حیثیت تو شاید لطائف کی ہو لیکن ایک مقدمہ تو خود امام ابو حنیفہ کے سامنے کا ہے۔ چونکہ اس واقعہ سے صرف اس زمانہ کے سرکاری قاضیوں ہی کا حال نہیں معلوم ہوتا ہے بلکہ امام "اسلامی عدالت" میں جن بلندیوں کو پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ان کی بھی ایک ایسی جھلک نظر آتی ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس قصے کو نقل ہی کر دوں اس قصے کے راوی کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں بلکہ حسن بن ابی مالک راوی ہیں جو قاضی ابو یوسف کے مشہور تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں غالباً خود قاضی ابو یوسف سے انھوں نے اس واقعہ کو سنا تھا اور حسن سے ان کے تلمیذ رشید محمد بن شجاع البلیغی اس قصے کو نقل کرتے تھے، بہر حال قصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ ایک دن قاضی ابن ابی لیلیٰ کے اجلاس میں پہنچے، امام کے

سہ محمد بن شجاع البلیغی کے استاد اور قاضی ابو یوسف کے شاگرد ہیں، امام محمد ہی نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے استاد ابن ابی عمران بیان کرتے تھے کہ محمد بن شجاع البلیغی جب حسن بن ابی مالک سے پڑھتے تھے تو لوگوں کو یہ عام خیال تھا کہ جیسی تدقیق و تحقیق سے کام لیتے ہیں اتنی تدقیق قاضی ابو یوسف بھی مسائل کی چھان بین نہیں کرتے تھے۔ صیبری نے لکھا ہے کہ ثقہ فی روایت روایت کرتے ہیں نقد میں علم ان کا گہرا تھا نظریہ وسیع تھی۔ قاضی ابو یوسف ان کو دیکھ کر کہتے کہ یہ بار شتر کو اٹھاتے ہوئے ہے یعنی اپنی طاقت سے زیادہ علم کا بوجھ اپنے اوپر محض اپنی محنت سے اٹھائے ہوئے ہیں ۱۲ طبعات

ساتھ قاضی ابو یوسف بھی تھے بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ابن ابی لیلیٰ کو اس کا خیال ہوا کہ مقدمات کے تصفیہ میں جس تحقیق و تدقیق سے کام لیتا ہوں امام ابو حنیفہ کو دکھاؤں آدمی کو انھوں نے حکم دیا کہ ارباب معاملہ کو اندر بلا لیا جائے اتفاق دیکھتے کہ اس وقت بھی پہلا مقدمہ جو پیش ہوا وہ قذف ہی کا تھا مدعی نے دعویٰ دائر کیا تھا کہ فلاں آدمی نے (جو حاضر تھا) مجھے ابن الزانیہ کہا ہے ابن ابی لیلیٰ نے سن کر مدعی علیہ کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ کہو! کیا کہنا چاہتے ہو امام ابو حنیفہ نے قاضی صاحب کے اس طرز عمل کو دیکھ کر کہا کہ جناب قاضی صاحب پہلے آپ نے یہ بھی تحقیق کی کہ دعویٰ پیش کرنے والا اس دعوے کو پیش بھی کر سکتا ہے یا نہیں انھوں نے کہا کہ کیوں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ زندہ کی نسبت مدعی علیہ نے اس کی ماں کی طرف کیا ہے دعوے کا حق اُس کی ماں کو ہے نہ اس کو۔ آپ کو یہ دریافت کرنا چاہیے اس کی ماں نے اپنی طرف سے کیا وکیل بنا کر آپ کے اجلاس میں اس کو بھیجا ہے؟ مدعی نے کہا کہ نہیں میری ماں نے وکیل نہیں بنایا ہے بلکہ میں نے خود اپنی طرف سے دعویٰ دائر کیا ہے امام ابو حنیفہ نے ابن ابی لیلیٰ کو سمجھایا کہ ایسے موقع پر آپ کو چاہیے تھا کہ مدعی سے یہ دریافت کرتے اس کی ماں زندہ ہے یا مر چکی ہے اگر زندہ ہے تو ظاہر ہے کہ دعویٰ اس مدعیہ کی طرف سے وکالت پر ہو سکتا ہے اور اگر مر چکی ہے تو اس کا مسئلہ دوسرا ہے۔

ابن ابی لیلیٰ نے یہ سن کر مدعی کو خطاب کر کے پوچھنا شروع کیا کہ تمھاری ماں زندہ ہے مر چکی ہے۔ مدعی نے کہا کہ مر چکی ہے ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ اس دعوے کے ثبوت میں کیا تم کوئی شہادت پیش کر سکتے ہو گواہ موجود تھے ان کو اس نے پیش کر دیا۔ اب ابن ابی لیلیٰ پھر مدعی علیہ کی طرف متوجہ ہوئے اس کا کیا جواب ہے یہ دریافت کرنا چاہا امام ابو حنیفہ نے پھر ٹوکا اور کہا کہ ابھی بات دہری نہیں ہوئی ہے آپ کو مدعی سے یہ بھی پوچھنا چاہیے کہ اس کی ماں جو مر چکی ہے وارث اس کا صرف مدعی ہی ہے یا اور ورثہ بھی ہیں کیونکہ اگر اس کے بھائی ہیں تو اس دعوے کا حق اس میں اور اس کے عانتوں میں مشترک ہو گیا اور اگر اکیلا وہی وارث ہے تو یہ دوسری بات ہوگی ابن ابی لیلیٰ نے مدعی سے بھی بات پوچھی جواب میں اس نے کہا کہ نہیں اکیلا میں ہی اس کا وارث ہوں۔ قاضی صاحب سمجھے کہ اب مدعی کی بات صاف ہو چکی اور پھر مدعی علیہ کی طرف متوجہ ہوئے امام ابو حنیفہ نے کہا جناب آپ کو مدعی سے یہ بھی پوچھنا چاہیے کہ اس کی ماں آیا محروم آزاد عورت تھی یا اُمّت دشرعی (زندہ) تھی قاضی صاحب نے مدعی سے یہی سوال کیا جواب میں اس نے کہا کہ حر و تنسی اس پر

شہادت طلب کی گئی جو گزاری دی گئی قاضی صاحب نے پھر چاہا کہ مدعی علیہ کو مخاطب کریں مگر امام نے روک کر کہا کہ آپ کو پوچھنا چاہیے کہ اس کی ماں آیا مسلمان عورت تھی یا ذمیہ ر یعنی اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا تھی، مدعی نے کہا کہ مسلمان عورت تھی فلاں مشہور خاندان سے اس کا تعلق تھا اس پر سبھی شہادت طلب کی گئی جو پیش ہوئی امام ابو حنیفہ نے تب ابن ابی لیلیٰ کو خطاب کر کے کہا کہ ان تنقیحات کے بعد

شانك الان اب وقت آیا ہے

کہ مدعی علیہ نے دریافت کیجئے کہ وہ جواب میں کیا کہتا ہے اس نے انکار کیا مدعی سے شہادت طلب کی گئی اس نے کوفہ کے مشہور لوگوں میں سے چند کے نام پیش کئے آگے مقدمہ جاری رہا امام ابو حنیفہ اٹھنے لگے ابن ابی لیلیٰ نے چاہا کہ ان کو بٹھائیں لیکن وہ اٹھ کر چلے آئے۔ فقہ حنفی سے تھوڑا بہت بھی جو لگاؤ رکھتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی قانونی روشٹھانیوں اور آئینی نکتہ بنیوں کا جو حال ہے اس کے لحاظ سے اس مقدمہ کے متعلق مذکورہ بالا تنقیحوں کی حیثیت بالکل معمولی ہے لیکن پھر بھی ان لوگوں کے لئے جو فقہ سے ناواقف ہیں ان سولوں باتوں کے اندازہ کرنے میں ایک حد تک مدد مل سکتی ہے یعنی حکومت قاضیوں کے مقرر کرنے میں کتنے تساہل سے کام لے رہی تھی اتنے معمولی تنقیحی سوالات جن کی حیثیت گویا بالکل ابتدائی سوالوں کی کسی مقدمہ کے لحاظ سے ہو سکتی ہے لیکن قانونی مناسبت کے نہ ہونے کی وجہ سے ان تنقیحوں کے پیدا کرنے کی بھی ان میں صلاحیت نہ تھی اسی کے ساتھ اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی عدالتوں کو امام ابو حنیفہ کس بلند معیار پر لانے کے خواہش مند تھے اور یہ سارے پاپڑ بھیل رہے تھے اس کا مقصد کیا تھا؟

اور یہی نہیں قاضی ابن ابی لیلیٰ اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے حالانکہ ایک امتیازی

عدالت پر حکومت کا اثر

حیثیت کے مالک تھے میرا مطلب یہ ہے کہ ان کے والد یعنی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ تو غیر جلیل القدر تابعی ہیں تاہم کہتے تھے کہ صرف انصاری صحابیوں کی تعداد جن کو انھوں نے پایا تھا ایک سو بیس تھی حضرت عمر حضرت علی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کرتے تھے اس لحاظ سے بڑے باپ کے بیٹے تھے نام ان کا محمد تھا لیکن جس نام سے والد ان کے مشہور تھے اسی نام سے یہ بھی مشہور ہوئے والد کا کم سن ہی میں

انتقال ہو گیا تھا خود کہتے تھے کہ اپنے والد کے متعلق اس سے زیادہ یاد نہیں ہے کہ میرے والد کی دو بیویاں تھیں اور دو سبز رنگ کے خم گھر میں تھے جس میں نبیند بنتی تھی۔

بہر حال گو محدثین کے طبقہ میں اُن کے حافظہ کی سخت شکایت پھیلی ہوئی ہے لیکن ان کی سیرت اور کردار پر کسی نے اعتراض نہیں کیا ہے بلکہ قاضی ابو یوسف کے حوالہ سے منجملہ اور باتوں کے یہ مدعی الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں کہ میں نے ابن ابی لیلیٰ سے زیادہ لوگوں کے مالیات کے متعلق محتاط کسی کو نہیں پایا۔ (میزان ذہبی)

مگر مشہور مورخ الیافعی کی یہ روایت اگر صحیح ہے کہ عباسیوں کے طاغیہ چھ لاکھ مسلمانوں کا خونی سفاک ابو مسلم کا سامنا جب قاضی ابن ابی لیلیٰ سے ہوتا۔

قبل ۲۸۷ ج ۱ تو اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتے

اس پر لوگوں نے ان کو ٹوکا بھی جواب میں کہنے لگے کہ حضرت عمر کے ہاتھ کو ابو عبیدہ بن الجراح بھی تو بوسہ دیتے تھے، کہنے والا بھی ذرا دلیر تھا اُس نے کہا قاضی صاحب! ابو مسلم کا نام حضرت عمر کے مقابلہ میں لیتے ہیں۔ جواب میں بوسے کہ تو پھر تم لوگ بھائی مجھے ابو عبیدہ سمجھتے ہو، مطلب یہ ہے کہ ابو مسلم اگر عمر نہیں ہے تو بندہ ابو عبیدہ کب ہے جیسی روح ہے ویسے ہی تو فرشتے بھی ہوں گے۔

اس بحث کو چھوڑتے کہ ابن ابی لیلیٰ کا یہ جواب کس حد تک واقعی جواب بننے کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ مان بھی لیا جائے کہ بے چارے قاضی صاحب نے ابو مسلم جیسے شتر کینہ سپاہی

سے کھجوریں کو پانی میں ڈال کر تھڑی دیر کے لئے چھوڑ دیتے تھے مثلاً دس بارہ گھنٹے اس عرصہ میں اس کی ٹھاس پانی میں منتقل ہو جاتی تھی۔ عربوں کا یہ ایک مرغوب مشروب تھا، اگر یا ایک قسم کا شربت تھا، لیکن کبھی اُس کے پینے سے سرور کی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی تھی اس لئے بعض لوگوں نے اس کے استعمال کو بھی ناجائز قرار دے رکھا تھا اور دوسری طرف بے باکوں کا بھی ایک طبقہ تھا جو واقعی نشہ کی کیفیت پیدا کرنے کے بعد بنام نہبدا اس کو پیتا تھا حالانکہ نشہ پیدا کرنے کی خاصیت پیدا ہو جانے کے بعد وہ نبیند نہیں شراب بن جاتی تھی، لیکن عقلی تعبیر سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ کوفہ کے علما نفس نبیند کو حلال کہتے تھے جس میں امام ابو حنیفہ بھی شریک ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ کے بارے میں تو لکھا ہے کہ جو نبیند کو حلال نہیں سمجھتا تھا اس کی شہادت قبول نہیں کرتے تھے (دیکھو میزان ذہبی)

انسان کے ظلم و زیادتی سے بچنے کے لئے بطور تقیہ یا مدارات کے اس طرز عمل کو اختیار کیا ہو! لیکن یہاں سوال مطلقاً جواز و عدم جواز سے نہیں ہے بلکہ امام ابو حنیفہ عہدہ قضا کی ذمہ داریوں کو جس بلند معیار پر پہنچانا چاہتے تھے اس لحاظ سے دیکھتے کہ اس قسم کے مثالوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا ہوگا۔

بلاشبہ وہ چاہتے تھے کہ دین دنیا کے سامنے علم جہل کے سامنے انصاف بے انصافی کے سامنے کبھی نہ جھکے جھکائے کا اگر ارادہ کیا جائے تو خواہ انکار کرنے والے پر کچھ ہی گذر جائے جھکے سے اس کو قطعاً انکار کر دینا چاہیے وہ اس عہدے کی علمی اور عملی دونوں ذمہ داریوں کو چاہتے تھے کہ جس حد تک بلندی ان میں پیدا ہو سکتی ہے پیدا کی جائے۔ علمی حیثیت سے وہ جو کچھ کر رہے تھے آج بھی اس کے نتائج دنیا کے سامنے ہیں اور کردار و عمل کی راہ میں ان کی تربیت و تعلیم سے جن آثار کا ظہور ہوا ان کا اندازہ ان بزرگوں کی سوانح عمریوں سے ہو سکتا ہے جنہوں نے امام کے بعد قضا کے خدمات انجام دیئے ہیں۔ یہ ایک مستقل کتاب کا مضمون ہے لیکن اس وقت قاضی ابن ابی لیلیٰ کے اس قصے کے مقابلہ میں بے ساختہ جی چاہ رہا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی تربیت نے جس انقلاب کو پیدا کیا تھا اس کی کم از کم ایک مثال کا ذکر کر ہی دوں۔

حضرت امام کی جدوجہد کے نتائج

آپ دیکھ رہے ہیں کہ جس کا ہاتھ چومایا وہ خود بادشاہ یا خلیفہ نہیں ہے بلکہ حکومت کا ایک افسر ہے اگرچہ بہت بڑا مطلق العنان افسر ہے لیکن پھر بھی بادشاہ اور فرماں روا تو نہیں ہے۔ دیکھتے اسی کے مقابلہ میں اسی عباسی حکومت کا سب سے بڑا حکمران ہارون الرشید ہے یہ کسی خفی مورخ کی نہیں بلکہ خطیب بغدادی کی روایت ہے جن کی کتاب میں خفی ائمہ اور اکابر کے متعلق بمشکل انصاف سے کام لیا گیا ہے لیکن وہی شہر کتاب الاموال کے مصنف ابو عبیدہ قاسم بن سلام کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ محمد بن الحسن یعنی امام ابو حنیفہ کے شاگرد کے ساتھ تھے کہ اتنے میں الرشید ہارون سامنے سے گذر رہا تھا رشید کو دیکھتے ہی مجلس میں بچنے آدمی تھے سرتقد کھڑے ہو گئے۔

الا محمد بن الحسن فانه لم یقیم لیکن ایک محمد بن الحسن تھے جو نہ کھڑے ہوئے اور جیسے بیٹھے ہوئے تھے بیٹھے کے بیٹھے رہے صرف نہ کھڑا ہونا بھی نہیں بلکہ نفاذ الیہ الناس کلمہ در رشید کے لئے سب کے سب کھڑے ہو گئے، اس واقعہ کے بعد مجلس میں کسی ایک آدمی کا بیٹھے رہنا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، ابو عبید کہتے ہیں کہ رشید اندر داخل ہو گیا اور تھوڑے سے وقفہ کے بعد الاذن دینی باریابی کی اجازت دینے والا، باہر نکلا اور آواز دی کہ محمد بن الحسن یعنی محمد بن الحسن کی خلیفہ کی پشی میں طلبی ہے ابو عبید کہتے ہیں کہ اس آواز کے سننے کے ساتھ ہی لوگوں کا یعنی امام محمد کے شاگرد جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے سب کا خون خشک ہو گیا لیکن امام محمد اطمینان کے ساتھ اٹھے خلیفہ کے پاس تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد واپس ہوئے چہرہ بشارت تھا خوش نظر آ رہے تھے اور خود ہی فرماتے گئے کہ خلیفہ نے بلا کر مجھ سے پوچھا کہ لوگوں کے ساتھ تم کیوں کھڑے نہیں ہوئے میں نے کہا کہ مجھے یہ کچھ اچھا معلوم نہیں ہوا کہ آپ نے جس طبقہ میں مجھے رکھا ہے اس طبقہ سے نکل کر دوسرے گروہ میں داخل ہو جاؤں، آپ نے مجھے اہل علم کی جماعت میں داخل کیا ہے یہ بات مجھے پسند نہ آئی کہ اہل علم کی جماعت سے باہر ہو کر ان لوگوں میں شریک ہو جاؤں جو آپ کی خدمت کے لئے ملازم ہیں امام نے اس کے بعد کہا کہ

رشید سے میں نے یہ بھی کہا کہ آپ کے چچا کے بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ تھا، نے فرمایا ہے کہ جو اس کی توقع رکھتا ہو کہ اس کی تعظیم کے لئے لوگ کھڑے ہوا کریں چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ نہ وہ جہنم میں بنائے امام محمد کہتے ہیں:

میں نے رشید سے یہ بھی کہا کہ ایسی صورت میں جو بیٹھا رہا اس نے سنت کی پیروی کی یعنی وہی سنت جو آپ ہی کے خاندان سے منتقل ہو کر ہم لوگوں تک پہنچی ہے۔

ان ہی کا بیان ہے کہ رشید میری اس گفتگو کو سنتا رہا اور آخر میں اس نے کہا کہ

صلی اللہ علیہ وسلم یا محمد! تم نے سچی بات کہی

دین اور علم کی ایک شان یہ ہے کہ اور اسی کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ وہی ہارون جس کی

روان پر النطع اور السیف کے الفاظ چڑھے ہوئے تھے اس کے سامنے بھی امام ابوحنیفہ کا چڑھا یا ہو رنگ بھیکا نہیں پڑتا ہے، بلکہ ہارون ہی کو امام کے پیدا کئے ہوئے کردار کی سختی نرم پڑ جائے پر مجبور کر دیتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس معاملہ میں اپنے تلامذہ کے اندامام نے جس قسم کی حسی ذکاوت پیدا کر دی تھی۔ اس کے یہ لازمی نتائج تھے لیکن اس حسی ذکاوت کے پیدا کرنے میں وہ کیسے کامیاب ہوئے بلاشبہ ہم اُسے ان کی کرامت ہی قرار دے سکتے ہیں۔

ہدیہ پر حضرت امام کے لائے ہوئے انفتاب کا اثر

قاضی عافیہ جن کا ذکر کسی موقع پر آچکا ہے یعنی امام کی مجلس کے طے شدہ مسائل جب تک عافیہ نہ دیکھ لیں۔ امام صاحب کا حکم تھا کہ یادداشت کے رجسٹر میں وہ درج نہ کئے جائیں۔ ان ہی قاضی عافیہ کا ایک قصہ خطیب ہی نے نقل کیا ہے حاصل یہ ہے کہ ہدی عباسی خلیفہ نے ان کا تقرر عہدہ قضا پر کیا تھا۔ کچھ دن کام کرتے رہے، ایک دن خلاف معمول خلیفہ کے دربار میں حاضر ہو کر باریابی کی اجازت چاہی ہدی نے بلا لیا یہ دیکھ کر کہ غنڈوں کا بستہ قطر بھی بغل میں دبا ہوا ہے۔ ہدی نے خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے کسی عہدہ دار یا میرے رشتہ داروں نے ان پر کچھ دبا ڈالا ہے اسی کی شکایت کرنے آئے ہیں خود ہی پیش قدمی کر کے بولا کہ کیا کوئی ایسی صورت پیش آئی ہے جو کہ امیر المومنین ہاس قسم کی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ قصہ دو سرا ہے اور وہ یہ ہے کہ ادھر وہ چہینے سے دو امیر فریقین کا مقدمہ ہمارے ہاں چل رہا ہے مقدمہ تھا ذرا پیچیدہ اور دشوار شہادت اور گواہیاں دونوں طرف سے پیش ہو رہی تھیں اور ایسی گواہیاں جن میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آرہی تھی میں اس خیال میں تھا کہ دونوں میں صلح کرادوں یا اس عرصے میں صلح ترجیح کی کوئی وجہ سمجھا دے اسی میں کچھ تاخیر ہوئی اس عرصے میں فریقین میں سے ایک شخص نے اس پتہ چھلوا کر مجھے تازہ رطب و کھجور سے خاص رغبت ہے حالانکہ ابھی کھجوروں کے موسم کا آغاز ہے لیکن خدا جانے اس بندہ خدا نے کہاں سے ان کو مہیا کیا اور میرے مدبان کو رشوت دے کر راضی کیا کہ

شہ نطع چری فرش کا نام تھا جس پر قتل ہونے والے کو بٹھلا کر قتل کیا جاتا تھا۔ سیف کے منہ تو ظاہر ہے کہ تلواروں جس عہد کا یہ قصہ ہے غصہ میں صلیبیں اور عکرائی کی زبان پر یہ دونوں الفاظ چڑھے ہوئے تھے۔

کچھوروں کے طبق کو لے کر قاضی صاحب کے پاس جانے کی اجازت دے دے، خواہ قاضی صاحب میرے
 پیسے کو قبول کریں یا نہ کریں۔ بہر حال کچھوروں کو لے کر میرے مکان پر وہ پہنچا، دیکھنے کے ساتھ ہی میں
 نے اسے واپس کیا اور سخت ناگہاری کا اظہار کیا، دربان جس نے اسے کی اجازت دے دی تھی اسے
 بھی میں نے نکال باہر کیا وہ کچھوروں کے طبق کو لے کر واپس ہو گیا بات ختم ہو گئی لیکن دوسرے دن
 جب میں اپنے اجلاس پر پہنچا فریقین میرے سامنے حاضر ہوئے تو امیر المومنین! میں نے یہ محسوس کیا کہ
 دونوں نے میرے دل کے آگے ہوا بر باقی رہے تھے اور نہ میری آنکھوں میں دونوں یکساں تھے۔

قاضی عافی نے سارے ماجرے کو سنانے کے بعد مہدی سے عرض کیا کہ امیر المومنین! رشوت
 کے نہ لینے کی صورت میں جب میرے نفس کی حالت ہو گئی اسی سے اندازہ کرتا ہوں کہ رشوت کے
 قبول کرنے کے بعد کیا حال ہو سکتا ہے۔ میں ڈر رہا ہوں کہ اس راہ میں اپنے دین کو برباد کر کے خود
 اپنے آپ کو میں تباہ نہ کر دوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں امام ابو حنیفہ کے انقلابی تاثرات اور ان کے نتائج
 کو اور کیا یہ کوئی ایک دو واقعہ ہیں جیسا کہ میں نے کہا امام کی تربیت و پرورش نے جن لوگوں
 کو پیدا کیا اور پھر ان دونوں کی سمجھتوں میں جو لوگ بنے اسی طرح صدیوں اس کا سلسلہ
 باقی رہا ایک مستقل کتاب کا وہ مواد ہے۔

اس وقت گشتگو تو دراصل امام ابو حنیفہ کے اس طریقہ کار کے متعلق ہو رہی تھی، جو
 حکومت کی طرف سے مقرر کیے ہوئے قاضیوں کے فیصلوں کے سلسلے میں انھوں نے اختیار کر رکھا
 تھا۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ اس قسم کے فیصلوں پر جو اعتراض کیے جاتے ہیں وہ یوں ہی مشہور
 ہو جاتے ہیں اور یہاں آپ سن چکے کہ اعتراض بھی کرتے جاتے تھے اپنے ان اعتراضوں کو
 لوگوں پر امام ظاہر بھی کرتے رہتے تھے اگر اس کا نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ ان کے موافق نگاروں
 نے یحییٰ بن آدم جیسے ثقہ ثبت حجت سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے :-

کون فقہ سے معمور تھا اور فقہاء کی اس شہر میں کثرت تھی مثلاً ابن شہر مہ ابن
 ابی یوسف، حسن بن صباح، شریک اور ان ہی جیسے لوگ لیکن ابو حنیفہ کے اقوال

کے سامنے سب کا بازار سرد پڑ گیا۔ ص ۲۰۰ ج ۲

اور امام کو جو اصل مقصود تھا وہ آخر ان کے سامنے اس شکل میں جلوہ گر ہوا جیسا کہ حماد

بن سئمہ کا بیان ہے کہ

گوا بن ابی لیلیٰ اور ابن شبریمہ، شریک، سقیان وغیرہ امام سے اختلاف کرتے رہے لیکن بالآخر امام ابو حنیفہ ہی کی بات نے استواری حاصل کی اور امراء امام ابو حنیفہ کے محتاج ہو گئے خلفاء کے درباروں میں ان کا ذکر ہونے لگا ص ۲

امراء ابو حنیفہ کے محتاج ہو گئے اور خلفاء کے درباروں میں ان کا ذکر ہونے لگا۔ یہی چیز دیکھنے کی اور غور کرنے کی ہے امراء سے الگ رہنا حکومت اور حکومت سے استعفا دے کے ہمارے ذرائع سے قطعی طور پر بے نیاز ہو کر زندگی گزارنا موج خون کو سرے گندے ہوئے دیکھتے رہنا، لیکن آستانِ یار سے نہ اٹھنے پر اصرار کو جاری رکھنا اپنی آخری سانس تک جاری رکھنا یہ واقعہ ہے کہ اس حد تک امام ابو حنیفہ کے ساتھ اکابر اسلام کا ایک بڑا گروہ شریک تھا، تاریخ کے اوراق میں ان بزرگوں کے اسماء گرامی زرین حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔

لیکن یہ بات کہ امراء سے دور بھی رہنا اور ان ہی امراء کو اپنا محتاج بنانے کی کوششوں کو بھی جاری رکھنا خود اپنی مجلس کو خلفاء اور سلاطین کے ذکر سے پاک بھی رکھنا لیکن ان کی مجلسوں تک زبردستی اپنے ذکر کو بزد پھنچانا اور صرف ذکر ہی نہیں بلکہ امام نے اپنی تدبیروں سے ایک ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ بالآخر بقول بھی بن آدم قضاہ بہ، خلفاء و الأئمة و الحکام خلفاء اور ائمہ یعنی مسلمانوں کے سیاسی حکمرانوں کا طبقہ اور مستقر علیہ الامراء ص ۲ حکام ابو حنیفہ کے مدونہ قوانین سے فیصلہ کرنے لگے اور بالآخر اسی پر سلسلہ ختم ہوا۔

پچہ پوچھے تو ترک موالات کی سبلی کوششوں کے ساتھ حکومت میں شریک و ذیل ہونے کی ایجابی و اثباتی جدوجہد حضرت امام ابو حنیفہ کا ایک ایسا خصیصہ اور علمی و عملی زندگی کا ابھار طرزِ اختیار ہے جس میں جہاں تک میں جانتا ہوں کم از کم ان کے عہد میں ان کا کوئی شریک و ہمیم نہ تھا۔

امام کے سوانح نگاروں نے قاضی ابویوسف کے نام سے جس وصیت نامہ کو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے منجملہ دو سری باتوں کے اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ۔

حکومت تمھارے سامنے جب کوئی خدمت پیش کرے تو تم ہرگز اس کو اس وقت تک قبول نہ کرنا جب تک اس کا پورا اطمینان نہ ہو جائے کہ تمھارے علمی اجتہادات اور تمھارے فیصلوں پر وہ اتنا اعتماد کرتی ہے کہ ان کے بعد وہ کسی دوسری کی طرف اس باب میں توجہ نہ کرے گی ص ۱۱۳ ج ۲

اب اس کا مطلب سمجھ میں آتا ہے

درحقیقت ایسے حالات ہی انھوں نے پیدا کر دیئے تھے جس کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ اپنی مرضی کا تابع بنا کر نہیں بلکہ اہل و علم و دین کی مرضی کے خود تابع ہو کر حکومت ان سے امداد لینے پر کم از کم اس خاص شعبہ یعنی عدل و انصاف فصل خصومات میں مجبور ہو گئی تھی عثمان بن عفان نے جو حدیثوں کے بھی راوی ہیں اپنے والد عفان کے حوالہ سے ان کی چشم دید شہادت یہ نقل کی ہے۔

عراق کا ہمارے زمانے میں یہ حال تھا کہ لوگ مسائل میں ایک دوسرے سے جھگڑتے رہتے اور باتیں کرتے رہتے تھے۔

پھر وہی کہتے ہیں کہ آخر میں یہ حال ہو گیا کہ

جہاں ابو حنیفہ کی رائے کا ذکر کیا گیا تو اس کے سوا اور کسی دوسری رائے کو قطعی فیصلہ نہیں سمجھا جاتا تھا لوگ امام ابو حنیفہ سے اختلاف کرنے میں ڈرنے لگے ان کے قلوب ابو حنیفہ کے قول کے سوا اور کسی بات سے مطمئن ہی نہیں ہوتے تھے ص ۱۱۴ ج ۲

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ عوام تو عوام جس کی تنقیدی چاند ماریوں سے سرکاری قاضیوں کے فیصلے محفوظ نہ تھے بلکہ بقول قاضی ابن ابی لیلیٰ الصواعق زکرتی ہوتی بھیلیں، کی طرح امام ان پر ٹوٹ رہے تھے اور جس قسم کی جان واد تنقیدیں ان کی ہوتی تھیں کسی میں ان تنقیدوں کے رد کی تاب بھی نہ تھی امام کے شہر تھمید جو طبعاً عوفیہ کے رئیسوں میں شمار کئے جاتے ہیں یعنی داؤد طائی امام اور ان کی کوششوں کی روداد بیان کرتے ہوئے آخر میں مجلس وضع قوانین اور اس کے کارناموں کے تذکرے کے بعد کہا

گو بعض لوگ مثلاً ابن ابی لیلیٰ ثورسی شریک وغیرہ نے امام کا کچھ دن مقابلہ کیا اور چاہتے تھے کسی طرح امام کو زک پہنچائیں لیکن ان کے حالات ہی ایسے تھے کہ روز بروز ان کا مقام بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا مثلاً نہ کا حلقہ دیتے ہو گیا بلکہ کو قدر

کی جامع مسجد میں سب سے بڑا حلقہ آخر میں امام ہی کا ہو گیا تھا :
پھر تلامذہ کے ساتھ امام کے سلوک اور برتاؤ کی جو کیفیت تھی داود طائی نے اُس کی
طرف اشارہ کرنے کے بعد کہا کہ

بالآخر لوگوں کا رنج آپ کی طرف پھر گیا۔ بڑے بڑے امرا اور حکام آپ
کی عزت کرنے لگے مشکلات کے حل میں امام نے ہمیشہ اپنے آپ کو آگے
آگے رکھا۔ لوگ آپ کے مداح ہو گئے ایسا کام کر کے امام نے مسلمانوں کے
سامنے پیش کیا جو دوسروں سے بن نہ آیا صلیبیج ۱

اور گوداود طائی نے امام کی ان غیر معمولی کامیابیوں کے اسباب کو بیان کرتے ہوئے
یہ صحیح بات کہی ہے کہ

قوی علی ذلک بالعلم الواسع
واسعد نہ المقادیر ص ۳۱
ان کے وسیع علم نے بھی اور تقدیر نے بھی اُن کی مدد
کی جو اتنی قوت امام کو حاصل ہوئی۔

لیکن علم واسع عقل و تدبیر اور ان کے بخت بلند کے سوا جہاں تک میں سمجھتا ہوں
ان کی کامیابیوں کا ایک بڑا راز کچھ اور ہی تھا اور اب میں اسی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔
مطلب یہ ہے کہ وقت کے امراء اور حکمرانوں کو جب اپنے اور اپنے علمی کارناموں کی
طرف متوجہ کرنے میں خدا ان کو اس حد تک کامیاب کر چکا تھا اور کچھ ہی سے آپ امام کے
اس قول کو بھی سن چکے ہیں جو اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے کہ حکومت کی ملازمت
میں اُس وقت تک تم لوگوں کو شریک نہ ہونا چاہیے جب تک کہ اس کا یقین نہ ہو جائے کہ
اس جگہ پر اگر ہم نہیں قبضہ کرتے ہیں تو ناکارہ اور نالائق لوگوں سے وہ جگہ بھر جائے گی اور
خلق خدا ان کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہو جائے گی۔

جیسا کہ واقعات کی روشنی میں آپ دیکھ چکے کہ صورت حال امام کے زمانے میں قریب قریب
یہی ہو چکی تھی پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس کے حکومت کی شرکت انہوں نے جیسا کہ معلوم ہے

سلف موفّق کی کتاب میں بجائے دوسروں کے "سرب" کا لفظ ہے یعنی عربی النسل علماء سے جو کام میں آئے
وہ اس علمی مسلمان نے انجام دیا لیکن داؤد کی یہی روایت دوسری کتابوں میں جو پائی جاتی ہے اس میں
"سرب" کا لفظ نہیں ہے میرے نزدیک صحیح تر دوسری ہی بات ہے۔

اور آئندہ تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر آ رہا ہے امام صاحب نے کیوں قبول نہ کی حالانکہ حکومت کی طرف سے اُن کے سامنے وہ سب کچھ پیش کر دیا گیا جو کچھ وہ چاہتے تھے یا چاہ سکتے تھے مگر وہ انکار ہی پر اصرار کرتے رہے تا این کہ اسی اصراری انکار کی حالت میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

میرے مضمون کا ابتدائی سوال یہی تھا اب وقت آیا ہے کہ اس سوال کے جواب پر غور کیا جائے لیکن جواب سے پہلے مناسب ہے کہ امام کی زندگی کے آخری مرحلہ یعنی حکومت عباسیہ کے ساتھ ان تعلقات کی جو ایک طویل داستان ہے اس کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا امام نے قصداً ایسے حالات ہی پیدا کر دیئے تھے کہ حکومت اپنے تعاون اور اپنے ساتھ اشتراک پر امام کو آمادہ کرنے پر مجبور ہو چکی تھی علاوہ اس کے دوسری عام وجہ یہ بھی تھی خود امام ہی نے اس کا اظہار اپنی اس گفتگو میں کیا ہے جو خلیفہ ابو جعفر سے ایک دفعہ ان کی ہوئی تھی۔

کہتے ہیں کہ اپنی خلافت کی ابتدائی دلوں ہی میں ابو جعفر نے غالباً جب مدینہ میں تھے امام مالک اور ابن ابی ذئب کے ساتھ امام ابوحنیفہ کو بھی دربار میں طلب کیا اور تینوں حضرات کو مخاطب کر کے اُس نے پوچھا کہ۔

”اس امت (یعنی مسلمانوں) کی حکومت کی ہاگ ہمارے ہاتھ میں خدائے جود ہی ہے“

آپ لوگوں کا اس کے متعلق کیا خیال ہے آیا ہم لوگ اس کے واقعی اہل ہیں۔“

اپنے اپنے مذاق کے مطابق ہر ایک نے جواب دیا جس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں البتہ امام نے جو جواب دیا تھا اس میں دوسری چیزوں کے ساتھ آپ نے مندرجہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

اپنے دین کی بھلائی کے چاہنے والے کو چاہیے کہ غصہ اور غضب سے اپنے آپ کو خالی کرے

اس تنہیدی فقرے کے بعد امام نے کہا کہ۔

اگر آپ اپنے واقعی بھی خواہ میں تو آپ یقیناً یہ جانتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اس امت

آپ نے اپنے دربار میں جو جمع کیا ہے قطعاً ہر کام آپ کا اللہ کے لئے نہیں ہے۔“

اس کے بعد یہ الفاظ امام کی زبان سے ادا ہوئے کہ

درحقیقت آپ عوام الناس کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم لوگ بھی آپ کے متعلق

وہی خیال رکھتے ہیں جو خود آپ لوگوں کا اپنے متعلق ہے "ملا کر ج ۲" مطلب امام کا یہ تھا کہ مسلمانوں کی حکمرانی کا حق دار اپنے آپ کو جو آپ لوگ سمجھتے ہیں اور یہی دنیا کو باور کراتے پھرتے ہیں چاہتے ہیں کہ ہم بھی اس مسئلہ میں آپ کی ہم ٹوائی کریں تاکہ اس ذریعے سے رائے عامہ کا اعتماد حاصل کریں۔

جس سے معلوم ہوا کہ رعایا کے ممتاز افراد کو ہم لڑا جانا کر رائے عامہ کے اعتماد حاصل کرنے کا عام رواج جیسا کہ اس زمانہ میں ہے امام کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومتوں کی یہ بھی پُرانی اور قدیم رسم ہے گویا اس سلسلہ میں جو کچھ آج کیا جا رہا ہے۔ کل بھی دنیا یہی کرتی تھی۔

جہاں تک میرا خیال ہے۔۔۔ حال جس کا امام کے سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے یعنی امارت و وقت کے حکمرانوں کا امام اور امام کے علمی خدمات کی طرف متوجہ ہو جانا یہ تو بعد کی بات تھی اور ان پیہم مسلسل کوششوں سے بتدریج پیدا ہوئی تھی جن کے جاری رکھنے کا موقعہ بغیر کسی مزاحمت کے باطینان تمام سلسلہ تک عباسی حکومت کے قیام کے بعد امام کو ملا۔

لیکن عباسی حکومت سے امام کے تعلقات اس سے پہلے ہی قائم ہو چکے تھے۔ اور اس میں کچھ امام ہی کی خصوصیت نہ تھی بلکہ ہر وہ شخص جس کی موافقت اور ہم آہنگی سے عوام متاثر ہو سکتے تھے ان کو مختلف طریقوں سے حکومت اپنے قابو میں لانے کی کوشش شروع ہی سے کر رہی تھی۔ میں نے السفاح کی اس تقریر کا ذکر اس کتاب میں کسی مقام پر کیا ہے جس میں کوفہ کے سربراہ اور وہ علماء کو بلا کر اس نے تقریر کی اور اپنی لوازشوں اور عنایتوں سے سب کو اس نے اُمیدوار بنایا تھا۔ السفاح کے بعد جب منصور خلیفہ ہوا تو اس سلسلہ میں اُس نے اپنی سرگرمیوں کو نسبتاً زیادہ بڑھا دیا تھا۔ جس کی ایک وجہ ممکن ہے کہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک حد تک اُس زمانے کے مروجہ علوم میں وہ خود بھی دستِ گاہ رکھتا تھا ہو سکتا۔ اس کے علمی مذاق نے بھی اہل علم کی تعداد میں ان کی طرف اس کو کچھ متوجہ کیا ہو۔

اور امام کے ساتھ تو دوسرا معاملہ بھی تھا یعنی عباسیوں کی پیش رو حکومت کے ساتھ نام کا برطانوی راجہ تھا وہ کوئی پوشیدہ راز نہ تھا۔ زید بن علی کے ساتھ ان کی ہمدردیوں کے آئینے کوئی وجہ نہیں کہ موجودہ حکومت کے کالوں تک نہ پہنچے ہوں گے۔ ماسوا اس کے

ابراہیم صانع کا واقعہ تو خود اسی حکومت سے تعلق رکھتا تھا جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے۔ ابراہیم اور امام ابوحنیفہ کے تعلقات ایسے نہ تھے کہ حکومت کے خفیہ گوندوں سے پوشیدہ رہ سکتے تھے امام کے ساتھ داروگیر اگر نہ ہوتی تو عرض کر چکا ہوں کہ اس کی بنیاد بھی ایک سیاسی مصلحت ہی پر بنی تھی۔

امام جن سے ایسے خطرناک آثار کا ظہور مختلف شکلوں میں ہو چکا تھا یقیناً یوں بھی اس کے مستحق تھے کہ حکومت ان کو اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کرے۔

جیسا کہ چاہیے گری سے پہلے عموماً اس قسم کے مواقع میں پہلے حکومتیں غری ہی کی رائے اختیار کرتی ہیں اور گویا امام ابوحنیفہ اور خلیفہ منصور عباسی کے تعلقات کے قصوں کو بیان کر لے والوں نے بغیر کسی ترتیب کے براگندہ طور پر بیان کیا ہے۔ ان میں بعض واقعات کا تعلق اس زمانے سے ہی جب غری کی راہ سے منصور امام کو اپنے قابو میں لانا چاہتا تھا۔ اور غری کے واقعات کا تعلق ان دنوں سے ہی جن میں حکومت بالآخر امام سے مایوس ہو گئی پھر مایوس ہو جانے کے بعد حکومتیں جو کچھ کر سکتی ہیں امام کو بھی اس کا تجربہ کرنا پڑا۔

حکومت عباسیہ امام کے تعلقات کی ابتداء

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں عباسیوں کے پہلے حکمران ابوالبباس السفاح کے پنج سالہ دور حکومت میں بجز اس ایک واقعہ کے جس کا ذکر گذر چکا ہے یعنی حاکم کی مجلس میں امام نے خلیفہ کو جو جواب دیا تھا اور کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے معلوم ہو کہ حکومت نے امام کی طرف توجہ کی ہو یا امام نے حکومت سے براہ راست تعلق قائم کرنے کا ارادہ کیا اور السفاح کے بعد جب ابو جعفر منصور گدی پر آیا تو اس کی حکومت کی بھی ابتدائی چند سالوں میں سکوت اور خاموشی کا وہی عالم قائم رہا۔ میں نے لکھا تھا کہ تقریباً بارہ تیرہ سال کے اس طویل وقفہ میں امام کو ان کارروائیوں کا موقع ملا جن کی داستان سنانی باقی ہے۔

باقی یہ سوال کہ خلیفہ ابو جعفر منصور اور امام کے تعلقات کی ابتداء کب سے ہوئی اور کیسے ہوئی میں کہہ چکا ہوں کہ

امام کے سوانح نگاروں نے دونوں کے باہمی تعلقات کے تھے فشر طور پر بیان کر دیئے ہیں کسی قسم کی ترتیب ان میں نہیں پائی جاتی تاہم جہاں تک قرآن و تفسیر کا اقتضا ہے

ہے۔ مہرے نزدیک سب سے پہلی دفعہ ابو جعفر منصور نے امام کو اس وقت بلایا ہے۔ جب اپنے مدینۃ السلام و بغداد کی تعمیر کے سلسلے میں پہلی دفعہ اپنی حکومت کے ارباب علم و دانش کو اس نے جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس واقعہ کا طبری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ گو مدینۃ السلام کی حقیقی تعمیر کی ابتدا اس واقعہ کے بعد شروع ہوئی جسے النفس الذکیہ محمد بن عبداللہ اور ابراہیم بن عبداللہ کے خروج سے تعمیر کرتے ہیں جس کی پوری تفصیل آگے آرہی ہے لیکن طبری ہی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منصور نے بغداد کی تعمیر کا انتظام اس واقعہ کے ظہور سے پہلے کرنا شروع کر دیا تھا لیکن کام کی ابتدا ہی ہوئی تھی کہ اچانک ان دونوں بھائیوں کے خروج کا واقعہ پیش آیا۔ اسی وجہ سے تعمیر کے کام کو روک دینا پڑا۔

بغداد کی تعمیر کے سلسلے میں حضرت امام کی طلبی

بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک ابو جعفر نے سب سے پہلے امام کو اپنے دربار میں باضابطہ طور پر اس وقت بلایا جب پہلی دفعہ مدینۃ السلام کی تعمیر کا کام زمین کے انتخاب کے بعد شروع ہوا تھا، طبری نے سلیمان بن نجاد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جب مدینۃ السلام کی تعمیر کا ارادہ قطعی طور پر طے ہو گیا تو۔

منصور نے شام، موصل، جبل کوثر و واسطہ، بصرہ وغیرہ شہروں میں اپنا حکم بھیجا کہ ہر قسم کے کاریگر اور کام کرنے والے مزدور اکٹھے کئے جائیں اسی کے ساتھ اس نے یہ حکم بھی صادر کیا کہ ارباب فہم و دانش جن میں امانت اور دیانت کے صفات پائے جاتے ہوں نیز فن ہندسہ و تعمیری ہندسہ سے واقف ہوں ان کا انتخاب بھی ہر شہر سے کیا جائے۔

سلیمان کا بیان ہے کہ منصور کی اسی حکم کی تعمیل میں جو لوگ طلب کئے گئے ان میں خصوصیت

کے ساتھ قابل ذکر

الحجاج بن ارطاة و ابوحنیفہ النعمان

حجاج بن ارطاة اور نعمان بن ثابت

بن ثابت علیہ السلام

بھی تھے۔

اور یہی میرا خیال ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلے منصور نے امام ابو حنیفہ کو اسی قریب سے اپنے پاس بلایا میں سمجھتا ہوں امام کے متعلق یہ قصہ کہ بنی امیہ کی حکومت کے زمانے میں قضا، وغیرہ کے عہدوں کے قبول کرنے سے ابن ہبیرہ کے شدید اصرار کے باوجود انکار کر دیا تھا توئی وجہ نہیں کہ منصور تک نہ پہنچا ہوگا اور گو مقصود تو اس کا وہی ہوگا جس کا اظہار جیسا کہ گذر چکا خود امام نے اس کے منہ پر کر دیا تھا کہ اس قسم کے لوگوں کے بلانے سے رائے عامہ کے اعتماد کو تم حاصل کرنا چاہتے ہو خصوصاً امام نے تو اپنی علمی اور علمی تدبیروں سے ماحول ہی ایسا پیدا کر دیا تھا کہ حکومت میں امام کے اشتراک کا مطالبہ اس زمانے کا ایک عام مطالبہ بن چکا تھا لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں کسی ایسی چیز کی امام پر پیش کرنے میں منصور نے احتیاط کی جس کے متعلق وہ جانتا تھا کہ انکار کر دیں گے۔

حضرت امام بحیثیت ناظم تعمیرات

اگرچہ مورخین نے واقعات کو ایک دوسرے سے خلط ملط کر کے بیان کیا ہے کہ لیکن ان ہی سلیمان بن مجاہد کے حوالہ سے طبری ہی نے چند اور روایتیں جو نقل کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تعمیری مشورے کی حد تک امام نے منصور کے حکم سے سرکاری مناسب نہیں خیال کی اور گو سلیمان کی اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آخر وقت تک امام اس کام میں مشغول رہے لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے بلکہ جہاں تک قیاس کا اقتضا ہے خروج کے واقعہ سے پہلے بغداد کی تعمیر کے جتنے ابتدائی مراحل طے ہوئے تھے امام کی شرکت ان ہی کی حد تک محدود تھی اور سلیمان کے الفاظ۔

فولاد القیام بناء المدینہ و
ضرب المہین دحل و داخن الرجال
بالعمل ص ۲۴۱
شہر کی تعمیر کا نظم اور اینٹ کی ڈھلائی ان کا گنتا کام کرنے والوں کے کام کی نگرانی یہ سارے کام ابو حنیفہ کے سپرد ہوئے۔

اگر صحیح میں تو اس کا مطلب میرے نزدیک یہی ہے کہ قبل خروج نفوس ذکیہ جس حد تک مدینہ السلام کی تعمیر کا کام ہو چکا تھا اس میں ممکن ہے کہ امام نے کچھ دن کے لئے ان ذمہ داروں کو قبول کر لیا ہو۔

لے یہاں یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ نفوس ذکیہ کے خروج سے پہلے مدینہ السلام کی تعمیر کا سلسلہ اس حد تک

ایک دلچسپ لطیفہ اس سلسلہ کا یہ ہے جسے امام کے حنفی سوانح نگاروں نے اگرچہ بیان نہیں کیا ہے لیکن طبری وغیرہ میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے یعنی اینٹوں کے گننے کا کام

پہنچ چکا تھا جیسا کہ کامل بن اثیر نے لکھا ہے کہ قد آدم کے برابر فصیل کی دھواڑ زمین سے اوپر اچکی تھی کہ اتنے میں محمد بن عبد اللہ کے خروج کی خبر پھیلی اسی نے تعمیر کا کام روک دیا گیا ص ۲۸۵ کامل جلد ۵ اس میں لکھا ہے کہ کام کے التوا سے پہلے منصور ان تمام چیزوں کو مہیا کر چکا تھا جن کی ضرورت اس شہر کی تعمیر میں ہو سکتی تھی یعنی لکڑیاں اور سالکوان کے تختے وغیرہ یہ ساری چیزیں اس سرزمین تک آچکی تھیں جہاں بغداد تعمیر ہو رہا تھا بلکہ اسی سلسلہ میں ایک لطیفہ بھی لکھا ہے کہ اس سلسلے ساز و سامان کو چھوڑ کر خود تو منصور مقابلہ کے لئے کوفہ کی طرف بھاگا اور ان تعمیری چیزوں کی نگرانی کے لئے اپنے غلام اسلم نامی کو اس نے وہیں چھوڑ دیا کہتے ہیں کہ جب یہ خبر اسلم تک پہنچی کہ منصور کی فوج کو ابراہیم بن عبد اللہ کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی تو ان ساری چیزوں میں جو اس کی نگرانی میں دی گئی تھیں اس نے آگ لگا دی سب کچھ جل کر بھسم ہو گیا منصور کو جب اس کی خبر ملی تو اپنی فطری خصوصیت کی بنیاد پر اس کو سخت تکلیف پہنچی اسلم کو اس نے لکھا کہ تو نے یہ کیا کیا ہے چاہے جواب دیا کہ دشمن اس پر قبضہ کر لیں گے اس خوف سے میں نے یہی مناسب خیال کیا منصور دم سادہ کر رہ گیا ص ۲۸۵ منصور کی فطری خصوصیت سے میری مراد اس کا مشہور عالم بخل ہے وہ اپنے اس عیب کو چھپاتا بھی نہیں تھا بغداد ہی کی تعمیر کے تقصیر میں لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب اس سرزمین کو دیکھ کر جس پر بغداد تعمیر کیا گیا منصور نے کہا کہ خوب ہی موقع ہے گویا جلد کے پانی سے چین تک ایک گھٹا راستہ میرے سامنے رہے گا اور اسی راہ سے ہندوستان بمقام الغرض ہر مقام کی چیزیں میرے دارالحکومت تک آسانی پہنچتی رہیں گی پھر چند راہوں کی خانقاہیں اسی میلان میں جو تھیں ان میں داخل ہوا ایک رہب سے اس نے پوچھا کہ یہاں کوئی شہر تعمیر ہو تو کیا اچھی بات ہو اس نے کہا ہمارے کتابروں میں لکھا ہے کہ یہاں پر ایک شخص جس کا نام ابو الدانیق ہو گا شہر بسائے گا یہ سن کر منصور زور سے ہنسا اور بولا کہ یہ تو میرا ہی نام ہے۔ مطلب یہ تھا کہ دانیق جو دانیق کی جمع ہے جس کے سٹھے پیسے کے ہیں عربی میں اسی کی نسبت سے بنجیل آدمی کو ابو الدانیق دانیق دینیسیوں کا باپ کہتے ہیں۔

منصور سمجھ گیا کہ وہ بنجیل آدمی تو میں ہی ہوں بعد کو یوں بھی لوگوں نے اس کو اسی بخل کی وجہ سے دانیقی کہنا شروع کیا تھا یعنی ایک ایک پیسہ کا حساب لیا کرتا تھا بغداد کی تعمیر سے جب فارغ ہوا۔ تو اپنے ایک بہت بڑے افسر کو صرف اس جرم میں اس نے قید کر دیا تھا کہ چند آنے اس غوب پر حساب کے رو سے باقی رہ گئے تھے ۱۲

امام نے اپنے ذمہ جو لیا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ مدنیۃ السلام کی اینٹوں کا قصہ تھا جب معمولی معمولی شخصی مکانوں میں دس بیس لاکھ اینٹیں خرچ ہو جاتی ہیں تو اسی سے اندازہ کرنا چاہیے کہ مدنیۃ السلام کے لئے کتنی اینٹوں کی ضرورت ہوتی ہوگی یقیناً کم از کم کروڑوں سے بھی ان کی تعداد اگر متجاوز ہو تو تعجب نہیں ہے اتنی اینٹوں کا شمار کرنا آسان نہ تھا آخر وہی عقل حنیفی جو مسائل شرعیہ کی گتھیوں کے سلجھانے میں نت نئے نئے نکات نکالا کرتی تھی اس وقت بھی کام آتی دکھا ہے کہ

امام نے ایک بانس منگوا یا اور جس نے جتنی اینٹیں ڈھالی تھیں اُن کو اسی بانس سے ٹاپ دیتے تھے۔

تعمیری دنیا پر حضرت امام کا احسان

گویا پیمائش کے اس عمل سے اینٹوں کی تعداد معلوم ہو جاتی تھی اگرچہ بعد کو یہ طریقہ منہج شماری کے سلسلہ میں عام ہو گیا لیکن ان ہی مورخین کا بیان ہے کہ

دکان ابو حنیفہ اولیٰ من عد اللبن اینٹوں کو بانس کے ذریعہ گنے کا طریقہ سب سے پہلے بالقبض طبری ص ۹۲

امام ابو حنیفہ نے اختیار کیا۔

اگر یہ صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے کہ تعمیری دنیا پر امام کا یہ احسان قیامت تک کے لئے رہ گیا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ بعد کو اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی عددی چیزوں کی مقدار کا پیمائش کے ذریعہ سے پتہ چلانے کا دنیا میں جو عام رواج پایا جاتا ہے۔ علی اصطلاح میں جس کی تعبیر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ کم منفصل کو کم متصل کے قالب میں لا کر اس کی نوعیت سے واقفیت حاصل کرنے کا یہ عجیب رواج امام ابو حنیفہ ہی نے گویا دنیا میں قائم کیا۔

البتہ یہاں یہ سوال جو پیدا ہوتا ہے کہ بنی امیہ کی حکومت سے امام نے جن وجوہ و اسباب کی بنیاد پر ترک موالات کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ جب عباسی حکومت نے ان چیزوں کے اعادے میں کمی نہیں کی تھی ابراہیم صانع کے قصہ میں گند بھی چکا کہ اس نئی قائم ہونے والی حکومت کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کو امام فرض قرار بھی دے چکے تھے ابراہیم سے آپ کا اختلاف صرف اس میں تھا کہ مقابلہ کی صورت کیا اختیار کی جائے۔

بہر حال لفظنا یہ سوال پیدا ہوتا ہے طبری نے بعض روایتیں اس موقع پر جو درج کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عباسی خلیفہ منصور نے بھی دراصل آپ سے بھی چاہا تھا کہ اس کی

حکومت میں قضا کی ملازمت قبول کریں امام نے جب انکار کیا تو پھر مذکورہ بالا خدمت (یعنی خشت شماری اور مزدوروں کی نگرانی) وغیرہ ان کے سپرد کی جاتے ہیں کہ امام کے انکار پر منصور قسم کھا بیٹھا تھا کہ ضرورتاً تم کو مقرر کر کے رہوں گا لیکن جب دیکھا کہ قاضی ہوئے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتے تو اپنی قسم پوری کرنے کے لئے امام کے حوالہ اس کام کو کیا طبری کی اسی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ

انما فعل المنصور ذلك ليخرج ج
 یہ کام منصور نے اس لئے کیا کہ اپنی قسم سے وہ باہر ہونا چاہتا تھا یعنی جو قسم کھاتی تھی اسے پوری کرنا چاہتا تھا
 عن يمينه ص ۲۰۹ ج ۹

حضرت امام نے یہ خدمت کیوں قبول کی

لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قسم اگر منصور نے کھاتی تھی تو قضا کی خدمت کے قبول کرنے پر پھر یہ خشت شماری وغیرہ کے کام کے قبول کر لینے سے اس کی قسم کیسے پوری ہوگئی علاوہ اس کے جو قضا کے قبول کر لینے پر انکار کر سکتا تھا وہی بآسانی اس دوسری ذمہ داری کے قبول کرنے سے بھی انکار کر سکتا تھا کہ بھلا میں بے چارا ایک تلاء آدمی قرآن و حدیث کے مسائل کا بتانے والا اس کام کو کیا جانوں۔

اسی لئے میرا خیال ہے کہ پہلی مرتبہ امام سے منصور نے قضا کا قصہ چھیڑا ہی نہیں گود میں ارادہ ہو کہ آئندہ یہی کام ان سے لوں گا لیکن شروع شروع میں مانوس کرنے کے لئے یا تو اس قصے کو اس نے چھیڑا ہی نہیں جس کے متعلق اس کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ قبول کرانے میں بنی اُمیہ کی حکومت ناکام ہو چکی ہے یا کچھ کہا بھی ہو تو بکھا پنپنے کے لئے اشارے کنائے میں کہا ہو۔ لیکن امام کے تصور نے اس کو فوراً دوسرے مسئلہ کی طرف متوجہ کر دیا۔ یہ ظاہر خیال گنت ہے کہ اس نے امام کے سامنے یہ پیش کیا ہوگا کہ مسلمانوں کی دارالحکومت کا زمین کے اس کرب پہلا شہر تعمیر ہو رہا ہے میں نے ہر قسم کے ہنرمندوں اور ارباب دانش و فنم کو اپنی امداد کے لئے بلایا ہے اس معاملہ میں آپ بھی میری مدد کیجئے عبا بیوں کے متعلق امام کے جو احساسات ان کا اقتضا تو یہی تھا کہ اس خدمت سے بھی انکار کر دیتے لیکن کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ پیش ہونے کے بعد امام ابو حنیفہ نے منصور کی تعمیری امداد سے انکار کیا۔ اس سلسلے میں امام کے سوانح نگاروں نے یا دوسروں نے مختلف الفاظ اور مختلف پیرایوں میں جو کچھ بھی نقل کیا۔

وہ صرف یہی ہے کہ جب کبھی قضا کی خدمت آپ پر پیش کی گئی اس سے انکار کرتے رہے۔

واللہ اعلم بالصواب اس کے قبول کرنے میں امام کے سامنے کیا مصلحتیں تھیں خوش اعتقادی سے اگر کام لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ بغداد کے مستقبل کی تاریخ ان کے سامنے تھی جس سے لاکھوں اولیاء اقطاب علماء فقہاء محدثین مفسرین اسلامی دنیا کوٹے گویا بغداد کی تعمیر ان سارے فضائل و کمالات کی تعمیر تھی جن کا بالآخر وہ سرچشمہ بنا پھر ایسے نہک کام کی شرکت سے محرومی اپنے لئے انھوں نے پسند نہیں کی۔ کیونکہ بظاہر تعمیر کی ابتداء ابو جعفر منصور کے ہاتھوں سے ہو رہی تھی، لیکن بغداد منصور یا منصور کے بال بچوں ہی کا بغداد نہ تھا بلکہ وہ معروف و سری سقطی حنفیہ و شبلی سیدیہ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلی شہاب الدین السہروردی جیسے اقطاب اسلام کا بھی بغداد تھا، وہ امام احمد بن حنبل اور خود امام ابو حنیفہ جیسے ائمہ کی خواب گاہ ہونے کا شرف حاصل کرنے والا تھا بلاشبہ ایسا شہر اس بات کا مستحق تھا کہ اس کی ابتدائی تعمیر کے نگران کاروں میں ابو حنیفہ ہی جیسے لوگ ہوں۔

لیکن ظاہر ہے کہ ہر شخص کے لئے یہ توجیہ قابل قبول نہیں ہو سکتی البتہ حکومت کے مقرر کردہ قاضیوں کے ساتھ امام نے اپنی فطرت اور طبعی انتاد کے خلاف جس طرز عمل کو اختیار فرمایا تھا اگر اس کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ وہی غرض اس خدمت کے قبول کرنے میں ان کے پیش نظر رہی ہو۔

میرا مطلب یہ ہے کہ جیسے مسلمانوں کے لئے صحیح اسلامی قانون سے استفادہ کے مواقع اپنے اس طریقہ عمل سے مہیا کرنا چاہتے تھے میرا ہی قاضیوں کے فیصلوں پر نکتہ چینیوں کا سلسلہ جو امام نے قائم کیا تھا تفصیلاً عرض کر چکا ہوں کہ مقصود اس سے خود نمائی یا خود ستائی کے جذبات کی تسکین نہیں تھی بلکہ حکومت کو اپنی مجلس وضع قوانین کے کارناموں کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ پس کیوں نہ سمجھا جائے کہ بغداد کی تعمیری خدمات کے قبول کرنے میں کچھ اسی قسم کے مصالح امام کے پیش نظر تھے؟

ابو جعفر اور حضرت امام کی پہلی ملاقات کی تفصیل

میرا تو خیال ہے کہ امام خازمی نے جامع المسانید کے دیباچہ میں اپنے تین تین استادوں سے جن میں ایک ابن جوزی بھی ہیں۔ بسند متصل یہ روایت جو درج کی ہے یعنی خلیفہ ابو جعفر منصور کے حکم سے کوفہ کے والی دگورض عیسیٰ بن موسیٰ نے جب امام ابو حنیفہ کو منصور کے دربار میں حاضر کیا تو

امام کو پیش کرتے ہوئے بیٹھی نے کہا کہ

یا امیر المؤمنین ہذا عالم اللہ النبی الیوم امیر المؤمنین ! آج دنیا کے یہ سب سے بڑے عالم ہیں۔

قرآن کا اقتضاد ہے کہ یہ اسی وقت کا واقعہ ہے جب منصور نے اپنے ممالک محروسہ کے ممتاز علماء اور دانش مندوں کو دریائے وجلہ کے کنارے بغداد کی تعمیر میں مشورہ اور مدد دینے کے لئے بلایا تھا۔ گزر چکا امام ابو حنیفہ بھی دوسروں کے ساتھ اس موقع پر حاضر کئے گئے تھے جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں امام کی منصور سے یہ پہلی ملاقات ہے یا کم از کم ذاتی طور پر امام اور منصور کے باہمی تعارف کا پہلا موقع یہی ہے۔

پہلے میں کوئی شبہ نہیں کہ امام کے سوانح نگاروں نے بعض واقعات ایسے بھی درج کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا تعارف ابو جعفر منصور سے اس واقعہ سے پہلے ہو چکا تھا مثلاً سمعانی کے حوالہ سے کر درسی نے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن نصر القرشی کا بیان ہے کہ ابو جعفر منصور کو ضرورت ہوئی کہ ایک "بیع نامہ" لکھوائے اور غالباً وقف نامہ کا بھی ایک وثیقہ لکھوانا چاہتا تھا اس کام کے لئے ابن ابی لیلیٰ اور قاضی ابن شبرمہ کو بھی اس نے دربار میں طلب کیا جس نے مسودہ پیش کیا منصور کو پسند نہ آیا تب لوگوں نے کہا کہ جنھیں ہم جانتے ہیں وہ سب تو یہی تھے البتہ کوفہ میں ایک اور فقیہ ہیں جن کا نام نھان ہے اس قسم کے کام وہ خوب انجام دیتے ہیں تب ڈاک کی چوکی پر امام ابو حنیفہ حاضر کئے گئے اور منصور نے ملاقات کر کے دو چہینہ کا وقفہ نہ کیا کہ تم کیا اتنے دن میں یہ دو وثیقے تیار کر دو گے امام نے جواب میں کہا کہ دو چہینے کی ضرورت نہیں اور دو دن میں تیار کر کے مسودے پیش کر دیئے سمجھوں نے خوب غور سے پڑھا انگلی رکھنے کی کوئی جگہ نظر نہ آئی اس پر منصور نے دس ہزار انعام منظور کیا لیکن امام نے قبول کرنے سے معذرت ظاہر کی اجازت نہ دے کر کوفہ چلے گئے کروری صاحب ۲ قریب قریب اسی روایت کو خان صبیح کے حوالہ سے بھی کر درسی نے نقل کیا ہے اضافہ صرف اتنا ہے کہ جب طلب کئے ہوئے فقہاء کے سروے منصور کو پسند نہ آئے تو اس کو ہڑا دکھ ہوا اور لہذا کہ علم والے فنا ہو گئے تب ایک شخص نے کہا کہ کوفہ میں ایک جوان عالم ہے وہ ان کے مطلب کے مطابق کام کر دے گا امام بلاتے گئے اور فوراً اسی مجلس میں وثیقہ لکھ کر دے دیا جو پسند کیا گیا لیکن مختلف قرائن ایسے ہیں جن سے مجھے اس روایت میں شبہ ہے منصور جس زمانہ میں تخت نشین ہوا ہے اس وقت امام کی شہرت کا آفتاب سمت الہاس پر چمک رہا تھا خصوصاً منصور جو کوفہ یا اطراف کوفہ ہی میں رہتا تھا اس کا امام سے واقف بننا جیسا کہ ان روایتوں میں بیان کیا گیا ہے محل تعجب یہ ہو سکتا ہے کہ اجتماعی طور پر حکومت کی طرف سے علماء کے پیر پر کام کیا گیا ہو اور ابو حنیفہ کا مسودہ پسند کیا گیا ہو منصور کے متعاقب بعض روایتوں میں کہ امام ابو حنیفہ سے کہا آپ سے پس کیوں نہیں آتے؟

اسی لئے عیسیٰ بن موسیٰ نے جو کوفہ کے گورنر ہونے کی وجہ سے امام صاحب کے علمی مرتبہ سے بخوبی واقف ہو چکا تھا خلیفہ کے سامنے تعارف کے ہالا الفاظ کے ساتھ پیش کیا آگے خوارزمی کی اس روایت کا دوسرا جز یہ ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ کے ان الفاظ کے بعد منصور امام کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے دریافت کیا کہ نعمان! تم نے علم کس سے حاصل کیا حالانکہ سوال کا سادہ جواب یہ ہو سکتا تھا کہ حماد بن ابی سلیمان سے یعنی ابو حنیفہ اپنے استاد کا نام لے دیتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بجائے اجمال کے خلاف دستور امام نے اپنی مجلس کے مدونہ قوانین کی بنیادوں پر خلیفہ کے سامنے تفصیلی گفتگو شروع کی انھوں نے کہا جس کا حاصل یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار ممتاز صحابیوں یعنی عمر بن الخطاب علی بن ابی طالب عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عباس کے اصحاب اور شاگردوں سے میرا علم ماخوذ ہے۔

جاننے والے جانتے ہیں اور میں نے اپنی کتاب "تدوین فقہ" میں پوری تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان کیا ہے کہ "اسلامی فقہ کی بنیاد درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی چار صحابیوں پر ختم ہو جاتی ہے۔"

بہر حال یہ دوسرا مسئلہ ہے مجھے اس وقت یہ کہنا ہے کہ بجائے اجمالی جواب کے امام نے اپنے مدونہ قوانین کی بنیادوں کو ابو جعفر منصور کے سامنے جو واضح کیا تو ظاہر ہے کہ اپنی مجلس کے قانونی خدمات کی اہمیت خلیفہ وقت کے ذہن نشین کرنا چاہتے تھے اس کے سوا اور کوئی دوسری غرض ان کی اور کیا ہو سکتی تھی، ابو جعفر چونکہ خود طالب العلم رہ چکا تھا اور شریعت اسلامی کی بنیادوں سے واقف تھا۔ سننے کے ساتھ ہی اس نے کہا کہ تم نے بڑی مستحکم راہ اپنے لئے اختیار کی جسے جامع المسانید بعض روایتوں میں ہے کہ منصور نے یہ بھی کہا کہ بلاشبہ علم وہیں ہے علم وہیں ہے کہ دوری مسئلہ ج ۲

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی قوانین کی صحیح ترین شکل امام کے نزدیک جو تھی ان کی تدوین کے بعد ان کی آخری کوشش یہی تھی کہ مسلمانوں کی آئینی زندگی کے لئے حکومت قوانین کے اس مجموعہ کو کسی طرح قبول کرے اسی لئے سرکاری قاضیوں کے فیصلوں پر اعتراض کا سلسلہ انھوں نے شروع کیا تھا اور آج حکومت کی سب سے بڑی اقتدار سی طاقت کے سامنے ان قوانین کی بنیادوں کو جو واضح کر رہے تھے اس کا مقصد بھی یہ تھا کہ یہی تھا

اور اسی بنیاد پر میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے بغداد کی تعمیری خدمات کے جس حصہ کو قبول کیا تھا اس سے بھی بالکل ممکن ہے کہ خلیفہ پر یہ اثر قائم کرنا مقصود ہو کہ ان قوانین کی تدوین میں صرف دینی معلومات ہی سے مدد نہیں لی گئی ہے بلکہ جو کامدوباری مہارت امام کو حاصل تھی اس کی راہ نمائی بھی اس خدمت میں شریک و ذخیل تھی گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ علماء دین کے متعلق عام طور پر جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیاوی معاملات اور ان کی نزاکتوں یا پیچیدگیوں سے وہ عموماً ناواقف ہوتے ہیں بسا اوقات ان کے دینی مشوروں کو لوگ اسی بنیاد پر مسترد کر دیتے ہیں کہ دنیا کو نہیں سمجھتے ہیں ہو سکتا ہے کہ انسی غلط فہمی کا ازالہ اپنی عملی شہادتوں سے امام صاحب کرنا چاہتے ہوں نہ صرف بڑے بڑے کام بلکہ امام نے منصور کو دکھا دیا کہ معمولی معمولی ادنیٰ کام حتیٰ کہ خشت شماری تک میں بھی اپنی اجتہاد سی خصوصیتوں کو ظاہر کر سکتے ہیں۔

نظامت تعمیرات کے کام

منصور نے اس موقع پر جو کام امام کے سپرد کئے تھے گو طبری نے چند الفاظ میں اس کو ادا کیا ہے یعنی (۱) شہر کی تعمیر کی عام نگرانی (۲) اینٹوں کی ڈھلائی کی نگرانی (۳) پھر اینٹوں کا شمار (۴) کام کرنے والوں کے کام کی دار و گیر۔

طبری کے عربی الفاظ کا یہی ترجمہ ہو سکتا ہے ان کاموں کی نگرانی میں کامیاب ہونے والے کے لئے کتنی بیدار مغزی انتظامی قوت صبر و ثبات کی ضرورت ہے۔ اسی زمانے میں نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس وقت بھی امام کا میدانِ عمل کے اس امتحان میں شریک ہو جانا حنفی فقہ کی عملیت کی دلیل بن سکتا ہے یقیناً ان لوگوں کو جو علم دین کو پیشہ بنالینے کے بعد یہ اعلان کرتے بھرتے ہیں کہ عمل اور دنیا سے ہمارا کوئی تعلق باقی نہ رہا امام کا یہ طرزِ عمل بصیرت و عبرت کا سبق ان کو دے رہا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اور کسی دینی علم میں ضرورت ہو یا نہ ہو لیکن فقہ ایک ایسا دینی علم ہے جس میں صداقت اور مہارت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ دین کے ساتھ دنیا اور معاد کے ساتھ معاش کے سمجھنے اور برتنے کا بھی سلیقہ آدمی میں نہ ہو۔

حضرت امام ابو حنیفہ کے ساتھ شاہی کیمپ میں

بہر حال میرے لئے ان سارے قرآن اور وجوہ کا پیش کرنا تو مشکل ہے کیونکہ بات بہت طویل ہو جائے گی، لیکن پہنچا ہوں میں اسی نتیجے تک کہ بغداد کی ابتدائی تعمیر کے زمانے میں خلیفہ ابو جعفر منصور نے دجلہ کے ساحل پر اپنے خدم و حشم خیمہ و خراگہ کے ساتھ جو شاہی کیمپ قائم کیا تھا، اسی کیمپ میں محمد النفس الذکیہ کے خروج تک زیادہ وقت خود بھی گزارا تھا اور اپنے ساتھ ان لوگوں کو بھی رکھے ہوئے تھا جنہیں اپنے اس محبوب شہر کے بھانے اور آباد کرنے میں مشورہ اور امداد کے لئے ملک کے مختلف گوشوں سے چن چن کر اس نے طلب کیا تھا ان ہی میں ایک امام ابو حنیفہ بھی تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے منصور کے اس شاہی کیمپ میں امام کے قیام کی مدت کافی طویل تھی یعنی ہفتہ دو ہفتے نہیں بلکہ چند مہینے امام نے منصور کے ساتھ اسی کیمپ میں گزارے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ وقت

اسے مطلب یہ ہے کہ جس سرزمین پر اس وقت بغداد کا شہر آباد ہے جب منصور نے شہر کی تعمیر کا ارادہ اسی قطعہ اراضی پر کر لیا اور تعمیری ساز دسواں کام کرنے والے مشورہ دینے والے نگرانی کرنے والے لوگ طراف ملک سے جمع کر لئے گئے تو خود ایک اچھے خاصے شہر کی حیثیت اس نے اختیار کر لی جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے بغداد کی تعمیر میں دس ہزار مزدور کام کرتے تھے ہر روز کہ یہ تو بعد کا قصہ ہے لیکن جس کی انتہا و نل ہزار ہر ہفتی اعتبار اس کی کم از کم ہزار بارہ سو مزدوروں سے کم کیا گئی ہوگی پھر خود منصور کے قدم حشم اور محافظ فوج وغیرہ سے یقیناً اس مقام سے اچھی آبادی کی شکل اختیار کر لی ہوگی اگرچہ منصور نے بڑے بڑے لوگوں کو اپنی امداد اور مشورے کے لئے جمع کر لیا تھا لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی تعمیر سے ذاتی دل چسپی اس کو ایسی تھی کہ خود بھی اس نے اسی مقام پر قیام کر لیا تھا اور مختلف راقوں میں خود اور اپنے حاشیہ نشینوں کو مختلف مقامات میں سٹلا یا کرتا تاکہ اندازہ ہو سکے کہ پھر دوں دور پسووں وغیرہ کی حالت اس علاقہ میں کیا ہے دلچسپی کا اس کے یہ حال تھا کہ تعمیر سے پہلے اس نقشے کو جو شہر کا بنا یا گیا تھا۔ مختلف طریقوں سے اس کے حسن و قبح کو خود جانچتا تھا کبھی راکھ پھونک کر پورے شہر کی عمارتوں محلوں قصور و درمحللات کا اندازہ کرتا یہ تماشے تو دن کو ہوتے اور رات کو اس نے حکم دیا کہ بنوے کے دانے جمع کئے جائیں ان ہی نشانوں پر جن پر دان کو راکھ چھڑکی گئی تھی۔ بنوے کے روغن دالوں کو چھڑک کر آگ لگا دینے

کے اس قریب سے بھی اپنے نصب العین میں امام نے فائدہ اٹھانا چاہا جیسا کہ میں نے عرض کیا تعمیر کی نگرانی خشت شماری وغیرہ کے کام کو بھی اسی سلسلہ میں انھوں نے قبول کیا تھا اور اپنی

حاکم دیتا اس تدبیر سے پورا شہر آتشیں نشانوں کے ساتھ سامنے کھڑا ہوتا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ان کے ٹھہروں سے بھی اس نے پورے شہر کو کھڑا کر کے دیکھا الغرض شب و روز کا یہی مشغلہ تھا بہتر سے بہتر تعمیری چیزیں کہاں مل سکتی ہیں منگوائی جاتی تھیں اسی سلسلہ میں اس نے قصردائن کو بھی توڑنا چاہا تھا لیکن حساب سے نقصان کا پتہ چلا چھوڑ دیا پھر بھی واسطے سے چار آسنی دروازے اور شام سے فراخندہ کے زمانے کا ایک نو لادی پھاٹک اپنے شہر میں لگانے کے لئے اس نے منگوا یا و جلد کے ساحل پر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے عیسائی راہبوں کی جو مختلف خانقاہیں تھیں، کبھی منصوران میں بھی جا کر دن یا رات کو آرام کرتا تقریباً ایک سال کے قریب قریب یہ مدت جس میں روز روز عید اور شب شب برات تھی منصور گدار رہا تھا کہ ٹھیک اس وقت جس وقت وہ شدید گرمی کی پیش سے بچنے کے لئے ایک راہب کی خانقاہ میں قیلولہ کر رہا تھا اچانک محمد نفس زکیہ کے خروج کی خبر اس کو ملی اور اسی وقت دھوپ ہی میں بھاگا ہوا کوفہ پہنچا اور جب تک اس نقتے کا قلع قمع نہ ہو گیا قصر ابن ہبیرہ میں مقیم رہا ۱۲۔ اس طبری نے لکھا ہے غالباً ان کے زمانہ کی بات ہے یعنی منصور سے کئی سو سال بعد بغداد کی فصیل کا ایک حصہ کسی وجہ سے منہدم ہوا اینٹیں دیوار کے اندر سے جو نکلیں تو لوگوں نے دیکھا کہ ہر اینٹ پر گوند سے اس اینٹ کا وزن (۱۱۷) رحل لکھا ہوا تھا، جب اینٹ ٹوٹی گئی تو ٹھیک اس وقت بھی یہی وزن اس کا ثابت ہوا میرا خیال ہے کہ ہر اینٹ پر گوند سے وزن کا لکھنا ممکن ہے کہ امام ابو حنیفہ ہی کی جدت ہو لکھا ہے ہر اینٹ ایک ہاتھ چوڑی اور ایک ہاتھ لمبی ہوتی تھی اب اسے منصور کی جزیرہ کی کا نتیجہ خیال کیجئے یا امام ابو حنیفہ کی فطری بیدار مغزی کا اثر قرار دیجئے کہ اتنے بڑے عظیم شہر کی تعمیر میں جو کچھ خرچ ہوا تھا ایک ایک پیسہ کا حساب لکھا ہوا بعد کو شاہی خزائن سے برآمد ہوا مورخین نے اس سیاہے کو اپنی کتابوں میں نقل بھی کیا ہے اب اسے میری خوش اعتقادی قرار دیجئے یا اور کچھ لیکن غالب خیال میرا یہی ہے کہ حساب و کتاب کے اتنا واضح طریقہ کی بنیاد بھی کچھ عجیب نہیں کہ امام ابو حنیفہ نے رکھی ہو اور بعد اسی اصول پر سیاہی صحت ہوتا ہوا لکھا ہے کہ سترہویں یعنی استاذ من البیان (کوروز کی مزدوری چاندی کی ایک قیراط ملتی تھی اور عام مزدور جنھیں اس زمانے میں "الروزگاری" کہتے تھے۔ دو صوبہ سے تین جہت تک ملتے تھے، عجیب بات ہے کہ ہندوستان کے بعض علاقوں مثلاً بہار وغیرہ میں تعمیری مزدوروں کو اس وقت تک "ریزہ" کہتے ہیں یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی "روزگاری" کی مخفف یا مخم شکل ہے ۱۳۔

طبیعت کے خلاف خلیفہ کے سامنے اپنی علمی خصوصیتوں کا مختلف طریقہ سے اظہار فرماتے تھے جس کی ایک نظیر خوارزمی کے حوالہ سے گذر چکی ایک واقعہ کا ذکر قاضی ابو یوسف کیا کرتے تھے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن دلوں قاضی القضاۃ کے عہدے پر وہ سرفراز تھے کہتے ہیں کہ ان ہی دلوں میں ایک دفعہ جب خلیفہ کی ڈیوڑھی میں تھا کہ سامنے سے ایک آدمی گذرا اس کو دیکھ کر لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے گئے کہ یہ بہت بڑا حسابی آدمی ہے میں نے دیکھا کہ غیر معمولی طور پر لوگ اس کے اس کمال کی وجہ سے اس کا احترام کر رہے ہیں قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ ایک حسابی مسئلہ میں مجھے دشواری محسوس ہو رہی تھی یہ سن کر کہ حساب میں اس شخص کو غیر معمولی کمال حاصل ہے میں اس سے ملا اور جو مسئلہ تھا اس پر پیش کیا اُس نے مجھے مشورہ دیا کہ فلاں فلاں طریقے سے اس کو حل کرو میں نے حل کیا لیکن جواب صحیح نہ نکلا تب اس نے کہا کہ بس ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے جو مجھے امام ابو حنیفہ نے بتایا تھا پھر اُس نے امام کے بتائے ہوئے حسابی طریقہ کا مجھ سے ذکر کیا عمل کر کے میں نے دیکھا جواب کے جواب بالکل صحیح تھا جو دشواری تھی حل ہو گئی۔

میرا خیال ہے کہ اس درباری محاسب کو امام نے حساب کے اس نکتے سے غالباً ان ہی دلوں میں مطلع کیا ہوگا جب منصور کے ساتھ اس شاہی کیمپ میں وہ مقیم تھے بس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اور خلیفہ کے ماحول میں رہنے والوں پر امام صاحب یہ اثر قائم کرنا چاہتے تھے کہ صرف دینی ہی نہیں بلکہ کسی قانون کی تدوین میں جن عقلی اور ذہنی علوم کے مسائل کی ضرورت ہوتی ہے ان کو بھی وہ اچھی طرح جانتے ہیں اور مطلب وہی تھا کہ کسی طرح حکومت کا اعتماد ان کے مدد و معاونین پر قائم ہو جائے اور ایسا اعتماد قائم ہو جائے کہ مسلمانوں کے انصاف اور فصل خصومات کا مسئلہ ہر مدعی علم کے جو سپرد کر دیا جاتا ہے اس بری رسم کا انسداد ہو جائے۔ کیمپ کی محدود آبادی میں خلیفہ کے ساتھ میبل جواں اور حاضر باشی کے مواقع بکثرت پیش آتے تھے اور ان ملاقاتوں میں امام کو اپنی خدا داد نو بخت و اپنے کردار اپنی گفتار اپنی وسعت علمی سے متاثر کرنے کا کھلا میدان مل گیا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب منصور خالی ہوتا تو امام کو دوسروں کے ساتھ اپنی مجلس میں بلایا کرتا تھا امام محبوب کھیل

کھل کر باتیں کیا کرتے تھے بعض دفعہ ظرافت کی باتیں بھی کرتے جن سے ان کے انتقال فوری کی سرعت کا پتہ چلتا ہے۔

ایک لطیفہ

اسی سلسلہ میں ایک لطیفہ کا ذکر مورخین کرتے ہیں حاصل جس کا یہ ہے کہ منصور کے دربار میں اتفاقاً قاضی ابن ابی لیلیٰ بھی کسی ضرورت سے یا منصور کی طلبی پر حاضر ہوئے تھے امام بھی بلائے گئے یہ نہیں معلوم کہ مسئلہ کس نے چھیڑا لیکن ایک سوال یہ اٹھا یا گیا کہ سوداگر اپنے مال کے متعلق گاہک سے اگر یہ کہہ دے کہ جس سودے کو آپے رہے میں میں اس کے عیوب اور نقائص سے بری ہوں اس کے بعد بھی آپ اگر لینا چاہتے ہوں تو لے سکتے ہیں سوال یہ تھا کہ اس کے بعد سودے میں اگر کسی قسم کا عیب یا نقص نکل آئے تو خریدار کو واپسی کا حق باقی رہتا ہے یا نہیں امام ابو حنیفہ یہ کہتے تھے کہ سوداگر اس اعلان کے ساتھ بری الذمہ ہو جاتا ہے اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ سودے میں جو عیب ہو جب تک ہاتھ سکھ کر سوداگر اس کو متعین نہیں کرے گا اس وقت تک صرف لفظی برأت کافی نہیں ہے بے دوزوں میں مسئلہ پر بحث ہونے لگی منصور دوزوں کی گفتگو دلچسپی سے سن رہا تھا آخر میں امام نے ابن ابی لیلیٰ سے پوچھا کہ فرض کیجئے کسی شریف عورت کا ایک غلام ہے وہ اس کو بیچنا چاہتی ہے لیکن غلام میں یہ عیب ہے کہ اس کے عضو مخصوص پر برص کا داغ ہے فرمائیے کیا آپ اس شریف عورت کو یہ حکم دیں گے کہ عیب پر ہاتھ رکھ کر خریدار کو مطلع کرے قاضی ابن ابی لیلیٰ نے اپنی بات کی پٹی میں کہا کہ ہاں ہاتھ اسی مقام پر اس کو رکھنا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ ان کے اس فتوے کا اثر حاضرین مجلس پر کیا پڑا ہو گا۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ ابو جعفر قاضی ابن ابی لیلیٰ پر بہت ہرہم ہوا ص ۱۶۷ موفی

حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں حضرت امام ابو حنیفہ کے سوالات

بظاہر اسی قسم کی باتوں نے بتدریج منصور کے سامنے امام کو جبری بنا دیا تھا اس سلسلہ میں امام نے بعض ایسی باتیں بھی منصور کے کہنے سے کہیں کہ شاید اپنی غرض ان کے سامنے نہ ہوتی تو ہرگز نہ کرتے مثلاً کہتے ہیں کہ منصور سے ملنے کے لئے حضرت امام جعفر صادق تشریف لائے و لے

تھے حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ اس نے امام ابو حنیفہ کو بلا کر یہ آرزو ظاہر کی کہ لوگ جعفر صادق کے علم سے بہت مرعوب ہو رہے ہیں، کیا کچھ ایسے علمی سوالات تیار کر سکتے ہیں جن کے جواب میں ان کو بھی دشواری پیش آئے امام ابو حنیفہ جیسا کہ ان کی زندگی کے دوسرے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کے ان بزرگوں سے گہری عقیدت رکھتے تھے خصوصاً ان ہی امام جعفر صادق کے متعلق تو امام سے یہ روایت بھی نقل کی جاتی ہے کہ ان سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ آپ نے جن جن علماء کو دیکھا ہے ان میں سب سے بڑا فقیہ کس کو پایا تو کہتے ہیں کہ امام نے جواب میں فرمایا کہ

مارئت افقہ من جعفر بن محمد الصادق میں نے جعفر صادق سے زیادہ سمجھ والا فقیہ آدمی نہیں دیکھا۔

مستوفی ج ۱

امام کے اساتذہ کی فہرست میں لوگوں نے امام جعفر صادق کا نام بھی درج کیا ہے یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب پہلی دفعہ امام جعفر صادق کسی ضرورت سے کوثر تشریف لائے تو امام ابو حنیفہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ان سے ملنے گئے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ

فعل ابو حنیفہ کا مستوفی معطل۔ یعنی بیٹھے امام جعفر صادق کے سامنے امام ابو حنیفہ ایک

سے خطیب نے اپنی تاریخ میں امام ابو حنیفہ کے پوتے قاضی اسماعیل بن حماد کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے دادا امام کے والد کو جن کا نام ثابت تھا بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لے گئے تھے، رضی اللہ عنہما نے ثابت کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ خدا ان کی آمد و نسل کو برکت عطا کرے اسماعیل اس روایت کو بیان کر کے کہا کرتے تھے کہ خدا سے یہی امید ہے کہ حضرت علی کی یہ دعا رنگاں نہ ہوگی یہ بھی خطیب ہی نے نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے جد امجد نے حضرت علی کی خدمت میں بیروز کے دن فالودہ بطور ہدیہ کے پیش کیا تھا اسی وقت آپ نے فرمایا تھا کہ نور روز ناکل یوم رہا زانیہ روز تو ہرون ہے تاریخ بغداد ص ۳۶۶ میں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت سے امام ابو حنیفہ کے موروثی تعلقات تھے ایک دوسری روایت امام جعفر صادق اور امام ابو حنیفہ کے باہمی سکے کے متعلق لوگوں نے جو روایت کی ہے اس میں بار بار یہ دیکھا جاتا ہے کہ جعفر صادق کو امام خطیب کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جعلت مذاک ر میں حضور پتہ فرمایا کیا جاؤں، واللہ اعلم! ائمہ اہل بیت سے اس زمانہ میں یہ گفتگو کا عام طریقہ تھا یا امام صاحب کی خصوصیت تھی۔ دیکھو مستوفی ص ۱۳۴

بے چین مرعوب آدمی کی طرح ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی عظمت سے ان کا دل معمور ہے۔

بہر حال کچھ بھی ہو باوجود ان تمام عقیدت مندوں کے یہ ظاہر یہی خیال گذرتا ہے کہ منصور پر اپنی ساری قائم کرنے کے لئے امام نے چند ایسے مشکل سوالات مرتب کئے کہ منصور بھی پھڑک اٹھا۔ کہتے ہیں یہ چالیس مسائل شہداء تھے میں سمجھتا ہوں کہ منصور کی علمی پرواز کے لحاظ سے ان سوالوں کی نوعیت خواہ کچھ ہی ہوتی لیکن امام ابو حنیفہ چونکہ جعفر صادق کی علمی گہرائیوں اور سوت معلومات سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اس میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کیا کہ حضرت جعفر کے سامنے ان سوالوں کو پیش کیا جائے بلکہ اندرون طور پر ممکن ہے کہ اس کو بھی امام جعفر صادق کی رفعت قدر کا ذریعہ بنانا چاہتے ہوں جیسا کہ بعد کو ہوا بھی۔

امام جعفر صادق ابھی منصور کے پاس نہیں پہنچے تھے حیرہ ہی میں تھے کہ اس نے امام ابو حنیفہ کو ان کے پاس روانہ کیا امام کا بیان ہے کہ میں نے ان مسائل کو جوں ہی ان کی خدمت میں پیش کیا جیسا کہ توقع تھی ہر سوال کا جواب انتہائی بسط و تفصیل کے ساتھ سننے کے ساتھ دیتے چلے جاتے تھے یہی نہیں کہ اپنی رائے صرف ظاہر کرتے بلکہ یہ بھی کہ اس مسئلہ میں عراق والوں کا فتویٰ یہ ہے۔ مدینہ والے یہ کہتے ہیں خود ہمارا خیال یہ ہے امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ:-

حتی اتیت علی الاربعین مسئلۃ چالیسوں مسئلے انہوں نے اس طور پر بیان کر دیا کہ کسی ما اخل منها بمسئلۃ مسالچ مسئلے کے بیان میں کسی قسم کا قتل پیدا نہ ہوا منصور کی جو غرض تھی وہ تو پوری نہیں ہوتی لیکن امام ابو حنیفہ کا مطلب پورا ہو گیا یعنی ان مشکل سوالوں کو سن کر امام کی علمی عقیدت اس کے دل میں اور بڑھ گئی۔

ابو حنیفہ کے یہاں حضرت امام کا رسوخ

الغرض یہ اور اسی قسم کے مسلسل تجربات تھے جو امام ابو حنیفہ خلیفہ ابو جعفر منصور کو اپنے متعلق صبح سے شام تک دیتے رہتے تھے ایسی صورت میں بیان کرنے والوں نے اگر یہ بیان کیا ہے جیسا کہ مونیق نے مہر بن الحسن الہروی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آخر میں منصور کا یہ حال امام کے ساتھ ہو گیا تھا کہ

یوری من المنصور من تفضیلہ و
تقدیمہ واستشارتہ فیما ینوبہ
و ینوب رعیتہ و قضا تہ و حکامہ
عشر ج ۱۲

یعنی دیکھا جا رہا تھا کہ منصور امام کو دوسروں پر ترجیح دے گا
ہے ہر معاملہ میں ان ہی کو پیش پیش رکھتا ہے ان ہی سے
مشورہ لیتا ہے ان معاملات میں جو ذاتی طور پر ہی سے
تعلق رکھتے تھے یا اس کی رہنمائی پر یا اس کے
تقاضیوں اور حاکموں سے تعلق ہوتا۔

تو اس پر متعجب نہ ہونا چاہیے ان تجربات کے یہ ثانوی نتائج تھے واقعات سے تو معلوم ہوتا
ہے امام کو اس معاملہ میں ابو جعفر کے ہاں اتنا رجحان ہو چکا تھا کہ اس کی ملکہ خاتون بادشاہ بیگم اور خود منصور
کے درمیان خانگی جمعگروں میں بھی منصور امام پر اعتماد کرنا اور منصور کی ملکہ بھی امام کو ثالث مقرر
کرتی تھی۔

بادشاہ بیگم اور ابو جعفر کے درمیان ایک جھگڑے پر حضرت امام کا فیصلہ

ایک قصہ بھی اسی سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے حسن بن ابی مالک اپنے والد ابو مالک کی زبانی
اس قصے کو بیان کیا کرتے تھے خلاصہ جس کا یہ ہے منصور اور اس کی زوجہ المحرہ رانا بیگم میں کچھ
سور مزاجی پیدا ہو گئی۔ بیگم کو منصور سے شکایت تھی کہ جس قدر و منزلت کی وہ حق دار ہے خلیفہ اس
میں کوتاہی کرتا ہے لیکن منصور کو اس سے انکار تھا آخر طے ہوا کہ کسی تیسرے کے سامنے مقدمہ پیش ہو
جو وہ فیصلہ کر دے وہی مانا جائے منصور نے بیگم سے پوچھا کہ تم کس کے فیصلے پر اعتماد کرو گی؟ کہتے
ہیں کہ سنا اس نے امام ابو حنیفہ کا نام لیا جو کہیں پیدائیں وہاں موجود ہی تھا منصور نے امام کا نام
سن کر کہا کہ ہاں! ان کے فیصلے پر میں بھی راضی ہوں امام صاحب بلا سے گئے درمیان ستر یعنی پردہ
چھوڑ دیا گیا چلمن کے پیچھے بیگم تھی اور باہر امام صاحب اور خلیفہ تھے خلیفہ نے امام کو خطاب کر کے
کہا کہ مہری چہ بیوی جو پس پردہ بیٹھی ہوئی ہیں ان کو مجھ سے بے انصافی کی شکایت ہے میں آپ
ہی کے سپرد اپنا انصاف کرتا ہوں پوچھتا ہوں کہ شرعاً مرد کو کتنی بیویوں سے نکاح کر سنانا حق ہے
امام نے فرمایا چار اور شرعی امام (روڈیوں) کی بھی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟ امام نے فرمایا ہاں
اجازت ہے منصور نے کہا تو ایسی صورت میں کیا کسی کو اس کا حق ہے کہ ایک بیوی سے زیادہ غورزل
کے رکھنے پر معترض ہو امام نے فرمایا نہیں امام سے سوال و جواب کے بعد منصور نے بیگم کو خطاب
کر کے کہا کہ

اسمعی یا اھلہ
اجی تم سن رہی ہو (یہ کیا کہہ رہے ہیں)

بیگم نے جواب دیا کہ ہاں! سن رہی ہوں۔ اب امام ابو جعفر کی طرف مخاطب ہو کر فرمائیے کہ
امیر المومنین! سنئے ایک بیوی سے زیادہ عورتوں کی اجازت شریعت نے ایک شرط
کے ساتھ دی ہے یعنی ان ہی لوگوں کے لئے اجازت ہے جو انصاف اور عدل سے
کام لے سکتے ہوں۔

اور اس کے بعد آخر میں فرمایا کہ

فمن لم يعدل او خاف ان لا يعدل
فینبی ان لا یجادنہ الواحد
اللہ تعالی فان خفتہ ان لا تعدلوا
فواحدہ

لیکن جو انصاف سے کام نہ لے یا جسے اندیشہ ہو کہ انصاف
نہ کرنے پائے گا تو اس کو چاہیے کہ ایک عورت سے آگے
بڑھے خدائے قرآن میں فرمایا ہے کہ اگر تم کو اندیشہ
انصاف نہ کرو گے تو پھر ایک ہی عورت

یہ ارشاد فرمانے کے بعد امام منصور سے کہنے لگے کہ

”ہمیں چاہیے کہ اللہ کے بتائے ہوئے آداب کو اختیار کریں اور اس کی نصیحتوں پر
عمل کریں۔“

ان آخری الفاظ سے امام کا اشارہ تھا کہ عدل کا برتاؤ جب تم نہیں کر رہے ہو تو کہو
تم خدا کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہو اور شریعت کے تقاضوں سے ناجائز کفح اٹھا رہے ہو

۱۔ تعداد ازودات کے مسئلہ میں امام کا جو نقطہ نظر تھا دوسری جگہ لوگوں نے اس کو بیان کیا ہے خلافت
کہ ابراہیم دغا بآئینہ کے متعلق امام صاحب سے کسی نے اس قصہ کا ذکر کیا کہ کسی نے ہدینہ کوئی کپڑا
کی خدمت میں پیش کیا لیکن لینے سے انھوں نے انکار کیا اس نے کہا کہ خرید لیجئے بولے کہ میاں چاہے
میرے پاس اگر ہوتے تو دوسری بیوی نہ کرتا جو تمھارا کپڑا خریدتا اس نے کہا کہ ایک بیوی کیا آپ کے
لئے کافی نہیں بولے کہ بن حاضرت حضرت رجب اس کے ایام کا زمانہ آتا ہے تو میں بھی گویا امام ہی میں
جاتا ہوں امام صاحب نے اس قصے کو سن کر کہا کہ بھائی مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ
بن عبد اللہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک بیوی والا سرور میں رہتا ہے دو بیویوں والا شرور کا شکار
ہے یعنی مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے یہ سنا کر امام صاحب نے فرمایا کہ میرے ساتھ جسے اتفاق نہ ہو
تجربہ کر کے دیکھ لے یا شاید جابر ہی کا یہ قول نقل کیا اور کہا کہ ابراہیم کو شاید تجربہ کا موقع نہ ملا

چونکہ امام کے بیان کے اس آخری حصہ سے بیگم ہی کی تائید ہو رہی تھی کہتے ہیں کہ وہ بہت خوش ہوئی اور بہت کچھ انعام و اکرام کے ساتھ شکر یہ ادا کرنے کے لئے اپنا آدمی امام صاحب کے پاس بھیجا جواب میں امام نے بیگم کو سلام کہلا بھیجا اور کہا کہ ان سے کہہ دیجو کہ ان کے خاطر سے میں نے کوئی بات نہیں کہی تھی، اپنا دینی فرض میں نے ادا کیا، خدا ان کو برکت دے اور جو کچھ اس نے بھیجا تھا شکر یہ کے ساتھ واپس فرما دیا ص ۲۱۳ موقوفہ ۱

چونکہ میرے نزدیک یہ سارے واقعات جہاں تک قرائن و قیاسات سے ہیں سمجھ سکا ہوں تعمیر خدا کے ابتدائی کیمپ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ پہلا واقعہ ہے جس میں امام کو منصور کے نشانہ کے خلاف حق کے اظہار پر مجبور ہونا پڑا ممکن ہے کہ منصور نے اس کا زیادہ اثر نہ لیا لیکن جو انجام امام اور منصور کے تعلقات کا آخر میں ہونے والا تھا اس کی بنیاد گویا اسی واقعہ سے لگنی۔

ابو حنیفہ کے دربار میں حضرت امام کے حاسدین

اور شاید اسی کے بعد منصور کے بعض حاسد درباریوں کو اپنے جذبہ حسد کی تسکین کے موافق مل

ذیل نوٹ ص ۲۱۴
کہ کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو برتاؤ عدل و انصاف کا اپنی بیویوں کے ساتھ تھا اس برتاؤ کو نہ کر سکے تو وہ ظالموں میں لکھا جانے کا پھر وہ حدیث سنائی جس میں ہے کہ دو بیویوں کے ساتھ نہ انصاف کرنے والا قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ ایک شق اس کے بہن کا شاقط ہوگا امام نے اس پر دراضا فرمایا کہ ایک ہی بیوی پر قناعت "اپنے لئے تو میں نے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے اور فرمایا کہ بھائی! بے فکری اور سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں ہے، پھر عورتوں کی دتمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجة الوداع کے ان الفاظ کو دہرایا کہ یہ عورتیں تمہارے ہاتھوں میں ہندھی ہوئی ہیں پس ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے رہنا" راوی کا بیان ہے کہ دیر تک امام صاحب اس مسئلہ پر گفتگو فرماتے رہے لیکن مجھے پس اس قدر یلہ گیا کاش! امام کی پوری تقریر راوی کو یاد رہ جاتی تو تعداد ازدواج کے مسئلہ میں مسلمانوں کے سب سے بڑے امام کا نقطہ نظر دنیا کے سامنے آ جاتا اور پہلی صدی تک کے مسلمانوں کے مذاق کی وہ ایک ریختی شہادت ہوتی جو سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں یورپ کی نکتہ چینیوں کے بعد مسلمانوں نے بنائی شروع کی ہیں ان کا بہترین جواب امام کا بیان ہو سکتا تھا اور میرے خیال میں تو جو کچھ راوی کو یاد رہ گیا ہے وہ بھی اس دعا کے اثبات کیلئے کافی ہے۔

گئے مثلاً کہتے ہیں کہ سب سے منصور کی غیر معمولی دلچسپیوں اور توجہ کی وجہ سے جو امام ابو حنیفہ سے منصور کی درباریوں میں جلتا تھا وہ اس کا مشہور حاحب رہا۔ بیچ تھا یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کیسپ ہی کی ان ہی مجلسوں میں ایک دن ربیع نے منصور کو خطاب کر کے کہا کہ اب ان کے علم و تحقیق کے اتنے مداح اور معترف ہیں۔ اور میں نے علماء سے سنا ہے کہ آپ کے جد امجد عبداللہ بن عباس صلوات اللہ علیہ کے خلاف یہ فتویٰ دیتے ہیں۔ منصور نے پوچھا کہ کس مسئلہ میں؟ ربیع نے کہا کہ قسم کھا کر آدمی مجلس سے اٹھ جانے کے بعد اگر اس قسم سے کسی چیز کو مستثنیٰ کرے تو آپ کے جد امجد کا فتویٰ تھا کہ استثناء کا یہ عمل صحیح ہے اور اس پر عمل کرنے سے قسم نہیں ٹوٹتی۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ قسم کھانے کے ساتھ ہی استثناء کا عمل موثر ہوتا ہے اختتام مجلس کے بعد استثناء لغو ہے اور جو اس پر عمل کرے قسم اس کی ٹوٹ جائے گی۔ منصور نے امام صاحب کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ واقعہ کیا ہے؟ امام نے فرمایا کہ امیر المومنین! آپ سمجھے بھی یہ کیا کہہ رہا ہے، کہنا یہ چاہتا ہے کہ آپ کی فوج وغیرہ آپ کے ہاتھ پر وفاداری کی قسم کھا کر جو بیعت کرتی ہے تو یہ لوگ جلاتے ہیں اس بیعت کو غیر موثر بنا دیں یعنی بیعت کرنے کے بعد بیعت کرنے والوں کو گویا اختیار دیا جاتا ہے کہ گھر جا کر استثناء کر لیں یعنی فلاں فلاں حال میں وفاداری کو اپنے لئے غیر ضروری قرار دیں تو شرعاً بیعت کی پابندی ان کے لئے غیر ضروری ہے۔ آپ خیال کر رہے ہیں کہ یہ کتنے بڑے فتنے کی بات ہے۔

کہتے ہیں کہ امام کی اس تقریر سے تو ربیع کا خون خشک ہو گیا گویا فوج کے اغوار کا ان کا ایک طرح اس پر قائم ہو گیا لیکن خیر گزری منصور سمجھ گیا کہ درباریوں کی باہمی لڑک جھونک

سلف مطلب یہ ہے کہ پہلے بھی کہیں ذکر آچکا ہے کہ عباسیوں کے زمانے میں بیعت لینے کا یہ دستور تھا کہ بیعت کرنے والا قسم کھاتا تھا کہ اگر میں عہد کی پابندی نہ کروں گا تو میری بیویوں کو طلاق ہو جائے گی۔ فلام لڑائی آزاد ہو جائیں اور حج کعبہ پیدل اپنے گھر سے مجھے کرنا پڑے اب اگر ان سب باتوں کی قسم کھا کر آدمی گھر آئے اور صرف اتنا بڑھا دے کہ مگر اس وقت تک پابندی ضروری ہے کہ جب تک میرا چاہے لیجئے سارا کیا دھرا ختم ہو گیا استثناء کا یہ مسئلہ اصول فقہ کا ایک معرکہ الامام اس کو تو کیا ایک عملی دشواری دکھا کر خلیفہ کو سمجھا دیا کہ کتنا خطرناک مسئلہ ہے ۱۲

سے اس کا تعلق ہے امام کا جواب سن کر صرف ہنسا اور ربیع سے کہا۔

لا تضرض الابی حنیفۃ صلی اللہ علیہ وسلم ابو حنیفہ کو مت چھیڑا کر دور نہ تیری جان پرین جائے گی
دربار سے نکلنے کے بعد ربیع نے امام صاحب سے کہا کہ آج تم نے میرے خون سے
کیسے ہی کا ارادہ کر لیا تھا انام نے فرمایا کہ بھائی تم نے بھی تو یہی چاہا تھا، بعضوں نے اس قصے
کو محمد بن اسحاق مشہور امام السیر والغازی کی طرف بھی منسوب کیا ہے، یعنی بجائے ربیع کے
محمد بن اسحاق نے امام پر الزام لگایا تھا، لیکن میرے خیال میں ربیع دانی بات زیادہ صحیح ہے
اسی طرح منصور کے درباریوں میں ایک اور صاحب ابوالعباس طوسی تھے امام کی
یوزافروں مقبولیت ان کو بھی نہیں بھاتی تھی ایک دن برسرِ دربار آپ نے بھی امام سے یہ
مسئلہ دریافت کیا کہ

ابو حنیفہ بتائیے اگر امیر المومنین ہم ہیں سے کسی کو یہ حکم دیں کہ فلاں آدمی کی
گروں بارود اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس شخص کا تصور کیا ہے تو ہمارے لئے اس کی
گردن مارنی کیا جائز ہوگی۔

برجستہ امام نے فرمایا کہ ابوالعباس! میں تم سے پوچھتا ہوں کہ امیر المومنین صحیح حکم
دیتے ہیں یا غلط طوسی نے کہا کہ امیر المومنین غلط حکم کیوں دینے لگے، امام نے فرمایا تو صحیح
حکم کے نافذ کرنے میں تردد کی گنجائش کیا ہے! طوسی امام سے یہ جواب پا کر کھسیا ناسا ہو کر گلیا
ایک اور دلچسپ واقعہ اسی سلسلے میں لوگ جو نقل کرتے ہیں وہ اس لئے زیادہ
دلچسپ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی قدر و منزلت منصور کے دربار میں کس حد تک بلند ہو چکی تھی
اس کا بھی اس سے اندازہ ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ عام درباریوں کا ایسی صورت میں
امام سے رشک و حسد چنداں محلِ تعجب نہیں لیکن معمولی لوگ چاکر خدام اور شاگرد پیشہ
والے کسی سے جانے لگیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ بادشاہ محض مجالس عامہ ہی میں نہیں
بلکہ اپنی خانگی زندگی میں بھی اس شخص کے فضل و کمال کا ذکر کرتا رہتا ہے۔

بہر حال قصہ یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ راوی اس کے قاضی ابویوسف ہیں کہ منصور کا ایک بڑا
منہ چڑھا غلام تھا منصور اس کو بہت مانتا تھا اس شخص کے دل میں بھی امام صاحب کی
طرف سے حسد پیدا ہوا جب منصور امام صاحب کی تعریف کرتا تو وہ منہ چڑھتا اور جھڑکتا اور
بوسر توھر کی ان کی طرف منسوب کرتا اپنے اس جاہل غلام کو منصور منع بھی کیا کرتا تھا کہ تعجب ان سے

اپنا تعلق، مگر خلیفہ سے وہ اتنا شوق تھا کہ باوجود بار بار ممانعت کے امام کے بدگوئیوں سے باز نہیں آتا۔ منصور نے ایک دن جب ذرا اصرار کے ساتھ ڈانٹ کر منع کیا تو اُس نے کہا کہ آپ ات کی بڑی تعریف کرتے ہیں میں جاہل آدمی ہوں، بھلا میرے سوالوں کا جواب دے دیں تو میں جانوں، منصور نے کہا کہ اچھا بھائی تو بھی حوصلہ نکال لے دھمکا یا کبھی اگر ابوحنیفہ نے تیری باتوں کا جواب دے دیو پھر تیری غیر نہیں، مگر اس جاہل کو اپنے سوالوں پر ناز تھا، خلیفہ سے اجازت مل ہی چکی تھی، امام صاحب کسی وجہ سے منصور کے پاس بیٹھے ہوئے تھے غلام نے خطاب کر کے کہا آپ ہر بات کا جواب دیتے ہیں میرے سوالوں کو حل کیجئے تو میں جانوں۔ امام صاحب کیا بولتے یہی کہا ہوگا کہ پوچھ بھائی کیا پوچھتا ہے اُس نے گہرا نشانی شروع کی کہ جناب بتائیے! دنیا کے ٹھیک بیچ میں کون سی جگہ ہے؟ اس جہالت کا جواب کیا ہو سکتا تھا۔ امام نے فرمایا کہ وہی جگہ جہاں تو بیٹھا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی تردید کیا کر سکتا تھا چپ ہو گیا۔ اور دوسرا سوال پیش کیا کہ خدا کی خلقت میں زیادہ تعداد سروالوں کی ہے یا پاؤں والوں کی امام نے اسی انداز میں فرمایا کہ پاؤں والوں کی اس نے کہا کہ کہ دنیا میں نروں کی تعداد زیادہ ہے یا مادوں کی امام نے فرمایا کہ نہ بھی بہت سے ہیں اور مادہ کی کمی نہیں، اچھا تو ہٹا کس میں ہے چونکہ وہ خاصی غلام تھا جھنپ گیا۔

ظاہر ہے کہ یہ شاہی دربار کے چونچلے ہیں امام صاحب کو ناگوار تو گذرا ہوگا لیکن جس مقصد سے وہ سب کچھ انگیز کر رہے تھے اس جہالت کو آپ نے برداشت فرمایا کہتے ہیں کہ امام کی خاطر سے منصور نے غلام کو پٹوایا اور کہا کہ آئندہ تم ان کے متعلق اپنے اس بُرے رویے سے باز آ جاؤ صلیبیج ۱

اگرچہ یہ ایک مہل سا بے سنہ قصہ ہے لیکن اگر صحیح ہے تو اس سے جیسا کہ میں نے لکھا لیکن مجھے اس قصے میں ایک کلیہ مل گیا یعنی اس قسم کے مہل سوالوں کا بہترین جواب یہی ہو سکتا ہے کہ کچھ ایسی باتیں جواب میں کہہ دی جائیں جن سے سوال کرنے والا خود مشکلات میں مبتلا ہو جائے آخر خود سچے کہ امام کے اس جواب پر کہ جگہ تو بیٹھا ہے وہی وسط دنیا ہے ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی تردید کئے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ پہلے ساری دنیا کی پیمائش کی جائے بغیر اس کے امام کے اس دعوے کی تردید کی کیا شکل ہو سکتی ہے طوسی نے جو سوال امام سے کیا تھا اس کا جواب یا گیا بعض روایتیں ہیں کہ امام اپنے جواب کا تذکرہ کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ مجھے اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان سے گزرا تھا آیا ہے کہ ایسے موقعوں پر سوال کے جواب میں ایسی بات کہنی چاہیے کہ خود سائل پر جواب کی ذمہ داری عاید ہو جائے۔ ہٹ دھرم جہال سے جان بچانے کا یہ اچھا اور کارگر گُر ہے۔ ۱۲

عرض کیا اس اثر اور نفوذ عام کا پتہ چلتا ہے جو امام کو اندر باہر الفرض منصور کی درباری خانگی زندگی میں ان کو حاصل ہو گیا تھا اسی کے ردِ عمل کی یہ مختلف شکلیں ہیں جنہیں مومنین نے بیان کیا ہے۔

اور یہ نورِ و عمل کی ہلکی شکلیں تھیں اصل واقعات تو بعد کو پیش آئے تفصیل اس جہاں کی یہ ہے کہ منصور کے شاہی کیمپ میں پہنچ کر امام اگر اس فکر میں تھے کہ جس طرح ممکن ہو منصور کو قابو میں لانے کی جو ممکنہ صورت ہو اس کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا جائے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ مختلف راہوں سے منصور کو اپنی گرفت میں لانے کی کوششوں میں وہ مصروف ہیں اس پر اپنا اور اپنے قالوئی خدمات کا ایسا غیر معمولی اثر قائم کرنا چاہتے ہیں کہ آئندہ اپنی حکومت کا آئین ان ہی کے مدونہ قوانین کو بنا لینے پر وہ مجبور ہو جائے جن کے متعلق ان کو اطمینان تھا کہ کتاب و سنت سے قریب ترین شکل یہی ہو سکتی ہے مسلمانوں کی آئینی زندگی حتیٰ الوسع اللہ اور رسول کی مرضی کے تحت گزرے گی اگر ان کے خصوصیات اور باہمی جھگڑوں کا فیصلہ ان ہی کی روشنی میں کرنے پر حکومت آمادہ ہو جائے۔ وہ جو کچھ کر رہے تھے اسی کے لئے کر رہے تھے لیکن جہاں وہ اپنی اس فکر میں تھے ظاہر ہے کہ دوسری طرف ابو جعفر منصور بھی اپنی فکر میں لگا ہوا تھا امام اس کو اپنے قابو میں لانے کی جدوجہد میں مصروف تھے تو وہ بھی انام کو اپنے دام میں لانے کی تدبیروں میں ڈوبا ہوا تھا گویا حال وہی ہو رہا تھا جسے اکبر مرحوم نے اپنے اس شعر میں ادا کیا ہے کہ سہ
وہ خوش کہ کریں گے ذبح اسے یا قہدِ قفس میں کھیں گے
ہم خوش کہ وہ طالب ہے تو میرا صیاد سہی جلاؤ سہی

ابو جعفر کا حضرت امام کی خدمت میں پہلا عطیہ

نہیں کہا جاسکتا کہ ساحلِ دجلہ کے اس کیمپ میں منصور نے اپنے کام کو کب سے شروع کیا تاہم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ امام کے فضل و کمال ذہن و ذکاوت کی خوبیوں کے مسلسل عترف کے بعد پہلی پیش قدمی اس کی طرف سے غالباً وہی ہوگی جس کا ذکر امام کے سوانح نگاروں نے ان الفاظ میں کیا ہے یعنی لکھتے ہیں کہ امام کی خدمات سے خوش ہونے یا خوشی کو ظاہر کرنے کے بعد اپنا ممنونِ کرم بنانے کے لئے ابو جعفر نے بڑی ہمت سے کام لیتے ہوئے دس ہزار

درم کا ایک عطیہ کہیے یا انعام امام کے نام منظور کیا۔ مغیث بن بہل جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ توڑے منظورہ رقم کے منصور نے منگوا کر امام کو بلا یا اور رقم کو پیش کرتے ہوئے اس نے کہا کہ میری یہ خواہش ہے کہ اس رقم کو آپ قبول کریں، یہ ظاہر یہ پہلا دانہ تھا جسے صیاد اپنے شکار کے منہ میں اتارنا چاہتا تھا اور اس راہ میں امام کے لئے بھی شاید یہ پہلی آزمائش تھی اگرچہ حکومتوں کے اس دانہ دوام سے بچنے کے لئے جیسا کہ تفصیل بتایا جا چکا ہے امام کافی انتظام کر چکے تھے خدا نے ان کو تجارت کی راہ سے اتنا کچھ دے رکھا تھا کہ دس نہار کی اس رقم کی ان کی نگاہوں میں کیا وقعت ہو سکتی تھی لیکن معاملہ یہاں دوسرا تھا اپنے عہد کا سب سے بڑا مطلق العنان فرماں روا یہ رقم دے رہا تھا اور وہ کیا رہا تھا اپنے پر گویا مجبور کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا نہ قبول کرنا گویا ایک طرح سے اس کے حکم سے سرتابی تھی اور ابھی امام اس سے بے تعلق بھی ہوتا نہیں چاہتے تھے سخت مختصر میں مبتلا ہوئے راویوں نے تو نہیں لکھا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ معمولی عذر و معذرت کے بعد امام نے کسی حیلہ سے کچھ وقفہ چاہا یعنی آج تو اس کو ملتوی کیا جائے، کل اس کا جواب دوں گا اور بارے واپس ہونے کے بعد اپنے ایک دوست جن کا نام خارجہ بن سبب تھا ان کو بلایا اور ان کے سامنے اپنی اس نئی مصیبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔

اگر اس رقم کو واپس کرتا ہوں تو یہ آدمی (یعنی خلیفہ) بگڑ جائے گا۔

اور لینا منظور کر لیتا ہوں تو اپنے دین میں ایسی چیز کو میں داخل

کروں گا جو مجھے کسی طرح گوارا نہیں ہے۔

خارجہ آدمی تھے بڑے زیرک اور منصور کی نفسیات کے ماہر انھوں نے امام کو مشورہ دیا کہ آپ منصور کو کسی طرح یہ باور کرا دیجئے کہ میرے دل میں قطعاً روپیہ پیسہ کا خیال نہ تھا خارجہ نے ان کو گویا یہ سمجھا یا کہ عموماً خلیفہ کے دربار میں جو لوگ آتے ہیں وہ اسی قسم کی امیدیں لے کر آیا کرتے ہیں، اس نے آپ کے متعلق بھی یہی رائے قائم ہو گئی، اس لئے وہ دے رہا ہے ورنہ جس قسم کی طبیعت اس شخص کی ہے۔ اس کے لحاظ سے تو ان لوگوں میں یہ ہے کہ ان کی زندگی کا دستور العمل

”ہر کہ نہ خور و جان من“

ہوا کرتا ہے، امام صاحب کی سمجھ میں خارجہ کی بات آگئی دوسرے دن دربار میں حاضر ہو کر کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا لکھا ہے کہ واقعی خارجہ کی یہ تدبیر کارگر ہوئی یہ سنتے ہی منصور نے حکم دیا کہ اچھا رنم خزانے میں واپس کر دی جائے ص ۳۱

ابو جعفر کی دوسری پیشکش

واللہ اعلم یہ اسی زمانے کی بات ہے، یا بعد کو پھر منصور نے خیال کیا کہ ممنون کرم کرنے کی شکل اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ امام کو کچھ نہ کچھ لینے پر مجبور کیا جائے، بہر حال دوسری روایت یحییٰ بن النضر کے حوالہ سے یہ بیان کی جاتی ہے کہ منصور نے ان کی رنم کے ساتھ ایک خوبصورت حسین و جمیل چھوکری (امت) بھی امام کو عطا کرنے کی منظوری دی اظاہر ہے کہ اگر یہ دوسرا واقعہ ہے تو امام صاحب کو خارجہ نے نجات کی جو تدبیر بتائی تھی وہ کارگر نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ اب کے تو منصور نے قطعی طور پر امام کو ممنون کرم بنالینے کا ارادہ ہی کر لیا تھا اسی لئے رنم کے ساتھ ایک ایسی چیز بھی اس نے جائزے میں قصداً شریک کی تھی کہ مالی جال میں اگر امام نہ پھنس سکے تو دوسرا دام کم از کم منصور کے تجربے کے لحاظ سے ایسا تھا جس سے آدم کی اولاد مشکل ہی سے بچ کر نکل سکتی ہے۔

حضرت امام کا جواب

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام نے بھی اب کچھ طے کر لیا خلیفہ بگڑ جائے تو بگڑنے دو لیکن جو واقعہ ہے اب کھل کر کہہ دینا چاہیے، میرا خیال ہے کہ منصور کے سامنے امام کی جو تقریر نقل کی جاتی ہے جس کا ذکر پہلے بھی کسی سلسلہ میں آچکا ہے یعنی روپے کو واپس کرتے ہوئے امام نے فرمایا کہ

امیر المومنین اگر ذاتی مال سے مجھے کچھ دینے ہوتے تو شاید اس وقت میں اس کو قبول بھی کر لیتا، لیکن یہ جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں یہ تو مسلمانوں کے بیت المال کا دوسرا حصہ ہے جس کا میں اپنے آپ کو کسی حیثیت سے بھی مستحق نہیں پاتا، میں نہ ننگا، بھوکا محتاج فقیر ہوں اگر یہ صورت ہوتی تو فقیروں کی مدد سے شاید کچھ لے لینا میرے لئے جائز ہوتا

اور نہ میں ان لوگوں میں ہوں جو مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہوئے ان کے دشمنوں سے لڑتے ہیں اگر میرا تعلق فوجیوں سے ہوتا تو اس وقت میں بھی اس مدد سے لڑتا تھا جس مدد سے سپاہیوں کو امداد ملتی ہے میرا تعلق جب نہ اس گروہ سے ہی اور نہ اس طبقے سے تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس رقم کو میں کس بنیاد پر لوں۔“

ظاہر ہے کہ امام کی اس تقریر کا منصور کیا جواب دے سکتا تھا بعض روایتوں میں جو یہ آیا ہے کہ امام نے جب جائزہ لینے سے انکار کر دیا تب منصور نے ان سے کہا کہ لا تقتل للناس انک لم تقبلہا ^{۱۹۳} اچھا تو لوگوں میں اس کا چرچا مت کیجیو کہ میں نے خلیفہ کے جائزے کو قبول نہیں کیا؛

جہاں تک میرا خیال ہے اسی تقریر کے بعد منصور نے امام کو یہ ہدایت کی ہوگی اور یہ معاملہ تو روپے کے ساتھ گذرا باقی چھوکری اس کے متعلق غالباً خود منصور سے امام صاحب جیاء کچھ نہ کہہ سکے لیکن منصور کا ایک درباری حمید بن عبد الملک جو غالباً کسی زمانہ میں منصور کا وزیر بھی تھا اور امام صاحب سے حسن ظن رکھتا تھا اس سے فرمایا کہ بھائی کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور عورتوں کے معاملہ میں گزدر ہو چکا ہوں آپ ہی بتائیے کہ ایسی صورت میں اس بے چاری کو لے لینا اس پر کتنا بڑا ظلم ہو جائے گا باقی یہ احتمال کہ فروخت کر کے دام کھڑے کر لوں سو امیر المومنین سے کہہ بیجئے گا کہ میری کیا مجال ہے کہ امیر المومنین کی ملک جو عورت نکل کر میرے قبضے میں آئے اسے میں بیچ دوں ^{۱۹۴} جلد امونی الغرض ان ہی طریقوں سے منصور کے دائرہ پرچم کے مقابلہ میں امام بھی پیترے کرتے رہے۔

ایک یہ روایت بھی اس مالی انکار کے سلسلے میں نقل کی جاتی ہے کہ بعد کو منصور کہا کرتا تھا۔

خل عننا ابو حنیفہ ^{۱۹۵} ج ۱ ابو حنیفہ مجھے دہوکہ دیتے رہے دینی کسی نہ کسی تدبیر سے وہ روپیہ واپس کرتے رہے۔

کیا تماشے کی بات ہے دوسرے سے کچھ جھٹک لینے میں البتہ لوگ باہم ایک

دوسرے کو دعوے کے دیا کرتے ہیں لیکن روپے واپس کرتے ہیں دعوے کو دینا بلاشبہ عجیب بات ہے مگر کیا کہتے کہ عباسیوں کے ایک خلیفہ کی یہی شہادت مسلمانوں کے ایک امام اور پیشوا کے متعلق ہے۔

خیر مالی لین دین کے متعلق امام کو جن آزمائشوں سے گزرنا پڑا گو بجائے خود وہ کتنی بھی اہم ہوں لیکن معاملہ ان ہی امور تک ختم کہاں ہو گیا جن اغراض کی تکمیل کا ذریعہ منصور اپنی مالی مہمیت کو بنانا چاہتا تھا۔ بہر حال وہ کانٹے کی طرح اُس کے دل میں کھٹکتے رہتے تھے وہ امام کو اپنے کام کا بنانا چاہتا تھا اور امام اس کے ذریعہ سے اپنا کام نکالنا چاہتے تھے اسی لئے گو حتی الوسع وہ داریات ہی سے کام لیتے رہے لیکن امام کی افتادِ طبع سے منصور واقف تھا بنی امیہ کے زمانے کے قصے اس کے کانوں تک یقیناً پہنچے ہوتے ہوں گے جیسا کہ میرا خیال ہے ابراہیم الصائغ اور امام کے تعلقات سے بھی غائباً وہ ناواقف نہ تھا اور اب گذشتہ مالی تجربات سے امام کی فطرت کے بھانپنے کا موقعہ ذاتی طور پر بھی اس کو مل رہا تھا غالباً کیپ ہی کے دلوں کے یہ چند واقعات ہیں جن کا ذکر امام کی سوانح عمریوں میں کیا گیا ہے۔

ابو جعفر کے دربار میں حضرت امام کی حق گوئی

مثلاً ربیع بن یونس کے حوالہ سے الکروری نے اپنے مناقب میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ موصل کے باشندوں نے اچانک منصور کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے دربار لگا ہوا تھا جس میں ابو حنیفہ بھی بیٹھے تھے منصور نے مجلس کی طرف خطاب کر کے کہنا شروع کیا کہ موصل والوں نے یہ معاہدہ مجھ سے کیا تھا کہ میرے اور میری حکومت کے وفادار رہیں گے اور کبھی سرکشی پر آمادہ نہ ہوں گے معاہدے میں موصل والوں نے یہ بھی تسلیم کیا تھا کہ اگر حکومت عباسیہ کے خلاف وہ کبھی بغاوت پر آمادہ ہوں تو خلیفہ کو حق ہو گا کہ ہم میں ہر ایک کو وہ قتل کر دے منصور نے پوچھا کہ۔

”دیکھو! میرے گورنر (عامل) کے خلاف وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کی
خوں ریزی خود ان کے معاہدے کے روئے میرے لئے شرعاً جائز نہیں ہو چکی ہے؟
کہتے ہیں کہ دربار کے کسی خوشامدی امیر نے کھڑے ہو کر خلیفہ کو جواب دیا کہ
- یقیناً آپ کا ہاتھ ان کے مقابلہ میں کھولا جا چکا ہے اور جو بھی ان کے متعلق آپ
فیصلہ کریں اُس کا آپ کو قطعاً اختیار حاصل ہے اگر ان سے درگزر کیجئے تو

عفو اور درگزر آپ کا شیوہ ہے، اور اگر سزا ہی اُن کے لئے بخویش کی جائے تو وہ خود اپنے معاملہ کے رُوسے سزا کے مستحق ہو چکے ہیں۔

لیکن منصور کا اشارہ سوال میں جس کی طرف تھا وہ یہ آدمی نہیں تھا درحقیقت وہ امام ابو حنیفہ کے فتوے اور ہم نوائی کا امیدوار تھا جب اس نے دیکھا کہ امام صاحب کچھ نہیں بولتے تو براہ راست اُن کی طرف رخ کر کے منصور نے پوچھا اے شیخ! تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے!

آرامش کی گھڑی پھر امام کے سر پر آ کر کھڑی ہو گئی منصور امام کے گزشتہ ماراتی طریقوں کو دیکھ کر شاید اپنے دل میں کسی انقلاب کے توقعات قائم کر چکا تھا اسی لئے اس نے امام کو شخصی طعنا بٹا کر سوال کیا تھا امام کھڑے ہوئے اور اپنی رائے کو پیش کرتے سے پہلے تمہیذا منصور کو خطاب کر کے آپ نے دریافت کیا کہ

کیا میں اس وقت نبوت کی جانشینی کے جو مدعی ہیں ان کے سامنے کھڑا ہوا نہیں مجھے توقع ہے کہ جس گھر میں اس وقت ہوں یہ مسلمان کی پناہ گاہ ہے؛ منصور نے کہا بے شک یہی واقعہ ہے تب اپنی رائے ان الفاظ میں پیش کرنے لگے امیر المومنین! موصل والوں نے اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ آپ سے کیا تھا رضی بغاوت کی صورت میں ان کا خون علیحدہ کے لئے حلال ہو جائے گا، تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے انھوں نے ایک ایسی چیز کا اختیار آپ کے سپرد کیا تھا جس کے سپرد کرنے کا شرعاً انھیں قطعاً اختیار نہیں تھا۔

مطلب یہ تھا کہ اپنی جان اور اپنے خون پر مسلمانوں کو اختیار ہی نہیں دیا گیا ہے اسی لئے خود کشی اسلام میں حرام ہے پھر دوسروں کو یہ اختیار وہ کیسے منتقل کر سکتے ہیں؟

آخر میں امام نے فرمایا کہ

اس کے بعد بھی اگر آپ ان کی خوں ریزی پر آمادہ ہوں گے، تو ایک ایسی چیز میں آپ ہاتھ ڈالیں گے جو آپ کے لئے کسی طرح جائز نہیں ہے۔

لے حاصل یہ فقہ کا مسئلہ ہے اسی بنیاد پر یہ قانون ہے کہ کسی کو کوئی اگر کہہ کہ بچھ مار ڈال یا قتل کر دے اور اس کے کہنے والے کو قتل کر دیا جائے تو قاتل یہ عذر پیش کر کے کہ میں نے تو مقتول کے حکم سے اس کو قتل

امیر المومنین! خدا کا عہد زیادہ مستحق ہے کہ اس کا ایثار کیا جائے " محتاج ۲ کر منصور خدا جانے اپنے دل میں کیا کچھ سوچے ہوئے تھا، لیکن امام کی کھری کھری اس بے لاگ تقریر کو سن کر کچھ بدحواس سا ہو گیا اسی وقت اس نے جلسہ کے برخاست ہونے کا حکم دیا جب لوگ چلے گئے اور غالباً امام کو اس نے روک لیا تھا تو ان سے بڑی نرمی سے کہنے لگا۔

"اے شیخ! بات وہی ہے جو تم نے کہی"

وطن کو واپسی

اور شاہی کیمپ سے نجات کا ذریعہ بھی امام کی یہی جسارت بن گئی کہتے ہیں کہ اسی کے بعد اس نے امام صاحب کو کہا کہ

انصر ف الی بلادک آپ اپنے وطن تشریف لے جائیے

رخصت کرتے وقت ابو جعفر کی ایک خواہش

آخر میں بڑی لحاجت سے بطور وصیت اور دوائی ہدایت کے اُس نے کہا مگر اس کا ذرا خیال رکھا کیجئے گا کہ ایسا فتویٰ لوگوں کو نہ دیا جائے جس سے آپ کے امام (یعنی امیر) کی ذات پر کوئی حرف آئے، آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے فتوؤں سے خوارج (یعنی حکومت کے باغیوں) کو

بغض و نفرت ہو سکتا ہے البتہ قتلِ عمد میں ایک طرح سے شبہ کی گنجائش چونکہ پیدا ہو جاتی ہے اس لئے بجائے قصاص سے عام فتویٰ یہی ہے کہ دیتِ قاتل سے مقتول کے وارثوں کو دلوالی تجائے گی، اگرچہ امام زکریا کا فتویٰ قصاص ہی کا ہے، بہر حال یہ وہی مسئلہ ہے جس کی تعمیر فقہی کتابوں میں بذلِ بالانفس والاموال سے کی گئی ہے یعنی مالیات میں تو بذلِ چل سکتا ہے مگر جان میں بذل کی گنجائش نہیں ہے اسی طرح اطرافِ بدن یعنی آنکھ، ناک، کان وغیرہ میں بھی بذل جاری ہوتا ہے یا نہیں اس کے تفسیر فقہ کی کتابوں میں دیکھئے حال حال تک یورپ میں ڈویل کا جو طریقہ جاری تھا وہ اسی بنیاد کی ناہمی پر مبنی تھا یعنی بالانفس میں بھی بذل کو جائز سمجھا جاتا تھا لیکن شاید اب اس کی ممانعت ہو گئی ہے واللہ اعلم

کو حکومت کے خلاف دست اندازی کا موقع مل جاتا ہے ص ۲۱ ج ۲ کر
جہاں تک میرا خیال ہے ساحلِ وجہ کے شاہی کیمپ سے رست گا۔ سی امام کو اسی
واقعہ کے بعد میسر آئی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے وجود کو منصور نے خطرہ قرار دیا، اور یوں
سمجھا، بجھا کر گھر جانے کی اجازت دے دی، شاید اسی وقت کا یہ واقعہ بھی ہے، یعنی امام
صاحب جب منصور کی فرگاہ سے کوفہ روانہ ہونے لگے تو غالباً منصور نے ان سے یہ خواہش
کی کہ کبھی کبھی آپ ہمارے پاس آیا جایا کیجئے۔

حضرت امام کا جواب

مکتبہ میں کہ امام نے جواب میں فرمایا جس کا حاصل یہ تھا کہ
"یہ ذرا مشکل ہے کیونکہ آپ سے قربت اور نزدیکی کا نتیجہ دیکھ چکا ہوں
کہ آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہوں، علاوہ اس کے اگر دل میں اس آرزو کو
پالتا ہوں تو یقین مانئے کہ کسی وجہ سے اگر اپنے دربار میں میرے آنے کو
آپ روک دیں گے تو خواہ مخواہ کے غم میں مبتلا ہونا پڑے گا اور امیر المومنین
سچ تو یہ ہے کہ آپ کے پاس میں دیکھ چکا ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس
کی مجھے آرزو ہو، باقی آپ کے پاس اس لئے آمد و رفت رکھنا کہ
وارد و گیر سے آپ کے محفوظ رہوں، سو اس معاملہ میں میرا خیال یہ ہے
کہ سجد اللہ میں کسی ایسے جرم میں مبتلا نہیں ہوں جس کی وجہ سے
حکومت کی دھڑکڑ کا بگھے خوف ہو؛

امیر المومنین؛ یہ واقعہ ہے کہ آپ کے پاس وہی لوگ زیادہ آمد و رفت
رکھتے ہیں جو ہر چیز سے بے نیاز ہو کر صرف آپ ہی کو اپنا سب کچھ
سمجھ لیتے ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ جس نے آپ کو دوسروں سے بے نیاز
کر دیا ہے اسی ذات نے مجھے بھی اپنے سوا ہر چیز سے بے پروا اور
بے نیاز بنا رکھا ہے، پس مجھے معاف فرمایا جائے کہ ان لوگوں کی طرح
دربار داری مجھ سے ممکن نہیں جن سے آپ کی بارگاہ بھری رہتی ہے۔

امام محمد بن حسن الشیبانی امام کے متعلق یہ روایت کیا کرتے تھے، کہ دابی کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ کے دربار میں ایک دفعہ امام نے عربی کے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے۔

کوزہ آب پارہ ناسنے جامہ چند باتن و جالے
ہست بہتر نہار باز پیش کا ورد عاقبت پیشمانے (ضیا گیلانی)
بعضوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ منصور کے سامنے بھی دہرائے گئے تھے۔
واللہ اعلم بالصواب۔

بہر حال منصور نے اس وقت تو امام کو اپنے کیمپ سے رخصت کر دیا۔ لیکن امام نے اپنے متعلق اس کے دل و دماغ پر جن لازوال نقوش کو مختلف حیثیتوں سے قائم کر دیا تھا ظاہر ہے کہ وہ کیا مٹ سکتے تھے ان کی غیر معمولی شخصیت جس کے براہ راست تجربہ کرنے کا موقع اس کو مہینوں شب و روز ملتا رہا، کوئی وجہ نہیں کہ طرح طرح کے خیالات اس کے دماغ میں نہ آتے ہوں زید شہید کے ساتھ امام کی ہمدردیوں کا قصہ مشہور تھا، ان کی آزادی رائے، صاف گوئی اور سب سے زیادہ ان کی فرزانگی و دانائی کے تصور اگر مختلف دوسووں میں اس کو بتلا رکھتے ہوں، تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سلسلہ میں اس نے اور کیا کیا۔

ابو حنیفہ کے دربار میں حضرت امام کی دوبارہ طلبی اور ایک سوال

لیکن تاریخ والے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منصور امام کی طرف سے کس قدر غیر مطمئن رہتا تھا، خلاصہ یہ ہے کہ براہ راست بلا کر پوچھنے میں تو اس نے شاید مصلحت نہ سمجھی بلکہ امام کے رخصت ہونے کے چند ہی دنوں کے بعد مدینہ منورہ سے اس نے

سہ اہل عربی اشعار یہ ہیں سے کسرة خیر و تعب نام و فرد ثوب مع السلامہ
خیر من اعیش فی نعیم یكون بعد بالسلامہ

غلہ جیسا کہ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کے خلاف نفس زکیہ کی تحریک اندر ہی اندر جاری تھی کچھ حالات اس کے آئندہ آ رہے ہیں جہاں تک میرا خیال ہے امام مالک و ابن ابی ذئب کو اس وقت طلب

امام مالک اور اس زمانہ میں مدینہ کے ایک دوسرے با اثر عالم ابن ابی ذئب نامی تھے ان دونوں کی طلبی کا فرمان جاری کیا اور کوفہ کے گورنر کو لکھا کہ امام ابو حنیفہ کو بھی روانہ کر دو غرض تینوں حضرات منصور کے پاس جمع ہوئے غالباً یہ بھی کیسپ ہی کا واقعہ ہے اور خلوت کی صحبت میں تینوں کو بلا کر اس لئے دریافت کیا کہ

سچ بتائیے کہ اس امت (یعنی مسلمانوں) کی حکومت کی باگ ڈور
لے جو ہمارے سپرد کی ہے کیا واقعی ہم اس کے اہل ہیں یا نہیں۔

حضرت امام کی جوابی تفسیر

میں نے شاید کسی دوسری جگہ بھی امام ابو حنیفہ کے اس جواب کا تذکرہ کیا ہے جو اس موقع پر آپ نے منصور کو دیا اس وقت چننا جمالی فقرے ان کی تفسیر کے پیش کئے گئے تھے پوری تقریر امام کی یہ تھی جسے اب درج کرتا ہوں پہلے بطور تمہید کے آپ نے خلیفہ کو نصیحت کی کہ

”اپنے دین کے بہی خواہ کو چاہیے کہ غصے سے اپنے آپ کو پاک صاف
رکھے۔“

اور اس کے بعد جو امام کا خیال تھا اس کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے گئے۔
اپنے آپ کو ہر قسم کے فضول خیالات سے خالص اور پاک کر کے اگر تم
سوچو گے تو میں سمجھتا ہوں کہ تم پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ہم لوگوں کے
جمع کرنے میں قطعاً خدا تمہارے سامنے نہیں ہے دینی خدا کی مرضی
کے مطابق اپنے آپ کو بنالینے کے لئے تم ہم سے مشورہ نہیں کر رہے
ہو، بلکہ صرف تم عوام پر یہ اثر قائم کرنا چاہتے ہو کہ ہم لوگ بھی تمہارے
متعلق وہی خیال رکھتے ہیں جو خیال خود تم نے اپنے جی سے اپنے متعلق
قائم کر لیا ہے یعنی تمہارے خوف سے ہم بھی تمہاری جیسی بات کہیں؟

یعنی قس قس قس

کیا گیا ہے جب معاملہ خروج کا قریب قریب ظہور کے آچکا تھا منصور کے خفیہ نمائندے منت منٹ
کی خبریں اس تک پہنچا رہے تھے ۱۲

اس کے بعد ہر قسم کے خطرات سے بے پروا ہو کر ابو جعفر کو امام نے سمجھا نا شروع کیا۔

دیکھو تم نے خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں اس وقت سنبھالی ہے جب کہ مسلمانوں میں فتویٰ دینے کی اہلیت جن لوگوں میں ہے اُن میں سے دو آدمی بھی تمھاری خلافت پر متفق نہیں ہوئے تھے اور تم جانتے ہو کہ خلافت ایک ایسا مسئلہ ہے جسے مسلمانوں کا اجتماع ہی طے کر سکتا ہے ان ہی کے مشورے سے خلیفہ منتخب ہو سکتا ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال تمھارے سامنے ہے چھ مہینے تک حکومت کرتے سے اُنھوں نے اپنے آپ کو روکے رکھا جب تک کہ یہیں مسلمانوں کی بیعت کی خبر اُن تک نہ پہنچی تھی ص ۱۷ ج ۲

صاحب فتاویٰ بزاز یہ امام حافظ الدین المعروف بالبزاز الکوردی نے مذکورہ بالا تقریر کو جلیل القدر مورخوں یعنی امام احمد المدینی اور الحلبی کے حوالہ سے نقل کی ہے صحت کی ذمہ دار یہی حضرات ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک مطلق العنان جبار کے سامنے ایک بڑی جرأت تھی کیونکہ یہ کوئی جزئی مسئلہ نہیں تھا بلکہ منصور کی خلافت کی بنیاد پر یہ کاری ضرب تھی گویا آج امام نے صاف لفظوں میں اس کا اعلان خود منصور کے منہ پر کر دیا کہ کسی حیثیت سے بھی تمھاری حکومت شرعی اور آئینی حکومت نہیں ہے اگرچہ امام نے اپنے جس مسلک کو ابراہیم الصانع کے سامنے ظاہر کیا تھا اس سے ان کا موجودہ طریقہ عمل کچھ مختلف نظر آتا ہے لیکن اگر یہ سوچا جائے کہ پوچھنے کے بعد کتمان کا حق اور جو صحیح بات تھی اس کے چھپانے کو امام کی ایمانی فیرت نے قبول نہیں کیا اور ابراہیم سے امام جو کچھ کہہ رہے تھے اس کا حاصل

۱۔ اس تقریر میں اسلامی سیاست کی بنیاد کو واضح کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ نے حضرت ابو بکر کی خلافت کے متعلق ایک ایسے تاریخی واقعہ کا اعلان کیا ہے جس کا لوگوں کو بہت کم علم ہے لیکن یہ ایک امام کا بیان ہے افسوس ہے کہ اس رسالہ میں اس پر تفصیلی گفتگو کی گنجائش نہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق یہ جو کہا جاتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر چھ مہینے بعد بیعت کی اس واقعہ کا امام ابو حنیفہ کے اس اکتشاف سے بڑا گہرا تعلق ہے انشاء اللہ اسلامی سیاسیات پر جس کتاب کے لکھنے کا ارادہ ہے اس میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔ واللہ ولی الامر والقرین ۱۲

یہ تھا کہ طاقت کے بغیر خود اپنی طرف سے ایسے موقع پر حق کا اظہار لا حاصل ہے تو دونوں میں فرق نظر آئے گا اور میرا خیال تو کچھ اور بھی جاتا ہے کہ کوفہ پہنچنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے حکومت عباسیہ کو تہ و بالا کرنے کے لئے اندر ہی اندر جو آتش نشان مادہ پک رہا تھا اس سے باخبر ہی نہیں بلکہ کچھ تعجب نہیں کہ امام کسی نہ کسی حیثیت سے اس میں شریک ہو گئے ہوں گے۔ گویا ان کو مسلمانوں کی جس تنظیمی قوت کا انتظار تھا وہ ان کے سامنے بے نقاب ہو چکی تھی ہو سکتا ہے کہ اس جسارت و دلیری میں کچھ اس کو بھی دخل ہو!

چاہیے تو یہی تھا کہ ابو جعفر اس تقریر کے سننے کے بعد شاید امام کے متعلق اپنا آخری فیصلہ ابھی صادر کر دیتا جس حال میں اس وقت تھا اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ ابن ابی زب جب منصور کو جواب دے رہے تھے تو امام کا خود بیان ہے کہ میں نے اور مالک بن انس و امام مالک نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے ہم لوگوں کو یقین تھا کہ اس کے بعد گروں اڑادی جائے گی۔

لیکن ابو جعفر لا کہ غضب ناک آدمی تھا تاہم سیاسی مصالح پر اپنے جذبات کو غلبہ ہونے نہیں دیتا تھا اور اسی میں اس کی کامیابی کا راز پوشیدہ تھا، آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس کے عطیہ کو امام نے جب رد کر دیا تو بجائے بگڑنے کے اس نے کہا تو یہ کہا "اپنے اس نہ لینے کا چرچا دوسروں سے نہ کیجیو" یا موصل کے مسلمانوں کے قصبے میں امام صاحب نے اس کی مرضی کے خلاف راتے راتے وہی تو بجائے برہم ہونے کے اس وقت بھی اس نے امام سے یہی کہا کہ "نور اس قسم کے فتوؤں میں اس کا خیال رکھا کرو کہ تمہارے امام پر کوئی حرف نہ آئے" ظاہر ہے کہ یہ جو کچھ وہ کر رہا تھا، محض سیاسی مصلحت اندیشیوں ہی کی بنیاد پر کر رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ جان رہا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی بے جا حرکت اگر کی گئی تو جو

سہ جیسا کہ آئندہ ابھی معلوم ہو گا کہ نفس زکیہ کے خروج کا واقعہ مقامی نہ تھا بلکہ برسوں سے تمام اسلامی صوبوں میں اہل بیت کے نمائندے مسلمانوں کو اپنی ادا و اعانت پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے نفس زکیہ کے بھائی جن کا امام ابو حنیفہ سے گہرا تعلق ہے ان کے متعلق تو کتابوں میں لکھا ہے کہ منصور کے اس شاہی یکمپ میں بھی خفیہ قیام کیا تھا، منصور ان کی تلاش میں تھا لیکن بعض مواقع ایسے بھی پیش ہوئے ہیں کہ منصور کے دسترخوان پر دوسروں کے ساتھ انھوں نے کھانا کھایا اور منصور کو پتہ نہ چلا ۱۲

واقعہ کل پیش آئے والا ہے آج ہی پیش آجائے گا اُس زمانہ کے اس سیاسی نظریہ کو اسی منصور کے بیٹے مہدی کی زبانی نقل کر چکا ہوں کہ امام جیسی ہستیوں پر دست اندازی سے حتیٰ الوسع بچنے کی کوشش اس لئے کیا کرتے تھے کہ اپنی یزیدیت کی موت کی تصویر حسین کے قتل کے آئینے میں ان لوگوں کو نظر آتی تھی۔

کچھ بھی ہو، بلا سخت تھی، دے بخیر گذشتہ تینوں حضرات کو اپنے اپنے وطن جانے کی اجازت مل گئی۔

مجھے پھر بھی کہنا پڑتا ہے کہ واقعات کے بیان کرنے میں ترتیب کو لوگوں نے قائم نہیں رکھا جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اب امام کی زندگی کے دو ہی واقعے سیاسی حیثیت سے اہمیت رکھتے ہیں، ایک تو نفوس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کے خروج کے وقت امام کی علانیہ اس بغاوت میں شرکت اور دوسرا واقعہ ان کے قضا کا ہے یعنی منصور نے بلا بلا کر متفرق اوقات میں ان کو اس پر مجبور کیا کہ اس کی حکومت میں قضا کا عہدہ قبول کر لیں پہلے تو صرف اسی علاقے کی قضا اُس نے پیش کی جس میں وہ اپنے صدید شہر مدینۃ السلام کو بنوا رہا تھا جب امام نے انکار کیا تو پھر اس نے بغداد کے ساتھ کوفہ اور بصرہ کو بھی ان کی عدالت کے حدود میں شریک کر دیا جیسا کہ الکردری نے لکھا ہے۔
عہل بلاد ماہ اری البصرة والکوفۃ بصرہ کوفہ بغداد کے متعلقہ علاقوں کی قضا رست و بطلاد و ما یلیہا ص ۳۷ ج ۲ کر امام کے نام مقرر کی۔

اور آخر میں سب کا اس پر اتفاق ہے کہ امام کے سامنے منصور نے یہ عہدہ پیش کیا کہ
ان یتولی القضاء یمخرج القضاء قضا کا عہدہ ان کے سپرد کیا گیا اور یہ بھی کہ سوائے اسلامی

سے بعضوں کا بیان ہے کہ منصور نے چند ٹوڑے اپنے آدمی کے حوالے کئے اور حکم دیا کہ ابن ابی ذئب اور ابو حنیفہ کو جا کر دو، اگرے لیں تو اسی وقت دونوں کے سر اتار کر بیٹے آنا، مال اگر لینے سے انکار کریں تو چھوڑ دینا۔ کہتے ہیں کہ ابن ابی ذئب نے تو یہ کہا کہ جس مال کو اس شخص کے لئے میں حلال نہیں سمجھتا بھلا اپنے لئے اسی مال کو کیسے حلال قرار دوں اور امام ابو حنیفہ نے کہا کہ میری گردن بھی چاہے اٹا دی جائے لیکن ایک درم چھوٹے کو بھی میں اپنے لئے جائز نہیں سمجھتا مگر میرا خیال ہے کہ منصور اس سے واقف ہی تھا جاتی ہی چیز کو دوبارہ جاننے کی ضرورت کیا تھی۔ ۱۲

من تحت یدہ الی جمیع کھد لاسلام پھر قلمرو میں جو بھی قاضی مقرر ہوا امام ہی کے ہاتھ سے اس کا تقرر ہوا۔ لیکن انکار ہی پر امام کا اصرار قائم رہا پھر اجبار و انکار کے ان قصوں میں منصور نے امام کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک مختلف طریقوں سے کئے افسوس ہے کہ لوگوں نے نہ اوقات اور تاریخوں کی تعین کی طرف توجہ کی اور نہ کسی نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ مختلف عہدے جو امام صاحب پر پیش کئے گئے ان میں مقدم کون ہے اور موخر کون ہے پس لکھنے والوں نے صرف اتنا لکھ دیا ہے کہ اس قسم کے واقعات پیش آئے۔

سب سے زیادہ مشکل یہ ہے کہ نفس زکیہ کے خروج اور قضا کے ان قصوں کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خروج سے پہلے کے یہ واقعات ہیں یا بعد کے یا بعض واقعات قضا خروج سے پہلے اور بعض واقعات خروج کے اختتام کے بعد پیش آئے۔

مدتوں کے غور و خوض کے بعد میں جس نتیجہ تک پہنچا ہوں ان کو درج کر دیتا ہوں۔ بڑی طوالت ہو جائے گی اگر اس ترتیب کے وجوہ پر بھی بحث کی جائے۔

بہر حال میرا خیال یہی ہے کہ نفس زکیہ کے خروج کے زمانہ تک آخری مکالمہ امام میں اور منصور میں وہی ہوا ہے جس میں امام مالک اور ابن ابی ذئب مدینہ سے بلائے گئے اور کوفہ سے امام صاحب طلب کئے گئے جس کی تفصیل گذر چکی جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس دفعہ امام صاحب کی صاف گوئی نے منصور کے تمام شکوک و شبہات کو جو امام کے متعلق وہ رکھتا تھا یقین سے بدل دیا ہو گا۔ لیکن اب کرنا کیا چاہیے کیا "اخرا تحیل لسیف" یعنی تلوار سے آخری فیصلہ امام کا کر دیا جائے یا بجائے زہر کے ابھی گڑا کھلائے کے تجربے کو کچھ دن اور جاری رکھا جائے شاید وہ ان ہی خیالات میں غلطیاں پیچاں ہی تھا اور جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ان دنوں اس کا زیادہ ترقیام اسی نو تعمیر شہر کے اس کیمپ میں رہتا تھا جہاں مقیم رہ کر خود بھی تعمیری دلچسپیوں میں وہ حصہ لے رہا تھا کہ جس خطرے کی خبریں مختلف ذرائع سے اس کو مل رہی تھیں ٹھیک دوپہر کے وقت دجلہ کے کنارے جب کسی راہب کے دیر میں وہ قیلو لہ کر رہا تھا کہ ہانپتا کانپتا مدینہ سے بغداد کے درمیانی فاصلے کو کل (۹) دن میں طے کر کے ایک شخص جس کا نام حسین بن صخر تھا پہنچتا ہے اور ربیع منصور کے حاجب سے کہتا ہے کہ خلیفہ سے تنہائی میں مجھے کچھ کہنا ہے روو کد کے بعد ربیع اس کو اندر لے جاتا ہے اور جس خطرے کے خیال سے منصور اندر ہی اندر گھلا چلا جا رہا تھا اسی خبر کو

خرج محمد بن عبد اللہ بالمدینۃ محمد بن عبد اللہ مدینہ میں خروج کیا یعنی حکومت کے خلاف مقابلہ پر آمادہ ہو گئے

۱۹۴ کا مل وغیرہ
کے الفاظ میں اس نے ادا کیا گویا ایک بجلی تھی جو منصور کی آنکھوں کے سامنے کوند گئی کہا تو نے خود دیکھا اپنی آنکھوں سے دیکھا منبر سے بار بار پوچھتا ہے اور جواب میں وہ کہتا جاتا ہے۔

جی ہاں! میں نے خود دیکھا ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر جب وہ بیٹھے ہوئے تھے تو ان سے میں نے بات بھی کی ہے۔

منصور کی حیرانی و پریشانی کا اسی سے اندازہ کیجئے کہ مدینہ السلام اور اس کی تعمیر کا خیال اس کے دماغ سے نکل گیا اسی وقت کوچ کا اس نے حکم دیا اور کوفہ ہی میں آکر دم لیا کہتے ہیں کہ پچاس دن تک اپنے مصلیٰ ہی پر جسے زمین پر اس نے بچھا دیا تھا سوتا بیٹھتا تھا ایک رنگین جبہ اس وقت پہنے ہوئے تھا جب مصلیٰ پر بیٹھا تھا اس عرصے میں حد سے زیادہ میل ہو گیا لیکن جب تک بغاوت کا بالکل قلع قمع نہیں ہو گیا کپڑے نہیں بدلے۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ جن لوگوں نے نہیں کیا ہے شاید اس واقعہ کی اہمیت کا اندازہ نہیں کر سکتے اور میرے لئے بھی تفصیل کا موقعہ نہیں ہے تاہم چند سطروں میں ضرورت ہے کہ اجمالی ذکر اس کا کر دیا جائے۔

نفس زکیہ کے خروج کی اہمیت

اس واقعہ کا ظہور ۳۴ھ اور ۳۵ھ کے درمیان ہوا ہے یعنی ہجرت کے قریب قریب ڈیڑھ سال بعد اس عرصے میں اہل بیت نبوت کے دونوں صاحبزادے یعنی حضرت حسن اور حسین علیہما السلام

ملہ کہتے ہیں کہ ان ہی دنوں میں دو امیروں نے منصور کے پاس اپنی لڑکیاں بطور ہدیہ کے پیش کیں لیکن منصور نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا لوگوں نے اس سے پوچھا بھی جواب میں کہا کہ یہ وقت عورتوں کی طرف توجہ کرنے کا نہیں ہے جب تک اس کا فیصلہ نہ ہوے کہ دشمن کا سر میرے سامنے آتا ہے یا میرا سر اس کے پاس جاتا ہے اس قسم کی باتوں کا میرے سامنے ذکر نہ کرو۔

کی اولاد کی کئی پشتیں گزر چکی تھیں۔ دونوں خاندانوں کے افراد کی کافی تعداد پھیل چکی تھی حالانکہ ابتداء میں دونوں حقیقی بھائی تھے لیکن جیسا کہ دنیا کا دستور ہے کچھ دن کے بعد اہل بیت کے دو مستقل سلسلے قائم ہو گئے یعنی حسینی گھرانے کے سادات اور حسینی خاندان کے سادات زیادہ تر دونوں خاندانوں کے افراد کا قیام مدینہ ہی میں تھا۔

حسینی سادات

اسلام کی سیاسی تاریخ میں ایک کش مکش تو وہ تھی جس کی ابتدا کربلا کے میدان سے ہوئی اور زید بن علی الشہید کی جدوجہد پر گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ اس کش مکش کا خاتمہ ہو گیا یہ حسینی سادات کی کش مکش کا سلسلہ تھا لیکن حسینی سادات کی طرف سے اس وقت تک کسی سیاسی جدوجہد کا اظہار بہ ظاہر نہیں ہوا تھا حسینی سادات کے حوصلے اس میں گویا پست ہو چکے تھے امام باقر اور امام جعفر صادق وغیرہ بزرگ جو حسینی سادات کی نمائندگی کرتے تھے اپنی زندگی کا رخ بدل چکے تھے مگر حسینی سادات کی امنگیں ابھی زندہ تھیں جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں حسینی سادات میں سب سے سربراہ وہ تھی حضرت عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کی تھی۔

حضرت محمد بن عبداللہ نفس زکیہ

آپ ہی کے ایک صاحبزادے کا نام محمد بن عبداللہ تھا بچپن ہی سے بعض غیر معمولی آثار رشد و صلاح کے ان میں پائے جاتے تھے ان کی ان ہی خصوصیتوں کو دیکھ کر لوگوں نے "نفس زکیہ" کے نام سے مشہور ہوئے تھے بلکہ نام ان کا چونکہ محمد اور والد کا نام عبداللہ تھا اور نائبا والدہ کا نام بھی آمنہ تھا اس بنیاد پر بعض لوگوں نے ان حدیثوں کا مصداق اور کو قرار دینا شروع کیا جن میں امام مہدی کے ظہور و خروج کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ عباسیوں میں مشہور تھا کہ بنی امیہ سے منتقل ہو کر حکومت ان ہی کے ہاتھ میں آئے گی اسی طرح یہ حسن ظن حسینی سادات میں پھیل گیا تھا کہ پیدا ہونے والا مہدی ان خاندان میں پیدا ہو چکا ہے اور بنی عباس سے حکومت کا جائزہ وہی لیں گے۔

اسی طرح عباسیوں کا خیال تھا کہ ان کے ہاتھ میں آنے کے بعد حکومت سلسل ان ہی کے خاندان میں

حسنى سادات کی جہاد کے لئے عملی اسکیم

آخر خیالات نے بتدریج واقعات کا قالب اختیار کرنا شروع کیا جس وقت منصور عباسی خلافت کا وارث ہوا اُس کے زمانے میں حسنی سادات کی سیاسی تدبیریں قریب قریب تکمیل کے درجہ تک پہنچ چکی تھیں محمد نفس زکیہ جن کے والد عبداللہ بن الحسن بن الحسن ابھی زندہ تھے علاوہ اپنے چند بھائیوں کے عبداللہ جو ان جوان بڑکوں کے بھی باپ تھے انتظام یہ کیا گیا تھا کہ مرکز تو خروج کا مدینہ منورہ ہی کو بنایا جائے لیکن ہر ہر صوبہ میں خاندان کا ایک ایک آدمی بھیجا جائے اور وہاں کے مسلمانوں کو وہی موجودہ حکومت کے خلاف خروج پر آمادہ کرے المسعودی نے یہ لکھا کہ محمد النفس الزکیہ کے بیعت میں سارے امصار کے لوگ شریک ہوئے ہر ہر صوبے میں جو لوگ بھیجے گئے تھے ان کے نام کی فہرست یہ درج کی ہے۔

محمد نفس زکیہ کے صاحبزادے جن کا نام علی بن محمد تھا یہ مصر بھیجے گئے تھے اور عبداللہ جو دو سرے صاحبزادے تھے یہ خراسان روانہ کئے گئے حسن ان کے جن صاحبزادے کا نام تھا وہ یمن پہنچے اور نفس زکیہ کے بھائی موسیٰ بن عبداللہ جزیرہ رموصل وغیرہ میں نمائندگی کرتے تھے اسی طرح دو سرے بھائی جن کا نام یحییٰ تھا وہ رے اور ہرستان میں کام کر رہے تھے اور ان ہی کے بھائی اور یس بن عبداللہ کے سپرد سارے مغربی علاقے اور فریقہ مراکش وغیرہ اور نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم کو بصرہ بھیجا گیا تھا المسعودی برکات

اس وقت تک باقی رہے گی جب تک مسیح علیہ السلام ظاہر ہو کر ان سے حکومت کا جائزہ نہ لیں اور مسیح علیہ السلام پھر اس کو مہدی کے حوالہ کریں گے ۱۲

۱۳ لیکن خدا کی یہ عجیب شان ہے کہ گو لوگوں کو ہم تو اہل سنت میں ان میں سے ہر ایک کو ہر ہر علاقے میں بڑی مچی کامیا بیاں میر آئیں اور ان ہی کے اعتماد پر نفس زکیہ نے مدینہ میں باضابطہ اپنی حکومت کا اعلان کر دیا مگر قسمت نے عباسیوں ہی کی یاوری کی خود نفس زکیہ بھی شہید ہوئے اور ان کے بڑے بھائی جہاں پہنچے تھے وہیں قتل ہوئے بعضوں نے قید خانوں میں جان دی البتہ مغرب اقصیٰ کی طرف اور یس بن عبداللہ نفس زکیہ کے بھائی جو بھیجے گئے تھے وہ اس علاقے میں ایک آزاد مقامی حکومت کے قائم کر لینے میں کامیاب

ہوئے اور زمانہ تک مغرب میں حسنی سادات کا یہ خاندان حکومت کرتا رہا وہ اپنی ایک مستقل تاریخ رکھتے ہیں اور شاید حسنی سادات بھی اس عام ناکامی کے بعد اپنے حسینی بھائیوں کے ہم مسلک ہو گئے۔ یعنی ان بزرگوں نے بھی زندگی کی راہ بدل دی تھی، گو سیاست سے ہٹ کر دولوں خاندانوں کے بزرگوں نے اپنے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مخلصانہ خدمات انجام دیئے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ سیاست کی راہ سے جب کبھی ان دولوں خاندانوں میں کسی نے حکومت پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرضی دینی اس باب میں ان کا ساتھ نہیں دیتی رہی ہے اللہ کی مصلحتوں کو اللہ ہی جان سکتا ہے لیکن اتنی بات تو تجربے اور مشاہدے کی ہے کہ کسی قوم وامت کی زندگی کے لئے سیاسی اقتدار خواہ جس حد تک اس دنیا میں ضروری ہو لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ سیاسی اقتدار کی باگ قوم کے جن افراد کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے ابتدا میں تو کم لیکن جوں جوں اپنی مطلق المناہجوں کا احساس ان میں بڑھ جاتا ہے۔ فرعون بے ساماں بننے میں وہ آگے کی طرف بڑھتے چلے گئے ہیں ہر ایک کو وہ دبا سکتے ہیں لیکن ان کو کوئی زبان سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتا بلکہ ان کی ہر بُرائی کو خوش نما تعبیروں میں پیش کرنے والے ہرزمانے میں پیدا ہو جاتے ہیں اور جن کی زندگی اندر سے باہر تک عفونت میں سٹا اس سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ لیکن نظم و نثر میں مداحوں کا ایک طبقہ ان کی ساری بُرائیوں کی پرہیزگاری کرتا رہتا ہے اور یہ صورت حال اتنی خطرناک ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ جن لوگوں کی رگوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس خون کسی نہ کسی حد تک پہنچ گیا ہے ان کو خدا اس بُری حالت میں مبتلا ہونے کے لئے چھوڑ دیتا ہے ظاہر بادشاہی اور حکومت کے الفاظ میں بڑی جاؤمیت سے اور بیرونی طعناں کو اس کے دیکھ کر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ کاش! ایسا اقتدار اُسے بھی حاصل ہوتا لیکن انجام اس طاقت کے حصول کا جو کچھ ہوا کرتا ہے میں تو نہیں سمجھتا کہ اس کو دیکھ کر اپنی نسل اور اپنے خاندان کے متعلق کوئی اس انجام پر بخوشی راضی ہو سکتا ہے۔

یقیناً بعض خاص لائقوں سے مزہ لوٹنے کا موقعہ ان لوگوں کو مل جاتا ہے لیکن بڑی بھاری قیمت اس کی ان کو ادا کرنی پڑتی ہے شاید یہی کچھ مصلحت اس بات کی نظر آتی ہے جو اہل بیت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں سیاسی اقتدار مسلمانوں کا کبھی مستقل نہ ہو سکا حالانکہ یہ ظاہر حالات ایسے تھے کہ سب سے پہلے اس اقتدار کے مالک ہی ہو سکتے تھے عباسیوں نے محض ان کے نام کے ناجائز استعمال سے حکومت حاصل کی تھی البتہ جب حکومت مل گئی تو بجائے اہل بیت رسول اللہ کے سادات کی تعبیر عباسی طالبین سے کرنے لگے گویا ابوطالب و عباس دو بھائیوں کی اولاد کے درمیان یہ جھگڑا تھا، ہر حال سی کے ساتھ اس کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حکومت کے سوا دوسری چیزوں جتنی خدمت دین کی سادات سے بن آئی ہے دوسرے خاندانوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی ۱۲

عباسی حکومت کا تختہ الٹ دینے کا منصوبہ

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حنی سادات کی یہ کش مکش معمولی مقامی کش مکش کی نوعیت نہیں رکھتی تھی بلکہ سارے اسلامی ممالک میں ارادہ کیا گیا تھا کہ زمین کو تیار کر کے ایک دن میں عباسی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ اندر ہی اندر یہ سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے اور ٹھیک ایک مقررہ تاریخ میں بغاوت کا اعلان کر دیا گیا۔ حالت اتنی نازک ہو گئی تھی کہ مہصر بن کی رائے الیافعی نے نقل کی ہے کہ

قال اولولہ السعادتہ لسل عرشہ ۲۹۹ ج ۱ اگر منصور کا اقبال نہ ہوتا تو اس کا تخت الٹ چکا تھا

حنی سادات کی اس جدوجہد کے تفصیلات تو تاریخ میں پڑھئے مجھے یہاں صرف اتنی بات عرض کرنی ہے کہ نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم جن کی جدوجہد کا مرکز بصرہ قرار دیا گیا تھا غلہ بصرہ کے اُن کے نمائندے کوفہ میں بھی مخفی طور پر بیعت لوگوں سے لے رہے تھے اور یہاں کافی کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں یہ فقرہ تقریباً اکثر تاریخوں میں پایا جاتا ہے کہ حکومت عباسیہ کو الٹ دینے کے لئے

مائة الف سيف كامن له بالكوفة ایک لاکھ تلواریں کوفہ میں ان کے لقمہ چھپی ہوئی تھیں

۲۹۹ الیافعی ج ۱ وغیرہ

ابو جعفر کو اطلاع

ابو جعفر اپنے کیمپ سے سیدھا بھاگا ہوا "جو کوفہ" ہی پہنچا اور سلطنت کے دوسرے مقامات پر نہیں گیا اُس کی وجہ بھی غالباً معلوم ہوتی ہے کہ منصور کو اس کی اطلاع پہنچائی گئی ہوگی کہ سب سے بڑا مستحکم محاذ مدینہ کے بعد حکومت کے خلاف کوفہ میں قائم کیا گیا ہے کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن موسیٰ جو منصور کے بعد عباسی حکومت کا خلیفہ ہونے والا تھا منصور نے اس کو بلا کر کہا تھا۔

"بھائی! یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس سے غرض صرف میرا اور تمہارا خاتمہ کرنا

ہے اب ڈوہی حال ہے مدینہ تم جاؤ اور میں کوفہ میں رہوں یا میں مدینہ

نوج سے کر جاتا ہوں اور کوفہ کی نگرانی تم کرو" ۳۰۰ کامل وغیرہ

چونکہ عیسیٰ ہی مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا اس لئے منصور جیسا کہ گذر چکا مصلیٰ بچھا کر پچاس دن تک اسی پر پڑا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ ہمارا سربراہ عیسیٰ کے سامنے جاتا ہے یا ابراہیم کا ترہمارے سامنے آتا ہے۔

عباسیوں کے خلاف اس سب سے بڑی انقلابی تحریک میں امام ابو حنیفہ کا حصہ

جیسا کہ میں نے عرض کیا اس انقلابی تحریک کے تفصیلی واقعات کے ذکر کی گنجائش اپنی اس کتاب میں نہیں پاتا خام طور پر کتابوں میں وہ لکھتے ہوئے ہیں لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ عباسی حکومت کو اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی میں ایک ایسے خطرے کا سامنا کرنا پڑا جس کی نظیر نائبا عباسیوں کی سیکڑوں سال کی تاریخ میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے مدینہ منورہ میں امام مالک فتویٰ دے چکے تھے کہ عباسیوں نے مسلمانوں پر جبر کر کے بیعت لی ہے اور جبری قسم یا یہیں نہ واقعی قسم ہے اور نہ یہیں نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ تمام مورخین نے لکھا ہے بجز

اس حکومت بھی عجیب چیز ہے بنی امیہ کے مقابلہ میں بنی ہاشم کے نام سے تحریک اٹھائی گئی جب حکومت ہاشمیوں کے ہاتھ میں آگئی تو عباسیوں نے اپنے مقابلہ میں طاہریوں کا ایک گروہ قائم کر دیا مگر جس کام کی بنیاد خود غرضی پر ہو وہ اسی نقطہ پر پہنچ کر ختم کیے ہو جاتا حالانکہ السفاح نے ابو جعفر منصور کے بعد باضابطہ ولی عہد اسی بنی ہاشمی عباسی کو قرار دیا تھا لیکن اقتدار کے حاصل کر لینے کے بعد ابو جعفر کی نیت میں خور پیدا ہو گیا اندرونی طور پر اس فکر میں لگ گیا کہ بجائے عیسیٰ کے اپنے بیٹے مہدی کو اپنا جانشین مقرر کرے کہتے ہیں کہ عیسیٰ جس وقت مدینہ جائے پر تیار ہو گیا تو منصور نے اس کو درخواست کر لیا کہ بعد اپنے خاص حاشیہ نشینوں سے کہا کہ میرا دونوں حال میں بھلا ہے اگر محمد نفس زکیہ ختم ہوئے جب بھی اور عیسیٰ قتل ہو گیا جب بھی دونوں میں سے کسی کے قاتل اور مقتول ہونے کی سمجھ کوئی پروا نہیں صلی اللہ علیہ وسلم کا دل وغیرہ ج ۵ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کی غیر دینی سیاست کتنی گندہ اور ناپاک چیز ہے ۱۲

گذر چکا کہ بیعت یتے ہوئے عباسیوں کا دستور تھا کہ طلاق وغیرہ کو بھی شریک کر دیتے یعنی معاہدے کی خلاف

معدودے چند آدمیوں کے

لم تختلف عن محمد من وجوه الناس
مدینہ میں ایسا کوئی قابل ذکر آدمی نہ تھا جس نے
ان کی رفاقت نہ کی ہو

۱۹۷۵ء ج ۵

عہد نبوت کی کھودی ہوئی خندق جو پٹ چلی تھی نئے سرے سے کھودی گئی گویا مدینہ میں ڈیرہ
سال بعد ایک ایسا نقشہ قائم کر دیا گیا تھا کہ لوگوں کے سامنے معلوم ہو رہا تھا کہ نبوت کا مقدس
عہد پھر ان کے سامنے ہے جن جن صوبوں میں نفس زکیہ کے نمائندے بھیجے گئے تھے کم و بیش ہر جگہ
ان کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہو چکی تھی لکھا ہے کہ دجلہ کے کیسپ نے بھاگ کر جب منصور کو فہ
میں اپنے مصلے پر آکر جاتا تھا تو جیسا کہ ایلیانسی وغیرہ نے لکھا ہے۔

کان کل یوم یراتیه فتق من ناحیہ
روزانہ مختلف صوبوں سے بغاوت کی خبریں
اس کے پاس آرہی تھیں۔

ایلیانسی ۱۹۷۵ء ج ۱

خیر وہ تو جو کچھ ہو رہا تھا ہو ہی رہا تھا مجھے تو یہ بیان کرنا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا اس انقلابی
تحریک میں کیا حصہ تھا ابراہیم صانع کے قتلے میں امام کے مسلک کی تفصیل گزر چکی اس تحریک
سے پہلے امام انتظار کرو اور دیکھو! کے رویہ پر قائم تھے، بتا چکا ہوں کہ کسی باغی بطلہ اجتماعی
تنظیم کے بغیر انفرادی طور پر کسی ایسے خطرے میں اپنے آپ کو جھونک دینا جس کا نتیجہ قتل ہو جانے
کے سوا اور کچھ نہ ہو اس کے وہ مخالف تھے ایسے زمانہ میں حق کے بڑھانے کے امکانات سے ممکنہ
حد تک فائدہ اٹھانے کی کوشش میں مشغول رہنا یہی ان کا مسلک تھا اس باب میں جو نمونے
امام نے چھوڑے ہیں ان کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔

انقلابی تحریک کے متعلق حضرت امام کا اظہارِ خیال

لیکن اب وقت بدل گیا تھا وہ سارے شرائط اپنی انتہائی مشکلوں میں پورے ہو چکے تھے
جن کے بعد حق کی حمایت میں اپنے فرض سے سبک دوش ہونے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہا تھا

و نہ ہی کی صورت میں بیعت کرنے والے کی بیوی کو طلاق پڑ جائے گی جب مدینہ میں خراج کا مدھیہ آلودوں نے
پنے اپنے اس معاہدے کا ذکر کیا امام ائمہ فتویٰ دیکر جبری طلاق ہو چکی تھی چنانچہ ان کی بیعت پر طلاق
لکھ لیس شی جبر جس سے طلاق دلائی جائے اس کی طلاق نہیں چلتی اس کی بنیاد یہی ہے۔

بڑی سے بڑی اجتماعی تنظیم جو ممکن تھی اس کا جال سارے اسلامی ممالک میں پھیلا یا جا چکا تھا اور امام کی شرط کے وہ الفاظ کہ

رجل یدرس علیہم مامونا علی اس اجتماعی تحریک کی باگ کسی ایسے آدمی کے ہاتھ میں ہو جو اللہ کے دین کے معاملہ میں محفوظ ہو۔

یعنی دینی اور ایمانی حیثیت سے اس پر کامل بھروسہ کیا جاسکتا ہو۔ محمد نفس زکیہؐ لوہ ان کے بھائی ابراہیم جن سے براہ راست امام کا سابقہ عقاد و لوں کے دلوں پر لحاظ سے اس معیار پر پورے اتر رہے تھے بلکہ بعض کتابوں میں تو لکھا ہے کہ جیسے محمد بن عبد اللہؐ کو ان کی عبادت ریاضت زہد و تقویٰ کی وجہ سے لوگ نفس زکیہؐ کہتے تھے اسی طرح ابراہیم ان کے بھائی "نفس رضیہ" کے خطاب سے مشہور تھے اور یہ واقعہ ہے کہ علاوہ شجاعت و بہادری بے ہنگامی و جفاکشی کے جو اولاد علی کے فطری خواص میں دینی زندگی دونوں بھائیوں کی قابل رشک بنی ہوئی تھی ان کے ان ہی فطری صفات نے لوگوں کو ان پر جمع کر دیا تھا۔

سے وہ لوں بھائیوں کی جفاکشی اور اللہ کی راہ میں شدائد و مشکلات کے برداشت کرنے کی جو غیر معمولی صلاحیتیں تھیں ان کا اندازہ ان بزرگوں کی سوانح عمریوں کے پڑھنے ہی سے کچھ ہو سکتا ہے طبری نے لکھا ہے کہ ابو جعفر منصور کو جب ان دونوں بھائیوں کی اندرونی تحریکوں کا پتہ چلا تو ان دونوں کی گرفتاری کا اس نے عام حکم اپنے ممالک عرب میں جاری کر دیا تھا دونوں بھائی روپوش ہو گئے ابتدا میں ان کا یہ حال تھا کہ جس قہر میں پہنچتے خلافت کے لوگوں کو خبر ہو جاتی اور گرفتاری کا ارادہ کرتے اسی طرح مختلف شہروں میں چھپتے چھپاتے آخر میں دونوں نے یہ طے کیا کہ کسی دروازے میں پناہ لینا چاہیے اسی نیت سے عدن پہنچے اور جہاز میں سوار ہو کر سندھ کے کسی مقام میں بھی کچھ دن مقیم رہے لیکن حکومت نے سندھ میں بھی چھپنے نہ دیا وہاں کے گورنر کو خبر ہو گئی تنگ آکر پھر عرب لوٹے اور جب ہر طرف سے خبریں آنے لگیں کہ لوگ تیار ہو چکے ہیں تب خدیج کا اعلان کر دیا طبری نے لکھا ہے کہ ایک جاہلیہ جو اس سفر میں فتنے کے ساتھ تھی کہتی تھی کہ پانچ سال سے ہمارا حال ہے کہ کسی ایک جگہ کچھ دن بھی نہ رہ سکے آج فارس میں کل کرمان میں ہرموں جہاز میں کچھ دن دلیہ میں رہے پھر یمن میں کچھ وقت گذرایں یہی سے ہم لوگ سندھ پہنچے تھے (طبری واقعات ۱۳۷) مواصلات کے مشکلات حکومت کی مخالفت اور اس حال میں ان بزرگوں کی ان اولاد العزیموں کا اندازہ کیجئے آج ان ہی مسلمانوں کی اولاد دنیا میں ہے شاید ان کے لئے ان جفاکشیوں کا تصور بھی ناممکن ہے ۱۲

انقلابی تحریک کی علی الاعلان حمایت

بہر حال عہد انتظار کے کام سے امام فارغ بھی ہو چکے تھے، یہ اُن کی خوش قسمتی تھی کہ جب وہ کام پورا ہو گیا تو ضلے ان کے سامنے ان کی سب سے بڑی آرزو کی تکمیل کا موقعہ بھی بڑی نیا ضی کے ساتھ فراہم کر دیا۔ الیاضی نے لکھا ہے کہ کوفہ میں ابراہیم کی حمایت پر لوگوں کو تیار کرنے کا کام جو لوگ کر رہے تھے ان میں سب سے زیادہ امتیاز امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھ شہر کوفہ کے چند دوسرے خواص مثلاً ابراہیم ہشیم ابو خالد الاحمر عیسیٰ بن یونس، عباد بن العوام، یزید بن ہارون وغیرہ تھے ان میں ہر ایک شخص بڑی بڑی کثرتوں کا قبلہ بنا ہوا تھا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زید شہید کی رفاقت اور حمایت کے قصہ میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں حتیٰ الوسع امام اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن اس دفعہ امام کا رنگ بدلا ہوا تھا وہ اپنے کام سے فارغ ہو چکے تھے اور اب صرف

ایک مرگ ناگہانی اور ہے

کا واحد مرحلہ ان کے سامنے تھا، عمر بھی کافی ہو چکی تھی یعنی (۶۶) سال کے لگ بھگ ان کا سن پانچ چکا تھا بالاتفاق مورخین نے لکھا ہے کہ ابراہیم کی اعانت و حمایت میں

کان ابو حنیفۃ یجاہدا ہرما دیاہم ابراہیم کی رفاقت پر امام ابو حنیفہ لوگوں کو علائہ بالخروج معہ۔ الیاضی الشامی ص ۱۱۱ اُبھارتے اور لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ اُن کے ساتھ ہو کر حکومت کا مقابلہ کر۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ حکومت کے انتقام اور دایہ گیر سے قطعاً بے پروا ہو کر علائہ ابراہیم کی حمایت کا دم بھرنے لگے اور نہ صرف خود بلکہ جو بھی ان کے زیر اثر تھا اس کو ابراہیم کی حمایت پر آمادہ کرتے تھے بلکہ امر کے اصطلاحی معنی اگر لے جائیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کا ساتھ دے کر حکومت ظالمہ کے مقابلہ کو فرض قرار دیتے تھے اور کیسا فرض شاید میں نے کسی موقعہ پر ذکر بھی کیا ہے یعنی کوفہ کے مشہور محدث ابراہیم بن سدید کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے ابراہیم بن عبد اللہ بن حسن کے خدو ج کے زمانہ میں دریافت کیا کہ حج جو فرض ہے اس کے ادا کرنے کے بعد آپ کا کیا خیال ہے حج کرنا زیادہ بہتر ہے یا اس شخص یعنی ابراہیم کی رفاقت میں حکومت سے مقابلہ کرنا زیادہ ثواب کا کام ہے ابراہیم بن سدید کہتے ہیں کہ سننے کے

ساتھ میں لے دیکھا کہ ابو حنیفہ کہہ رہے ہیں۔

کہ اس جنگ میں شرکت ایسے پچاس حج سے زیادہ افضل ہے صریحاً

اسی طرح حسین بن سلمہ الرجبی یہ روایت کیا کرتے تھے کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا
امام ابو حنیفہ سے ابراہیم بن عبد اللہ کے زمانہ میں پوچھ رہی ہے کہ میرا لڑکا ابراہیم کی تائید
کر رہا ہے اور میں اس کو منع کرتی ہوں مگر نہیں مانتا امام نے عورت سے کہا کہ دیکھو! ایسے نیک
کام سے اپنے لڑکے کو نہ روک۔ حماد بن اعین بھی کہتے ہیں کہ اُس زمانہ میں ہم دیکھتے تھے
کہ لوگوں کو امام ابو حنیفہ ابراہیم کی امداد و نصرت پر آمادہ کر رہے ہیں اور ہر ایک کو ان کی پیروی
پر اور رفاقت کا حکم دے رہے ہیں۔ امام کا اس معاملہ میں کیا حال تھا؟ لوگوں کو حکومت
سے ٹکرا جانے کا مشورہ دیتے اسرار اور کثنی بے خونی سے دے رہے تھے اسی سے اندازہ کیجئے کہ
ان کے براہ راست شاگرد امام زعفر بن ہذیل کی یہ شہادت ہے کہ

کان ابو حنیفۃ مجھیں بانگلا مرایاہ ابراہیم ابراہیم کے زمانے میں امام ابو حنیفہ علانیہ بلند آواز سے
جہاراً شلیداً مٹا گفتگو کرنے لگے اور بہت زیادہ بلند آواز سے

ابو جعفر کوفہ میں

”جہاراً شدیداً“ کے الفاظ پر غور کیجئے اور عو پتے کہ اسی کوفہ میں ابو جعفر منصور اپنے مصطفیٰ پر
بیٹھا ہوا ہے ہرنانہ کے اور ہرموز پر بلند ہر گلی اور ہر کوچہ میں اس کے جاسوس پھیلے ہوئے ہیں جو
دم دم کی خبریں اُسے پہنچا رہے ہیں جیسا کہ الیافعی نے لکھا ہے کہ منصور
نزل الکوفۃ حتیٰ یا من غائلۃ اہلہامۃ^{۲۹۸} کوفہ میں آئے ٹہرا ہی اس نے تھا تا کہ اس کے فتوں پر قابو رکھے
اسی لئے اس نے سارے شہر میں منادی کرادی تھی کہ جس کے بدن پر سیاہ لباس نہیں دیکھا
جائے گا قتل کر دیا جائے گا الیافعی ہی نے یہ بھی لکھا ہے۔

وجعل یقتل کل من اتهمہ او جس پر ابراہیم کی امانت یا ہمدردی کا شبہ ہوتا اس کو
بمحبسہ^{۲۹۸} قتل کرنے لگا یا قید کرنے لگا۔

ایسی صورت میں امام کا ”جہاراً شدیداً“ ساتھ ابراہیم کی حمایت میں لوگوں کو آمادہ
کرنا یقیناً اس فیصلے کی خبر دیتا ہے۔ جو امام اپنے متعلق کرچکے تھے اس سلسلہ میں ان کو کس حد تک
کامیابی حاصل ہو رہی تھی اس کا اندازہ مورخین کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ ایک لاکھ تلوار کوفہ

میں میانوں سے حکومت کے خلاف چلنے کے لئے نکلی ہوئی تھی نہ صرف کوفہ ہی ان کی تبلیغی جدوجہد سے متاثر تھا بلکہ کامل وغیرہ میں جو یہ ہے کہ

”پیہم عراق کے شہروں مثلاً بصرہ، اہواز، واسطہ، مدائن، سواد، دیہی علاقہ، سے خبریں منصور کے پاس یہ آرہی تھیں کہ وہاں کے لوگ بدل گئے“

اور دوسری طرف یہ حال تھا کہ

”ایک لاکھ سپاہی کوفہ میں تلواریں سونتے صرف ایک آواز کے منتظر تھے“

منہاج کامل

لکھا ہے کہ ان حالات سے پریشان ہو ہو کر منصور کی زبان پر عریض کا وہ شعر جاری ہو جاتا جس کا ترجمہ ہے کہ

میں نے تو اپنی جان نیزے کی اتنی پرچڑھا دی ہے۔ ہر رئیس اور سردار کو یہی کرنا چاہیے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ ان حالات کے پیدا کرنے میں امام کے ”جہاڑا شدیداً“ والی تقریریں اور میانوں کو دخل نہ تھا اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب کوفہ پر چڑھائی کرنے کے لئے ابراہیم بصرے سے روانہ ہوئے ہیں تو ابوالفداء نے یہ لکھنے کے بعد

اجابہ جماعۃ کثیرۃ من الفقہاء
واہل العلم
کی حامی بھری

لکھا ہے کہ :-

ابراہیم کی فوج کا جائزہ لیا گیا تو ایک لاکھ سپاہیوں کے نام معلوم ہوا کہ

درج رجسٹر ہو چکے ہیں ص ۳۵ ابوالفداء ج ۲

عباسیوں کے جہاد کے متعلق حضرت امام کا فتویٰ امام کے جوش و

فٹ نوٹ ص ۳۲۳

۱۰ عباسیوں کا شاہی رنگ سیاہ تھا جس کی ابتدا ابو مسلم نے کی تھی لیکن جن لوگوں کو اہل بیت سے یا عباسیوں کی

اصطلاح میں طالبین سے احمد دی تھی وہ سفید لباس پہنا کرتے تھے اسی لئے ان کو ”مبیضہ“ کہتے تھے جیسے عباسیوں کے

حامیوں کو ”المسودہ“ کہتے تھے منصور نے مذکورہ حکم اسی بنیاد پر دیا تھا کہ دوست اور دشمن میں تمیز ہو جائے ۱۲

خروج کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ نہ صرف یہی کہ فرض حج کے بعد پچاس حج کے ثواب پر ابراہیم کی رفاقت کو علانیہ ترجیح دے رہے تھے بلکہ اس سلسلہ میں کھلم کھلا یہ فتویٰ بھی امام نے دینا شروع کیا کہ اس وقت جو حالات ہیں ان کے لحاظ سے ابراہیم کی اعانت اور رفاقت اس سے کہیں بہتر ہے کہ آدمی غیر مسلم اقوام کے مقابلہ میں جا کر جہاد کرے محدثین کی ایک بڑی وجہ امام سے برہمی کی ان کا یہی فتویٰ تھا جس کی عام اشاعت ان کی طرف سے مسلمانوں میں ہو رہی تھی!

مشہور محدث ابراہیم بن محمد الفزاری جن کا زیادہ ترقیام شامی سرحد کی چھادنی "معیصہ" میں رہتا تھا اور یہاں کے سپاہیوں کی ذہنی تربیت میں ان کو بہت کچھ دخل تھا اگرچہ ابن سعد کے حوالہ ابن عساکر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کثیر الخطار فی الحدیث و حدیثوں کے بیان کرنے میں بہت زیادہ غلطیاں ان سے سرزد ہوتی ہیں یہ ظاہر حافظہ کی کمزوری کا نتیجہ تھا اور نہ عدل یعنی کردار کے لحاظ سے لوگ ان کے بڑے مداح ہیں، بہر حال ان ہی ابراہیم الفزاری کا مشہور قصہ ہے "خطیب نے اپنی تاریخ بغداد میں ان ہی کے حوالہ سے اس قصے کو بیان کیا ہے حاصل یہ ہے خود کہتے تھے کہ میں معیصہ میں تھا کہ وہیں مجھے یہ خبر ملی کہ میرے بھائی حسن نے ابراہیم طابلی کا ساتھ دیا تھا اسی جنگ میں وہ کام آیا میں اس خبر کو سن کر سیدھے کوفہ پہنچا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ میرے بھائی کو ابو حنیفہ نے فتویٰ دے کر قتل کرایا ہے، میں ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ تم ہی نے میرے بھائی کو فتویٰ دے کر اس طابلی کی رفاقت پر آمادہ کیا، ظاہر ہے کہ یہ سوال امام سے اس وقت کیا گیا تھا جب ابراہیم کی قہم قطعی طور پر ناکام ہو چکی تھی۔ لیکن امام جس حال میں تھے جانتے ہوتے کہ یہ عباسیوں کی پارٹی کا آدمی ہے جو واقعہ تھا اس کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کہ ہاں! میں ہی نے اس کو خروج یعنی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کا فتویٰ دیا تھا ابراہیم نے کہا کہ یہ سن کر میں نے کہا کہ لا جزاں اللہ خیرا خدا سے اس کا اچھا بدلہ تجھے نہ ملے، امام نے فرمایا کہ میری یہی بات ہے اور اس کے بعد ابراہیم کو مخاطب کر کے فرماتے لگے کہ

لے الطابی سے اشارہ اسی مسئلہ کی طرف ہے کہ بجائے اہل بیت کی طرف منسوب کرنے کے عباسیوں کے غیور و پدلی، نے آل فاطمہ کو عباسیوں کے مقابلہ میں طابلی کہنا شروع کیا تھا ابراہیم کے اس لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عباسیوں میں ٹہرے تھے ان کے حالات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ عباسی دور میں ان کا بڑا اعزاز تھا، ہارون کے زمانے میں وفات ہوئی۔ ہارون ان کی بڑی تعریفیں کیا کرتا تھا ۱۲

کہ تم بھی اگر اپنے بھائی کے ساتھ شہید ہو جاتے تو وہاں سے تم آئے ہو۔
(یعنی کفار کے مقابلہ میں مصیصہ کی جہادنی) سے جو تم آئے ہو وہاں کے
قیام سے یہ بات تمہارے لئے بھی بہتر ہوتی ^{۳۷۶}ج ۱۳ تا سبج بغداد۔

بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ امام نے فرمایا کہ اگر تم بھی وہیں پلے جاتے جہاں
تمہارا بھائی گیا تو تمہارے لئے بھی یہ بہت اچھا ہوتا۔ ابراہیم نے ہارون الرشید کے دربار
میں اسی قصے کو بیان کرتے ہوئے امام کی طرف یہ الفاظ بھی منسوب کئے تھے جیسا کہ ابن
اساکر میں ہے یعنی ہارون سے وہ کہہ رہے تھے۔

امیر المومنین! آپ کے حیدر مجد منصور کے مقابلہ میں جب ابراہیم نے سز نکالا
تو میرا بھائی بھی اُن کے ساتھ ہو گیا لیکن میں نے بجائے اس کے کافروں
کے مقابلہ میں جہاد کو زیادہ بہتر کیا اور ^{خیال} طے کر لیا کہ کفار ہی کے مقابلہ میں
جا کر جہاد کروں گا اسی سلسلہ میں ابو حنیفہ کے پاس بھی آیا اور اس قصے
کا اُن سے ذکر کیا انہوں نے یہ سن کر مجھ سے کہا کہ۔

(مخرج اخیک احب الی معاہزمت علیہ من الغزو) (تمہارے بھائی نے جو
کام کیا ہے وہ تمہارے جہاد کے ارادہ سے زیادہ پسندیدہ ہے ^{۳۷۷}ابن مساکر ج ۲

جس کا مطلب یہی ہوا کہ انفراری نے امام صاحب کے مشورے کو نہ مانا اور مصیصہ کی
جہادنی جو روپیوں کے مقابلہ میں شام کی سرحدی چوکی تھی وہیں چلے گئے واللہ اعلم وہاں جہاد
کا موقع کافروں کے ساتھ ان کو ملا بھی یا نہیں اتنے میں بھائی کے شہید ہو جانے کی خبر پا کر
پھر وہ کوفہ لوٹے اور دوسری گفتگو امام کی اُن سے مصیصہ سے واپسی کے بعد یہی کچھ بھی ہو حقیقت
یہ وہی مسئلہ ہے جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے ابو بکر جصاص اور حافظ ابن حزم کے حوالہ سے یہ
بیان کر چکا ہوں کہ اسلام کی ان ابتدائی صدیوں میں یعنی بنی امیہ اور بنی امیہ کے بعد عباسیوں
کے ہاتھ میں اسلامی سیاست کی باگ جب آگئی تو محدثین کے ایک طبقہ نے اپنا یہ مسلک
مقرر کر لیا تھا کہ حکومت کا اقتدار جن لوگوں کے ہاتھ میں چلا جائے خواہ کسی ذریعہ سے اقتدار
اُن کے ہاتھوں میں پہنچا ہو لیکن جب اقتدار کے وہ مالک ہو گئے تو ان کے مقابلہ میں کچھ
کہنا شرعاً ناجائز ہے خواہ ان کا طرز عمل کچھ ہی ہو مسلمانوں کے مذہب نے ان کو اس کا پابند
بنایا ہے کہ خاموشی کے ساتھ ان کے آگے سر جھکا دیں اور صبر کریں ابو بکر جصاص نے ان کے اس

مسلك کی تعبیر ان الفاظ میں کی ہے۔

ذمواصح ذلك ان السلطان لا ينكر عليه الظلم والجور و قتل النفس التي حرم الله ص ۳۷۲

اُن کا خیال ہے کہ حکومت کے ظلم و جور پر اعتراض نہ کرنا چاہیے حتیٰ کہ جن کے خون کو خدا نے حرام کیا ہے ان کا قتل النفس التي حرم الله ص ۳۷۲ بھی اگر حکومت قتل کرے تو اس کو نہ ٹوکا جائے۔

جصاص ہی نے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی من المنکر کا حکم صرف ان لوگوں تک محدود ہے جو حاکمانہ اقتدار کے مالک نہ ہوں اور ان لوگوں کو بھی صرف زبان سے تو کہنا چاہیے یا ہاتھ سے روکنے کی گنجائش ہو تو عوام کی حد تک اس کی بھی اجازت ہے مگر تلوار کسی حال میں بھی اٹھانا نہ چاہیے جصاص کے الفاظ یہ ہیں۔

انما ينكر صلي غير السلطان بالقول او باليد بغير سلاح ص ۳۷۲ ج ۲

حکومت والوں کے سوا عوام کو زبان سے تو کہا جائے یا ہاتھ سے روکا جائے لیکن ہتھیار نہ اٹھانا چاہیے جصاص ہی نے لکھا ہے کہ محدثین کا یہ گروہ جسے جصاص نے الحشویہ کے نام سے موسوم کیا ہے ان کا خیال تھا کہ حکومت کے مقابلہ میں امر بالمعروف یا نہی المنکر کی جرات ثواب نہیں بلکہ فتنہ اور فساد ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے۔ اسلامی سیاسیات کے چند بنیادی مسائل میں سے ایک بڑا اہم مسئلہ یہ بھی ہے اس کے تمام پہلوؤں پر بحث اسی کتاب میں ہو سکتی ہے جو خصوصیت کے ساتھ اسلامی سیاسیات پر لکھی جاتے تاہم چند ضروری امور کا ذکر بعد گنجائش میں یہاں کر چکا ہوں لیکن "الفزاری" نے علاوہ اس مسئلہ کے اس مقام پر دوسری چیز کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور اس وقت اسی کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ زبردستی مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر قبضہ کر کے جو بدستم کی جہنم خود مسلمانوں پر جن لوگوں نے بھڑکار رکھی ہو اپنے سیاسی اغراض کے مقابلہ میں اسلام کے نشان زدہ حدود پر قائم رہنا عملاً دیکھا جا رہا ہو کہ غیر ضروری قرار دیئے ہوئے ہیں اگر ان کے جو بدستم کے السداد کے اسباب فراہم ہو جائیں، تو اس وقت کیا کرنا چاہیے آیا ظلم و ستم کے ازالہ میں ان لوگوں کا ہاتھ بٹانا چاہیے جو اس حکومت جائزہ کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے ہوں یا یہ سوچ کر کہ کچھ بھی ہو ظالم ہو جاوے کچھ بھی ہو مگر ہے تو حکومت مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں پس ان کے مقابلہ سے منہ پھیر کر کسی ایسی جگہ چلا جانا چاہیے جہاں غیر مسلموں سے جہاد کرنے کے مواقع میسر آسکتے ہوں۔ "الفزاری" نے

اس وقت اسی مسئلہ کو چھیڑ دیا تھا ان کا اور ان کے ہم مشرب دوسرے محدثین کا خیال بھی تھا کہ کچھ بھی ہو مسلمانوں کے مقابلہ میں تلوار کسی حالت میں اٹھانا صحیح نہیں ہے اور وہ جو کچھ بھی کر رہے ہوں ان کے حال پر ان کو چھیڑ کر جہاد کے فریضہ کو کافروں کے مقابلہ میں ادا کرنا چاہیے۔

سچ پوچھتے تو یہ وہی سوال ہے جو اس زمانے میں بھی مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں زیر بحث ہے یعنی ایک طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو بنی امیہ کے سلاطین تبعیین کے مقابلہ میں بے چارے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو محل طعن و ملامت بناتے رہتے ہیں مرتضیٰ علیہ السلام سے ان لوگوں کو اس کی شکایت کہ مسلمان کفار کے مقابلہ میں مسلمان صف آرا تھے اور فتوحات پر فتوحات حاصل کئے چلے جا رہے تھے کہ حکومت کی باگ جوں ہی حضرت علی کے ہاتھ میں آئی انھوں نے کفار کے محاذ سے مسلمانوں کے رخ کو پھیر کر ان لوگوں کے مقابلہ میں ان کو کھڑا کر دیا جو خود بھی اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے تھے اور بجائے حضرت علی کے سمجھتے تھے کہ اقتدار حکومت کے صحیح اور جائز حق دار وہی ہیں۔ کہتے ہیں کہ جو مقابلہ غیروں سے ہو رہا تھا علی نے غیروں سے ہٹا کر اس مقابلہ اور مقاتلہ کو کو خود باہم مسلمانوں کے اندر قائم کر دیا سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تلوار نکلنے کی سنت سب سے پہلے حضرت ہی نے قائم کی اس سلسلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جن احسان فراموشیوں کا ارتکاب کرنے والے کر رہے ہیں، اور جن الفاظ میں اللہ کے اس برگزیدہ بندے کو یاد کرنے والے یاد کر رہے ہیں الی اللہ المشتکی کے سوا اس کے جواب میں اور کیا کیا کہا جاتا ہے ان کے دور حکومت کے نقشے کو دکھلا دکھلا کر پوچھا جاتا ہے کہ اسلامی دائرہ اقتدار میں بتایا جائے کہ زمین کا کتنا حصہ انھوں نے داخل کیا اور اسی کو دکھا کر اعلان کر دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے حکمرانوں میں علی سے زیادہ ناکام حکمران اسلامی تاریخ میں کوئی نہیں گذرا ناکامی کی دلیل یہ ہے کہ چار سال نو ماہ کی اپنی مدت حکومت میں ایک انیخ کا اضافہ بھی مسلمانوں کے فتوحاتی اطللس میں ان کے زمانہ میں نہیں ہوا بلکہ باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے مسلمانوں کی سیاسی قوت کو شدید صدمہ پہنچا۔

ظاہر ہے کہ میری اس کتاب میں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی بجلا کیا گنجائش پسید

۳۹۰ مگر بلاوری نے لکھا ہے کہ ۳۹۰ یعنی جس کے ایک سال بعد حضرت علی شہید ہوئے عمارت بن حرم العبدی
۳۹۱ حضرت علی کی اجازت سے سندھ کے بعض علاقوں پر چڑھائی کر کے فتوحات حاصل کئے تھے وہ فتوحات سندھ

ہو سکتی ہے لیکن "الفراری" کے طرف سے ہارون الرشید کے دربار میں امام ابو حنیفہ پر ہر الزام قائم کیا جارہا تھا چونکہ قریب قریب یہ وہی الزام ہے جو حضرت علی پر اس زمانے میں عائد کیا جارہا ہے اس لئے ضمناً اس کا ذکر کرنا پڑا۔

حضرت علیؑ اور غلطیہاے مضامین

باوجود دیکھنے کے جو نہیں دیکھنا چاہتے ہیں ان کو کیسے دکھایا جاسکتا ہے۔ حضرت علیؑ پر تنقید کرنے والوں کی طرف سے اس قسم کی باتیں جب میرے کانوں میں پہنچتی ہیں تو ہمیشہ دل میں یہ خیال آیا کہ علیؑ کی پھیلی زندگی پر تنقید کرنے والے ان کی زندگی کے ابتدائی خدو خدو سے اپنے آپ کو کیوں اندھا بناتے ہیں وہ اسلامی اہلس میں ایمان و مہر شام و عراق کو دکھانا خوش ہوتے ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ قادیانہ میں جو کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوئی کہ بدر کی فیصلہ کن کامیابی کے بغیر نصیب ہو سکتی تھی وہ خوش ہوتے ہیں کہ یرموک ندی کے ساحل پر معجزانہ شکست ان کے دشمنوں کو اٹھانی پڑی لیکن یرموک کی فتح پر خوشی کے شادیانے بجائے والوں سے کون پوچھے کہ اے محسن کشو! یرموک تک تم پہنچ بھی سکتے تھے اگر کھولنے والا تم پر خیبر کے پہاڑی قلعوں کے دروازوں کو نہ کھول دیتا! سچ کہتے تھے ابوہریرہ جب کسی ملک کی فتح کی خبر مدینے پہنچتی تھی کہ خیبر گواہ آئی ہے لیکن فتح کا یہ واقعہ تو اسی دن پیش آیا تھا جب مدینہ کے اطراف میں اللہ کا رسول اور رسول کے ساتھی خندق کھودنے میں مصروف تھے تم نے تو دجلہ کے کنارے دیکھا کہ سعد بن وقاص اپنی فوج کو تراتے ہوئے مدائن کی طرف بے جا رہے ہیں، لیکن دیکھنے والوں نے اسی واقعہ کو اسی وقت دیکھ لیا تھا جب مدینہ کے خندق کو پھانڈ کر عمرو بن عبدود عرب کا سوراہا اس شخص سے مبارزت طلب کر رہا تھا جس نے ایک ہی وار میں نٹو کے برابر سمجھے جانے والے اس پہلو ان کو بوٹکڑے کر کے رکھ دیا تھا، یقیناً حانظہ کمزور بھی ہوتے ہیں لیکن کیا اتنے کمزور کہ ہر دوسرے قدم کو اٹھانے کے بعد واپس سے یہ بات نکل جائے کہ دوسرا قدم اٹھ ہی نہیں سکتا اگر پہلا قدم نہ اٹھتا یہ فطرت کی انتہائی ذلت اور گندگی ہے کہ جس نے سارے جسم سے کانٹوں کو نکالا اس کے احسانوں کا صرف اس نے انکار کر دیا جائے کہ آنکھ جب کھلی تھی تو اس وقت ہمارے سامنے صرف وہی تھا جس نے آخر میں آنکھ کے کانٹوں کو کھینچ لیا تھا۔

میں نے اس کتاب پر کسی موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا وہ پرمغز اور حکیمانہ فقرہ نقل بھی کیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے دین کا داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ جاہلی (یعنی ٹیکسوں کے وصول کرنے کے لئے) خدا نے اُن کو رسول بنا یا تھا جو سب سے زیادہ آدمیوں سے ٹیکس وصول کرنے میں کامیاب ہو، اگر لوگوں کے سامنے اسلامی نقطہ نظر سے بھی وہی سب سے بڑا کامیاب ہے اور محصول ادا کرنے والوں کی تعداد میں جو اضافہ نہ کر سکا وہی اسلام کا سب سے ناکام آدمی ہے، تو اب ایسوں سے آپ ہی بتائیے کہ کیا بات کی جلتے ٹیکس ادا کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ کرنے والوں کی دنیا میں کب کمی رہی ہے آج بھی اس زمین کے کرہ پر ایسی ایسی محصول وصول کرنے والی قومیں پائی جاتی ہیں کہ ان کے محصول ادا کرنے والوں کے سامنے سے کہتے ہیں کہ آفتاب کبھی غائب نہیں ہوتا، تاریخ کی مختلف منزلوں پر ایسی قومیں اور ایسے اشخاص نظر آتے ہیں اگر فضائل و کمالات کا لے دے کہ سارا معیار محصول ادا کنندوں کی تعداد کا اضافہ ہی ہے۔ اور صرف اسی معیار کو پیش کر کر کے ملی کے مقابلہ میں بنی امیہ کی حکومت سراسی جا رہی ہے تو سراہنے والوں کا یہ گردہ اس وقت کیا کرے گا جب ان ہی کے سامنے ان کو لالا کر کھڑا کر دیا جائے جن کے محصول ادا کنندوں کی تعداد کے مقابلہ میں بنی امیہ کے محصول ادا کرنے والے شاید وہ نسبت بھی تو نہیں رکھتے جو کسی سیاہ رنگ کی گائے کے سیاہ بالوں میں ان چند سفید بالوں کی ہوتی ہے جو کہیں کہیں پیدا ہو جاتے ہیں ان سے پہلے بھی ایسوں کی کمی نہ تھی اور ان کے بعد بھی کمی نہیں رہی بلکہ شاید ان کے زمانہ میں بھی ایک سے زیادہ ایسی قومیں پائی جاتی تھیں، واقعہ بطور آہ۔

یہ تو صحیح ہے کہ رسول کے جو چوتھے جانشین تھے ان کو پہلا جانشین یا خلیفہ اول کیسے کہا جاسکتا ہے، کیا واقعہ کا انکار کیا جائے لیکن کہنے والوں نے جیسے یہ کہا ہے کہ خلافت کی یہ ترتیب بہر خلیفہ کی وفات کی ترتیب تھی ان میں سے کوئی ایک بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتا تو قدرت جنہیں رسول کی جانشینی کے شرف سے مشرف کر چکی تھی وہ اس شرف سے محروم ہو جاتے اسی طرح کم از کم میرا تو ذاتی خیال یہی ہے کہ ردہ کے داخلی فتنے سے پیغمبر کے باندے ہوئے شیرازے کو بکھرنے سے بچانے کے لئے صدیق اکبر کے آہنی ارادے کی ضرورت تھی وہ نہ ہوتے تو جو کچھ بعد کو ہوا کچھ بھی نہ ہوتا اور اندرونی فتنے کو فرو ہو جانے کے بعد اسلام کی اس جدید اجتماعی طاقت کو منتشر کرنے کے لئے ایک طرف سے رومیوں اور دوسری طرف ایرانیوں کی خارجی

قوتوں نے جب سر نکالا تو ان دونوں طاقتوں کو واپس کرنے خود ان پر چھپا جانے کے لئے فاروقی عزم و ارادہ مسلمانوں کو عطا کیا گیا اور ثروت و دولت کا جو طوفان اس کے لئے مسلمانوں کے گھر گھر میں اُبلنے لگا یقیناً اس بے ہوش و بے حواس کرنے والی دنیا کے ساتھ دینی زندگی کے مطالبات کی تکمیل شاید ممکن ہی ہو جاتی اگر خدا کے اس راست باز بندے کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے نہ ہوتا جو غنا اور تو نگری کی بند تیرت منزلوں پر پہنچنے کے بعد بھی دین کے ہر ہر جزئی مطلبے کو زندگی کے آخری لمحوں تک پوری کرتا رہا اگر ان سارے واقعات کا ظہور اسلام کی تاریخ میں ٹھیک اپنے اپنے وقت پر ہوتا رہا تو مسلمان قدرت کی اس غیبی امداد کے شکریہ سے کیا سبک دوش ہو سکتے ہیں کہ جب دین کو چاہا جا رہا تھا کہ دنیا وی جاہ و جلال شوکت و اقتدار کا صرف ایک جہلہ اور بہانے کی حقیقت عطا کر کے اُس کے سارے زور اور واقعیت کو ختم کر دیا جائے دنیا کو بھی دینی کامیابیوں کا ذریعہ بنا کر دنیا کو بھی دین بنا لیا جائے جو اسلام اس کی تعلیم دینے کے لئے آیا تھا منظرہ پیدا ہو گیا تھا کہیں اس کو بھی دنیا کی اس چلتی پھرتی چھاؤں کی تاریکیوں میں گم نہ کر دیا جائے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اس وقت سب سے بڑی فیصلہ کرنے والی قوت عین وقت پر ہر چیز سے بے پروا ہو کر وہ سب کچھ کرنے کے لئے اگر تیار نہ ہو جاتی جس کے تصور سے بھی آج مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا اسلام جو صرف دین ہے دین کے سوا اور کچھ نہیں ہے اپنے دین ہونے کی اس حیثیت کو برقرار رکھ سکتا تھا؟ سمجھنے والوں کو کون روک سکتا تھا؟

اسلام کے متعلق بھی اگر وہ یہی سمجھنے لگتے کہ جیسے بیسیوں جیلے مختلف ناموں سے سیاسی اقتدار کے حاصل کرنے کے لئے دنیا میں آئے دن تراشے جاتے ہیں پہلے بھی تراشنے والے تراشتے رہے اور اب بھی تراش و تراش کا یہ سلسلہ جاری ہے ان ہی تراشے ہوئے جیلوں میں ایک خود تراشیدہ حیلہ اسلام بھی ہے تو اہرام نگانے والوں کے اس الزام کی تردید کی آخر شکل ہی کیا ہوتی؟ ہر قسم کے اصول سے بے پروا ہو کر حصول مقصد کے لئے وقت کا جو اقتضا ہو اسے پورا کرنا چاہیے کیونکہ دین نے جب یہ کرسنے کا ارادہ کر لیا تھا بلکہ یہی کرنے بھی لگے تھے اور شاید انھوں نے یہی کیا بھی ہو؟ تو خود ہی سوچنا چاہیے کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے شائستگی اور تہذیب کے پھیلانے کے لئے کیا جا رہا ہے جیسے یورپ کی استعماری اور استبقاری قوتوں کے اس اعلان پناہی قسم کے خوش نما وعدوں کو سن کر لوگ مسکرا مسکرا کر رہ جاتے ہیں کیا اسلام کو بھی تحقیری خندوں کے ان تھپیڑوں سے کوئی بچا سکتا تھا؟ مسلمان مر رہے ہیں مارے جا رہے ہیں کٹ رہے ہیں امد کاٹے جا رہے ہیں لیکن اسلام

بچ رہا ہے اور بچا یا جا رہا ہے اس بلند حوصلہ اور فولادی عزم کے ساتھ خدا کے دین کی آخری مشکل کو بچانے کے لئے کھڑا ہونے والا اگر جل اور صغیر کے میدان میں سینہ تان کر اگر کھڑا نہ ہو جاتا تو کیا اسلام کو وہ بچا لینے میں کامیاب ہو سکتا تھا؟ جو صرف مسلمانوں کو یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں کو بڑھانا چاہتے تھے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان مسلمانوں کے ٹیکس ہندوں کو بڑھانا چاہتے تھے اور یہ طے کر کے بڑھانا چاہتے تھے کہ اسلام اس کی وجہ سے گھٹ رہا ہو تو گھٹنے دو۔

بہر حال لوگوں کا خواہ کچھ ہی خیال ہو لیکن اسلامی تاریخ کے طویل مطالعہ نے مجھے اسی نتیجہ تک پہنچا یا ہے کہ خلفاء اربعہ میں سے ہر خلیفہ کا وجود اس خاص وقت کی ضرورت کی پکار کا قدرتی جواب تھا الحیوۃ الدنیا جس میں آدمی قرآن کے رو سے کبھی خیر سے آزا یا جاتا ہے اور کبھی شر سے اسی الحیوۃ الدنیا کا وہ دور جو حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کے سامنے آگیا تھا

لے یہ جو کچھ لکھا گیا ہے جن کے سامنے اسلام کی تاریخ ہے وہی سمجھ سکتے ہیں کہ کس حد تک واقعات نے ان دعووں کا تعلق ہے اس کتاب میں سارے واقعات کی تفصیلی ذکر کا موقع نہیں ہے اتنا تو سب ہی جانتے ہیں کہ بنی امیہ کے زمانے میں ایک دفعہ نہیں متعدد مواقع ایسے پیش آئے ہیں کہ جزیہ کی آمدنی لوگوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے گھٹنے لگی تو انھوں نے اسلام میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کی خود اسی کتاب کے ابتدائی اوراق میں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے ایک واقعہ کا تذکرہ کیا گیا ہے بہر حال مسلمانوں کے بڑھانے اور اسلام کے گھٹانے کی یہ ایک جزئی مثال ہے اسی کے مقابلہ میں سنیہ بیہقی نے اپنے سنن میں نقل کیا ہے کہ بزرگ ساہور جسے غرب - بزرگ ساہور کہتے تھے ایک ضلع تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک صاحب کو وہاں کی مال گلداری کے وصول کرنے پر مقرر فرمایا رخصت کرتے ہوئے ان صاحب سے حضرت علی نے فرمایا کہ دیکھنا! ایک درم کے وصول کرنے پر بھی کسی کو کوڑے سے نہ مارنا اور ہرگز ہرگز ذی رعایا کی ان چیزوں کو بقایا میں نیلام نہ کرنا یعنی روز کی روزی کا ان کے جو ذریعہ ہو گئے اور سرباز کے لباس اور ان کے مویشی جن سے کاشت اور بار برداری وغیرہ کا کام لیتے ہوں ان کو ہاتھ نہ لگانا اس شخص نے حضرت علی سے کہا کہ امیر المؤمنین! پھر تو میں اسی طرح واپس ہو جاؤں گا جیسے جا رہا ہوں یعنی کچھ وصول نہ ہو گا مرتضیٰ علیہ السلام نے یمن کو فرمایا خواہ تم اسی طرح واپس ہی کیوں نہ ہو جاؤ پھر فرمایا تجھ پر چھ انیسویں! مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے لوگوں سے العفو لیں یعنی زندگی کی ان ضرورتوں سے جو بچے جلتے آتش لوں اور دیکھو ہرگز ذی رعایا

یعنی ایک طرف اسلام تھا اور دوسری طرف مسلمان تھے ان دونوں چیزوں میں پیدا کرنے والوں نے ایک ایسا تعلق پیدا کر دیا تھا ایک کو اگر پکڑا جاتا ہے تو دوسری چیز بگڑتی ہے پھر کیا کیا جائے ایک ایسا مشکل مسئلہ تھا کہ قضاہم کی قوت فیصلہ اگر مسلمانوں کو اس وقت نہ مل جاتی تو ممکن تھا کہ مسلمان نام رکھنے والی کوئی قوم دنیا میں رہ جاتی لیکن اسلام بھی باقی رہتا یا نہیں اس کی پیش گوئی مشکل تھی اور سچ تو یہ ہے کہ اسلام کے غائب ہو جانے کے بعد یہ کہنا کہ مسلمان قوم تو باقی رہ گئی کچھ بے معنی سی بات ہے۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو صف آرا کرنے میں لوگ کامیاب ہو چکے ہیں مسلمانوں کے امام اور خلیفہ کے سامنے ایک عجیب صورت حال پیش ہوئی ہے کیا کیا جائے ان کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی بھی جائے یا نہ اٹھائی جائے پھر تو جنگ میں ان کے ساتھ بھی وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے ان کے زخمیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے شکست کھانے والے جس مال متاع کو چھوڑ کر بھاگیں گے اس کا انجام کیا ہوگا؟ الغرض یہ اور ایسے بیسیوں پریشان کن سوالات تھے جنہیں وہی حل کر سکتا تھا جسے پیغمبر کی زبان نے مسلمانوں کا سب سے بڑا قاضی قرار دیا تھا قدرت کی ان مصلحتوں کو کون جانتا تھا کہ اسلام جب ان الجھنوں سے دوچار ہو گا تو الجھنوں کی سب سے بڑی سلجھانے والی طاقت کے ہاتھ میں اسلام کی سیاسی باگ اسی زمانے میں آجائے گی امام ابوحنیفہ کا اسی سلسلہ میں ان کے مشہور شاگرد و نوح بن دراج جو یہ قول نقل کر رہے کرتے تھے یعنی جب حضرت علی کے زمانے کے واقعات رحل و صفین کے متعلق امام سے پوچھا جاتا تو نوح کہتے ہیں کہ امام اس کے جواب میں فرماتے کہ

ساد علی فیہ بالعدل وهو علم
المسلمین السنة فی قتال اهل البغی
علی نے ان مواقع میں عدل کی روش اختیار کی اور
مسلمان باغیوں کے ساتھ اسلامی حکومت کو کب
برتاؤ کرنا چاہیے اس کے قوانین حضرت علی ہی نے سکھائے

اور بتایا؛

امام کے ان مختصر الفاظ کی وہی تشریح ہے جو میں نے اس سے پہلے درج کی "عدل کی روش" سے مراد رضی علیہ السلام کے اس متوازن فیصلہ کی طرف اشارہ ہے جسے انھوں نے اس موقعہ پر صادر کیا۔

یہ اہل بغی کے ساتھ جنگ کے قوانین سوا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گواہ واقعہ بعد کئی

آیا لیکن وقوع سے برسوں پہلے قرآن میں آیت نازل ہو چکی تھی یعنی

وَأَن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتُلُوا ۖ إِيْمَانُ وَالْوَلَاءُ مَعَهُ مَكْرُوهُ أَلَيْسَ فِي لَظْفِ هَذِهِ آيَاتٌ لِّتُؤْمِنُوا بِهَا ۚ
فَقَاتِلُوا الْمُتَافِقِينَ حَتَّىٰ يَخْضَعُوا لِلْحِمْيَارِ ۚ
خدا کے فیصلہ پر معاملہ جاد یعنی جو حق پر ہودہ غالب ہو جائے

لیکن ظاہر ہے کہ جیسا کہ قرآن کا قاعدہ ہے جس قانون کو بھی اس نے دیا ہے اسی قسم کے اجمال کے رنگ میں دیا ہے، اس وقت اندازہ کرنا مشکل ہے لیکن پہلی دفعہ جب یہ صورت حال پیش آئی ہوگی قرآن کے اس اجمالی قانون کے تمام تفصیلات کا سوچنا اور ہر ایک کے متعلق فیصلہ صادر کرنا کتنا دشوار ہوگا لیکن جنگ جمل و صفین کے حالات پڑھتے اور دیکھتے اس کو کھلا دینے والے ماحول میں بھی مرتضیٰ علیہ السلام نے کتنے ٹھنڈے دماغ سے ہر موقع پر اس کے مناسب حال رائج قائم کی ہیں ان پر خود عمل کیا ہے اور جہاں تک آپ کے امکان میں تھا دوسروں سے

۱۔ خود مرتضیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھ بعض دوسرے جلیل القدر صحابیوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے لوگوں کو ان آئندہ پیش آنے والے واقعات بلکہ ان کے جزئیات تک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلع فرما دیا تھا مرتضیٰ علیہ السلام بسا اوقات اس کا اظہار بھی فرمادیتے تھے لکڑے سلسلہ میں ان کے سارے اقوال اگر جمع کر دیئے جاتیں تو کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ بعد کو ہوا سب پہلے سے معلوم تھا! حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خاص صحابی جن کا نام حذیفہ بن یمان تھا ان کی خصوصیت ہی یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار سے وہ واقف تھے صاحب السریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سے لوگ ان کو مخاطب کیا کرتے تھے لکھا ہے کہ جس زمانے میں حضرت عثمان شہید ہوئے وہ کوفہ میں تھے شہادت کے بعد کوفہ خیر پہنچی لوگوں نے حضرت علی کا خلافت کے لئے انتخاب کیا ہے باوجودیکہ حضرت حذیفہ بیمار تھے لیکن مسجد جامع شریف لائے لوگوں کو جمع کر کے اعلان کیا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس دن تک میں زندہ رکھا گیا اور فرمایا کہ لوگو! اس کے بعد بہت سی لڑائیاں پیش آنے والی ہیں تو تم لوگ گواہ رہو اس کے بعد اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے فرمایا اللہم لشہدانی بایعت علیا رآہ خدا تو گواہ رہے میں نے علی کے ہاتھ پر بیعت کی پھر اپنے دونوں بیٹوں جن کا نام صفوان اور سعد تھا حکم دیا کہ علی کی صف میں جا کر شریک ہو جاؤ حضرت حذیفہ کا سات دن بعد انتقال ہو گیا اور دونوں صاحبزادے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رفاقت میں شہید ہو گئے۔

عمل کرایا ہے۔

خدا جلنے لوگ کس طرح سوچتے ہیں، میرا حال تو یہ ہے کہ حضرت امام نے جیسے یہ فرمایا کہ اہل بغداد سے بزرگ کے قیادت کے تحت تعلیم حضرت علی ہی نے دی، اسی کے ساتھ میں یہ کہتا ہوں کہ حکومت کے جس نظام کو اسلام نے پیش کیا ہے اس میں شک نہیں کہ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک نے اپنے عملی نمونوں سے اس نظام پر عمل کر کے دکھایا ہے لیکن یہ بات کہ اپنے اس نظام کے قائم کرنے پر اسلام کو اتنا اصرار ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے مسلمانوں کا خون پانی سے زیادہ ارزاں نظر آنے لگے لیکن قیامت پر اس نظام کے قائم کرنے کی کوشش میں مسلمانوں کو آخر وقت تک منہمک رہنا چاہیے اسلامی نظام سیاست میں اتنی اہمیت صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عملی نمونے پیدا کر دی ہے اس راہ میں ادنیٰ سی ادنیٰ چشم پوشی یا مسامحت سے اگر وہ کام لیتے تو شاید نتیجہ نکالنے والے بعد کو نتیجہ نکال لینے کا اس کو بہانہ بنا لیتے کہ حکومت کے جس معیار کو خلفاء راشدین نے دنیا میں قائم کر کے دکھایا تھا، اُنھی تو وہ ایک معیاری حکومت لیکن اس میں ان بزرگوں کی ذاتی نیک نفسیوں کو دخل تھا خواہ مخواہ حکومت کے اسی قالب پر اصرار کرنے کی ضرورت مسلمانوں کو نہیں ہے جیسا کہ ایک بڑا گروہ خواہ زبان سے اس کا اظہار کرتا ہو یا نہ کرتا ہو لیکن دل میں شاید یہی سمجھتا رہا یا ممکن ہے اب بھی سمجھتا ہو لیکن صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طفیل ہے کہ عمل کر کے انھوں نے جو کچھ دکھایا یا زبان سے جو کچھ فرمایا وہ تو خیر اپنی جگہ

۱۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی باتیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عام زندگی تھی کہ خلیفہ ہونے کے بعد مسلمانوں کے بیت المال میں آپ نے ہمیشہ اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے اسی قدر دیا جتنا کہ کسی دوسرے مسلمان کو ملتا تھا ایک نصرانی ذی رعایا کے مقابلہ میں قاضی شریعہ کے اجلاس میں مقدمہ پیش ہوتا ہے یعنی حضرت علی کی ایک زرہ گم ہو جاتی ہے ایک عیسائی کے پاس ملتی ہے اور آپ دعویٰ دائر کرتے ہیں قاضی حضرت علی سے شہادت کا مطالبہ کرتا ہے آپ فرماتے ہیں کہ گواہ کوئی نہیں ہے قاضی شریعہ زرہ عیسائی کو دلویتے ہیں اور خلیفہ وقت مقدمہ پارچا کرتا ہے اگرچہ بعد کو خود عیسائی اس انصاف کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ واقعی یہ زرہ آپ ہی کی ہے فلاں دن پھیر میں گہری تھی اور میں نے اٹھالی تھی حضرت اس کے مسلمان ہونے کی خوشی میں زرہ بھی بخش دیتے ہیں اور منام میں ایک گھوڑا بھی دیتے ہیں ایک دن بازار سے ایک درم کے کھجور خرید کر چادر میں باندھے لے چلے جاتے ہیں امیر المؤمنین اب مجھے دیئے لوگ عرض کرتے ہیں لیکن فرماتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنے اہل و عیال کا باخود اٹھانا چاہیے دنیا سے جاتے ہیں تو اس طور پر جاتے ہیں کہ اینٹ پر آپ نے کبھی اینٹ نہیں رکھی، مکان

ہی نہیں بنایا صرف ڈھاتی سودرم ترکہ میں چھوڑ کر جاتے رہے اور وہ بھی اس لئے رکھ چھوڑے تھے کہیں ایران و عراق و خراسان، ترکستان کے بلو شاہ کی بیوی صاحبہ کے لئے ایک خادمہ کے خریدنے کی ضرورت تھی مگر وہ سامان میں علاوہ اس ڈھاتی سودرم کے ایک قرآن مجید اور ایک تلوار نکلی تھی لوگوں نے جانشین نام زد کرنے پر اصرار کیا قطعاً انکار فرمادیا گیا اور مسلمانوں کی رائے عامہ کے حوالہ فرمایا ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے اس معاملہ کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا میں بھی سپرد کرتا ہوں، ہر مہرہ کو قاعدہ تھا کہ خزانے کو خالی کرنا اور رکعت نماز اس میں پڑھتے رہیں کو گواہ بناتے کہ میں نے لوگوں کے حقوق ان تک پہنچا دیئے اس قسم کی باتوں سے حضرت کی سوانح عمریاں معمور ہیں لیکن خاص بات جس پر آپ کا اصرار اس حد کو پہنچ گیا وہ یہی تھی جسے بار بار اپنے خطبوں میں لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرتے ہوئے دہراتے کہ چلو! ان لوگوں سے لڑنے کے لئے جو بعض اس بنیاد پر لڑ رہے ہیں تاکہ وہ جبار ڈکٹیٹر بن کر لوگوں کے رب بن جائیں اور اللہ کے بندوں کو اپنا نوکر چاکر بنالیں اور مسلمانوں کے مال کو ایسا موردنی مال بنادیں جو ان ہی کے خاندان میں گھومتا رہے یہ ترجمہ ہے حضرت والا کے ان عربی الفاظ کا ریکوڈاجبارین یتخذنہم الناس ادبا ویتخذون عباد اللہ خولا وما لہم دولا) لوگ حلیفہ میں اور مسلمانوں میں امتیاز پیدا کرنا چاہتے تھے لیکن آپ اس غیر اسلامی امتیاز کے مخالف تھے حضرت عمر کے صاحبزادے عبید اللہ نے غریب نو مسلم ایرانی امیر ہریران کو بناوچہ مار ڈالا تھا آپ کو قصاص میں ان کے قتل پر اصرار تھا محض اس لئے کہ فاروق اعظم کے صاحبزادے ہیں اسلام کے قانون سے حضرت کا خیال تھا کہ وہ بچ نہیں سکتے اسی طرح حضرت عثمان کے قاتلوں کو محض اس لئے کہ انہوں نے خلیفہ وقت کو قتل کیا ہے بنیر کسی تحقیق کے مطالبہ کرتے تھے کہ جس جس پر وہ شک کریں وہ حوالہ کر دیا جائے آپ نے اس سے انکار کیا آپ کو اس قسم کی چھپوری غیر اسلامی سیاست سے سخت نفرت تھی جس میں سازش جوڑ توڑ جھوٹ پیچ سے کام لیا جاتا تھا مصر کا ملک کسی کو حین حیات جاگیر میں محض اس لئے دینے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ میرا ساتھ دے گا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مختلف مغاللوں میں مبتلا کر کے لوگوں نے اپنی رفاقت پر آمادہ کیا اور ان کے محترم وجود سے نفع اٹھانے کے لئے بقول حضرت عمار بن یاسر ان لوگوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ اپنی بیویوں کو تو اپنے گھروں میں چھپا رکھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کو تلواروں کی پیچ میں لاکر کھڑا کر دیا لیکن اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے لوگوں نے اسے بہت بڑی سیاسی چال قرار دی گویا اس ذریعہ سے انہوں نے خیال کیا کہ حضرت علی کے خلاف ایسا وزن ڈال دیا گیا ہے کہ اس بوجھ کو وہ برداشت نہیں کر سکتے لیکن مجسہ یہی موقع حضرت علی کو جب ملتا ہے یعنی عائشہ صدیقہ پر اپنی رائے کی غلطی جب واضح ہو گئی تو صدیقہ نے حضرت علی پر اصرار شروع

کیا کہ شام والوں کے مقابلہ میں اپنے ساتھ مجھ تم نے چلو۔ لیکن اس قسم کی سیاست کو آپ ہمیشہ ناپسند کرتے تھے اُم المؤمنین سے باہر ملنے آپ نے عرض کیا کہ رسول اللہ جس گھر میں آپ کو چھوڑ کر گئے ہیں بس آپ اسی گھر میں جا کر آرام کیجئے اور ایک بڑی کارگر طاقت سے ناجائز سیاسی نفع حاصل کر سہرا آمادہ نہ ہوئے خود اپنی نگرانی میں آپ نے صدیقہ کو بہتر سے حجاز روانہ فرمایا اس موقع پر ایک لطیفہ قابل ذکر یہ ہے کہ عائشہ صدیقہ کو جب آپ روانہ کرنے لگے تو ان کے ساتھ آپ نے ان کے چھتی بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کو کیا نہیں سپاہی مرد اور بیٹے عورتیں بھی حفاظت و خدمت کے لئے ساتھ روانہ کی گئیں لطیفہ یہ ہے کہ ان عورتوں کو حضرت علی نے یہ حکم دیا کہ عمارے باندھ لیں اور تلوار حامل کر لیں بظاہر ان کی شکل مردوں کی نظر آتی تھی عورتوں پہ قدغن تھا کہ حضرت عائشہ پر یہ کھلنے نہ پائے کہ یہ عورتیں ہیں حسب بایں سائے دستہ یہ مروغما عورتیں آپ کی خدمت میں ہیں جب عائشہ یہ پہنچ گئیں لوگ ملے آئے حالات دریافت کرنے لگے تو حضرت علی کے حسن سلوک کی بہت تحریف کی، ہر ت یہ شکایت کی کہا انھوں نے رفاقت میں چند عورتوں کو میرے ساتھ نہیں کیا اس پر عورتوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ لکھا ہے کہ اسی وقت عائشہ صدیقہ مسجد سے میں چلی گئیں اور سر اٹھا کر فرما لگیں کہ اے ابن ابی طالب شرافت کی تم نے نہ کدوی دسعودی، اس قسم کی گندی پھپھوری سیاست کے شور سے جب آپ کو دیتے جاتے تو فرماتے ہیں وہی کے معاملہ میں مذہبت اور چشم پوشی سے کام نہیں لوں گا۔ میں رہا کاری کی چالیں ہرگز اختیار نہیں کروں گا (مروج) آپ کی اس معصوم اور مقدس محال ص دینی سیاست جس کی بنیاد صرف صداقت اور راست بازی عدل و انصاف پر قائم تھی اس نے لوگوں کو غلط امیدوں کے قائم کرنے سے باز کر دیا، ایک طرف بات بات پر ہا گیر میں مل رہی تھیں مسلمانوں کے بیت المال کا منہ کھول دیا گیا تھا اور دوسری طرف یہ حال تھا کہ حضرت کے سگے بھائی عقیل بن ابی طالب حق سے کچھ زیادہ کا سٹالہہ کرتے ہیں آپ صاف انکار کر دیتے ہیں وہ اسی بنیاد پر شام والوں کی فوج میں شریک ہو جاتے ہیں آج بھی شاید کہنے والے کہتے ہیں لیکن یہ پُرانی بات ہے کہ علی کو سیاست نہیں آتی ہے خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ قریش کہتے ہیں کہ ابوطالب کا بیٹا بہاد تو بہت بڑا ہے لیکن جنگ اور مقابلہ میں جن چالوں کی ضرورت ہے ان سے ناواقف ہے، اس کے بعد ارشاد ہوتا کہ جنگ اور اس کے طور طریقے سے میں ناواقف ہوں کیا بتایا جائے میں تیس سال کا بھی نہیں ہوا تھا جب جنگی بہارت میں سر بلند ہو چکا تھا اور اب تو سناٹھ سے متجاوز ہوں اس وقت کہا جاتا ہے کہ میں ان باتوں کو نہیں سمجھتا جو پتے کی بات تھی آخر میں وہ بھی کہہ دیتے کہ اصل بات یہ ہے کہ لادای لا یطاع یعنی جس کی بات نہ مانی جائے وہ یوں ہی بے رائے والا بنا کر چھوڑ دیا جاتا ہے، نا جائز تو نعمات سے مایوس بنے اس حال کو پیدا کر دیا تھا کہ جہاں ان کے پورے ہونے کی اُمید تھی لوگ اور ہر کھینچے چلے جاتے تھے اور جہاں بکھا

پیر ہے اور اس میں ان کی ذات تنہا نہیں ہے لیکن حکومت کے اس نظام کو جو بدلتا چاہتے تھے ان کے مقابلہ میں ہر قسم کی مصلحت اندیشیوں سے بے پروا ہو کر آستینیں چڑھانے سرکاف میدان میں کود جانا اور اس طور پر کود جانا کہ بولنے والے تو صرف زبان سے بولتے ہیں کہ ہم طے پٹے نصب العین کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن جمل صفین میں یہ کر کے دکھا دیا گیا کہ دس پانچ نہیں ہزار باہزار بقول بعض لاکھوں تک فوج قتل و شہید ہونے والے مسلمانوں کی پیچی پٹی باقی تھی کشتوں کے واقعی پتے لگتے چلے جاتے تھے مسلمانوں کی لاشوں کا پہاڑ جمع ہوتا چلا جا رہا تھا لیکن یہ حد تھی کسی نصب العین پر اصرار کی کہ کسی قسم کا کوئی حادثہ یا کوئی مصلحت ان کو بال برابر بھی اس سے نہ ہٹا سکی۔ میں نہیں جانتا کہ کسی نصب العین کے حصول کی کوشش میں اس کی نظیر انسانیت کی تاریخ پیش کر سکتی ہے؟ سب کچھ اسی راہ میں لٹا دیا گیا بلکہ کر بلار کے میدان میں تو اسی نصب العین کے پیچھے علی کے گھرانے کا ایک ایک بچہ قربان ہو گیا اور اب سمجھ میں آتی ہے اہمیت اس سیاسی نظام کی جسے اسلام نے دنیا میں پیش کیا ہے لوگوں نے اس پر بعد کو عمل کیا یا نہیں؟ یہ الگ سوال ہے، لیکن جمل و صفین دکر بلا کے خون سے جریدہ روزگار پر جس نہ ختم ہونے والے اسرار کا نقش دوام قائم ہو گیا ہے کیا اس کو کوئی مٹا سکتا ہے اور جب

جاتا کہ گے بھائی کی بھی پروا نہیں کی جاتی وہاں لوگ کب تک ٹھہر سکتے تھے لیکن علی کیا علی باقی رہتے اگر پہلے غلط مشیروں کے مشورہ کو مان لیتے کامیابی اور کامی کا مطلب جو عوام کے نزدیک ہے خواص خواص ہی (۱) کب باقی رہتے اگر ان کے نزدیک بھی کامیابی و ناکامی کا وہی عامیہ معیار ہوتا ہئی امیر کی اتنی تراسی سال کی کامیابی کیا کوئی کامیابی ہے اور پچارے حضرت امیر معاویہ کی ایک پشت بھی صحیح معنوں میں اس کامیابی سے مستفید نہ ہو سکی جس کا لوگوں نے کامیابی نام رکھ چھوڑا ہے اگر یہ اس کتاب کے موضوع سے شاید یہ چند باتیں جو ہم نے بطور نوٹ کے بڑھادی ہیں زیادہ نظر آئیں لیکن دراصل امام ابو حنیفہ کے اس سیاسی مسلک کی تشریح کے لئے مفید ہوں گی جو ابراہیم بن عبداللہ بن حسن الفاطمی الامام کی ذات و نصرت کے سلسلے میں انھوں نے اختیار فرمایا تھا اور آج تک محدثین کا وہی طبقہ حشویہ یہ الزام لگا رہا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان تلوار نکالنے کا وہ فتویٰ دیا کرتے تھے نیز اس زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف ان لوگوں میں کچھ بگمائیاں بھی ہوتی ہیں جن کا کمرہ دماغ اسلام اور مسلمانوں کے درمیان امتیاز پیدا کرنے سے عاجز ہے ان کے نزدیک مسلمانوں کے ٹیکس دہندوں کی تعداد کا اضافہ یہی اسلام کی ترقی ہے شاید ان کی سمجھ میں کوئی بات آجائے ۱۲

یہ نقش قائم ہے اسلامی نظام سیاست کی اہمیت بہر حال دنیا میں قائم رہے گی۔

اسلامی نظام حکومت قائم کرنے کیلئے حضرت امام کا جوش و خروش

شاید اپنے موضوع بحث سے تھوڑی دیر کے لئے مجھے الگ ہونا پڑا بحث ۱۲۵ھ ہجری کے واقعات پر ہو رہی تھی جب مدینہ منورہ کو مرکز بنا کر ساری اسلامی دنیا میں عباسی حکومت کے تخت اقتدار کو الٹ دینے کی اسکیم محمد نفس زکیہ کی قیادت میں مکمل ہو چکی تھی اور اسی لائحہ عمل کے بالکل مطابق ہر صوبہ میں تلواریں سونت سونت کر لوگ نکل پڑے تھے عرض کر رہا تھا کہ اسی سلسلہ میں نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن ہشام نے فوج لے کر کوفہ کی طرف چل پڑے تھے جہاں عباسیوں کا خلیفہ ابو جعفر منصور پہلے کچیلے کپڑوں میں اس عزم کے ساتھ اپنے محلے پر بیٹھ گیا تھا کہ یا ابراہیم کا سر میرے قدموں پر لگا کر ڈالا جائے یا میرا سر ابراہیم کے پاس تکھے میں پیش کیا جائے امام ابو حنیفہ ابراہیم کی طرف سے علانیہ کوفہ میں کام کر رہے تھے۔ بات یہاں تک پہنچی تھی کہ الفزاری محدث کے بھائی کو عباسیوں سے توڑ کر ابراہیم کی فوج میں شریک ہو جانے پر امام ابو حنیفہ نے راضی کر لیا تھا اور اسی وجہ سے ان کو شہید ہونا پڑا درمیان میں ایک ایسا مسئلہ چھڑ گیا کہ ۱۲۵ھ سے سو سال پیچھے ہٹ کر اسی بصرہ اور کوفہ کے ارد گرد جبل و صفین کے جوہر لٹاک خونی مناظر دیکھے گئے تھے ان کے مباحث میں الجھنا پڑا کیونکہ گوبظاہر دونوں واقعات میں ایک صدی کا فاصلہ ہے مگر سچ پوچھئے تو مسئلہ آج بھی وہی ہے جو کل تھا ایک طرف مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جس کے سامنے صرف ٹیکس دہندوں کی تعداد کا اضافہ بھی اسلام کی بھی اور سامانوں کی بھی سب سے بڑی خدمت تھی لیکن دوسری طرف علی اور علی کے مسلک پر اصرار کرنے والوں کی جماعت تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے نظام کو بہر حال قائم کرنے پر آمادہ ہوتی ہے خواہ اس کی جو قیمت بھی ادا کرنی پڑے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کا آخری منہم موقع قرار دے کر امام ابو حنیفہ نے سردھڑکی بازی لگا دی ہے اسی کوفہ میں عباسیوں کا دم پکنے والا شیر جسے لوگ صقر خوزی و عقاب چالاک کہتے تھے۔ ہر اس شخص کو اچک لینے کے لئے منڈا رہا ہے جس کے متعلق ہلکا سا بھی شبہ مخالفت کا محسوس کرتا ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ ”جہارا شہید“ کی شکل میں امام ابو حنیفہ ہر اس شخص کو ابراہیم کی رفاقت پر آمادہ کر رہے ہیں جس پر ان کا بس چل رہا ہے نہ صرف پچاس پچاس حج و نفلی کے ثواب ہی پر

بلکہ جہاد جو کافروں سے کیا جاتا ہے اس پر بھی ان لوگوں کی جانی و مالی امداد کو ترجیح دینے کا فتویٰ دے رہے ہیں جو مسلمانوں میں پھر حکومت کے اسی نظام کو قائم کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں جس پر اللہ کی کتاب اور رسول کے راشد جانشینوں نے قائم کر کے دکھایا تھا۔

امام کے شاگردوں کو پھانسی کا یقین

اس راہ میں امام کا جوش و خروش شدت کے جس انتہائی نقطہ تک پہنچ گیا تھا اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ نہ صرف امام اور امام کے اہل و عیال کے لئے ہر لمحہ اس کا خطرہ تھا کہ حکومت کے عتاب کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے، بلکہ امام کے مشہور شاگرد و رشید زفر بن ذیل کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کی مجلس وضع قوانین کے ارکان کہیں یا حلقہ درس کے تلامذہ ان کو سمجھتے بہر حال ہر وہ شخص جو امام کے ساتھ تعلیمی تعلق رکھتا تھا، اس کی زندگی خطرے میں آگئی تھی اور کیسا خطرہ؟ امام زفر کا بیان ہے کہ ان حالات کو دیکھ کر امام کے سامنے عرض کیا گیا کہ

ما انت ہمدتہ حتی توضع الجبال فی
عناقصاۃ

جب تک ہم لوگوں کی گردنوں میں پھانسی کی رسیاں
نہ ڈالی جائیں گی آپ باز آئیں گے

جس کے معنی یہی ہوتے کہ امام کا ہر شاگرد یا ان کی مجلس تفتنہ کا ہر رکن یہ محسوس کر رہا تھا کہ تاج نہیں تو کل ہمارے گلوں میں پھانسی کی رسی ڈالی جائے گی جہاں تک معلوم ہوتا ہے ہر قسم کے مواقع اور نتائج سے امام قطعاً بے پروا ہو کر آگ کی اس وادی میں پھینا نہ چکے تھے طے کر چکے تھے کہ

موج خون سرے گذری کیوں نہ جائے ؟ آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا
اس قسم کی کوئی چیز ان کو اپنے ارادے سے روک نہ سکی ہر آنے والے دن میں آپ کی سرگرمیاں گذرنے والے دن کی کوششوں سے تیز تر ہوتی جاتی تھیں اسی کا نتیجہ تھا کہ ان تلواروں کے سوا جو کوفہ میں وقت کا انتظار نیا موں سے نکلنے کے لئے کر رہی تھیں سب سے بڑا انقلابی کارنامہ اس راہ میں امام کا وہ ہے جس کا دُور گوان کے سوانح نگار رسل میں سے اکثر نے کیا ہے۔ لیکن اس کی اہمیت کا اندازہ ان کے اجمالی بیان سے پڑھنے والوں کو نہیں ہو سکتا !

امام کی کامیابی

بنی امیہ اور بنی عباس کی باہمی آویزشوں کے قصبے میں اگرچہ یہ ظاہر ابو مسلم اصفہانی کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے میں نے بھی اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اس میں بھی اس وقت تک ابو مسلم ہی کی اہمیت ظاہر کی گئی تھی۔ لیکن عباسیوں کی کامیابی میں جو کچھ لکھا ہے تو ابو مسلم کی حیثیت صرف دماغ کی تھی، وقت پر سو جھ جانے والی چالوں کرو دہار کی حد تک یقیناً ابو مسلم نے بڑے بڑے کام انجام دیئے تھے۔ لیکن عباسی تحریک کو آگے بڑھانے میں جس فولادی ہاتھ نے کام کیا تھا عوام اس سے بہت کم واقف ہیں۔

عباسیوں کا پہلا جنرل قحطبہ

قبیلہ بنی طے حاتم طائی مشہور جواد جس سے تعلق رکھتا ہے سارے عرب میں اپنی شجاعت اور بہادری کے جگر ہی میں مشہور تھا عرب کے مشہور ڈاکوؤں کا زیادہ تر تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔ سارا عرب ان کے نام سے کانپتا تھا۔ آج اور سلسلی کے سرسبز پہاڑوں کی فلک پہنچ چوٹیاں ان ڈاکوؤں کی پناہ گاہیں تھیں ایام جاہلیت کی تاریخ ان کے خونیں کارناموں کے ذکر سے لبریز ہے عباسیوں کی یہ خوش قسمتی تھی کہ ٹھیک اس وقت جب ان کی تحریک اس منزل پر پہنچ گئی جہاں سے نوجی تنظیم کے مواقع ان کے لئے فراہم ہوئے تو اسی طے کے قبیلہ کا ایک بوڑھا تجربہ کار سرد گرد چشیدہ سپہ سالار جس کا نام قحطبہ تھا وہ عباسیوں کی بیعت میں داخل ہو گیا اور پہلی دفعہ جب ابو مسلم باضابطہ عسکری تنظیم کے ساتھ بنی امیہ کے مقابلہ میں صف آرائی کے لئے چلا ہے تو وہ اسی دن عباسیوں کے امام ابراہیم

ابو ابراہیم ہیں جن کے ہاتھ پر ابو مسلم نے بیعت کی اور ان ہی کے اشارے سے خراسان کی زمین عباسیوں کے لئے تیار کی لیکن افسوس ہے کہ خود ابراہیم عباسیوں کی کامیابیوں سے پہلے گرفتار کر لئے گئے اور بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان ہی کے قہر میں وفات پائی بعض لوگ کہتے ہیں کہ نہر دیو گیا اور بعض کہتے ہیں کہ مکان کو ان یگرادیا گیا۔ لکھا ہے کہ بڑے متقی پارسا اور جواد و کریم تھے اہل بیت کے ساتھ بہت سلوک کرتے تھے یہ شہید کے کم سن

کے حکم سے اسی کو عباسی فوج کا کمانڈر مقرر کیا گیا عباسی امام نے غاس اپنے ہاتھ سے عباسی لوگوں کو باندھ کر قحطیہ کے حوالہ کیا تھا بالاتفاق تمام مورخین نے لکھا ہے کہ ابو مسلم نے قحطیہ ہی کو سپہ سالار اعظم مقرر کیا اور

ضم الیہ الجیوش وجعل الیہ العزل
والاستعمال وکتب الی الجند بالسمع
والطاعة ص ۱۲۷ کا مل ج ۵

سارے عباسی عساکر کو اسی کا ماتحت بنا دیا۔ اسی کے ہاتھ میں سپاہیوں کے تقریر و برطرفی کو سپرد کر دیا اور جہاں جہاں فوجیں تھیں ان کے نام یہ لکھ بھیجا کہ قحطیہ کے حکم کی بسر و چشم تعمیل کریں۔

اس کے بعد عباسیوں اور بنی امیہ میں جتنے بھی معرکے ہوئے ہیں تاریخ اٹھا کر پڑھیں، ہر جگہ قحطیہ ہی آپ کو پیش پیش نظر آئے گا واقعہ تو یہ ہے کہ ابو مسلم کا دماغ اور قحطیہ کے دست و بازو ان ہی دو چیزوں پر عالم اسباب کے لحاظ سے عباسی حکومت کی بنیاد قائم ہے، مروانشاپور جرجان سے اصفہان، نہاوند، شہر زور الغرض جہاں جہاں عباسیوں اور امویوں کے گھمسان کے رن ہرزین خراسان میں پڑے سب کا فاتح یہی قحطیہ تھا آخر میں ابن ہبیرہ کے مقابلے کے بعد جب عراق آیا تو اس بوڑھے سپہ سالار کی عباسیوں کے ساتھ آخری وقاداری اس شکل میں ظاہر ہوئی کہ یہ مقام واسطہ فرات کے ایک مسناتہ رہتے پر رات کی تاریکی میں جب ایک کاری زخم کھا کر وہ دریا میں گر پڑا اور لوگوں نے اس کو پانی سے نکالا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ میرے زخمی ہونے کی خبر نہ پھیلائی جائے بلکہ میرے دونوں ہاتھوں کو ملا کر باندھ دو دیکھو اگر ہیں اس زخم سے جان بچ نہ ہو سکا تو خاموشی کے ساتھ میری لاش کو اسی دریا میں بہا دینا تاکہ لوگوں کو میری موت کا علم نہ ہو سکے اس کو اندیشہ تھا کہ اس کے قتل ہو جانے کی خبر سن کر فوج میں کہیں ہنسی اور اتہری نہ پھیل جائے مدت اس کی پوری ہو چکی تھی تھوڑی دیر میں صبح ہونے سے پہلے قحطیہ سرگیا خاموشی کے ساتھ اس کی لاش بہا دی گئی صبح کو لوگوں نے جب قحطیہ کو نہ پایا تو دوپہر تک سمجھتے رہے کہ شاید کسی ضرورت سے کہیں گئے ہوں گے، بعد کو بے چارے کی ہتھی ہوئی لاش کسی نالے میں ملی دنیا کو آج تک پتہ نہ چلا کہ قحطیہ کس وقت قتل ہوا اور کس نے اس کو مارا شرح طرح کے افسانے لوگوں میں مشہور ہوئے جن کا ذکر اس وقت تک تاریخ کی کتابوں میں

بقیہ نٹ نٹ ص ۱۲۷
صاحبزادے جن کا نام حسین تھا ان کے پاس لائے گئے تو گود میں بٹھا کر دیر تک رہنے اور بے دیکھان کی والدہ کے پاس واپس کیا

کیا جاتا ہے یقیناً ایک بڑے نازک موقعہ پر عباسیوں کی فوج کے اخلاقی شیرازے کو منتشر اور پراگندہ ہونے سے اس نے بچا لیا۔

عباسیوں کا دوسرا جنرل حسن بن محطب

بہر حال مجھے کہنا یہ ہے کہ عباسیوں کے اسی بوڑھے جنرل کی وفات کے بعد خود اس کی وصیت کے مطابق اور فوج کے اتفاق سے عباسی جیوش کا سپہ سالار اعظم اس کا بیٹا حسن بن محطب مقرر ہوا طبری میں ہے کہ جب لوگوں کو محطب کے غرق ہو جانے کا یقین ہو گیا تب اجمع القواد علی الحسن بن محطب، فلولک الاصل و بالعبادۃ صلا یعنی فوج تمام افسروں نے بالاتفاق محطب کے بیٹے حسن کو اپنا سپہ سالار بنالیا اسی کے سپرد فوج کا معاملہ کر دیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اور اس کے بعد عباسیوں کی ساری فوجی مہموں میں بجائے محطب کے اس کے بیٹے حسن بن محطب ہی کا نام نمایاں نظر آتا ہے اپنے باپ کے بعد عباسی فوج کی کمان حسن ہی کے ہاتھ میں تھی اور وہی ان کا سب سے بڑا جنرل تھا، نہیں کہا جاسکتا کہ امام ابو حنیفہ کی نظر حسن بن محطب پر کب سے تھی جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے امام اور حسن بن محطب میں تعلقات کی ابتداء اس وقت سے ہوئی جب ابو جعفر منصور امام کے ساتھ "دین دوزی" کی کوششوں میں مصروف تھا اس قصہ کے سلسلہ میں امام کے سوانح نگاروں نے یہ بیان کیا ہے کہ دس ہزار کی رقم ایک دفعہ امام کی خدمت میں ابو جعفر منصور نے اسی حسن بن محطب کی معرفت بھیجی کہتے ہیں کہ خود حسن اپنے ساتھ روپے کے آٹھ سو کوٹے ہوئے پہنچا امام یہ دیکھ کر کچھ اتنا پریشان ہوئے کہ کوئی بات منہ سے نہیں نکل رہی تھی دوسروں کے ساتھ حسن کے جو تجربات تھے ان کی بنیاد پر اسے یہ عجیب

لے چونکہ اس کی دانش کے ساتھ بنی امیہ کی فوج کے ایک سپاہی حرب بن مسلم کی بھی لاش ملی تھی اس لئے بعضوں نے رائے قائم کی کہ باہم ایک سے دوسرے کو قتل کیا کوئی کچھ کوئی کچھ کہتا تھا ایک صاحب نے جو پہلے بنی امیہ کے ساتھیوں میں سے تھے بعد میں عباسیوں میں مل گئے تھے ابراہیم بن بسام نام تھا جب مرے گئے تب رطیفہ بیان کر کے مرے ذات کی تارکی میں فرات سے دیکھا کہ محطب گھوڑے کو عبور کراتے ہوئے باہر نکل رہا ہے میں وہاں چھپا ہوا تھا بڑی عداوت میرے دل میں جو اس کی تھی اسی نے انتقام پراہیا اور میں نے اچانک اس کا خاتمہ کر دیا اور مجھے بہت سے قصے بیان کئے گئے ہیں جس میں اس شخص کی اہمیت معلوم ہوتی ہے

بات نظر آتی کہ بجائے مسرور اور خوش ہونے کے یہ پریشان کیوں ہو رہے ہیں، غالباً امام ابوحنیفہ کی فطرت ان کی سیرت و کردار کی بلندی سے برا راست متاثر ہوئے کا حسن بن قحطیہ کے لئے پہلا موقعہ ہی تھا۔ یہ ظاہر حسن کی آمد و رفت امام کے پاس اسی کے بعد شروع ہو گئی تھی کیونکہ بعد کو جب ابو جعفر منصور نے حسن کے حالات کی تحقیق کے لئے ان الفاظ کے ساتھ لوگوں کو حکم دیا

من هذا الذي يفسد علينا هذا الرجل

کون ہے جو اس آدمی (حسن) کو ہم سے بگاڑ رہا ہے

صفحہ ۱۸۴ ج ۲

تو کہا جاتا ہے کہ رپورٹ کرنے والوں نے ابو جعفر کے پاس یہ رپورٹ کی کہ

انه يدلخل على ابی حنیفۃ ص ۱۸۴ ج ۲

اس کی آمد و رفت امام ابوحنیفہ کے پاس ہے

نہیں کہا جاسکتا کہ امام اور حسن بن قحطیہ کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ کتنے دن سے جاری تھا لیکن قحطیہ کے دوسرے بیٹے حمید نے منصور کو حسن کے متعلق یہ خبر دیتے ہوئے کہ اس میں کب سے تغیر اور انقلاب کو محسوس کر رہا ہے، کہا تھا کہ

امیر المومنین! تقریباً ایک سال سے ہم لوگ اس شخص کی چال و چلن میں تغیر کو پا رہے ہیں اور اسی زمانے سے یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ غیروں سے پینگ بڑھا رہا ہے ص ۱۸۴ مو

حسن بن قحطیہ حضرت امام کی خدمت میں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم بن عبد اللہ کی تحریک جب بصرہ اور کوفہ میں اندر ہی اندر مہم کر رہی تھی اسی زمانے سے امام ابوحنیفہ عباسیوں کی فوج کے اس روتہ رواں کو ٹوٹ لینے کی کوشش میں مصروف تھے۔ اس کوئی معمولی نہ تھی عباسیوں کے سب سے بڑے جنرل کا معاملہ تھا عباسی فوج سے حسن کی علیحدگی صرف حسن کی علیحدگی نہ تھی بلکہ ان سب کی علیحدگی پر نتیجہ ہونے والی تھی جو حسن

امام ابوحنیفہ کے صاحبزادے قاضی حماد بن ابی حنیفہ کے حوالہ سے کتابوں میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد حسن بن قحطیہ نے ان سے کہا کہ رحم اللہ اباک لقد شیع علی دینہ ادینی بد الفساقوام ص ۱۸۴ ج ۲

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمہارے والد نے خدا ان پر رحم کرے اپنے دین کے معاملہ سخت تشویش اور بھانپات سے کام لیا جب کہ دوسرے بڑی دریا دلی اور سخاوت اسی دین کے ساتھ اختیار کئے ہوئے تھے۔

کے زیر اثر تھے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ عباسیوں کی عسکری قوت کی کمر پر امام کی طرف سے کاری ضرب لگائے گا یہ اقدام تھا جس کے باپ کے دست و بازو نے عباسی حکومت قائم تھی اسی کے خلیفہ اور جانشین سپہ سالار کو ملا لینا آسان بھی نہ تھا ساری عزت و جاہ دولت و ثروت قحطیہ کے خاندان کی اسی ملازمت پر مبنی تھی سب کولات مار کر حکومت سے حسن کا علیحدہ ہو جانا بڑی قربانیوں کا مطالبہ کر رہا تھا، انہیں کہا جاسکتا تھا کہ سال بھر کی مسلسل جدوجہد کے اس سلسلے میں حسن کو امام نے کیا کیا سمجھایا اور کن کن ترکیبوں سے اس کو متاثر کرتے رہے، یہی نہیں کہ صرف منافع سے یہ محرومی کے خطرات حسن کے سامنے تھے بلکہ معاملہ ابو جعفر منصور کے ساتھ تھا اسی ابو جعفر کے ساتھ جس نے ابھی ابھی کچھ دن پہلے اپنی حکومت کے سب سے بڑے محسن ابو مسلم کے ختم کروینے میں کسی قسم کی رُو رعایت کو روانہ رکھا تھا یقیناً جس نازک عہدے سے حسن کا تعلق تھا عین وقت پر اس عہدے کی ذمہ داریوں سے اچانک دست برداری کا اعلان جن عواقب کو اس کے سامنے لاسکتا تھا وہ حسن سے مخفی نہ تھے لیکن میں تو اس کی امام کی کراہت سمجھتا ہوں اور اگر کراہت نہ سمجھی جائے تو ایک بے نظیر سیاسی کامیابی ان کی یہ قرار پاسکتی ہے کہ عباسیوں کا یہی سب سے بڑا سپہ سالار امام کے پاس آتا ہے اور جیسا کہ حنفی مکتب خیال کے سب سے بڑے بخاری امام ابو حفص کبیر سے یہ عوایت نقل کی جاتی ہے کہ آنے کے بعد حسن امام ابو حنیفہ سے عرض کرتا ہے میرے حالات جیسے کچھ بھی ہیں مگر آپ سے میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ واقعی اگر اب بھی میں توبہ کر لوں تو میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟

حسن بن قحطیہ کے سامنے حضرت امام کی تقریر

امام نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے حسن سے یہ تقریر کی کہ

اگر تم واقعی خدا کے سامنے اپنی نیت کو درست کر لو اور ارادے میں اپنے صاوق اور راست باز بن کر گزشتہ کرتوتوں پر اپنے اندر ندامت کے جذبات کو اس حد تک ابھارو کہ تم پر یہ حال طاری ہو جائے کہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک بات کا اگر تمہیں اختیار دیا جائے یعنی کہا جائے کہ یا تو کسی مسلمان (جسے حکومت حکم دے) قتل کرو یا خود قتل ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ تو اپنے آپ کو قتل کرانے پر تم آمادہ ہو جاؤ گے اور خدا کے سامنے تم عہد کرو کہ اب تک تم

جو کچھ بھی کرتے رہو اس کا پھر اعادہ زندگی کے آخری لمحات تک نہیں کرو گے۔

امام نے فرمایا کہ

”تمہارا یہی عزم اور یہی ارادہ تمہاری توبہ ہے۔“

حسن بن قحطبہ کا امام کے سامنے عہد

کہتے ہیں کہ امام کے الفاظ کو حسن غوری سننا رہا اور جواب میں بغیر کسی تردد اور کش مکش کے قد نعلت رہیں نے یہ کر لیا، کا سپا ہیانہ جواب دے کر آخر میں اس نے امام سے کہا کہ

”میں نے خدا سے عہد کر لیا کہ مسلمانوں کے قتل کا جو کام میں اب تک۔

و حکومت کے اشارے سے کرتا رہا ہوں اب اس کی طرف کبھی نہ پلٹوں گا۔“

ص ۱۸۳ ج ۲

حالانکہ حسن امام کے سامنے اس توبہ کے اعلان کے بعد تقریباً پینتیس چھتیس سال تک زندہ رہا۔ ہارون الرشید کے عہد حکومت میں جیسا کہ خطیب نے لکھا ہے چوراسی سال کی عمر میں وفات ہوئی مگر جو کچھ اس نے کہا تھا اس کو پورا کیا آزمائش کی گھڑی بہت جلد اس کے سامنے آگئی، یعنی وہی تحریک جواب یک مخفی طور پر ملک کے گوشوں میں چلائی جا رہی تھی سطح پر نمایاں ہو گئی مدینہ منورہ سے محمد نفس زکیہ کے خروج کی خبر منصور تک پہنچی اور اسی کے کچھ دن بعد خود اس کے سامنے بھرے ابراہیم نے سزکا لا جیسا کہ چاہیے تھا حسن منصور کے دربار میں بلایا جاتا ہے ابو حفص کبیر کا بیان ہے حسن قبل وہ بار کی حاضری کے امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو واقعہ تھا اس سے مطلع کیا، امام نے فرمایا کہ

”حسن! تمہاری توبہ کے امتحان کا وقت آگیا، تم نے خدا سے جو عہد کیا ہے اگر اس عہد کو تم پورا کرتے ہو تو مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور اگر اپنی بات سے تم پھرتے ہو تو جو کچھ تم نے اب تک کیا ہے اُس کی سزا بھی بھگتو گے اور آئندہ جو کچھ کرو گے اس کی بھی۔“

امام سے یہ سن کر حسن نے کہا کہ

”میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ آپ سے جو عہد میں نے کیا ہے اُسے پورا

کروں گا۔“

اور یہ نٹے کر کے کہ خلیفہ کے دربار سے زندہ واپس نہ ہوگا امام صاحب کو بعض باتوں کی وصیت کر کے منصور کے سامنے حاضر ہوا اور جو خدمت اس کے سپرد کی گئی تھی اس سے معافی پیاہتے ہوئے شاید بیماری اور خرابی صحت کا اس سے عذر پیش کیا، لیکن منصور نے اس پر اصرار شروع کیا کہ مقابلہ پر تجھے جانا پڑے گا، معلوم نہیں اور کیا باتیں ہوتیں آخری الفاظ اس کے یہ نقل کئے جاتے ہیں کہ وہ منصور سے کہہ رہا تھا۔

امیر المومنین! جس مہم پر آپ مجھے روانہ کرنا چاہتے ہیں میں آخری طور پر عرض کرتا ہوں کہ بندہ قطعاً اس کی شرکت سے معذور ہے اب تک جن لوگوں کو آپ کی حکومت کے تحت میں قتل کر چکا ہوں، آپ کی یہ اطاعت خدا کے لئے میں نے کی ہے تو اس راہ میں بہت کچھ کما چکا اور لوگوں کو قتل کر کے میں نے خدا کی اگر نافرمانی کی ہے تو گناہ اور نافرمانی کا بھی یہ ذخیرہ میرے لئے کافی ہے۔ ص ۱۸۴

ابو جعفر حسن کی باتیں سن رہا تھا اور آگ بگولا ہو رہا تھا کس نے میرے اتنے بڑے موروثی وفادار منزل کو ہٹا دیا اندر ہی اندر پیچ تائب کھاتے ہوئے اس کو سوچ رہا تھا اور بار میں حسن کا بھائی حمید بھی بیٹھا تھا اس حال کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا اور وہی بات جس کا پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں خلیفہ سے کہنے لگا یعنی سال بھر سے اسی شخص کے اندر ہم لوگ تغیر کو محسوس کر رہے ہیں اور اس وقت سے ہیں اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ غیروں سے یہ میل ملاپ رکھتا ہے اور اپنی بیگیں بڑھا رہا ہے۔

حضرت محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کی شہادت

انوس چہ کہ ہادی سیاسی تاریخیں اتنے بڑے اہم واقعہ کے ذکر سے خاموش ہیں سچ پہچنے کہ تاریخ کی ان عام کتابوں مثلاً طبری کامل ابن اثیر وغیرہ کا اس واقعہ کے ذکر سے خالی ہونا بجائے خود واقعہ کو ایک حد تک مشتبہ بنادیتا ہے لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کے خروج سے پہلے قحطہ کی موت کے بعد قحطیاء عباسیوں کی ہر فوجی مہم میں حسن بن قحطیہ پیش پیش ہے لیکن ٹھیک خروج کے اس واقعہ سے اچانک حسن کا نام تادخوں میں غائب ہو جاتا ہے اور بجائے اس کے اب ہم قحطیہ کے اسی دوسرے بیٹے حمید کے ہاتھ میں عموماً عباسی عساکر کی کران پاتے ہیں۔ محمد نفس زکیہ کے مقابلہ

میں جو فوج ابو جعفر نے اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کی سرکردگی میں مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے لے لی تھی اُس میں بھی فوج کی کمان حمید بنی کے ہاتھ میں دیکھی جاتی ہے اسی بد بخت نے محمد کے سینے میں نیزہ بھونک دیا اور جب وہ گر گئے تو گھوڑے سے اتر کر اسی نے اُن کے مبارک سر کو تن سے جدا کر کے عیسیٰ کی خدمت میں بطور تحفہ کے پیش کیا اور عیسیٰ نے کوفہ منصور کو ہدیہ کے طور پر بھیج دیا نیزے پر رکھ کر کوفہ کے بازاروں میں اس کی نمائش کی گئی اور مدینہ کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد منصور کی طلبی پر عیسیٰ بن موسیٰ حمید اور جو فوج اس کے زیر کمان تھی سب کو لے کر پھر کوفہ واپس لوٹا ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بصرہ سے چل کر جب کوفہ پر حملے کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو ان کے مقابلہ میں بھی حمید بن محمد بن عیسیٰ بن موسیٰ کی ماتحتی میں بھیجا گیا باختر کے میدان میں جو کوفہ سے کل ۲۴ میل کے فاصلہ پر تھا۔ حمید اور حضرت ابراہیم کی فوج میں بڑھ بیٹھ ہوئی ابتدا میں حمید کو شکست فاش ہوتی کہتے ہیں کہ حمید اور اس کی فوج کے پاؤں جب اکھڑ گئے تو عیسیٰ بن موسیٰ چلاتا رہا "اللہ اللہ امیر کی طاعت" لیکن حمید بھاگا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ ہمسگر

اسے دراصل محمد بن زکیہ کو بھی بجز چند سو آدمیوں کے لوگوں نے تنہا چھوڑ دیا اور عیسیٰ ہند پر ہزار ہوں کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا خندق جو کھودی گئی تھی عیسیٰ نے بڑے بڑے تختے منگوا کر اُس کو پاٹ دیا کھنڈر آسانی سے مدینہ میں داخل ہو گئے کھنڈر ہے کہ محمد بار بار حمید بن محمد بن عیسیٰ کو پکار پکار کر بلاتے رہے کہ میرے مقابلہ میں تو آ لیکن وہ کتراتا رہا اس پر عیسیٰ نے کچھ اس پر شبہ کیا کہ اگر وہ اپنی طویر پر شاید یہ بھی ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے اسی کا عملی جواب اُس نے اپنی اس فسادات سے دیا کہتے ہیں کہ جس وقت محمد بن زکیہ پر ایک کاری ضرب کسی نے لگائی تو گھٹنوں کے بل ٹپک کر تلوار اٹھائے لگے اس حالت میں بھی تشریب آنے کی جرأت کسی کو نہیں ہوتی تھی دور سے تیروں سے زخمی کئے گئے کہتے جاتے تھے اربے اپنے نبی کی خستہ نزار اولاد کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو بڑے بہادر تھے جب تک زخمی نہ ہوتے تھے کشتوں کے پٹے لگاتے چلے گئے یہ بھی لوگوں کا بیان ہے کہ اس وقت ان کے ہاتھ میں مشہور تاریخی تلوار ذوالفقار تھی بعد کو عباسیوں کے قبضہ میں آئی بعض کہتے ہیں کہ ہادی عباسی خلیفہ نے ایک کتے پر چلا کر انا چاہا اُس میں ٹوٹ گئی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے ہادی بن الرشید نے اس کا پتہ پلٹا ہے وہ خود کسی اس تلوار کو کبھی کبھی اٹھا کر لے جاتا تھا اس تلوار کو ذوالفقار کہتے تھے مگر یہی وجہ تھی کہ وہ (۱) دندناتے اس میں سے ہوتے تھے کامل میں خیر

میں کہاں کی اطاعت لیکن تقدیری حالات جیسا کہ ہمیشہ ان مہموں میں پیش آتے ہیں یہاں یہاں بھی پیش آئے ابراہیم شہید ہو گئے جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں پڑھنی چاہیے۔ مجھے تو اس سلسلہ میں یہ کہنا ہے کہ حسن بن محطہ کے ساتھ اگر وہ واقعہ جس کا امام ابو حنیفہ کے حنفی سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے نہ پیش آتا تو محمد اور ابراہیم دونوں بھائیوں کے مقابلہ میں بجائے حسن کے حمید بن محطہ ہی کو ہم کیوں پاتے ہیں۔

افسوس ہے کہ لوگوں نے حسن کی علیحدگی کے اس واقعہ کو اہمیت نہیں دی ورنہ ابو جعفر منصور جو علاوہ ایک غیر معمولی سیاسی مدبر کے بجائے خود بڑا بہادر و لیبرٹیوٹ والا آدمی تھا لیکن ان دونوں

سے میں نے کہیں لکھا ہے کہ ابراہیم کی فوج کے دفتر میں ایک لاکھ آدمیوں کا نام لکھا گیا تھا لیکن دشمن کے ساتھ صف آرائی کے وقت دیکھا گیا تو ان کے ساتھ کل چند سو آدمی رہ گئے ہیں اس پر بھی ابتدا میں حمید بن محطہ ہریت ہوتی یہاں قابل ذکر لطیفہ یہ ہے کہ ابراہیم کے مقابلہ میں جب ابو جعفر عیسیٰ بن موسیٰ کو حمید بن محطہ کے ساتھ بھیجنے لگا تو رخصت کرتے ہوئے اس نے کہا کہ یہ ناپاک گندے خبیث لوگ یہ کہتے ہیں کہ شروع میں تمہاری فوج کے پاؤں اکڑ جائیں گے آخر میں کامیاب تم ہی رہو گے اصلی عربی لفظ "الخبثاء" یا مخبثون کا ہنسنے جس کے معنی گندے ناپاک کے ہیں مراد بخومی تھے حالانکہ منصور بخومی سے بہت کام لیا کرتا تھا لیکن پھر بھی بے چارے مسلمان تھا باوجود فائدہ اٹھانے کے ان لوگوں کو خبیث کہتا تھا کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو لوگوں نے مختلف مشورے دیئے، مثلاً شب خون مارنے کے یا غور توڑ بچوں پر چھاپا مارنے کے لیکن سب کا انھوں نے انکار کیا عید الفطر کو تین دن باقی تھے کہ مدینہ سے بھائی کی شہادت کی خبر ملی دل اسی وقت ٹوٹ چکا تھا عید کی نماز کے بعد کوفہ کی طرف روانہ ہونے باختر میں مقابلہ ہوا گرمی زیادہ تھی، قبا کی گھنٹیاں کھول دیں اچانک ایک تیر جس کے چلنے والے کا پتہ نہ چلا آکا حلق میں ترازد ہو گیا، خون جاری ہوا گھوڑے کی گردن سے لپٹ گئے کہتے جاتے تھے کان امر اللہ قدر مقدم ہم نے کچھ چاہا تھا اور خدا نے کچھ چاہا لوگوں نے گھوڑے سے اتار دیا، مجمع جمع ہو گیا، حمید نے اس حال کو دیکھ کر اسی مجمع پر پل پڑنے کا حکم دیا، لوگ چھوڑ کر بھاگ گئے حمید کے آدمیوں نے حضرت ابراہیم کا مبارک تن سجدا کر کے عیسیٰ کے سامنے تحفے میں پیش کیا وہاں سے منصور کے پاس تحفہ گیا سجدے میں گر گیا اور شعر پڑھا جس کا ترجمہ تھا اس نے ہاتھی رکھ دی نراق کا دن ختم ہو گیا، ایسی ہی خوشی ہوتی جیسے گھر پہنچ کر مسافر کو ہوتی ہے جی سادات کی یوش کا بھی اسی واقعہ پر سمجھئے خاتمہ ہو گیا صرف طالبیوں کے نام سے ایک جماعت پیدا ہو گئی جس پر پانی کی گالی

بھائیوں کے خروج کے زمانہ میں اس کو جتنا از خود رفتہ لڑکھلایا ہوا پریشان بلکہ ایک حد تک مایوس پایا جاتا ہے اتنا مایوس کہ اگر نوبخت نامی بخوی اس کی آکر تسلی نہ کرتا تو کو نہ چھوڑ کر رستے کی طرف بھاگ کھڑا ہونے کا قطعی ارادہ کر چکا تھا وہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ کہیں سے نوبخت پہنچ گیا اور بھاگنے کی تیاری میں مصروف پا کر اس نے قطعی فیصلہ کی صورت میں اس کو یقین دلایا کہ فتح آپ ہی کی ہوگی منصور کو پھر بھی اس کے قول پر اطمینان نہ ہوا تو اس نے کہا کہ فتح کی خبر آئے تک مجھے قید کر لیجئے آخر بخوی کی خبر صحیح ثابت ہوتی نہ جوینہ کے نیچے دو ہزار جریب زمین جاگیر منجم کو عطا ہوئی۔

آخر یہی منصور ہے زندگی میں بیسیوں معرکے اس کے ساتھ پیش آئے لیکن یہ حال اس کا کبھی نہیں ہوا تھا جیسا کہ طبری وغیرہ میں ہے کہ کوفہ کے ہر دروازے پر اس نے تیز روئیاں مثلاً سانڈ ثیاں اور گھوڑے وغیرہ اس لئے بندھوا دیئے تھے کہ جس طرف سے بھی بھاگنے کا موقعہ جہاں جانے کے لئے مل جائے گا بھٹاک جاؤں گا اس پر کچھ اتنا خوف طاری تھا کہ آج کل جسے کرنیو آرڈر یا دوائے عشائی کا حکم جسے کہتے ہیں جب تک ابراہیم کی مہم کا بالکل یہ قلع قمع نہ ہو گیا کوفہ میں اس نے اسی حکم کو جاری کر رکھا تھا اور کتنا سخت حکم طبری میں ہے۔

ابو جعفر کی طرف سے کوفہ میں منادی کرنے والے یہ پکارتے پھرتے تھے کہ

عشاء کے بعد جو آدمی بھی گھر سے باہر پکڑا جائے گا اس کا خون حلال کر دیا گیا ہے۔

۲۷۲

غلاوہ اس کے پانچ سو مسلح سپاہی رات بھر کوفہ کی گلیوں اور شڑکوں پر پٹرول کرتے رہتے تھے عجیب عجیب ترکیبیں اس وقت اُس نے کیں لکھا ہے کہ

روز رات کوفہ کے ایک حصہ کو چپ چاپ کسی غیر معروف راستے سے حکم دیا جاتا تھا کہ شہر کے باہر چلے جایا کریں اور صبح کو باضابطہ نئی فوج کی شکل میں گویا کسی علاقہ سے تازہ دم نئی فوج آ رہی ہے شہر میں داخل ہوں جس سے کوفہ والوں کے قلب میں ذہشت پیدا کرنا مقصود تھا لوگ یہ سمجھتے رہے کہ روزانہ دستوں پر دستے باہر سے چلے آ رہے ہیں۔

اسی موقعہ پر ابو جعفر نے یہ حرکت بھی کی کہ فوجی علاقے میں دور دور تک حکم دے رکھا تھا کہ رات کو بغیر کسی ضرورت کے میلوں آگ جلائی جائے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ بہت بڑی فوج

پڑی ہوئی ہے اسی سلسلے میں لوگ یہ بھی لکھتے ہیں کہ محض دل کی ڈھارس کے لئے ابو جعفر نے عام فرمان کو نہ والوں کے لئے سیاہ پوشی کے لزوم کا بھی شائع کیا حالانکہ ظاہر ہے کہ اس دوست و دشمن کی تمیز میں کیا مدد مل سکتی تھی جو حکومت کے مخالف تھے وہ اپنی مخالفت کو سیاہ کپڑوں کی سیاہی میں باآسانی چھپا سکتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ رنگ کے سوا جس رنگ کا لباس پہنے آدمی گذرتا تھا اسے نظر آتا تھا دیکھ کر اس کا کلیجہ دھڑکنے لگتا نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ بقول طبری -

حد یہ ہو گئی کہ بے چارے بنے بقال کنجڑے کباڑی تک کسی نہ کسی طرح کپڑوں کو سیاہ رنگ میں رنگ کر پہنے پر مجبور ہوئے رنگ جب نہیں ملتا تو (داواتوں) کی روشنائی سے رنگ رنگ کر لوگ کپڑے پہنے لگے ۲۴۹

یہ اور اس قسم کے بیسیوں واقعات کا ذکر اس موقع پر مورخین نے کیا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے کچھ افسانے بھی ہوں مثلاً یہی کہ ہر طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد اپنی فوج کے اکثر دستوں کو اس نے مختلف صوبوں میں بھیج دیا تھا اور بے چارا اطمینان سے بغداد کی تعمیر میں مصروف تھا کہ اچانک ایک آسمانی بجلی کی طرح دونوں بھائیوں کے خروج کی خبر ابو جعفر کو ملی کہتے ہیں کہ گھبرا گھبرا کر کہتا تھا کہ ما اوری اصنع (کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کروں تو کیا کروں) میں نے فوجوں کو صوبوں پر روانہ کر دیا۔ پھر قسم کھاتا کہ آئندہ ایسی غلطی کبھی نہ ہوگی کم از کم میں فوج ہمیشہ اپنے رکاب میں رکھا کروں گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ منصور جیسے آدمی کے لئے فوج کا معاملہ اتنا اہم نہ تھا جیسا کہ ہوا بھی کہ دم کے دم میں ہر ہر صوبے سے قاہرہ دستے سوار و پیادہ کے یکے بعد دیگرے محض اس کے ادنیٰ اشارے پر آدھے جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ تھوڑا بہت دخل ممکن ہے کہ فوج کی قلت کا بھی ہو لیکن اصلی معاملہ یقیناً اور تھا طبری میں ہے کہ اسی فوج کے معاملہ میں ایک بوڑھے تجربہ کار آدمی سے ابو جعفر بلا کر مشورہ لے رہا تھا بوڑھے نے کہا کہ کیا بڑی بات ہے آپ ابھی شام سے چار ہزار سواروں کا دستہ منگوا سکتے ہیں لیکن منصور نے بوڑھے کے اس مشورے پر جوابات کہی اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا دماغی توازن کسی اور وجہ سے گمراہ ہوا تھا یعنی منصور نے کہا کہ بھائی! شام کی فوج کو میرے لئے کون بھیج سکتا ہے اس پر مجھلا کر بڑھے نے کہا کہ کون بھیج سکتا ہے؟ صاحب! آپ وہاں کے عامل و گورنر کو کیجئے ڈاک پر وہ ایک دن میں دس دس کے حساب سے بھیج سکتا ہے صاف ظاہر ہے کہ یہ

ایک کھلی بات تھی شام سے بھرہ اور کوفہ تک فوج کے پہنچنے میں اور وہ بھی منصور جیسے آدمی کے لئے کیا دشواری ہو سکتی تھی لیکن بے چارے کا دماغ بھی تو قابو میں ہو کتنی بے کسی سے بڑے سے اُس نے کہا "حسن لی بھہ" (میرے لئے کون اس فوج کو بھیجے گا)

میرا خیال ہے کہ اضطراب اور گھبراہٹ کے دوسرے اسباب کے ساتھ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ابو جعفر پر اتنے زبردست موروٹی نہک خوار اور دنا دار جنرل حسن بن مطہر کے بدل جانے کا اس پلڑے پڑتا اس کا بدلنا صرف اسی کا بدلنا ہوتا تو غنیمت تھا یقیناً طرح طرح کے دوسرے ابو جعفر کو پریشان کر رہے ہوں گے حسن کی وجہ سے کون کون بڑے ہیں، بلاشبہ اس کو آخر وقت تک اس کا کھٹکا لگا ہوا ہو گا اس عظیم مسکرتی انقلاب کا نتیجہ نہ معلوم کس وقت کس رنگ میں سامنے آتا ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ کتنا گھبراہٹا ہوا ہے اور نو بخت بخوی اگر اس کو نہ روک لیتا تو یقیناً وہ رے بھاگ چکا تھا اعمالیوں کی اندرونی جذبات کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جس کا ذکر میں نے کہیں کیا ہے کہ محمد نفس زکیہ کے صدر مبارک کو حالانکہ حمید بن مطہر ہی نے نیزت سے چھینا اسی کو رنجش سے سر مبارک کو تن سے جدا کیا الغرض اعمالیوں کی رفا داری میں اول سے آخر تک وہ ثابت قدم رہا لیکن ان ہی محمد نفس زکیہ کے مقابل میں ابو جعفر منصور کے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ نے بلاوجہ اس پر یہ ہنگامی کی جیسا کہ طبری وغیرہ میں ہے کہ

اراک ابعدت فی امر حسنہ الرجب میں دیکھ رہے ہوں کہ اس شخص رخصت زکیہ کے معاملہ میں تو کچھ تاخیر سے کام لے رہا ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ اُس نے یہ بھی کہا کہ

یا حمید ما اراک تبائع حمید میں دیکھ رہا ہوں کہ تم پوری کوشش سے کام نہیں لے رہے ہو!

جس پر بہت قہمت حمید نے کہا کہ

اتتھمنی نواللہ صریحاً محمل احین تم مجھ پر بلا بیت کی حد تک کی قہمت لگاتے ہو
ارایہ بالسیف اداقتل دونہ عینہ تو خدا کی قسم جوں ہی تم میرے پڑے گی میں ان کو تلوار سے ختم کر دوں گا لیکن تم نے قتل ہو جانے کا

یہ فقرہ کو میں نے قہمت سے اس لئے نقل کیا ہے تاکہ اندازہ ہو کہ حسن نے جوں جوں سے

عباسیوں میں کس کس قسم کے شبہ اور شکوک پیدا ہو گئے تھے شک و شبہ کی یہ انتہا ہے کہ حمید جیسے آدمی پر بھی عین اس وقت جب جان اپنی تھیلیوں پرستے ہوئے عباسیوں کی طرف سے وہ سب کچھ کر رہا ہے جو حد سے زیادہ وفادار سپاہی کر سکتا ہے لیکن یہ شبہ بقول حمید تہمت جو عیسیٰ کی طرف سے اس پر لگائی گئی اس کی وجہ ایں ہم بچہ شترست کے سوا آپ ہی بتائیے اور کیا ہو سکتی ہے کچھ بھی نہ ہو آخر حمید حسن کا بھائی ہی تو ہے میں سمجھتا ہوں اسی چیز نے عیسیٰ کے اندر اس وسوسے کو پیدا کیا اور اس میں اتنی شدت پیدا ہو گئی کہ دل سے اُبل کر آخر عیسیٰ کی زبان پر بھی آگیا حمید کے منہ پر اپنے اس شبہ کا اظہار کرنا پڑا۔

بہر حال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یقیناً یہ بڑی اہم سیاسی کامیابی تھی کہ عباسیوں کی توجہ سے گویا اس کی روح رواں کو توڑ دینے میں وہ کامیاب ہو گئے تقدیری واقعات کا تو کوئی علاج نہ تھا۔ بقول حضرت ابراہیم کے ہم نے کچھ چاہا تھا اور خدا نے کچھ چاہا یہ دوسری بات ہے۔ لیکن

اب اس سے زیادہ اور کیا سہکا کہ صرف یہی دونوں بھائی محمد اور ابراہیم ہی نہیں بلکہ سارے خاندان کے جو معنی کارروائیوں کے لئے مختلف صوبوں میں بھیجے گئے تھے باوجود کامیاب ہو جانے کے آخر میں ایسے حالات سے دوچار ہوئے کہ سب کے سب گرفتار ہو کر یا قتل کر دیئے گئے یا قید میں ان کو مرنا پڑا صرف یحییٰ بن عبد اللہ جو نفی زکیہ کے بھائیوں ہی میں تھے ویتیم کے علاقے میں ان کو کچھ دن کے لئے پناہ مل گئی ہزار ہا ہزار آدمی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور ہارون الرشید کے زمانے تک اس علاقے کے حکمران رہے لیکن ہارون نے ان کا مقابلہ ہوا آخر صلح پر معاملہ طے ہوا بعد ازلے گئے۔ ابتدا میں بڑی خاطر مدارات ہوئی اور آخر میں ان کو بھی جیل ہی سے وفات پا کر نکلتا پڑا اسی طرح مغرب اقصیٰ کی طرف نفی زکیہ کے بھائی اور یس بن عبد اللہ بھیجے گئے تھے گو منصور نے ان کے قتل کرانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن اس کی پیش نہ گئی اور یسی سادات کی ایک اچھی مستحکم حکومت اس علاقے میں ان ہی اور یس بن عبد اللہ کے ہاتھوں سے قائم ہو گئی جس کی تفصیل کتابوں میں پڑھئے ہیں ان دونوں کے سوا دوسرے صوبوں کے اس خاندان کے نمائندوں کو عباسیوں نے ختم کیا ایک صاحب اسی خاندان کے جن کا نام عبد اللہ تھا اور خراسان میں کام کرنے کے لئے ان کو بھیجا گیا تھا بے چارے سندھ میں آکر انھوں نے پناہ لی لیکن وہاں بھی ان کو پناہ نہ ملی آخر قتل کر دیئے گئے۔ اب اس کی توجہ کوئی کیا کر سکتا

تدبیری حد تک کسی حکومت قائمہ کو بٹھا دینے کی آخری تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ فوج میں انقلاب پیدا کر دیا جائے اور آپ دیکھ رہے ہیں اس حد تک امام یقیناً کامیاب ہو چکے تھے فوجی بساط کا سب سے بڑا اہم مہرہ پٹ گیا تھا لیکن قسمت نے ساتھ نہیں دیا شاید اسی لئے عام مورخین نے اس واقعہ کا اپنی کتابوں میں ذکر بھی نہیں کیا ورنہ ابراہیم کی مہم اگر کہیں کامیاب ہو جاتی تو شاید دنیا کی چند عظیم جنگی چالوں میں امام ابو حنیفہ کی یہ کامیاب چال شمار ہوتی

ہے کہ نفس زکیہ کے فوجی دفتر میں لوگوں نے شروع میں جو نام لکھوائے تھے ایک لاکھ سے اوپر ان کی تعداد تھی لیکن آخر میں جب چاروں طرف سے عباسی عساکر نے ان کو گھیر لیا تو بیان کیا جاتا ہے کہ کل تین سو آدمی کے قریب قریب رہ گئے تھے نفس زکیہ کو جب اس کی خبر ملی تو بولے کہ اچھا ہوا بدر میں بھی تو مسلمانوں کی تعداد یہی تھی ابن خضیر جو ان کا سب سے بڑا وفادار سپاہی تھا اسی حال میں اُس نے خبر دی کہ اس جہتر کو میں نے جلا دیا جس میں لوگوں نے نام لکھوائے تھے سن کر وعادینے لگے کہ اچھا کیا ورنہ اسی جہتر کو دیکھ کر لوگوں کو قتل کیا جاتا جس بے جگری کے ساتھ نفس زکیہ اور ان کے رفقاء لڑ رہے تھے ایک صاحب نے کہا قطعی فتح ان کی تھی اگر ان کے ساتھ کچھ بھی لوگ رہ جاتے ابن خضیر لڑتے لڑتے جب چور ہو کر گر گیا اور سر کاٹا گیا تو کاٹنے والے کا بیان ہے کہ ایسے جنگین کی شکل ان کے چہرے کی تھی جسے کچھ کے دے دے کر ہر طرف سے داغ دار کر دیا گیا ہو یہی حال ابراہیم کا ہوا خمر کے میدان کی طرف جب جا رہے تھے تو راتے میں ایک ہند دی کا ملا فوج اس سے عبور کر کے آگے بڑھی تو حکم دیا گیا کہ بند توڑ دیا جائے تاکہ بھاگنے سے مایوس ہو کر لوگ لڑیں لیکن یہی تدبیر الٹی پڑی غالب آنے کے بعد جب ان کی فوج کو ہزیمت ہوئی تو یہی نالہ روک بن گیا اور کتنے آدمی محض اسی کی وجہ سے مارے گئے عباسیوں کے ساتھ اس کے برعکس یہ صورت پیش آئی کہ پہلی دفعہ حمید بن قحطبہ کے ساتھ ان کی فوج بھاگی تو تو سامنے بھی ایک ہند دی آئی۔ بہت تلاش کیا گیا لیکن کوئی مخاضہ دگنہ نہ ملا بھوڑا پلٹنا پڑا اور یہی پلٹنا ان کے لئے مفید ہوا لوگ عموماً طارق فاتح اندلس کے اس واقعہ کو کہ کشتی اُس نے جلا دی تھی بڑی جنگی چال کی مثال میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں بحسبہ یہی تدبیر تقدیر کے سامنے الٹی تدبیر بن گئی۔ سچ ہے کہ چلتی کا نام ناہو طارق کامیاب ہو گیا تو ساری کامیابی اس کی تدبیر کی طرف منسوب ہونے لگی ۱۲

حضرت محمد نفس نہ کی مہم میں حضرت امام کیوں شریک نہ ہو سکے

یہ قصہ تو حضرت ابراہیم کی شہادت پر ختم ہو گیا۔ لیکن دو باتیں اس سلسلہ میں ایسی ہیں جن پر بحث کی تکمیل کے لئے مجھے کچھ کہنا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی مہم میں امام ابوحنیفہ نے واقعی اتنا ہی حصہ لیا تھا جو ان کے حنفی سوانح نگاروں نے لکھا ہے تو پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے اور اب کیا پیدا ہوتا ہے خطیب بغدادی کی روایت سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ محدث الفزاری نے اپنے بھائی کے قصے کے سلسلے میں خود امام ہی سے اس سوال کو پوچھا بھی تھا جس کا حاصل یہی تھا کہ ابراہیم کی مفاقت کا مشورہ دے کر تم نے میرے بھائی کو قتل کرا دیا۔ لیکن خود تم ابراہیم کی فوج میں جا کر کیوں شریک نہیں ہوئے۔ بھائی کو تو میرے بعصرہ روانہ کر دیا اور خود کوفہ میں بیٹھے بیٹھے صرف لوگوں کو فتویٰ دیتے رہے۔ یقیناً یہ سوال اس وقت بھی کرنے کا ہی تھا اور اب بھی ضرورت ہے کہ اس کا جواب امام کے حالات میں تلاش کیا جائے۔

الخطیب نے اس موقع پر امام کی طرف جس جواب کو منسوب کیا ہے یعنی الفزاری سے امام نے کہا کہ:-

لولا دلائل کانت عندی واشياء لوگوں کی امانتیں اور دوسری چیزیں اگر میرے پاس نہ
الناس ما استثنيت من ج ۱۳ ہوتیں تو میں بھی اپنے آپ کو مستثنیٰ نہ کرتا۔

شاید یاد ہو گا کہ حضرت زید شہید کی مہم میں عدم شرکت کے وجوہ کے سلسلے میں بھی امام کی طرف اس عذر کو منسوب کیا گیا ہے قرآن و قیاسات کے پیش کرنے میں چونکہ بہت طوالت پیدا ہو جائے گی ورنہ جہاں تک میرا خیال ہے راوی کو اگر غلط سمجھتا ہوا تو تعجب نہیں ہے یعنی زید شہید کے واقعہ کے عذر کو اس نے اس موقع پر بھی امام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ بہر حال اس میں کچھ حصر نہیں ہے کہ ایک عذر کوفہ کے نہ چھوڑنے کا یہ بھی ہوا خیال امام کو یہ گزر سکتا تھا کہ فوج میں شریک ہو جانے کے بعد قتل اور قتل داروں یا مارا جاؤں، دونوں کا احتمال ہے۔ گزر چکا کہ امام کی تجارتی کوٹھی میں امانت کا کھانا معمولی رقوم پر مشتمل نہ تھا بلکہ کمر در ہا کمر در تک اس کی تعداد پہنچی ہوئی تھی اچانک قتل ہو جانے کی صورت میں بلاشبہ ہلاکت تھی کہ لوگوں کے رقوم کا حساب غت پر ہوتا نہ ہو جائے لیکن میرے نزدیک ایک یہی وجہ کوفہ میں

تھیرے رہنے کی نہیں ہو سکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ خروج تو حضرت ابراہیم نے بصرہ ہی سے کیا تھا جس کی بڑی وجہ وہی تھی کہ عیسائیوں کی طرف سے بصرے کا اس زمانے میں سفیان بن معاویہ نامی جو گورنر تھا گو بہ ظاہر اس نے بغاوت کا اعلان اپنی حکومت کی طرف سے نہیں کیا تھا لیکن اندرونی طور پر وہ ابراہیم سے ملا ہوا تھا جب دارالامارہ کا محاصرہ حضرت ابراہیم نے کیا تو تھوڑی دیر کے لئے وہ محصور ہو گیا اور آخر امان طلب کر کے دارالامارہ کو اور بصرے کے خزانے کو حضرت ابراہیم کے حوالہ کر دیا، نیز یہ تو طویل قصہ ہے کہنا یہ ہے کہ خروج کے لئے گو بصرہ ہی کا انتخاب مختلف اسباب و وجوہ کی بنیاد پر کیا گیا تھا لیکن جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے کوفہ میں حضرت ابراہیم کے ہمدردوں کا جو گروہ تھا اس کی رائے یہی تھی کہ مقابلہ بصرہ میں بیٹھ کر نہ کیا جائے بلکہ جتنے آبی بصرے میں مل سکتے ہوں ان کو ساتھ لے کر ابراہیم کو نہ پر باہر سے حملہ کریں اور ہم لوگ شہر کے اندر برہمی پھیلادیں کوفہ کا جو دند بصرہ ابراہیم کے پاس پہنچا تھا اس نے ان سے یہی کہا تھا کہ

اذا سمع المنصور الهیعدہ بازجاء کوفہ کے اطراف و جوانب سے غل اور شور کی صدا
الکوفہ لمرید و جہہ دون منصور کے کان میں پہنچ گئی تو حلوان سے پیچھے
حلوان صلا کا بل رخ نہ پلٹے گا۔

پس پہلی وجہ تو یہی ہو سکتی ہے کہ جب اسی مشورے کے تحت ابراہیم کو نہ خود آ رہے تھے تو امام کو بصرہ جانے کی ضرورت ہی کیا تھی علاوہ اس کے خود اسی کوئی دند نے کوفہ

لحطری میں ہے کہ ابراہیم کی شہادت کے بعد سفیان بن معاویہ کو اپنی فکر بھی ہوئی، منصور پر اس کے حالات پوشیدہ نہ تھے جوں ہی حضرت ابراہیم کے قتل کی خبر اس کو ملی بصرہ سے ایک کشتی پر سوار ہو کر اس نے راہ فرار اختیار کی کشتی اس کی فرات میں جا رہی تھی اور منصور اس وقت اس قصر میں ٹھہرا ہوا تھا جو فرات کے ساحل پر تھا، اتفاقاً دریا کی طرف دیکھ رہا تھا کہ سامنے سے سفیان کی کشتی گذرتی ہوئی معلوم ہوئی اس نے فوراً پہچان لیا اور مصاحبوں سے کہنے لگا کہ دیکھو! کیا یہ سفیان ہے لوگوں نے کہا کہ جی ہاں! وہی ہے تب غصہ میں گالیاں دیتے ہوئے اس نے کہا کہ دیکھتے ہو اس میں ابن الفاعلہ کو کس طرح مجھ سے نکل بھاگنا چاہتا ہے ۱۲

چلنے کی استعداد کرتے ہوئے حضرت ابراہیم سے جو یہ کہا تھا کہ
 - کوفہ میں لوگ تیار بیٹھے ہیں مگر ان کا حال یہ ہے کہ آپ کو جس وقت
 دیکھ لیں گے ایک ایک کر کے آپ پر اپنی جان قربان کر دے گا لیکن اگر
 آپ ان کے سامنے نہ گئے تو قتل تمہارا سبب بنتی یعنی مختلف سبب
 ایسے ہیں جو ان کو بٹھا دیں، مثلاً کامل۔

اس سے کوفہ والوں کی ذہنیت اور عام حالت کا اندازہ ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اس قسم کی
 جماعت کو قابو میں رکھنے کے لئے کس قدر ضرورت تھی کہ ذمہ دار لوگ ان کے ساتھ ساتھ رہیں
 اور یہ تو سمجھتا ہوں کہ دوسری وجہ کوفہ نہ چھوڑنے کی یہ بھی ہو سکتی ہے۔ ماسوا اس کے ان ہی
 پورخین نے یہ بھی تو لکھا ہے کہ منصور نے بوکھلا ہٹ اور اضطراب کی حالت میں جہاں اور اور
 تدبیریں اختیار کی تھیں۔ ان میں ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ کوفہ سے جانے کے لئے بصرے تک جتنے
 راستے تھے ہر راستہ پر اس نے تھوڑی تھوڑی دور پر پہرہ مقرر کر دیا تھا کہ کوفہ سے بصرہ جانے
 ہوئے جن لوگوں کو دیکھا جاتے قتل کر دیا جاتے اس سلسلہ میں کتنے آدمی قتل بھی ہوئے جن
 کی تفصیل طبری وغیرہ میں موجود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام بصرہ جاکر حضرت ابراہیم کے ساتھ جو شریک نہیں ہوئے تو علاوہ اس
 وجہ کے جس کا ذکر الخطیب کی روایت میں ہے اور وجہ بھی ہو سکتے ہیں خصوصاً زیادہ تر وجہ
 وہی معلوم ہوتی ہے اور کوفہ کے باشندوں کے متعلق جو تجربات ہوتے رہے ہیں ان سے اس
 کی تائید بھی ہوتی ہے ضرورت تھی ان پر کڑی نگرانی رکھنے کی اور میں نے پہلے بھی کہیں جو یہ
 نقل کیا ہے کہ کوفہ کے اندر ایک لاکھ تلواریں میالوں سے بچھنے کے لئے تیار تھیں یہی لوگ
 تھے جن کو چھوڑ کر امام کو چاہیے تھا کہ باہر نہ جائیں، کوئی شبہ نہیں کہ خارجی اور اندرونی
 حملے کی جو اسکیم بنائی گئی تھی۔ اگر تقدیر اس کی راہ میں حائل نہ ہو جاتی تو حلو آن کیا میں تو
 سمجھتا ہوں کہ ابو جعفر منصور عالم ہرزخ سے پہلے شاید دوسری طرف رخ پھرنے کی بھی گنجائش
 نہ پاتا۔ لیکن کل ۱۷۸ میل کوفہ پہنچنے کے لئے باقی رہ گئے تھے۔ کہ باخرا کے میدان میں قدرت
 نے عباسیوں کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

لے لکھا ہے کہ عید الفطر کو تین دن باقی تھے نفی زکیہ کی شہادت کی خبر بصرہ پہنچی اسی وقت سے

سچ پوچھتے تو دوسرا سوال جو قدرتی طور پر یہاں پیدا ہوتا ہے اس کے جواب کو بھی ہم ان ہی واقعات کی روشنی میں پاسکتے ہیں :

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن عبداللہ کے خروج کی مہم میں امام ابو حنیفہ کی سرگرمیوں کا ان کے حمایت میں اگر واقعی وہی حال تھا جو بیان کیا گیا تو پھر اس کی کیا وجہ تھی کہ ابو جعفر منصور کی طرف سے مخالفین حکومت کی وارد گیر میں جب اٹنی کھلبلی مچی ہوئی تھی تو پھر اسی کوفہ میں بیٹھے ہوئے امام جب سب کچھ کر رہے تھے، تو حکومت کی گرفت اور دوسے وہ کیے بکے ہوئے تھے حالت تو یہ تھی کہ عتہ (یعنی عشا کے بعد) کوفہ کی گلیوں اور بازاروں میں جو کوئی چلتا پھرتا آدمی حکومت کے پہرہ داروں کو بل جاتا خواہ وہ کوئی بھی ہوتا طبری میں ہے کہ

اس کو فوراً پکڑ لیتے اور کبل میں لپیٹ کر اس جگہ پہنچا دیئے جاتے جہاں رات بھر ان کو رہنا پڑتا، جب صبح ہوتی تو پوچھ گچھ کے بعد یا چھوڑ دیا جاتا یا جیل بھیج دیا جاتا تھا۔ مثلاً ج ۹ طبری

اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ شہر میں ابو جعفر منصور کے جاسوس چھوٹے ہوتے تھے اور تھوڑی دیر بعد منصور کو شہر کے مختلف لوگوں کے متعلق خبریں پہنچاتے رہتے خلیفہ کے ایک معتبر آدمی کے حوالہ سے طبری میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص کے متعلق ابو جعفر کو یہ خبر ملتی کہ ابراہیم بن عبداللہ کی طرف کسی قسم کا رجحان اس میں پایا جاتا ہے، تو خطبہ کا ایک غلام جس کا نام سلم تھا اس کو بلا کر ابو جعفر حکم دیتا کہ اس کی خبر لی جائے۔

ابراہیم بد حال نظر آتے تھے نماز عید کی حضرت نے خود پڑھائی تھی، منبر پر خطبہ کے لئے جب چڑھے تو اس ناگہانی مصیبت کا حال بیان کرتے ہوئے چند اشعار بھی پڑھے بھائی کو خطاب کر کے گویا کہہ رہے تھے کہ اگر معلوم ہوتا کہ یہ انجام ہونے والا ہے تو ہم بھائی تم سے جدا نہ ہوتے اور قتل ہونے کے لئے دشمنوں کے سپرد نہ کر دیتے پھر جیتے تو دونوں بھائی ساتھ جیتے اور مرتے تو دونوں بھائی ساتھ مرتے، سننے والوں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ آپ زندگی سے بیزار ہو چکے ہیں اور مر جائے کافر جیل تلاش کر رہے ہیں ۱۲

اس خبر پہلے کا مطلب کیا ہوتا تھا اسی سلم کے بیٹے عباس کی زبانی اس کی تفصیل طبری نے دست کی ہے کہ :-

میرے والد سلم خلیفہ سے حکم پانے کے بعد دن کے گزرنے کا انتظار کرتے جب آفتاب غروب ہو جاتا اور رات کا کافی حصہ گزر جاتا ہر طرف سناٹا چھا جاتا تب سیڑھی لے کر میرے والد اس مشتبہ آدمی کے گھر پہنچتے اور اسی سیڑھی پر چڑھ کر اس کے گھر میں اترتے اور گھر سے باہر نکال کر اس کو قتل کر دیتے اور خلیفہ کو دکھانے کے لئے، مقتول کی انگوٹھی اتار لیتے۔

یقیناً یہ سوال ہوتا ہے کہ جب کوفہ میں یہ سب کچھ ہوا تھا تو امام جن کی طرف سے "ہمارے شدید" کی شکل میں ابراہیم کی تائید و حمایت کا سلسلہ جاری تھا تو ان کو اسی زمانے میں حکومت نے کیوں گرفتار نہیں کر لیا؟

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کی وجہ وہی تھی کہ امام ابوحنیفہ کی حیثیت شہر کے عام باشندوں کی نہ تھی علم و فضل تقویٰ و طہارت اور دوسری خصوصیتوں نے جیسا کہ گذر چکا نہ صرف کوفہ کا بلکہ سارے عراق، بلکہ سارے مشرق کا ان کو امام اور پیشوا بنا دیا تھا، سفیان بن عیینہ کے حوالہ سے جو یہ فقرہ نقل کیا جاتا ہے یعنی وہ کہا کرتے تھے :-

"دو چیزیں ایسی تھیں جن کے متعلق میرا خیال تھا کہ کوفہ کے پل کے پار بھی نہ ہو سکیں گی۔ لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑا کہ دنیا پر وہ چھا گئیں۔"

کہتے کہ

"ابوحنیفہ کے اجتہادی آراء اور حمزہ کی قرأت کی طرف میرا اشارہ ہے۔" سفیان کا یہ بیان شاعری نہیں بلکہ واقعہ تھا، میں نے شاید پہلے بھی کہیں ذکر کیا ہے آئندہ بھی تفصیلاً اس کا تذکرہ آئے گا کہ آخر میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ ابو جعفر منصور نے جو کچھ کیا تو منصور کے چچا جن کا نام عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھا وہ گھبرائے ہوئے پہنچے اور

اسی سلسلہ میں لطف یہ نقل کیا ہے کہ بعد کو لوگ سلم کے اسی بیٹے عباس کو کہتے کہ تیرا باپ اگر اس زمانے کے متفكروں کی انگوٹھیوں کے علاوہ ترکہ میں اور کچھ نہ بھی چھوڑتا جب بھی تو ایک ٹاسٹ النبال و بارش پڑے باپ بن سکتا تھا ۱۲

منصور سے کہہ رہے تھے۔

تم نے آج یہ کیا کیا، اپنے اوپر تم نے ایک لاکھ تلواریں خود اپنے ہاتھوں کچوالیں یہ نامام ابوحنیفہ، اہل عراق کا فقیہ اہل مشرق کا فقیہ تھا ص ۱۸۲

واقعہ یہ ہے کہ ابو جعفر منصور اضطراب و سرسبکی کے جس حال میں اس وقت مبتلا تھا بھڑکے چھتے میں ہاتھ دے دیتا اگر ایک ایسے نازک وقت میں امام ابوحنیفہ پہاڑ تھوڑا لتا اس وقت تک تو صرف ابراہیم ہی کی بلا سانسے تھی اور کہیں یہ حماقت اس سے سرزد ہو جاتی تو بجائے یک نہ شد دوشد کی مصیبت میں گھر جاتا جس کا اندازہ خود ابو جعفر سے زیادہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تھا حالت تو یہ تھی کہ ہر لمحہ اس کو خطرہ تھا کہ کونے والے اس پر ٹوٹ پڑیں گے طبری میں ہے کہ سلیمان بن مجاہد جو ابو جعفر منصور کے خاص امراء میں تھے ان کا بیان تھا کہ ان ہی دنوں میں جب ابراہیم کے خروج کی وجہ سے ہم لوگ پریشان تھے اچانک میرا ایک کوئی دوست آیا اور اُس نے اضطراب کے لہجہ میں مجھ سے کہنا شروع کیا کہ

• سلیمان! ہو سکے تو تم اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے کسی محفوظ جگہ کا نظم کر لو کیونکہ کوفہ والے تمہارے صاحب (ابو جعفر) پر یک بارگی ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں ص ۲۴۹

سلیمان کہتے ہیں کہ اس خبر کے سننے کے ساتھ ہی میں بھاگا ہوا خلیفہ کے پاس پہنچا اور جو خبر ملی تھی اُس سے مطلع کیا لکھا ہے کہ ابو جعفر نے سننے کے ساتھ فوراً اپنا آدمی ابن مقرن کے پاس دوڑا یا یہ ابن مقرن کوفہ کا مشہور صراف تھا اور پبلک سے بے ظاہر ملا ہوا تھا۔ لیکن اندرونی طور پر ابو جعفر کی جاسوسی کا کام کرتا تھا، ابن مقرن بلا یا گیا سخت پریشانی کے لہجہ میں ابو جعفر نے اُس سے کہنا شروع کیا۔

و یحک قن تھراک اھل الکوفہ خرابی ہو تیرے لئے کوفہ والے تو چل پڑے

سلیمان کہتے ہیں کہ اس پر ابن مقرن نے منصور کو اطمینان دلایا کہ آپ اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑیئے کوئی صورت حال اگر پیش آئے گی تو میں اس کی پوری نگرانی کر رہا ہوں، ابن مقرن کے بیان سے منصور نے اطمینان کی سانس لی

الغرض یہ اور اس قسم کے بیسیوں واقعات سے آسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اچانک

ایک ایسی شورش اور ہنگامے کی حالت میں امام ابو حنیفہ پر ابو جعفر نے اگر ہاتھ نہیں ڈالا تو وقتی مصلحت کا یہی اقتضا تھا لیکن یہ صرف وقتی بات تھی جیسا کہ معلوم ہوگا امام کے ساتھ منصور نے آئندہ جو کچھ کیا اس میں بہت بڑا دخل ان کے اسی طرز عمل کو تھا جو حضرت ابراہیم کے خروج کے زمانے میں انھوں نے اختیار کیا تھا اس وقت منصور صرف وقت ماننے کے لئے دم ساوے رہا بلکہ شمس الائمہ زرخیری (زرنگری) کے حوائج سے کردری نے ایک روایت جو نقل کی ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ منصور نے جو کچھ کیا اس کی تیاریوں میں وہ اسی زمانے سے مشغول تھا میرا اشارہ کردری کی اس روایت کی طرف ہے جس میں ہے کہ

جب ابراہیم بن عبد اللہ نے بصرے میں خروج کیا اور منصور تک لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ اعمش اور ابو حنیفہ کو فہ کے ان دونوں عالموں نے

لے یہ اعمش امام ابو حنیفہ کے معاصرون میں تھے اصلی نام سلیمان بن مہران تھا آنکھ میں عرج تھا اس لئے اعمش کے نام سے (چوندے)، مشہور ہوئے قراۃ اور حدیث کے امام ہیں امام ابو حنیفہ اور ان میں جو تعلقات تھے لوگوں نے ان کو بڑی دلچسپیوں سے ذکر کیا ہے مزاج میں معلوم ہوتا ہے کہ کچھ طرافت تھی طالب العلموں کو ایک دن کھانا لاکر کھلانے لگے طلباء میں بعض شائع مزاج تھے انھوں نے کہا کہ جتنا لائے جائیں کھاتے چلا جانا چاہیے دیکھیں کب تک کھلاتے ہیں آخر جو کچھ گھر میں تھا سب لاکر کھادیا اور آخر میں بولے اسے شریعتاً تم نے میرا اور میری بیوی تک کا کھانا سب کھا لیا طلبہ بھاگے اور چند ہفتے در کے مارے سامنے نہ گئے۔ ان ہی بیوی صاحبہ کے ساتھ ان کا قصہ یہ پیش آیا، رات کو اعمش اور ان کی بیوی میں جھگڑا ہوا یہ کچھ پوچھتے تھے غصہ میں ان کی بیوی نے خاموشی اختیار کر لی۔ تاکہ جھگڑا گمردہ گمچپ رہیں تب ان کو بھی غصہ آگیا اور بول اٹھے کہ اگر صبح ہونے سے پہلے تم نہ بولیں تو تم کو طلاق ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کی بیوی پر اتنا غصہ چڑھا ہوا تھا کہ طلاق لینے پر آمادہ ہو گئیں۔ اب تو اعمش کو بہت پریشانی ہوتی سیدھے امام ابو حنیفہ کے دروازے پر پہنچ کر کنڈی کٹکھٹائی 'حماد امام کے صاحبزادے باہر نکل کر آئے دیکھا اعمش ہیں مہلا کرے گئے۔ بھائی اس اندھیری رات میں کہاں آئے امام ابو حنیفہ نے کہا: بولے کہ بیوی میرے ہاتھ سے گئی بال بچوں کی فکر ہے کون پالے گا امام صاحب نے کہا ٹھیکرآن کے ساتھ اس مسجد میں پہنچے جو اعمش کے محلہ میں تھی موزن کو اٹھایا اور کہا کہ بھائی ایک ضرورت ہے آج تو ذرا

ابراہیم کے نام خطوط لکھے ہیں تب منصور نے یہ سن کر ابراہیم کی طرف سے ایک جعلی خط اعمش کے نام اور ایک خط امام ابو حنیفہ کے نام لکھوا کر بھیجے دونوں خطوط قبول کر لئے گئے اسی کو منصور نے امام ابو حنیفہ پر الزام لگانے کا

ذریعہ بنا لیا ضلع ۲ کوردی

میرا خیال ہے کہ آئندہ جو کارروائی منصور امام ابو حنیفہ کے معاملہ میں کرنا چاہتا تھا اسی کی یہ تمہید تھی گویا اس ذریعہ سے اس نے مقدمہ قائم کرنے کی ایک شہادت بہم پہنچائی یعنی اگر امام ابراہیم کی تائید و حمایت کا انکار کریں گے تو اس وقت دکھانے کے لئے یہ ثبوت پیش کیا جائے گا۔

بہر حال اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ منصور نے کوئی ایسی جعلی کارروائی امام کے ساتھ کی تھی تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ ابھی سے ان باتوں کے لئے وہ زمین تیار کر رہا تھا جن کا ظہور بعد کو ہوا بلکہ نفس زکیہ اور ابراہیم بن عبداللہ کے خروج کے موقعہ پر حسن بن محطوب نے جس طرز عمل کو اختیار کیا تھا تو اسی موقعہ پر بھی جیسا کہ گذر چکا اپنے خفیہ خاندانوں کو منصور نے تحقیقات کا حکم دیا تھا کہ اس شخص کو کون بگاڑ رہا ہے اس کا پتہ چلایا جائے بعض روایتوں میں ہے کہ منصور نے خفیہ کے ان آدمیوں کو یہ بھی کہا تھا کہ

”اس کی گمراہی کرتے رہو کہ ان قراء (یعنی علماء) میں سے کس کی آمد و رفت حسن کے پاس زیادہ ہے، یا حسن ان میں سے کس کے پاس زیادہ آمد و رفت رکھتا ہے۔“

طلوع صبح سے پہلے ایک اذان دے دے بے چارہ تیار ہو گیا اعمش سے امام نے کہا کہ اب گھر جاؤ گھر ادھر وہ پہنچے، موذن نے رات رات اذان پکار دی، اعمش کی بیوی نے سمجھا کہ صبح ہو گئی۔ بولیں لو! اب میں جاتی ہوں، طلاق پڑ گئی اعمش نے کہا کہ ات تو ابھی باقی ہے۔ طلاق کیسے پڑتی دیکھنا گیا تو یہی واقعہ تھا۔ قصہ رفع و نفع ہو گیا زید شہید کے واقعہ میں ان کا ذکر گذر چکا ہے کہتے ہیں کہ تشیع کی طرف ان کا میلان تھا بعض مسائل امام ابو حنیفہ نے ان کے سامنے بیان کئے تو بولے کہ کہاں سے تم ایسا کہتے ہو امام نے فرمایا تم ہی سے تو فلاں فلاں حدیثیں میں نے سنی ہیں ان ہی سے تو معلوم ہوتا ہے۔ اعمش نے کہا کہ میرا ذہن بھی ان حدیثوں سے ان مسائل کی طرف نہیں گیا تھا۔ اسی زمانے میں غالباً ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ ہم محدثین دراصل صیاد لہ ودوافر قش، ہیں اور طبیب تم لوگ ہو ۱۲

میں نے لکھا تھا کہ اس وقت بھی خضیہ والوں کی رپورٹ خلیفہ کے پاس بھی پہنچی تھی کہ
اندہ یل خل علی ابی ابوحنیفہ ص ۱۸۷ ابوحنیفہ کے پاس آتا جاتا رہتا ہے

میرے خیال میں یہ ساری کاہر روایاں منصور اپنے اس ارادے کی تکمیل کے لئے کر رہا تھا
جسے امام کے متعلق ابراہیم کے خروج کے زمانہ میں طے کر چکا تھا معاملہ کسی عامی آدمی
کا نہ تھا امام ابن العراق امام اہل المشرق کا معاملہ تھا اور اسی لئے کافی شہادتیں بھی
دہ دیا کر رہا تھا تاکہ آئندہ پبلک کو مطمئن کرنے کے لئے امام کے ان ہی باغیانہ چال چلن
کو پیش کر کے ثابت کرے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں ضابطہ اور قانون کا بھی اقتدار ہے۔

حضرت ابراہیم کا سر ابو جعفر کے دربار میں

بہر حال فدویوں بھائیوں کے خروج کا یہ قصہ ختم ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کا
سر مبارک جب منصور کے سامنے لایا گیا تو دیکھنے کے ساتھ ہی منصور بلبلا کر رو پڑا اور کہنے
والے کہتے ہیں کہ منصور کے آنسو حضرت ابراہیم کے رخسار پر گر رہے تھے۔ منصور روتا جاتا
تھا اور کہتا جاتا تھا کہ

قسم ہے خدا کی جو شکل پیش آئی میرے لئے سخت ناگوار ہے مگر کیا کیا جائے
ابراہیم! تم ہمارے ساتھ مبتلا کئے گئے اور میں تمہارے ساتھ مبتلا ہوا۔

۲۱۲ کامل ج ۵

پھر دربار عام ہوا خلیفہ کے حاشیہ نشین یکے بعد دیگرے داخل ہوتے جاتے تھے اور ابراہیم
کے حق میں سخت سست کہتے تھے لیکن منصور کو دیکھا جا رہا تھا کہ خاموش منہ پھیلائے بیٹھا
ہے جب ایک اور صاحب جن کا نام جعفر بن خطلہ تھا آئے اور آکر انھوں نے خلیفہ کو خطاب
کرنے کے کہنا شروع کیا۔

اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ جو سلوک آپ نے کیا خدا اس کا آپ کو اجر

دے اور ان سے آپ کے حق میں جو زیادتی ہوئی اسے معاف فرمائیے ص ۱۸۸

اس پر منصور کچھ فریاد بھی کرتے ہیں کہ کسی بدبخت نے حضرت ابراہیم کے چہرے پر
تھوک پھینکا اس نے خیال کیا تھا کہ منصور اس کام سے خوش ہو گا لیکن دیکھا گیا کہ چوب دار
منصور کے حکم سے اس کی ناک پر گئے مار رہے ہیں اور غصہ میں منصور کہہ رہا ہے کہ پھینک دو

باہر لے جا کر مردود کو اس کی ٹانگ گھسیٹتے ہوئے آخر یہی ہوا:
میں نے آخری واقعات کو قصداً اس لئے نقل کیا ہے تاکہ اس زمانے کے ان خلفاء
کی روش اور سیاسی حکمت عملی کا اندازہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہو کہ واقعی منصور کی آنکھوں میں
یہ آئینہ مگر مچھ کے آئینہ نہ ہوں اور اسی کا یہ فعل بقول عارف شیراز:

آفسرین بردل نرم تو کہ از بہر ثواب

کشتہ غمزہ خود را بہ نواز آمدہ

واقع میں بھی مستحق آفرین و تحسین ہو لیکن شخصی طور پر میرے نزدیک صرف "راستے عامہ"
کی خوشامد اور چا پلوسی کے یہ مظاہرے ہوتے ہیں افراد بادشاہوں اور ان کے حکام کی خوشامد
کرتے ہیں لیکن یقین کیجئے کہ خود حکومتوں اور حکمرانوں کا بھی عوام کی خوشامد اور چا پلوسی کے
بغیر کام چل نہیں سکتا۔

میرا مطلب یہ ہے کہ فتنہ فرو ہونے کے ساتھ ہی امام ابو حنیفہ کی دھڑپکڑ کی طرف اگر
منصور متوجہ نہیں ہوا تو اس میں بھی جہاں تک میرا خیال ہے محض رائے عامہ کے دباؤ ہی کو دخل
تھا صرف ایک وقتی مہلت تھی جو اپنے خاص حالات کی وجہ سے امام کو مل گئی تھی اور امام
بھی اپنے اس انجام سے جو پیش آنے والا تھا ناواقف نہ تھے بلکہ سچ یہ ہے کہ "جہاں شدید"
کے تاریخی طرز عمل کو ایسا برا براہیم میں انھوں نے جس وقت اختیار کیا تھا تو یہ طے ہی
کر کے اختیار کیا تھا کہ

ان تنزلن منکم الا احدى
الحسین یعنی دو اچھی باتوں میں سے کسی ایک بات
کی تم سے توقع کر رہا ہوں۔

گمراہی مشہور بات کہ مارا تو غازی ورنہ شہید ہوتے کا ایک منقہ موقعہ جو سامنے
آگیا ہے وہ ہاتھ بے کہاں جاتا ہے ابراہیم صالح اور ابو حنیفہ کے مسلک میں اختلاف
نتیجے میں نہیں تھا بلکہ نتیجے تک پہنچنے کے راستے میں تھا امام رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کی کسی
باضابطہ تنظیمی صاحب قوت اجتماع میں شریک ہو کر چاہتے تھے کہ اس فرض کو ادا کیا جائے
اور ابراہیم بے چارے کی قلندر می مشرب میں یہ دور وراز کی راہ تھی۔ انھوں نے اپنے قہر کو
مرو کے ایوان حکومت میں مختصر کر دیا اور امام ابو حنیفہ انتظار میں رہے۔

خدا شکر خورے کو شکر پہنچا کر رہتا ہے مرنے سے... چند سال پہلے جب ان کی عمر ساٹھ

سے تنہا دوز ہو چکی تھی یعنی ایک حساب سے تو ۷۵ سال کے تھے اور اگر مورخ المسعودی کے بیان کو صحیح تسلیم کیا جائے تو خروج ابراہیم کے زمانے میں ماننا پڑے گا کہ ۸۶ سال کی عمر امام صاحب کی تھی۔

کچھ بھی ہو کتنے ہی دن انتظار میں ان کو کاٹنے پڑے ہوں لیکن خدا نے اس سعادت میں شرکت کا موقعہ ان کے لئے بہم پہنچا دیا جس میں اگر مرنے سے پہلے شریک نہ ہو جاتے تو شاید ابراہیم سامع کے سامنے جو گفتگو امام نے کی تھی اس کو پیش کر کے ممکن تھا لوگ ان پر جین اور بزدلی کا الزام قائم کرتے کوئی شبہ نہیں کہ اس دفعہ "نفس زکیہ" کے خروج کے وقت جو تیاریاں عمل میں آتی تھیں اور سارے ممالک محرمہ سے اسلامیہ میں اس تحریک کا جو جال بچھا دیا گیا تھا اور یہی دوسرے اسباب ایسے تھے کہ غالب قرینہ کامیابی ہی کا تھا گذر چکا کہ خود ابو جعفر مصور کو جتنا مایوس اس زمانہ میں پایا گیا اور کسی موقع پر یہ حال اس پر کبھی طاری نہیں ہوا۔ لیکن پھر بھی "جنگ" کی آگ میں کودنے والوں کے سامنے اس کی دلوں شاخیں ہوتی ہیں اور جنگ کی اس دوسری خصوصیت پر امام کی نظر نہ ہوتی تو کس کی ہوتی یقیناً بہار شدید کے مسلک پر وہ کامیابی اور ناکامی دلوں پہلوؤں اور ان کے سارے عواقب و نتائج کو سوچ کر فریک ہوتے تھے اسی لئے آئندہ جو واقعات پیش آئے اطمینان سے انھوں نے ان کو برداشت کیا اس مسئلہ میں امام کی زندگی کا یہ آخری باب ہے اور اب ہم اسی کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں حضرت ابراہیم کی شہادت کی خبر جو بی منصور کے کان میں پہنچی بے ساختہ اس کی زبان پر یہ شعر جاری ہو گیا

فالت عصا واستقر به النوى

لما قرعلنا بالایاب المسافر

۱۔ امام ابوحنیفہ کے سن ولادت کے متعلق عام طور پر اگرچہ یہی مشہور ہے کہ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے۔ لیکن المسعودی نے اپنی کتاب مروج الذهب میں وفات کے وقت ان کی عمر ۹۰ بتائی ہے دیکھو مسئلہ بر حاشیہ کامل ابن اثیر تعجب یہ ہے کہ اس جلیل القدر مورخ نے اختلاف کا بھی ذکر نہیں کیا ہے اس مسئلہ کی تحقیق انشاء اللہ اپنی کتاب "تدوین فقہ" میں کروں گا ۱۲

بغداد کی تعمیر کے بقیہ کام کی تکمیل

گویا عرصہ شکر کہ جنازہ بمنزل رسید کے فارسی مصرعہ کا منصور نے عربی میں ترجمہ کیا یا اس عربی شعر کا فارسی میں کسی نے یہ ترجمہ کر دیا ہے جس سے اس سکینت قلب اور طمانیت خاطر کا اندازہ ہوتا ہے۔ جس سے منصور کا دل مہموم و لہر پیر تھا اب فضا صاف تھی حسینی سادات کی جدوجہد کا خاتمہ زید بن علی کو کوششوں پر ہوا تھا حسنی سادات باقی تھے آخری خطرہ ان ہی کا تھا خروج کے واقعہ سے پہلے چن چن کر ان میں سے اکثر کو قتل کر چکا تھا جو زندہ تھے عموماً حبسِ دوام کی سزائیں مبتلا تھے۔ باقی یہی دو بھائی رہ گئے تھے ان کو بھی ختم کر کے پورے اطمینان کے ساتھ سائنس لینے کا اس کو موقع ملا قدرتنا ایسی صورت میں جو خیال سب سے پہلے اس کے سامنے تھا بغداد کی تعمیر کا قصہ تھا۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ

جب ابو جعفر محمد نفس زکیہ اور اُن کے بھائی ابراہیم کی جنگ سے فارغ ہوا تو قصر ابن ہبیرہ جس کو دورانِ جنگ میں اپنی قیام گاہ اُس نے بنائی تھی، وہاں سے نکلا اور پھر بغداد پہنچا اور اس کی تعمیر کے سلسلے کو اُس نے پھر جاری کر دیا ص ۱۱۳ ابن خلدون

مے بتا چکا ہوں کہ نفس زکیہ اور ابراہیم کے خروج سے پہلے ہی ابو جعفر منصور کو حسنی سادات کی ان تیاریوں کی خبر مل چکی تھی۔ تاریخوں میں ان واقعات کی تفصیل پڑھیے، کن بے دردیوں کے ساتھ حسنی سادات مدینہ منورہ سے پابز بخیر کھلی پیٹھ دے اے اونٹوں پر باندھ کر ربدہ لائے گئے اور ان بے چاروں کو گالیاں دے دے کر منصور جس طرح کوڑوں سے پٹواتا تھا کہ بعضوں کی اسی میں آنکھیں پٹی گئی۔ لیکن اسے رحم نہ آیا، پھر ان سارے حسنی سادات کو جن میں نفس زکیہ کے والد عبداللہ بن حسن بھی تھے۔ قصر ابن ہبیرہ کے تہ فائے میں قید کیا گیا اور بے کسی کے ساتھ تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد لوگ مرتے چلے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ملنے کو یوں تو عباسیوں کو حکومت ضرور ملی لیکن بڑی بھاری قیمت اس کی المی کو ادا کرنی پڑی۔ مگر تلف ہے اس دنیا پر اور اس کی دوروزہ لذتوں پر لا حول و لا قوۃ۔

نظامت تعمیرات پر امام کی بجائے حجاج بن ارطاة کا تقریر

بھاگے ہوئے راج مزدور پھر اپنی اپنی جگہوں سے سمیٹے گئے اور دجلہ کے کنارے جیسے پہلے شاہی کیمپ قائم تھا۔ پھر اپنی اسی تزک و احتشام کے ساتھ قائم ہو گیا۔ مشورے کے لئے جو لوگ پہلے کیمپ میں تھے سب بلائے گئے لیکن نئی بات صرف ایک نظر آتی ہے کہ اہل علم و فقہ میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں امام ابوحنیفہ بھی تھے بلکہ مختلف وجوہ سے امام صاحب کی ذات نمایاں تھی مگر تعمیر بغداد کا یہ نیا سلسلہ جب شروع ہوا تو امام ابوحنیفہ نہیں بلائے گئے اور کوفہ کے ایک دوسرے عالم جن کا نام حجاج بن ارطاة تھا گو پہلی دفعہ بھی امام صاحب کے ساتھ وہ بلائے گئے تھے لیکن اس دفعہ بغداد کے شاہی کیمپ میں وہی آگے آگے نظر آتے ہیں ظاہر ہے کہ خلیفہ کے طرز عمل کی اس تبدیلی کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ امام صاحب نے علانیہ حکومت کے مخالفوں کا ساتھ دیا تھا۔ الخطیب نے حجاج بن ارطاة کا ایک قول امام ابوحنیفہ کے متعلق یہ نقل کیا ہے یعنی حجاج کہا کرتے تھے کہ

ان ابا حنیفۃ لا یعقل للہ عقلہ ص ۲۷ ج ۸ ابوحنیفہ نے عقل سے کام نہیں لیا خدا ہی ان کو عقل دے یقیناً یہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے حجاج گو یا اپنی تعریف کرتے تھے کہ احتیاط سے مستقبل کا صحیح اندازہ کر کے انھوں نے قدم اٹھایا کہ آج خلیفہ کے دربار میں ان کی آؤ بھگت ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ آخر میں تو ابو جعفر کے خاص مصاحبوں میں شمار ہونے لگے تھے طبقات میں ہے کہ

کان فی صحابۃ ابی جعفر ص ۲۵ ج ۴ حجاج ابو جعفر و انبشہ کے مصاحبوں میں تھے

اسی کا نتیجہ تھا کہ بغداد کی جامع مسجد کا نقشہ بھی حجاج ہی سے بنوایا گیا تھا اور سمت قبلہ کی تعیین میں بھی حجاج ہی کی رائے پر اعتماد کیا گیا الغرض امام کے مقابلہ میں حجاج کا مرتبہ روز بروز ابو جعفر بڑھاتا چلا جاتا تھا۔ پہلے ان کو بصرہ کا قاضی بنایا گیا۔ بصرہ کے بعد کوفہ کی قضاوت ملی اور آخر میں تو اپنے ولی عہد مہدی کے ساتھ منصور نے ان کو خراسان ہی بھیج دیا جہاں سے بڑی دولت کما کر لائے۔

اس جیسا کہ حجاج کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کوفہ کے ممتاز علماء میں ان کا شمار تھا۔ خطیب نے لکھا

ابو جعفر کا حضرت ابراہیم کے حمایتوں سے انتقام

ادھر امام صاحب یہ دیکھ رہے تھے کہ کوفہ سے جانے کے بعد ابو جعفر منصور کی طرف سے ان لوگوں سے انتقام لیا جا رہا ہے جن کی شرکت خروج کے اس واقعہ میں کسی نہ کسی حیثیت سے ثابت ہوئی تھی بصرہ کے جتنے سربراہ اور وہ افراد جنہوں نے ابراہیم کی حمایت کی تھی ان کے متعلق سلم بن قتیبہ بصرہ کے گورنر کو حکم دیا گیا کہ ہر ایک کا مکان ڈھا دیا جائے اور ان کے نخلستان کاٹ دیے جائیں۔

ہے کہ ان مفتی الکوفہ یعنی کوفہ کے مفتی تھے مگر ابتداء میں بے چارے بہت تنگ حال تھے خطیب ہی کی روایت ہے کہ ایک چھوکری (شرعی لونڈی) ان کے پاس تھی اور یہی کات کات کر جوسوت ان کو دیتی تھی بچ کر اس سے گذراوقات کرتے تھے لیکن امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں ایک زرین موقعہ ان کو حکومت میں رسوخ حاصل کرنے کا مل گیا 'افسوس ہے کہ پھر علم و دین کے اقتضاؤں کی انھوں نے پروا نہ کی، کسی خفی مورخ کا نہیں بلکہ خطیب کا بیان ہے کہ بصرہ میں سب سے پہلے جس قاضی نے رشوت لی وہ آپ ہی کی ذات ستودہ صفات تھی' یہ بھی لکھا ہے کہ اسی کوفہ میں ایک حال تو یہ تھا کہ لونڈی کے سوت پر گزارا تھا، جب خراسان سے کوفہ واپس ہوئے تو ستر بہتر غلام آگے پیچھے تھے دولت کی مستی اتنی سوار ہوئی کہ جماعت اور جمعہ کی شرکت اس لئے آپ نے ترک کر دی کہ غوام کے مجمع میں جانا پڑتا ہے، دلچسپ لطیفہ یہ پیش آیا کہ بغداد کی جامع مسجد کے قبلہ کی سمت امام ابوحنیفہ کی جگہ آپ نے درست نہ رہائی تھی لیکن مسجد بن کر جب تیار ہوئی تو طبری نے لکھا ہے، 'ان قبلتھا علی غیر صواب وان المصلیٰ فیہ یحتاج الی ان ینصرف الی باب البصرۃ قلیلا' بغداد کی جامع مسجد کا قبلہ درست نہیں ہے نمازی کو ضرورت ہوتی ہے کہ باب البصرہ کی طرف جھکے (ص ۲۶۱) — کہتے ہیں کہ آخر میں خود کہا کرتے تھے کہ حب جاہ نے مجھے مار ڈالا اب گویا ان پر کھلا تھا کہ بے وقوف امام ابوحنیفہ تھے یا حجاج مشہور جملہ کہ "صدر ہر باک نشیند صدر است" خطیب نے لکھا ہے کہ شروع شروع میں آپ ہی کی زبان سے یہ شعر نکلا۔

۱۰ اس فرمان کے متعلق ایک لطیفہ بھی پیش آیا سلم بن قتیبہ کے نام جب ابو جعفر منصور کا یہ فرمان آیا تو اس نے خلیفہ سے لکھ کر دریافت کیا کہ ابتدا کس سے کروں مکاتوں سے یا نخلستانوں سے ابو جعفر آگ لگولا ہو گیا اس نے خیال کیا کہ سلم نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے اور فوراً معزولی کا فرمان بھیجا گیا بے چارہ معزول ہو گیا منصور نے لکھا تھا کہ برائی اور عجبہ کھجوروں کے درختوں کے کاٹنے کا حکم بھیجوں تو مجھ سے تو یہ پوچھے گا کہ کسے پہلے کاٹوں؟

ابو جعفر کی مشترکیت

حالت یہ تھی کہ ان ہی حنی سادات کے ایک فرد جو نفس زکیہ کے صاحبزادے تھے عبداللہ الاشتر کے نام سے مشہور تھے یہ بے چارے سندھ میں ایک ہندو راجہ کی پناہ میں زندگی گزار رہے تھے ان تک کا اس نے پیچھا کیا حتیٰ کہ اس بے چارے ہندو راجہ پر فوج کشی تک کا اس نے حکم دے دیا تھا۔ اگر رضا مندی سے عبداللہ الاشتر کو حوالہ کرے پر راجہ تیار نہ ہو اگرچہ لڑائی کی نوبت نہیں آئی کہ عبداللہ بغیر لڑائی ہی کے منصور کے آدمیوں کے ہاتھوں شہید

مسئلہ یہ ایک بڑا طویل قصہ ہے طبری کامل وغیرہ میں تفصیل پڑھنے حاصل یہ ہے کہ حنی سادات کے مختلف نمائندے جیسے مختلف علاقوں میں کام کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے محمد نفس زکیہ نے اپنے ان ہی صاحبزادے عبداللہ الاشتر کو سندھ کے گورنر کے پاس بھیجا تھا جس کا نام عس بن حص تھا اور عام طور پر ہزار مرو کے نام سے مشہور تھا شاید ایک آدمی ہزار آدمیوں کے برابر بہادری میں سمجھا جاتا ہو گھوڑے بیچنے والوں کے محیس میں عبداللہ الاشتر سندھ پہنچے ہزار مرو سے ملے، سارا قصہ کہہ سنایا کہ میرے والد اور چچا ابراہیم مقابلہ پر عباسیوں کے نکل آئے ہیں۔ گورنر نے ان کا ساتھ دیا لیکن تھوڑے دن بعد بصرے سے ابراہیم کی شکست کی خبر آئی اور یہ کہ مدینہ کی فہم بھی ناکام ہو گئی تب تو عبداللہ الاشتر کو بڑی پریشانی ہوئی لیکن ہزار مرو نے کہا کہ گھبراہٹے نہیں ایک ہندو راجہ قریب ہی میں رہتا ہے اگرچہ وہ اپنے مذہب پر قائم ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد احترام کرتا ہے اسی کے پاس آپ کو بھیج دیتا ہوں۔ انشاء اللہ آپ کو بڑی عزت و توقیر کے ساتھ رکھے گا، یہی کیا گیا، اتنی اس ہندو راجہ نے یہ سن کر کہ پیغمبر اسلام کے خاندان کے آدمی میرے گھر آئے ہیں بہت خوش ہوا اور بالکل شاہزادوں کی طرح حضرت عبداللہ کے قیام کا نظم کر دیا لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ اس کی خبر ابو جعفر کو ملی سندھ کے گورنر پر تقاضا کر کے آخر اس نے ان کو شہید ہی کرادیا راجہ کو اس کا علم بعد کو ہوا۔ حضرت عبداللہ دریا سے ایک کے کنارے شکار کے لئے تشریف لے گئے تھے وہیں عباسیوں کی ایک فوج سے ڈبھیر ہوئی اور شہید ہو گئے، ایک بچہ اس عرصے میں ان کا سندھ سے بغداد لایا گیا جو بعد کو مدینہ منورہ بھیج دیا گیا جس سے نسل علی الاشتر کا یہ لفظ عربی ہے اکبر کے وزن سے ہے، اشتراکیت جن کے معنی اونٹ کے ہیں یہ فارسی لفظ ہے۔ الاشتر عربی میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھ کا کچھ حصہ لٹکا ہوا ہو اور کچھ ہو ۱۲

ہو گئے لیکن اس سے اس سے اس شخص کی شہر کینگی کا اندازہ ہوتا ہے آٹ تو سینکڑوں سال ان واقعات پر گزر چکے ہیں، لیکن اندازہ کیجئے امام ابو حنیفہ کا کیا حال ہو گا جن کے سامنے یہ واقعات گذر رہے تھے۔

حضرت امام مالک کے انتقام

اور یہ تو خیر براہ راست سیاسی لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ تھا اسی زمانے میں جب کوفہ سے لوٹ کر بغداد کی تعمیر میں نئے سرے سے مشغول ہوا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ راہبوت کے امام حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ انتقامی کارروائی ہو رہی ہے مطلب یہ ہے کہ محمد نفس زکیہ کے خروج کے قصے میں ذکر کیا گیا تھا کہ لوگوں نے طلاق والی بیعت کا عذر جب پیش کیا تھا تو امام مالک نے یہ فتویٰ دے کر کہ یہ بیعت جبراً بروستی لی گئی ہے اس لئے طلاق نہیں پڑے گی۔ آپ نے فتویٰ دیا تھا کہ جبری طلاق نہیں پڑی۔ اب واللہ اعلم خود ابو جعفر کا براہ راست فرمان مدینہ پہنچا تھا یا جعفر بن سلیمان عباسی جو اس زمانے میں مدینہ کا والی تھا۔ اس کو اندرونی اشارہ تھا یا خود اس نے اپنے جی سے یہ فیصلہ کیا۔ بہر حال ہوا یہی کہ اسی جعفر بن سلیمان عباسی نے امام مالک پر یہ الزام لگا کر کہ عباسی حکومت کی بیعت سے متعلق تم نے کالعدم ہونے کا چونکہ فتویٰ دیا ہے جو صریح بجاوت ہے کوڑے سے چٹیا بھی اور بیان کیا جاتا ہے کہ مونڈے سے حضرت والا کے ہاتھ اتر وائے گئے جس کی وجہ سے آخر عمر تک ہاتھ پوری طرح اٹھا سکتے تھے اور نہ بدن پر چا اور اپنے دست مبارک سے درست کر سکتے تھے کوڑوں کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ تمیں کوڑے امام کو لگائے گئے۔ بعضوں نے زیادہ تعداد بتائی ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایتوں میں ہے کہ سو کوڑے لگائے گئے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مار کی شدت جب حضرت کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی تو بیہ ہوش ہو گئے۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ کہا جاتا ہے کہ امام کو جب ہوش آیا تو سب سے پہلا فقرہ زبان مبارک پر یہ جاری تھا۔

لوگو! گواہ رہو کہ میں نے اپنے مارنے والے کو معاف کر دیا۔

درادروی کا بیان ہے کہ امام کے ساتھ جب یہ حادثہ پیش آیا تو میں وہیں موجود تھا میں نے دیکھا کہ امام پر جب سناڑیائے کی مار پڑتی تو سنا آپ کی زبان پر یہ دعا جاری ہو جاتی۔

اللَّهُمَّ اِنْفِرْ لَہُمْ فَاَنھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

پسوردگار! ان لوگوں کو معاف فرما دیجئے کیونکہ یہ جانے نہیں ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ امام دارالہجرت جس کردار اور سیرت کی بلندی کا ثبوت اس واقعہ کے سلسلے میں پیش کیا ہے، بجائے خود ایک مستقل مسئلہ ہے اور میرا خیال ہے کہ جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی کے مختلف اجزاء کو سمیٹ کر اس کتاب میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ امام مالک کے سیاسی خدمات کی اہمیت بھی لوگوں پر ظاہر کی جائے ممکن ہے کہ اللہ کا کوئی بندہ اس خدمت کے ساتھ موفّق ہو ان تفصیلات کو اسی کے حوالہ کرتا ہوں کوئی شبہ نہیں کہ امت اسلامیہ کے یہی اکابر ہیں جنہیں بہ کشادہ پیشانی بنی اسرائیل اور دوسری امتوں کے انبیاء و رسل کے سامنے مسلمان چاہیں تو پیش کر سکتے ہیں ان بزرگوں کو مسلمانوں میں امامت کا مرتبہ آسانی سے محض تاریخی اتفاقات کی بنیاد پر نہیں مل گیا ہے بلکہ ان کے مخلصانہ خدمات کا یہ وہ صلہ ہے جو انہیں دنیا میں عطا کیا گیا ہے اور آخرت میں جو کچھ دیا جائے گا اس کا تو آج اندازہ بھی مشکل ہے۔ میرا خود جی چاہتا تھا کہ جب امام مالک کی اس قربانی کا ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو تھوڑے بہت حالات حضرت کے بھی اسی ذیل میں درج کر دیتا لیکن کتاب بہت طویل ہو جاتی اامو اس کے جمعرات والا کے شانِ شایاں بھی یہ نہیں ہے کہ آپ کا ذکر کسی دوسرے امام کے تذکرے کے ذیل میں کیا جائے۔ ادباً ان ہی محترم الفاظ پر قناعت کرتے ہوئے میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ آئندہ جو واقعات پیش آئے ہیں ان کی طرف توجہ کرتا ہوں۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جن جن لوگوں نے خروج کے اس واقعہ میں کچھ بھی حصہ لیا تھا جب ان کے ساتھ حکومت کی واروگیر کا قصہ ہر طرف چھڑا ہوا تھا۔ آخر امام مالک کا قصور کیا تھا؟ پوچھنے پر آپ نے مسئلہ کا جو صحیح جواب آپ کی تحقیق کی رو سے تھا۔ اسی کا صرف اعلان ہی تو کیا تھا اس کے علاوہ تو عملی دلچسپی اس واقعہ میں آپ کی اور کچھ ثابت نہیں بلکہ بالاتفاق ان تمام مورخین نے جنہوں نے امام مالک کے اس فتویٰ کا ذکر کیا ہے ان ہی لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام مالک کے فتوے کے بعد

اسرع الناس الی محمد ولزما ممالک
لوگ محمد نفس زکیہ پر ٹوٹ پڑے (ہیت کرنے کے لیے)

اسے یہ ساری تفصیلات علاوہ عام کتابوں کے ابن فرحون کی مشہور کتاب و بیاج المذہب مشتمل ہو سکتے ہیں

بیتہ ص ۲۰ ج ۱ طبری

اور امام مالک اپنے گھر جا کر بیٹھ گئے۔
مگر اس عملی بے تعلقی کے باوجود جب امام مالک کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تو امام ابوحنیفہ جو "جہار شدید" کی شکل میں ابراہیم کا ساتھ دے رہے تھے اور عسا کر عباسیہ کے سب سے بڑے سپہ سالار حسن بن تحطیبہ کو عین وقت پر خلیفہ کے حکم سے سرتابی پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے ان کا جرم یقیناً امام مالک سے سخت اور زیادہ سخت تھا، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ امام مالک سے انتقام لینے میں اتنی جلدی کی جاتی ہے یعنی ابن فرحون کا بیان ہے کہ

کان ضربہ سنة ست واربعمین حضرت امام مالک کے ساتھ مار کا واقعہ ۱۷۶ھ ہجری
و مائة ص ۲۰ میں پیش آیا۔

جس کے معنی یہی ہونے کہ خروج کی مہم کے اختتام کے چند ہی عینے مشکل ہی سے گزرتے ہوں گے کیوں کہ ابراہیم کی شہادت ۱۷۵ھ شوال میں ہوئی اور جعفر بن سلیمان ربیع الاول ۱۷۶ھ میں مدینہ کا والی مقرر ہو کر پہنچا ہے پہنچنے کے ساتھ ہی حضرت امام مالک کے ساتھ اس نے یہ کارروائی کی ہے۔

سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ امام مالک تو اتنی دور مدینہ میں تھے ان سے بدلہ لیا جائے اور امام ابوحنیفہ سامنے کوفہ میں مقیم ہیں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس سے ثابت ہو کہ امام کی بھی اس عرصے میں حکومت سے کوئی یا زبردستی ہوئی ہو زیادہ سے زیادہ کوئی واقعہ جس سے حکومت کے بدلے ہوئے روئیہ کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں وہ بغداد کی تعمیر مشورے میں اس دفعہ امام کے بغیر حجاج بن ارطاة کی طلبی کا واقعہ ہو سکتا ہے۔ صحیح ہے کہ امام ابوحنیفہ کی وفات کے سلسلہ میں واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے لوگوں نے منجملہ دوسرے اسباب کے ابراہیم بن عبداللہ کے خروج میں امام کی شرکت کا بھی ذکر اس حیثیت سے کیا ہے کہ حکومت اس کا انتقام لینا چاہتی تھی لیکن ظاہر ہے کہ امام کی وفات ۱۷۵ھ میں ہوئی ہے جس کے معنی یہ ہوتے کہ امام کی گرفت اس واقعہ کے سلسلہ میں اگر ہوئی بھی ہے تو واقعہ خروج کے چار سال بعد ہوئی ہے، دریافت طلب یہی ہے کہ سب کی دھڑکڑ کے ساتھ اتنی طویل مدت تک امام سے حکومت نے تعرض کیوں نہیں کیا اور اتنے دن خلاف توقع باز پرس سے جو بچے رہے تو کیوں بچے رہے :-

سوانح نگاروں نے تو اس کا کوئی متعین جواب نہیں دیا ہے لیکن اس موقع پر بھی ہم واقعات کو پیش کر دیتے ہیں میرا خیال ہے کہ ان ہی میں اس سوال کے جواب کو شاید ہم پاسکتے ہیں۔

حضرت امام مالک کو کوروں کی سزا

مطلب یہ ہے کہ جعفر بن سلیمان جس نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو تازیانہ کی سزا دی تھی اس شخص کا حال تو یہ تھا کہ ابراہیم بن عبداللہ کی مہم میں بعض اہم جنگی کارناموں میں کامیاب ہونے کے صلہ میں پہلی دفعہ مدینہ منورہ کا والی بن کر گیا تھا گویا سمجھنا چاہیے کہ نیا نوکر تھا نئے نوکروں کا پرانا دستور ہے کہ خرگوش پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن کوفہ کا معاملہ بالکل اس کے برعکس تھا عیسیٰ بن موسیٰ جو السفاح کے زمانہ سے کوفہ کا والی تھا تقریباً گیارہ بارہ سال سے مسلسل کوفہ کی حکومت اس کے ہاتھ میں تھی۔ حالانکہ اسی بے چارے کی کوششوں سے نفس زکیہ اور ابراہیم کے یہ سارے قصے ختم ہوئے تھے۔ لیکن بجائے کسی صلہ کے ابو جعفر منصور نے اس کو بدلہ یہ دیا کہ السفاح نے ابو جعفر کے بعد عباسی حکومت کی خلافت کے لئے حالانکہ باضابطہ بیعت اسی عیسیٰ بن موسیٰ کے لئے لی تھی لیکن ابو جعفر کی نیت بدل گئی اور نیت تو اس کی پہلے ہی سے بدلی ہوئی تھی۔ میں نے شاید ذکر بھی کیا تھا کہ مدینہ جس وقت اس کو روانہ کر رہا تھا اس وقت بھی دل میں اس کے یہی خیال تھا کہ نفس زکیہ اگر ختم ہوتے جب بھی میرا فائدہ ہے اور عیسیٰ کام آیا جب بھی میری راہ کا کاٹنا نکل جائے گا۔ میں نے کہا تھا کہ خلیفہ ہونے کے بعد ابو جعفر چاہتا تھا کہ اس کے بعد گدی پر اس کا بیٹا مہدی بیٹھے۔ اندر ہی اندر اس خیال میں غلطیاں بیچاں رہتا تھا۔ حسنی سادات کے اس خطرے سے مطمئن ہونے کے بعد فضا کو اپنے مطابق پا کر اب غلامیہ اپنے خیال کو ظاہر کرنے لگا، آخر ایک دن بلا کر صاف صاف اپنے ارادے کا اس نے اعلان بھی کر دیا عیسیٰ بن موسیٰ پر اس کا اثر جو کچھ ہو سکتا تھا ظاہر ہے دونوں میں زمانہ تک سوال و جواب کا ایک سلسلہ جاری رہا۔ بیسیوں واقعات اس سلسلہ میں پیش آنے والا آخر عیسیٰ بے چارے کو مجبوراً مہدی کے لئے اپنے حق سے دست بردار ہونا پڑا۔

سہ مورخین نے اس سلسلہ میں بہت سے واقعات بیان کئے ہیں عیسیٰ کو ابو جعفر نے زہر بھی پلا دیا تھا جس

مجھے اس پورے قصے سے بحث نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ کوفہ اور کوفہ کے سارے معاملات جس کے ہاتھ میں برسوں سے تھے اسی سے حکومت جب بگڑ گئی تھی اور زمانہ تک بگاڑ کا یہ قصہ چھڑا رہا۔ بسا اوقات نازک ترین صورت اختیار کر لیتا تھا ایسی صورت میں اگر امام ابو حنیفہ کی طرف سے اغماض اور چشم پوشی میں حکومت اپنی مصلحت سمجھتی ہو تو غالباً محل وقوع کا اقتضا بھی یہی تھا

حجاج بن ارطاة کی پہلی نحوست

ایک طرف تو کوفہ کے والی کے متعلق یہ مسئلہ چھڑا ہوا تھا دوسری طرف یہ ہوا کہ امام ابو حنیفہ کو چھوڑ کر کوفہ کے جس عالم کو منصور نے بڑھانا چاہا تھا یعنی حجاج بن ارطاة اپنے علم و فضل کے لحاظ سے خواہ ان کا مرتبہ کچھ ہی ہو لیکن مسلسل ان سے ایسے حرکات صادر ہونے لگے کہ امام ابو حنیفہ تو خیر امام ابو حنیفہ ہی تھے کسی معمولی مولوی سے جو توقعات قائم کئے جاتے ہیں وہ بھی ان سے پورے نہیں ہو رہے تھے سب سے پہلی نحوست اس شخص کی یہ تھی کہ دنیا کے شہروں میں جس شہر کو تاریخی اقدار ہونے والا تھا اس کی پہلی جامع کے قبلہ ہی کو اس نے غلط کر دیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ ہر پانچ وقت میں لوگوں کو اس مسجد میں اپنے آپ کو اور اپنی صفوں کو خواہ مخواہ ٹیڑھی رکھ کر جو مجبور ہونا پڑتا ہو اس وقت بے ساختہ زبانون سے جس قسم کے الفاظ حجاج کے حق میں نکلتے ہوں گے ان کے بعد اس کی وقعت بھلا کیا باقی رہ سکتی ہے شاید کوئی دوسرا خلیفہ یا بادشاہ ہوتا تو مصارف کے مسئلہ سے

سے وہ اچھا ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ گیارہ ملین درم دے کر عیسیٰ کو ابو جعفر نے راضی کیا یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ابو جعفر نے فوج کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ مہدی کے سوا اور کسی کی خلافت پر آمادہ راضی نہیں ہیں اس کا اعلان کریں مہدی اس زمانہ میں نوجوان تھا۔ کہتے ہیں کہ فوج والے عموماً یہ لغزہ لگاتے تھے کہ رع۔ فقہ رضی اللہ عنہ، یعنی ہم لوگ تو اس امر کو لڑکے کی حکومت پر راضی ہیں خود ابو جعفر بھی عیسیٰ کو بلا بلا کر سمجھا جاتا کہ برادر عزیز! ہم کیا کریں فوج والے اس لونڈے (فتی) کے سوا اور کسی کو خلیفہ بنانے پر راضی نہیں ہیں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ کے پیچھے کبھی فوجی یہ آواز لگاتے ہوئے پلٹے کہ یہی وہی (موسیٰ) کی گائے ہے جسے آخر لوگوں نے ذبح کر دیا۔ اگرچہ ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے یعنی قرآنی آیت ذبح بحوہا و ما کا دہا یفعلون پڑھتے عیسیٰ منصور سے اس کی شکایت کرتا تو جواب میں کہتا کہ میں کروں کیا ان فوجیوں کے طلب میں تو اسی فوجی (نوجوان) کی محبت پرج گئی ہے ۱۲

بے پروا ہو کر اس مسجد کو شہید کرا کے پھر بنوا بھی دیتا لیکن ابوالد وایتق منصور سے اس کی بھی بھلا کیا توقع ہو سکتی تھی غالباً یہ پانچوں وقت کا مشغلہ نماز پڑھنے کے وقت نمازیوں کا ایسا دستور بن گیا ہو گا کہ حجاج کو شہادی کیمپ میں زیادہ دن تک ابو جعفر رکھ بھی نہ سکا۔ اور پہلے بصرہ پھر کوفہ کے قاضی بنائے گئے۔ لیکن بصرہ پہنچ کر جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے۔ ان پر رشوت ستانی کا الزام قائم ہوا البصرہ سے منتقلی کے بعد کوفہ پہنچے تو جہاں غربت کی زندگی بسر کر چکے تھے اسی کوفہ میں عوام کے مجمع میں شریک ہونے سے قاضی ہونے کے بعد ان کو شرم آنے لگی۔ اسی جذبہ کے تحت جماعت بلکہ جمعہ ہفت کی شرکت بندہ خدا نے ترک کر دی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ طبقات ابن سعد وغیرہ میں جو یہ لکھا ہے کہ پہلے یہ ابو جعفر منصور کی مصباحت میں تھے بعد کو منصور نے ان کو اپنے بیٹے مہدی کے ساتھ خراسان روانہ کر دیا۔ اس کی وجہ یہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے اپنے آپ کو عراق میں حجاج بن ارطاة نے اتنا رسوا اور بدنام کر لیا تھا کہ کوئی چارہ کار اس کے سوا نہ تھا کہ انھیں عراق سے دور خراسان وغیرہ علاقے میں کھدیڑ دیا جائے۔ منصور کو کچھ تو اپنی بات کی بھی پہنچ تھی۔ امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں ان کو اس نے بلایا تھا اب خود ہی نہیں چاہتا تھا کہ ان کو گرایا جائے دوسرے انھوں نے اس زمانہ کے علماء کی روش سے الگ ہو کر عباسیوں کے شعار خاص رلباس سیاہ، کو بھی ابو جعفر کی خوشامد میں اختیار کر لیا تھا الغرض کچھ ان ہی باتوں کی مرآت تھی جو نکالے تو نہیں گئے۔ لیکن عراق کے عوام کی نگاہوں سے دور کر دیئے گئے۔

ابو جعفر کی امام مالک سے سیاسی معافی

ہم دیکھتے ہیں کہ اسی زمانے میں ابو جعفر اچانک حج کا ارادہ کرتا ہے اور حج کے سلسلہ میں وہ مدینہ منورہ پہنچتا ہے اور وہی امام مالک جن کے ساتھ اس کے عامل سلیمان بن جعفر نے ابھی ابھی وہ سب کچھ کیا تھا جس کا ذکر گذرا ان ہی امام مالک کو خصوصیت کے ساتھ اپنے پاس بلاتا ہے اور سلیمان نے جن حرکات کا ارتکاب کیا تھا اس کو سلیمان کا ذاتی فضل قرار دیتے ہوئے ان کی معافی چاہتا ہے صرف معافی ہی نہیں چاہتا ہے بلکہ لکھا ہے کہ امام مالک جب واپس تشریف لے گئے تو مدینے کے اسی والی جعفر بن سلیمان کو پکڑا کر امام مالک کے پاس اُس نے روانہ کیا اور کہہا بھیجا کہ

حضرت کے ساتھ جو بدسلوکی اس نے کی ہے میں اس کو بھیج رہا ہوں
آپ جس طرح چاہیں اس سے بدلہ لے سکتے ہیں، اللہ باریک بین
جیسا کہ حضرت امام کی فطرت عالی کا اقتضا تھا آپ نے جواب میں فرمایا کہ
خدا کی پناہ! قسم ہے اللہ کی ہر کوڑا جو میرے بدن پر اٹھایا گیا، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا خیال کر کے اسی وقت معاف کرتا چلا
جاتا تھا۔

ابو جعفر کی حضرت امام مالک سے تعلقات وسیع کر نیکی کشش

ابو جعفر نے اس پر قیامت نہیں کی بلکہ جب تک مدینہ میں رہا معلوم ہوتا ہے کہ امام
مالک سے اپنے تعلقات کو روز بروز زیادہ بڑھاتا چلا جاتا تھا اور کبھی مختلف طریقوں سے
حضرت امام کی دل جوئیوں میں ہم اس کو مشغول پاتے ہیں، خود امام مالک اس قصے کے راوی
ہیں کہ ان ہی دنوں میں جب ابو جعفر منصور مدینہ منورہ میں تھا میں اس کے پاس پہنچا ابو جعفر
اس وقت گتے پر بیٹھا ہوا تھا، میں بھی پاس ہی بیٹھ گیا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک
بچہ ہے جو کبھی باہر آتا ہے اور پھر اندر چلا جاتا ہے ابو جعفر نے مجھ سے پوچھا کہ آپ جانتے ہیں
یہ بچہ کون ہے میں نے کہا نہیں ابو جعفر نے کہا کہ یہ میرا لڑکا ہے آپ کی ہیبت اور رعب سے
اس کی یہ حالت ہو رہی ہے جو گھبرا گھبرا کر کبھی اندر جاتا ہے اور کبھی باہر آتا ہے۔
امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ابو جعفر مجھ سے بعض علمی مسائل دریافت کرنے
لگا جن میں بعض کے متعلق حلال ہونے کا اور بعض کے متعلق حرام ہونے کا میں نے فتویٰ دیا
آخر میں میں نے دیکھا کہ مجھ سے کہہ رہا ہے۔

انت والله اعقل الناس واعلم الناس تم خدا کی قسم اس وقت لوگوں میں سب سے
زیادہ دانشمند اور سب سے زیادہ علم والے ہو

امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے کہنا شروع کیا کہ

لا والله یا امیر المومنین نہیں امیر المومنین خدا کی قسم واقعہ یہ نہیں ہے

لیکن اس پر بھی ابو جعفر یہ کہتا جاتا تھا کہ

”نہیں تم ضرور سب سے بڑے دانشمند اور سب سے بڑے عالم ہو مگر

اپنے آپ کو تم چھپاتے ہو۔
لیکن یاد ہو گا کہ

یا امیر المؤمنین ہذا ہا لم یل دنیا الیوم امیر المؤمنین! آج دنیا میں سب سے بڑا عالم ہی ہے
کے الفاظ سے ابھی کچھ دن پہلے دجلہ کے شاہی کیمپ میں ابو جعفر سے امام ابو حنیفہ کو
کوفہ کے کوتاہ بخت والی عیسیٰ بن موسیٰ نے روشناس کرایا تھا جسے ولی عہدی کے عہدے
سے معزول کر کے ابو جعفر ج میں آیا ہوا ہے۔

ابو جعفر کا تدوین فقہ مالکی کے متعلق اظہار خیال

کون کہہ سکتا ہے کہ ابو جعفر امام مالک پر اسی "عالم دنیا الیوم" کا عہدہ اس وقت تبلیغ اصرار
کے ساتھ جو پیش کر رہا تھا تو اس کے دماغ میں حکومت کے باغی ابو حنیفہ اور معزولی ولی عہد کی یہ
بات نہ تھی؟

اگر میں زندہ رہا تو تمہارے قول (یعنی اجتہاد و مسائل) کو قطعاً لکھوا کر رہوں گا
اور اپنے تمام صوبوں میں بھیج کر حکم کروں گا کہ لوگ اسی کے مطابق عمل کریں۔
جیسا کہ ابو جعفر کے اس بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے اور یہی واقعہ بھی ہے کہ آج جس مذہب کو امام
مالک کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اسی وقت نہیں جب ابو جعفر یہ کہہ رہا تھا بلکہ اس کے بعد بھی امام
مالک کی زندگی میں مدین اور مرتب نہیں ہوا تھا بلکہ یہ ہے کہ خود امام مالک کی یہ کوشش بھی نہیں تھی

اس دراصل تدوین فقہ اسلامی کی تاریخ کا یہ بڑا اہم اساسی مسئلہ ہے تفصیل اس کی انشاء اللہ وہیں کی
جائے گی ابواسحاق شیرازی کی طبقات الفقہاء اور ابن خلکان کی تاریخ ان لوگوں کو پڑھنا چاہیے جو اس
مسئلہ کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک کی زندگی کے آخری دنوں میں قیردان (مغربی افریقہ)
سے ایک صاحب اسد بن فرات پڑھنے کے لئے مدینہ امام مالک کے پاس آئے یہ بڑے زمین آدمی تھے
اور تھے نوجوان دماغ ان کا نظریہ قانونی تھا امام مالک سے طرح طرح کے سوالات کرتے جن کے امام
نمادی نہ تھے آخر ایک دن آپ نے فرمایا کہ سلسلۃ بنت سلسلۃ اذا کان کن کذا یعنی بھائی
یہ تو ایک زنجیر کے بعد دوسری زنجیر اس کی بیٹی پیدا ہوتی ہی چلی جائے گی ایسا ہوا تو کیا ہوگا۔ یوں ہوا تو کیا
ہوگا، اہم اسد سے آپ نے فرمایا کہ اپنے ذوق کی تشفی اگر چاہتے ہو تو عراق چلے جاؤ یعنی ابو حنیفہ کے شاگردوں

کہ مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں کو پیش نظر رکھ کر کتاب و سنت سے ان کے متعلق تو انہیں پیدا کئے جائیں بلکہ جہاں تک حضرت والا کے حالات سے معلوم ہوتا ہے طریقہ آپ کا یہ تھا کہ پوچھنے والے نے اگر پوچھا تو اپنے معلومات کی بنا پر جو جواب آپ کے نزدیک ہو سکتا تھا وہ دے دیتے تھے بلکہ ایسا اوقات آپ یہ بھی فرما دیتے کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کیا جواب دیا جائے بیسیوں سوالات کے متعلق علمائے لکھنؤ نے امام مالک نے لا آدسری یعنی ہم نہیں جانتے فرمایا

لیکن ابو جعفر کے ان الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ امام مالک کے اجتہادی نتائج کو کسی باضابطہ قانون کی شکل میں مرتب کرانے کا مسودہ طے کر چکا تھا اور یہ بھی کہ اسی کو حکومت کا قانون قرار دیا جائے پیرائے بھی اس کے سامنے آچکی تھی۔

مدون فقہ مالکی سے ابو جعفر کا پوشیدہ سیاسی مقصد

سوال یہی ہوتا ہے کہ اس سے پہلے یہ خیال اس کے دماغ میں کیوں نہیں آیا امام مالک

کے پاس چلے جاؤ۔ اسد صب ارشاد عراق پہنچے، امام ابو حنیفہ کے مختلف شاگردوں سے استفادہ کرتے ہوئے آخر میں انھوں نے امام محمد کو پکڑ لیا۔ امام محمد نے بھی پوری توجہ سے ان کو پڑھانا شروع کیا۔ اٹھا ہے کہ چونچ ڈال کر چڑیا جیسے اپنے بچوں کو دانہ کھلاتی ہے اسی طرح امام محمد نے اسد کو فقہ کھول کر پڑا دی۔ اسد نے اس عرصے میں امام ابو حنیفہ کی مجلس وضع تو انہیں کی مدون کتابوں کی نقلیں بھی حاصل کیں ان کو لیکر وہ مصر پہنچے اور امام مالک کے شاگردوں خصوصاً ابن القاسم سے انھوں نے ان ہی حنفی مذہب کی کتابوں کی روشنی میں امام مالک کے فتوؤں کو جمع کیا۔ کرتے یہ تھے کہ سوال تو امام ابو حنیفہ کی کتابوں سے چنتے اور جواب اس کا ابن القاسم امام مالک کے مذاق کو پیش نظر رکھ کر جو دیتے اسے درج کر لیتے ہوں انھوں نے امام مالک کے اجتہادات کو ایک کتاب کی شکل میں مدون فرما دیا تھا۔ ابتداء میں اس کتاب کا نام الاسد یہ تھا بعد کو سمون ایک مالکی امام نے اس میں کچھ رد و بدل کیا مدونہ امام مالک کے نام سے اب یہی سمون والا نسخہ مشہور و متداول ہے چھپ بھی گیا ہے جس کا مطلب یہی ہوا کہ امام مالک کا مذہب امام ابو حنیفہ ہی کی مجلس کے سوالات کی روشنی میں مدون ہوا ہے غرضی بحث کے لئے تدوین فقہ کا انتظار کیجئے ۱۲

اور ان کے علم کی شہرت تو ایک زمانے سے پھیلی ہوئی تھی کئی دفعہ منصور مدینہ آیا اور آکر چلا گیا لیکن اس قسم کے خیالات اس سے پیشتر کبھی کسی کے سامنے ظاہر نہیں کئے۔

ایسی صورت میں کیا یہ حدیث بے بنیادی نری بدگمانی ہی ہوگی اگر سمجھا جائے کہ امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں وہ ایک نئی زمین حجاج بن ارطاة سے مایوس ہونے کے بعد تیار کرنی چاہتا تھا یہ دعویٰ تو شاید حد سے زیادہ متجاوز ہوگا۔ اگر ابو جعفر کے اس سفر جرج کی اصلی غرض یا اس سفر کا مشن اسی مقصد کو قرار دیا جائے لیکن منجملہ دوسرے اغراض کے اگر ایک غرض اس کی یہ بھی ہو تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

اس وقت تو جس کا جی چاہے جتنا بڑا دعویٰ چاہے کر بیٹھے لیکن میں جب سوچتا ہوں کہ اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی حکمران طاقت عقل الناس، اعلم الناس کا خطاب دیتے ہوئے اپنی حکومت کے سارے وسائل امام مالک کے قدموں کے نیچے اس لئے ڈال دینا ہے کہ اپنے اجتہادات و خیالات کو جس طرح چاہیں مدون و مرتب کر کے حکومت کے قانون کی حیثیت سے ان کو نافذ کر دیں اپنے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر انصاف کرنا چاہتے کہنے والے کیا کچھ نہ کر گزرتے یہ ظاہر اس میں شرعی خرابی بھی کوئی نہ تھی بلکہ میں عرض کر چکا ہوں کہ امام ابو حنیفہ تو یہی چاہتے بھی تھے اسی سے انھوں نے شریعت اسلامی کو ایک باضابطہ دستور اور آئین کے قالب میں ڈھال بھی دیا تھا لیکن امام مالک کو جس چیز نے امام مالک بنا دیا وہ ان کی یہی بے نفسی اور ظرف کی وسعت فطرت کی بلندی تھی۔

امام مالک کا جواب

انھوں نے ابو جعفر کے اس ارادے سے واقف ہونے کے بعد جو بات جواب میں فرمائی کہ آج تک تاریخ میں گونج رہی ہے مختلف مواقع پر نقل کرنے والے اسے نقل کرتے ہیں آپ نے خلیفہ کو خطاب کر کے فرمایا۔

”امیر المومنین! آپ ہرگز ہرگز ایسا نہ کیجئے دیکھئے! مسلمانوں کے پاس مختلف علماء کے اقوال پہلے سے پہنچ چکے ہیں، وہ حدیث سن چکے ہیں اور روایتیں روایت کر چکے ہیں، لوگوں کے پاس جو بات پہلے پہنچ چکی ہے اسی پر وہ عمل پیرا ہو چکے ہیں اور اسی کو اپنا دین بنا چکے ہیں

پس جس علاقے کے باشندوں نے جو باتیں اختیار کر لی ہیں ان کو ان کے

حال پر چھوڑ دیجئے (میزان الکبریٰ شعرائی وغیرہ)

امام مالک کے اس مشہور قول سے مسلمانوں کے فروعی اخلاقیات کے متعلق ان کے جس نقطہ نظر کا پتہ چلتا ہے "تذوین فقہ" والے مقامے میں جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ تو خیر ایک الگ مستقل مسئلہ ہے یہاں میں دوسری بات کہنا چاہتا ہوں یعنی اگر یہ سمجھا جائے کہ علماء عراق کہتے یا ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کہتے ان کے مقابلہ میں ابو جعفر جس مخالفانہ محاذ کے قائم کرنے کی تدبیریں کر رہا تھا اور حضرت امام مالک سے اس معاملہ میں نفع اٹھانا چاہتا تھا اور امام مالک نے اس کے اس تیر کو اپنی اس ترکیب سے اسی کی طرف مسترد کرنا چاہا ہو تو اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے ظاہر ہے کہ امام مالک حجاج بن ارطاة جیسے ہلکے پھلکے عالم تو تھے نہیں کہ حکومت کے میدان کو پاتے ہی امام ابو حنیفہ کو بے وقوف قرار دیتے ہوئے اپنا سب کچھ اسی کے قدموں پر نثار کرتے کے لئے آمادہ ہو جاتے خدا نخواستہ اگر وہ بھی وہی ہوتے تو آج جیسے حجاج اور ان جیسے دوسرے اہل علم اپنے آپ کو گم کر بیٹھے شاید امام مالک بھی ان ہی گم شدہ لوگوں میں شریک ہو جاتے لیکن وہ جان رہے تھے کہ ہدایت خود بات غلط ہو یا صحیح لیکن جس مقصد کے لئے پیش کرتے والا پیش کر رہا ہے وہ مقصد قطعاً غلط ہے۔

میرا تو خیال ہے کہ مسلمانوں ہی کی تاریخ میں نہیں بلکہ دنیا کی تاریخوں میں بھی نیک نفسی، بلند نظری، انجام بنی کا ایک ایسا نمونہ امام مالک نے چھوڑا ہے جس کی نظیر مشکل ہی سے مل سکتی ہے یہ نظر ایک بڑے سنہرے موقعہ کو گویا انھوں نے کھود یا لیکن جس خدا کے لئے انھوں نے کھویا تھا واقعات نے ثابت کیا کہ اس نے نہ امام کو گم ہونے دیا اور نہ ان کے خدشات کو۔

اس میں مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے عرض بھی کیا ہے کہ حضرت امام مالک نے اپنی زندگی اپنے لقب و کتاب کو بلاشبہ کسی کتاب کی شکل میں مدون بھی نہیں فرمایا بلکہ ان کے مشہور نمبرز اشہب کے حوالے سے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ کسی سوال کا جواب امام نے دیا اشہب موجود تھے انھوں نے چاہا کہ اس جواب کو قلم بند کر لیں۔ مگر دیکھا کہ امام منع فرما رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ قصومت میں نہیں جاتا

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اوزان کے علمی خدمات کا جو اثر حکومت عباسیہ کے مرکز عراق اور دوسرے مشرقی ممالک پر قائم ہو گیا تھا۔ اس اثر اور اقتدار کے ختم کرنے کی یہی ایک واحد تدبیر تھی کہ امام مالک کو ابوحنیفہ کے مقابلہ میں لا کر کھڑا کر دیا جائے مجبوری حیثیت سے اس وقت سارے اسلامی ممالک میں امام مالک ہی کی ہستی ایسی تھی جن سے حکومت امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں قائم نہ اٹھا سکتی تھی۔ لیکن امام نے اپنے چند الفاظ سے ابوحنیفہ کے اس آخری امید کو بھی ختم کر دیا۔

عباسی حکومت کی حضرت امام مالک کو آلہ کار بنانے کی کوشش اور اس کی مایوسی

اگرچہ عباسی حکومت کی طرف سے وقتاً فوقتاً خود ابوحنیفہ کے زمانے میں بھی اور ابوحنیفہ کے بعد مہدی اور ہارون الرشید کے عہد میں بھی امام مالک کو مختلف طریقوں سے دوبارہ آمادہ کرنے کی کوششیں ہوتی رہیں۔ لیکن امام کا فیصلہ امام کا فیصلہ تھا جو کچھ انھوں نے پہلی دفعہ ابوحنیفہ سے کہا تھا وہی آخر وقت تک کہتے رہے ان کے سوانح نگاروں

ہوں کہ اس جواب پر آئندہ میں قائم بھی رہوں گا یا نہیں مسئلہ ابن فرحون۔ لیکن خدائے ان کے بعد ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیا جنھوں نے امام کے مذہب کو باضابطہ شکل میں مدون کر دیا اور ٹھیک جیسے مشرق میں عباسی حکومت حنفی مذہب کو اپنی حکومت کا قانون بنانے پر مجبور ہوئی اندلس کی اموی حکومت کے سلاطین کو خدائے توفیق بخشی انھوں نے امام مالک کی فقہ کو اپنی معمری حکومت کا دستور بنالیا امام کی خوش نیتی ہی کا نتیجہ یہ ہے کہ مالکی فقہ میں بڑے بڑے کبار علماء پیدا ہوئے کہنے والوں نے سچ کہا ہے کہ حنفی مذہب میں لوگ بڑے بڑے ہیں لیکن کتابیں زیادہ بڑی تصنیف نہیں ہوئیں اور شوافع میں کتابیں بڑی بڑی لکھی گئیں۔ لیکن لوگ اتنے بڑے نہیں پیدا ہوئے لیکن مالکی فقہ کی یہ خصوصیت ہے کہ لوگ بھی بڑے بڑے پیدا ہوئے اور کتابیں بھی اس فقہ میں بڑی معرکتہ افکار لکھی گئیں جو واقعات سے واقف ہیں وہ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں میرا تو خیال ہے کہ امام مالک کو اپنی اسی قسم کی قربانیوں کا قدرت کی طرف سے صلہ ملا فرماتا ہے اللہ علیہ وسلم ارحم الراحمین

نے ان واقعات کا تفصیل سے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اسی سلسلہ کا ایک مشہور لطیفہ مہدی کے زمانہ کا ہے جو ابو جعفر منصور کے بعد عباسی خلیفہ تھا یعنی لکھا ہے کہ مہدی مدینہ منورہ آیا تھا۔ اپنے آنے کی تقریب کے سلسلے میں دو ہزار اشرفیاں امام مالک کی خدمت میں پیش کی گئیں۔ امام نے اشرفیاں لے لیں اسی دن یا چند دن بعد مہدی کا حاجب (دعویٰ بیگی) ربیع امام کے پاس حاضر ہوا اور مہدی کا یہ پیغام پہنچا یا کہ امیر المومنین کی خواہش ہے کہ مدینہ السلام بغداد ان کے ساتھ آپ بھی چلتے کہتے ہیں کہ امام نے جواب میں ربیع سے کہا کہ "الماں عندی علی حالہ" یعنی جو اشرفیاں خلیفہ نے بھیجی ہیں وہ بکلمہ اسی طرح رکھی ہوئی ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ ان اشرفیوں کے دباؤ اور معاوضہ میں خلیفہ نے اگر یہ حکم دیا ہے تو میں نے ان کو چھوڑا بھی نہیں ہے جس حال میں آئی ہیں اسی حال میں واپس ہو سکتی ہیں پھر آپ نے ربیع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول سنایا جو آپ فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ والوں کے بہر حال مدینہ ہی بہتر ہے کاغذ : لوگ اس کو جانتے ہیں جیسا کہ میں نے شروع ہی میں بیان کر دیا ہے کہ ابو جعفر منصور اور امام ابو حنیفہ کے درمیان تضاد وغیرہ کے قصوں کو لوگوں نے کچھ اسی طرح بیان کیا ہے کہ ان میں کسی قسم کی زمانی ترتیب کا قائم کرنا مشکل ہے۔

حضرت امام کے متعلق ابو حنیفہ کا آخری فیصلہ

لیکن جہاں تک میرا خیال ہے حاج بن ارطاة کے تہرہ کی ناکامی اور امام مالک کے جواب سے جو مالوسی اُس میں پیدا ہوئی اسی کے بعد امام ابو حنیفہ کے متعلق خیر خیر ابراہیم کے واقعے کے بعد جس طرز عمل کو اب تک وہ اختیار کرتے ہوئے تھا یعنی بظاہر امام سے اپنے آپ کو اُس نے کچھ بے تعلق سا بنا رکھا تھا۔ لیکن ان مرحلوں کو طے کرنے کے بعد میرا خیال ہے کہ امام ابو حنیفہ کے متعلق آخری فیصلہ کا اُس نے قطعی ارادہ کر لیا اور آئندہ جو واقعات امام اور ابو جعفر کے درمیان پیش آئے ہیں میرے نزدیک اسی آخری فیصلے تک پہنچنے کی یہ تدبیریں تھیں۔

بغداد کی تعمیر کی مدت

امام ابوحنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ ماہ رجب میں ہوئی اور بغداد کی تعمیر میں دوسری دفعہ ابو جعفر ۱۷۲ھ سے مشغول ہوا جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے پوری تعمیر سے چار سال میں فراغت حاصل ہوئی گویا بغداد کی تعمیر کی تکمیل اور امام ابوحنیفہ کی وفات کا زمانہ قریب ہی قریب ہے ان چار سالوں میں سے ۱۷۲ھ تک تو ابو جعفر سفر حج اور امام مالک سے گفتگو کرنے میں مشغول رہا۔ گویا اس بنیاد پر یہ سمجھنا چاہیے کہ ابو جعفر کا امام ابوحنیفہ سے یہ جدید تعلق ۱۷۸ھ سے یا اسی کے کچھ آگے پیچھے زمانے میں پیدا ہوا جہاں تک قیاس کا اقتضار ہے یہی دو ڈھائی سال کی مدت ہے جس میں امام ابوحنیفہ کو متعدد بار ہم ابو جعفر کے دربار میں پاتے ہیں موفوق نے علی بن علی العمیری کے حوالہ سے الفاظ جو نقل کئے ہیں کہ ابو جعفر نے امام کو کوفہ سے بغداد بلا کر اپنے پاس روکا اور قضا کے عہدے پر (غیر مرتہ) یعنی ایک سے زیادہ مرتبہ مجبور کرتا رہا ۱۷۸ھ ج ۲

اس کا یہی مطلب ہے اور غیر مرتہ یعنی ایک سے زیادہ مرتبہ امام کو بلا بلا کر اپنے پاس رکھتا اور قضا کے عہدے کو قبول کرنے پر امام کو مجبور کرتا رہا یہ امام کی زندگی کے ان ہی آخری دو ڈھائی سال کے زمانہ کی باتیں ہیں قرآن و قیاسات کی مدد سے ان واقعات میں جو ترتیب مجھے محسوس ہوتی ہے اسی ترتیب کے مطابق اب ان واقعات کو درج کرتا ہوں۔

کوفہ کا علمی ماحول

واقعہ یہ ہے کہ جس زمانہ کا یہ قصہ ہے اس وقت کوفہ ثقہ الاسلام بنا ہوا تھا نہ صرف مادی دولت و ثروت کی اس شہر میں ریل پیل تھی بلکہ اسی کے ساتھ زہد و تقویٰ علم و معرفت کے بیسیوں سرچشمے اپنی اپنی جگہ پر ابل رہے تھے لیکن اس وقت تک مسلمانوں میں علم کی حیثیت سے تین ہی چیزوں کو اہمیت حاصل تھی قرآن اور اس کی قرأت و تجوید حدیث و سنت، فقہ و اجتہاد و مرکزیت ان ہی تین علموں کو حاصل تھی ان میں سے ہر علم کے متعدد دائرہ کوفہ میں اس وقت موجود تھے ان میں زیادہ تر

تو اسی قسم کے حضرات تھے جو اپنے خاص علم کے سوا دوسرے علم سے کم تعلق رکھتے تھے لیکن بعض ایسے بھی تھے جو اپنے خاص فن کے سوا دوسرے علم سے بھی دلچسپی رکھتے تھے علی الخصوص حدیث و فقہ میں بعض لوگوں کا یہی حال تھا یعنی خصوصی خدمت تو ان کی حدیث و سنت کی روایت تھی مگر پوچھنے والے مسائل بھی ان سے پوچھتے تھے حدیث یا آثار صحابہ فتاویٰ تابعین وغیرہ کی بھی چونکہ یہ حافظ ہوتے تھے اس لئے ان ہی محفوظات و معلومات کی مدد سے لوگوں کو جواب بھی دے دیا کرتے تھے ان میں بعض کبھی کبھی قیاس اور رائے سے بھی کام لیا کرتے تھے اسی لئے ان لوگوں کا شمار ایک طرف اگر محدثین کے طبقہ میں کیا جاتا ہے تو دوسری طرف فقہاء اور مجتہدین کے سلسلہ میں بھی ان کا نام لیا جاتا ہے امام ابو حنیفہ کے زمانے میں اس قسم کے ممتاز ترین محدث سفیان ثوری تھے ان کا اصلی کام تو یہی تھا کہ حلقہ بنا کر اپنے مرویات لوگوں کو سنایا کرتے تھے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بھی ہوتی تھیں اور صحابہ کے فتاویٰ بھی صحابہ کے بعد تابعین نے جو فتوے دیتے تھے اور ان کی بھی کافی تعداد جمع ہو چکی تھی یہی ان کا سب سے بڑا علمی سرمایہ تھا۔ لیکن یہ بات کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق سوال پیدا کرنا اور پھر ان سوالوں کا جواب نکالنا پھر اپنے تلامذہ کو ان کی تعلیم دینا خود ان شاگردوں میں انتہائی اور اجتہاد سے ملکہ کو پیدا کرنے کی کوشش کرنا جہاں تک میں جانتا ہوں کم از کم کوفہ میں یہ کام امام ابو حنیفہ کی مجلسِ رجبہ توانیت کے سوا اور کہیں نہیں ہوتا تھا۔ انفرادی طور پر اس کام کا رجحان اس عہد کے علماء کوفہ میں تھوڑا بہت اگر پایا جاتا تھا تو نما ثیا بن ابی نسیل و ابن شہر مہ اور سب سے زیادہ ممتاز حجاج بن ارطاة تھے ان تینوں بزرگوں کے متعلق کافی معلومات پہلے گذر چکے ہیں۔

سفیان ثوری، شریک بن عبد اللہ مسعر بن کدام
اور امام ابو حنیفہ کی بعثت میں طلبی

میر خیال ہے کہ مدینہ منورہ سے واپس لوٹنے کے بعد ابو جعفر منعم سے امام ابو حنیفہ

کو جو بلا ناچاہا تو غالباً تنہا بلا ناقرین مصلحت خیال نہیں کیا، واللہ اعلم کیا مصلحت پیش نظر تھی۔ ہو سکتا ہے کہ تنہا طلب کرنے میں اندیشہ ہو کہ پبلک میں امام کی اہمیت بڑھ جائے گی یا امام ہی پر یہ اثر قائم کرنا مقصود ہو کہ تمھارے علم و اثر کا کوئی خاص امتیازی وزن میرے دل میں نہیں ہے۔ ابو جعفر سے جو گفتگو اس موقع پر ہوئی ہے اس سے دوسرے خیال کی زیادہ تائید ہوتی ہے۔

بہر حال کہا یہ جاتا ہے کہ کوفہ ابو جعفر منصور کا فرمان پہنچا جس میں لکھا ہوا تھا کہ کوفہ کے حسب ذیل علماء کو فوراً بارگاہ خلافت میں روانہ کیا جائے یعنی ابو حنیفہ سفیان ثوری ان دو کے علاوہ شریک بن عبد اللہ النخعی اور مسعر بن کدام ان دو بزرگوں کے نام بھی تھے۔

سلف قاضی شریک بن عبد اللہ کا ذکر مختلف مقامات میں پہلے بھی گذر چکا ہے یہی صاحب میں جن کے متعلق ابن خلکان نے نقل کیا ہے کہ مہدی باورچی نے انڈے کا علوا کھلا کر خلیفہ سے کہا تھا کہ اب یہ شخص نکل بھاگنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ باقی مسعر بن کدام کوفہ کی جامع مسجد میں حدیث بیان کیا کرتے تھے ابن سعد نے لکھا ہے کہ ان کی بوڑھی والدہ بڑی عابدہ نابہ تھیں۔ تلامذہ یہ تھا کہ ایک گدا کندے پر لادے یہ والدہ کو ساتھ لے ہوئے یہ مسجد میں لا کر اسی گدے کو بچھا دیتے جس پر ان کی والدہ تو نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتیں اور خود مسعر ان لوگوں کے حلقہ میں بیٹھ کر جو سننا چاہتے تھے حدیثیں روایت کرتے رہتے جب فارغ ہو جاتے تو پھر اسی گدے کو کندھ پر ڈال کر والدہ کو ساتھ لے ہوئے گھر تشریف لے جاتے لکھا ہے کہ گھر اور مسجد کے سوا کوئی دوسری جگہ ان کے بیٹھنے کی نہیں تھی ۲۵۴ باقی سفیان ثوری شاید پہلے بھی کہیں ذکر گذرا ہے اور صحیح تو یہ کہ اسلامی علوم سے تھوڑا بہت تعلق جن کا ہے۔ سفیان اور ان کے علمی مقام سے ناواقف نہیں ہیں ابن جہز ہی ان کی مستقل سیرت لکھی ہے کہتے ہیں کہ میں ہزار حدیثوں کے راوی ہیں خود کہتے ہیں کہ میرے حافظے نے مجھ سے کبھی خیانت نہیں کی ابراہیم کے مروج کے واقعہ میں خلیفہ نے لکھا ہے کہ لوگ ان سے شرکت کے متعلق دریافت کرتے تو کہتے کہ میں لوگوں کو شرکت کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں ابتداء میں بعض امراء سے انھوں نے امداد قبول کی تھی لیکن بعد کو اس میں خطرات محسوس ہوئے پھر تھوڑا سا یہ اپنے دوستوں اور معتقدوں کو دے رکھا تھا اسی

اس میں شک نہیں کہ بجائے خود ان دونوں حضرات کا شمار بھی کوفہ کی ممتاز ہستیوں میں تھا لیکن ابو حنیفہ تو خیر ابو حنیفہ ہی تھے سچی بات یہ ہے کہ سفیان ثوری کی صف میں بھی شریک ہونے کے قابل یہ حضرات نہ تھے اگرچہ نوعیت ان دونوں کے علمی خدمات کی قریب قریب وہی تھی جو سفیان ثوری کی تھی بعض قرائن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دربار میں پہنچنے سے پہلے ان حضرات کو کسی ذریعہ سے اس کی خبر ہو گئی تھی کہ خلیفہ حکومت کا کوئی عہدہ یا قضا کا عہدہ ہم لوگوں پر پیش کرے گا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ گو سب کے سب برابر درجے کے آدمی نہیں تھے لیکن حکومت کی ملازمت سے ان میں ہر ایک نا کارہ تھا، ممکن ہے کہ گراہت و ناگواری کے اسباب مختلف ہوں اتنی بات تو سب کے سامنے کوفہ ہی میں مدروک بھی جاتی تھی کہ قاضی بن ابی لیلیٰ اور قاضی ابن شبرمہ بے چارے کی اسی ملازمت

کے نفع سے زندگی گزارتے تھے کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اشراف اپنے پاس نہ رکھوں تو یہ دولت دالے مجھے اپنے پہرے کا رد مال ہی بنا چھوڑیں ابو جعفر منصور زندگی بھر اس فکر میں رہا کہ کسی طرح ان کو اپنی حکومت میں شریک کرے لیکن کامیاب نہ ہوا۔ لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں تھے کہ ابو جعفر بھی حج کے ارادے سے مکہ چلا سفیان کو بڑی پریشانی ہوئی آخر کعبہ کے طہنیم کے پاس لیٹ گئے اور دعا کرنے لگے کہ خداوند! ابو جعفر مجھے نجات دے کہتم میں کہ راستہ ہی میں ابو جعفر بیمار ہوا اور قبل مکہ پہنچنے کے انتقال ہو گیا لاش مکہ پہنچی وہیں دفن کیا گیا ۱۲

ابو جعفر بن ابی لیلیٰ کے حالات کا ذکر پہلے آچکا ہے ابن شبرمہ بھی اپنے وقت کے ممتاز آدمی تھے دین میں بھی اور علم میں بھی دین کا حل تو ان کے طبقات ہی میں یہ لکھا ہے کہ یمن والی بنا کر شروع شروع میں بھیجے گئے تھے کچھ دن رہے اس کے بعد معزول ہو گئے مگر جو یمن کے مشہور محدث ہیں ان کا بیان ہے کہ رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ درود و رات تک چلا گیا جب سب لوگ جمع ہوئے اور تنہا میں ہی رہ گیا تو دہرایا کہ بھائی خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ اگرچہ میں یہاں کا رہتا لیکن جس گرتے کو پہن کر آیا تھا وہی پہنے ہوئے واپس جا رہا ہوں مگر کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر چپ ہو گئے پھر لوے یہ حلال کے متعلق ذکر کر رہے ہوں اور حرام کی تو خیر گنجائش ہی کیا تھی ابن سعد ^{رحمہ اللہ} علم میں ان کا خاص درجہ تھا بعض اجتہادی مسائل ان کی طرف جو مشہور ہیں وہ عجیب ہیں مثلاً لکھا ہے کہ انھوں نے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کی عمر متعین کر دی تھی یعنی ۸ سال لڑکے کی اور ۱۲ سال لڑکی کی عمر شادی کے وقت ہونا چاہیے مصری گورنمنٹ نے جدید شریعی قوانین بنائے مصر سے چند سال پیشتر مدون کرایا تھا تو اس میں ابن شبرمہ کے اس فتوے کو قانون کی حیثیت عطا کی گئی تھی دیکھو نقصان منی لاسلام

کے تعلق کی وجہ سے یہ درگت جی ہوئی تھی جیسا کہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ دونوں کا قاعدہ تھا کہ روزانہ بعد عشاء کے کوفہ کے والی عیسیٰ بن موسیٰ کے دربار میں حاضر ہوا (شب بگی) کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے طریقہ یہ تھا کہ اپنی اپنی سواریوں پر یہ گورنر کی ڈیوڑھی پر حاضر ہو کر اجازت کے انتظار میں کھڑے رہتے تھوڑی دیر بعد عیسیٰ کا حاجب جس کا عیاض نام تھا وہ کبھی اندر بلا لیتا اور کبھی کہہ دیتا کہ آج آپ لوگوں کو گھر جانے کی اجازت ہے ابن شبرمہ جو شاعر بھی تھے چھٹی کی خبر عیاض سے سن کر کبھی کبھی اس شعر کو پڑھتے (جس کا ترجمہ یہ ہے) جب عشاء کا وقت ہو چلتا ہے اور نیند کا غلبہ شروع ہو جاتا ہے تو اچانک عیاض درختوں میں سے ایک راحت کی خبر سناتا ہے (یعنی حضوری کی اجازت لانا ہے یا چھٹی کی اور ہمارے لئے دونوں میں راحت ہے ص ۲۷۵ ج ۲)

چاروں علماء کے سامنے ابو جعفر کا اظہار مقصد

بہر حال چاروں حضرات ابو جعفر کے سامنے پیش ہوتے ہیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خروج ابراہیم کے بعد پہلی ملاقات خلیفہ سے ان لوگوں کی جو ہوئی تو اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ

لما ادعکم الا لخیر منہ ج ۱
میں نے تم لوگوں کو بجز ایک اچھے کام کے اور کسی دوسری غرض سے نہیں بلایا ہے

مسعر بن کدام اور سفیان ثوری نے کس طرح رستگاری حاصل کی

اگر یہ واقعہ ہے تو گو خطاب اس میں سب کی طرف متاثر جہاں تک میں خیل کرتا ہوں شاید زیادہ رخ اس خطاب کو ابوحنیفہ ہی کی طرف ہو گا کیونکہ وہی زیادہ بدنام تھے خیر کچھ بھی ہو آگے بیان کرتے والوں نے جو قصہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اچانک مسعر بن کدام

کو دیکھا گیا کہ وہ صف سے ٹوٹ کر خلیفہ کی طرف بڑھے چلے جاتے ہیں اور بے محابا ابو جعفر کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر مصافحہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

”فرمائیے آج کل جناب کا مزاج کیسا رہتا ہے بندہ جب یہاں نہیں تھا تو اس وقت آپ رہے کیسے اور آپ کے مولشیوں کا گھوڑوں کا کیا حال ہے، پڑوس میں آپ کے فلاں فلاں صاحب جو رہتے ہیں ان کی کیفیت کیا ہے آپ کے ذکر چاکر کیسے ہیں۔“

کہتے ہیں کہ مسعر نے اسی کے ساتھ یہ اضافہ بھی کیا کہ

”اور خبر ہے کوفہ کے بند کی وباں کی گلیوں کا حال بہت خراب ہے۔“
سارا دربار مسعر کی اس حرکت کو دیکھ کر متحیر تھا کہ آخر ان کو ہو کیا گیا ہے اور کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ آخر میں مسعر نے کہا

”آہا آپ مجھے قاضی مقرر کرنا چاہتے ہیں۔“

آخر کسی نے آگے بڑھ کر ان کو ہٹایا اور طے کیا گیا کہ دماغی توازن اس شخص کا خراب ہو گیا ہے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ ہی نے مسعر کے اندر اس خیال کو پیدا کر دیا تھا کہ تم مجنوں کی طرح باتیں کرنے لگنا۔

الفرض مسعر کی جان تو یوں بچ گئی۔ رہ گئے سفیان ثوری ہوان سے متعلق کہتے ہیں کہ وہ بھاگ گئے۔ اب خدا جانے مسعر کے ان عجیب و غریب حرکات کی وجہ سے جو گڑبڑ مچی اس میں سفیان کو نکل بھاگنے کا موقع ملا یا جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ راستہ ہی سے استنجا وغیرہ کا حیلہ کر کے وہ دوپوش ہو گئے۔

امام ابو حنیفہ کے سامنے کوفہ کے عہدہ قضا کی پیشکش

اور امام کا انکار

اب صرف امام ابو حنیفہ اور قاضی شریک خلیفہ کے سامنے تھے ابو جعفر نے امام کو بلا کر کہا

کہ میں کوفہ کا قاضی تھیں بنا نا چاہتا ہوں جیسا کہ میں مسلسل کہتا چلا آ رہا ہوں کہ یہ قصبہ امام کے ساتھ متعدد بار پیش آیا اور سوانح نگاروں نے امام کی طرف معذرت پیش کرتے ہوئے مختلف ہمالیوں کو منسوب کیا ہے میرا خیال ہے کہ کوفہ کے قاضی بنانے کا خیال ابو جعفر نے امام کے سامنے جب پیش کیا تو غالباً کوفہ کے خاص حالات کے لحاظ سے آپ نے ابو جعفر کو سمجھانا شروع کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ کوفہ والوں کی ذہنیت سے آپ واقف ہیں اس وقت تک ان میں ایک خوش باش آدمی کی طرح میں زندگی بسر کر رہا ہوں کسی قسم کی افسری اور حکومت کی طاقت مجھے اس شہر میں حاصل نہیں ہے لیکن قضا کے عہدے پر تقرر کر کے مجھے وہاں جب آپ بھیجیں گے تو لوگ میرے خاندانی حال سے

سے کچھ اسی زمانے میں نہیں بلکہ خدا ہی جانتا ہے کہ اس سرزمین میں یہ کیا خاصیت تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے عہد میں یہ شہر بسایا گیا لیکن اسی زمانے میں یہاں کے باشندوں کا حکام سے عجیب تعلق تھا سعد بن ابی وقاص ان کے والی تھے تو ان کی مسلسل شکایتیں حضرت عمر کے پاس پہنچیں آپ نے سعد کو بلا لیا عمار بن یاسر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو والی بنا کر بھیجا ایک سال نہ بچھینے بے چارے سے یہ مشکل گزارے ان کے متعلق یہ شکایت کرنے لگے کہ کمزور آدمی ہیں بے سیاست سے واقف نہیں میں حضرت عمر کا مشہور قول کوفہ کے متعلق ہے کہ کوفہ والوں کا میں کیا کروں اگر کسی قوی آدمی کو حاکم بنا کر وہاں بھیجتا ہوں تو اس کی طرف نمرائے ہو کر منسوب کرتے ہیں اور کسی کمزور کو بھیجتا ہوں تو اس کی تحقیر کرتے ہیں ص ۲۸۵ امین مشہور ہے کہ حضرت سعد نے کوفہ کے ایک باشندے کو جس نے بلا وجہ ان کی شکایت کی تھی رخصت ہوتے ہوئے یہ بد عادی تھی کہ خدا یا اگر یہ شخص میری طرف غلط باتوں کو منسوب کر رہا ہے تو اس کی عمر دراز کر دی جائے اور اس کی نظر کو غیر محتاط بنادے فتوں میں اس کو مبتلا کر کے کہتے ہیں کہ بوڑھا ہو گیا تھا اور جوان چھو کر یوں کے پیچھے پیچھے گلیوں میں بھاگا بھاگا پھرتا تھا لوگ پوچھتے کہ بڑے میاں تھا را یہ کیا حال ہے تو جواب میں کہتا کہ سعد کی بد دعا پڑے ہوئے ہے البلاوری نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سعد نے کوفہ کے بے بد دعا بھی کی تھی کہ خداوند ماہیاں کے باشندے کسی میر سے راضی رہیں اور نہ امراء ان سے راضی ہوں حجاج سے پہلے یہاں کے باشندوں کا دستور تھا کہ جہاں کا امیر سے بگڑتے بچا رہے پر مسجد میں ٹھہری بھر بھر کر کنکریاں پھینکتے حجاج نے اس نمری رسم کا ازالہ ہمارے نفع سے کیا ۱۲

واقف ہیں کہتے ہیں کہ امام نے صاف لفظوں میں کہا کہ میرے والد کو لوگ جانتے ہیں کہ وہ نان بائی یعنی خباز تھے۔ خیال کیجئے کہ ایک نان بائی کے لڑکے کی حکومت کیا کوفہ واسے برداشت کر سکتے ہیں، بلکہ تعجب نہیں کہ اینٹ پتھر سے اس کی خبر لیں۔^{۳۳} لوگوں کا بیان ہے کہ ابو جعفر کے سامنے امام ابو حنیفہ نے کچھ اس طرح تقریر کی کہ وہ خاموش ہو گیا۔ شاید اس وقت تک بغداد کی تعمیر مکمل نہ ہوئی تھی ورنہ ہو سکتا تھا کہ بجائے کوفہ کے امام کو اسی وقت اپنے شہر جدید کے قاضی ہونے پر آمادہ مگرتا جیسا کہ بعد کو اس نے یہی کیا بھی امام رحمۃ اللہ علیہ کی بلا اس دفعہ یوں ٹل گئی۔

قاضی شریک کی بادل نا خواستہ عہدہ قضا کی قبولیت

صرف قاضی شریک دھڑکتے پکھڑے دماغی ضعف و غیرہ کا بہانہ اٹھوں نے بھی پیش کیا جس کے جواب میں ابو جعفر نے کہا کہ روزانہ روغنِ بلام میں قالودہ بوا کر پلانے کا حکم تمہارا ہے لے دے دوں گا اسی کے بعد قاضی شریک نے قضا کا عہدہ چند خاص شرائط کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔ چنانکہ امام کے سوانح نگاروں نے اپنی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اس لئے مجبوراً مجھے بھی اس کا تذکرہ کرنا پڑا ورنہ امام کی زندگی کے جس پہلو کو میں نمایاں کرنا چاہتا ہوں اس پر کوئی خاص روشنی اس واقعہ سے نہیں پڑتی۔ پس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ابو جعفر خلیفہ اور امام ابو حنیفہ میں خروبتِ ابراہیم کے واقعہ کے بعد سے ایک قسم کا حجاب سا ہو چکا تھا جو گہرا پردہ دونوں کے درمیان سے اٹھ گیا اور اس کے بعد دونوں میں گویا نئے سرے سے پھر تعلقات قائم ہو گئے ابو جعفر نے جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے اس کے بعد بار بار

اس واقعہ کا ذکر ابتدائے کتاب میں گند چکا ہے کہ قاضی شریک نے شرط یہ پیش کی تھی کہ میں آپ کے عزیز دل اور اقرباء و رابریوں کا خیال نہ کروں گا اس پر منسوب نے وعدہ کر لیا تھا کہ تم کو اس کا اختیار دیا جاتا ہے۔ پھر دیوڑھی کی خاص لوٹری کا مقدمہ پیش ہوا۔ جس کی تفصیل گندھکی قاضی شریک کے متعلق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ مرتبہ قضا کے عہدہ پر ان کا تقرر ہوا ہے ابو جعفر کے زمانہ میں بھی اور ابو جعفر کے بعد اس کے بیٹے عہدی کے عہد میں بھی آخر وقت تک وہ کوفہ کے قاضی رہے ہیں۔

غیرہ سے بعض دلچسپ واقعات کا تذکرہ ان کے قضا کے متعلق کیا ہے ۱۲

امام کو بلا نا شروع کیا اور دونوں میں مکالمہ اور مخاطبہ کا ایک طویل سلسلہ ہے جسے بیان کرنے والوں نے بیان کیا ہے بعض روایتوں سے یہ ظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ جیسے اس دفعہ امام تنہا نہیں بلاتے گئے تھے اسی طرح ایک دفعہ اس کے بعد بھی بجائے ہیں کے امام صاحب کو صرف قاضی شریک اور سفیان ثوری کی سمیت میں اس نے شہر بغداد کے کیمپ میں بلا یا گیا تھا لیکن میرا خیال ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے بعضوں نے مستحکم ذکر کیا ہے اور بعضوں نے نہیں کیا ہے اس لئے لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں کچھ بھی ہوں دوسروں کے ساتھ امام ابو حنیفہ ایک دفعہ بلائے گئے ہوں یا چند بار لیکن جتنی روایتیں اس سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں ان سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہی کہ شروع شروع میں امام ابو حنیفہ کو ایک دفعہ یا دو دفعہ اکیلے نہیں بلکہ کوفہ کے دوسرے علماء کے ساتھ طلب کیا گیا تھا اور اس کے بعد چند بار تنہا امام ابو حنیفہ ہی کی طلبی دربار خلافت سے ہوئی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ہر طلبی کے موقعہ پر حکومت کی طرف سے قضا کا عہدہ پیش کیا گیا ہے۔

حضرت امام کو دوبارہ قاضی القضاۃ کے عہدہ کی پیشکش

افسوس ہے کہ لوگوں نے ان مذاقات کے سلسلہ میں اور بہت سی باتوں کا ذکر کیا ہے لیکن ایک چیز جو ان ہی لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتی ہے اس کی طرف خصوصی توجہ شاید نہیں کی گئی ہے شاید پہلے بھی ابھڑا اس کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی قضا کا یہ عہدہ امام ابو حنیفہ کے سامنے ایک ہی شکل میں نہیں پیش ہوا ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو کسی خاص شہر مثلاً کوفہ یا بغداد کا قاضی چاہا گیا کہ ان کو مقرر کیا جائے اور کردی کی ایک روایت کے جو یہ الفاظ ہیں کہ

دعہم الامام الى البصرة والكوفة
ولقد ادر ما يليها ص ۲ ج ۲

اور مقرر کا ایک پروانہ امام ابو حنیفہ کے سپرد کیا گیا کہ بصرہ اور کوفہ اور بغداد اور جو علاقے ان صوبوں

کے تحت ہیں ان کا قاضی تم کو بنایا گیا

ان کا اگر وہی مطلب ہے جو ظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ بجائے کسی

خاص شہر یا صوبہ کے چند محکمہ صوبوں کو کوفہ بصرہ بغداد کی قضا امام پر پیش کی گئی اور ان ہی

مہر خین کے متفقہ بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں

یطلب منه ان یکون قاضی القضاۃ امام ابوحنیفہ سے چاہا گیا کہ وہ سارے قاضیوں کے قاضی بننے کا عہدہ قبول کریں یعنی قاضی القضاۃ بن جائیں۔

موفق نے احمد بن ندیم کے حوالہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ احمد سے محمد بن حسن صاحب الامالی نے یہ روایت کی ہے ^۳ پھر خود ہی اس کی شرح میں موفق نے دوسری روایت محمد بن ابوالفضل محمد بن عبداللہ السرخسی کے حوالہ سے یہ درج کی ہے کہ ان یتولی القضاۃ ویخرج القضاۃ من تحتہ الی جمیع کور الاسلام ^۴ سارے اسلامی صوبوں میں قاضی امام ہی کے ہاتھ سے نکلیں

جس کا مطلب یہ ظاہر یہی ہے کہ سارے اسلامی ممالک میں قاضیوں کے عزل و نصب کے اختیارات ابو جعفر نے امام ابوحنیفہ کے سپرد کرنا چاہا تھا اگر یہ روایت صحیح ہے تو اسلامی قضا کی تاریخ میں ایک انقلابی روایت ہونے کی حیثیت اس کو حاصل ہونی چاہیے لیکن افسوس ہے کہ گودرج کرنے کی حد تک اس روایت کو ان ہی لوگوں نے درج کیا ہے اور ایک روایت نہیں بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا دو روایتیں اس باب میں مروی ہیں جن میں ایک مہمل ہے اور دوسرے میں اسی اجمال کی شرح کی گئی ہے لیکن ذکر ان کا کچھ ایسے سرسری انداز میں کیا گیا ہے کہ مشکل ہی سے اس کی اہمیت کی طرف توجہ لوگوں کی ہوسکتی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ عام طور پر علماء میں پیشور بھی نہیں ہے سمجھا یہی جاتا ہے کہ قاضی القضاۃ کے عہدے کی طرف سب سے پہلے ہارون الرشید کا ذہن قفل ہوا، یعنی اس نے قاضی ابویوسف کو کہتے ہیں کہ اس عہدے پر بحال کیا اتنی بات تو صحیح ہے کہ اس عہدے پر بحالی اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے قاضی ابویوسف ہی کی ہوئی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے لیکن خود اس عہدے کی طرف ہارون کے زمانہ حکومت میں توجہ ہوئی یہ صحیح نہیں ہے بلکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ابو جعفر منصور ہی کے زمانہ میں یہ سوال پیدا ہو چکا تھا اور ابو جعفر کی تجویز کو امام اگر قبول کر لیتے تو ابویوسف نہیں بلکہ اسلام کے سب سے پہلے قاضی القضاۃ امام ابوحنیفہ ہی قرار پاتے۔

بہر حال لوگوں کی توجہ ادھر مبذول ہوتی ہو یا نہیں ہوتی ہو لیکن اگر یہ واقعہ گذرا ہے تو یقیناً یہ سوچنے کی بات ہے کہ آخر ابو جعفر منصور کے سامنے یہ سوال کس راستہ سے آیا؟ یہ صحیح ہے کہ ابو جعفر منصور امام ابوحنیفہ کو شکار کرنا چاہتا تھا پہلے اس نے امام

کے زور کو توڑنے کے لئے حجاج بن ارطاة کے سرپرست شہنشاہ رکھا اور جب ان میں مقابلہ کی صلاحیت نظر نہ آئی تو امام مالک کو میدان میں لانے کا ارادہ کیا ان سے بھی مایوس ہونے کے بعد اب براہ راست وہ امام ہی کو قابو میں لانے کی فکر میں مشغول تھا جیسے شکاری شکار کے سامنے دانوں کو بدل بدل کر ڈالتے چلے جاتے ہیں خیال کرتے ہیں کہ ان دانوں پر اگر شکار نہ گرا تو شاید وہ سرے والے اس کو مرغوب ہوں اس لئے ان کو چھڑکتا ہے۔ ان سے بھی مایوسی ہوتی ہے تو کسی تعمیری قسم کا انتخاب کرتا ہے، کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت ابو جعفر کے طرز عمل کی نوعیت یہی نظر آتی ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے لئے قضا کے دانے کا انتخاب اس نے خاص طور پر کیوں کیا؟ اس کے پاس اس قسم کے دانوں کی کیا کمی تھی وہ بڑی سی بڑی گورنریاں بانٹ سکتا تھا، جس قسم کی اور جس شعبہ کی وزارت چاہتا خیرات کر سکتا تھا اور بھی بیسیوں چیزیں ہو سکتی تھیں جنہیں دانہ بنا کر اپنے بچپائے ہوئے دام کے نیچے چھڑک سکتا تھا۔ لیکن یہ فیصلہ کہ جس شکار کو اس وقت پھنسانا چاہتا ہوں اس کے لئے مرغوب ترین نئے قضا کے عہدے ہی کا دانہ ہو سکتا ہے؛ جہاں تک قیاس کا اقتضار ہے اس کا تعلق تجربوں سے نظر آتا ہے جو خود جابر ایم کے واقعے سے پہلے ساحلِ دجلہ کے شاہی کیمپ میں امام ابوحنیفہ کے متعلق ابو جعفر کو ان دلوں میں ہوتا رہا تھا، جب تعمیری مشوروں میں شریک کرنے کے لئے دوسرے ماہرین اور اہل علم و فضل کے ساتھ امام ابوحنیفہ کو بھی بلا کر اس نے اپنے پاس رکھا تھا اس زمانہ میں ابو جعفر کے ذہن میں ان سے یہ اثر پیدا ہوا ہو جس کا اظہار اس وقت وہ کر رہا تھا، یعنی امام ابوحنیفہ کے متعلق اس نے تاثر لیا ہو کہ یہ شخص صرف قاضی ہونا ہی نہیں چاہتا بلکہ حکومت کے اس شعبہ کو کلی طور پر اپنے قبضہ امتداری میں لانا چاہتا ہے جس سے قضا و اور عدالت یعنی مسلمانوں کے باہمی خصومات کے فیصلوں کا تعلق ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے آپ پھر ان چیزوں کو پڑھیں جنہیں اس موقع پر میں نے نقل کیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی قوانین کو ایک باضابطہ مجلس کے ذریعہ مدون کرنا امدادی کے ساتھ سرکاری قاضیوں کے فیصلوں پر مسلسل بجلی گراتے رہنا پھر خلیفہ سے قرب کا موقع جب ملتا ہے تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے علم اور معلومات اور اپنی فکری و نظری قوت سے متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہنا ازیں قبل امام اس سلسلہ میں جو کچھ کرتے رہتے تھے ان سب کو دیکھ کر اگر صراحتہ امام کی طرف سے خواہش کا اظہار نہ بھی کیا گیا

جب بھی اُن کی زندگی اور زندگی کی ساری سرگرمیوں سے قدرتی طور پر آدمی کو اسی نتیجہ تک پہنچ جانا چاہیے تھا جس پر منصور پہنچا تھا۔

بہر حال میرا خیال یہی ہے کہ امام کی یہ مرغوب ترین خواہش ہو سکتی ہے، خود امام ہی کا تصدقاً پیدا کرایا ہوا احساس تھا۔ بلکہ امام مالک کے سامنے ابو جعفر نے یہ نمونہ جو پیش کی تھی کہ ان کے اجتہادی نتائج کو مدون کر کے ان ہی کی پیروی سارے مالک محدثوں میں لازم کرادیا۔ یہ خیال بھی جہاں تک میرا اندازہ ہے امام ابو حنیفہ ہی کا پیدا کرایا ہوا خیال تھا شاید انتقام کی سب سے بہتر صورت اس کو یہی نظر آئی کہ جن امیدوں پر ابو حنیفہ جی رہا ہے ان کے ختم کرنے کی بہترین صورت یہی ہو سکتی ہے کہ امام مالک کے اجتہادات کو سارے اسلامی ممالک میں مروج کر دیا جائے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت امام مالک کی روحانی بعیرت سے امام ابو حنیفہ کی اہمیت و قدرت کی طرف سے عین وقت پر اگر نہ کرائی جاتی تو ان کی ساری محنت جو اب تک اس سلسلہ میں انھوں نے کی تھی سب برباد و اکارت ہو کر رہ جاتی ان کی مجلس وضع قوانین کی کوششوں کا سارا سرمایہ نیز اس عرصے میں اپنے شاگردوں کو جن اغراض کے تحت انھوں نے تیار کیا تھا یعنی وہی بات جس کا وقتاً فوقتاً اظہار فرماتے رہتے تھے کہ ان میں کچھ تو مفتی ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، کچھ قاضی بن سکتے ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو قاضیوں اور مفتیوں کی تربیت و تعلیم کا کام انجام دے سکتے ہیں یہ سارا مستودہ ان کا دھرا کا دھرا رہ جاتا لیکن امام مالک نے ابو جعفر کو اپنے متعلق کچھ اتنا مایوس کر کے واپس کیا کہ اب کوئی دوسری صورت اس کے سوا سامنے نہ رہ گئی کہ ابو حنیفہ کو قاضیوں میں لانے کے لئے ان دائروں کو اس کے سامنے بکھیر دیا جائے جن کے لئے وہ زندگی بھر تڑپتا رہا ہے۔

میرا تو خیال ہے کہ اسلامی عدالت کی یہ تنظیم یعنی یہ ہو رہا تھا کہ حکومت جسے چاہتی تھی قاضی مقرر کر کے مختلف علاقوں میں بھیج دیتی تھی اور اس کی مطلقاً پروا انہیں کی جاتی تھی کہ نقاط نظر اور معلومات وغیرہ کے لحاظ سے اُن کا کیا حال ہے؟ جس کا نتیجہ یہ ہو رہا تھا کہ وقت پر جس کی سمجھ میں اپنے خام غیر منقح معلومات کی بنیاد پر جو بات بھی آجاتی تھی اسی کو فیصلہ قرار دے دیتا تھا اس سلسلہ میں جو کچھ ہو رہا تھا تفصیل سے اس کا ذکر کر چکا ہوں۔ بتا چکا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کے طریقہ کار سے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ انتشار و پراگندگی

فوضویت و لامرکزیت کے ان خرخشوں کا اسلامی عدالتوں سے غاتمہ کرانا چاہتے تھے سب سے پہلا کام اس سلسلہ میں اسی لئے انھوں نے اسلامی قوانین کی باضابطہ تدوین کو قرار دے کر اپنا سب کچھ اسی نصب العین کی تکمیل میں لگا دیا تھا اور میں تو سمجھتا ہوں کہ مشہور النشا پروز عبداللہ بن المقفع جس کا قیام بصرے میں تھا اس کی طرف تاملوں میں یہ بات جو منسوب کی گئی ہے کہ اسی عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس اُس نے ایک خط لکھ کر اس مضمون کا بھیجا تھا جس کا خلاصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے کوفہ اور بصرہ ان دو شہروں کے متعلق خصوصاً اور عام اسلامی علاقوں کے متعلق یہ لکھا تھا کہ

”میں امیر المؤمنین کو ان شدید اختلافات کی طرف متوجہ کرانا چاہتا ہوں جو قضاۃ کے فیصلوں کے اختلافات کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں لوگوں کی جان اور لوگوں کے ناموس و عزت کے متعلق طرح طرح کی بے ترتیبیاں پیدا ہو گئی ہیں، یہ واقعہ ہے کہ حیرۃ رجو کوفہ سے کل چھ میل دور تھا اسی شہر میں کسی شخص کی گردن مارنے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے یا عورت کسی مرد کو دلاری جاتی ہے حالانکہ ٹھیک اسی نوعیت کے مقدموں میں دیکھا جاتا ہے کہ وسط کوفہ میں نیچے ہوئے قضاۃ بالکل اس کے مخالف فیصلے دے رہے ہیں۔“

اُس نے یہ بھی اسی خط میں لکھا تھا کہ

”بہت سے لوگ تو بنی امیہ کی حکومت کے زمانہ کے فیصلوں کو بہ طور نظیر کے استعمال کر رہے ہیں پوچھا جاتا ہے کہ ایسا فیصلہ کس بنیاد پر تم نے کیا تو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا کوئی فیصلہ پیش کیا جاتا ہے اور نہ خلفاء راشدین کے عہد کا بلکہ کہہ دیا جاتا ہے کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں فلاں شخص نے سزا بھی فیصلہ کیا تھا یا اسی قسم کے دوسرے حکمرانوں کا نام لے کر لوگوں کو خاموش کر دیا جاتا ہے۔“

بیان کیا جاتا ہے کہ اسی ابن المقفع نے آخر میں اپنی یہ رائے ابو جعفر کے سامنے اس خط

میں یہ پیش کی تھی کہ

اسلامی قوانین کا ایک مجموعہ سنت اور صحیح قیاس کی روشنی میں مدون

کیا جائے اور حکومت اسی کو عدالتوں میں بطور ضابطہ کے نافذ کر دے تاکہ اس گڑ بڑ اور انتشار و پیراگندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ ص ۵۵

القضاء فی الاسلام

اگر ابن المقفع نے واقعی اس قسم کا کوئی خط ابو جعفر کو لکھا تھا تو میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بھی امام ابو حنیفہ کے نقطہ خیال سے متاثر ہونے ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے اور تاثر نہ سہی تو ارد ہی ہو پھر بھی ابن المقفع بے چارہ تو صرف ایک تجویز پیش کر رہا تھا اور امام ابو حنیفہ ان سارے قصوں کو عملاً ختم کر چکے تھے۔ بیس سال کی مسلسل محنت کدو کاوش سے اسلامی قوانین کا ایک مکمل ضابطہ بھی انھوں نے مدون کر لیا تھا اور ان ضوابط کو صحیح طور پر استعمال کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت اپنے تلامذہ کی شکل میں اگر سارے اسلامی ممالک میں نہیں تو ممالک محروسہ عباسیہ کے سارے مشرقی شہروں میں وہ یقیناً پھیلا چکے تھے۔ مشکل ہی سے کوئی مرکزی شہر عراق و خراسان وغیرہ میں بچا ہوا تھا جہاں ان کے شاگرد موجود نہ تھے اور کیسے شاگرد؟ اگر لوگوں کا یہ بیان صحیح ہے کہ امام کے چار شاگرد ایسے تھے جن کے متعلق حسن بن حماد کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے۔

کان الحفاظ للفقہ مکا یحفظ القرآن
اربعة زفر و یعقوب و اسد بن عماد
علی بن مسہر ص ۲۱۶ کردی

فقرہ کے مسائل کے حافظ چار آدمی تھے اسی قسم کے حافظ جیسے قرآن کے حافظ ہوتے ہیں یعنی زفر یعقوب و اسد بن عماد

امام ابو حنیفہ کی مجلس کے مدونہ قوانین کی تعداد کے متعلق خوارزمی ہی کے بیان کو اگر صحیح مان لیا جائے یعنی ۸۳۰، ہزار دفعات پر ان کا یہ مجموعہ مشتمل تھا جب بھی خیال کیا جاسکتا ہے کہ زبانی اتنے دفعات کو قرآن کی طرح یاد کر لینا کیا آسان تھا؟ مگر امام کے سامنے جو لائحہ عمل تھا جس کو پیش نظر رکھ کر وہ کام کر رہے تھے۔ اس کے لحاظ سے اس پر تعجب بھی نہیں ہوتا جو علانیہ اپنے طلبہ اور تلامذہ کو یہ مشورہ دیتا ہو کہ ایسے کمالات اپنے اندر پیدا کرو کہ لوگ تمھارے محتاج ہو جائیں، شاگردوں کو وصیت کرتا ہو کہ حکومت کی ملازمت میں اس وقت تک تم لوگوں کو شریک نہیں ہونا چاہیے جب تک اس کا اطمینان نہ کر لو کہ تم پر دوسروں کو حکومت اب ترجیح نہ دے گی۔ الغرض یہ اور اسی قسم کی دوسری باتیں جن کا ذکر پہلے تفصیل سے کر چکا ہوں ان کو

دیکھتے ہوئے کچھ بعید نہیں ہے اگر امام کے خاص شاگردوں نے اُن کے مدونہ قوانین کے سارے مجموعہ کو زبانی یاد کر لیا ہو، خصوصاً قاضی ابویوسف کے متعلق جو باتیں ان سے مروی ہیں مثلاً یہی کہ ایک دفعہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں قاضی ابویوسف بیمار ہوئے مرض سخت تھا، امام ابو حنیفہ بار بار اُن کی عیادت کو جایا کرتے تھے۔ ایک دن امام صاحب حسب دستور ان کو دیکھنے کے لئے جو آئے تو دیکھا کہ ابویوسف کی حالت بہت غیر ہو رہی ہے، بے ساختہ امام صاحب کی زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون کے الفاظ جاری ہو گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد بڑے دردناک لہجے میں امام ابو حنیفہ لگو میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے۔

لقد كنت اذ ملك بعدى للمسلمين
اپنے بعد مسلمانوں کے متعلق میری بہت سی امیدیں
تم ہی سے قائم تھیں

کہتے ہیں کہ اُسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر تمھاری موت کی مصیبت میں لوگ مبتلا کئے گئے تو علم کی بہت بڑی مقدار مرجائے گی۔

میں خاص طور پر امام کے ان الفاظ کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں، جنھیں بحسب عربی الفاظ کے ساتھ میں نے نقل کیا ہے؟ یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کے اقوال کے ہوتے ہوئے اگر یہ سمجھا جائے کہ قاضی ابویوسف کے ساتھ جو واقعہ بعد کو پیش آیا، یعنی ہارون رشید کے زمانہ میں حکومت عباسیہ کا محکمہ عدل والنصف بالکلیہ ان کے سپرد کر دیا گیا تھا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے اور عام طور پر دنیا اس سے واقف بھی ہے، یہ واقعہ اتفاقی نہیں بلکہ پہلے سے سوچا سمجھا ہوا تھا ایک خاص لائحہ عمل جسے مسلمانوں کے متعلق امام ابو حنیفہ نے تیار کیا تھا اسی کے مطابق واقعہ کا ظہور ہوا تو اس کے انکار کرنے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے؟

شجاع بن مخلد جو ابو داؤد اور نسائی کے راویوں میں ہیں، اُن ہی کے حوالہ سے موفقی نے یہ فقرہ نقل کیا ہے۔ یعنی شجاع کہتے تھے کہ میں نے براہ راست قاضی ابویوسف سے ایک دن یہ سنا کہ وہ کہہ رہے تھے۔

ما اعظم بركة ابي حنيفة فتم لنا سبيل
ابو حنیفہ کتنے بابرکت آدمی تھے دنیا اور آخرت دونوں
ال دنیا والاخرۃ ص ۲۳ ج ۲
کی راہیں ہم پر اُن ہی کی کھولی ہوئی ہیں

آپ قاضی ابو یوسف کے اس فقرے کو امام ابو حنیفہ کے مذکورہ بالا فقرے کے ساتھ ملاتے جو ان کی زندگی سے مایوس ہونے کے وقت انھوں نے فرمایا تھا کہ قاضی ابو یوسف کا یہ صراحتہ کھلا ہوا اعتراف اس کا نہیں ہے کہ جو صورتیں ان کے ساتھ بعد کو پیش آئیں ان میں امام ابو حنیفہ ہی کا ہاتھ تھا۔

اور ایک ابو یوسف کیا؟ آپ ان تلامذہ کے حالات پڑھیں جنہیں امام نے عباسیوں کے ممالک محروسہ کے اکثر علاقوں میں پھیلا دیا تھا کما و مقدارا ان کی جو تعداد تھی تو وہ وہ بجائے خود ہے، شاغی المذہب مورخ حافظ ابن حجر نے خیرات الحسان میں جن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

”صبح طور پر امام کے تلامذہ کا اور ان لوگوں کی تعداد کا پتہ چلا نا دشوار ہے جنھوں نے امام ابو حنیفہ سے علمی استفادہ کیا ہے شاید اسی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ابو حنیفہ کے اصحاب اور تلامذہ کی جتنی کثرت ہے اُس کی نظیر مسلمانوں کے دوسرے مشہور ائمہ میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔“

حافظ ہی نے اس کے بعد نقل کیا ہے کہ

”پچھلے زمانہ میں بعض محدثین نے امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کی فہرست جو بنانی چاہی تو قریب قریب آٹھ سو نام اس سلسلہ میں اُن کو ملے“

۵۴ منقول از معجم

موفق نے (۷۳۰) آدمیوں کے نام اس سلسلہ میں گنوائے ہیں صاحب المصنفین نے اس فہرست کو درج کرتے ہوئے اجمالاً ان کے حالات کی طرف جو اشارے کئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً پچاس آدمی اُن میں ایسے تھے جنھوں نے حکومت عباسیہ کے مختلف علاقوں میں امام ابو حنیفہ کے بعد قضا کی خدمت انجام دی ہے، لیکن یہ غلط فہمی

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ تعداد امام کے ان شاگردوں کی ہے جنھوں نے امام سے مسائل فقہ کیے دوسروں سے بیان کئے ہیں ورنہ ان ہی موفق نے اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ امام کے شاگردوں اور متقدموں کی تعداد ہزار ہا ہزار سے متجاوز ہے تفصیل کیلئے دیکھو مناقب موفق اور معجم المصنفین للذہبی ۱۲

ہوگی اگر سمجھا جائے کہ امام کے تلامذہ میں قاضیوں کی تعداد اسی حد تک محدود ہے بلکہ یہ تعداد تو ان قاضیوں کی ہے جن کا رجال اور تاریخ کی کتابوں میں تذکرہ ملتا ہے۔ عموماً صحاح کی کتابوں میں ان سے چونکہ حدیثیں مروی ہیں اسی لئے ائمہ نے اسماء الرجال کی جو فہرستیں بنائی ہیں ان میں ان کے نام کو داخل کر دیا گیا ہے، ورنہ امام کے بعد ان کے شاگردوں میں جو قاضی ہوئے ہیں ان کی حقیقی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے، مثلاً میں قاضی توبہ بن سعد مروزی کو پیش کرتا ہوں، رجال کی کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے سوانح نگاروں نے ان کو ان قاضیوں میں شمار کیا ہے، انہیں امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں خاص امتیاز حاصل تھا اور کیا امتیاز؟ موفق نے نصر بن زیاد کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام مالک کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ قاضیوں کا ذکر چمڑا گیا۔ اسی سلسلہ میں قاضی توبہ بن سعد کا نام بھی آیا۔ نصر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ توبہ کے ذکر پر امام مالک فرما رہے ہیں۔

لوددت ان عندنا واحدًا مثله میری آرزو ہے کہ ہم میں اگل جیسا ایک آدمی

بھی ہو۔

۱۲۶

اسی سے اندازہ کیجئے کہ جن قاضیوں کا رجال کی کتابوں میں تذکرہ نہیں ملتا، ان میں کیسے کیسے لوگ ہوں گے۔

اور علاوہ ان بزرگوں کے جنہوں نے قضا کے عہدے کو قبول کیا، مشکل ہی سے مالک محروسہ عباسیہ کا کوئی ایسا شہر یا قصبہ اس زمانہ میں تھا جس میں امام کے تلامذہ نہ پائے جاتے ہوں ان میں ایک بڑا گروہ ان لوگوں کا تھا جنہیں درس و تدریس افتاء و تصنیف وغیرہ کے لحاظ سے اپنے اپنے علاقوں میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ مولانا محمود حسن ٹونکی نے اپنی کتاب معجم المصنفین میں ان مقامات کی فہرست درج کرتے ہوئے جہاں جہاں امام کے تلامذہ اُس زمانے میں پائے جاتے تھے حسب ذیل شہروں کا نام لیا ہے یعنی

- (۱) بصرہ (۲) واسطہ (۳) موصل (۴) جزیرہ (۵) رقفہ (۶) نصیبین (۷) دمشق۔
- (۸) رملہ (۹) مصر (۱۰) یمن (۱۱) یسامہ (۱۲) بحرین (۱۳) بغداد (۱۴) اہواز۔
- (۱۵) کرمان (۱۶) اصفہان (۱۷) حلوان (۱۸) استرآباد (۱۹) ہمدان (۲۰) رے (۲۱) قوس۔
- (۲۲) دامغان (۲۳) جرجان (۲۴) پشاور (۲۵) سرخس (۲۶) نسا (۲۷) مرو (۲۸) بخارا۔
- (۲۹) سمرقند (۳۰) کش (۳۱) ترمذ (۳۲) بلخ (۳۳) ہرات (۳۴) تہستان (۳۵) سجستان۔

(۳۶) رم (۳۷) خوارزم

ان کے سوا کوئی جو امام کا وطن تھا اور حدیث میں رکھ معظّمہ اور مدینہ منورہ، جہاں برسوں امام متقیم رہے ہیں ان کا تذکرہ اس فہرست میں نہیں کیا گیا ہے اس زمانے میں مسلمانوں کی آمدورفت کا سلسلہ جس طریقہ سے مروج تھا خصوصاً حج کے لئے خراسان سے براہ کوئی جو لوگ سفر کرتے تھے اگر یہ باتیں لوگوں کے سامنے ہوں تو جو فہرست پیش کی گئی ہے قطعاً اس پر ان کو تعجب نہ ہونا چاہیے میں نے اس مسئلہ کی طرف پہلے بھی شاید کچھ اشارہ کیا ہے اور سچ یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں کچھ غیبی تا تیدوں کو بھی دخل ہوتا ہے، موفق بن عبد اللہ

۱۔ غالباً یہ وہی عبد اللہ ہیں جن کا تذکرہ دوسری صدی ہجری کے ابتدائی حصہ کے واعظوں کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے یہ ظاہر امام ابو حنیفہ کی زندگی ہی کا یہ واقعہ ہے یا ان کی وفات کے کچھ دن بعد کا اور اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے کہ کوئی سے منتقل ہو کر نہ صرف امام ابو حنیفہ کا مذہب ہی بلکہ ان کی مجلس وضع قوانین کی مدد دکتا میں افریقہ کے دور دست علاقوں میں اسی زمانہ میں کیسے پہنچ گئیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک صاحب جن کا نام عبد اللہ بن فروج تھا۔ ۱۵۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے اصل وطن تو ان کا خراسان تھا لیکن بعد کو کسی وجہ سے ہجرت کر کے یہ افریقہ کے مشہور شہر قیروان چلے گئے اور وہیں رہے۔ لکھا ہے کہ انھوں نے کوئی پہنچ کر باخما بطہ امام ابو حنیفہ سے تعلیم حاصل کی اور ۱۷۱ھ ہجری میں یہ مصر آئے، مصر سے قیروان چلے گئے، غیر معمولی ذہین آدمی تھے اسی سے ان کی ذہانت کا اندازہ کیجئے کہ امام ابو حنیفہ کے تمام شاگردوں میں سب سے زیادہ ذہانت تھا زفر بن ذہیل کی شہرت ہے، لیکن لکھا ہے کہ زفر کو ہمیشہ ابن فروج کے مقابلہ میں شکست ہی اٹھانی پڑی، خود ابن فروج بیان کرتے تھے کہ جس کسی سے میں اب تک ملا ہوں سب سے زیادہ فقیہ میں نے اپنے آپ ہی کو پایا۔ بحیر ابو حنیفہ کے، علاوہ علم و فضل کے لوگ ان کے تقویٰ اور پارسائی کو بھی شدت سے متقدّم تھے، گھر سے جب نکلتے تو مریموں کا ہجوم دستہ پر دم کرانے کے انتظار میں کھڑا رہتا تھا، مزی اور ابن جہان بھوں نے ان کا ذکر کیا ہے اور توثیق کی ہے ان سے بھی محدثین کو ان ہی دو باتوں کی شکایت تھی ایک تو وہی کہ غیب کو حلال سمجھتے تھے اور دوسری بات امام ابو حنیفہ کے سیاسی نقطہ نظر میں ان کی ہم نوائی تھی۔ یعنی لکھا ہے کہ کانیری انھوں نے ج علی اہل الجور (عالم حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے) کے قائل تھے ان سبب ابو داؤد میں روایت بھی ہے دیکھو جو اہر مضیہ ضلیج

بن عبداللہ کے حوالہ سے ایک قصہ نقل کیا ہے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ میں نے مسجد حرام (مکہ معظمہ) میں اپنے والد کو دیکھا کہ ایک شخص سے بحث کر رہے ہیں۔ یہ ایک پردیسی مسافر آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مگر باتیں پتے پتے کی پوچھ رہا تھا میرے والد نے اس کے سوالات کی گہرائیوں کو دیکھ کر دریافت کیا کہ بھائی تم کہاں کے رہنے والے ہو اس نے کہا کہ جناب میرا وطن طغیہ ہے اسلام کے آخری حدود کا یہ علاقہ ہے مکہ معظمہ سے کئی ہزار میل دور ہے میرے والد نے پوچھا کہ پھر یہ باتیں تمہیں کس ذریعہ سے معلوم ہوئیں جو تم پوچھ رہے ہو اس نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کی کتابوں سے اور آخر میں اس نے کہا کہ گو ہمارے یہاں امام مالک اور امام اوزاعی کے اقوال کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ لیکن فتویٰ عموماً ابوحنیفہ کے قول پر دیا جاتا ہے۔

کچھ بھی ہو یہ خیال عباسیوں کے دور حکومت کے ابتدائی دنوں میں جو پیدا ہو گیا تھا کہ قضا کے مسئلہ میں جو پراگندگی اور انتشار کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اس کو ختم کر کے باضابطہ تنظیم اس کی اس طور پر کی جائے کہ ممالک محروسہ کے سارے قضاۃ اور ساری عدالتوں کو کسی ایک ہی آدمی کے سپرد کر دیا جائے یعنی "قاضی القضاۃ"۔

امام جعفر نے امام ابوحنیفہ کے سامنے پیش کیا تھا یہ خیال خود امام ابوحنیفہ ہی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ انھوں نے اسلامی عدالت کی تنظیم اور نظام عدالت کی توجید کئے سرے مقرر کی بازی لگا دی تھی اور کوئی شبہ نہیں کہ جس وقت ابو جعفر نے امام کو اپنے دام میں لانے کے لئے اُن کے اس آخری مرغوب دانے کو سامنے رکھ دیا تو یہ ظاہر عقل کا تقاضا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس عہدے کو چاہئے تھا کہ وہ قبول کر لیتے اور جس طرح مقامی یا چند صوبوں کی قضا کو انھوں نے مسترد کر دیا تھا حکومت کے اس پیش کش کو مسترد نہ کرتے۔

۱۶ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ تقریباً ہی نے کتاب الخط میں ان ہی عبداللہ بن فروہ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ
۱۷ افریقہ میں پہلے کسی خاص مسلک کے لوگ پابند نہ تھے بلکہ حدیث و قرآن پر عامل تھے ان ہی عبداللہ بن فروہ نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کو افریقہ میں پھیلا دیا اور ان کے بعد اسد بن فرات امام کی کتابیں افریقہ میں لے گئے۔ دیکھو مقریزی ص ۱۱۳ اسد بن فرات کا ذکر میں نے اجماعاً کہیں پہلے کیا ہے ناگلی اور حنفی فقہ میں جو تعلق ہے اس کی تاریخ میں اس کے وجود کو بڑی اہمیت حاصل ہے کتاب تدوین فقہ میں انشاء اللہ اس کی تفصیل کی جائے گی ۱۲

امام ابو حنیفہ کا آخری امتحان

لیکن میرے خیال میں امام ابو حنیفہ کی زندگی کا یہی آخری امتحان تھا، یہی دیکھنے کی بات تھی کہ اس وقت وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں؟ یہ سچ ہے کہ اگر اس پیش کش کو حکومت کے وہ قبول کر لیتے تو یہ ظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اپنے اس مقصد میں جس کے لئے وہ جی رہے تھے اس میں کامیاب ہو جاتے لیکن ابو حنیفہ ابو حنیفہ ہی کب بنتے اگر ان کی سمجھ میں بھی وہی بات آتی جو ہر عامی کی سمجھ میں آتی ہے۔

سوچنا چاہیے کہ سارے مالک محدودہ کے قاضی القضاۃ بن کر حکومت عباسیہ میں امام ابو حنیفہ ایک ممتاز مقام اگر حاصل کر لیتے، گویا ایک طرح سے ابو جعفر منصور کے وزیر عدالت کے منصب جلیل پر اس طریقہ سے فائز ہو جاتے اور وہی گراں قدر تنخواہ اور دوسری آمدنیاں اسی عزت و جاہ کے ساتھ امام ابو حنیفہ کو مل جاتیں جو اسی قاضی القضاۃ کے عہدے پر بجالی کے بعد قاضی ابو یوسف کو ملیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ یقیناً ایسے زمانے میں جب ان ہی عہدوں

سے قاضی ابو یوسف کو مالی منافع کیا حاصل ہونے، اگر ان کا حساب کیا جائے تو لاکھوں لاکھ سے وہ متجاوز ہو جائیں گے۔ شاید کوئی مہینہ گزرتا ہو گا جس میں خلیفہ کی طرف سے یا خلیفہ کے امیر و اقربا اور بیگموں کے پاس سے قاضی صاحب کے پاس بڑی بڑی تمہیں انعام میں نہ آتی تھیں۔ علاوہ رقوم کے قیمتی کپڑوں کے تھان، طرح طرح کے ظروف اور تحفے ہدایا جن کا ذکر مورخین نے کیا ہے ابھی پوری تحقیق سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن ابن المبارک کے حوالہ سے عام کتابوں میں ان کی تنخواہ بتائی گئی ہے کہ طلافی سکھ اور تقرتی سکھ ہزار ہا ہوا ملتے تھے، دینار طلافی سکھ اس زمانے کا موجودہ عہد کے روپے سے کہنے روپیہ کا ہونا تھا یہ ذرا تفصیل طلب مسئلہ ہے مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا، طلافی اور انعام کے مقابلہ میں اس تنخواہ کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ ہارون نے جب کبھی انعام دیا ہے تو ایک لاکھ دو لاکھ درم و س ہزار سے کم تو شاید کبھی نہیں دیا۔ دیکھئے امام ابو یوسف کی سوانح عمری لکھا ہے کہ ان ہی کے ساتھ یہ خاص رعایت ہارون کی تھی کہ سوار سہا پر وہ تک پہنچتے اور پردہ جس وقت اٹھتا اس وقت بھی سوار ہی رہتے۔ ہارون پہلے سلام کرتا۔ جب قاضی ابو یوسف ہارون کے سامنے آتے تو عاۓہ اس مصرعہ کو غور و بڑھتا طر جارت یہ معتجز ابہر وہ، یعنی عمامہ باندھے جاؤ اور اڑھے وہ میرے سامنے آیا لکھا ہے کہ قاضی صفا کے اصطبل میں ایک ایک وقت میں سات سات سو خچر اور تین تین سو گھوڑے رہتے تھے ۱۲۔

اور مال و جاہ کو حاصل کرنے کے لئے لوگ سب کچھ کر رہے تھے آسمان کے قلابے زمین سے اور زمین کے قلابے آسمان سے مار رہے تھے، نہ خود مرنے سے ڈرتے تھے نہ دوسروں کو مارنے کی پروا کرتے تھے۔ مسلمانوں کا خون بہاتے تھے۔ قریب سے قریب تر عزیزوں اور رشتہ داروں تک کو اپنی راہ میں حائل پاتے ہوئے دیکھ کر بے دردی کے ساتھ ان کو ختم کر دیتے تھے۔ الغرض جیسے ہمیشہ جاہ و مال کے لئے دنیا سب کچھ کرتی رہی ہے وہ بھی کر رہے تھے۔ سمجھنے والوں کو کون روک سکتا تھا۔ اگر یہ سمجھتے کہ ان ہی راہوں میں ایک راہ علم اور دین کی یہی تھی جس کو ذریعہ بنا کر حکومت کے اس منصب و اقتدار کے حاصل کرنے میں ابو حنیفہ نے کامیابی حاصل کی، خدا نخواستہ مخلوق کو اس رائے کے قائم کرنے کا موقعہ اگر ملے دیا جاتا، خواہ نیت کے لحاظ سے یہ رائے ان کی غلط ہی ہوتی۔ لیکن امام صاحب کی ساری کوششوں کے رنگاں ہونے میں کیا کوئی شبہ باقی رہ سکتا تھا۔ یقیناً انہوں نے جو کچھ کیا تھا سب اکارت ہو کر رہ جاتا، ایک وقتی طمطراق کے سوا ان کے عبادات کی نوعیت قطعاً اور کچھ باقی نہیں رہتی جیسے ہر زمانہ میں اس قسم کی کوششوں کا انجام مولے کوئی وجہ ہو سکتی تھی جو امام کی کوششیں اس بڑے انجام سے بچ سکتی تھیں۔

مگر مصیبت یہ تھی کہ یہ آخری خوراک تھی جسے حکومت نے ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ ابو جعفر کا اصلی مقصد تو امام کو اپنے قلابوں میں لانا تھا، ان فتنوں کا جن کا تجربہ امام ابو حنیفہ سے ہو چکا تھا۔ اس کے سوا کوئی علاج نہ تھا کہ امام کو یا تو حکومت میں شریک کر لیا جائے یا ان کو ختم کر دیا جائے۔ وہ طے کر چکا تھا کہ اس خطرناک کانٹے کو اپنی حکومت کی راہ سے بہر حال نکال کر رہوں گا، اور وہ جو کچھ بھی کر رہا تھا اسی لئے کر رہا تھا۔ قاضی القضاۃ کا عہدہ یعنی عدل و انصاف فصل خصوصیات جیسا کہ عرض کر چکا ہوں حکومت کے اس جوہری شعبہ کے کلی اختیارات کی سپردگی اس سیاسی بازیگری کا آخری پتہ تھا جسے ابو جعفر نے پھینک دیا تھا۔ اس کے بعد اگر کوئی اور چیز دی جا سکتی تھی تو شاید وہ خود خلافت ہی ہو سکتی تھی۔

ابو جعفر کے وزیر عبدالملک بن حمید کا حضرت امام کو مشورہ

خلاصہ یہ ہے کہ یہ آخری لقمہ تھا ابو جعفر اس کے ردِ عمل کو دیکھنا چاہتا تھا، کہ اب ابو حنیفہ کیا کرتے ہیں؟ امام کے سواغ لگا روں نے امام ابو حنیفہ کے صاحبزادے ابو عبد اللہ محمد کے خوالہ سے جو یہ نقل کیا ہے کہ ابو جعفر منصور اور امام ابو حنیفہ کے درمیان جس زمانے میں کش مکش کا یہ سلسلہ جاری تھا تو ابو جعفر کے وزیر عبدالملک بن حمید جو امام سے عقیدت رکھتا تھا اُس نے آکر امام کو سمجھاتے ہوئے مطلع کیا تھا کہ،

ان امیر المؤمنین یطلب علیک علة فان لم تقبضصلک علی نفسك ما ظن بک صیحة ج ۱

امیر المؤمنین (یعنی ابو جعفر)، تو صرف حیلہ کی تلاش میں ہے اگر آپ اس کے عطیہ کو قبول نہ کریں گے ہم جو بدگمانیاں آپ کے متعلق دیکھتے ہیں ان کے متعلق یقین کر لیں گے کہ سچ ہیں،

امام ابو حنیفہ کے سامنے اب کل دورا ہیں یا تو ابو جعفر کے اس پیش کئے ہوئے آخری لقمہ کو نکل کر خود بچ جائیں، لیکن اپنی زندگی کی ساری کمائی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں، یا ابو جعفر کی بدگمانیوں کو یقین کے درجے تک پہنچا کر اپنے نصب العین کو بقا، دوام بخشنے کے لئے خود اپنی ذات کے ختم ہو جانے کے خطرے کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

حضرت امام کے تازیانے کی سزا کی روایتوں پر تنقید

مجھے بار بار افسوس کے ساتھ اس کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ امام کے سواغ نگار اپنی ذاتی دلچسپیوں کی تفصیل میں کچھ اس طرح منہرک ہو گئے ہیں کہ بہت سے واقعات جن کا تذکرہ ضروری تھا ان کو فیرا ہم قرار دے کر لوگوں نے نظر انداز کر دیا ہے، مثلاً اس قسم کی باتیں کہ ابو جعفر نے امام کے سامنے اتنی رفیں پیش کیں۔ اس قصے کو یا ابو جعفر کی طرف جو یہ منسوب ہے کہ امام کو اُس نے کوڑے سے پٹوایا بھی تھا اس کی تفصیل سے ان کو اتنی دلچسپی معلوم ہوتی ہے کہ کوڑوں کی تعداد کتنی تھی کوئی دس دس کوڑے یومیہ کا حساب بتاتا ہے، کوئی تیس کوڑوں کی روایت کو ترجیح دینا چاہتا ہے پھر یہ کہ جب ابو جعفر کو اس کے چچا عبدالصمد نے آکر ڈانٹا تو گہرا کر ابو جعفر نے کہا کہ فی تازیانہ میں تیس تیس ہزار درہم بطور فدیہ دینے پر تیار ہوں، آپ جا کر ان کو راضی کیجئے

لیکن امام صاحب راضی نہ ہوئے اس پر رادی پھر اپنی یہ رائے پیش کرتا ہے کہ سوچنے کی بات ہے کہ یہ اُس زمانے کا قصہ ہے جب ایک درم آج کل کے حساب سے سو درم کا قاتم مقام تھا کیونکہ پہلے زمانہ میں روپے کی اتنی کثرت نہ تھی جتنی اب ہے۔

حالانکہ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں خود رادیوں کی ملایا نہ زندگی کے لحاظ سے ان رقموں کو خواہ جتنی بھی اہمیت حاصل ہو۔ لیکن کروڑوں نہیں تو لاکھوں لاکھ کے کاروبار کرنے والے امام ابو حنیفہ کی نسبت سچ پوچھتے تو اتنے روپوں کی چنداں وقعت بھی نہ تھی۔ لیکن ان حضرات کے نزدیک چونکہ یہی بہت بڑی چیز تھی۔ اس لئے بار بار مختلف پیرایوں میں یا تو روپے کے رو قبول کے ذکر پر اپنا زور ان حضرات نے خرچ کر دیا ہے یا داستان کوز یا وہ پر کیف اور ہامزہ بنانے کے لئے مارپیٹ کے قصوں کے بیان کرنے میں یہ سوچے بغیر کہ دوسرے حالات پر وہ کس حد تک منطبق ہو سکتے ہیں بڑی دراز نفسیوں سے کام لیا گیا ہے حتیٰ کہ بعضوں نے تو یہاں تک بیان کر دیا کہ علانیہ کھلے میدان میں جس کا نام "عقابین" کا میدان تھا۔ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کو کوڑوں سے پٹیا جاتا تھا اور بات اسی پر ختم نہیں ہو گئی ہے۔ ان ہی بیان کرنے والوں نے ایسی روایتیں بھی پھیلادی ہیں جن کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کے بدن سے کپڑے اُتر کر صرف پانچاے کے ساتھ ہو لیں والے ہاتھ میں بیڑیاں ڈالے جیل خانے سے ان کو باہر لاتے۔

۱۔ موفق نے رادی کا نام عبدالعزیز بن عصام بتایا لکھا ہے کہ ابو حنیفہ کے دیکھنے والوں میں تھے ان کے اس تشریح سے میری سمجھ میں ایک اور بات آرہی ہے یعنی کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے زمانہ کے متعلق شاید ہمیشہ لوگوں میں یہ خوش اعتقادی پائی گئی ہے کہ روپیہ ان ہی کے زمانہ میں سستا اور ارزاں ہو گیا ہے ورنہ ان کے زمانے سے پہلے بہت کم یا ب تھا۔ آج بھی بولنے والے تقریباً آٹھ نو سو سال کے بعد بخیرہ ان ہی الفاظ کو دہراتے ہوئے نظر آتے ہیں میں نے مسلمانوں کے معاشی اور معاشرتی مسائل کے متعلق بعض معلومات ایک کتاب میں کچھ جمع کر دیئے ہیں ان کو دیکھتے اس مغالطہ کی حقیقت کسی نہ کسی حد تک ان معلومات سے واضح ہوتی ہے اس میں بہت کچھ دخل میرے نزدیک اپنے اپنے زمانہ کی خوش اعتقادیوں کو بھی ہے۔ ۱۲

پھر تماشا دیکھنے کے لئے لوگوں کو عام دعوت دی جاتی، جب لوگ جمع ہو جاتے تو امام پر کوڑے لگائے جاتے، مارتے مارتے کھال اُدھیر دی جاتی، حتیٰ کہ امام کی ایڑیوں سے خون بہنے لگتا، اسی حال میں پولیس کے یہی سپاہی امام صاحب کو بغداد کے سارے بازاروں میں خلیفہ کے حکم سے گشت کراتے، امام صاحب روتے جاتے ایک سے زیادہ دن تک ان لوگوں کا بیان ہے کہ بغداد کے بازاروں میں یہ تماشا پیش ہوتا رہا، کوئی شبہ نہیں کہ ان اضافوں سے مظلومیت کی تصویر کشی میں درد کی کیفیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے لیکن اب اسے کیا کہیے کہ ایک ہی سانس میں ان روایتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ ان ہی حالات میں آخر امام کی وفات ہو گئی اور جس میدان میں جنازہ کی نماز پڑھی گئی نمازیوں سے وہ بھر گیا تھا میدان کی جب پیالاش کی گئی تو اندازہ کیا گیا کہ کم از کم پچاس ہزار آدمی جنازے کی نماز میں شریک تھے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے چھ دفعہ امام کے جنازے پر نماز ہوئی بلکہ بعض روایتوں میں ہے کہ جن لوگوں کو جنازے کی نماز نہ مل سکی وہ قبر پر بیس دن یا اس سے بھی زیادہ دنوں تک نماز پڑھتے رہے۔ یہی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام کی وفات کی خبر جب شہر میں پھیلی تو

کثر بکا والناس علیہ ^{۱۲} ص ۲ بکثرت لوگ امام کی وفات پر روئے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کی عام ہر دل عزیز سی اور حسن قبول کا یہ حال تھا کیا ابو جعفر منصور عقل سے اتنا کورا تھا کہ عام مخلوق کے ایسے با اثر مذہبی پیشوا کو اس طرح بازاروں میں روزانہ گشت کر کے پٹوا کر وہ ساری دنیا کو اپنی حکومت کی دشمنی پر خواہ مخواہ بلاد جہ آ مادہ کر لیتا؟ کسی اور جگہ اسی کتاب میں میں نے اسی ابو جعفر کے بیٹے مہدی کا وہ قول نقل کیا ہے کہ سفیان ثوری سے اور مہدی سے جب کچھ سخت گفتگو ہوتی تو مہدی کے درباری ربیع نے کہا کہ امیر المؤمنین! اس جاہل کی یہ مجال جو آپ سے ایسی گفتگو کرنے بجھے حکم دیجئے میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں، اس پر مہدی نے جھڑکتے ہوئے ربیع کو کہا تھا۔

اسکت ویلک ما یرید هذا و

امثالہ الا ان قتلہم فنشقی

بساد تھم ص ۲۷

چپ رہ کم نجت یہ اور ان جیسے لوگوں میں اس کے

سوا اور کمزور کیا پائی جاتی ہے کہ ہم ان کو قتل کر دیں،

اور ان کی سعادت و خوشنختی ہمیں بد نعت بنائے

عباسیوں کا اخوندی بازار شہب کیا اس سیاسی نظریہ سے ناواقف تھا؟

واقعہ یہ ہے کہ کچھ امام ابوحنیفہ ہی کے اس قصے میں نہیں بلکہ اس نوعیت کے اکثر واقعات ہیں یہ دیکھا گیا ہے کہ جو واقعہ ہے صرف اسی پر قناعت کرتے ہوئے لوگوں کو بہت کم پایا گیا ہے خدا جانے یہ کیوں سمجھ لیا جاتا ہے کہ جو کچھ گذرا ہے صرف اسی کا اظہار سننے والوں پر اس اثر کو نہیں پیدا کر سکتا جسے بیان کرنے والے پیدا کرنا چاہتے ہیں شاید اسی لئے عموماً ان واقعات کی تعبیر میں اضافہ اور حاشیہ آرائی کچھ ناگزیر عادت سی بن گئی ہے جس کی سب سے بڑی مثال "فاجعہ کر بلا" ہے۔ کر بلا میں جو کچھ رسول کے گھرنے پر گذرا بجائے خود اپنی درد انگیزوں اور اثر آفرینوں میں وہی کیا کم ہے۔ لیکن بیان کرنے والے خدا جانے ان کو کیوں ناکافی خیال کر کے رنگ آمیزیوں سے کام لینا ضروری قرار دیتے ہیں؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں امام ابوحنیفہ کے اس واقعہ کے متعلق بھی کچھ ایسی قسم کی صورت پیش آتی ہے۔

میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تازیانہ زنی کے جس واقعہ کو ابو جعفر خلیفہ کی طرف لوگ منسوب کرتے ہیں وہ سرے سے غلط ہے بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ واقعہ کی تعبیر و اظہار میں یہاں بھی حاشیہ آرائیوں سے کچھ کام ضرور لیا گیا ہے امام ابوالمحسن حسن علی المرتضیٰ نے جو تحریر بخارا سے لکھ کر امام ابوحنیفہ کے اسی واقعہ کے متعلق علامہ موفق کے پاس بھیجی تھی اُس تحریر کو درج کرتے ہوئے موفق نے لکھا ہے کہ عبدالعزیز بن عاصم جن کے حوالہ سے علامہ مرتضیٰ اُس واقعہ کو اپنی مسلسل سند سے نقل کیا ہے یہ امام ابوحنیفہ کے دیکھنے والوں میں تھے ان کا بیان تھا کہ میں نے ابوحنیفہ کو دیکھا تھا۔ واقعہ ان کے ساتھ یہ پیش آیا کہ ابو جعفر خلیفہ نے قضا کے لئے ان کو بلا یا تھا۔ لیکن امام نے حسب انکار کیا اور دونوں میں گفتگو اپنی انتہائی شدت کو پہنچ گئی تو ابو جعفر نے غصے سے مغلوب ہو کر امام کو برا بھلا کہا اور کوڑوں سے پٹوایا بھی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عبدالعزیز سے پوچھا کہ کیا تم نے خود اپنی آنکھوں سے امام محمد اللہ علیہ کو مار کھاتے ہوئے دیکھا

سند یہ صاحب ہدایہ کے استاد ہیں جامع ترمذی کی سند صاحب ہدایہ نے ان ہی سے حاصل

کی تھی۔ دیکھو جہاں ہرمیہ ص ۱۹۱ ۱۲

اسی کے جواب میں جو بات کہی گئی وہی سوچنے کی ہے انھوں نے کہا کہ۔
 یہ واقعہ تو خلیفہ کے سامنے پیش آیا بھلا مجھ جیسے آدمی کی وہاں کیا گند
 ہو سکتی تھی؟

اُس کے بعد کہا کہ

”ہاں جب خلیفہ کے سامنے سے وہ باہر لائے گئے تو اس وقت میں نے
 دیکھا کہ صرف پانچا سو پہنچے ہوئے ہیں اور پشت پر اُن کے مار کے نشانات
 نمایاں تھے ایڑیوں پر خون بھی بہہ رہا تھا۔“

یقیناً عبدالعزیز بن عمام کی اس چشم دید شہادت کو دوسروں کی سنی سنائی سداوتوں
 پر ترجیح دینی چاہیے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں عبدالعزیز کے اس بیان سے حسب
 ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی ایک تو یہی کہ امام کے ساتھ یہ واقعہ کسی ایسی جگہ میں
 پیش آیا ہے جہاں عوام کی گزر نہیں ہو سکتی تھی اور یہی بات قرین عقل و قیاس بھی
 ہے، بلکہ آگے عبدالعزیز بن عمام کا جو یہ بیان ہے کہ امام صاحب باہر لائے گئے اس
 میں ایک لفظ کا اضافہ بھی ہے عربی الفاظ یہ ہیں،

ولكن اخرج مخرجاً الى الدارنى لیکن باہر لائے گئے امام صاحب دار کی طرف
 السراويل مٹا پانچا سو میں

اس میں ”الى الدار“ کا لفظ قابل غور ہے میں نے اس اصطلاح کی شاید کہیں
 پہلے بھی تشریح کی ہے یعنی عربی میں دار کا لفظ - احاطہ کے مفہوم کو ادا کرتا ہے
 یہ ظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کی خاص نشست گاہ کے سامنے تو واقعہ پیش
 آیا جہاں عوام کی گزر نہیں ہو سکتی تھی اس کے بعد امام صاحب دار الخلافت کے اس
 عام احاطہ میں لائے گئے۔ جہاں تک عوام بھی پہنچ سکتے تھے وہیں امام کو عبدالعزیز
 نے اس حال میں پایا بہر حال میرا خیال ہے کہ اس حال میں بھی امام صاحب کو
 دار الخلافت کے احاطہ ہی میں دیکھا گیا ہے عام جگہ سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

کس قدر عجیب ہے اسی عبدالعزیز بن عمام کی روایت کا وہ مشہور جز جس کا مختلف
 موقعوں میں تذکرہ کرتا چلا آ رہا ہوں یعنی تازیانہ کے اس واقعہ کے بعد ابو جعفر کے پاس کا چچا عبداللہ
 عباسی خاندان کا یہ عجیب و غریب تاریخی آدمی ہے۔ لکھا ہے کہ ان کی عمر ۸۱ سال کی ہوئی

پہنچا اور کہنا شروع کیا۔

امیر المومنین! آپ نے آج کیا کیا، ایک لاکھ تلواریں اپنے اوپر کھجوا لیں، یہ عراق والوں کا امام ہے، مشرق والوں کا نقیب ہے۔

اگر یہی واقعہ تھا، اور یقیناً یہ واقعہ تھا، تو ابو جعفر جیسے ہوشیار سیاست کی طرف اس غلطی کو عقل منسوب کرنے کی جرات کر سکتی ہے کہ عراق اور مشرق کے مسلمانوں سے بھرے شہر بغداد میں امام کے ساتھ علانیہ اس قسم کے حرکات کا وہ ارتکاب کرے بلکہ عبدالعزیز ہی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خاص نشست گاہ (دیوان خاص) میں امام کو تازیانے لگانے کا حکم ابو جعفر نے کسی وقتی اور فوری غمہ کے زیر اثر دیا تھا اور یہ بھی اس کی غلطی تھی جس پر فوراً اس کے بھی خواہ بچانے آکر اس کو متنبہ کیا، پھر عبدالعزیز کی اسی روایت کے آخر میں جو یہ اضافہ ہے کہ امام صاحب جب ابو جعفر کے سامنے سے ہٹائے گئے اور دار الحائط میں لا کر کھڑے کئے گئے تو ابو جعفر کو اس کی اس فائن سیاسی غلطی پر ملامت کرنے کے بعد عبدالصمد جو امام صاحب کے متعلق خلیفہ سے سفارش کرتا رہا آخر میں ہے کہ

حتی اذن له فی الاصل صاف الی

تا آنکہ خلیفہ نے امام ابو حنیفہ کو اپنی فرد گاہ جانے کی اجازت دی

منزلہ ہو ص ۱۸۳ ج ۲

اس سے بھی میرے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے کہ عبدالعزیز صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنے کے بعد امام کو دار الخلافت کے احاطہ ہی میں دیکھا تھا بلکہ آگے بیان کیا ہے کہ عبدالصمد نے امام صاحب کو ان کے کپڑے پہنائے اور جہاں وہ ٹھہرے ہوئے

لیکن جس دانت کو بے کر پیدا ہوئے اسی کو بے کر دنیا سے روانہ ہوئے جس کے معنی یہی ہوئے کہ دودھ کے دانت ان کے نہیں ٹوٹے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی کے حقیقی پوتے ہیں یعنی عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بن عباس یہ نسب نامہ ہے عباسی خلفاء میں سے السفاح ابو جعفر مہدی ہادی ہارون پانچ خلفائے راشدین کو دیکھا۔ ہارون کے دربار میں ایک دن بطور لطیفہ کے کہا بھی تھا کہ امیر المومنین! آپ کے اس دربار میں امیر المومنین کے چچا امجد چچا کے چچا، نیز چچا کے چچا بھی موجود ہیں، یعنی خود اپنی طرف اس کا اشارہ تھا گویا اس حساب سے ہارون عبدالصمد کا رشتہ میں چھڑ پڑتا ہوا دیکھو! خطیب ص ۱۳۲ ج ۱۱

تھے پہنچا دیا - ۱۸۲

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دارالخلافہ سے امام صاحب اپنے پورے لباس میں باہر نکلے۔ بہر حال اس قسم کی روایتیں کہ بازاروں میں روزانہ گشت کرا کے عقابین کے میدان میں امام کو کوڑے لگائے جاتے تھے میرے نزدیک یہ عام حاشیہ آرائی ہے جس کے اضافہ کا اس قسم کے واقعات میں عام رواج ہے۔

قاضی القضا کے عہدہ کے پیشکش پر حضرت امام اور ابو جعفر کی گفتگو

خیر میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اصل معاملہ یعنی مقامی قضا یا چند صوبوں کی قضا کے بعد آخر میں ابو جعفر خلیفہ نے سارے ممالک محروسہ کی عدالتوں کے قاضی القضا ہونے کا عہدہ امام پر جب پیش کیا تو ہر منزل پر امام صاحب اور خلیفہ میں تفصیلی گفتگوئیں جو ہوتی رہیں ان میں سے کہ ترتیب کے ساتھ امام کے سوارخ نگاروں نے ان کو نقل نہیں کیا ہے وہ زیادہ تر رقی قصوں اور تازیانہ زنی کے واقعات میں اچھے نظر آتے ہیں ان کے بیانات سے یہ مشکل جو چند معلومات فراہم ہوتے ہیں ان کے متعلق یہ کہنا دشوار ہے کہ ان میں سے کس گفتگو کا تعلق ان تینوں تدریجی منزلوں میں سے کس منزل سے ہے تخمینہ طو پر اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو شاید وہ یہی ہو سکتا ہے کہ مقامی قضا کا قصہ جب امام کے سامنے پیش کیا گیا تو کوفہ کے قاضی ہونے سے انکار کرتے ہوئے امام نے وہی عذر پیش کیا جس کا ذکر کر چکا ہوں، یعنی میں خیار (ناثباتی) یا خزاز (خز فروش) کا لڑکا ہوں کوفہ والے مجھے قاضی دیکھ کر اینٹ اور پتھر سے میری خبر لیں گے۔ اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ بجائے کوفہ کے خود بغداد دارالخلافہ کے قاضی ہونے سے انکار امام نے جب کیا تو شاید اسی وقت ابو جعفر نے آپ نے وہ باتیں فرمائیں جنہیں الفاظ کے معمولی رد و بدل سے تقریباً تمام سوارخ نگاروں نے نقل کیا ہے غور کرنے سے ان کا مطلب کم از کم میری سمجھ میں جاتا ہے وہ یہی ہے کہ عدالت و انصاف خدا کی ایک امانت ہے جو بادشاہوں کے سپرد کی جاتی ہے اس امانت کی ذمہ داریوں سے صحیح معنوں میں نمبر ہرا ہونے کی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ایسے آدمی کا تقرر قضا کے فرائض کی

بجا آوری کے لئے کیا جائے جس کے دل میں کسی کا خوف نہ ہو اس کلی تقاعدے کے ذکر کے بعد خود اپنے متعلق امام نے کہا :-

”مجھ پر بھروسہ تم کو نہ کرنا چاہیے اگر خوشی سے بھی اس عہدے کی ذمہ داری میں قبول کروں جب بھی میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے خلاف بھی فیصلہ دینے کا موقع میرے سامنے آگیا اور مجھے یہ دھمکی دی جائے کہ اس فیصلہ سے یا تو ہسٹ جاؤ ورنہ دریائے فرات میں تجھے غرق کر دیا جائے گا تو میں کہے دیتا ہوں کہ فرات میں ڈوب مرنے کو قبول کروں گا لیکن فیصلے کے بدلے پر راضی نہیں ہو سکتا اور جب رضا مندی سے اس عہدے کو قبول کرنے میں یہ میرا خیال رہے گا تو اسی سے اندازہ کیجئے کہ زبردستی خلاف مرضی اگر مجھے قاضی بنایا گیا تو اس وقت غصہ کی حالت میں میں جو کچھ کروں گا وہ ظاہر ہے“ ص ۲۱ ج ۲ موفقی

کہتے ہیں کہ اسی سلسلہ میں امام نے فرمایا تھا کہ

ولک حاشیة يحتاجون الی من

یکرمهم لک موصلا ج ۲

آپ کے حاشیہ (اشاف) میں لوگ ہیں جنہیں ضرورت ہے ایسے آدمی کی ہے جو آپ کی وجہ سے ان کے وقار کو برقرار رکھیں۔

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی تھا کہ بھلا جو خلیفہ کے خلاف بھی فیصلہ کرنے کا عزم رکھتا ہو خواہ اسے جان ہی سے دست بردار ہونے کی دھمکی اسے کیوں نہ دی جائے تو وہ اس کا خیال کہاں تک کر سکتا ہے کہ آپ کے اشاف والوں کا وقار کس فیصلہ سے متاثر ہوتا ہے اور کس سے متاثر نہیں ہوتا جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ دار الخلافہ کے قاضی ہونے سے امام نے جب انکار کیا تھا غالباً اسی وقت اس عہد کو آپ نے پیش فرمایا تھا۔

باقی اسی سلسلہ میں جو یہ نقل کیا جاتا ہے کہ مسئلہ قضا کے رد و قدح سوال و جواب کے ان ہی قصوں میں امام نے ابو جعفر منصور کو ایک دفعہ یہ بھی کہا تھا کہ

”قاضی بننے کے لئے ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو تمہارے خلاف بھی فیصلہ کرنے کی ہمت و جرات اپنے اندر رکھتا ہو نیز تمہارے خاوندوں کے لوگوں اور

سند اصل منقولہ عربی میں یہاں پر ”ولک لک“ کا ہے جس کا تفسیر ترجمہ تو ہو گا کہ تمہارے بچوں کے خلاف

تمھارے فوجی افسروں کے خلاف بھی فیصلہ صادر کرنے کی اُس کے دل میں

قوت ہو: ۱۵۱ ج ۱

بظاہر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ باتیں امام نے خلیفہ کے سامنے اس وقت فرمائی ہیں جب چند صوبجات یا سارے ممالک محروسہ کے قاضی اور عدلیہ کے مطلق العنان حاکم ہونے کا عہدہ ان پر پیش کیا گیا تھا اس زمانہ میں صوبجات کے ولایت اور اعلیٰ حکام شاہی خاندان سے عموماً منتخب ہوتے تھے اس لئے علاوہ خلیفہ کے ان کا نیز شاہی خاندان کے سوا دوسرے حکام کا بھی آپ نے تذکرہ فرمایا ورنہ دارالخلافہ کی حد تک تو صرف خلیفہ اور خلیفہ کے حاشیہ (اسٹاف) سے معاملہ تھا، لیکن سارے ممالک محروسہ کے قاضی القضاۃ کو تو حکومت کے سارے عہدہ داروں کے مقابلہ میں اگر ضرورت پیش آئے گی تو مخالفانہ فیصلہ کرنے پر آمادہ ہونا پڑے گا۔

ابو جعفر کے سامنے حضرت امام کا عباسی حکومت پر اعتمادی کا اظہار

اس تقریر میں ان ہی باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسی کے سانہہ آخر میں بے اعتمادی اور بے اطمینانی کی۔ اس کیفیت کو ظاہر کرتے ہوئے جو حکومت کی طرف سے بے چارے سرکاری قاضیوں اور سرکاری ملازموں کے دلوں میں پائی جاتی تھی امام نے فرمایا کہ

”مگر اپنا حال تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ راتے بڑے اہم فیصلوں کے متعلق تو مجھے کیا اطمینان ہوگا، تم جس وقت مجھے بلاتے ہو تو جان میں میری جان اس وقت تک واپس نہیں ہوتی جب تک کہ (بخیر و خوبی) تمھارے دربار سے باہر نہیں آتا ہوں۔“

گو یا مطلب یہ تھا کہ یہاں مطلق العنانی کا دور دورہ اس رنگ میں ہو کہ دربار میں ایک شخص جب بلایا جاتا ہے تو اس کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا، وہاں سے

میں فیصلہ کروں گا۔ ظاہر ہے کہ نابالغ بچوں کے خلاف مقدمہ ہی کیا دائر ہوگا مقصود یہی ہے کہ شاہی خاندان سے افراد جو عموماً خلفائے اولاد ہیں اور وہی عموماً صوبجات کے حکام ہوتے تھے ان کے خلاف فیصلہ کی ضرورت پیش آئے گی تو ایسا فیصلہ کر گزرتے ہیں بھی مجھے تامل نہ ہوگا۔

زندہ لوٹوں گا، یا میری لاش واپس ہوگی۔ جہاں غیر سرکاری اشخاص کی بے اطمینانی کا یہ حال ہو، وہاں بے چارے سرکاری ملازمین اور نوکروں کے بے اعتمادی اور بے اطمینانی کی جو کیفیت ہو سکتی ہے ظاہر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک حکومت کی طرف سے اس کی پوری پوری ضمانت نہ دی جائے کہ ہر حال میں حکومت کی مطلق العنان مرضی کی نہیں بلکہ حکومت کے صرف آئین و قوانین کی پابندی سرکاری ملازمین کا فریضہ ہوگا، اس وقت تک خلیفہ یا خلیفہ کے خاندان کے ارکان یا دوسرے دلاء و حکام کے مقابلہ میں فیصلہ کرنے کی جرأت آدمی میں کیا پیدا ہوگی وہ تو شاید کسی چپراسی یا خلیفہ کے گھر کی کسی لونڈی کے خلاف بھی فیصلہ کرنے کی ہمت مشکل ہی سے کر سکتا ہے۔ خواہ بظاہر اس کو قاضی یا قاضی القضاۃ ملک القضاۃ یا جس قسم کے الفاظ سے بھی مخاطب کیا جائے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس موقع پر امام صاحبؒ منسوب کر کے لوگوں نے چند ایسے الفاظ نقل بھی کئے ہیں جن سے مذکور بالا مطلب سمجھ میں آ سکتا ہے۔ لیکن حیرت اس پر ہے کہ امام کے اس مطالبے پر ابو جعفر نے پھر کیا کہا اس کا قطعاً کسی نے کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے لکھا ہے تو صرف یہ لکھا ہے کہ امام صاحب کی اس گفتگو کو سن کر ابو جعفر نے کہا کہ :-

”تو پھر میرے رقی عظمیٰ کو آپ کیوں قبول نہیں کرتے؟“

گویا اس کا یہ ظاہر مطلب یہی ہوا کہ امام صاحب کی اس شرط کے قبول کرنے پر وہ راضی نہیں ہوا۔ اس لئے بات ہی اس لئے بدل دی، حالانکہ کسی حیثیت سے سمجھ میں نہیں آتا کہ ابو جعفر اس مطالبے کے قبول کرنے سے گریز کرنا چاہتا تھا؟ گزر چکا، کہ اس کا اصل مقصود تو کسی نہ کسی طرح امام کو اپنے قابو میں لانا تھا۔ اور یہ ایسا معقول مطالبہ تھا کہ خواہ آئندہ اس پر عمل ہوتا یا نہ ہوتا۔ لیکن وعدہ کر لینے میں کیا بگڑتا تھا، میں دیکھتا ہوں کہ ان ہی لوگوں نے قاضی شریک کے قصے کو جہاں نقل کیا ہے جس کا تذکرہ ابتدائے کتاب میں کر چکا ہوں، وہاں قاضی شریک کی طرف سے قریب قریب یہی شرط اسی ابو جعفر منصور کے سامنے پیش کی گئی، گزر چکا کہ اس کے جواب میں منصور نے کہا تھا کہ

احکم علی دلی والدی ص ۱۶۲ ج ۱

تم مجھ پر اور میری اولاد کے خلاف بھی فیصلہ کر سکتے ہو

پھر یہ کیا سمجھ میں آنے کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اسی منقول مطالبہ کے جواب میں وہ اسی جواب کے دہرا دینے کے قابل نہ تھا جہاں تک میرا خیال ہے امام کے اس مطالبہ کے جواب میں بھی یقیناً ان کو اسی طرح مطمئن کیا گیا ہوگا، جیسے کچھ ان پہلے قاضی شریک کے اسی مطالبہ کو ابو جعفر نے منظور کر لیا تھا۔ لیکن دوسرے روایات کی تفصیل میں پھنس کر ایسی بہت سی ضروری باتیں بیان کرنے سے رہ گئی ہیں۔ ان ہی میں یہ جواب بھی خلیفہ کارل گیا اور سچ تو یہ ہے کہ قاضی القضاۃ کے عہدے کے پیش کرتے ہی میں اس شرط کی ضمانت مستور تھی جیسا کہ میں نے کہا کہ عمل کرنا یا نہ کرنا یہ دوسری بات ہے۔ لیکن اس عہدے پر بحال کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ سارے اختیارات تم استعمال کر سکتے ہو جو قاضی القضاۃ کے قدرتی وراثتی اختیارات ہیں اس عہدے کے پیش کر دینے کے بعد اس سوال کے اٹھانے کی امام صاحب کو ضرورت بھی نہ تھی، جسے انھوں نے ملازمت سے بچنے کے لئے اٹھایا تھا جہاں بیسیوں قسم کے معاذیر وہ پیش کر رہے تھے جیسا کہ موفوق ہی نے علی بن علی الحمیری کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بیان بھی کیا گیا ہے کہ

ارادہ علی القضاۃ غیر مراد
فاعتذر واستعفی واحتمل
بکل حیلۃ ص ۱۷۱

قضا کی خدمت ابو حنیفہ کے سامنے ابو جعفر کی طرف
سے متعدد بار پیش کی گئی لیکن وہ غم ہی کرتے تھے
معافی چاہتے رہے اور بھنے چلے حوالے ممکن تھے سب
ہی اسے کام پتے رہے۔

دراصل ابھی سلسلہ میں اس سوال کو بھی امام نے اٹھایا تھا۔ لیکن یہ ایسا عذر تھا جس کا جواب ابو جعفر اثبات میں دے کر نہایت آسانی سے ان کو چپ کر سکتا تھا کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ خاموش رہا ہوگا۔

اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ قاضی القضاۃ کے عہدے کے ساتھ جن شرائط کی ضمانت امام ابو حنیفہ صراحتہ خلیفہ سے لینا چاہتے تھے۔ اس کی ضمانت ان کو ضروری گئی، اسی طرح دی گئی جیسے قاضی شریک کو دی گئی تھی مگر سوال آگے یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے بعد امام نے کیا کیا اٹھوس ہے کہ درمیان کی یہ کڑی کچھ اس طرح گم ہو گئی ہے کہ کنایتہ و اشارۃ بھی اس کا کوئی سراغ کسی روایت میں اب تک مجھے نہیں ملا ہے۔

البتہ ایک بات یعنی آخری دفعہ امام ابو حنیفہ جب ابو جعفر کے پاس بغداد آتے ہیں یا لائے جاتے ہیں جس کے بعد پھر کوفہ واپس نہ ہو سکے اور جیسا کہ معلوم ہے میں بھی ان کا بیان کروں گا بغداد ہی میں ان کی وفات ہوئی اس سے پہلے کوفہ میں ہم امام کو ایک خاص حال میں پاتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کی ایک اہم تاریخی تقریر

میرا مطلب یہ ہے کہ موثق و روایت نقل کی ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن امام صاحب کے جو بڑے بڑے ممتاز شاگرد تھے وہ خود امام کے پاس حاضر ہوئے لیکن صاحب معجم المصنفین کے الفاظ یہ ہیں کہ

فجلس فی مجلس فی جامع الکوفۃ
فاجتمع معہ الف من اصحابہ اجلہم
وافضلہم اربعون قد بلغوا حد
الاجتماع دفقر لہم و نادا ہم
امام ابو حنیفہ کوفہ کی جامع مسجد کی ایک مجلس میں تھے
پھر ان کے ایک ہزار شاگرد جمع ہوئے جن میں چالیس
آدمی تو ایسے تھے جو اجتہاد کے مرتبہ تک پہنچ چکے
تھے پس امام نے ان کو اپنے قریب ہونے کا حکم دیا اور
بلند آواز سے ان کو کہنا شروع کیا۔

مجھے نہیں معلوم کہ صاحب معجم نے یہ الفاظ کس کتاب سے نقل کئے ہیں لیکن اگر اس کا وہی مطلب ہے جو ظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے یا کم از کم میری سمجھ میں جو بات آئی ہے وہ یہی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے شاگردوں کو اطراف و جوانب سے جمع ہونے کا حکم دیا۔ ایک ہزار کی تعداد جب جمع ہو گئی تو سب کو لے کر کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف لائے پھر مجمع میں سے چالیس آدمیوں کو خصوصیت کے ساتھ اپنے قریب بلایا۔ اور ایک تقریر اس موقع پر کی۔

اہمیت تو اسی تقریر کو ہے جسے میں پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن صاحب معجم کے ان الفاظ سے اس تقریر کی اہمیت زیادہ بڑھ جاتی ہے بہر حال اس حد تک تو موثق اور صاحب معجم دونوں متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے ممتاز تلامذہ کے سامنے ایک تقریر کی باقی یہ بات کہ تلامذہ خود حاضر ہوتے تھے یا بلائے گئے تھے صاحب معجم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ باضابطہ دعوت پر دور دور سے لوگ جمع کئے گئے تھے۔ اور اس کے

مد یہ تقریر کی گئی تھی، کچھ بھی ہو پہلے میں حضرت امام کی اس اہم تاریخی تقریر کا ترجمہ راج کرتا ہوں تلامذہ کے اس مجمع کو ان الفاظ سے خطاب کرتے ہوئے کہ

”میرے دل کی مسرتوں کا سارا سرا یہ صرف تم لوگوں کا وجود ہے

تمہاری ہستیوں میں میرے حزن اور غم کے ازالہ کی ضمانت پوشیدہ ہے۔“

امام نے فرمانا شروع کیا کہ

فقہ اسلامی قانون کی دین تم لوگوں کے لئے کس کر میں تیار کر چکا ہوں اس کے منہ پر تمہارے لئے لگام بھی میں چڑھا چکا ہوں اب تمہارا جس وقت جی چاہے اس پر سوار ہو سکتے ہو، میں نے ایک ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش قدم کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے۔ تمہارے ایک ایک لفظ کو لوگ اب تلاش کریں گے۔ میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا اور ہموار کر دیا ہے۔“

پھر ان خاص چالیس حضرات کو خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرتے ہوئے جنہیں امام نے اپنے قریب بلا یا تھا۔ فرمایا

”ہیں اب وقت آگیا ہے کہ آپ لوگ میری مدد کریں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم چالیس، میں ہر ایک عہدہ قضا کی ذمہ داریوں کے سنبھالنے کی پوری صلاحیت اپنے اندر پیدا کر چکا ہے اور دس آدمی تو تم میں ایسے ہیں جو صرف قاضی ہی نہیں بلکہ قاضیوں کی تربیت و تادیب کا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔“

کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے بعد امام نے ان ہی چالیس شاگردوں کو خطاب کرتے

ہوئے فرمایا

”اللہ کا واسطہ دیتے ہوئے اور علم کا جتنا حصہ آپ لوگوں کو ملا ہے اس علم کی عظمت و جلالت کا حوالہ دیتے ہوئے آپ لوگوں سے میری یہ تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچاتے رہنا اور

تم میں سے کسی کو قضا کی ذمہ داریوں میں مبتلا ہونے پر اگر مجبور ہی ہونا پڑے تو میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں ایسی کمزوریاں جو مخلوق کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں جان بوجھ کر اپنے فیصلوں میں، جو ان کا ارتکاب کرے گا اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسے آدمی کا فیصلہ جائز نہ ہوگا، اور نہ قضا کی ملازمت اس کی حلال ہوگی، جو تنخواہ اس سلسلہ میں اس کو ملے گی وہ اس کی پاک آمدنی نہ ہوگی۔

قضا کا عہدہ اسی وقت تک صحیح اور درست رہتا ہے جب تک کہ قاضی کا ظاہر باطن ایک ہو، اسی قضا کی تنخواہ حلال ہے؛
سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا

بہر حال ضرورت کو دیکھ کر اس عہدے کی ذمہ داریوں کو تم میں سے جو قبول کرے میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ خدا کی عام مخلوق اور اپنے درمیان روک ٹوک کی چیزوں کو مثلاً دربان حاجب وغیرہ کو حائل نہ ہونے دے گا، چاہیے کہ جماعت کے ساتھ وہ شہر کی جامع مسجد میں پانچون وقت کی نماز ادا کیا کرے اور نماز کے اوقات میں سے ہر وقت میں اس کا اعلان کرائے کہ کسی قسم کی کوئی ضرورت یا حاجت کوئی پیش کرنا چاہتا ہو تو پیش کرے، پھر عشاء کی نماز کے بعد خصوصیت کے ساتھ تین دفعہ باذان بلند اس اعلان کا اعادہ کرایا جائے، اس کام سے فارغ ہونے کے بعد گھر جائے اور چاہیے کہ بیماری کی وجہ سے جتنے دن تک قضا کے کام سے قاضی معذور رہا ہو تو حساب کر کے اتنے دن کی تنخواہ کٹا دیا کرے۔

ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد ان شرائط پر قائم ہے جو حکومت ملازمتوں کے لئے لگاتی ہے اگر یہی شرط ہو کہ بیماری کے زمانہ کی تنخواہ نہیں دی جائے گی، تو اس وقت تنخواہ لینے کا حق قاضی کو نہ ہوگا، لیکن بیماری کے زمانے میں بھی کل یا نصف تنخواہ کی شرط پہلے سے اگر موجود ہو تو اس وقت بیماری کی تنخواہ شرط پابندی کے ساتھ حلال ہوگی ۱۲

اس تقریر کا آخری فقرہ وہ بھی تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے یعنی
 امام ربیع یعنی مسلمانوں کا بادشاہ اور امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی
 غلط رویہ کو اختیار کرے تو اس امام سے قریب ترین قاضی کا فرض
 ہوگا کہ اس سے باز پرس کرے ص ۲۱۰ موفقی جلد ۲

بہر حال یہ تو امام کی اس تقریر کا ترجمہ تھا حتیٰ الوسع میں نے لفظی ترجمہ ہی
 کی کوشش کی ہے۔ بعض مقامات پر ممکن ہے ایک دو لفظی الفاظ کا اضافہ ہو گیا
 ہو تقریر کی تاریخی اہمیت کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ امام موفقی نے لکھا
 ہے کہ میرے پاس اس تقریر کی نقل نیشاپور سے بھی آئی اور ہمدان سے بھی شہر
 نیشاپور سے توشیح صالح ابو سعد محمد بن جامع نے اور ہمدان سے سید الحافظ ابو منصور
 دارالدیلمی نے قلم بند کر کے روانہ کی تھی تقریر کے ابتدائی راوی قاضی ابو یوسف سے
 حسن بن زیاد۔

براہ راست سن کر لوگوں سے اس کو نقل کیا کرتے تھے موفقی نے یہ بھی لکھا
 ہے کہ ظہیر الاسلام حسن بن علی المرغینا کی نے بھی اپنی کتاب میں اس تقریر کو درج
 کیا ہے۔

میں نے جیسا کہ شروع میں عرض کیا کہ یہ تقریر امام نے کب اور کن حالات
 کے تحت کی اس کا پتہ کتابوں سے نہیں چلتا لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ آخر میں امام ابوحنیفہ
 کے سامنے حکومت کی طرف سے سارے ممالک محروسہ عباسیہ کے کئی اختیارات پیش کئے
 گئے تھے اور ابو جعفر ان کو قاضی القضاۃ بنانے پر راضی ہو چکا تھا تو کیوں نہ سمجھا جاتے
 کہ معاملہ کو اس آخری حد تک پہنچانے کے بعد امام نے اپنے تلامذہ کو اس سے مطلع
 کیا کہ جس نسب البین کے لئے کوشش جاری تھی اس میں کامیاب ہونے کا وقت
 آگیا امام کے بلیغانہ اشارے کہ کس کساکر گھوڑے کو تیار کر دیا گیا ہے لگام بھی چڑھا دی
 گئی ہے۔ راستہ صاف ہے۔ دنیا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے تم لوگوں کے علم کی ضرورت
 کا عام احساس لوگوں میں پھیل چکا ہے۔ صرف سوار ہو کر چل پڑنے کی ضرورت ہے پھر
 اسی کے ساتھ چالیس آدمیوں میں سے تمہیں کو قضا کے عام عہدوں کے مناسب قرار دینا
 اور دس شاگردوں کے متعلق یہ دعویٰ کہ قاضیوں کی تربیت و پرداخت کی صلاحیت

اپنے اندر رکھتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں جن کا کھلا ہوا مطلب یہی ہو سکتا ہے۔ کہ قاضی القضاۃ کے عہدے کے قیام کے امکان کو محسوس کر کے جن لوگوں میں اس جلیل منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ براہ کرنے کی قابلیت پا کی جاتی تھی ان کو بھی امام صاحب نے متعین کر کے بتا دیا۔ گویا ”فقہ اسلامی“ کا شاندار مستقبل بعد کو تاریخ کے سامنے جو آیا امام نے بھانپ لیا کہ اس کے لئے زمین تیار ہو چکی ہے۔

خود ہی سوچنا چاہیے کہ ان خیالات کے اظہار کا موقع اس وقت کے سوا اور کب مل سکتا تھا جب امام میں اور حکومت میں اسی - قاضی القضاۃ کے اس عہدے کے متعلق جو گفتگو ہو رہی تھی۔ اس گفتگو کے بعد امام صاحب کو کوفہ آنے کا اور اطراف و جوانب سے تلامذہ و اصحاب کے جمع کرنے کا موقع کیسے ملا اور کس وقت ملا؟ بلاشبہ یہ ایک سوال ہے کہ چکا ہوں کہ سلسلہ کی یہی تو وہ کڑی ہے جسے امام کے سوا خنگاروں نے دوسرے جزئی واقعات کی تفصیل کی لذتوں میں غرق ہو کر درمیان سے غائب کر دیا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ کچھ قرینے اور تباہیوں سے کام لیا جائے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں ”قاضی القضاۃ“ کا یہ عہدہ جو اسلامی حکومت کی ڈیڑھ سو سال کی اس طویل مدت میں ایک نئی قطعاً نئی بات تھی جو سامنے آئی تھی حتیٰ کہ واقعات سے اور فقہ اسلامی کی صحیح تاریخ سے جو ناواقف ہیں ان کے لئے اب تک یہ سوال معہہ بنا ہوا ہے کہ مسلمانوں میں ڈیڑھ سو سال بعد اچانک قاضی القضاۃ کے اس عہدے کا خیال کہاں سے آیا اور کیوں آیا۔ ایک عصری مصنف جنہوں نے ”اسلامی قضا“ کے متعلق مغربی زبانوں کی کتابوں کا بھی کافی مطالعہ کیا ہے، اور اپنی کتاب ”تاریخ القضاۃ فی الاسلام“ میں علاوہ اسلامی تاریخوں کے ان مغربی مصنفین کے معلومات اور خیالات سے بھی کافی استفادہ کیا ہے انہوں نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ لیکن بایں ہمہ اس سوال کو اٹھاتے ہوئے مصر کے یہی عصری مصنف رقم طراز ہیں۔

”انتہائی بحث و جستجو کے بعد بھی اب تک اس سوال کا کوئی واضح جواب

نہیں ملا ہے۔ کیونکہ خلفاء راشدین کے زمانے میں بھی ”قاضی القضاۃ“

کا لفظ نہیں پایا جاتا اور نہ بنی اُمیہ کے عہد میں اس کا سراغ ملتا ہے اور اب تک ہمارے علم میں یہ بات نہیں آئی ہے کہ اسلام کے مرکزی شہروں کے قضاۃ کی قضیات اور قریٰ کے قضاۃ ان دونوں زمانوں میں نیا بت کرتے تھے خود دار الخلافت میں قاضی کے عہدے پر جس کا تقرر بنی اُمیہ کے زمانے میں ہوا کرتا تھا گو اس کا انتخاب خلیفہ کرتا تھا۔ لیکن دوسرے قاضیوں اور دار الخلافت کے اس قاضی میں کسی کا فرق نظر نہیں آتا۔ یعنی دوسرے قاضیوں کے انتخاب کا اختیار کسی زمانہ میں بھی دار الخلافت کے قاضی کو نہیں دیا گیا۔ ۹۰۷ھ

پھر اس واقعہ کا تذکرہ کیوں کہ

”اچانک بنی عباس کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ نظر آتا ہے اور کتابوں میں اس کے اختیارات کی تفصیل کی جاتی ہے بتایا جاتا ہے کہ قاضی القضاۃ ہی کو دوسرے قاضیوں کے تقرر کا بھی اور عزل و موقوف کرنے کا بھی اختیار ہوتا ہے، نیز قاضی القضاۃ کے فرائض میں یہ بھی ہے کہ ملک کے تمام قاضیوں کی نگرانی کرتا رہے ان کے حالات سے باخبر رہے ان کے فیصلوں کی جانچ پڑتال کرتا رہے اور ان کے چال چلن طرز و روش سے واقفیت حاصل کرتا رہے لوگوں کے ساتھ کس قسم کے معاملات وہ کر رہے ہیں ان کی خبر لیتا رہے غلطی کے قاضیوں کے متعلق اس علاقے کی معتبر شخصیتوں سے ان کے حالات دریافت کرتا رہے۔“

یہی مصنف اس کے بعد لکھتا ہے کہ

”یہ قطعی ہے کہ یہ جدید عہدہ سب سے پہلی دفعہ بغداد میں قائم ہوا۔ مگر بغداد میں کیوں قائم ہوا کس کی اندرونی کوششوں کا یہ نتیجہ تھا اور اسلامی تاریخ میں سب سے پہلی دفعہ کس کے سامنے حکومت نے قاضی القضاۃ کے اس عہدے کو پیش کیا؟ کیوں پیش کیا؟ چونکہ بے چارہ مصنف باوجود کافی وسیع النظر ہونے کے ان چیزوں سے ناواقف ہے اس لئے آخر میں جیسا کہ اس زمانہ کا عام دستور ہے کہ الکی سی مشابہت،

کے ادنیٰ ترین سے اشارے کو بھی کسی نتیجے کے پیدا کر لینے کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے جڑیں جب یہاں تک بڑھی ہوئی ہیں کہ آدم زاد کی شکل و صورت میں بندروں کی شکل و صورت کی جو ہلکی سی جھلک پائی جاتی ہے صرف اسی جھلک کی روشنی میں اس شجرہ نسب کی قطعیت کا دعویٰ کر دیا گیا ہے، جو بعض لوگوں نے حال میں مرتب کر کے انسانی نسب نامے کے منہ کو حیوانی نسب نامہ کے ساتھ ملا دیا ہے اور آج زندگی کے واقعاتی مہات کا ایک بڑا حصہ اب اسی نسب نامہ پر مبنی کر دیا گیا ہے!

ظاہر ہے کہ جب ایسے عظیم انقلابی عقیدے کی بنیاد معمولی صورتی مشابہت پر اس پڑ پڑنے میں قائم ہو سکتی ہے تو اس بے چارے مصنف کے اس خیال پر تعجب نہ ہونا چاہیے کہ جب سوال کے حل کی کوئی صورت ان کو نظر نہیں آتی تو یہ خیال کر کے کہ کچھ نہ کہنے سے یہ بہتر ہے کچھ کہہ ہی دیا جائے انھوں نے اپنا یہ خیالی جواب پیش کیا ہے کہ "ایرانیوں سے قاضی القضاۃ کا یہ نظام معلوم ہوتا ہے کہ لیا گیا" "نثار اس خیال کا جیسا کہ وہی لکھتے ہیں یہ ہے کہ

"ایرانیوں ہی میں قاضی القضاۃ ہوا کرتے تھے۔"

آپ کو تعجب ہو گا کہ قاضی القضاۃ تو عربی زبان کا لفظ ہے پھر ایرانیوں میں یہ کیسے پایا جاتا تھا اس حیرت کا ازالہ مصنف صاحب کی اس تحقیق سے فرمائیے لکھتے ہیں کہ شاپور ذوالاکتاف ایرانی بادشاہ کے عہد میں جب موبذ موبذان مر گیا، تو لوگوں نے شاپور کو پتہ دیا کہ اسطر کے ضلع میں ایک شخص ہے جو اس موبذ موبذان کے عہدے کے لئے مناسب ہو گا۔

مصنف نے جاخط کی مشہور کتاب التاج سے اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جاخط نے اس واقعہ پر مبنی "موبذ موبذان" کے عہدے کے لئے بجائے موبذ موبذان کے لکھا ہے کہ "قضا، القضا،" کا لفظ مناسب ہو گا پس معلوم ہوا کہ یہی "موبذ موبذان" "قاضی القضاۃ" تھا۔ خدا جانے مصنف نے جو کچھ کہنا چاہا اسے آپ نے سمجھا بھی یا نہیں مطلب یہ ہے کہ جاخط نے "موبذ موبذان" کے لفظ کا ایک جگہ اپنی کتاب میں "قضا، القضا،"

ترجمہ کیا ہے پس یہی "نیاد" ہے جس پر یہ ساری عمارت کھڑی کر دی گئی کہ عباسیوں نے ایرانیوں سے قاضی القضاۃ کے عہدے کو اخذ کیا تھا۔ گویا جاحظ اگر "موبذہ" کے اس لفظ کا اتفاقاً "قضاۃ القضاۃ" کے لفظ سے ترجمہ نہ کرتا، بلکہ وہی ایرانی لفظ "موبذہ" کا رہنے دیتا پھر تو تحقیق کا جو دروازہ ہمارے اس عصری مصنف پر اچانک وا ہوا ہے بند ہی رہتا۔

اب اس دعویٰ اور دلیل طریقہ استدلال کے متعلق میں کیا کہوں، واقعہ یہ ہے کہ "موبذہ" دراصل ایرانیوں کے "پردہست" کو کہتے تھے یہ ایک قسم کا مذہبی مقتدا ہوتا تھا اور سارے مذہبی رسوم و عبادات وغیرہ کا وہ نگراں ہوتا تھا۔ محکمہ عدل و انصاف اولاً اس کا کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ تھوڑا بہت اگر تھا بھی تو اس کی حیثیت ثانوی کام کی تھی حقیقی فرائض موبذوں کے پوجا پاٹ ہوم وغیرہ کی راہ نمائی تھی مگر کیا کیجئے جاحظ نے چونکہ "قضاۃ القضاۃ" کے لفظ سے غلط یا صحیح اس کا ترجمہ چونکہ کر دیا ہے پس حریفوں کو آگ بنا لینے کے لئے ہنگامی حل گئی بظاہر مصنف صاحب کی شاید یہ اپنی اپنی نہیں ہے بلکہ یورپ ہی کے ماحول میں غالباً ایک وحی یہ بھی ہے۔

خیر کچھ بھی ہو اس میں سچ پوچھتے تو دوسروں سے زیادہ خود انہیں ہی سے ہمیں زیادہ شکایت کرنی چاہیے القضاۃ فی الاسلام کے مصنف کو تو چھوڑیئے میں پوچھتا ہوں کہ اسلامی علوم کے علمائے خاص حلقوں میں بھی اس کی کتنوں کو خبر ہے کہ قاضی ابو یوسف کے قاضی القضاۃ ہونے سے پہلے اور بہت پہلے خود امام ابو حنیفہ کے سامنے بھی حکومت نے اس عہدے کو پیش کیا تھا اس میں شک نہیں کہ خود موثق نے ایک چھوڑ دو دو طریقوں اور سندوں سے اپنی کتاب میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے جس کی تفصیل گذر چکی لیکن ذکر کرنے والوں نے ذکر ہی اس واقعہ کا اس طریقے سے کیا ہے کہ مشکل ہی سے اس کی اہمیت کا پڑھنے والوں کو اندازہ ہو سکتا ہے نگاہ اس پر اسی شخص کی ایک سکتی ہے جس نے ابتدا سے آخر تک اس راہ میں امام ابو حنیفہ کی جدوجہد کے ہر جز اور جو قدم بھی اس راہ میں انہوں نے اٹھایا ہے اس کا کمال احتیاط اور انہماک و توجہ سے مطالعہ کیا ہو بلاشبہ وہ اپنے اس مطالعہ کے سلسلہ میں خود بخود ایک ایسی منزل پر پہنچ سکتا ہے جہاں پر امام صاحب اس وقت کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں یعنی مقامی قضاہ پھر

چند صوبوں کی قضا کے بعد سارے ممالک محروسہ عباسیہ کی قضا و عدالت کے کُلّی اختیارات کا مسئلہ امام اور حکومت کے درمیان چھڑا ہوا ہے حکومت امام کو قابو میں لانے کے لئے اس آخری لقمہ کے پیش کر دینے پر تیار ہو جاتی ہے۔ لیکن حکومت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے قابو میں رکھنے کے لئے امام اس پیش کش کے قبول کرتے پر راضی نہیں ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کی تو تحریر میں شہادتیں کسی نہ کسی رنگ میں مل جاتی ہیں۔ لیکن آگے کیا ہوا؟ جیسا کہ میں نے کہا امام نے جب یہ عذر پیش کیا کہ حکومت کے سامنے ہمیشہ اپنے اور اپنے حکام کے وقار کا مسئلہ پیش آتا رہتا ہے اور قاضی القضاۃ کے فرائض سے صحیح طور پر وہی عہدہ برا ہو سکتا ہے جو ہر چیز سے بے پروا ہو کر خود حکمران، حکمران کے شاہی خاندان اور دوسرے حکام اور فوجی افسروں کے مقابلہ میں فیصلہ کرنے کا اقتدار رکھتا ہو، لیکن جس کی بے اطمینانی کی یہ کیفیت ہو کہ دربار میں آنے کے بعد اس سے بھی وہ مطمئن نہیں رہتا کہ یہاں سے زندہ واپس ہو گا۔ یا مرنے کے بعد اسے کوئی صرف لفظی طور پر قاضی القضاۃ اگر ہونا بھی دیا گیا تو واقع میں قاضی القضاۃ کے فرائض تو کیا معمولی قاضی کی ذمہ داریوں کو بھی صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتا۔

امام کے اس عذر کے جواب میں ابو جعفر نے کیا کہا اس کے متعلق کوئی تصریح مجھے اب تک نہیں ملی ہے۔ لیکن قاضی شریک کے اسی عذر کے جواب میں اسی ابو جعفر نے ان کے سارے شرائط مان لئے تھے میں نے عرض کیا تھا کہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ امام ابو حنیفہ پر حجت پوری کرنے کے لئے وہی ابو جعفر ان ہی الفاظ کے دہرے سے کیوں باز رہا ہو گا؟ یقیناً اس کے بعد امام صاحب کے لئے کافی دشواری پیش آگئی ہوگی، اس کے بعد اب حکومت کے پیش کش کو مسترد کرنے کی وجہ ہی ان کے پاس اور کیا باقی رہی تھی۔ لیکن چونکہ یہ تو امام صاحب بہر حال طے کئے ہوئے تھے کہ حکومت کی ملازمت خواہ جس نوعیت کی بھی ہو اس کو قبول کر کے اس خطرے کو کبھی نہیں خریدوں گا جس کے بعد اللہ کے لئے اور اللہ کے رسول کے لئے مسلمانوں کے لئے جو خدمت انہوں نے انجام دی تھی، وہی خدمت کم از کم دنیا والوں کی نگاہوں میں صرف ایک شخصی اقتدار منصب و جاہ کے حصول کا آلہ بن کر رہ جاتی، کم از کم کہنے والوں کے لئے کہنے کی گنجائش نکل آتی اور یہ تو خیر باہر کی بات تھی۔ امام کے باطن کے جو جاننے والے تھے ان کے

اقوال اس باب میں جو نقل کئے جاتے ہیں آج تو ان پر اعتماد کرنا ہی مشکل ہے مثلاً امام بخاری کے مشہور استاد اسحاق بن راہویہ سے ان کے صاحبزادے علی یہ بگوش خود سنے ہوئے الفاظ نقل کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کے اسی قصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یعنی قضا پر حکومت ان کو مجبور کرتی رہی وہ راضی نہ ہوئے اسحاق نے پھر اپنے ذاتی احساس کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

کان یحسب فی تعلیمہ وادشادہ یعنی اپنی تعلیم میں بھی اور مسلمانوں کی راہ نمائی میں بھی امام ابو حنیفہ کے سامنے خدا کے سوا اور کچھ نہ تھا

موصوعہ ج ۲

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ملازمت قبول کر لینے کی صورت میں دنیاوی آلائش کا چونکہ خطرہ تھا اس لئے قسم کی آلودگیوں سے اپنے آپ کو پاک رکھنے کے لئے اسحاق بن راہویہ کی رائے تھی کہ امام ابو حنیفہ نے قضا کی خدمت قبول نہ کی اسی طرح اپنی تعلیم میں یہی اخلاص کے رنگ کو باقی رکھنے کے لئے خود تو کسی قسم کا معاوضہ کیا لیتے گذر چکا کہ ٹپپنے والوں کی امداد فرما پا کرتے تھے اور کیسی امداد؟ اور واقعہ یہ ہے کہ یہی داغ بیل کی لاگ سے اپنے عمل کو پاک رکھنے کا دعویٰ کر لینا تو آسان ہے لیکن زندگی کی آخری سانس تک اس التزام کے

لے اسلامی تاریخ میں اسلام کی ستائید و نصرت کے لحاظ سے جو چندا عجازی ہستیاں پاکی جاتی ہیں ایک ابن راہویہ کی بھی ہے علاوہ فقہ ہونے کے جلیل القدر محدثوں میں آپ کا شمار ہے امام بخاری نے اپنی صحیح کتاب ان ہی کے اشارے سے مرتب فرمائی ہزار ہا ہزار حدیثیں بانی یاد تھیں لوگ پوچھتے کہ آپ کو کتنی حدیثیں یاد ہیں۔ فرماتے کہ عدد تو نہیں بتا سکتا۔ لیکن جو حدیث میں نے سنی ہے سب یاد ہیں بار بار ان کے حافظہ کا امتحان ہوا ایک حرف کی کمی و بیشی نہ ہوئی امام ابو حنیفہ سے بعض اجتہادی مسائل میں اختلاف بھی رکھتے تھے لیکن امام کی جو خونی نقی اس کا بھی اعتراف مذکورہ الفاظ میں آپ نے کیا ہے اس زمانہ کا عام حال یہ تھا کہ ابن راہویہ ہیں امام احمد بن حنبل نے یہ فرماتے ہوئے کہ گو بعض مسائل میں میرا ان سے اختلاف ہے لیکن دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ خراسان جاتے ہوئے وہ جگہ کے پل سے جتنے آدمی بھی گذرے ہیں ان میں ابن راہویہ کے جوڑ کا کوئی نہ تھا۔

دیکھو خطیب ترجمہ اسحاق بن ابراہیم خفلی ج ۱۲۶

نباہ دینے میں ان ہی لوگوں کو کامیابی ہوتی ہے جو امام ابوحنیفہ جیسے حضرات کی طرح خصوصی طور پر توفیق یافتہ ہوں۔

اسی کے ساتھ جیسا کہ آئندہ اس واقعہ کا ذکر آگے آ رہا ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے شاید ایک اور بات بھی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں انتہائی احتیاط کے پہلو کو اختیار کرنا امام ابوحنیفہ کے اجتہاد کی عام خصوصیت بتائی جاتی ہے۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے ورنہ ثبوت میں ان کے بیسیوں اجتہادی مسائل پیش کئے جا سکتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ وہ محتاط ترین پہلو کے اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور عام طور پر ان مثالوں سے اہل علم واقف بھی ہیں عموماً ان کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اجتہادی مسائل جو کتاب و سنت کو پیش نظر رکھ کر پیدا کئے جاتے ہیں ان میں تو احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھا جاسکتا ہے یعنی احوط ترین پہلو جو کتاب و سنت کے لحاظ سے نظر آئے اسی کو آدمی اختیار کرتا چلا جائے۔ لیکن حوادث و واقعات کے متعلق جب مختلف دعویٰ کرنے والے مختلف دعوؤں کے ساتھ آپ کے سامنے آئیں تو ان میں کس کے دعوے اور بیان کو واقعہ کے مطابق قرار دیا جائے یعنی مقدمات کے فیصلہ کرنے میں جو کام آدمی کو کرنا پڑتا ہے ان میں بھی اگر چاہا جائے کہ احتیاط کے اسی اصول کو پیش رکھ کر فیصلہ کیا جائے تو بادی تا مل معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کتنی دشواریاں ہیں، ثبوت کبریٰ کی روشنی سے جو فطرت منور تھی یعنی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس باب میں جب یہ حال تھا کہ لوگ مقدمات سے گرفتار مت والا میں حاضر ہوتے۔ ہر قریب اپنے دعار کے ثبوت میں باتیں بیان کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طرفین کی باتوں کو سن کر بالآخر کوئی فیصلہ تو فرما دیتے۔ لیکن فیصلہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرماتے جس کا حاصل یہ ہوتا کہ تم میں بعض لوگ اپنے مطالب کے اظہار میں بیانی قوت سے کام لیتے ہیں اسے قائم کر لیتا ہوں کہ اپنے بیان میں وہ سچا ہے اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہوں لیکن میں بتانا چاہتا ہوں کہ ناحق فیصلہ اگر ہوا ہے تو اس حق کے لیے واسے کو سمجھ لینا چاہیے کہ میں اسے آگ کا ٹکڑہ دے رہا ہوں؛

بہر حال جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ احوط پسندی جو امام ابوحنیفہ کی کچھ فطری خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے واقعہ امام صاحب اپنے آپ کو فیصلہ کرنے کے قابل نہ پاتے ہوں جو قصہ آگے آ رہا ہے اس سے اس کی تصدیق بھی ہوتی

ہے۔ بلخ کے مشہور حنفی امام خلف ابن ابوب جو خود بھی حد سے زیادہ محتاط تھے امام ابو حنیفہ کا ذکر کر کے کہا کرتے تھے۔

”امام ابو حنیفہ کے خصائل و عادات میں ان کی یہ دو باتیں مجھے سب سے زیادہ پسند آئیں یعنی قضا کی خدمت انھوں نے جو نہ قبول کی حالانکہ اس کے لئے انھیں طرح طرح کی ترغیبیں بھی دی گئیں اور دھمکیوں سے بھی ڈرائے گئے مابھی کھائی ایک بات تو یہ اور دوسرا ان کا یہ خاص طریقہ کہ قرآن کی تفسیر میں انھوں نے حصہ نہیں لیا“ ص ۲

میرے نزدیک یہ بڑی پتہ کی بات ہے اجتہادی مسائل کے متعلق تو ابتدا ہی سے یہ طے شدہ ہے کہ سب کے سب ظنی ہوتے ہیں اس لئے ان کا مسئلہ اتنا دشوار نہیں ہے اور کتاب و سنت کو سامنے رکھ کر جس پہلو میں زیادہ احتیاط ہو اس کو آدمی اختیار کر سکتا ہے، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا فصل خصوصیات کا تعلق تو واقعہ کی تحقیق سے ہوتا ہے دلائل و وجوہ کا انبار و یقین کی طرف سے لگا دیا جاتا ہے۔ محتاط ترین فیصلہ کیا ہوگا۔ اس کا طے کرنا حواشی و واقعات کے متعلق آسان نہیں ہے اسی طرح قرآن ظنی نتائج کی کتاب نہیں ہے، بلکہ جو علم بھی اس سے پیدا ہوتا ہے اس کا تعلق یقین سے ہے حقیقت یہ ہے کہ ظنی آراء بلکہ آحاد روایتیں جو زیادہ سے زیادہ مفید ظن ہیں ان کی مدد سے قرآن کے مفہوم کو متعین کرنے کی جرات بڑی جرات ہے تفسیر میں صحیح حدیثیں جو بہت کم پائی جاتی ہیں ایک راز اس کا یہ بھی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی طرف قرآنی آیات کی تفسیریں جو نہیں منسوب

۱۔ یہ امام کے نہیں بلکہ ان کے شاگردوں ابو یوسف اسد بن عمرو البجلي وغیرہ کے شاگرد ہیں۔ حدیث بڑے بڑے لوگوں سے سنی اور مشہور رئیس الصوفیہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں تربیت نفس کی منزلیں طے کیں ان کی ذہنی نزاکت حسی کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ اذان ہو رہی تھی دیکھا کہ بجائے اذان کی طرف متوجہ ہونے کے ایک شخص کھٹے میں مشغول ہے گواہی میں وہی جب پیش ہوا تو اسے مردود الشہادۃ قرار دیا ان ہی کا مشہور فتویٰ ہے کہ مسجد میں فقیروں کو جو بھیک دے گا اس کی شہادت مسترد کر دی جائے گی یعنی مسجد میں بھیک مانگنے ہی کو گناہ نہیں سمجھتے بلکہ دینے کو بھی اور اتنا بڑا گناہ کہ شہادت تک ایسے آدمی کی غیر معتبر ہو جاتی ہے ۱۲ ج ۱۲ ص ۱۲۷

ہیں۔ یا بہت کم منسوب ہیں اس میں بھی ان بے چارے کی اسی فطری خصوصیت کو داخل تھا۔ اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ میں قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا یہ دعویٰ جو امام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے بلکہ اس کے سوا ان کے اس دعوے کی دوسری توجیہ تو میرے خیال میں مشکل ہی ہے۔ بہر حال میں اپنے مطلب سے دور ہوتا چلا جا رہا ہوں، غرض یہ تھی کہ حکومت کی طرف سے اگر امام ابو حنیفہ کو اس کا اطمینان دلا یا گیا تھا کہ وہ خلیفہ اور شاہی خاندان سرکاری حکام کے خلاف بھی حکومت کے وقار کا خیال کئے بغیر بھی فیصلہ دینے کا اختیار رکھیں گے۔ حکومت ان کے ان فیصلوں کی بھی اسی طرح تعمیل کرائی گئی، جیسے عام فیصلوں کا نفاذ اس کا کام ہے۔ تو اس وقت ملازمت کئے نہ قبول کرنے کا عذر ان کی طرف سے پھر کیوں پیش ہوا متعین طور پر تو اس کا پتہ نہیں چلتا، یہ عذر کہ میں قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس میں شک نہیں کہ لوگوں نے بکثرت مختلف روایتوں میں ان کی طرف ان الفاظ کو منسوب کیا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ گو امام نے آخر میں اسی عذر کو پیش کیا ہے لیکن امام جیسے آدمی سے اس کی توقع کہ ابتدا ہی میں وہ اس عذر کو لے کر کھڑے ہو گئے۔ قرین عقل نہیں معلوم ہوتا۔ اسی ابو جعفر کے سامنے مجھ ہی سے آپ سُن چکے کہ امام ابو حنیفہ نے امتیازات کو تفصیل سے بیان کیا تھا صبح سے شام تک سرکاری قاضیوں کے فیصلوں پر اعتراض کرتے رہتے تھے اور یوں بھی ابو جعفر تو بڑا مردِ شناس تھا۔ اُس زمانے کے کسی عامی آدمی کو بھی امام صاحب مشکل ہی سے یہ باور کرا سکتے تھے کہ میں قاضی بننے کے لائق نہیں ہوں جہاں تک میں سمجھتا ہوں امام صاحب سے یہ بات کہی ضرور ہے۔ لیکن اس وقت کہی ہے جب کوئی حیلہ اور کوئی عذر ملازمت سے گلو خلاصی کے لئے ان کے پاس باقی نہ رہا تھا، ان کے معاذیر کے ترکش کا یہ آخری تیر تھا۔ چونکہ یہ ایسی بات تھی جسے یہ ظاہر امام صاحب کی زبردستی ہی سمجھی جاسکتی تھی معلوم ہوتا ہے کہ ابو جعفر کو اسی پر غصہ آگیا اور اسی غصے کی حالت میں یہ سمجھ کر کہ یہ شخص غلط بیانی سے قصداً کام لے رہا ہے اس نے تازیانہ لگانے کا حکم دیا اور معاملہ اسی پر ختم ہو گیا۔ لیکن جس مرحلہ پر اس وقت امام صاحب اور حکومت کے درمیان کی گفتگو تھی کم از کم میرا خیال یہی ہے کہ نہ اس مرحلہ پر امام نے اس عذر کو پیش کیا تھا۔

نہ اس سے پہلے ایک ایسے دعوے کے پیش کرنے کی ان میں جرأت پیدا ہو سکتی تھی جسے ہر سننے والا سننے کے ساتھ غلط قرار دینے پر مجبور تھا۔ امام صاحب ایسے نادان نہیں تھے کہ نجات کی دوسری راہوں کے باقی رہتے ہوئے خواہ مخواہ ایک ایسی بات پیش کر دیتے جس کے متعلق دنیا ان ہی کو الزام دینے پر آمادہ ہو جاتی جیسا کہ میں نے کہا واقعہ کے لحاظ سے امام کا یہ عذر اگرچہ غلط نہیں تھا۔ لیکن شخص کی سمجھ میں یہ نکتہ کہاں سے آسکتا تھا کہ اتنے بڑے عالم و فقیہ ہونے کے باوجود فصل خصوصیات کی صلاحیت اپنے اندر نہیں رکھتے ہیں جس کام کو ہر ادنیٰ قانون کا جاننے والا آدمی انجام دیتا رہتا ہے۔

لیکن وہی سوال سامنے آتا ہے کہ اس موقع پر آخر انھوں نے کس عذر کو پیش کیا اور اس کے بعد کیا ہوا؟ کہہ چکا ہوں کہ میرے پاس کوئی ایسا وثیقہ نہیں ہے جس کی بنیاد پر کسی قطعی جواب کو پیش کروں تاہم میں نے پہلے بھی علی بن علی الحمیری کے حوالہ سے ایک بات نقل کی تھی یعنی یہی کہ امام ابو حنیفہ پر قضا کی خدمت متعدد بار پیش کی گئی۔ لیکن وہ عذر ہی کرتے رہے معافی چاہتے رہے اسی سلسلہ میں علی نے کہا تھا کہ

و احتال بكل حيلة مستاج ۲ ہر قسم کی تدبیروں سے امام صاحب کام لیتے رہے

۲۸ کے بیان میں اس کے بعد چند اور الفاظ بھی تھے جن کا ذکر اس وقت غیر ضروری تھا لیکن ان کو بھی نقل کر دیتا ہوں یعنی یہ کہتے ہوئے کہ ہر قسم کی تدبیروں سے وہ اس سلسلہ میں کام لیتے رہے۔ اس کے بعد فی رفق و مداراة کے الفاظ میں جس کا خطاب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس منزل تک یعنی قضا کی گفتگو جب تک ہوتی رہی اس وقت تک امام صاحب اور ابو جعفر میں کسی ایسی سخت کلامی کی نوبت نہیں آئی تھی جس کے بعد آپ سے باہر ہو کر اس نے کوڑا نکال لیا بلکہ اس مسئلہ کے متعلق جب تک گفتگو ہوتی رہی اس وقت تک امام صاحب نرمی اور مدارات ہی سے کام لیتے اور یہی میرا بھی خیال ہے اسی کے ساتھ احمد بن بدیل کے حوالہ سے صاحب امالی محمد بن حسن نے اس قصے کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے اس میں ہم ایک اور جز پاتے ہیں، یعنی منجملہ دوسری باتوں کے احمد بن بدیل نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ امام صاحب کے معاملہ میں ابو جعفر کے وزراء اور دربار کے خاص لوگ بھی آخر میں امام کی طرف داری میں کچھ پیروی کرنے لگے تھے ان کے الفاظ یہ ہیں کہ

فکلمہ وزراء امیرالمومنین و پھر خلیفہ کے وزراء اور دربار کے خاص لوگوں نے خاصہ ص ۱۳ ج ۲ امام کے متعلق خلیفہ سے گفتگو کی۔

گو یہ الگ الگ ٹکڑے ہیں اور مختلف روایتوں میں مذکور ہیں مگر ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے کہ امام کی نرم گفتگو اور مداراتی انداز کچھ وزراء اور دربار کے اہلکار کی سعی و سفارش سے کم از کم ایک دفعہ امام کو کوفہ واپس جانے اور اپنے خاص لوگوں (یعنی شاگردوں اور اصحاب سے) مشورہ لینے کا موقعہ حکومت کی طرف سے دے دیا گیا اور اسی کے بعد امام کو کوفہ پہنچے پہنچ کر اطراف و جوانب سے اپنے شاگردوں کو جمع کر کے مذکورہ بالا تقریر کی توثیق و تائید عقل و قیاس کے قریب تر یہی بات ہو سکتی ہے امام کی اس تقریر کے الفاظ پر غور کر نیکی بعد میرالساس ہے کہ "قاضی القضاۃ" کا جو عہدہ امام پر حکومت کی طرف سے پیش کیا گیا تھا اور جس قسم کے اختیارات عطا کرنے پر اس کے ضمن میں حکومت نے آمادگی ظاہر کی تھی اسی کے بعد اس قسم کی تقریر کی جاسکتی ہے یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقریر میں جن باتوں کی طرف امام نے اجمالاً اشارے کئے ہیں تقریر کے بعد ان کے متعلق تفصیلی مشورے بھی ہوتے ہوں گے؟

میرا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی ملازمت میں نہ داخل ہونے کا جو قطعی ارادہ امام کا تھا۔ خواہ اس کا انجام کچھ بھی ہو اس ارادے کے اظہار کے بعد اپنے شاگردوں میں سے جو جو قاضیوں کی تربیت و پرورش یعنی قاضی القضاۃ بننے کے لائق تھے اگر ان کو امام صاحب نے اس پر تیار کیا ہو کہ حکومت جب اس عہدے کو منظور کر چکی ہے اور سارے عدالتی اختیارات کو اپنے اقتدار سے نکال کر اہل علم کے سپرد کرنے پر آمادہ ہو چکی ہے تو اس پر قبضہ کرنے کے لئے تم لوگوں کو تیار ہو جانا چاہیے۔ اسی طرح جن میں صرف قاضی بننے کی صلاحیت امام کے نزدیک تھی ان کو قاضی بننے کے لئے کھڑا ہو جانا چاہیے ان باتوں کو اگر شاگردوں کی اس مجلس میں امام صاحب نے پیش کیا ہو ہر ایک کی متعلقہ ذمہ داریاں جن کا تقریر میں اجمالاً ذکر فرمایا گیا ہے۔ ان کی تفصیل کی ہو تو جو تقریر اس موقع پر آپ نے فرمائی ہے اس کے الفاظ کو دیکھتے ہوئے عقل تجویز کرتی ہے کہ اسی قسم کی کارروائیاں ضرور ہوتی ہوں گی صاحب معجم نے انام کی اس تاریخی تقریر کو نقل کرتے ہوئے آخر میں ان الفاظ کا بھی جو اضافہ کیا ہے یعنی امام صاحب نے آخر میں فرمایا کہ

فان الناس قد جعلوا في جسرا
اما لراحة لغیری والتعب
علی ظہری صفہ

لوگوں نے (مقصد تک پہنچنے کے لئے مجھے پل
بنالیا پس غیروں کے لئے تو صرف آرام ہی آرام
ہے اور سارا بوجھ میری پیٹھ پر ہے۔

واللہ اعلم صحیح مطلب ان الفاظ کا کیا حال ہے لیکن واقعہ کی جو نوعیت ہے اس
کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ ان عہدوں اور بڑے بڑے
مناصب تک پہنچانے کے لئے امام کی ذات جس پر رہی تھی اور اذل سے آخر تک اس
ساری کش مکش کا بوجھ براہ راست امام نے اٹھایا لیکن عہدوں پر قبضہ کرنے کے بعد
راحت ان ہی شاگردوں کو حاصل ہو گئی تو محل و مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے میں
نہیں خیال کرتا کہ ان الفاظ کا اور کوئی دوسرا مطلب کیا لیا جاسکتا ہے۔

بظاہر خیال گزرتا ہے کہ ان ہی مشاغل میں کچھ دن امام کے بسر ہوتے ہوں گے
لیکن ابو جعفر کا دل ان ہی کی طرف لگا ہوا ہو گا وہ تو امام کو اپنی راہ کا کانٹا یقین کر چکا
تھا کہ کچھ بھی ہو جائے ان کو آزاد چھوڑے رہنا کسی حیثیت سے بھی جائز نہیں ہو سکتا
اسی بنیاد پر پھر بغداد ان کی طلبی کا فرمان اس نے بھیجا جہاں تک میں سمجھتا ہوں امام کی
کوفہ سے بغداد کی طرف آخری مودانگی جس کے بعد پھر کوفہ اور کوفہ والوں کے دیکھنے کی نوبت
نہ آئی اسی طلبی کے بعد ہوئی کس طرح بلائے گئے، کتنے دنوں کے بعد بلائے گئے، کیوں
بلائے گئے، دستوران سارے ضروری سوالوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ بکھری بکھری منتشر
روایتوں میں کچھ اجزاء پائے جاتے ہیں، ان ہی سے کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

میں نے جیسا کہ کہا امام کی مذکورہ بالا تاریخی تقریر جو شاگردوں کے گویا سب سے
بڑے مجمع میں ہوئی اگرچہ اس کے صحیح وقت کا متعین کرنا ذرا دشوار ہے لیکن بجائے خود
اس تقریر کی ہم دیکھتے ہیں کہ کافی اہمیت پچھلے لوگوں میں محسوس کی گئی ہے جس کی ایک
واضح دلیل یہ ہے کہ اس مجمع میں امام کے جو ممتاز چالیس تلامذہ تھے مثلاً داؤد طائی قاضی

سلطہ داؤد طائی امام کے ان شاگردوں میں میں جنہوں نے پڑھنے پڑھانے کے مشغلے کو ترک کر کے
عزیمت کر لیا کہ گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی، دینار کل وراثت میں ان کو بے تحہ میں سال
کی زندگی اسی میں دینار سے داؤد نے پوری کی کسی سے کبھی کچھ نہیں لیا باوجود اس کے امام ابو حنیفہ

اودی قاسم بن من مسعودی حص بن غیاث نخعی و کعب بن الجراح مالک بن مغول زفر بن ہذیل وغیرہ حضرات کے تذکرے حنفی طبقات کی کتابوں میں جہاں درج کئے گئے ہیں عموماً سب سے پہلے ان کو روشناس کرتے ہوئے یہی لکھا جاتا ہے کہ یہ امام کے ان شاگردوں میں جو اس تقریر والی مجلس میں شریک تھے جس میں ان لوگوں کو خطاب کر کے امام نے "انتم مساد قلبی و جلاء جنائی" فرمایا تھا یعنی وہی الفاظ جن کا ترجمہ اردو میں یہ کیا گیا تھا کہ "میرے لئے دل کے لئے سر یہ نشاط تم ہی لوگ ہو، تم ہی سے میرا غم غلط ہوتا ہے۔"

آپ طبقات و تراجم کی کتابوں میں ان بزرگوں کے حالات اٹھا کر دیکھئے عموماً سب سے پہلا فقرہ ان کے تذکرے میں یہی لے گا کہ یہ ان لوگوں میں ہے جن کے متعلق امام نے

کے بڑے بڑے شاگرد مشکل مسائل میں ان سے جا کر پوچھتے امام محمد فرماتے ہیں کہ ایسا کوئی مسئلہ جب پیش آتا ہے میں داؤد سے جا کر پوچھتا تو وہ اندازہ کر لیتے کہ واقعی اس مسئلہ کی ضرورت مسلمانوں کو ہے تو جواب دیتے اور اگر یہ محسوس ہو جاتا کہ صرف ذہنی کرب کا نتیجہ ہے تو مسکرا کر چپ ہو جاتے کہتے کہ بھائی مجھے کام ہے ۱۲۔ ان کے حالات کا اجمالاً ذکر گزر چکا ہے ۱۳۔

۱۴۔ یہ مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود سے نسبی تعلق رکھتے ہیں فقہ کے سوا عربیت یعنی عربی ادب کے امام مانے جاتے تھے مشہور نحو کا امام ان کے قول کو شہادۃ میں پیش کرتا تھا لیکن خود ان سے پوچھا گیا کہ ادبی علوم اور فقہ میں آپ کیا تعلق پاتے ہیں بولے کہ خدا کی قسم امام ابوحنیفہ کی ایک کتاب کا مقابلہ بھی ادبی علوم کا سارا ذخیرہ نہیں کر سکتا کوفہ کے قاضی تھے لیکن تنخواہ کبھی نہیں لی۔

۱۵۔ جلیل محدثین میں ان کا شمار ہے علی بن مدینی فقہ حال کے امام کا بیان تھا کہ سفر و حضر میں رکب کے ساتھ ہیں رہا ہوں وہ صائم الدہر تھے ہر شب میں قرآن ختم کرتے تھے اور ایک تہائی قرآن پڑھے بغیر سوتے نہ تھے ان کا ترجمہ بہت طویل ہے چاہا جائے تو ایک مختصر سی کتاب لکھی جاسکتی ہے یہ مالک بن مغول ان کے مقام کے اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ بخاری اور مسلم کے راویوں میں ہیں اور یہی حال حص بن غیاث کا ہے، یہ بھی بغداد کے قاضی ہوئے غاتم القضاۃ ان کو سمجھا جاتا تھا خطیب نے طویل ترجمہ ان کا نقل کیا ہے۔ باقی زفر بن ہذیل بیسویں جگہ اسی کتاب میں ان کا ذکر گزرا ہے یہ تو قاضی ابو یوسف کے جڑ کے آدمی تھے حنفی فقہ کی کتابیں ان کے ذکر سے معمور ہیں ۱۶۔

انتہم مسار قلبی و جلاء جنائی فرمایا تھا۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی تقریر اور معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس مجلس کی اہمیت کی بنیاد پر خیال گزرتا ہے کہ ابو جعفر امام ابو حنیفہ سے یوں تو خیر کھٹکا ہی ہوا تھا۔ کیا تعجب ہے کہ پہنچانے والوں نے کوفہ سے اس تک یہ خبر پہنچائی ہو کہ امام نے اپنے شاگردوں کو اطراف و جوانب سے بلا کر اکٹھا کیا ہے، ان کے سامنے تقریر کرتے ہیں، مشورے ہو رہے ہیں۔ شاید اس خبر نے ابو جعفر کو آمادہ کیا ہو کہ کوفہ سے جہاں تک ممکن ہو امام کو بلایا جائے یوں تو امام کئی دفعہ بغداد بلائے گئے ہیں لیکن جس روایت میں یہ بیان کیا گیا کہ کوفہ کے گورنر عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس ابو جعفر کا فرمان بایں الفاظ آیا کہ

احمل ابا حنیفہ صلی

سوار کر کے ابو حنیفہ کو میرے پاس فوراً روانہ کر

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ڈاک کی سواری کا انتظام کیا گیا اور لکھا ہے کہ سوار ہونے کے بعد گورنر سے ملاقات کر کے پھر امام صاحب کو گھر جانے کا بھی موقعہ نہ دیا گیا بلکہ وہیں سے بغداد روانہ ہو گئے، حمیری نے محمد بن عثمان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ میں طلبی کے فرمان کی خبر سن کر امام سے ملنے کے لئے گیا تو دیکھا کہ وہ سوار ہو چکے ہیں اور گورنر کے پاس رخصت ہونے کے لئے جا رہے ہیں۔

ص ۱۷۱

اسی حال میں امام روانہ ہوئے اسی روایت میں ہے کہ کل پندرہ دن بعد کوفہ امام کی وفات کی خبر آئی جہاں تک اس سلسلہ کی ساری روایتوں کو ملا کر میں نے غور کیا ہے ان سارے اجزاء کا تعلق امام کی اسی آخری روانگی سے معلوم ہوتا ہے، البتہ بعض راویوں کے بیان میں جو یہ پایا جاتا ہے کہ اس آخری روانگی کے موقعہ پر امام ابو حنیفہ کے چہرے کو بہت اُداس پایا گیا ایسا اُداس کہ کاندہ مسیح امام کا چہرہ خشک ٹاٹ کا جیسا معلوم ہوتا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ چہرہ ان کا سیاہ پڑ گیا تھا لکھا ہے کہ

کادوجهہ لیسود خونا ص ۱۷۲ ج ۲ ڈور کی وجہ سے قریب تھا کہ امام کا چہرہ سیاہ پڑ جائے

یہ یا اسی کے قریب قریب دوسرے الفاظ جو اس سلسلہ میں نقل کئے گئے ہیں ان سے قطع نظر اس بات کے کہ امام کی طرف ایک ایسی کمزوری منسوب کی گئی ہے جو ان کی سیرت و کردار کے لحاظ سے کچھ بعید سی معلوم ہوتی ہے اور عام بشری کمزوری پر محمول کو کے ہم اس

کو مان بھی لین پھر بھی اس کی تصحیح اسی وقت ہو سکتی ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابو جعفر منصور نے جو سلوک اس طلبی کے بعد آپ سے کیا اس کا علم بغداد پہنچنے سے پہلے کو فہمی میں آپ کو ہو چکا تھا حالانکہ اس کا ثابت کرنا آسان نہیں ہے کم از کم مجھے تو اب تک کوئی روایت اس سلسلہ میں ایسی نہیں ملی ہے جس سے تھوڑی بہت تاہم یہ بھی اس کی ہو سکتی ہو یہ سچ ہے کہ ابو جعفر کی جانب سے خطرات تو امام کو ضرور تھے اور ان خطرات کا اندازہ کرنے کے بعد ہی انھوں نے ابراہیم کا بھی ساتھ دیا تھا فوجیوں کو بھی توڑ رہے تھے جانتے تھے کہ حسن بن محطہ کی اچانک علیحدگی فوج سے جب عمل میں آئے گی تو یہ واقعہ چھپا نہیں رہ سکتا کہ عسا کہ عباسی کے اس سب سے بڑے جنرل کے توڑنے میں لیکن کن لوگوں کا ہاتھ تھا اور اس کا جو کچھ انجام ہو سکتا تھا امام صاحب کی بصیرت سے زیادہ اس کا صحیح اندازہ اور کون کر سکتا تھا لیکن یہ خطرات تو اس وقت تک تھے جب تک کہ خروج ابراہیم کے واقعہ کے بعد خلیفہ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مگر ملاقات ہو جانے کے بعد جس طرز عمل کو ابو جعفر نے امام کے ساتھ اختیار کیا جس کی تفصیل گذر چکی، کیا اس کے بعد بھی خوف کی بات کوئی باقی رہی تھی بجائے سزا اور انتقام کے جب اس کی کوشش ابو جعفر کی طرف سے پوری قوت کے ساتھ ہو رہی تھی کہ حکومت میں امام ابوحنیفہ کو کسی نہ کسی طرح شریک کر کے اپنا ہم نوا اور ہمدرد بنالیا جائے اور اس کے لئے بڑی سے بڑی پیش کش جو ممکن ہو سکتی تھی اسے امام کے سامنے بڑھا چکا تھا تو امام کے لئے خوف کی گنجائش ہی کیا تھی بات یہ کہ اس آخری پیش کش کے مسترد کر دینے کا اظہار جب میری طرف سے ہو گا تو اس وقت ابو جعفر پر اس انکار کا رد عمل کن شکلوں میں ہو گا، ابھی بہام کی حالت میں تھا کم از کم ایسی حالت قطعاً نہ تھی کہ بڑے سے بڑے حادثہ میں جس کی تمکنت و وقار میں کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں محسوس کیا گیا۔ بعض واقعات و شواہد اس سلسلے میں گندھی چکے ہیں جن سے امام کی فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بھلا ایک غیر متعین انجام کے تصور سے اُن کا اتنا زیادہ متاثر ہو جانا کہ چہرہ کالا پڑ گیا، خون خشک ہو گیا، معلوم ہوتا تھا کہ بجائے کھال کے امام کے چہرے پر کوئی ناٹ چڑھا ہوا ہے، میں اس کی کوئی معقول وجہ نہیں پاتا۔ علاوہ ان عقلی قرائن کے ابن سعد نے اپنے استاذ و اقدی کے حوالہ سے امام ابوحنیفہ

سہ اس زمانہ میں بعض خاص نقطہ نظر رکھنے والے مصنفین نے واقعہ کی بے چارے کو کچھ اس طرح

کی اسی روایت کے متعلق جو روایت درج کی تھی میرے نزدیک ان بیانات کی تردید
واقعی کی اس چشم دید شہادت سے بھی ہوتی ہے، ابن سعد نے امام ابوحنیفہ کا تذکرہ
درج کرتے ہوئے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے۔

قال محمد بن عمر و کنت یومر مات
بالکوفة التوقع قد و مد فجاءنا
نأغیہ ۲۵۷ ج ۱ ابن سعد

محمد بن عمر یعنی واقعی واقعی کا بیان ہے کہ جس دن
امام ابوحنیفہ کی وفات ہوئی میں کوئٹہ ہی میں تھا
ان کے آنے کی توقع کر رہا تھا کہ اچانک ان کی
وفات کی خبر آئی

جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ امام صاحب کی وفات بغداد میں جس وقت ہوئی ہے
اس وقت واقعی کوئٹہ ہی میں تھے جیسا کہ میں نے عرض کیا کوئٹہ سے روانہ ہونے کے دس
پندرہ دن بعد امام کی وفات ہو گئی ہے، اس لئے واقعی کے متعلق یہ سمجھنا چاہئے کہ روایت

بدنام کیا ہے کہ کسی روایت کی وقت کھودینے کے لئے واقعی کا نام کافی سمجھا جاتا ہے لیکن
یہ ایک شدید اور خطرناک مغالطہ ہے مجھے تو اس میں بھی غیروں کی سیہ کاریوں کی جھلک نظر
آتی ہے حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں جہادی روح کو تروتازہ رکھنے میں دوسری چیزوں
کے ساتھ ساتھ واقعی کی کتابوں کا بھی ایک ہزار سال سے بہت بڑا حصہ ہے ہندوستان
میں بھی مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کرنے کا خیال بعض لوگوں میں جب پیدا ہوا تھا تو آج سے
تقریباً نو سو سال پہلے اردو زبان میں واقعی کی کتابوں کا

..... ترجمہ کر کے اسلامی گزٹوں
میں پھیلا دیا گیا تھا بلکہ شاہ نامہ کے وزن پر پوری تاریخ واقعی کو ٹوبہ کے ایک مجاہد خاندان کے
رکن نے نظم کا لباس بھی پہنا دیا تھا پچھلے دنوں واقعی کو جو بدنام کیا گیا تو اس کی کتابوں مسلمانوں کی دلچسپیوں کو بھٹکا
ہوں کہ کم ہو گئی میں بہر حال واقعی حقیقت اتنا غیر معتبر راہی نہیں ہے کہ اس کی کتابوں کی روایت کی رعیت دنیا
کی عام تاریخی کتابوں کی حیثیت سے بھی گری ہوئی ہے، ائمہ نقد نے واقعی کے متعلق جو کچھ لکھا، اس کا تعلق احکام عقائد
کی حیثیت سے ہی جن سے اسلامی قانون پیدا ہوتا ہے بہر حال مورخ ہونے کی حیثیت سے کوئی وجہ نہیں کہ دنیا کے دوسرے مورخوں کی
صف میں مسلمانوں کا یونہی کسی حیثیت سے بھی ناقابلِ تہاد سمجھا جائے اس وقت بھی واقعی کی ایک تاریخی روایت ہی
کو ثبوت میں پیش کر رہا ہوں ۱۲

کے وقت بھی وہ کوفہ ہی میں ہوں گے پھر آگے واقعہ کی یہ بیان کہ ہم لوگ امام کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے لیکن خبر ان کی وفات کی آئی، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابو جعفر کی اس آخری طبیبی کے موقع پر امام کے متعلق کسی قسم کے خطرے کا احساس دلوں میں نہیں پایا جاتا تھا، بلکہ برخلاف اس کے بخیر و خوبی واپسی کی توقع لوگ کر رہے تھے اور وفات کی خبر کوفہ والوں کی توقع کے خلاف پہنچی، اضطراب و پریشانی سراپا ہو گئی، اور گھبراہٹ کی ان ہی کیفیتوں کے ساتھ کوفہ سے امام اگر بغداد روانہ ہوئے ہوتے تو یقیناً واقعہ یہ نہیں کہتے کہ ہم آنے کی توقع کر رہے تھے ایسی صورت میں تو آنا خلاف توقع ہوتا۔ اور وفات کی خبر توقع کے مطابق ہوتی، کچھ بھی ہو میرے نزدیک امام کے اضطراب و پریشانی وغیرہ کی یہ روایتیں بھی کچھ اسی طرح بے اصل معلوم ہوتی ہیں جیسے خواہ مخواہ امام کی طرف بازاروں میں گشت کرانے اور عقابین کے میدان میں پہنک کر بٹا بٹا کر سب کے سامنے کوڑے لگوانے وغیرہ کے واقعات منسوب کئے گئے ہیں تنقیح کے بعد جیسے یہ روایتیں بے اصل ثابت ہوئی ہیں، کچھ یہی حال اس کا بھی ہے، خدا جانے دنیا کا یہ کیا عارضہ ہے کہ ہمیشہ اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے میں اصل واقعہ کے اظہار سے ان کی تسلی نہیں ہوتی کچھ نہ کچھ اضافہ اپنی طرف سے بیان کرنے والے ضروری سمجھتے ہیں اور امام کے متعلق تو اس سلسلے میں لوگوں نے بہت زیادہ حاشیہ آرائیوں سے کام لیا ہے ہم سے پہلے بھی تنقید کر کے لوگوں نے ان اضافوں کو مسترد کر دیا ہے۔ میرے نزدیک یہ باتیں

اس سلسلہ میں کروری نے ایک دلچسپ بات لکھی ہے یعنی ان کا بیان ہے کہ میں جن دنوں خوارزم میں تھا تو وہاں ایک "مجلدہ ضخیمہ" کی صورت میں ایک کتاب "سیر الصالحین" مجھے ملی اس میں امام ابو حنیفہ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ابو جعفر نے ان کو زہر پلوایا، لیکن اس کو خیال گذر کہ زہر معدے سے جلدی سارے جسم میں نہیں پھیلے گا، اس لئے ستون میں باندھ کر اس کے حکم دیا کہ کوڑے سے امام کو پٹیا جائے تاکہ خون میں مل کر زہر سارے جسم میں کوڑے کی مار سے جلد پھیل جائے پس یہی کیا گیا امام صاحب پر زہر کا اثر فوراً مرتب ہوا اور یہی نہیں اسی "مجلدہ ضخیمہ" میں کروری کہتے ہیں کہ واقعہ بھی میں نے پڑھا کہ امام صاحب مر گئے اور عوام الناس کی شورش کا ابو جعفر کو خطرہ محسوس ہوا تو وزیر کو بلا کر اس نے مشورہ لیا، رائے وزیر نے یہ دی کہ مجھے معلوم ہوا ہے

بھی اسی قبیل کی ہیں اور آپ دیکھ رہے ہیں تھوڑی تنقید و جرح کے بعد اُن کی قلعی کتنی آسانی کے ساتھ کھل جاتی ہے۔

بہر حال امام کو نہ سے روانہ ہوئے اور جہاں تک عقلی و نقلی شہادتوں کا اقتضا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روانگی اس حال میں ہوئی کہ جو واقعات اُن کے ساتھ بغداد میں پیش آئے امام کو اُن کی توقع نہ تھی باقی یہ مسئلہ کہ اس دفعہ امام صاحب جو جاپے تھے تو خود کیا سوچتے ہوئے جارہے تھے۔ یعنی یہ تو قطعی طے شدہ مسئلہ تھا کہ خواہ جتنے وسیع اختیارات کے ساتھ قضا کے عہدے کو حکومت پیش کرے گی اس کو میں قبول نہیں کروں گا لیکن بجائے اپنے کیا ان شاگردوں کے نام کو پیش کرنا چاہتے تھے جن میں مذکورہ بالا مجلسی تقریر

کہ بدعتی عقائد رکھنے والا آدمی قبر میں کالے کتے کی صورت اختیار کر لیتا ہے پس مناسب ہے کہ امام کی لاش قبر سے نکال لی جائے اور مارکر ان کی جگہ ایک کالے کتے کو گاڑ دیا جائے ابو جعفر کو یہ رائے پسند آئی حکم دیا گیا کہ امام کی قبر کھودی جائے اور کالے کتے اُن کی جگہ رکھ دیا جائے لیکن امام ابو حنیفہ نے مرنے سے پہلے اپنے لوگوں کو وصیت کی تھی کہ پہلی رات میری لاش کو اس قبر میں نہ رہنے دینا جس میں گاڑا جاؤں، وصیت کی تعمیل کرتے ہوئے منصور کے آدمیوں نے پہلے امام کی لاش کو نکال کر لوگ لے جا چکے تھے۔ اب منصور کے آدمیوں نے امام کی قبر جو کھودی تو لاش غائب تھی، لوگوں کو حیرت ہوتی لیکن پھر بھی کہا گیا کہ کالے کتے جو مار کر لایا گیا اسے امام کی جگہ دفن کر دیا جائے۔ صبح کو خبر پھیلائی گئی کہ قبر میں امام کی لاش نے کالے کتے کی شکل اختیار کر لی ہے لوگ جمع کئے گئے اور قبر کھولی گئی، لیکن ٹھیک جس وقت یہ عمل ہو رہا تھا امام کے لوگوں نے آکر خبر دی کہ امام کی لاش تو گھر میں ہے قبر سے تو ہم لوگوں نے اس کو نکال لیا تھا تب لوگوں کو محسوس ہوا کہ یہ حکومت کی کارستانی تھی، ابو جعفر دل میں بہت ذلیل ہوا کہ دردی نے اس قصے کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کتاب میں اور بھی اس قسم کی بہت سی باتیں بڑھا چڑھا کر بیان کی گئی ہیں جو امام کی عام سوانح عمریوں میں نہیں پائی جاتیں آخر میں اس قسم کے واقعات کی تغلیل کرتے ہوئے کردری نے اپنی رائے یہ ظاہر کی ہے کہ اس قسم کی بے ادبیم و عقل روایتوں پر اہتمام نہ کرنا چاہیے دیکھو مناقب کردری

میں مختلف صلاحیتوں کی انھوں نے نشان دہی کی تھی یا کہہ سکتے ہیں کہ امام کی وفات کے بعد واقعات جس رنگ میں پیش آئے یعنی ان کے شاگرد قاضی ابو یوسف عباسی حکومت کے پہلے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے اور ٹھوڑے ہی دنوں میں ممالک محروسہ عباسیہ کی ساری عدالتوں میں عموماً امام ہی کے مکتب خیال کے نقہا رجو داخل ہو گئے کیا بطور مشورے کے حکومت کے سامنے اسی کو وہ پیش کرنا چاہتے تھے؟ ایسی کوئی زوتا مجھے اب تک نہیں ملی ہے جس کی روشنی میں اس کا کچھ جواب دیا جاسکتا ہو۔

اور سچ تو یہ ہے کہ ایسی کوئی تجویز حکومت کے سامنے امام صاحب رکھتے بھی تو پذیرائی کی توقع ہی کیا ہو سکتی تھی؟ کیونکہ اصلی مسئلہ قضا اور عدالت کی تنظیم جدید کا کیا کتب تھا یہ تو ایک نام تھا جس میں ابو جعفر اس شخص کو پھنسانا چاہتا تھا جسے ایک لمحہ کے لئے آزاد چھوڑے رکھنا اپنی حکومت کے لئے عظیم خطرہ خیال کئے ہوئے تھا۔ شاگردوں کے تقریر سے اس کا یہ مطلب کب پورا ہو سکتا تھا اور میں تو سمجھتا ہوں کہ اپنی طرف سے اس تجویز کے پیش کرنے میں امام صاحب نے اگر یہ محسوس کیا ہو کہ حالات نے جن چیزوں کے امکانات کو قریب تر کر دیا ہے کہیں وہ دور نہ جائیں تو ان کی دور اندیش عقل سے یہ بعید نہیں ہے، خیر ان امور کو تو جانے دیجئے جن کی نفی و اثبات کی کوئی شہادت ہی ہمارے سامنے نہیں ہے، اب ان واقعات کو جیتے جو بغداد پہنچنے کے بعد اس دفعہ امام صاحب کے سامنے پیش آئے۔

یہاں بھی مجھے یہی کہنا پڑتا ہے کہ روایتوں میں باتیں بکھری ہوئی ہیں اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ قرآن و قیاس کی امداد سے ان میں ترتیب پیدا کی جائے ان روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد جو ترتیب مجھے نظر آتی ہے وہ یہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بغداد پہنچنے کے بعد امام صاحب کی خلیفہ کے دربار میں باریابی ہوئی قضا کی جس خدمت پر حکومت تمھارا تقرر کرنا چاہتی ہے، آخر تم نے اس کے متعلق کیا فیصلہ کیا؟ ابو جعفر کی طرف سے جیسا کہ چاہیے تھا پھر یہی دریافت کیا گیا۔ یہ سوال ظاہر ہے کہ ایک دفعہ نہیں متعدد بار امام صاحب کے سامنے پیش کیا گیا۔ لوگوں نے یہ بیان کرتے ہوئے احتال بکل حیلہ رجواب میں امام مختلف حیلوں سے کام لیتے رہے، یا یہ کہتے ہوئے کہ اعتل علیہ بعلل ولم یقبل مختلف اسباب انکار کے پیش کرتے رہے۔

اور قبول نہیں کیا گیا پھر امام کے مختلف جوابوں کو مختلف راویوں نے نقل کیا ہے اپنے اپنے موقع پر جہاں تک میری سمجھ میں آیا ہے ان جوابوں میں ترتیب پیدا کر کے میں درج کر چکا ہوں، ان ہی جوابوں کے سلسلہ میں لوگ یہ بھی نقل کر کے گزر جاتے ہیں کہ امام صاحب نے ایک دفعہ یہ بھی کہا تھا کہ الی لا اصلح ریں قاضی بننے کی صلاحیت ہی نہیں کھتا جس طریقہ سے سرسری طور پر اس جواب کا لوگ ذکر کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی بات تھی جسے امام نے دوسرے جوابوں کے ساتھ کبھی یہ بھی کہہ دیا تھا۔ لیکن باور دہنی تاں واضح ہو سکتا ہے کہ جس جواب کو غیر اہم بنا کر بیان کرنے والوں نے درج کیا ہے، واقعہ میں یہ اتنا غیر اہم جواب نہ تھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ یہ کون کہہ رہا ہے اسلامی قانون کا امام اعظم کہہ رہا ہے اور کہہ کیا رہا ہے پوری ذمہ داری کے ساتھ خلیفہ وقت کے آگے گویا دعویٰ کی شکل میں ایک واقعہ کا اظہار کر رہا ہے۔ ابو الحسن مرغنیانی کی تحریری یادداشت سے موفق نے اسی قضیے کو جہاں نقل کیا ہے اس میں تو یہاں تک تصریح موجود ہے کہ دربار سے باہر آنے کے بعد علی حمیری سے جو امام صاحب کے ساتھ کوفہ سے بغداد آیا تھا، خود امام نے بیان کیا کہ

۱ علمتہ الخ لا اصلح ص ۱۵۰ جلد ۱ میں نے ابو جعفر کو مطلع کیا کہ قضا کی مجھ میں صلاحیت نہیں ہے

نیز دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں سوال و جواب کا رد و بدل ہوتا رہا امام صاحب کہتے کہ لا اصلح اور ابو جعفر کہتا بل انت تصلح و بلکہ تم ضرور صلاحیت رکھتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ سوال و جواب کے اس سلسلہ میں امام نے اس سے پہلے جتنی باتیں کہی تھیں وہ انہی تھیں کہ یہ ظاہر ابو جعفر کا سننے کے بعد جو حال بھی رہتا ہو لیکن اندر سے اس کا ضمیر ان کمزوریوں کے اعتراف کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ضرور پاتا ہو گا جن کی طرف امام اشارہ کرتے تھے لیکن امام کی طرف اس دفعہ جواب جو دیا گیا تھا۔ ابو جعفر ہی کیا میں تو کہتا ہوں کہ اس کی جگہ کوئی دوسرا آدمی ہوتا ہم ہوتے آپ ہوتے کوئی ہوتا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر انصاف کرنا چاہیے کہ اس کے جواب کا رد عمل آدمی کے ضمیر پر کیا ہو سکتا ہے؟

اپنے علم و فضل اور اپنی قانونی و فقہی مہارت کے متعلق جن معلومات کو بلا واسطہ یا بالواسطہ ابو جعفر تک خود مسلسل امام صاحب پہنچاتے رہے تھے ان معلومات سے

قوت حاصل کرتے ہوئے ابو جعفر کے ضمیر نے زندہ ہو کر شاہی اختیارات کے استعمال کے جواز کی سند اس کے ہاتھ میں اس جواب کے بعد اگر دے دی ہو تو اس پر قیام متعجب نہ ہونا چاہیے اور بات اسی حد تک ختم ہو جاتی تو شاید معاملہ آگے نہ بڑھتا لیکن ہوا یہ کہ اپنے قطعی غیر مشکوک معلومات اور ذاتی تجربات پر اعتماد کرتے ہوئے امام کے اس جواب کو سن کر ابو جعفر نے صاف لفظوں میں امام کی طرف غلط بیانی کا منسوب کرتے ہوئے کہا۔

کن بت انت تصلح منہ ج ۲ تم جھوٹ بولتے ہو قطعاً تم قضا کی صلاحیت رکھتے ہو لیکن امام صاحب خاموش نہیں ہوئے بلکہ انتہائی بے پروائی کے ساتھ اس سر مشہور الزامی جواب کا اعادہ ابو جعفر کے سامنے آپ نے کیا جسے عموماً امام صاحب کی ذہانت کے ذکر کے سلسلے میں لوگ بیان کرتے ہیں یعنی جوں ہی کہ ابو جعفر کے منہ سے نکلا کہ

”تم جھوٹ بولتے ہو قطعاً قضا کی لیاقت رکھتے ہو“

امام نے فرمایا

”لیجئے آپ نے اپنے خلاف خود فیصلہ کر دیا، آپ کے لئے کیا یہ جائز ہے کہ اس شخص کو قاضی بنائے جو جھوٹا اور کذاب ہے“

بعض روایات کے الفاظ کا ترجمہ تو یہی ہے بعضوں کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے فرمایا

ہے کہ امام نے فرمایا

”آپ جب جانتے ہیں کہ میں قضا کی لیاقت رکھتا ہوں، باوجود اس کے مجھ سے سن رہے ہیں کہ میں اس کی لیاقت نہیں رکھتا جس کے معنی یہی ہوئے کہ میں آپ کے سامنے جھوٹ بول رہا ہوں ایسی صورت میں اس عہدے پر میرا تقرر جائز کیسے ہو سکتا ہے۔“

صلی اللہ علیہ وسلم

الفاظ کچھ ہوں، یہ ہوں یا وہ ہوں آل مولوں کا واحد ہے۔

حضرت امام ابو عہدہ قاضی القضا پر مامور کرنے کیلئے ابو جعفر کی قسم

ابو جعفر امام صاحب کے ابتدائی جواب سے بھپڑ چکا تھا اس جواب الجواب نے جس میں ایک طرح سے ذہنی شکست کی رسوائی بھی شریک تھی اسے حد سے زیادہ مشتعل کر دیا۔ امام کے پہلے جواب ہی کے بعد عرض کر چکا ہوں کہ شاید ہی اختیارات کے استعمال کی سند جواز بغیر کسی دغدغہ کے اس کا ضمیر دے چکا تھا جواب الجواب نے جب اس کے اشتعال کو حد سے زیادہ متجاوز کر دیا تو اب وہ قسم کھا بیٹھا بشیر بن الولید الکندی کے حوالہ سے خطیب نے جو روایت تاریخ بغداد میں نقل کی ہے اس میں ہے کہ

تحلف المنصور لیفعلن قسم کھا بیٹھا منصور کہ تم قضا کا کام کرنا ہی پڑے گا

عہدہ قاضی القضا کے قبول نہ کرنے پر حضرت امام کی قسم

ادھر منصور عباسیوں کا مطلق العنان فرماں رواقسم کھا رہا تھا اور اسی کے مقابلے میں دیکھا جا رہا ہے کہ اسی آزادی کے ساتھ امام ابو حنیفہ بھی اس کی قسم کے سننے کے ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ قسم خدا کی میں ہرگز نہیں کروں گا۔

ابو جعفر منصور کی طرف یہ جو منسوب کیا گیا ہے کہ امام صاحب کو اس نے تازیانے کی سزا دی میں عرض کر چکا ہوں کہ سزا کے اس قصے میں راویوں کی رنگ آمیزیوں کا بہت بڑا حصہ شریک ہے لیکن اصل واقعہ کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا میرا خیال ہے کہ اسی سوال و جواب کے قصے میں بتدریج ابو جعفر کا غصہ بڑھتا رہا اور معلومات کی بنیاد پر قطعاً امام کو غلطی پر اور اپنے آپ کو حق پر وہ پارہا تھا پھر اس الزامی جواب سے قدرتا کھسیا سا جانے کی کیفیت جو اس میں پیدا ہوئی اور مگر اس کی قسم کے ساتھ امام صاحب نے بھی قسم جو کھائی تو ابو جعفر کے حاجب ربیع سے امام کی اس جسارت پر نہیں رہا گیا اور کہنے لگا کہ

”تم کیا کر رہے ہو، امیر المومنین کی قسم کے مقابلے میں قسم کھا رہے ہو۔“

اس پر بھی امام صاحب نے اسی حاضر دماغی کے ساتھ ربیع کو جھپٹا دیا کہ

”امیر المومنین اپنی قسم کے کفارہ کے ادا کرنے میں مجھ سے زیادہ قادر ہیں۔“

یعنی قسم کو تو ہم دونوں نے کھائی ہے پھر اپنی قسم میں کیوں توڑوں، ابو جعفر کی کیوں نہ توڑیں، وہ تو امیر آدمی ہیں ہر مشکل کے کفار سے برتر قادر ہیں ایسی صورت میں کوئی تعجب نہیں کہ غصے سے اندھے ہو کر عواقب اور نتائج کا اندازہ کئے بغیر ابو جعفر کے منہ سے تازیانہ بر داروں کو حکم امام صاحب کے مارنے کا دے دیا گیا ہو۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تازیانہ زنی کے سلسلے میں روایتوں کا ایک نمبر جمع ہو گیا ہے لیکن بتا چکا ہوں کہ عقلاً و نقلاً بہت زیادہ اجزاء ان روایتوں کے ناقابل اعتبار ہیں اس سلسلہ میں سب سے سنجیدہ ترین روایت کم از کم میرے نزدیک وہی ہے جسے پہلے بھی ترجیح دے چکا ہوں یعنی عبدالعزیز بن عصام کی چشم وید شہادت جس میں اس شخص نے پوچھنے پر کہا تھا کہ مار کھاتے ہوئے امام ابو حنیفہ کو ہم جیسے عوام کیسے دیکھ سکتے تھے کہ واقعہ ابو جعفر کی نشست گاہ خاص میں پیش آیا ہوا ہمارے گزر رہی کہاں تھی البتہ وہاں سے نکلنے کے بعد دار الخلافہ کے احاطہ زداں میں میرے امام صاحب کو دیکھا تھا کہ پشت مبارک ننگی تھی بدن میں صرف پاجامہ تھا ایڑیوں پر خون بہہ رہا تھا۔ بہر حال ان روایتوں کی تنقید کی بحث گزر چکی ہے

تازیانے کی سزا کے متعلق صحیح روایات

اس وقت مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ صحیح تر روایت عبدالعزیز بن عصام کی معلوم ہوتی ہے گو خود اس شخص نے بھی دیکھا نہیں تھا لیکن معتبر لوگوں سے غالباً سنا ہو گا کیونکہ وہیں وہ موجود تھا اس نے کوڑوں کی تعداد بتائی ہے بلکہ اس عدد کو بتاتے ہوئے اس نے فوری طور پر غصہ سے مغلوب ہو جانے کی وجہ خلیفہ کے متعلق بھی بیان کی ہے کہ

جب امام صاحب نے ابو جعفر کو الٹ کر ملزم بنا دیا کہ میری طرف جھوٹ

کو منسوب کر کے تم نے فیصلہ کر دیا کہ میں قاضی بننے کے لائق نہیں ہوں

اس پر ابو جعفر جھلا گیا اور بولا

ان زانیعیا الکلام ربانی کلاماً

یہ شخص بات کو بدلتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ہی

یہ فیصلہ کر دیا یا میں ہی ملزم ہوں۔

عبدالعزیز نے اس کے بعد بیان کیا ہے کہ
لشمتہ و درعالہ بالسیا ط فضریہ
ثلاثین سوطاً ۱۸۱
ابو جعفر امام صاحب کو برا بھلا کہنے لگا اور کوڑا مارا
کر تیش کوڑے لگائے۔

بلکہ عبدالعزیز کے الفاظ کو بلا وجہ مجاز پر اگر محمول نہ کیا جائے۔ تو اس
کے الفاظ کے حقیقی معنے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو جعفر نے تازیانہ پر دازوں سے
امام کو نہیں پٹوایا۔ بلکہ غصہ میں خود ہی چند کوڑے لگائے۔ اگرچہ امام جیسی معظم و
محترم ہستی کے ساتھ اور وہ بھی عمر کے ایسے حصے میں جب وہ ستر سال میں قدم رکھ چکے
تھے۔ بڑی بے رحمی کا کام یہ کیا گیا اس لحاظ سے ابو جعفر کو جو کچھ بھی کہا جائے۔ لیکن
میرے نزدیک اس تازیانے کے قصے کی اصل حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے
شاید لوگوں نے ابن ہبیرہ کے واقعات پر ابو جعفر کے واقعات کو قیاس کر لیا
حالانکہ اس وقت امام کی حیثیت زیادہ تر کوفہ کے ایک کامیاب دولت مند
تاجر سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن ابو جعفر کے زمانے میں تو یہ واقعہ ہے کہ وہ عراق کے
امام مشرق کے فقیہ تھے جیسا کہ اسی روایت میں ابو جعفر کے چچا عبدالصمد نے
ابو جعفر کی اس حرکت کی خبر پانے کے ساتھ ہی اس کو ان ہی الفاظ سے دھسکا یا
بھی جس کا مختلف حیثیتوں سے ذکر گذر چکا ہے۔ اور یہاں اب اس کے اعادے
کی ضرورت نہیں۔

کچھ بھی ہو یہ واقعہ تو گذر گیا۔ اور جس طرح بھی گذرا ہو۔ اسے خدا کے علم
کے حوالہ کیجئے۔ لیکن یہاں دو سوالات اب باقی رہ جاتے ہیں کہ لزبت جب
تازیانہ زنی کے اس واقعہ تک پہنچی تو اس کے بعد پھر کیا ہوا؟ اور اس سے
بھی اہم سوال وہی ہے کہ امام صاحب کے اس قول کا کیا مطلب تھا کہ میں
قاضی بننے کے لائق نہیں ہوں یقیناً ان کی ذات اس سے ارفع و اعلیٰ تھی کہ
خواہ مخواہ غلط بیانی سے کام لیتے خصوصاً ان جیسے دانش مند آدمی سے غالباً یہ
بات پوشیدہ بھی نہ ہوگی کہ ان کے اس جواب کو ابو جعفر کیا کوئی دوسرا آدمی بھی
مشکل ہی سے صحیح تسلیم کر سکتا ہے۔

ان ہی تشریح پر آگندہ روایتوں سے جو باتیں ان دو سوالوں کے جواب میں

میری سمجھ میں آئی، میں انہیں انب پیش کرتا ہوں۔

صرف تازیانہ کے اس واقعہ کے بعد اتنا تو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔ کہ ابو جعفر کے سامنے ہے جب دار الخلافہ کے احاطہ میں امام صاحب لائے گئے تو ابو جعفر کے چچا عبدالصمد نے ابو جعفر کو لعنت ملامت کرنے کے بعد امام صاحب کو کپڑے پہنا کر گھر پہنچا دیا۔ یہ بھی گذر چکا کہ عبدالصمد کے متنبہ کرنے کے بعد ابو جعفر کو بھی اپنی فاش سیاسی غلطی کا احساس ہوا اور باوجودیکہ بے چارا ایک ایک واقعہ کی نگرانی کرتا تھا۔ پھر بھی واقعہ کی اہمیت کا اندازہ کر کے، کہ فی تازیانہ ایک ہزار درہم بطور زبردنیہ ادا کرنے کے لئے وہ تیار ہو گیا۔ عبدالعزیز ہی کی روایت میں یہ جز بھی پایا جاتا ہے آگے بیان کیا ہے کہ ابو جعفر کے حکم سے حساب کر کے تیس ہزار درہم کے نوٹے امام صاحب کے پاس پیش کئے گئے لیکن ظاہر تھا کہ امام صاحب اس کا کیا جواب دیتے۔ شاید اس معاملہ میں ابو جعفر نے امام صاحب کو بھی کچھ اپنے اوپر قیاس کیا اور اسی بنیاد پر یہ نفسیاتی ترکیب اس کی سمجھ میں آئی کہ اس کی تانہ بازی کی اس حرکت کے جو اثرات عام مسلمانوں پر پڑ سکتے ہیں ان کے ازالہ کی یہی شکل ہو سکتی ہے کہ روپیہ کے ذریعہ سے اس کو دھو دیا جائے۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ امام صاحب بھی عذائخواستہ اگر دو اینٹی الفطرت آدمی ہوتے اور اس زبردنیہ کو قبول کر لیتے تو ان کے نصب العین کی تکمیل میں ضرب تازیانہ کے اس واقعہ سے جو قدرتی امداد حاصل ہوئی، وہ قطعاً حاصل نہ ہوتی بلکہ ساری مصیبت انہوں نے اس راہ میں جو اٹھاتی تھی سب رائیگاں ہو کر رہ جاتی

اس سلسلہ میں خود میرا قریب قریب ایک چشم دید واقعہ ہے چند سال ہوتے بہار کے ایک شہر میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں لڑائی ہوتی ہندوؤں کے ہاتھ سے اتفاقاً اس شہر کے مسلمان سشن جج کے صاحبزادے ہٹ گئے۔ مقدمہ جب چکومت میں دائر ہوا تو اس واقعہ نے ہندوؤں کی پوزیشن کو بہت کمزور کر دیا تھا۔ لیکن اس وقت ان کی سمجھ میں یہی دوائی تھی علاج آیا۔ جج صاحب کی خدمت میں لوگ حاضر ہوئے اور عذرو معذرت عدم علم وغیرہ کے بہانے پیش کر کے ان کا عندیہ جو لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ولایت

جہاں تک میرا تہذیب ہے روایتوں میں امام صاحب کی نظربندی کا اور اس بات کا کہ لوگوں سے ان کے متعلق ان امور کا جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ اسی کے بعد کا واقعہ ہے۔

سزا کے بعد مفتی کی جست کی پیش کش اور حضرت امام کا انکار

احمد بن بدیل والی روایت میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ تازیانے کی اس سزا کے بعد امام صاحب کے متعلق ابو جعفر نے یہ حکم دیا کہ

”اچھا تو تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ رخصت نہ سہی الباب یعنی دارالخلافہ کے دروازے پر جا کر قیام کرو اور جس قسم کے احکام تمہارے پاس بھیجے جائیں ان کے متعلق فتوے دیا کرو“

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ

واحد منہ الکفلاء مثلاً امام صاحب سے ابو جعفر نے کفیل ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دربار میں جن لوگوں کو امام ابو حنیفہ سے ہمدردی تھی مثلاً عبدالصمد عباسی ابو جعفر کے چچا یا دوسرے وزراء و امراء جن کے متعلق گذر چکا کہ ابو جعفر سے ابو حنیفہ کے متعلق سفارش کیا کرتے تھے ان کو بلا کر ابو جعفر نے حکم دیا کہ میں دارالخلافہ کے باب دروازے پر قیام کا ان کو حکم دیتا ہوں اور اس بات کی ضمانت کہ یہاں

م جانے کا خرچ اگر ان کے مضروب لڑکے کے لئے ہندو جمع کر دیں تو وہ اپنے لڑکے کے دعوے کو درمیان سے اٹھا لیں گے روپیہ جس کی کافی تعداد تھی سنا گیا کہ بیچ صاحب کی خدمت میں لا کر جمع کر دیا گیا اور اسی روپے سے ان کے مضروب صاحبزادے نے ولایت میں تعلیم حاصل کی لیکن اس کا اثر یہ دیکھا گیا کہ بیچ صاحب اور بیچ صاحب کے لڑکے کے ساتھ مسلمانوں کی جو عام ہمدردیاں تھیں اور ان ہی ہمدیوں نے اس واقعہ میں بہت زیادہ اہمیت پیدا کر دی تھی وہ ساری اہمیت وصل و علا کر ساف ہو گئی بلکہ عام مسلمانوں کے قلوب میں اس مسلمان بیچ کی جانب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہو گئے اسی کا نام میں نے دوائیتی نفسیاتی ترکیب رکھ چھوڑا ہے ۱۲

سے یہ غائب نہ ہوتے پائیں تم لوگوں کو عنایت دینی بڑے گی، ضمانت ٹالنا دے دی گئی، لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ جب دروازے پر لا کر امام صاحب کو بٹھایا گیا۔ اور ابو جعفر نے بعض مسائل امام صاحب کے پاس بھیجے تو انہوں نے قترے دینے سے انکار کر دیا جس پر بات پھر بڑھی۔

جیل کی سزا

لکھا ہے کہ تب ابو جعفر نے امام کو جیل بھیج دینے کا حکم دیا اور یہ کہ ان پر سختی کی جائے اصل الفاظ یہ ہیں۔

و غلظ و ضیق علیہ تضيقات شریک^{۱۳} ان پر سختی کی جائے اور خوب تنگ کیا جائے
واللہ اعلم اس سختی اور تنگی کی عملی شکلیں کیا کیا تھیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے پینے میں تکلیف پہنچائی گئی۔ داؤد بن راشد واسطی کے حوالے سے موثق ہے جو روایت درج کی ہے یہ بیان کرتے ہوئے کہ میں بھی اس زمانہ میں بغداد میں موجود تھا داؤد کہتے تھے کہ
ضیقوالا مر فی الطعام والشراب
والحبس ص ۱۴ ج ۲
کھانے پینے میں امام پر تنگی کی گئی اور قید و بند میں بھی سختی اختیار کی گئی

نظر بندی

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چند دن سے زیادہ امام کو جیل میں نہ رہنا پڑا کیوں کہ لکھا ہے۔

کلم و ذراغ امیر المومنین و خاصته
بان یفراجہ من السجن فی منزل
امیر المومنین کے وزراء اور خاص لوگوں نے ابو جعفر سے امام کے مسئلہ میں گفتگو کر کے اس پر راضی کیا کہ قید خانے سے اُن کو نکال لیا جائے اور کسی خانہ بیکان میں رکھا جائے۔

مطلب وہی تھا کہ ایک طرف امام صاحب قضا کی خدمت کو قبول کر کے جیسے کسی طرح اپنی عمر بھر کی محنت کے رائگاں اور برباد کر دے پر آئادہ نہ تھے اسی طرح

ابو جعفر بھی اپنی حکومت کی راہ کے سب سے بڑے کاٹنے کو آزاد چھوڑ کر رکھنا نہیں چاہتا تھا، سعی و سفارش کا صرف اتنا اثر اس نے لیا کہ ہوائے جیل کے کسی مکان میں نظر بند کرنے کا حکم دیا اسی کے بعد لکھا ہے کہ

”اس مکان میں منتقلی کا حکم دیتے ہوئے ابو جعفر نے بھی اس کا حکم

دیا کہ نہ تو امام کے پاس فتوے وغیرہ پوچھنے کے لئے لوگوں کو آنے

دیا جائے اور نہ کسی کو ان کے پاس بیٹھنے کی اجازت ہوگی اور یہ

کہ اس مکان سے وہ باہر بھی نہیں نکل سکتے ہیں“ ص ۱۸۷ ج ۲

گویا دنیا کو امام سے اور امام کو دنیا سے حکومت سے الگ کر دیا بعض روایات

سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں ابو جعفر امام کے پاس درگاہ و قلعہ سے اپنے اس

پیغام کو لے کر بھیجا بھی کرتا تھا کہ

ان اجبت لا خراجک من الحبس اگر میری بات تم اب بھی مان لو تو قید سے آزاد

کر کے تمہیں سرفرازی بخشی جائے گی۔

ولا کر ماک ص ۱۸۶

رضافہ کی خدمت قضا کی قبولیت

یہ روایت عبدالرحمن بن مالک کی ہے اسی کے بعد ہے کہ امام بہر حال شدت

کے ساتھ انکار ہی پر اصرار کرتے رہے عام طور پر لوگوں کا بیان ہے کہ اسی حال میں

امام صاحب کا انتقال ہو گیا۔ لیکن عباس دوری کے حوالہ سے ایک روایت اسی سلسلہ

میں امام کے سوانح نگاروں کو ہم نقل کرتے ہوئے پاتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے

کہ نظر بند ہی کے ان ہی دنوں میں ابو جعفر کی طرف سے امام کو بھانسنے بھجوانے کے

لئے جو آیا کرتے تھے انھوں نے آخر ایک دفعہ امام کو آمادہ کر لیا کہ اس مصیبت کو

آپ کب تک بھیلے رہیں گے خلیفہ بر سرِ ضرر آما وہ سبہ قسم کھا چکا ہے جب تک

اس کی شدت کی تکمیل نہ ہوگی۔ وہ آپ کو نہیں چھوڑے گا اس کے بعد ان لوگوں نے

جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید امام صاحب کی سمجھ میں اس

وقت ایک بات آگئی۔ یعنی غایبہ کی قسم اور شدت بھی پوری ہو جائے اور ملازمت

کو قبول کرنے میں اس کا جو خطرہ تھا کہ ان کی ساری کوششوں کا حاصل یہی

سمجھا جائے گا کہ یہ ساری کشمکش حکومت میں ایک بڑے عہدے کے حاصل کرنے کے لئے تھی اس خطرہ کا بھی احتمال نہ پیدا ہو کہتے ہیں کہ امام کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ خاص دارالخلافہ میں تو نہیں القبتہ وجلبہ کے اس پار ایک چھوٹی سی آبادی کی بنیاد جو پڑ رہی تھی جو بعد کو ابو جعفر کے بیٹے مہدی کا فوجی کیمپ قرار پایا اور "رضافہ" کے نام سے ایک مستقل شہر بن گیا تھا۔ اسی بیرونی آبادی کی قضا کی خدمت اختیار کر کے میں خلیفہ کی قسم کو پوری کر دیتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنی شدید کشمکش اور مقابلہ کے بعد امام کا اگر اس چھوٹی موٹی خدمت کے قبول کر لینے پر آمادہ ہو جانا اس وقت بہت بڑی بات سمجھی گئی ہوگی ابو جعفر کو ان کی رضا مندی کی خبر پہنچائی گئی۔ بہت خوش ہوا اور اس نے حکم دیا کہ اچھا اسی آبادی کے وہ قاضی مقرر کئے جاتے ہیں امام کو نظر بندی والے

نہ یہ میری اپنی تعبیر ہے ورنہ روایت میں تو "رضافہ" ہی کا ذکر ہے تعبیر کے بدلنے کی وجہ یہ ہوئی کہ فوجی چھاؤنی قرار پانے کے بعد "رضافہ" کے نام سے ایک مستقل شہر بغداد کے مقابلہ میں جو قائم ہوا تو جیسا کہ عام مورخین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۱۵۷ھ ہجری کا ہے جب مہدی خراسان سے واپس آیا ہے اور بظاہر ہے کہ امام صاحب کی وفات اس سے ایک سال پہلے ۱۵۷ھ میں ہی ہو چکی تھی میرا خیال ہے کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو جہاں پر "رضافہ" آباد ہوا اسی جگہ کی کسی چھوٹی آبادی کی خدمت قضا امام صاحب نے قبول کی تھی یہ جو کہا جاتا ہے کہ دو دن تک کوئی مقدمہ ہی پیش نہ ہوا اور تیسرے دن پیش ہوا بھی تو ایک ٹھیسرے کا مقدمہ دعویٰ بھی دو درم چار پیسوں کا یعنی ایک روپیہ سے بھی کم کا اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت امام صاحب اس مقام میں جا کر بیٹھے ہیں اس کی حیثیت بالکل معمولی آبادی کی ہوگی بے چارے ادنیٰ درجے کے غریب اور غیر وہاں رہتے ہوں گے امام نے اس کو پسند بھی اسی لئے کیا تھا کہ ایسے مقام کی قضا رت کی خدمت پر وہ شبہ نہیں ہو سکتا جو قاضی القضاۃ یا کسی بڑے اہم شہر کے قاضی ہونے پر کیا جاسکتا ہے یہ ممکن تھا کہ بجائے اس آبادی کے اور بھی بیسیوں کس میں اس آبادی ایسی ہو سکتی تھی لیکن ابو جعفر ان کو جانے کب دیتا وہ اپنے سامنے اپنی نگرانی میں ان کو رکھنا چاہتا تھا ۱۲

مکان سے نجات ملی اور وہ جہاں اس پر جہاں وہ آبادی تھی پہنچے۔

حضرت امام کی عدالت میں مقدمہ

اب یہیں سے سننے کا قصہ ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ دو دن تک تو کوئی مقدمہ ہی دائر نہیں ہوا۔ تیسرے دن ایک غریب ٹھٹھیرا (صغار) ایک آدمی کے ساتھ امام صاحب کے سامنے آیا اور دعویٰ کیا کہ اس شخص پر میرے دو درم اور چار پیسے باقی ہیں میں نے اس کو پتیل کی ایک ٹھلیا دی تھی جس کی قیمت میں سے اتنے دام باقی رہ گئے ہیں، امام صاحب نے ٹھٹھیرے کے مدعی علیہ کو خطاب کر کے کہنا شروع کیا کہ

”بھائی اللہ سے ڈر ٹھٹھیرا جو کچھ کہہ رہا ہے بتا کہ واقعہ کیا ہے“

مدعی علیہ نے صاف انکار کر دیا اور بولا کہ مجھ پر اس کا حتبہ بھی باقی نہیں ہے چونکہ مدعی کے پاس کوئی شہادت اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے نہ تھی تو جیسا کہ قاعدہ ہے اسلامی قانون کی رو سے مدعی کو حق دیا گیا ہے کہ وہ مدعی علیہ سے قسم لے، ٹھٹھیرے نے امام صاحب سے کہا کہ اس شخص سے قسم لیجئے۔ قسم لینے کا جو قانونی طریقہ ہے اسی کو اختیار فرماتے ہوئے امام نے مدعی علیہ کو مخاطب کر کے کہا

قل واللہ الذی لا الہ الاہو کہ اچھا کہو قسم ہے اُس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے

ادھر امام صاحب کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ سننے کے ساتھ ہی آنکھوں نے دیکھا کہ مدعی علیہ نے بغیر کسی جھجک کے بے تحاشا بغیر کسی تردد و دغدغہ اور جھجک کے وہ قسم کھانے لگا۔ ایمان کی جس حسی ذکاوت سے ان کی فطرت سرفراز تھی قسم کھانے والے کی یہ دلیری اور جرأت ان کے لئے ناقابلِ برداشت بن گئی۔ لکھا ہے کہ ابھی اس کے الفاظ پورے بھی نہیں ہوئے تھے کہ درمیان میں بات کو کاٹ کر اس کو امام صاحب نے چپ کر دیا۔ دیکھا گیا کہ اپنی آستین سے کچھ چیز نکال رہے ہیں۔ ایک دستی بیگ تھا جس میں کچھ درم پڑے ہوئے تھے بیگ کو کھول کر امام صاحب نے دو بھاری بھاری درم نکالے اور ٹھٹھیرے کی طرف مخاطب ہو کر

فسر مایا کہ

اپنے دام کے جس بقایا کا دعویٰ تم نے اس پر کیا ہے لو مجھ سے
لے لوٹ

اور اس ترکیب سے مدعی علیہ کو جو بے محابا حق تعالیٰ و سبحانہ کے نام سے
قسم کھا رہا تھا، آپ نے قسم کھانے سے روک دیا۔ ساری زندگی میں کسی مقدمہ
کے تختہ پر کا یہی ایک موقعہ تھا، جو ان کو ملا، میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ روایت
کس حد تک درست ہے۔ لیکن اگر واقعہ ہے تو شاید یہ قدرت کی طرف سے
بات تھی کہ اپنے متعلق بار بار باعہر تمام ابو جعفر کے سامنے یہ جو فرماتے تھے کہ
میں قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس دعوے کے ثبوت میں ایک عملی دلیل
گو یا مہیا ہو گئی۔

میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ عدم صلاحیت کا یہ دعویٰ یقیناً کسی واقعہ پر
بنی تھا۔ اپنے حال سے وہ خود واقف تھے۔ غالباً ان کے ایمان کی یہی حسّی
ذکاوت سب سے بڑی روک تھی۔ جس کی طرف وہ اشارہ کر رہے تھے جانتے
تھے کہ قانون کا سمجھنا، قانون کا واقعہ پر منطبق کرنا، یہ سارے کام تو میں کر سکتا
ہوں، لیکن اس کا یقین کیسے حاصل کر سکتا ہوں کہ مدعی یا مدعی علیہ جو کچھ کہہ
رہے ہیں اس میں اصل واقعہ کیا ہے، عرض کر چکا ہوں کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے
کہ پیغمبر تک نے اعلان کر دیا کہ میرے فیصلہ سے کسی کو دھوکہ نہ کھانا چاہیے کہ میں
نے واقعہ کے مطابق جو واقعی حق وار ہے اسی کو حق دلا یا ہے۔ ایسی صورت میں
وہ سمجھتے تھے کہ بہت سی باتیں ایسی پیش آئیں گی جنہیں میری فطرت برداشت
نہیں کر سکتی، جیسے یہی صورت آپ دیکھ رہے ہیں کہ قسم کے پورے الفاظ کا سننا
بھی ان کے لئے قابل تحمل نہ رہا اور اپنی جیب سے دام نکال کر قے کو آپ نے
ختم فرما دیا۔

اس قسم کے اکابر میں بعض ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن کا صحیح اندازہ ہم جیسے عوامی
لوگوں کو ہو بھی نہیں سکتا۔ ٹھیک ہے جیسے یہ امام ابو حنیفہ کا قصہ ہے کہ دنیا کے بڑے

حضرت امام کی وفات

عباس وری کی اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قضا کی اس خدمت کے تین دن تو اس حال میں گزرے، دو دن یہ سلسلہ اور بھی جاری رہا مگر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پہلے دو دنوں میں کوئی مقدمہ نہیں آیا تھا ان باقی دو دنوں میں بھی نہ آیا کہ عباس کے الفاظ اس کے بعد یہ ہیں کہ :-

فلما کان بعد یومین اشتکی
ابو حنیفہ فمرض ستة ايام ثم
مات سنہ ۱۴۹ ج ۲

دو دن کے بعد امام ابو حنیفہ بیمار ہوئے
اور چھ دن بیمار رہے پھر آپ کی وفات
ہو گئی۔

بقیہ فٹ نوٹ ص ۴۲
بڑے مقننین کی صفِ اول کے آدمی ہیں۔ لیکن قانون کے عملی استعمال سے اپنے آپ کو وہ معذور پاتے تھے جس کا اعتبار مشکل ہی سے کوئی دوسرا آدمی کر سکتا ہے ابو جعفر کی حد سے زیادہ برہمی کی وجہ بھی اُن کا یہی دعوئی بن گیا۔ ٹھیک جیسے امام ابو حنیفہ کا یہ حال تھا۔ امام مالک کی طرف بھی کتابوں میں ایک عجیب بات منسوب کی گئی ہے۔ یعنی وفات سے کچھ دن پہلے ان پر ایک خاص حال طاری ہو گیا تھا کہتے ہیں کہ آخر میں انھوں نے مسجد آنا ترک کر دیا تھا، نہ روز کی جماعتوں میں شریک ہوتے تھے اور نہ جمعہ میں بلکہ جنازے تک کی نماز آپ نے ترک کر دی تھی۔ لوگ جب وجہ پوچھتے تو جواب میں صرف اس قدر فرما دیتے کہ ہر شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ اپنے غم کو لوگوں سے بیان کرے حالانکہ آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ روایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہر شب میں نصیب ہوتی تھی اور اُن کی جلالتِ شان کا کون انکار کر سکتا ہے مگر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ سنت کی اشاعت میں جس کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔ وہی جماعت جیسی سنت ہو کدہ کی پابندی سے معذور ہو گیا تھا۔ پھر کہا تعجب کہ مسلمانوں کا جو سب سے بڑا مقنن تھا۔ قانون کے استعمال سے اپنے آپ کو عاجز پاتا تھا اور یہ وجہ جو میں نے پیش کی ہے۔ اتفاقاً معلوم ہو گئی ہے کون کہہ سکتا ہے کہ قضا کی عدم صلاحیت کا دعویٰ کن کن باتوں پر بنی تھا واللہ اعلم ۱۲

عباس دوری کا شمار معتبر ترین روایت حدیث میں ہے ان خوش قسمت راویوں میں ہیں جن پر ائمہ نقدِ جہاں میں سے کسی نے کسی قسم کی کوئی تنقید نہیں کی ہے۔ سب اُن کی صداقت لہجہ پر متفق ہیں۔ اس روایت کو بیان کرتے ہوئے وہ کہا کرتے تھے کہ حدیثِ ثنائی یعنی کسی ایک آدمی سے سُن کر اس روایت کو نہیں بیان کرتے تھے۔ بلکہ جماعت سے یہ خبر امام ابو حنیفہ کے متعلق آنکھوں نے سنی تھی۔

وفات کے اسباب

بہر حال اُن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی وفات مرض میں مبتلا ہونے کے بعد ہوئی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ زیادہ تر قرینہ عقل و قیاس بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں ابو جعفر خلیفہ کی برأت کرنا چاہتا ہوں۔ آخر اس کا ماننا تو بہر حال ضروری ہے کہ ابو جعفر نے امام کو کوڑے لگائے، خیال کرنے کی بات ہے امام صاحب کی زندگی علمی زندگی تھی۔ عمر بھی ستر کے قریب پہنچ چکی تھی، ایک دو نہیں بلکہ غصہ میں تیس کوڑے سے آپ کا مار کھانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اگر اسی ضرب کا بھی آپ پر اثر ہوا ہو۔ نیز جیل خانے میں کھانے پینے کی جو تکلیف آپ کو دی گئی۔ اور جو سختیاں آپ پر کی گئیں۔ مجموعی طور پر ان ہی چیزوں نے آپ کو بیمار ڈال دیا ہو تو اس میں کیا تعجب ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ ان ہی بیان کرنے والوں میں سے بعضوں نے جو یہ بیان کیا ہے کہ ابو جعفر کی اس وار دگیر شد دو جبر سے بیمار ہو کر امام صاحب رویا کرتے تھے اور

اور بہت زیادہ دعا کرنے لگے

اکثر الدعاء ص ۱۸۲ ج ۲

کس چیز کی دعا کرنے لگے؟ گو اس کی تصریح نہیں کی گئی، لیکن راوی کا اسی

کے بعد یہ بیان کہ

پس نہ ٹھہرے اس کے بعد لیکن چند روز

قلم یلیث الایسیراً حتی مات

تا ایں کہ وفات ہو گئی

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو صورت پیش آتی شاید اسی کی دعا میں زور لگا دیا گیا تھا۔ یا یوں سمجھئے کہ ظالم کے پنجے سے نجات کی دعا کرتے ہوں گے اور موت ہی کو قدرت نے اُن کی نجات کا ذریعہ بنا دیا۔
 لکھا ہے کہ امام کو اپنی موت کا جب یقین ہو گیا تو سجدے میں چلے گئے اور اسی حال میں ان کی جان جانِ آخرین کے پاس واپس ہو گئی۔

غسل

یہ شہ جبری کے شعبان یا شوال یا جیسا کہ اکثروں نے لکھا ہے رجب کا مہینہ تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں امام کے صاحبزادے حماد جن کے سوا ان کی اور کوئی اولاد نہ تھی بغداد پہنچ گئے تھے۔ وفات کی خبر شروع میں چند خاص لوگوں میں مثلاً شہر کے قاضی حسن بن عمارہ وغیرہ تک محدود تھی

سے امام بخاری کے ساتھ جب بخارا کے حاکم نے اسی قسم کا ظلم و تشدد شروع کیا۔ اور تنگ آکر بخارے آپ سمرقند کے ایک قصبہ خرتنگ اپنے بعض اعزہ کے پاس چلے گئے راوی کا بیان ہے کہ ان ہی دنوں میں جب وہ خرتنگ میں تھے عشاء کی نماز کے بعد میں نے دیکھا کہ ان پر ایک حال طاری ہے، ہاتھ اٹھائے ہوئے فرمانہ ہے میں کہ پروردگار! میں اپنی ساری وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکی ہے۔ پس پروردگار! اب اپنے پاس مجھے بلا بیعتہ " کہتے ہیں کہ مہینہ بھی پورا ہوئے نہ پایا کہ اسی قریہ میں امام بخاری کی وفات ہو گئی ۱۲

۱۳ء موفق نے اس روایت کو کتاب التفسیرین سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس سند سے یہ روایت نقل کی گئی ہے موتی کی لڑی ہے یعنی بڑے بڑے معتبر ثقہ روایت ہیں۔ مگر تعجب اس پر کیا ہے کہ سب کے سب شافعی المذہب حضرات ہیں پھر شکریہ ادا کیا ہے کہ خود حنفیوں کی کتابوں میں یہ روایت نہیں پائی جاتی ہے۔ لیکن امام رحمۃ اللہ علیہ کی موت کی یہ خصوصی کیفیت ان ہی شافعی علماء کے ذریعہ سے ہم لوگوں تک پہنچی فجزاھم اللہ احسن الجہماء ۱۵ء موفق

۱۶ء حسن بن عمارہ کا ذکر مختلف مقامات پر لگتا ہے یہی صاحب جن کے قول کی تصحیح کرتے ہوئے بھری مجلس میں امام ابوحنیفہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا یہ ابوحنیفہ بنصور کے مہدی ہیں

عبداللہ بن واقد کا بیان ہے کہ غسل کا پانی میں ہی ڈال رہا تھا اور قاضی حسن بن عمارہ امام کو غسل دے رہے تھے۔ کپڑوں کے اٹارنے کے بعد امام کے جسم پر مجاہدات کے جوشانات تھے اُن کو دیکھ کر سب روپڑے۔ قاضی صاحب نہلاتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔

جنازہ پر لوگوں کا ہجوم

جنازہ بھی جس وقت اُٹھا ہے تو بعض دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ابتداء میں چار پانچ آدمی سے زیادہ نہ تھے، وہی صاحب کہتے ہیں کہ خراسانی دروازے کے طاقوں سے ہم گزر رہے تھے۔ اچانک ایسا معلوم ہوا کہ سارے شہر میں کسی نے بجلی دوڑا دی، یہ سننے کے ساتھ ہی کہ امام ابو حنیفہ کا جنازہ جارہا ہے۔ وہاں تھا۔ جس حال میں تھا وہیں سے پلٹا اور جنازے کی شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے شریک ہو گیا۔ پُل کے پاس کے دروازے کے پاس پہنچتے پہنچتے لوگوں کے اثر و ہام اور بھیمیر کا یہ حال ہوا کہ عصر کے بعد بھی یہ مشکل جنازے کی نماز سے فراغت ہوئی۔ اس روایت کا تذکرہ تو گزر ہی چکا کہ چھ دفعہ امام کے جنازے کی نماز

بیشک قبل از صبح ۴
خاص بغداد کے قاضی تھے۔ بڑے جوان اور سخی تھے۔ ان کے متعلق ابو جعفر کا ایک دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ عہد ہی جو ابو جعفر کے بعد عباسی خلیفہ ہے اپنی نوجوانی کے زمانہ میں مقاتل بن سلیمان کو زیادہ پسند کیا کرتا تھا۔ دراصل مقاتل افسانہ گو تھا ابو جعفر کو خبر ہوئی تو بیٹے کو بلا کر سمجھایا کہ قصے کہانیوں سے تمہیں اپنی آئندہ زندگی میں کام نہیں پڑے گا، اگر اپنی حکومت کے عہد میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو حسن بن عمارہ سے فقہ سیکھو اور محمد بن اسحاق سے سیر و معازی کے واقعات کا علم حاصل کرو، اس سے اس زمانہ کے خلفاء کے علمی رجحانات اور تعلیمی نقطہ نظر کا پتہ چلتا ہے۔ مگر کیا کیجئے کہ نوجوانی کے دلاں میں آدمی کو مقانلیات یعنی افسانوں کے پڑھنے پڑھانے کا شوق ہوتا ہے پہلے بھی یہی تھا اب بھی ہے۔ صرف نام بدل جاتے ہیں۔ آج ناول اور افسانے "دنیویہ کے ناموں سے ان ہی گہر کی جو جوان زیادہ شوق سے پڑھتے ہیں ۱۲

پڑھی گئی اور جتنے آدمیوں نے نماز پڑھی ان کا جب اندازہ کیا گیا تو
بلغ خمسين الفاذا اکثر من ثمان مائے چار یا اس سے بھی زیادہ تعداد ان کی
ثابت ہوئی

خیر یہ تو امام اور ان کے جنازے کا حال تھا۔ لیکن اب آئیے اور دیکھئے ابو جعفر
خلیفہ کا کیا حال ہے شاید یہ اسی وقت کی روایت ہے جب چاروں طرف سے
سمٹ سمٹ کر امام کے جنازے میں لوگ شریک ہو چکے تھے اور جیسا کہ ابو جعفر الہروی
کا بیان ہے کہ

لم اربا کیا اکثر من مائے اسی زیادہ آدمیوں کو روتے ہوئے میں
پہنچا ہوا ہوں نے نہیں دیکھا تھا

تدفین

یہی مدوناک منظر تھا جو عاشق کا جنازہ پیش کر رہا تھا کہتے ہیں کہ زمین کے جس
مبارک قطعہ کو امام کی خواب گاہ ہوئے کثرت حاصل ہوئے خلیفہ کو معلوم ہوا کہ اسی زمین
میں دفن کیے گئے امام نے وصیت کی تھی۔ ان کا خیال نقل کیا گیا کہ اسی زمین کو وہ پاک
زمین سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ بغداد جس قطعہ اراضی پر آباد کیا گیا ہے وہ غصباً
رسمہ دستی حاصل کیا گیا ہے۔

میں نے پہلے بھی کہیں نقل کیا ہے کہ امام کی اس وصیت کی خبر ابو جعفر خلیفہ کو
جب پہنچائی گئی تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

۱۔ اگرچہ امام صاحب کے متعدد سوانح نگاروں نے یہ روایت ان کی طرف منسوب کی
ہے، لیکن البلاذری نے مدینۃ السلام کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مدینۃ السلام
کی زمین ابو جعفر نے مختلف دیہاتوں کے باشندوں سے خریدی تھیں ص ۳۰۳ بلاذری الیسی
صورت میں امام کی روایت کا مطلب شاید یہ ہو سکتا ہے کہ دام حکومت کی طرف سے
اداکئے گئے ہوں لیکن مالکان زمین کی رضامندی شاید بیچنے میں شریک تھی غصب کا ایک مطلب
یہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ تو اس وقت تک ان حکومتوں میں بھی مروج ہے جن کا دعویٰ ہے کہ ان سے پہلے
انصاف و عدالت کے نقطہ سے بھی دنیا راقف نہ تھی ۱۲

مِنْ لَیْلٍ رَیّ مَندًا حَیًّا وَ مَیِّتًا۔ مجھے ابو حنیفہ کے سامنے کون معذور ٹھہرا سکتا
 ص ۱۸ ج ۲ ہے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔

اور بے چارے پہ کہتا تھا: یہی ایک واقعہ کیا، اور اسی وقت کیا، امام کی وفات
 کی اس خاص نوعیت نے ابو جعفر ہی کے لئے نہیں بلکہ حکومت عباسیہ کے لئے
 ایک مستقل مسئلہ کی شکل اختیار کر لی، حسین کا قتل جیسے ہمیشہ یزید کے مرگ کا
 پیغام بن جاتا ہے، تاریخ پھر اسی واقعہ کو دہرا رہی تھی کون اندازہ کر سکتا ہے
 ابو جعفر کی اندونی سوزشوں اور پریشانیوں کا اولہم و دوسواس کے بادل شور و پیکار کے
 اس طوفان سے جو چالیس پچاس ہزار انسانوں کی بھڑے اٹھ اٹھ کر خلیفہ کے دل پر
 چھائے چلے جاتے ہوں گے وہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ جنہیں کبھی اس حال سے
 دو چار ہونا پڑے ایک لاکھ انسانوں کے ہاتھوں میں کھینچی ہوئی تلواروں کا جو نقشہ
 ابو جعفر کے تجربہ کار بوڑھے چچا عبدالصمد نے کھینچ کر دکھایا تھا تو کون کہہ سکتا ہے کہ
 امام کا جنازہ اس شان و شوکت کے ساتھ جب مقبرہ خیزران کی طرف جا رہا تھا تو
 نقشہ نقشہ نہیں بلکہ واقعی میں وہ شمشیر ابو جعفر کے دل و دماغ میں نہیں چمک رہی تھیں؟
 عباسی تخت پر ابو جعفر کے بعد خلیفہ بن کر جو بیٹھا یعنی مہدی سفیان
 ثوری کے قے میں رہے کو دانتے ہوئے اس نے جو کہا تھا یہ تو وہ
 لوگ ہیں جو موت کی سعادت حاصل کر کے ہماری شقاوت اور
 کور بخشی میں افسانہ کرنا چاہتے ہیں۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ امام کی وفات نے مہدی کے باپ ابو جعفر کی
 قسمت پر شقاوت کی مہر جو لگادی تھی اسی کے مشابہے نے شاید اس خیال
 کو مہدی میں پیدا کیا تھا۔

حضرت امام کی وفات کے اسباب پر بحث

اسی سے اندازہ کیجئے کہ امام کی "موت" جو ظاہر ہے کہ ایک ہی موت تھی، اور ایک
 ہی دفعہ واقع ہوئی تھی۔ لیکن کیسے واقع ہوئی کیوں واقع ہوئی؟ اسی زمانہ میں
 معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں روایتیں مشہور کرنے والوں نے عوام میں پھیلا دی تھیں

میں نے تو عباس دور کی روایت پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی کو نقل کر دیا ہے لیکن جیسا کہ موفق نے لکھا ہے کہ

ثم اختلفوا بعد ذلك فمنهم من
بقول مات من الضرب وبعضهم
قالوا سقى السم ص ۱۹ ج ۲
پھر لوگوں میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ
مارے امام کی وفات ہو گئی اور بعض کہتے ہیں
کہ امام کو زہر پلایا گیا تھا۔

اور یہ اختلافات تو کیوں کے جواب میں یعنی اسباب موت میں تھے۔ باقی یہ
سوال کہ موت کیسے واقع ہوئی؟ اس کے جوابوں کا جو ذخیرہ ہے وہ صحیح ہوں 'یا غلط'
لیکن عوام کے جذبات کا ان سے ضرور اندازہ ہوتا ہے۔ منسوب کرنے والوں نے تو ابو جعفر
کی طرف یہاں تک منسوب کیا ہے کہ

"ابو جعفر نے بلا کر امام صاحب کی طرف ایک پیالہ بڑھا یا جس میں
زہر تھا اور اُس کے پینے کا حکم دیا۔ امام نے کہا کہ میں نہیں پیوں گا۔
اس پر ابو جعفر نے اصرار سے کہا کہ پینا پڑے گا، الغرض وہ انکار
کرتے جاتے تھے اور خلیفہ کا اصرار پلانے پر اسی نسبت سے بڑھتا
چلا گیا آخر میں امام نے کہا مجھے معلوم ہے کہ اس پیالے میں کیا
ہے میں اپنی خودکشی پر مدد نہیں کروں گا۔ تب امام صاحب پٹکے
گئے اور اُن کے منہ کو زبردستی کھول کر زہر کے گھونٹ کو ابو جعفر
نے حلق میں اتار دیا۔"

اور قصہ اسی پر ختم نہیں ہو گیا ہے راوی کا بیان ہے کہ
"امام اس کے بعد اٹھ بیٹھے اور جانے کے لئے کھڑے ہوئے تب
خلیفہ نے کہا کہ چلے کہاں؟ امام نے فرمایا کہ جہاں تم مجھے بھیجنا
چاہتے ہو۔"

اصل حقیقت سے تو عالم الغیوب کے سوا اور کون آگاہ ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے تو
بے چارے ابو جعفر پر رحم آتا ہے یہ خبریں اس کے کالوں تک جب پہنچتی ہوں گی یعنی
مسلمانوں میں یہ خیالات پھیلے ہوئے ہیں کہ میں نے عراق کے فقیہ اور مشرق کے امام
کو پٹک کر زہر کا پیالہ زبردستی منہ چیر کر پلایا اور اسی زہر سے وہ مر گئے، سوچئے تو

اس کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ اور ایک یہ نہ رہی کیا؟ کچھ دیر پہلے تازیانہ کے قلعے کی
 بو قلمونیوں کا ذکر بھی تو گذر چکا ہے۔ جیل جانے سے روزانہ دس دن تک باہر نکالاجانا
 کپڑے اتر کر ساری مخلوق کے سامنے سر پر کوڑوں کی بادشہی کوڑے پڑتے جاتے ہیں
 اور امام روتے جاتے ہیں، خون بہہ رہا ہے، بلکہ ان ہی حاشیوں میں خوارزم کی کتاب
 کا ایک حاشیہ وہ بھی تو تھا جس میں کوڑے کی مار اور زہر خورانی دونوں جسامت
 کو ابو جعفر کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ نکتہ بھی پیدا کیا گیا تھا کہ سارے جسم میں
 زہر کے اثر کو پھیلانے کے لئے جسم کے ہر حصہ پر کوڑے لگائے جاتے تھے تاکہ خون کے
 ساتھ مل کر ہر جگہ زہر پھیل جائے۔ بجائے خود یہ قلعے جیسے کچھ ہیں ظاہر ہے۔ لیکن جن
 جن راویوں کی طرف منسوب کر کے کتابوں میں لوگوں نے ان کو نقل کیا ہے۔ عموماً ان
 میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو امام کی وفات کے زمانے میں یا اس زمانے سے قریب
 زمانے میں پائے جاتے تھے جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابو جعفر
 کی زندگی ہی میں ان واقعات کا انتساب اس کی طرف ہو چکا تھا غویب ابو جعفر
 امام کو اپنے دام میں پھنسانا چاہتا تھا۔ لیکن ان مسومات کے بعد جس پیکڑے
 میں خود اپنے آپ اپنی آل و اولاد کو اپنی حکومت کو جکڑا ہوا پاتا ہوگا۔ اُس کا اندازہ
 ہم یا آپ شاید بھیج طور پر کر بھی نہیں سکتے تاریخ کی عام کتابوں میں اس
 قسم کے واقعات جو نقل کئے جاتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا جس سال انتقال ہوا۔
 اسی کے کچھ دن بعد ابو جعفر نے ایک خاموش سفر حج کا اس طور پر کیا کہ اچانک
 لوگوں نے دیکھا کہ خلیفہ کوفہ پہنچا ہوا ہے، کوفہ کے گورنر تک کو ابو جعفر کی آمد
 کی خبر اس وقت ہوئی جب شہر کے سواد میں وہ پہنچ چکا تھا۔ پھر اسی کے
 بعد خاص ترکیب سے کوفہ کی صحیح مردم شماری سے واقفیت حاصل کرنا اور
 ان ہی دنوں میں سفیان ثوری عباد بن کثیر ابن جریج جیسے ائمہ کبار کو
 گزرتا کرانا اگرچہ ان واقعات کا ابو حنیفہ کی موت سے کوئی تعلق نہیں بیان
 کیا گیا ہے۔ لیکن نہ بیان کرنا کسی چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔
 بہر حال کچھ بھی ہو جیسے ایک طرف خلیفہ کی شقاوتوں میں شقاوتوں کا
 اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ بے چارے نے جو کچھ کیا تھا، وہ تو خیر کیا ہی تھا۔

لیکن رنگ آمیزیوں اور حاشیہ آرائیوں کا جو طوفان اس کے بعد اٹھا تھا وہ اس کی رسوائیوں پر رسوائیوں کی تہ پر تہ جماتے چلے جاتے تھے۔ اور سر اس کا تو یہ حال تھا اور دوسری طرف یہ قدرتی بات تھی کہ امام کی احترامی سعادتوں کا اضافہ اسی نسبت سے ہوتا چلا جائے، سو ہر بات تھا۔

کش مکش کی اس راہ میں امام کی جن قربانیوں کا تماشا مسلسل دنیا کر رہی تھی۔ یقیناً ان کی قیمت ضائع نہیں ہو سکتی۔ آخر بادشاہی کے سوا اور کون سی چیز تھی جس کا لقبہ امام کے سامنے نہیں پیش کیا گیا۔ لیکن

پنجہ با پنجہ خدا ہے زدہ

ہر چہ ادریست پشت پائے زدہ

کی ٹھوکروں سے حکومت کے مقابلہ میں گول پر گول جو وہ کرتے چلے گئے تھے بے کسی اور شہادت کی اس موت نے یقیناً اس میں چار چاند لگا دیتے۔ کہتے ہیں کہ قاضی حسن بن عمارہ امام کو غسل دیتے ہوئے دوسری باتوں کے ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے۔

الاعتبر من بعدك و فضحت
القراء
۱۴۳
۲ ج
اپنے بعد کو لوگوں کو بڑی مسیبت میں تم
نے مبتلا کر دیا۔ اہل علم کو تم نے رسوا کر دیا۔
مطلب قاضی صاحب کا وہی تھا کہ علم کے خصوصاً علم دین کے صحیح تقاضوں
کی تکمیل میں جو عملی نمونے چھوڑ کر دنیا میں تم گئے، دوسروں سے اس کی نباہ شکل
ہی ہوگی تمہارے مقابلے میں سب کا چسراغ ٹل ہو گیا، سر اٹھانے کی گنجائش
علماء کے لئے باقی نہیں رہی؛

اور صورت حال بھی کچھ ایسی ہی ہے اسلامی تاریخ کا دامن بھدا اللہ گودین کی
راہوں کی قربانیوں سے خالی نہیں ہے شاید ہی کوئی صدی ایسی گزری ہے جس میں
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و دین کے محافظوں کی طرف سے جب ضرورت
پیش آئی ہے۔ استقامت و استقلال صبر و ثبات کے ہیبت نواز نہیں پیش ہوئے
ہیں، ان ہی دنوں میں مجھ ہی سے امام مالک سفیان ثوری وغیرہ حضرات کی
قربانیوں کا اجمالاً ذکر سن چکے ہیں یا امام کے کچھ ہی دن بعد امام احمد بن

ہنبل امام شافعی وغیرہ ائمہ کبار میں سے کون ہے جو اسی قسم کی آزمائش کی بھٹیوں سے گھڑا ہو کر نہیں نکلا ہے؟ لیکن مجموعی طور پر سوچتے ان حضرات کو مصائب ضرور برداشت کرنے پڑے اور سخت سے سخت جگرگداز روح گسل مصائب لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا بھٹیوں میں جاتے کے بعد وہ باہر نکل آتے لیکن آزمائشوں کی اسی راہ میں جان بھی دے دی گئی ہو ایسی صورت ان حضرات کے ساتھ نہیں پیش آئی۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ لاہوت اس کی بھی اگر آجاتی تو انشاء اللہ ان میں سے کسی کا قدم پیچھے نہ ہٹتا، تاہم فرق ہے کہ گزرنے میں اور کرگزارنے کی توقع میں۔

خود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو انتقامت و ثبات کی اس راہ کے بھی بڑے امام ہیں اسماعیل بن سالم بغدادی کی روایت ہے کہ امام اپنی آزمائش سے گزرنے کے بعد امام احمد کو میں دیکھتا تھا کہ امام ابو حنیفہ کی آخر زندگی کے ان نشاندہ کا جب تذکرہ فرماتے تو رو دیتے اور امام کے لئے دعا فرماتے

صلی اللہ علیہ وسلم

بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ موفّق وغیرہ نے اس قسم کی روایتیں جو نقل کی ہیں مثلاً عبد اللہ بن یزید کے متعلق لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا جب ذکر کرتے تو کہتے "حلّ ثنا شاہ صرّان" مردوں کے بادشاہ نے مجھ سے یہ بیان کیا

۱۔ بات بہت طویل ہو جائے گی، ورنہ ان نظائر و امثال پر کافی بحث ہو سکتی ہے حضرت امام بخاری کو دیکھئے یہ شکستہ حالت غربت و مسافرت حکومت کے ساتھ اسی کش مکش کے قہر میں حضرت کی وفات ہوئی لیکن جہاں تک واقعات کا تعلق ہے زود کو ب جیل اور جہنم کے مصائب سے خدا نے ان کو محفوظ رکھا اسی طرح اسی کتاب میں ابراہیم الصانع رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بڑا دردناک واقعہ ہے جسے آپ پڑھ چکے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اسلامی تاریخ میں ابراہیم اس صف کے آدمی نہیں ہیں جس میں ابو حنیفہ تھے اور یہی میرا مطلب ہے کہ مجموعی حیثیت سے امام کی قربانیاں اپنے اندر جو خصوصیتیں رکھتی ہیں ان کی نظیر مشکل ہی سے مل سکتی ہے ۱۳

۳۲۔ یا ابو عبد الرحمن المقرئ کی عادت تھی کہ بجائے نام کے امام کی طرف کسی بات کو منسوب کرتے ہوئے کہتے کہ "حد ثنا شاہنشاہ مت ربمہ" سے بادشاہوں کے بادشاہ نے یہ بیان کیا، شاید یہ اُن کی اسی شان و ارموت کے بعد کے واقعات ہیں۔ گویا جو انحرودی امام نے دکھائی اور حکومت کے مقابلہ میں علم اور مدین کی جولانج انہوں نے رکھ لی تھی۔ ان ہی باتوں کا اعتراف صرف عراق بغداد و کوفہ ہی کی حد تک نہیں بلکہ جن علاقوں کی زبان عربی نہیں تھی وہاں بھی ان الفاظ سے کیا جاتا تھا۔

اور گو کتابوں میں بعض واقعات کا تذکرہ سرسری اور ضمنی طور پر کر دیا گیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک تو امام کی عظیم و جلیل قربانیوں کے وہ ناگزیر نتائج ہیں اگر لوگ نہ بھی بیان کرتے جب بھی علل و اسباب کی روشنی میں انسانی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ جو حالات پیش آئے تھے اُن کے بعد وہی ہونا بھی چاہیے تھا جو ہوا "میرا مطلب یہ ہے" امام موفق، یا الکوردی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں اس قسم کے واقعات جو نقل کئے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے کہ مشہور خود عربیت کے امام نصر بن شمیل جو امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کی طرف سے دل میں کچھ برتاوت رکھتے تھے جب یہ حضرت خراسان پنچے جہاں مامون الرشید کا چہیتا و نسبہ فضل بن سہل جو ذوالریاستین کے لقب سے ملقب تھا۔ اس کے مزاج میں اچھا درخور ان کو حاصل ہو گیا۔ آخر ایک دن موقع پر فضل کو انہوں نے اس پر آمادہ کیا کہ امام

۳۳۔ موفق نے لکھا ہے کہ نصر بن شمیل کی مجلس میں کسی مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ قاضی ابو یوسف اس باب میں امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کرتے تھے اس پر بے ساختہ نصر کی زبان سے نکلا کہ بیمار کی روایت بیمار سے مجلس میں تاسم بن شبہ نامی ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے نصر سے کہا کہ جناب والا جب قاضی ہوئے تھے تو اس وقت خاکسار سے امام ابوحنیفہ کی مجلس کی کتابیں مانگ کر پڑھا کرتے تھے تو بیمار کی روایت بیمار سے اس وقت جناب کے خیال میں نہ تھی نصر شرمندہ ہو کر چپ ہو گئے ص ۵۱ ج ۲

ابو حنیفہ کے قول پر عدالتوں میں عمل درآمد نہ کیا جائے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں فضل نے اُن کے اس مشورے پر زیادہ توجہ نہ کی لیکن کہتے کہتے آخر اس مسئلہ کو فضل کے لئے انھوں نے قابل غور بنا دیا۔ اس نے اہل علم و عقل کے سربراہان اور وہ افراد کو جمع کیا اور اس معاملہ میں ان کی رائے دریافت کی بیان کیا جاتا ہے کہ بحث و مباحثہ کے بعد لوہیں مجلس شورائی نے جس راستے پر اتفاق کیا وہ یہ تھی کہ

ان هذا الامر لا ينبغي و ينتقض
جميع الملوك عليكم
یہ بات قطعاً نہیں چلے گی بلکہ سارا ملک
آپ لوگوں و عباسی حکمرانوں پر ٹوٹ پڑے گا
حکومت کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

اربابِ شوریٰ نے فضل سے یہ بھی کہا کہ

من ذكر ذلك فهو ناقص العقل

جس نے یہ رائے آپ کو دی ہے وہ کئی کوتاہ
عقل آدمی معلوم ہوتا ہے

صفحہ ۱۵۸ ج ۲

اربابِ عقل و علم یا رادی کے الفاظ میں اہل العقل والخبرۃ بالامور یعنی
فضل نے جن لوگوں سے مشورہ لیا تھا وہ دانشمند لوگ تھے اور گرد و پیش کے حالات
سے باخبر تھے، ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ابو حنیفہ کے قول پر عمل درآمد کی ممانعت اگر
عدالتوں میں کر دی جائے گی تو حکومتِ عباسیہ میں اتنی بڑی پھیل جائے گی اور سارا
ملک ٹوٹ پڑے گا یہ رائے کیا امام کی وفات کے سو دو سو برس بعد دی گئی تھی؟ ظاہر
ہے کہ یہ مامون الرشید عباسی کے عہد کا واقعہ ہے، گویا امام کی وفات کو پچاس سال
بھی تو پورے نہیں ہوئے تھے۔ ہم مامون کو عباسی حکومت کا خلیفہ پاتے ہیں بلکہ جاننے
والے جانتے ہیں کہ فضل تو مامون الرشید کی رفاقت میں اسی زمانے سے تھا جب
مامون خراسان کا حاکم بنا کر بھیجا گیا تھا اور مامون نے اسی زمانے میں سارے مہات
اسی کے سپرد کر رکھے تھے۔ میرا خیال ہے کہ نصر بن شبیل کے اس مشورہ کا تعلق بھی اسی

سہ دیکھنے فضل کے حالات علاوہ عام کتابوں کے تاریخ خطیب میں دراصل یہ ایرانی شاہزادوں
کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا باپ سہل ہی مسلمان ہو گیا تھا پھر خدائے فضل کو
وزارت مطلقہ کے عہدے تک پہنچایا۔ بڑا کریم اور جواد آدمی تھا۔ کہا جاتا تھا کہ بخل میں مجھے

زمانہ سے ہے جب مامون خراسان کا حاکم تھا۔ جس کے معنی یہی ہوئے کہ امام کی وفات کے تیس بتیس سال بعد گویا یہ حال تھا بلکہ اسی سلسلہ میں ان ہی مناتب والوں نے مشہور صوفی صافی حارث محاسبیؒ کے حوالہ سے تو خود مامون الرشید کے متعلق نقل کیا ہے کہ نصر نے مامون کو بھی وہی راستے دی تھی، جو فضل کے سامنے پیش کی تھی شاید اس کی وجہ ہو کہ ارباب خیریت کے مشورے کے بعد فضل نے نصر سے کہا تھا کہ مامون تمہاری راستے کو اگر سن لیں گے تو ناپسند کریں گے، اور ایسی بات جس میں ان کی ناگواری ہو، میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔

ص ۸۵ ج ۲

معلوم ہوتا ہے کہ نصر نے فضل سے یہ سن کر خود مامون ہی کو متاثر کرنا چاہا اس میں شک نہیں کہ نصر کی ادبی قابلیت کی وجہ سے مامون ان کو بہت مانتا تھا اسی سے فائدہ اٹھا کر جیسا کہ حارث محاسبی کا بیان ہے نصر نے یہ تجویز مامون کے سامنے بھی ایک دن پیش کی کہ - حنفی مسلک کے سارے قاضیوں کو ہر طرف کر دیا جائے۔

لیکن لکھا ہے کہ

انہ ما کان یحبیبہ الی ذلک لان مامون نصر کے شریک کو قبول نہیں کرتا تھا۔

خدا کے ساتھ ہر گمانی اور سخاوت میں خدا کے ساتھ حسن ظن کی کیفیت نظر آتی ہے۔ آخر میں بیچارہ قتل ہو گیا۔

لے حارث محاسبی ان لوگوں میں ہیں جن کی طرف اسلامی تصرف کی بنیادی تعمیر منسوب کیا جاتی ہے۔ ان کے والد بڑے دولت مند تھے۔ لیکن عقیدہ ان کا صحیح نہ تھا۔ یہ اعلان کر کے کہ دو دین والے باہم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ ایک حبہ باپ کی دولت سے لینا گوارا نہ کیا ساری زندگی فقر و فاقہ میں گزار دی، تصوف و کلام میں ان کی معرکتہ الہیہ کتابیں تھیں۔ جن کا اب پتہ نہیں چلتا، جب مرنے لگے تو اپنے اصحاب سے کہا کہ دم نکلنے کے وقت چہرے پر میرے اگر مسکراہٹ معلوم ہو تو سمجھنا کہ معاملہ ٹھیک ہوا ورنہ خیال کرنا کہ ساری زندگی اکارت گئی، لوگوں نے تبسم ہی کو دیکھا۔ ۱۲

الغلبة مجر اسان کان لا صحاب کیونکہ خراسان میں ابو حنیفہ کے شاگردوں
ابی حنیفہ ص ۱۵ ج ۲ کا اقتدار اور غلبہ تھا۔

اور سچ تو یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کی تعمیر کردہ سیرتوں کا جب یہ
حال ہو کہ خطیب جیسا مورخ جو حنفی مکتب خیال کے ہزرگوں کے حالات کے بیان
کرنے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینے کے عادی ہیں اپنی تاریخ بغداد میں
مستقل سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ خلیفہ ہوسنے کے بعد بھی مامون الرشید
اپنے اسی وزیر فضل ذوالریاستین کے ساتھ مرو پہنچا۔ اس زمانہ میں مرو میں امام محمد بن
حسین الشیبانی کے شاگرد ابراہیم بن رستم نے دباغوں (چمڑا پکڑنے والوں) کے محلہ
میں قیام اختیار کر کے ان ہی دباغوں کے بچوں کو پڑھانا شروع کیا تھا جس وقت
مامون مرو پہنچا تو ابراہیم بن رستم کے علم و فضل سے مرو کو معمور پایا۔ مامون نے ابراہیم
کو خاص طور پر دعوت دے کر اپنے دربار میں بلا یا اور بہت دیر تک باتیں کرتا رہا، قضا کا
عہدہ بھی پیش کیا، لیکن ابراہیم راضی نہ ہوئے اور درس و تدریس ہی کے مشغلہ میں رہنا
اپنے لئے پسند کیا لکھا ہے ایک دن فضل دباغوں کے اسی محلہ میں ابراہیم کی قیام گاہ پر
ان سے ملنے کے لئے آیا اس وقت وہ دباغوں کے بچوں کے پڑھانے میں مصروف تھے
فضل ان کے حلقہ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا لیکن خطیب کے الفاظ ہیں کہ

فلم یجراک لہ ولا فرق اصحابہ نہ تو ابراہیم اپنی جگہ سے ہٹے اور نہ پڑھنے والوں
عندہ۔ تاریخ بغداد ص ۱۵
کو جد آگیا۔

ابو حنیفہ کی تاریخ میں اس واقعہ کو جس وقت پڑھا رہا تھا، معاً سامنے ایک چشم دید منظر آگیا
خاکسار جس زمانے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ العزیز سے دارالعلوم
دیوبند میں حدیث پڑھا کرتا تھا یہ صورت ایک دفعہ نہیں متعذرا رہی آتی کہ حضرت حلقہ
درس میں تشریف فرما ہیں اور ضلع کانگریز کلکٹر یا کمشنر دارالعلوم کے معائنہ کے سلسلہ میں
گھر متا ہوا مولانا کے حلقہ تک آتا ہے لیکن ایک دفعہ نہیں ہر بار یہی دیکھا گیا کہ مولانا نے نظر
اٹھا کر بھی نہ دیکھا کہ کون آیا ہے بلکہ طلبہ کی طرف خطاب کر کے فرماتے جاتے ہاں صاحب آگے
بڑھیے آخر میں جب صوبہ کانگریز جس کا نام جمیں سٹن تھا۔ دارالعلوم کے معائنہ کے لئے آیا۔

ایک صاحب جو وزیر کے ساتھ تھے اور بڑے بولنے والے تھے ان سے نہ رہا گیا۔ ابراہیم کی طرف خطاب کر کے کہنے لگے :-

”ابراہیم تعجب ہے خلیفہ کا وزیر آپ کے پاس آیا ہے اور تم اُن چمڑوں کے پکانے والوں کے خیال سے جو تمہارے پاس بیٹھے ہیں وزیر کی تعلیم کے لئے اُٹھے بھی نہیں۔“

ابراہیم ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حلقہ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد بول اٹھا :-

”ہاں اجنباب ہم لوگ اب چمڑے کے دیباغ نہیں ہیں، بلکہ اس

دین کو پختہ کر رہے ہیں جس نے ابراہیم کو اتنی بلندی بخشی ہے کہ

خلیفہ کا وزیر بھی اُن کے پاس آتا ہے۔“

ظاہر ہے کہ ابراہیم بن رستم کا شمار ائمہ احناف کی صفِ اول کے لوگوں میں نہیں ہے۔ لیکن ان کا حال بھی جب یہ تھا تو اسی سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ امام کے وفات کے بعد مالکِ عباسیہ میں بڑے بڑے قضاة جن میں چالیس تو وہی تھے جن کا ذکر امام کی تاریخی تقریر کے سلسلہ میں گذر چکا اور سمجھنے کے کیا معنی ان بزرگوں کے حالات تو کتابوں میں موجود ہیں میری کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔ اگر ان میں سے چند کے حالات بھی یہاں درج کرتا ہوں۔ اس وقت تو صرف اجمالاً صرف ان ثمقا و ثقوں اور سعادتوں کی تصویر پیش کر رہا ہوں جن کا ایک ہی نسبت کے ساتھ خلیفہ اور امام ابو حنیفہ کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا ابو جعفر جن کا سب کچھ

ظاہر ہے کہ مدرسہ کی سب سے بڑی ذمہ داری حضرت ہی تھے وہی صدر دارالعلوم اور سب کچھ تھے لیکن جب تک گورنر کا قیام مدرسہ میں رہا مولانا مدرسہ تشریف نہ لائے، گھر آپ کا مدرسہ سے پانچ چھ منٹ کے راستہ پر تھا لیکن وہاں سے نہ نکلے۔ لاکھ مختلف طریقہ سے لوگوں نے آپ پر اثر ڈالا کہ ملاقات کر لینے میں کیا حرج ہے۔ فرماتے رہے کہ مجھ غریب آدمی کا گورنر صاحب سے کیا تعلق ۱۲

تھا آپ دیکھ رہے ہیں اس کے جانشینوں اور وارثوں کو کہ اپنے ہی ملک میں وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

حضرت امام کا ترکہ

اور امام ابوحنیفہ غریب جن کا کچھ نہ تھا اور جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ گوامنتیں تو امام کے پاس لاکھوں لاکھ کی وفات کے بعد نکلیں، لیکن ان کے ذاتی مملوکات کے متعلق لکھا ہے کہ

لم یجد فی بیتہ الا مصحف القرآن
ص ۲ ج ۲
نہ پایا امام ابوحنیفہ کے گھر میں لوگوں نے مگر
صرف قرآن کا ایک نسخہ

واللہ اعلم یہ روایت کہاں تک صحیح ہے کچھ بھی ہوا ابو جعفر کے مقابلہ میں بھلا امام صاحب بے چارے کی کیا حیثیت تھی۔ لیکن جس کا کچھ نہیں تھا آج اس کے جانشین ابو جعفر ہی کے ملک میں ایسے اقتدار کے مالک ہیں کہ حکومت ان کو آنکھ نہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتی حالات و واقعات سے جو واقف تھے وہ جانتے تھے کہ ان کے چھیڑنے کا مطلب یہ ہوگا ابو جعفر کے وارثوں کو حکومت ہی سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

بہر حال کچھ بھی ہوا امام کی وفات کے کل بیس سال کے بعد یعنی ہارون الرشید کے خلیفہ ہونے کے زمانہ تک آپ عباسیوں کے قاضیوں کا رجسٹرار تھا کر دیکھتے بغداد بصرہ، کوثر، واسط، مدائن، مرو، مدینہ منورہ، مضر، خوارزم، رے، کرمان، نیشاپور، ہمتان، دمشق، نرند، حر جان، بلخ، ہمدان، صنعاء، شیراز، ابواز، استرا، صہبان، سمرقند، ہرات، رتم، اور ان کے سوا مالک محروسہ عباسیہ کے تقریباً اکثر مرکزی شہروں میں حنفی قاضیوں کو محکمہ عدالت پر قابض و دخیل پائیں گے جن میں

سہ کچھ نہیں تو معجم المسنفین مولانا محمود حسن خاں ٹوٹکی میں امام کے تلامذہ کی فہرست پر ایک سرسری نظر ڈال لینے سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام کے کتنے شاگرد کہاں کہاں کے قاضی تھے ۱۲

بعض کا تقرر ابو جعفر منصور نے بعض کا مہدی نے بعض کا ہادی نے بھی کیا تھا اور ہارون الرشید کے عہد تک تو خیر انتہا ہی ہو گئی ایسا انقلابی واقعہ پیش آیا جس کے اثرات حال حال تک باقی تھے اس انقلابی واقعہ کی تفصیل تو آگے آرہی ہے لیکن اس سے پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حنفی قضاۃ یا حنفیت کے آگے عباسیوں کی جبار حکومت نے فوراً ہی سر نہیں جھکا دیا تھا ابو جعفر کے متعلق تو گذر ہی چکا کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے زور کو عراق میں توڑنے کے لئے امام مالک کے بغداد لانے کی انتہائی کوشش کی مگر ناکام واپس آیا ابو جعفر کے بعد اس کا جانشین مہدی بھی اپنے عہد حکومت میں جہاں تک معلوم ہوتا ہے اس کوشش سے باز نہیں آیا امام مالک کا شاگرد بنا اور ان کی اتنی عظمت کرتا تھا کہ بھرے دربار میں امام مالک کی تشریف آوری اگر کہیں ہو جاتی تو خاص طور پر بلا کر اپنے پاس بٹھاتا بلکہ ایک دفعہ تو جگہ اتنی تنگ تھی کہ مہدی اگر ایک پاؤں کو اٹھا نہیں لیتا تو جگہ نہیں نکل سکتی تھی۔ اس نے یہ بھی کیا اور امام صاحب کو ساری مجلس پر ترجیح دے کر اپنے پاس ہی بٹھایا۔ مگر آخر میں وہی بات کہ "بغداد تشریف لے چلتے تو جو جواب باپ کو دیا گیا تھا وہی اس کو بھی دیا گیا شاید اس قصے کو میں نے کہیں نقل بھی کیا ہے کہ مہدی نے حضرت کی خدمت میں جو نذر پیش کی تھی۔ فرمایا کہ اشرفیاں مہدی کی دی جوتی اپنے حال پر رکھی ہیں چاہیں تو واپس لے جا سکتے ہیں۔ لیکن بندہ مدینہ نہیں چھوڑ سکتا۔ بلکہ اگر یہ صحیح ہے جیسا کہ متعدد کتابوں میں لوگوں نے نقل کیا ہے کہ ہارون نے بھی حضرت امام مالک کے سامنے اپنے دادا کی تجویز موطاً کی عمومیت و لزوم کی پیش کی تھی اور وہی بغداد چلنے کی آمزدہ ظاہر کی۔ لیکن امام نے جو جواب اس کے دادا کو دیا تھا قریب قریب ہارون سے بھی وہی فرما کر بغداد جانے سے قطعی طور پر انکار کر دیا۔ گویا اس کے یہی معنی ہوتے کہ حنفیوں کے زور کے گھٹانے کی کوششوں کا سلسلہ ہارون کے ابتدائی عہد تک منقطع نہیں ہوا تھا بلکہ ٹھیک جس سال امام ابو حنیفہ کی وفات بغداد میں ہوئی۔ یعنی ۱۵۰ھ ہجری اسی سال سفیان ثوری کے متعلق بالاتفاق لوگ جو یہ لکھتے ہیں کہ وہ کوفہ سے غائب ہو گئے اور حکومت ان کی تلاش میں سرگرداں رہی۔ ابو جعفر بھی اپنی زندگی بھر ان کا پیچا کرتا رہا اور ابو جعفر کے بعد مہدی بھی اسی فکر میں مصروف رہا کہ کسی طرح سے وہ اس کی حکومت میں قضا

کا عہدہ قبول کر لیں۔ گذر چکا کہ ایک دفعہ کسی طرح گرفتار ہو کر ہندی کے دربار میں سفیان ثوری پہنچے بھی، بعد ازاں تقرر بھی ان کو عطا کیا گیا۔ لیکن دجلہ میں پھینک کر پھر روپوش ہو گئے اور روپوشی ہی کی حالت میں یہ مقام بصرہ ۶۲۰ء میں ان کی وفات ہندی کے زمانہ میں ہوئی کیا تعجب ہے کہ اس قحط کا تعلق بھی کچھ اسی واقعہ سے ہو اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانے میں امام مالک کے بعد حدیث و فقہ کی جامعیت کے لحاظ سے سفیان ثوری ہی کا درجہ تھا، لیکن یہ امام ابوحنیفہ کی نیت کی برکت تھی کہ ان دونوں اماموں میں سے کوئی بھی ان کے پیچھے نہ چڑھ سکا۔ سفیان ثوری سے ایک دفعہ امام اوزاعی نے پوچھا تھا کہ آخر آپ ان لوگوں سے الگ الگ کیوں رہتے ہیں۔ جواب میں فرمایا کہ

اتالیس نقد و نضر بہم غانما لودبہم ہم ان لوگوں کو مار نہیں سکتے اس لئے ان بمثل ہذا الذی تری خطیب طریقوں سے ان کو ادب سکھاتے ہیں

صفحہ ۹

مطلب وہی تھا کہ حکمرانوں کو یہ مغالطہ ہو جاتا ہے کہ خدا کی زمین پر سب سے بڑی طاقت وہی ہوتے ہیں، ساری دنیا ان کی محتاج ہو گئی اور وہ کسی کے محتاج باقی نہ ہے اسی لئے چاہتے ہیں کہ ساری دنیا ان کا احترام کرے اور ان کی نیاز مند بنی رہے۔ ان لوگوں کو یہ دکھانا چاہیے کہ خدا کے بندے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی تمہیں ضرورت ہوتی ہے، لیکن انتہائی حقارت کے ساتھ وہ تمہیں ٹھکرا دیتے ہیں۔

بہر حال جب یہی ان کا نصب العین تھا تو وہ ان کی ملازمت کیسے قبول کر سکتے تھے اور کون کہہ سکتا ہے کہ اپنے فرار اور روپوشی میں سفیان ثوری کے سامنے خود امام ابوحنیفہ کا مسئلہ بھی نہ تھا ان ہزرگوں کے درمیان اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باہمی معاصرانہ چشمکوں کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسے واقعات ایک نہیں بیسیوں ہیں کہ باہر سے لوگ ایک دوسرے سے الگ نظر آتے تھے مگر جب وقت آتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ دل سب کے ایک تھے۔

سہ طبقات ابن سعد میں ابراہیم تمیمی اور ابراہیم نخعی کے جن تعلقات کا تذکرہ کیا گیا ہے اسی سے اس زمانے کے حالات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے یعنی اسی طبقات میں ایک سے زیادہ اقوال ایسے بھی

ہارون الرشید کے متعلق طاش کبریٰ زادہ نے مفتاح السعادتہ میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ امام مالک کو بغداد لانے سے مایوس ہونے کے بعد وہ واپسی میں مکہ معظمہ پہنچا اور اس زمانے میں مکہ کی علمی امامت اسی ست جن کے ہاتھ میں تھی یعنی سفیان بن عیینہ ان سے ملا۔ ملنے کے بعد حکم دیا کہ جو کتابیں انھوں نے لکھی ہیں میرے ساتھ کر دیں ابن عیینہ نے اپنا سارا دفتر ہارون کے لوگوں کے حوالہ کر دیا عراق پہنچ کر جب ان کے کام کی ہارون نے جانچ کرائی تو لکھا ہے کہ نتیجہ بہت مایوس کن نکلا۔ ہارون نے بڑے افسوس کے لہجہ میں کہا

وَحَمَّ اللَّهُ سَفْيَانَ تَوَاطَاءُ لَنَا فَنَلَمُ سفیان پر خدا رحم کرے ہمارے ساتھ ہم آہنگی نہ
نَنْتَفِعُ بِعِلْمِهِ مَشْجُوعٌ ۲ پر وہ آمادہ بھی ہوئے تو ان کے علم سے ہم نفع نہ

نقل کئے ہیں جن سے کوہ کے ان دونوں معاصر علماء کے درمیان معلوم ہوتا ہے کہ معاصرانہ چشمکیں چلتی رہتی تھیں لیکن باوجود اس کے یہ قصہ سننے کا ہے کہ بنی امیہ کا طاغیہ حجاج جب ابراہیم نخعی کے درپے ہوا اور نخعی اس کے ظلم و زیادتی کے خوف سے روپوش تھے لکھا ہے کہ ایک دن حجاج کے ان ہی آدمیوں نے جو ابراہیم نخعی کی تلاش میں تھے ابراہیم نخعی کے شبہ میں ابراہیم تیمی کو گرفتار کر لیا اور حجاج کے پاس یہ باور کراتے ہوئے ان کو پیش کر دیا کہ یہی ابراہیم نخعی ہیں حالانکہ ابراہیم تیمی جانتے تھے کہ اپنے متعلق اگر میں یہ کہوں کہ میں ابراہیم تیمی ہوں نخعی نہیں ہوں تو چھوڑ دیا جاؤں گا۔ لیکن وہی ابراہیم نخعی جن سے یہ ظلم ہوا ان کے تعلقات معاشرانہ بہتر نظر نہیں آتے تھے۔ ان کو بچا لینے کے لئے آخر وقت تک وہ نہ کھلے۔ تاہیں کہ حجاج نے جیل بھی بھیج دیا۔

یہ ایک ایسا جیل تھا جس میں چھت کا سایہ نہ تھا۔ کھلا میدان تھا۔ صرف چاروں طرف دیواریں تھیں۔ گرمی سردی سے بچاؤ کا کوئی سامان نہ تھا اور ڈو۔ ڈو۔ آدمیوں کو زنجیر میں جکڑ کر دھوپ میں ڈال دیا جاتا تھا۔ یہی سلوک ابراہیم تیمی کے ساتھ بھی کیا گیا۔ لیکن اس پر بھی بندہ خدا کی زبان پر ایک لفظ نہیں آیا تاہیں کہ ان کی وفات جیل ہی میں ہو گئی ۱۳

اٹھا سکے۔

اور نفع کیا اٹھا سکتا تھا۔ ابن عیینہؒ ان جیسے بزرگوں کے پاس علم کا جو ذخیرہ تھا یا نکل خام حالت میں تھا یعنی حدیثیں تصنیف صحابہؓ اور تابعین کے آثار تھے، لیکن ان کو پیش نظر رکھ کر باضا بطہ کسی ایسے مجموعہ قوانین کی تدوین و ترتیب جو کسی حکومت کے دستور العمل بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں یہ بات ان لوگوں کے بس کی تھی بھی نہیں یہ کام تو صرف امام ابوحنیفہؒ نے بڑی محنت سے اپنی مجلس وضع قوانین کی مدرسے انجام دیا تھا اور یہ ہے کہ اسد بن فرات کی کوشش سے پہلے خود امام مالک کا علم بھی کچھ غیر مرتب ہی حال میں تھا جس کا ذکر اجالا کہیں پر میں کر بھی چکا ہوں اور اس کے متعلق تفصیل کا مقام میری کتاب "تدوین فقہ" ہے۔

خلافت مہدی

حضرت امام کے شاگرد

بہر حال اس ساری تفصیل سے غرض یہ ہے کہ جس اقتدار کو امام ابوحنیفہؒ عباسی حکومت کے شعبہ عدالت میں قائم کرنا چاہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد بھی پندرہ بیس سال تک حکومت اس کا اندرونی طور پر مقابلہ ہی کرتی رہی اور گو امام کی وفات کی وجہ سے جس خطرے کو ابو جعفر نے عباسی حکومت کے لئے پیدا کر دیا تھا ممکنہ حد تک امام ابوحنیفہؒ کے سربراہان و ممتاز شاگردوں کو قاضی بنا کر حکومت اس خطرے کے انسداد کی تدبیروں میں مشغول رہی جیسا کہ میں نے عرض کیا اس پندرہ بیس سال کے عرصے میں اکثر مرکزی مقامات کو امام ہی کے تہبیت یافتہ قاضیوں سے بھردیا گیا تھا۔

عہدہ قاضی القضاۃ کا قیام

لیکن امام کی زندگی میں یہ مسئلہ جو اٹھ چکا تھا کہ عدالت کے شعبہ کو بالکل اپنے اقتدار سے نکال کر اہل علم کے سپرد کر دیا جائے یعنی قاضی القضاۃ کا عہدہ قائم کیا

جائے جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سے حکومت کتراتی ہی رہی اور تو اور امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں قاضی ابو یوسف اور زفر بن ہذیل کے متعلق امام نے اپنی تاریخی تحریر میں فرمایا تھا کہ یہ ایسے دو آدمی ہیں جو صرف قاضی ہی نہیں بن سکتے ہیں بلکہ قاضیوں اور مفتیوں کی تربیت و تادیب کا کام بھی کر سکتے ہیں ان دونوں کو بھی حکومت نے ملائے کی کوشش امام کی وفات ہی سے شروع کر دی تھی۔

امام زفر کے سامنے عہدہ قاضی القضاۃ کی پیش کش

لیکن امام زفر نے تو بالکل حکومت کی حلقہ ملازمت میں شریک ہونے سے انکار کر دیا، طاش کبریٰ زادہ نے لکھا ہے۔

”زفر کو مجبور کیا گیا کہ قضا کی خدمت کو قبول کر لیں۔ لیکن انھوں نے شدت کے ساتھ انکار کر دیا اور روپوش ہو گئے حکومت نے حکم دیا کہ ان کا گھر ڈھا دیا جائے۔ گھر گرا دیا گیا، لیکن اس کے بعد بھی وہ زمانہ تک روپوش ہی رہے۔ کچھ دن کے بعد ظاہر ہوئے اور اپنے منہدم شدہ مکان کو درست کرایا حکومت نے دوبارہ پھر ان پر اصرار کیا۔ لیکن کسی طرح راضی نہ ہوئے آخر مجبور ہو کر ان کا پیچھا چھوڑ دیا گیا اور معافی بھی گئی صبح ۱۲ مفتاح السعادة

اسی کتاب میں ہے کہ امام زفر کی وفات کا وقت جب آیا احتضار کی حالت میں تھے قاضی ابو یوسف نے کہا کہ کچھ وصیت کرنی ہو تو کیجئے تو بولے گھر امد جو کچھ اس میں سرمایہ ہے یہ تو میری بیوی کو دے دیا جائے اور تین ہزار درم ہیں یہ میرے بھتیجے کے حوالہ کر دیئے جائیں اس کے سوا نہ مجھ پر کسی کا باقی ہے نہ میرا کسی پر کچھ باقی ہے، وفات کے بعد گھر میں جو سامان تھا اس کی قیمت لگائی گئی تو تین درم سے زیادہ کا نہ ٹھہرا وہ بچہ جسے تین ہزار درم دینے کے لئے فرمایا تھا۔ یہ اسی عورت کا بچہ تھا جو ان کی بیوی تھی کیونکہ بھائی کے مرنے کے بعد انھوں نے اس سے نکاح کر لیا تھا ۱۲

امام ابو یوسف

لیکن ابو یوسفؒ جیسا کہ معلوم ہے حلقہ ملازمت میں داخل ہو گئے، لیکن "قاضی القضاۃ" کا مسئلہ قاضی ابو یوسف کی ملازمت کے قبول کر لینے کے بعد بھی ایک مدت تک سر نہ مٹھ رہی رہا امام زر بخری کے اس بیان سے جسے کردری نقل کیا ہے یعنی خود قاضی ابو یوسف کہتے تھے کہ

"مہدی رجو ابو جعفر کے بعد ۱۵۹ھ ہجری میں خلیفہ ہوا اُس نے مجھے بغداد کے مشرعی جسے قاضی مقرر کیا پھر مہدی کا انتقال ہو گیا اور میں ہادی رجو ۱۶۹ھ ہجری میں خلیفہ ہوا اُس کی طرف سے قاضی رہا پھر رشید رجو ۱۸۲ھ ہجری میں خلیفہ ہوا، اُس نے بھی مجھے قضا پر بحال رکھا" ص ۱۳۲ ج ۲

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو جعفر کے بعد ہی ان تینوں خلفاء کے زمانے میں ابو یوسف قاضی رہے۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ مہدی نے اپنے بیٹے ہادی کے ساتھ قاضی ابو یوسف کو خراسان بھیج دیا تھا۔ ہادی نے جرجان کا انتخاب اپنے قیام کے لئے کیا تھا۔ قاضی ابو یوسف جرجان میں ہادی کے ساتھ اس وقت تک رہے جب مہدی کی وفات کی خبر جرجان پہنچی اور خلیفہ بن کر قاضی ابو یوسف کے ساتھ ہادی بغداد پہنچا اور بغداد کا قاضی اُن کو مقرر کیا" ص ۱۳۲ ج ۲

۱۵ کوئی خاص وثیقہ تو مجھے اب تک نہیں ملا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے سب سے بڑے شاگرد جو گویا ابو حنیفہ کے خلیفہ تھے۔ مہدی کا اپنے بیٹے کے ساتھ ان کو خراسان بھیجنا ممکن ہے کہ کسی سیاسی مصلحت پر بھی مبنی ہو کیونکہ جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے، خراسان کے مسلمانوں پر امام ابو حنیفہ کا سب سے زیادہ اثر تھا ان کے بڑے بڑے تلامذہ خراسان کے اکثر شہروں میں پھیلے ہوئے تھے قاضی ابو یوسف کی وجہ سے یقیناً ان جذبات کے دبائے میں حکومت کو مدد ملی ہوگی جو امام ابو حنیفہ کی موت سے قدرتی طور پر لوگوں میں پیدا کر دیا ہوگا۔

بہر حال کچھ بھی ہو بغداد میں ہو یا جرجان میں قاضی ابو یوسف کی حیثیت ایک معمولی قاضی سے زیادہ اس وقت تک نہ تھی جس کا مطلب یہی ہوا کہ ایک مدت تک خلفاء دوسرے قاضیوں کے تقرر یا عزل و نصب کے اختیارات کو کسی دوسرے کے سپرد کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کی آخر زندگی میں ابو جعفر ہی اس پر تیار ہو چکا تھا، یہ ظاہر اس کی وجہ وہی معلوم ہوتی ہے کہ اب تک حکومت کسی دوسرے مکتب خیال کے فقہاء کو امام ابو حنیفہ اور ان کے تیار کئے ہوئے شاگردوں کے مقابلہ میں کھڑا کرنے سے مایوس نہیں ہوتی تھی۔ لیکن ہارون پر آخر میں جب ثابت ہو گیا کہ جن لوگوں کو کھڑا کر کے پہلک کے دل سے خفی خیال کے فقہاء کی عظمت میں اضمحلال پیدا کرنا ممکن ہے وہ بغداد آنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور جو آنا چاہتے ہیں ان میں اس نے دیکھا کہ مقابلہ کی صلاحیت نہیں ہے آخر سفیان بن عیینہ سے بڑی شخصیت اور کس کی ہو سکتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ براہ راست اسی سے اوپر تا بعین سے استفادہ کا موقع ان کو ملا تھا۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے:

کہ امام مالک اور سفیان بن عیینہ اگر نہ ہوتے تو حجاز کا علم دنیا کو نہ ملتا ۱۹ خطیب ج ۹

یعنی حجاز والوں کے پاس حدیث و آثار کا ذخیرہ تھا وہ غائب ہو جاتا علم حدیث و آثار میں ان کا جو پایہ تھا، کہتے ہیں کہ خود ہارون الرشید بھی اس سے اتنا متاثر تھا کہ معظمہ سے جب کوئی آدمی ہارون کے پاس پہنچتا تو وہاں کے سرور و ہاشمیوں کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد پوچھتا کہ

وما فعل سید الناس لوگوں کے سردار کا کیا حال ہے

راوی نے حیرت سے پوچھا کہ آپ کے ہوتے ہوئے بھی کوئی سید الناس ہو سکتا ہے۔ ہارون نے کہا کہ سید الناس "سفیان بن عیینہ" ہیں خطیب ص ۱۹ ج ۹ لیکن بایں ہمہ آپ دیکھ چکے کہ ان کے علم کے سارے طومار کو ہارون نے منگو کر جانچنے کا حکم دیا۔ لیکن سفیان کا علم ہارون اور اس کی حکومت کے کام کا نہ تھا۔

جیسا کہ بہت سی چیزوں کے نہ ملنے پر میں نے افسوس کا اظہار کیا ہے۔ افسوس

ہے کہ ان تجربات کے بعد بالآخر حکومت عباسیہ نے جو آخری انقلابی فیصلہ کیا۔ اس کا ذکر لوگوں نے اتنی لاپرواہی کے ساتھ سرسری طور پر کتابوں میں کیا ہے کہ اگر وہ واقعہ نہ ہوتا تو شاید اس کی طرف لوگوں کی توجہ بھی نہ ہوتی اور "قاضی القضاۃ" کے جس عہدے کو امام ابو حنیفہ پر ابو جعفر نے پیش کیا تھا جسے دنیا اس کو بھول چکی ہے۔ اس واقعہ کو بھی شاید بھول ہی جاتی !

میرا مطلب یہ ہے کہ یوں تو ابو جعفر کے زمانے سے ہارون تک جیسا کہ گذر چکا امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کا دار السلطنت بغداد اور اس کے مختلف اسماء کے سوا اکثر صوبوں اور ضلعوں پر بھی حکومت مسلسل قضا کے عہدے پر تقرر کرتی چلی جاتی تھی لیکن امام ابو حنیفہ کے سامنے سامنے "قاضی القضاۃ" اور اس کے اختیارات کا مسئلہ جو چھڑا تھا۔ اس بیس سال کے عرصے میں ہم اس کا ذکر کرتے ہوئے کسی کو نہیں پاتے۔ بلکہ اندرونی طور پر حکومت خفیوں کے زور کے توڑنے ہی میں ایک طرح سے مشغول نظر آتی ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حج کے جس سفر کے بعد امام مالک اور سفیان بن عیینہ کے متعلق ہارون قطعی طور پر ناامید ہو گیا، تو اس کے سوا اب کوئی صورت ہی اس کے سامنے باقی نہ رہی کہ اپنے جن دو شاگردوں کے متعلق امام ابو حنیفہ بھرتی مجلس میں یہ اعلان فرما کر چلے گئے کہ

ہما بصلحان لتادیب القضاۃ
وارباب الفتویٰ
یہ دونوں صلاحیت رکھتے ہیں کہ تقاضیوں اور فتویٰ دینے والوں کی تربیت و پرداخت کریں

ان دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں "قضاۃ" اور ارباب فتویٰ کی تادیب کا کام سپرد کرے امام زفر کے متعلق تو گذر ہی چکا کہ کسی شرط پر بھی حکومت میں شریک ہوتے کے لئے وہ تیار نہ ہو سکے گھر تک ان کا منہدم کر دیا گیا۔ لیکن انکار ہی پر مصر رہے۔ اب دوسرے قاضی ابو یوسف یعقوب ہی باقی رہ گئے تھے سلسلہ ملازمت میں وہ تہدی ہی کے زمانے سے داخل ہو چکے تھے۔

لے خود قاضی ابو یوسف ہی کے حوالہ سے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ میرا حال آخر میں جب

خلافت ہارون الرشید

عہدہ قاضی القضاۃ پر امام ابو یوسف کا تقرر

بادی سے بھی جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے قاضی ابو یوسف کے تعلقات بہت اچھے تھے غالباً یہی وجہ و اسباب تھے کہ بالآخر ہارون کو اپنے اس مشہور تاریخی فیصلہ پر مجبور ہونا پڑا جس کا ذکر مقریزی نے یامین الفاظ کیا ہے۔

فلما قاهر ہارون الرشید الخلافة
ولی القضاء ابایوسف یعقوب بن
ابراہیم احد اصحاب ابی حنیفہ
رحمۃ اللہ علیہ بعد سنۃ سبعین
ومائۃ فلم یقلد بلاد العراق
وخراسان والشام ومصر والامین
امثا ربہ القاضی ابو یوسف
جب خلافت کی گدی پر ہارون الرشید آیا۔
تو اُس نے ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم کے
سپر وقضا کو کر دیا۔ یہ ابو یوسف امام ابو حنیفہ
کے شاگردوں میں تھے اور واقعہ سنہ ۱۷۷ کے
بعد کا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق خراسان
شام، مصر، میں کوئی قاضی مقرر نہیں ہو سکتا
تھا۔ لیکن وہی جس کے متعلق ابو یوسف
رابطے دیتے

(صفحہ ۱۸۱ جلد ۴)

اس نوبت کو پہنچ گیا کہ کوئی چیز جب باقی نہ رہی تو اپنے سرکاری مکان کی ایک شہتیر نکھوا کر بازار بیچنے کے لئے میں نے بھیجا یہ بات میری خوشدامن صاحب کو جو معلوم ہوئی تو دیکھا کہ ان کے چہرے پر کافی گرائی کے آثار ہیں بلکہ بڑی بی اس باب میں ان سے کچھ بولیں بھی۔ شاید یہی کہا ہوگا کہ اچھی میری لڑکی کی قسمت پھوٹی، ایسے آدمی سے بیاہی گئی جو خود تو کیا کھلائے پلائے گا اب میرے گھر کی شہتیر تک بیچ بیچ کر کھانے لگا۔ کہتے ہیں کہ مناس کے اس طرز عمل سے دل پر سخت چوٹ پڑی اور بات برداشت سے باہر ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے "ہندی" کی حکومت میں قضا کا عہدہ قبول کر لیا۔ گو اس میں یا کسی دوسرے واقعہ میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ جیسے زعفران حکومت نے قضا کا عہدہ پیش کیا تھا قاضی ابو یوسف پر بھی پیش کیا گیا تھا یا نہیں۔ لیکن انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابو یوسف بھی حتی الوسع اس تعلق سے کتراتے

حافظ ابن عبدالبر کے حوالہ سے قرشی نے بھی نقل کیا ہے۔

كان المبدأ تولية القضاء في الاتفاق قاضي ابولوسف ہی کے اختیار میں تھا کہ
من الشرق الى الغرب ص ۲۲۱ ج ۲ مشرق سے مغرب تک قاضیوں کا تقرر کریں۔
خود اس قصہ میں بھی جس کا تذکرہ میں نے حاشیہ میں کیا ہے، یعنی معاشی
دشواریاں جب قاضی ابولوسف کی اس حد کو پہنچ گئی تھیں کہ سسرالی گھر کی شہتیر
فروخت کرنے پر مجبور ہوئے اور اپنی خوش وامن پر ناگواری کے آثار ان کو جب
محسوس ہوئے۔ تب غیرت وامن گیر ہوئی، کوفہ سے بغداد پہنچے خود فرماتے ہیں کہ:-
”مندی جو اس وقت خلیفہ تھا، ذریعہ وقت نے مجھے اس پر پیش کیا“
سلوۃ خوف کے متعلق گفتگو ہوئی اس کے بعد مندی نے بغداد کے
مشرقی حصہ کا قاضی مجھے مقرر کیا اور دس ہزار درم عطا کئے، مندی
کی وفات کے بعد میں پادی کے ساتھ رہا پادی کے بعد ہارون الرشید
کا زمانہ جب آیا تو

فولانی قضاء البلاد کما ص ۲۹۹ جلد ۲ اپنے سارے مالک محروسہ کا عہدہ قضا میرے
سپر دکر دیا۔

قاضی القضاۃ کے اختیارات

بہر حال یہ تو قطعی ہے کہ قاضی القضاۃ کا عہدہ سب سے پہلے ہارون الرشید
ہی کے زمانہ میں قائم کیا گیا۔ اگرچہ اس عہدہ کا خیال جیسا کہ تفصیلاً عرض کر چکا ہوں۔
ابو جعفر منصور ہی کے زمانہ میں قائم ہو چکا تھا، لیکن بجائے امام ابو حنیفہ کے سارے
مورخین اس پر متفق ہیں کہ قاضی ابولوسف کی بجالی اس عہدے پر ہوئی اور یہ بھی

ہی رہے اور جس طرح ممکن ہو سکا زندگی گزارتے رہے۔ لیکن جب بات یہاں تک
پہنچ گئی تب مجبوراً انھوں نے بلازمت اختیار کی۔ امام کے دو سرے شاگرد قاضی خص
بن غیاث کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ فرماتے تھے جب مردار کا کھانا مجھ پر حلال ہو گیا
تب میں نے قضا کا عہدہ قبول کیا۔

مسلم ہے کہ اس عہدہ کا مطلب وہی تھا جس کی تصریح مقرر بنی اور ابن عبد البر نے کی ہے گویا دوسرے معنی اس کے یہی ہوئے کہ محکمہ عدلیہ کی مطلق العنان وزارت قاضی ابو یوسف کے حوالہ کی گئی تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کے زمانہ میں لوگ "قاضی القضاۃ" کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی ان کو "وزیر" بھی کہہ دیتے۔ ابو الولید الطیالسی کے حوالہ سے ایک روایت موفق وغیرہ نے نقل کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ ابو الولید نے کہا:-

هٰکذا هو الوزير وقاضی القضاۃ یہی شخص وزیر اور قاضی القضاۃ ہے

مشکوٰۃ ج ۲

لیکن بایں ہمہ جی چاہتا تھا کہ ہارون الرشید نے جس وقت اپنی حکومت میں اس عہدے کو قائم کیا تھا اور قاضی ابو یوسف کو بلا کر اس عہدے کی ذمہ داریاں سپرد کی تھیں، اُس وقت کے واقعات کا مورخین اگر تفصیل سے ذکر کرتے تو مسئلہ زیادہ واضح شکلوں میں لوگوں کے سامنے آتا۔ اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابو یوسف کے غیر معمولی اعزاز اور اختیارات کو دیکھ کر ہارون سے بعض لوگوں نے جب کچھ شکایت کی تو اس نے جواب میں کہا کہ

"میں نے یہ جو کچھ کیا ہے، جان لوجہ کر کیا ہے، کافی تجربوں کے بعد

میں اس فیصلہ پر پہنچا ہوں، خدا کی قسم علم کے جس باب میں بھی اس

شخص کو میں نے جا بجا اس میں اس کو کامل اور مامور پایا" مشکوٰۃ جلد ۲

درمیان میں ہارون نے اپنی طالب علمی کے زمانہ کے بعض تجربات کا بھی ذکر کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابو یوسف کی قابلیت کی دھاک اس کے دل پر اُسی زمانے سے بیٹھی ہوئی تھی آخر میں قاضی صاحب کی دینی سیرت و کردار کے متعلق جو احساس ہارون اپنے اندر رکھتا تھا اُس کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:-

ان علمی امتیازات کے ساتھ ساتھ میں نے مذہب میں اس شخص کے

قدم کو استوار پایا ہے میں آلودگیوں سے اس کے دین کو محفوظ پایا

ہوں، آخر کوئی آدمی قاضی ابو یوسف کے جیسا ہو تو پیش کر دے۔

مشکوٰۃ ج ۲

محکمہ عدلیہ پر امام ابوحنیفہ کی جدوجہد کا اثر

ہارون اور قاضی ابویوسف کے تعلقات کے بیسیوں دلچسپ قصے مزے لے لے کر لوگوں نے جو بیان کئے ہیں، ان سے بھی اور جو خصوصی مراعات و برائیاں قاضی صاحب کے ساتھ کئے جاتے تھے جن کا میں نے پہلے بھی کہیں ذکر کیا ہے ان سب سے ثابت ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے ہارون کی طبیعت پر غیر معمولی اقتدار حاصل کر لیا تھا، بنی امیہ کے عہد میں اسی محکمہ قضا پر بے تمیزی کا ایک زمانہ وہ بھی گذرا تھا کہ قاضی کے لئے معمولی نوشت و خواند تک کو غیر ضروری قرار دیا گیا تھا چالیس چالیس مشائخ کی شہادت گذرتی تھی کہ خلفاء اور سلاطین کی ذات قانونی وار و گیر سے بالا تر ہے۔ عباسیوں کے عہد میں بھی آپ دیکھ چکے کہ قاضی شریک سے وعدہ وعید کرنے کے بعد بھی خلیفہ کی ڈیوڑھی کی ایک لونڈی کی شکایت پر قاضی صاحب عہدے سے برطرف کر دیئے گئے، لیکن امام ابوحنیفہ کی جدوجہد اور ان کی وفات کی خاص نوعیت کے بعد ہی اگرچہ قضا میں بہت کچھ اصلاح کے آثار نمایاں ہو چکے تھے ایک طرف حکومت بھی کافی طور پر متاثر ہو چکی تھی اور دوسری طرف ملک کے طول و عرض میں امام کے تلامذہ کے قالب میں ایسے محکمہ کردار اور استوار سیرت کے نمونے پھیلے ہوئے تھے کہ اب آسانی کے ساتھ حکومت میں مائے فیصلے ان لوگوں سے نہیں کرا سکتی تھی جن کے ہاتھ میں فصل خصومات، عدل و انصاف کا کام سپرد کیا جاسکتا ہے، ابو جعفر منصور کے بعد ہی مہدی خلیفہ ہوا ہے اسی کے زمانہ کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ بخارا میں قاضی ابویوسف کے شاگرد مجاہد بن عمرو قاضی تھے، مہدی نے اپنا ایک خاص قاصدان کے پاس کسی خاص غرض سے بھیجا قاضی صاحب نے جو جواب وہ چاہتا تھا، نہیں دیا، قاصد نے مہدی سے اپنی طرف سے ایک جھوٹ بات تراش کر بیان کر دی، یہ قاصد بخارا کا رہنے والا تھا، جب بخارا واپس آیا قاضی مجاہد کو اس کی افتر پردازی کی خبر مل چکی تھی۔ انھوں نے انٹر کا مقدمہ اس پر قائم کر کے اتنی کوڑے لگوا دیئے مجاہد کے شاگردوں کو سخت تشویش ہوئی کہ مہدی کو جب اس کی خبر ہوگئی کہ قاضی نے اس کے خاص آدمی کو تازیانے لگائے ہیں تو دیکھئے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، لیکن موسم بدل

چکا تھا لکھا ہے کہ مہدی کی جب خبر ہوئی کہ افتراء کے جسم میں قاضی مجاہد نے اس کو مزادی ہے تو بجائے رنجیدہ ہونے کے قاضی مجاہد کی اس جرات سے وہ خوش ہوا اور انعام و اکرام سے ان کو سرفراز کیا ص ۲۳۹ ج ۲ کروری

مہدی کے بعد ہادی خلیفہ ہوا اس وقت بغداد کے قاضی امام ابو یوسف تھے ایک باغ کے معاملہ میں خود ہادی نے کسی عامی آدمی کا جھگڑا تھا۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ ہادی نے حکم دیا کہ مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش ہو۔ خلیفہ کی طرف سے بعض لوگوں نے قاضی صاحب کے اجلاس میں شہادت ایسی ادا کی کہ اس شہادت پر اگر بھروسہ کیا جاتا تو باغ خلیفہ ہی کے قبضہ میں رہ جاتا۔ قاضی ابو یوسف کو تحقیق سے معلوم ہو گیا تھا کہ دراصل باغ اسی بے چارے کا ہے جس کے خلاف گواہوں نے گواہی دی ہے اس وقت ایک تدبیر ان کی سمجھ میں آئی مقدمہ کو اس وقت تو ملتوی کر دیا۔ ہادی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہتے۔ اس مقدمہ میں آپ نے کیا فیصلہ کیا جو میری طرف سے آپ کی عدالت میں دائر کیا گیا ہے قاضی صاحب نے کہا کہ جی ہاں آپ کے گواہوں کی شہادتیں تو گزری ہیں لیکن فہم کی طرف سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ مدعی رخصت سے اس بات پر حلف لیا جائے کہ ان کے گواہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ سچ بیان کیا ہے۔ ہادی نے پریشان ہو کر پوچھا کہ پھر آپ کی کیا رائے ہے، حالانکہ حنفی مذہب میں مدعی علیہ کو اس قسم کے مطالبہ کا حق نہیں ہے، خود قاضی صاحب کی رائے بھی یہی تھی۔ لیکن جواب میں خلیفہ سے انھوں نے کہا کہ ابن ابی لیلیٰ کا فتویٰ یہی تھا، یہ سننے کے ساتھ ہی ہادی نے کہا کہ باغ اسی کے حوالہ کر دیکھتے اور حلف لینے سے اس نے انکار کیا، ص ۲۴۰ ج ۲

اگرچہ یہ جزئی واقعات ہیں لیکن دلوں کی انقلابی کیفیت کا اس سے ضرور اندازہ ہوتا ہے مہدی ہو یا ہادی دونوں مطلق العنان حکمران تھے، بنی امیہ کے زمانہ کے خلفاء کی مطلق العنانیوں کے قصبے ان تک پہنچے ہوئے تھے۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ مہدی نے قانون کے نافذ کرنے پر بجائے غصہ ہونے کے قاضی مجاہد کو سراہا اسی طرح ہادی کے لئے یہی بڑی بات تھی کہ اس نے اپنا مقدمہ عدالت میں بھیج دیا

اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ جو چیز ایک زمانہ سے اُس کے قبضہ میں چلی آرہی تھی اس سے دست بردار ہو گیا۔

امام ابوحنیفہ کی جدوجہد کا بعد کے خلفاء کی سیرت

وکردار پر اثر

اسی طرح ایک قصہ ہارون الرشید کا ہے یہ وہ زمانہ ہے کہ ابھی قاضی ابویوسف "قاضی القضاۃ" نہیں بنائے گئے ہیں اور بغداد کے مشرقی سمت کے قاضی امام ابوحنیفہ کے دوسرے شاگرد حفص بن غیاث تھے۔ واقعہ کی صورت یہ تھی کہ ہارون کی شاہ بیگم زبیدہ خاتون جو ابو جعفر منصور کی پوتی تھی، اس کا وکیل یعنی جاگیر کا گماشتہ ایک بخوسی رپاری تھا، اُس نے کسی خراسانی سے تیس ہزار درم میں چند اونٹ خریدے، لیکن دام ادا کرنے میں لیت و بھل کر رہا تھا، آخر جب کافی تاخیر ہو گئی تو خراسانی نے حفص بن غیاث کے اخلاص میں دعویٰ دائر کر دیا، قصہ تو طویل ہے حاصل یہ ہے کہ پارسی نے قاضی صاحب کے سامنے اقرار کر لیا کہ اس کے دام باقی ہیں، تب قاضی صاحب نے کہا کہ جب دام باقی ہیں تو ادا کرو۔ اس پر پارسی نے کہا کہ میں تو زبیدہ خاتون کا وکیل ہوں مطالبہ سیدہ (زبیدہ) سے کرنا چاہیے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ تم عجیب بے وقوف آدمی ہو، ابھی تم نے اقرار کیا کہ دام مجھ پر باقی ہیں، اور جب مطالبہ کیا جاتا ہے تو سیدہ کا نام لیتے ہو، تب عدلیہ خراسانی کی طرف متوجہ ہوتے اور پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو اُس نے کہا کہ میرے دام دلائے جائیں اور نہ اس کو قید کیا جائے۔ پارسی سے پوچھا گیا کہ اب تم کیا کہتے ہو، اس نے پھر وہی دہرایا کہ المال علی السیدہ یعنی زبیدہ پر دام واجب ہیں، قاضی صاحب نے حکم دیا کہ اس کو جیل میں داخل کیا جائے پارسی قید ہو گیا، اس کا قید ہونا تھا کہ خبر سارے شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ زبیدہ خاتون کو جس وقت معلوم ہوا کہ قاضی حفص نے یہ جانتے ہوئے

لے قرض خواہوں کو اس کا حق اسلامی قانون میں دیا گیا ہے کہ اپنے قرض داروں کو جیل دلا سکتے ہیں۔

کہ پارسی میرا وکیل ہے اس کو جیل دے دیا آپے سے باہر ہو گئی اپنی ڈیوڑھی کے غلام خاص جس کا نام سندھی تھا حکم دیا کہ میرے وکیل کو جیل سے چھڑا کر فوراً میرے پاس حاضر کرو، سندھی جیل خانہ پہنچا اس کے حکم سے سرتابی کی محال کس میں تھی آسانی کے ساتھ چھڑا کر لے آیا۔ یہ خبر قاضی حنفی کو ملی یہ بھی امام ابوحنیفہ کے تربیت یافتہ قاضی تھے۔ بولے یا تو پارسی زبیدہ کا وکیل جیل واپس کیا جائے گا۔ ورنہ قضا کے اجلاس میں آئندہ میں بیٹھنے سے باز آیا۔

یہ خبر سندھی کو ملی۔ اُس نے خیال کیا کہ ساری مصیبت میرے سر پر ٹوٹے گی روتا دھوٹا زبیدہ کے پاس پہنچا اور بولا کہ :-

”حضور! یہ قاضی حنفی کا معاملہ ہے، امیر المومنین رضی اللہ عنہ (ہارون)۔“

اگر مجھ سے پوچھ بیٹھے کہ قاضی نے جے جیل میں داخل کیا تھا۔

تو نے کس کے حکم سے اس کو جیل سے باہر نکالا تو میں کیا جواب

دوں گا، میرے لئے تو تیا ست ہی برپا ہو جائے گی۔“

اور گڑگڑا کر زبیدہ سے کہنے لگا کہ :-

”اس وقت اس پارسی کو جیل واپس کر دینے کی اجازت دیجئے

میں قاضی حنفی کو سمجھا بھجا کر اس کو رہائی دلا دوں گا۔“

زبیدہ کو سندھی بے چارے کے حال پر رحم آگیا اور اجازت دے دی کہ اچھا

اسے جیل میں واپس کر دو۔ وہ تو خیر جیل میں پھر واپس ہو گیا لیکن اتنے میں ہارون

زبیدہ کے پاس آیا دیکھتے کے ساتھ ہی زبیدہ نے کہنا شروع کیا۔

”ہارون! تمہارا یہ قاضی بڑا احمق آدمی ہے، میرے وکیل کو اُس نے

جیل بھیج دیا۔ میری اس نے سخت تحقیر کی، میں چاہتی ہوں کہ قضا

کے عہدے سے اس کو معزول کر دو۔“

ہارون سخت کش کش میں مبتلا ہو گیا، زبیدہ کی کبیدیگی اس کے لئے ناقابل

برداشت تھی آخر کچھ سوچ کر قاضی حنفی کے نام حکم لکھوایا جس کا حاصل یہی تھا

کہ اس پارسی کے معاملہ سے درگند کیجئے ابھی ہارون یہ حکم لکھوا ہی رہا تھا کہ

قاضی حنفی کے گوندوں نے ان تک خبر پہنچائی کہ خلیفہ کا حکم اس نوعیت کا آرہا ہے۔

قاضی صاحب نے یہ سن کر خرابانی کو کہا کہ فوراً اپنے گواہ میرے سامنے پیش کر دو تاکہ خلیفہ کے حکم کے وصول ہونے سے پہلے میں اسی پارسی پر تمھارے بقایا کا فیصلہ کر کے عدالت کی مہر لگا دوں۔ یہی کیا گیا۔ قاضی صاحب کے فیصلہ پر مہر لگ ہی رہی تھی کہ خلیفہ کا حکم لے کر آدمی قاضی صاحب کے پاس آگیا۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ یہ امیر المومنین کا فرمان ہے، لیکن قاضی حنفی نے کہا کہ ٹھیکرو! ایک کام کر رہا ہوں اس سے فارغ ہو جاؤں تب اس فرمان کو پڑھتا ہوں، فرمان لانے والا بار بار کہتا تھا کہ امیر المومنین کا فرمان ہے اور قاضی صاحب کہتے تھے کہ ٹھیکرو! میں کام سے فارغ ہو جاؤں تب اس عرصے میں باضابطہ عدالت کی مہر وغیرہ فیصلہ پر ثبت ہو گئی۔ تب فرمان لے کر قاضی صاحب نے پڑھا پڑھ کر فرمان لانے والے سے کہا کہ

”امیر المومنین سے میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ فرمان سے پہلے میں فیصلہ کر چکا تھا۔“

فرمان لانے والے نے کہا کہ آپ نے جو کارروائی کی ہے میں اُسے دیکھ رہا تھا یعنی قصداً فیصلہ سے پہلے فرمان کے لینے سے تم نے گریز کیا۔ میں امیر المومنین کے گوش گزار اس واقعہ کو کر دوں گا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ تیرے جو جی میں آئے کہہ دینا۔ آدمی ہارون کے پاس واپس ہوا اور جو واقعہ تھا اس کی رپورٹ کی اور کہہ دیا کہ قاضی نے فیصلہ کی تکمیل سے پہلے فرمان لینے سے گریز کیا۔

لیکن لوگوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ قاضی حنفی کے اس طرز عمل کی خبر سے بجائے برا فروختہ ہونے کے دیکھا گیا کہ ہارون نہیں رہا ہے اور صرف ہنسنے ہی بات ختم نہیں ہو گئی۔ ساتھ ہی ہارون نے حاجب کو خطاب کر کے کہا:-

”تیس ہزار درم کے توڑے ابھی قاضی حنفی کی خدمت میں روانہ کر دو۔“

ہارون کا وزیر یحییٰ بن خالد برمکی جو دربار میں موجود تھا اور اس کو اس کی خبر نہیں تھی کہ خلیفہ نے قاضی صاحب کو کیا لکھا تھا اس کا جواب کیا آیا۔ صرف اتنا دیکھا کہ ہارون نے تیس ہزار درم کے انعام کا حکم قاضی کے لئے دیا ہے، دربار سے اٹھ کر قاضی صاحب کے پاس یحییٰ پہنچا اور پوچھا کہ آج آپ نے کیا کیا جس پر امیر المومنین اتنے خوش ہوئے۔ قاضی حنفی نے کہا کہ نبھائی! میں نے اس کے سوا تو اور کچھ نہیں کیا ہے کہ مجھ پر جو

دعویٰ کیا گیا تھا دعویٰ چونکہ صحیح تھا اس لئے مدنی کے منشاء کے مطابق میں نے فیصلہ کر دیا ہے زبیدہ کو قاضی حنفی اور ہارون دونوں کے طریقہ کار کی جب خبر ملی تو آگ بگولا ہو گئی۔ ہارون جب اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ حصہ سے کانپ رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ

”اب نہ میں تمہارے لئے ہوں اور نہ تم ہمارے لئے جب تک کہ

قاضی حنفی کو تم قضا سے برطرف نہیں کرتے“

لیکن ہارون پر بھی اس وقت خلافت کا لشہ چڑھا ہوا تھا گویا جہانگیر کی طرف لڑجہاں کے متعلق یہ فقرہ جو منسوب ہے کہ اسی قسم کے ایک واقعہ میں لڑجہاں سے اُس نے کہا تھا کہ ”جاناں بتو جان دادہ ام ایماں نہ دادہ ام“ آج ہارون بھی قریب قریب ان ہی الفاظ یا ان کے مفہوم کو زبیدہ کے سامنے دہرا رہا تھا۔ زبیدہ تار گئی کہ اب ناز سے کام نہیں چلے گا اپنی سبکی اور خفت کو مٹانے کے لئے اُس نے نیاز مندی سے کام لینا شروع کیا۔ اور خوشامد کر کے ہارون کو اس پر راضی کر لیا کہ کم از کم اس قاضی کا تباہ کر دیا جائے۔ ہارون نے اس کو منظور کر لیا اور بجائے بغداد کے قاضی حنفی اپنے وطن کونہ کی قضا پر منتقل کر دیئے گئے (خطیب ص ۱۹۲ ج ۸)

اور یہ قہر تو اُس وقت کے ہی جب تک قاضی ابویوسف قاضی القضاۃ مقرر نہیں ہوئے تھے اُن کے قاضی القضاۃ ہونے کے بعد حکومت اور قانون میں جو تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ آج بھی ان تصویروں کو سن کر حیرت ہوتی ہے ایک بُری رسم جس کی بنیاد بنی امیہ کے سلاطین کے زمانہ سے پڑ گئی تھی۔ آخر بتدریج اس پر قابو حاصل کرتے ہوئے اسلامی قضاۃ قوت و اقتدار کے کس مقام تک پہنچ گئے تھے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ قاضی ابویوسف نے خلیفہ کے وزیر کو مردودا لشہادت قرار دیا یعنی کسی مقدمہ میں وزیر نے گواہی دی تھی۔ لیکن خلیفہ کے بعد حکومت کا جو سب سے بڑا آدمی تھا ابویوسف کے اجلاس سے اس کو سنا یا گیا کہ تمہاری شہادت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ وزیر اپنی اس توہین کو دیکھ کر قاضی صاحب کے اجلاس سے سیدھا خلیفہ کے دربار میں پہنچا اور قاضی ابویوسف کے اس برتاؤ کی شکایت کی۔ کہتے ہیں کہ وزیر کی اس شکایت پر ہارون نے قاضی ابویوسف کو بلا کر دریا منت

کیا کہ اس نے چارے کو آپ نے مردود الشہادۃ کیوں قرار دیا۔ روایتیں مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ قاضی صاحب نے کہا کہ میں نے خود اپنے کالوں سے اس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں تو خلیفہ کا عہد اور بندہ یا غلام ہوں اور بعض روایتوں میں ہے کہ قاضی صاحب نے اس پر یہ جرح کی کہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا اور ایسے آدمی کی شہادت میں قبول نہیں کر سکتا اگر دوسرا زمانہ ہوتا تو حکومت کے وقار کے اس مقدمہ ہی کا ہر واثبت کرنا مشکل تھا لیکن ہارون نے قاضی صاحب کے جواب کو خاموشی کے ساتھ سننے کے سوا جہاں تک راپوں کا بیان ہے اور کچھ نہیں کہا بلکہ آگے ان ہی روایتوں میں جو اضافہ پایا جاتا ہے کہ وزیر نے اپنی ڈیوٹی کے صحن میں مسجد تعمیر کی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا پابند ہو گیا میں تو خیال کرتا ہوں کہ ہارون ہی کے اشارے سے اگر یہ ہوا ہو تو کچھ تعجب نہیں مشہور ہے ۲

قاضی کی اہم ذمہ داریاں

اور یہ تو خیر وزیر ہی کا قصہ ہے قاتلون کی قوت ہارون کے زمانہ تک اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ خلیفہ کی طرف سے نہیں بلکہ قاضی ابو یوسف کا بیان ہے کہ خود ان کی کمزوری کی وجہ سے جب اس واقعہ کا خیال آ جاتا تو تکلیف ہوتی تھی، قصہ

سے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی خوشامدی امیروں میں کچھ یہ دستور بھی چل پڑا تھا کہ خلیفہ دست کا اپنے آپ کو عہد اور بندہ کہتے تھے۔ دراصل یہ لوگ بے چارے خلیفہ کے بندے تو کیا ہوتے تھے۔ درحقیقت اس درم و دینار کے بندے ہوتے تھے جو خلیفہ کے خزانے میں تھے، بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابو یوسف ہر اس امیر کو مردود الشہادت قرار دیتے تھے جس کے متعلق ان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ اس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے یہ تو وزیر کا قصہ ہے مناقب کی ان ہی کتابوں میں ایک فوجی افسر کے متعلق بھی لکھا ہے کہ اسی عبد الخلیفہ کے قول کی بنیاد پر اس کی شہادت قاضی ابو یوسف نے مسترد کر دی تھی ۱۲۔ دیکھو موفق سنہ ۱۳ جلد ۲

وہ بھی ایک باغ ہی کا تھا ہارون الرشید کے قبضے میں ایک باغ تھا قاضی ابویوسف کہتے ہیں کہ سواد کے ایک بوڑھے کسان نے دعویٰ کیا کہ باغ اس کا ہے جس پر خلیفہ غاصبانہ قبضہ کئے ہوئے ہیں، یہ دعویٰ اس دن پیش ہوا جس دن خود ہارون انصاف کے لئے اجلاس کیا کرتا تھا۔ اور لوگوں کے بیانات قاضی ابویوسف خلیفہ کے سامنے پیش کرتے تھے اسی سلسلہ میں اس بوڑھے کسان نے بھی قاضی ابویوسف کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا، قاضی صاحب نے چاہا کہ بجائے ہارون کے باغ کی ملازموں کی طرف اس کے دعویٰ کو رجوع کر دیں۔ لیکن بوڑھے کو اصرار تھا کہ براہ راست غصب کی یہ کارروائی امیر المومنین ہی نے کی ہے۔ قاضی صاحب نے ہارون کے سامنے یہی بیان کر دیا کہ آپ ہی پر وہ دعویٰ باغ کے متعلق کر رہا ہے ابی کے ساتھ کہا کہ حکم ہو تو سامنے حاضر کیا جائے ہارون نے کہا کہ ہاں! لائیے بوڑھا سامنے آیا۔ قاضی صاحب نے پھر پوچھا کہ تیرا کیا دعویٰ ہے۔ ہارون کی نشست کرسی پر بھی بازو میں بکھی بن خالد ہرملی وزیر دوسری کرسی پر تھا، بوڑھے نے کہا کہ امیر المومنین پر میرا دعویٰ ہے میرے باغ پر ناحق انھوں نے قبضہ کر لیا ہے، قاضی ابویوسف نے بوڑھے سے کہا کہ تیرے پاس کوئی دلیل بھی ہے گواہ پیش کر سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ امیر المومنین سے قسم لیجئے بس یہی میری دلیل ہے، قاضی صاحب نے ہارون سے کہا کہ آپ کو قسم کھانا چاہیے ہارون نے قسم کھا کر کہا کہ میرے والد رمہدی نے یہ باغ مجھ کو عطا کیا ہے اور اس کا میں مالک ہوں اسی بنیاد پر میں اس پر قابض ہوں، ہارون کی زبان سے قسم سن کر بوڑھا یہ کہتا ہوا کہ جیسے کوئی ستوپا بنائے، اس شخص نے قسم کھالی، ایک معمولی رعیت کی زبان سے یہ سن کر ہارون کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ لیکن بکھی بن خالد نے فوراً قاضی ابویوسف کو خطاب کر کے کہنا شروع کیا۔

”بحقوب! اس انصاف اور عدالت کی نظیر دنیا میں مل سکتی ہے

ایک معمولی رعیت کے ساتھ تم نے دیکھا امیر المومنین نے کیسا

برتاؤ کیا۔“

قاضی ابویوسف نے بھی کہا، سبحان اللہ کیا کہنے، مگر اسی کے ساتھ قاضی

ابو یوسف نے اتنا اضافہ کیا کہ "انصاف سے چارہ بھی تو نہ ٹھہا" اس پر یحییٰ نے کہا کہ فاروق سے اس قسم کے انصاف کی توقع کی جاسکتی ہے۔

ان دونوں کی گفتگو نے ہارون کے دل سے اس بار کو اتار دیا جو غصہ کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ حکومت نے قالون کے سامنے اپنے آپ کو کس حد تک جھکا دیا تھا۔ یہ تو خیر بجائے خود ہے۔ میں یہ ذکر کرنا چاہتا تھا کہ قاضی ابو یوسف اس قسم کو بیان کر کے آخر میں یہ بھی فرما دیا کرتے تھے کہ :-

"اس مجلس کے واقعہ کا جب کبھی خیال آجاتا ہے۔ تو اپنے اندر

سخت کوفت محسوس کرتا ہوں، اور ڈر معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کے

حق کے ادا کرنے میں مجھ سے جو کوتاہی ہوتی ہے، اس کا خدا کو کیا

جواب دوں گا؟

لوگ پوچھتے کہ آپ نے بھلا انصاف میں کوتاہی کیا کی، اس سے زیادہ آپ

کے اختیار ہی میں کیا تھا۔ (یعنی ایک معمولی کسان کے مقابلہ میں دنیا کے سب سے

بڑے بادشاہ کو قسم کھائے پر آپ نے مجبور کیا اور اس کو قسم کھانی پڑی، قاضی

ابو یوسف جواب میں کہتے کہ تم لوگوں نے سمجھا نہیں کہ مجھے تکلیف کس خیال سے ہوتی ہو

لوگ کہتے کہ آخر اب باقی ہی کیا رہ گیا تھا جس کا آپ کو اتنا خیال ہے تب قاضی صاحب

بڑے افسوس کے لہجہ میں کہتے کہ بھائی! امیر المومنین سے ہیں یہ نہ کہہ سکا کہ کرسی سے

اتر جائے۔ جیسے آپ کا فریق زمین پر کھڑا ہے، آپ بھی زمین ہی پر کھڑے ہو جائیے۔

یا اس کے لئے بھی کرسی منگوائیے لیکن افسوس کہ میں یہ نہ کہہ سکا ^{۲۴۴} ^{۲۴۵} ^{۲۴۶} ^{۲۴۷} ^{۲۴۸} ^{۲۴۹} ^{۲۵۰} ^{۲۵۱} ^{۲۵۲} ^{۲۵۳} ^{۲۵۴} ^{۲۵۵} ^{۲۵۶} ^{۲۵۷} ^{۲۵۸} ^{۲۵۹} ^{۲۶۰} ^{۲۶۱} ^{۲۶۲} ^{۲۶۳} ^{۲۶۴} ^{۲۶۵} ^{۲۶۶} ^{۲۶۷} ^{۲۶۸} ^{۲۶۹} ^{۲۷۰} ^{۲۷۱} ^{۲۷۲} ^{۲۷۳} ^{۲۷۴} ^{۲۷۵} ^{۲۷۶} ^{۲۷۷} ^{۲۷۸} ^{۲۷۹} ^{۲۸۰} ^{۲۸۱} ^{۲۸۲} ^{۲۸۳} ^{۲۸۴} ^{۲۸۵} ^{۲۸۶} ^{۲۸۷} ^{۲۸۸} ^{۲۸۹} ^{۲۹۰} ^{۲۹۱} ^{۲۹۲} ^{۲۹۳} ^{۲۹۴} ^{۲۹۵} ^{۲۹۶} ^{۲۹۷} ^{۲۹۸} ^{۲۹۹} ^{۳۰۰} ^{۳۰۱} ^{۳۰۲} ^{۳۰۳} ^{۳۰۴} ^{۳۰۵} ^{۳۰۶} ^{۳۰۷} ^{۳۰۸} ^{۳۰۹} ^{۳۱۰} ^{۳۱۱} ^{۳۱۲} ^{۳۱۳} ^{۳۱۴} ^{۳۱۵} ^{۳۱۶} ^{۳۱۷} ^{۳۱۸} ^{۳۱۹} ^{۳۲۰} ^{۳۲۱} ^{۳۲۲} ^{۳۲۳} ^{۳۲۴} ^{۳۲۵} ^{۳۲۶} ^{۳۲۷} ^{۳۲۸} ^{۳۲۹} ^{۳۳۰} ^{۳۳۱} ^{۳۳۲} ^{۳۳۳} ^{۳۳۴} ^{۳۳۵} ^{۳۳۶} ^{۳۳۷} ^{۳۳۸} ^{۳۳۹} ^{۳۴۰} ^{۳۴۱} ^{۳۴۲} ^{۳۴۳} ^{۳۴۴} ^{۳۴۵} ^{۳۴۶} ^{۳۴۷} ^{۳۴۸} ^{۳۴۹} ^{۳۵۰} ^{۳۵۱} ^{۳۵۲} ^{۳۵۳} ^{۳۵۴} ^{۳۵۵} ^{۳۵۶} ^{۳۵۷} ^{۳۵۸} ^{۳۵۹} ^{۳۶۰} ^{۳۶۱} ^{۳۶۲} ^{۳۶۳} ^{۳۶۴} ^{۳۶۵} ^{۳۶۶} ^{۳۶۷} ^{۳۶۸} ^{۳۶۹} ^{۳۷۰} ^{۳۷۱} ^{۳۷۲} ^{۳۷۳} ^{۳۷۴} ^{۳۷۵} ^{۳۷۶} ^{۳۷۷} ^{۳۷۸} ^{۳۷۹} ^{۳۸۰} ^{۳۸۱} ^{۳۸۲} ^{۳۸۳} ^{۳۸۴} ^{۳۸۵} ^{۳۸۶} ^{۳۸۷} ^{۳۸۸} ^{۳۸۹} ^{۳۹۰} ^{۳۹۱} ^{۳۹۲} ^{۳۹۳} ^{۳۹۴} ^{۳۹۵} ^{۳۹۶} ^{۳۹۷} ^{۳۹۸} ^{۳۹۹} ^{۴۰۰} ^{۴۰۱} ^{۴۰۲} ^{۴۰۳} ^{۴۰۴} ^{۴۰۵} ^{۴۰۶} ^{۴۰۷} ^{۴۰۸} ^{۴۰۹} ^{۴۱۰} ^{۴۱۱} ^{۴۱۲} ^{۴۱۳} ^{۴۱۴} ^{۴۱۵} ^{۴۱۶} ^{۴۱۷} ^{۴۱۸} ^{۴۱۹} ^{۴۲۰} ^{۴۲۱} ^{۴۲۲} ^{۴۲۳} ^{۴۲۴} ^{۴۲۵} ^{۴۲۶} ^{۴۲۷} ^{۴۲۸} ^{۴۲۹} ^{۴۳۰} ^{۴۳۱} ^{۴۳۲} ^{۴۳۳} ^{۴۳۴} ^{۴۳۵} ^{۴۳۶} ^{۴۳۷} ^{۴۳۸} ^{۴۳۹} ^{۴۴۰} ^{۴۴۱} ^{۴۴۲} ^{۴۴۳} ^{۴۴۴} ^{۴۴۵} ^{۴۴۶} ^{۴۴۷} ^{۴۴۸} ^{۴۴۹} ^{۴۵۰} ^{۴۵۱} ^{۴۵۲} ^{۴۵۳} ^{۴۵۴} ^{۴۵۵} ^{۴۵۶} ^{۴۵۷} ^{۴۵۸} ^{۴۵۹} ^{۴۶۰} ^{۴۶۱} ^{۴۶۲} ^{۴۶۳} ^{۴۶۴} ^{۴۶۵} ^{۴۶۶} ^{۴۶۷} ^{۴۶۸} ^{۴۶۹} ^{۴۷۰} ^{۴۷۱} ^{۴۷۲} ^{۴۷۳} ^{۴۷۴} ^{۴۷۵} ^{۴۷۶} ^{۴۷۷} ^{۴۷۸} ^{۴۷۹} ^{۴۸۰} ^{۴۸۱} ^{۴۸۲} ^{۴۸۳} ^{۴۸۴} ^{۴۸۵} ^{۴۸۶} ^{۴۸۷} ^{۴۸۸} ^{۴۸۹} ^{۴۹۰} ^{۴۹۱} ^{۴۹۲} ^{۴۹۳} ^{۴۹۴} ^{۴۹۵} ^{۴۹۶} ^{۴۹۷} ^{۴۹۸} ^{۴۹۹} ^{۵۰۰} ^{۵۰۱} ^{۵۰۲} ^{۵۰۳} ^{۵۰۴} ^{۵۰۵} ^{۵۰۶} ^{۵۰۷} ^{۵۰۸} ^{۵۰۹} ^{۵۱۰} ^{۵۱۱} ^{۵۱۲} ^{۵۱۳} ^{۵۱۴} ^{۵۱۵} ^{۵۱۶} ^{۵۱۷} ^{۵۱۸} ^{۵۱۹} ^{۵۲۰} ^{۵۲۱} ^{۵۲۲} ^{۵۲۳} ^{۵۲۴} ^{۵۲۵} ^{۵۲۶} ^{۵۲۷} ^{۵۲۸} ^{۵۲۹} ^{۵۳۰} ^{۵۳۱} ^{۵۳۲} ^{۵۳۳} ^{۵۳۴} ^{۵۳۵} ^{۵۳۶} ^{۵۳۷} ^{۵۳۸} ^{۵۳۹} ^{۵۴۰} ^{۵۴۱} ^{۵۴۲} ^{۵۴۳} ^{۵۴۴} ^{۵۴۵} ^{۵۴۶} ^{۵۴۷} ^{۵۴۸} ^{۵۴۹} ^{۵۵۰} ^{۵۵۱} ^{۵۵۲} ^{۵۵۳} ^{۵۵۴} ^{۵۵۵} ^{۵۵۶} ^{۵۵۷} ^{۵۵۸} ^{۵۵۹} ^{۵۶۰} ^{۵۶۱} ^{۵۶۲} ^{۵۶۳} ^{۵۶۴} ^{۵۶۵} ^{۵۶۶} ^{۵۶۷} ^{۵۶۸} ^{۵۶۹} ^{۵۷۰} ^{۵۷۱} ^{۵۷۲} ^{۵۷۳} ^{۵۷۴} ^{۵۷۵} ^{۵۷۶} ^{۵۷۷} ^{۵۷۸} ^{۵۷۹} ^{۵۸۰} ^{۵۸۱} ^{۵۸۲} ^{۵۸۳} ^{۵۸۴} ^{۵۸۵} ^{۵۸۶} ^{۵۸۷} ^{۵۸۸} ^{۵۸۹} ^{۵۹۰} ^{۵۹۱} ^{۵۹۲} ^{۵۹۳} ^{۵۹۴} ^{۵۹۵} ^{۵۹۶} ^{۵۹۷} ^{۵۹۸} ^{۵۹۹} ^{۶۰۰} ^{۶۰۱} ^{۶۰۲} ^{۶۰۳} ^{۶۰۴} ^{۶۰۵} ^{۶۰۶} ^{۶۰۷} ^{۶۰۸} ^{۶۰۹} ^{۶۱۰} ^{۶۱۱} ^{۶۱۲} ^{۶۱۳} ^{۶۱۴} ^{۶۱۵} ^{۶۱۶} ^{۶۱۷} ^{۶۱۸} ^{۶۱۹} ^{۶۲۰} ^{۶۲۱} ^{۶۲۲} ^{۶۲۳} ^{۶۲۴} ^{۶۲۵} ^{۶۲۶} ^{۶۲۷} ^{۶۲۸} ^{۶۲۹} ^{۶۳۰} ^{۶۳۱} ^{۶۳۲} ^{۶۳۳} ^{۶۳۴} ^{۶۳۵} ^{۶۳۶} ^{۶۳۷} ^{۶۳۸} ^{۶۳۹} ^{۶۴۰} ^{۶۴۱} ^{۶۴۲} ^{۶۴۳} ^{۶۴۴} ^{۶۴۵} ^{۶۴۶} ^{۶۴۷} ^{۶۴۸} ^{۶۴۹} ^{۶۵۰} ^{۶۵۱} ^{۶۵۲} ^{۶۵۳} ^{۶۵۴} ^{۶۵۵} ^{۶۵۶} ^{۶۵۷} ^{۶۵۸} ^{۶۵۹} ^{۶۶۰} ^{۶۶۱} ^{۶۶۲} ^{۶۶۳} ^{۶۶۴} ^{۶۶۵} ^{۶۶۶} ^{۶۶۷} ^{۶۶۸} ^{۶۶۹} ^{۶۷۰} ^{۶۷۱} ^{۶۷۲} ^{۶۷۳} ^{۶۷۴} ^{۶۷۵} ^{۶۷۶} ^{۶۷۷} ^{۶۷۸} ^{۶۷۹} ^{۶۸۰} ^{۶۸۱} ^{۶۸۲} ^{۶۸۳} ^{۶۸۴} ^{۶۸۵} ^{۶۸۶} ^{۶۸۷} ^{۶۸۸} ^{۶۸۹} ^{۶۹۰} ^{۶۹۱} ^{۶۹۲} ^{۶۹۳} ^{۶۹۴} ^{۶۹۵} ^{۶۹۶} ^{۶۹۷} ^{۶۹۸} ^{۶۹۹} ^{۷۰۰} ^{۷۰۱} ^{۷۰۲} ^{۷۰۳} ^{۷۰۴} ^{۷۰۵} ^{۷۰۶} ^{۷۰۷} ^{۷۰۸} ^{۷۰۹} ^{۷۱۰} ^{۷۱۱} ^{۷۱۲} ^{۷۱۳} ^{۷۱۴} ^{۷۱۵} ^{۷۱۶} ^{۷۱۷} ^{۷۱۸} ^{۷۱۹} ^{۷۲۰} ^{۷۲۱} ^{۷۲۲} ^{۷۲۳} ^{۷۲۴} ^{۷۲۵} ^{۷۲۶} ^{۷۲۷} ^{۷۲۸} ^{۷۲۹} ^{۷۳۰} ^{۷۳۱} ^{۷۳۲} ^{۷۳۳} ^{۷۳۴} ^{۷۳۵} ^{۷۳۶} ^{۷۳۷} ^{۷۳۸} ^{۷۳۹} ^{۷۴۰} ^{۷۴۱} ^{۷۴۲} ^{۷۴۳} ^{۷۴۴} ^{۷۴۵} ^{۷۴۶} ^{۷۴۷} ^{۷۴۸} ^{۷۴۹} ^{۷۵۰} ^{۷۵۱} ^{۷۵۲} ^{۷۵۳} ^{۷۵۴} ^{۷۵۵} ^{۷۵۶} ^{۷۵۷} ^{۷۵۸} ^{۷۵۹} ^{۷۶۰} ^{۷۶۱} ^{۷۶۲} ^{۷۶۳} ^{۷۶۴} ^{۷۶۵} ^{۷۶۶} ^{۷۶۷} ^{۷۶۸} ^{۷۶۹} ^{۷۷۰} ^{۷۷۱} ^{۷۷۲} ^{۷۷۳} ^{۷۷۴} ^{۷۷۵} ^{۷۷۶} ^{۷۷۷} ^{۷۷۸} ^{۷۷۹} ^{۷۸۰} ^{۷۸۱} ^{۷۸۲} ^{۷۸۳} ^{۷۸۴} ^{۷۸۵} ^{۷۸۶} ^{۷۸۷} ^{۷۸۸} ^{۷۸۹} ^{۷۹۰} ^{۷۹۱} ^{۷۹۲} ^{۷۹۳} ^{۷۹۴} ^{۷۹۵} ^{۷۹۶} ^{۷۹۷} ^{۷۹۸} ^{۷۹۹} ^{۸۰۰} ^{۸۰۱} ^{۸۰۲} ^{۸۰۳} ^{۸۰۴} ^{۸۰۵} ^{۸۰۶} ^{۸۰۷} ^{۸۰۸} ^{۸۰۹} ^{۸۱۰} ^{۸۱۱} ^{۸۱۲} ^{۸۱۳} ^{۸۱۴} ^{۸۱۵} ^{۸۱۶} ^{۸۱۷} ^{۸۱۸} ^{۸۱۹} ^{۸۲۰} ^{۸۲۱} ^{۸۲۲} ^{۸۲۳} ^{۸۲۴} ^{۸۲۵} ^{۸۲۶} ^{۸۲۷} ^{۸۲۸} ^{۸۲۹} ^{۸۳۰} ^{۸۳۱} ^{۸۳۲} ^{۸۳۳} ^{۸۳۴} ^{۸۳۵} ^{۸۳۶} ^{۸۳۷} ^{۸۳۸} ^{۸۳۹} ^{۸۴۰} ^{۸۴۱} ^{۸۴۲} ^{۸۴۳} ^{۸۴۴} ^{۸۴۵} ^{۸۴۶} ^{۸۴۷} ^{۸۴۸} ^{۸۴۹} ^{۸۵۰} ^{۸۵۱} ^{۸۵۲} ^{۸۵۳} ^{۸۵۴} ^{۸۵۵} ^{۸۵۶} ^{۸۵۷} ^{۸۵۸} ^{۸۵۹} ^{۸۶۰} ^{۸۶۱} ^{۸۶۲} ^{۸۶۳} ^{۸۶۴} ^{۸۶۵} ^{۸۶۶} ^{۸۶۷} ^{۸۶۸} ^{۸۶۹} ^{۸۷۰} ^{۸۷۱} ^{۸۷۲} ^{۸۷۳} ^{۸۷۴} ^{۸۷۵} ^{۸۷۶} ^{۸۷۷} ^{۸۷۸} ^{۸۷۹} ^{۸۸۰} ^{۸۸۱} ^{۸۸۲} ^{۸۸۳} ^{۸۸۴} ^{۸۸۵} ^{۸۸۶} ^{۸۸۷} ^{۸۸۸} ^{۸۸۹} ^{۸۹۰} ^{۸۹۱} ^{۸۹۲} ^{۸۹۳} ^{۸۹۴} ^{۸۹۵} ^{۸۹۶} ^{۸۹۷} ^{۸۹۸} ^{۸۹۹} ^{۹۰۰} ^{۹۰۱} ^{۹۰۲} ^{۹۰۳} ^{۹۰۴} ^{۹۰۵} ^{۹۰۶} ^{۹۰۷} ^{۹۰۸} ^{۹۰۹} ^{۹۱۰} ^{۹۱۱} ^{۹۱۲} ^{۹۱۳} ^{۹۱۴} ^{۹۱۵} ^{۹۱۶} ^{۹۱۷} ^{۹۱۸} ^{۹۱۹} ^{۹۲۰} ^{۹۲۱} ^{۹۲۲} ^{۹۲۳} ^{۹۲۴} ^{۹۲۵} ^{۹۲۶} ^{۹۲۷} ^{۹۲۸} ^{۹۲۹} ^{۹۳۰} ^{۹۳۱} ^{۹۳۲} ^{۹۳۳} ^{۹۳۴} ^{۹۳۵} ^{۹۳۶} ^{۹۳۷} ^{۹۳۸} ^{۹۳۹} ^{۹۴۰} ^{۹۴۱} ^{۹۴۲} ^{۹۴۳} ^{۹۴۴} ^{۹۴۵} ^{۹۴۶} ^{۹۴۷} ^{۹۴۸} ^{۹۴۹} ^{۹۵۰} ^{۹۵۱} ^{۹۵۲} ^{۹۵۳} ^{۹۵۴} ^{۹۵۵} ^{۹۵۶} ^{۹۵۷} ^{۹۵۸} ^{۹۵۹} ^{۹۶۰} ^{۹۶۱} ^{۹۶۲} ^{۹۶۳} ^{۹۶۴} ^{۹۶۵} ^{۹۶۶} ^{۹۶۷} ^{۹۶۸} ^{۹۶۹} ^{۹۷۰} ^{۹۷۱} ^{۹۷۲} ^{۹۷۳} ^{۹۷۴} ^{۹۷۵} ^{۹۷۶} ^{۹۷۷} ^{۹۷۸} ^{۹۷۹} ^{۹۸۰} ^{۹۸۱} ^{۹۸۲} ^{۹۸۳} ^{۹۸۴} ^{۹۸۵} ^{۹۸۶} ^{۹۸۷} ^{۹۸۸} ^{۹۸۹} ^{۹۹۰} ^{۹۹۱} ^{۹۹۲} ^{۹۹۳} ^{۹۹۴} ^{۹۹۵} ^{۹۹۶} ^{۹۹۷} ^{۹۹۸} ^{۹۹۹} ^{۱۰۰۰}

دیکھ رہے ہیں۔ یہی قاضی ابو یوسف ہیں یا ہادی کے زمانہ میں ان ہی کا حال یہ تھا

کہ ابن ابی لیلیٰ کے فتویٰ کی پناہ میں خلیفہ سے حق دار تک حق کے پہنچانے میں کامیابی

حاصل کر سکے تھے، یعنی صاف صاف کھرے الفاظ میں ہادی سے یہ کہنے کی جرأت

نہ کر سکے کہ الصافاً باغ اسی کا ہے جس نے دعویٰ کیا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ قالون کی

اقتداری قوت ہارون ہی کے زمانہ میں ارتقا کی اس منزل تک پہنچ گئی کہ ہارون اور

ایک معمولی کسان کی نشست میں مساوات کے نہ پیدا کرنے کا عمر بھر ان کو افسوس رہا

ظاہر ہے کہ افسوس یا حسرت ان کے اسی توقع پر مبنی ہو سکتی ہے کہ ہارون کو اگر توجہ

ولایت جاتی تو قاضی ابو یوسف کو اُمید تھی کہ خلیفہ اسلامی مساوات کے اس حکم کے سامنے سر جھکا دیتا۔

نتیجہ تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے تلامذہ نے قاضی ہونے کے بعد جس قسم کے تجربات خلفاء کو دے رہے تھے۔ ان کے بعد دلوں میں شریعت کے قوانین کا اتنا احترام اگر پیدا ہو گیا تھا تو اس پر تعجب نہ کرنا چاہئے۔ ہارون الرشید ہی کا زمانہ ہے۔ قاضی عافیہ اودی جن کا ذکر مختلف حیثیتوں سے گذر چکا ہے۔ یعنی امام ابو حنیفہ کی مجلس وضع قوانین کے مشہور رکن جن کے متعلق امام کی ہدایت تھی کہ ان کو دکھائے بغیر کوئی فیصلہ کتاب میں درج نہ کیا جائے، بہر حال یہی قاضی عافیہ بغداد کے قاضی تھے۔ کسی مقدمہ میں ایک فریق نے قاضی صاحب کے خلاف خلیفہ یعنی ہارون کے دربار میں بے جا پاس داری کی شکایت پہنچائی، شکایت کرتے والا کوئی بڑا آدمی تھا، خطیب کی روایت ہے کہ قاضی عافیہ کا یہ طرز عمل ہارون کو سخت ناگوار گذرا اور فرمان صادر ہوا کہ قاضی صاحب کو دوبار خلافت میں حاضر ہونے کا حکم دیا جائے، قاضی عافیہ حاضر ہوئے ابھی اصل معاملہ پر گفتگو کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ اسی غرے میں ہارون کو چھینک آگئی۔ چھینک کا آنا تھا کہ ”یرحمک اللہ یرحمک اللہ“ کی دعا سے دربار گونج اٹھا، اصطلاحاً چھینک کے موقعہ پر یہ دعا جو دی جاتی ہے اس کا نام ”تشمیت“ ہے جیسا کہ عام طور پر مسلمان جانتے ہیں کہ چھینک آنے کے بعد مننون ہے کہ جے چھینک آئی ہو وہ ”الحمد للہ“ کہے تب چاہیے کہ سننے والے یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) کے ساتھ اس کو جواب دیں۔ لیکن ہارون نے الحمد للہ نہیں کہا تھا۔ مگر دربار کے خوشامدیوں کو اس کی کیا ضرورت تھی۔ امیر المومنین کی چھینک ہی رحمک اللہ کہنے کے لئے کافی تھی، ہارون نے دیکھا کہ سارے درباریوں نے تو تشمیت کی لیکن قاضی عافیہ چپ بیٹھے رہے۔ اُس نے پوچھا کہ کیوں قاضی صاحب سمجھوں نے تو تشمیت کی آپ کیوں چپ رہے بے محابا قاضی عافیہ نے جواب دیا کہ آپ نے الحمد للہ کب کہا تھا، جو میں ”رحمک اللہ“ کہتا تھا ہی انہوں نے ایک حدیث بھی سنا دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں دو صاحبوں کو چھینک آئی جن میں ایک صاحب کی تشمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی

اور دوسرے صاحب کی تسمیت نہیں کی گئی، انھوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اس شخص کو تو آپ نے رحمک اللہ کی دعا دی اور مجھے محروم رکھا گیا۔ جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انھوں نے الحمد للہ کہا تھا اس لئے ان کو رحمک اللہ کہا گیا، تم نے الحمد للہ نہیں کہا میں نے بھی کچھ نہیں کہا۔ ہارون قاضی عافیہ کے جواب کو سن رہا تھا۔ بات ان کی جب ختم ہوئی ہارون نے کہا کہ "جائیے جائیے آپ اپنا کام قضا کا جا کر کیجئے، بھلا مری چھینک کے ساتھ ہو کسی اور رعایت پر آمادہ نہیں ہو سکتا وہ کسی دوسرے کی پاس داری فیصلہ میں کیا کرے گا۔"

یہ تو قاضی صاحب سے ہارون نے کہا اور جس شخص نے ان کی شکایت کی تھی اور درباریوں میں جن لوگوں نے اس کی حمایت کی تھی سب کی سرزنش کی گئی۔
ص ۳۹ ج ۳ تاریخ بغداد

امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد جیسا کہ عرض کر چکا ہوں مالک محروسہ عباسیہ کے طول و عرض کی عدالتوں میں عموماً ان کے تلامذہ کا قضا کے عہدے پر تقرر کیا گیا تھا۔ تقریباً ہر ایک سے خلفاء کو بھی اور صوبہ کے دلاۃ و حکام کو بھی اس قسم کے تجربے آئے دن ہوتے رہتے تھے اور یہی میں کہنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کے کردار کے وہ لازمی نتائج تھے حکومت ان لوگوں کے سامنے اگر نہ جھجکتی تو کرتی کیا؟

امام ابو یوسف کی کتاب "کتاب الخراج" کے

دیباچہ پر تبصرہ

ہارون کے عہد تک قانون اور شریعت کا پیچہ حکومت کے مقابلہ میں کتنا مضبوط ہو چکا تھا قطع نظر ان تاریخی تصریحات کے میں تو کہتا ہوں کہ قاضی ابو یوسف کی مشہور کتاب "کتاب الخراج" کے دیباچے کی عبارت کالب و لہجہ بھی اس کے اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ تو ایسی قطعی شہادت ہے جس میں اس قسم کے شکوک و شبہات کی بھی گنجائش نہیں جو عموماً تاریخی روایتوں کے متعلق دلوں میں پیدا ہوتے ہیں یہ دیباچہ

جو تقریباً سترہ اٹھارہ صفحات میں پھیلا ہوا ہے ظاہر ہے کہ سب کے نقل کرنے کی یہاں کیا گنجائش ہے لیکن مثلاً ابتداء کے چند فقروں کا ترجمہ درج کر دیتا ہوں انوارہ کے لئے انشاء اللہ یہی کافی ہوں گے۔

یہ تو شاید لوگوں کو معلوم ہوگا کہ قاضی ابو یوسف نے ہارون کے حکم سے اس کتاب میں مال گزاری اور خراج کی تحصیل و وصول و مصارف وغیرہ کے شرعی قوانین مدون کر دیئے ہیں، یہ کہنے کے بعد کہ آپ نے مجھ سے جو یہ خواہش کی ہے کہ حکومت کی آمدنی اور اس کے مختلف اقسام کے متعلق ایک جامع کتاب لکھ دوں، اسی کی تحصیل کر رہا ہوں قاضی ابو یوسف نے ہارون کو خطاب کر کے لکھا ہے:

”امیر المؤمنین! خدا کا شکر ہے کہ ایک بڑی ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی گئی ہے جس کا ثواب بھی تمام ثوابوں میں بڑا ہے، لیکن اس کی سزا بھی تمام سزائوں سے بدتر اور سخت ہے، آپ کے سپرد اس امت (مسلمانوں) کے معاملات کئے گئے ہیں، آپ ذمہ دار ٹھہرائے گئے ہیں کہ خدا کی بے شمار مخلوق کے حقوق کی بنیادوں کو مستحکم کریں آپ ان کے امین ہیں اور اس ذمہ داری کو آپ پر عائد کر کے خدا آپ کی آزمائش کر رہا ہے؛

ہیں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ خدا کے ڈر پر جس تعمیر کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی، اس کے متعلق ڈرتے رہنا چاہیے کہ کس وقت قدرت اُس کو اوندھے منہ گرا دیتی ہے۔

پھر بہت سی نصیحتوں کے ساتھ بیچ بیچ میں لکھتے چلے گئے ہیں۔

قیامت کے دن وہی حکمران سب سے زیادہ خوش بخت ثابت ہوگا جس نے اپنی رعیت کو خوش حال رکھنے کی کوشش کی دیکھئے آپ جادو منقیم سے اگر ہٹے تو رعیت بھی آپ کی ہٹ جائے گی۔۔۔ دنیا اور دین میں جب کش مکش کی صورت پیش آئے۔ تو چاہیے کہ آپ دین کے پہلو کو ترجیح دیں کہ وہی باقی رہنے والی چیز ہے۔

پھر قیامت کے میدان کا نقشہ پیش کر کے اور حق تعالیٰ کے جلال و جبروت کا

حوالہ دیتے ہوئے ہارون کو کہتے ہیں :-

پس چاہیے کہ خدا سے آپ کی ملاقات ایسی حالت میں نہ ہو کہ آپ ان لوگوں کی راہ پر چلے ہوں جنہوں نے اس کے مقررہ حدود کی پروانہ کی ہر شخص کو اپنے عمل کا بدلہ ملے گا دنیا میں اس کا کیا مقام تھا اس کی پروا اس وقت نہیں کی جائے گی :-

بہر حال اس قسم کی باتوں کے ساتھ ہارون سے قاضی صاحب نے مطالبہ کیا ہے کہ لوگوں کے متعلق آپ کو چاہیے کہ خدا کے قانون کے لحاظ سے سب برابر ہوں خواہ آپ کے قریب ہوں یا آپ سے دور ہوں ملازمت کرنے والوں کی پروانہ کرنی چاہیے ۔

اور کتاب کے مضامین کے شروع کرنے سے پہلے لکھا ہے ۔

آپ نے جو حکم دیا تھا میں نے اسی کے مطابق کتاب لکھ دی ہے اور آپ کے لئے ساری باتوں کی شرح جیسی کہ چاہیے میں نے کر دی ہے اب یہ آپ کا کام ہے کہ ان کو سمجھتے غور کیجئے اور بار بار اس کا مطالعہ کیجئے ۔ تاہیں کہ کتاب آپ کو یاد ہو جائے ۔ میں نے آپ کی اور مسلمانوں کی بھی خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے ۔

عیسیٰ شہزادوں کو فقہ حنفی کی تعلیم

بیچ بوچھے تو قاضی ابو یوسف کی کتاب الحزرات اور اس کتاب کے طرز خطاب کو دیکھنے کے بعد حنفی فقہ کے مورخین کی ان روایتوں میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ شہزادوں کو دوسرے علوم و فنون کے ساتھ فقہ حنفی کی باضابطہ استدلالی رنگ میں تعلیم دی جاتی تھی اور کیسی تعلیم ؟ وہی نضر بن شعیل جن کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے مروی پہنچنے کے بعد اور مامون جو اس زمانے میں اپنے والد ہارون کی طرف سے خراسان کے والی ہوئے کی حیثیت سے مروی میں مقیم تھا اس کے دربار میں نضر بن اقتدار و رسوخ جو حاصل کر لیا تھا اپنے اس اقتدار سے وہ چاہتے تھے کہ حکومت میں حنفی فقہ اور فقہار کا جو

اثر ہے اس کو کسی طرح ختم کر دیا جائے، مگر کے مقامی علماء کی ایک جماعت جو حنفیوں سے ناراض تھی وہ اس مہم میں تفرک کے ساتھ ہو گئی تھی مامون کو حنفی فقہ کی اس مخالفت نے تحریک کا جب علم ہوا تو اس نے خود اس مسئلہ کا فیصلہ کرنا چاہا، کہتے ہیں کہ دربار میں دونوں فریق کے علماء جمع تھے، مامون نے نفوس شہیل کی طرف خطاب کر کے پوچھا کہ حنفی فقہ کے ساتھ آخر آپ لوگوں کے اس مخالفت طرز عمل کی وجہ کیا ہے خود نصر تو کچھ جواب نہ دے سکے۔ لیکن اُن کے ایک ہم خیال عالم احمد بن زہیر نے عرض کیا کہ مجھے حکم ہو تو کچھ عرض کروں مامون نے کہا کہ یہی تو میں پوچھنا چاہتا ہوں، احمد بن زہیر نے دی پرانی بات کہ ابو حنیفہ کی فقہ میں فلاں فلاں مسائل ایسے ہیں جن میں صراحۃً کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی گئی ہے مامون نے پوچھا کہ تم نے کیسے سمجھا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی ان مسائل میں خلاف درزی کی گئی ہے احمد سے یہ کہنے کے بعد مامون نے قاضی خالد بن صبیح حنفی جو وہیں دربار میں بیٹھے تھے ان سے دریافت کیا کہ اچھا آپ بتائیے اس مسئلہ میں جس کا احمد نے ذکر کیا ہے امام ابو حنیفہ کا کیا فتویٰ ہے جو فتویٰ تھا۔ قاضی صبیح نے بیان کیا، احمد بن زہیر نے سن کر کہا کہ لیجئے اسی مسئلہ میں بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے، اور ابو حنیفہ نے بالکل اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے، احمد بن زہیر کی بات جب ختم ہو گئی تو بجائے قاضی خالد کے خود مامون احمد کی طرف متوجہ ہوا ایک ہی حدیث نہیں بلکہ لکھ ہے کہ

جعل المامون یجتہی لابی حنیفۃ
بأحدیث لمرکین یجرانہا ہولاء
ابو حنیفہ کی تائید میں ایسی چند حدیثیں دلیل میں
مامون پیش کرتے تھے جن سے مخالف جماعت
کے رگ نادانف ٹھٹھے

ص ۵۶ ج ۲

سہ غیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں بادشاہوں اور شاہزادوں کے علم کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے محدثین اور فقہاء بھی ان معنویت سے محروم تھے اور یہ کیفیت تو مامون کے دینی علم کی تھی عقلی علوم و فنون سے اس کی دلچسپیوں کا جو حال تھا وہ اسی سے نشا ہو ہے کہ آج ایک اقلیدس کی ایک مستقل شکل مامون کے نام سے موسوم ہے اور کسی جگہ تو نظر سے یہ بات نہیں گزری ہے۔ لیکن الجمع العلوی شام کی طرف سے جو محاضرات لکچرنا

اور ایک ہی مسئلہ نہیں بلکہ جس جس مسئلہ کے متعلق مخالف فریق کا الزام تھا کہ اس میں قرآن و حدیث کی مخالفت کی گئی ہے مامون پوچھتا جاتا تھا اور امام ابو حنیفہ کی تائید میں دلیلیں پیش کرتا جاتا تھا جب اس قسم کے مسائل کی کافی مقدار پر بحث ہو چکی تو جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔

فلما اکثر وامن هذا قال لمامون
لو وجدنا مخالفاً لكتاب الله تعالى
وسنة رسوله صلى الله عليه
وسلم ما استعملناه ص ۵۶ ج ۲

جب اس قسم کے مسائل پر کافی بحث ہو چکی
تب مامون نے کہا کہ اگر حنفی فقہ کو ہم اللہ کی
کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
سنت کے مخالف پاتے تو دستور العمل کی حیثیت
سے ہم اس کو قطعاً اختیار نہیں کرتے۔

لکھا ہے کہ ان الفاظ کے بعد نفاذ اور ان کی جماعت کی طرف خطاب کر کے مامون نے فرمایا: آئندہ پھر اس قسم کی حرکت کی جرأت تم میں کوئی نہ کرے
اگر تمہاری جماعت میں اس وقت یہ شیخ زینی نصر بن شہیل، نہ
ہوتے تو تم میں ہر ایک کو میں ایسی سزا دیتا جسے تم کبھی بحصول نہیں
سکتے تھے۔ ص ۵۷

بہر حال بجائے خود قصہ کی نوعیت جو کچھ بھی ہو میں تو اس نتیجے پر متنبہ کرنا چاہتا

مشتاق ہوئے ہیں ان ہی لکچروں میں ایک لکچر میں بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ مامون الرشید
کو علاوہ اپنی مادری زبان کے یونانی، عبرانی، فارسی زبانوں میں بھی دست گاہ حال
تھی اور دلچسپ بیان اسی محقق کا یہ بھی ہے کہ وہ ہندی (غالباً سنسکرت) زبان
بھی جانتا تھا۔ ص ۳۲ محاضرات الجمع العلوی دمشق الشام، موفق کی اسی کتاب
میں ہے کہ اپنے ایام خلافت میں مامون الرشید کا قاعدہ تھا کہ اس کے دربار میں
سوار می ہمیشہ ایسے ہوتے تھے جن کا فقہ میں پایہ بہت بلند ہوتا تھا، کوئی ان میں
جب مرجعاً تھا تو اس کی جگہ دوسرے فقیہ کا تقرر کر دیا جاتا تھا۔ لیکن
مسائل کی تحقیق کے وقت ثابت ہوتا تھا کہ ان تمام فقیہوں میں سب سے بڑا
فقیہ خود مامون ہے۔ ص ۵۶ ج ۲

ہوں جو اس تاریخی بیان سے پیدا ہوتا ہے خیال کرنے کی بات ہے کہ مامون سے گفتگو جن لوگوں سے ہو رہی تھی ان میں فقہ بن شہیل جیسے وسیع معلومات والے آدمی بھی تھے اور ان کو بھی جانے دیجئے کیونکہ ان پر حدیث و قرآن سے زیادہ ادب و شعر کا مذاق غالب تھا حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ احمد بن زہیر جنہوں نے اجازت لے کر مامون سے گفتگو شروع کی تھی ان کا شمار حفاظ حدیث میں ہے خطیب نے لکھا ہے کہ:-

كَانَ ثِقَةً عَالِمًا مُتَّقِنًا حَافِظًا بَصِيرًا بڑے معتبر محتاط عالم اور حافظ حدیث تھے

۱۶۲

تھے

علم حدیث میں ان کا جو پایہ تھا اس کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے سمت از تلامذہ ہیں لوگوں نے ان کو داخل کیا ہے ان کی تاریخ میں ایک مشہور کتاب بھی ہے جس کے متعلق خطیب کا بیان ہے کہ

” میں جن کتابوں کو جانتا ہوں ان میں تاریخ کی اس کتاب سے جسے اس شخص نے تصنیف کی ہے کوئی ایسی دوسری کتاب ان فوائد پر مشتمل نہیں پائی جو اس کتاب کی خصوصیت ہے

ص ۱۶۲ ج ۴

مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ فقہ حنفی کے مسائل جن آثار و احادیث پر مبنی ہیں مامون الرشید کو جن کی تعلیم دی گئی تھی۔ ان سے ابن زہیر بھی واقف نہ تھے اور یہی میرا مطلب تھا۔ اس دعویٰ سے کہ فقہ حنفی کی عباسی شاہزادوں کو باضابطہ دلائل و وجوہ کے ساتھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم دی جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں موفق و غیرہ نے بعض دوسری روایتیں بھی نقل کی ہیں لیکن میں ان کو نظر انداز کرتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام نے اپنے بعد اپنی مدونہ فقہ اور اس فقہ کے جاننے والوں کی جو جماعت چھوڑی تھی ان سے حکومت کو مسلسل ایسے تجربات ہی ہو رہے تھے کہ تدریجاً ان تعلقات کا پیدا ہو جانا ضروری تھا جو اس فقہ کے ساتھ عباسی

حکومت کے قائم ہو گئے تھے ایک طرف امام کے تلامذہ کے تجربات کی وہ نوعیت اور دوسری طرف اسی عباسی حکومت اور اس کے حکمرانوں میں دوسرے طبقات کے علماء اور فقہاء کے متعلق ایسے احساسات جب پیدا ہو رہے تھے جن کا ایک مشہور نمونہ خود ہارون الرشید کے عہد کا یہ ہے۔

امام ابو یوسف کی وفات

قاضی ابو یوسف کا جب انتقال ہو گیا تو سوال پیدا ہوا کہ قاضی القضاۃ کا جو عہدہ حکومت میں قائم ہو گیا ہے اس پر کس طبقہ کے عالم کا تقرر کیا جائے قاضی ابو یوسف نے قدرتی طور پر سارے ممالک عباسیہ کی عدالتوں کو اپنے ہم مشرب علماء یعنی حنفی فقہاء کے قاضیوں سے بھردیا تھا، گو خود ہارون فقہ حنفی اور حنفی فقہاء سے متاثر ہو چکا تھا اور اس سے زیادہ اس کے تاثر کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے شاگردوں کو باضابطہ فقہ حنفی کی ایسی تعلیم دلائی تھی کہ بڑے بڑے محدثین کے علم پر مامون کے معلومات برتری حاصل کئے ہوئے تھے۔ لیکن پھر بھی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی طبقہ اور جماعت کا حکومت میں اتنا غیر معمولی اقتدار مامون کو سیاسی مصالح کے خلاف معلوم ہوا۔ قاضی ابو یوسف کی زندگی تک تو خاموش رہا۔ لیکن ان کی وفات کو ایک منقنم موقعہ خیال کر کے ایک ایسے عالم کا اس عہدے کے لئے اس نے انتخاب کیا جس کا نسلی طور سے خاندان قریش سے تعلق تھا۔

قاضی القضاۃ کے عہد پر قاضی وہب کا تقرر

میرا اشارہ قاضی وہب بن الفرشی کی طرف ہے جو اپنی کنیت ابو البختری

سے خود برا مکہ کے ساتھ ہارون نے آخر میں جو سلوک کیا، بازاری گھون کو تو جانے دیجئے، لیکن اصلی راز اس کا بھی وہی تھا کہ حکومت کے ہر شعبہ پر آل برا مکہ کا چھبنا ہارون کو ایک خطرناک بات معلوم ہوئی۔

کے نام سے عام طور پر مشہور ہیں۔ خطیب نے بھی اور حنفی طبقات کے مؤرخین نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ :-

کان الرشید ولی ابا البختری • ہارون رشید نے ابوالبختری وہب بن وہب
وہب بن وہب قضا و القضاۃ کا قاضی القضاۃ کے عہدے پر ابولوسف
بغلاد بعد ابی یوسف ص ۱۸۹ ج ۸ کے بعد تقرز کیا۔

قاضی وہب کی پستی کردار

مگر اس قریشی قاضی سے ہارون کو جو تجربات ہوئے آج تک تاریخ کے اوراق میں وہ محفوظ ہیں ایک دندہ نہیں متعدد مواقع ایسے پیش آئے ہیں کہ ہارون کسی کام کو کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے جواز عدم جواز میں اس کو شبہ تھا۔ قاضی وہب نے ہر موقع پر یہ حرکت کی کہ اسی وقت اپنے دماغ سے تراش کر ایسی حدیث ہارون کو سنادی، جس سے اس فعل کا جواز ثابت ہوتا ہو، لکھا ہے کہ ہارون دینہ پہنچا، جیسا کہ اس زمانے کا دستور تھا، خطبہ اور امامت کا کام خلفاء بھی انجام دیا کرتے تھے منبر بنو حنی پر خطبہ دینے کے لئے جب ہارون چڑھنے لگا تو موعا اُس کو خیال آیا کہ درباری رنگ سیاہ کپڑوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر مبارک پر چڑھنا شاید مناسب نہ ہو وہ رک گیا۔ قاضی وہب نے مٹا ایک حدیث گھر کر سنادی کہ :-

”جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اس

وقت جبریل کے جسم پر سیاہ قبا تھی کمر میں چمکا اور نیچے

میں خنجر تھا“ ص ۱۸۹ ج ۸

گویا جس لباس میں ہارون اس وقت تھا، قاضی وہب نے باور کرایا کہ یہ لباس تو جبریل کا تھا، ہارون جو خود بھی حدیثوں سے کافی واقفیت رکھتا تھا۔ دل میں سمجھ تو گیا کہ قاضی نے محض میرے خاطر یہ حدیث گھڑی ہے۔ لیکن اس وقت خاموش ہو گیا، کچھ دن بعد ہارون بغداد میں کبوتر اڑا رہا تھا۔ اتنے میں قاضی وہب بھی آگئے، ہارون نے پوچھا کہیے کبوتر بازی کے متعلق بھی کوئی روایت

آپ کے علم میں ہے۔ بے محابا اس شخص نے کہنا شروع کیا کہ :
 مجھ سے ہشام بن عروہ نے یہ روایت بیان کی ہے کہ ہشام سے
 ان کے والد عروہ روایت کرتے تھے کہ عائشہ صدیقہ نے ان سے یہ
 بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبوتر بازی فرماتے
 تھے " ص ۵۳

اُس وقت ہارون آپ سے باہر ہو گیا اور کہا کہ
 " نکل جا میرے سامنے سے اگر تیرا خاندانی تعلق قریش سے نہ رہتا
 تو تجھے میں معزول کر دیتا "

بسا اوقات ایسی صورتیں بھی پیش آتی ہیں کہ وقتی ضرورت سے قاضی وہب
 کوئی حدیث گھڑ کر بیان کر دیتے۔ لیکن " دروغ گور حافضہ نہ باشد " بھول جاتے
 ہارون نے اس سلسلہ میں ان کی گرفت بھی کی، آخر شرمندہ ہونا پڑا !
 بہر حال قاضی ابو یوسف کے بعد ایک غیر حنفی قاضی القضاۃ کا تقرر کر کے
 ہارون الرشید بے چارے پر جو اثر مرتب ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے حنفی قضاۃ جو اولاً
 زور زبردستی سے عہدہ قبول کرتے تھے اور جب قبول کر لیتے تو اپنے کردار اور سیرت
 کے وہ نمونے پیش کرتے تھے جن کا ذکر قاضی عافیہ، قاضی حنفی بن غیاث وغیرہ
 کے سلسلہ میں گذر چکا، اور دوسری طرف غیر حنفی قضاۃ کے متعلق حکومت کے سامنے
 یہ شہادتیں پیش ہو رہی تھیں جن کی ابتداء حجاج بن ارطاة سے ابو جعفر منصور کے
 زمانے میں ہوئی اور اختتام ان تجربات کا اسی قاضی وہب بن وہب پر ہوا جس
 پر خود اس کی زندگی میں ساری علمی دنیا کی طرف سے ملامت کے تیروں کی بارش
 ہو رہی تھی۔ انتہا یہ تھی کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے متعلق لوگوں کا بیان ہے کہ
 اپنی فطری نرم مزاجی کی وجہ سے صراحتاً کسی کو کذاب " نہیں فرمایا کرتے تھے لیکن
 قاضی وہب کی جرأت کذب بیانی میں اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ حضرت والا بھی اس
 کو رجل کذاب (سخت جھوٹا آدمی) فرمایا کرتے تھے۔ قاضی وہب کا وطن مدینہ منورہ
 تھا لکھا ہے کہ بغداد سے رخصت لے کر جب کبھی مدینہ منورہ جاتے تو اپنی عام بدنامی
 اور شرم کی وجہ سے باہر نہیں نکلتے۔ امام مالک نے ایک دن فرمایا بھی شاید کسی

وجہ سے وہ اس مجلس میں موجود تھے کہ

بعض لوگوں کا یہ کیا حال ہے کہ مدینہ سے باہر جا کر لوگوں کو باور
کراتے پھرتے ہیں کہ مجھ سے مدینہ کے عالم جعفر بن محمد یا ہشام بن
عروہ سنے یہ بیان کیا رہ بیان کیا۔ لیکن جب مدینہ آتے ہیں تو
گھر میں چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں ص ۲۵۵ خطیب ۱۲۷

ایک اہم آزمائشی مقابلہ

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام کی وفات کے بعد جہاں ان کے تلامذہ کے ایک طبقہ
نے حکومت کے محاکم عدل کی ملازمتوں کو قبول کر لیا تھا۔ جن میں بعض تنخواہ پتے تھے اور
بعض ایسے بھی تھے جو بغیر کسی تنخواہ کے کام کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے
قاضی قاسم بن معن بن عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود کے متعلق لکھا ہے کہ:-
کان قاضیا بالکوفة ولا يا خلا جلا وہ کوفہ کے قاضی تھے لیکن قضا کی تنخواہ
نہیں پتے تھے۔ ص ۲۱۲ جواہر

اور ایک بڑا طبقہ ان لوگوں کا بھی تھا جنہوں نے حکومت کے اصرار شدید پر بھی
اپنے استاذ ہی کے طریقہ کو اختیار کیا، ہم آئندہ ان کا کچھ تذکرہ بھی کریں گے۔

امام محمد

ان ہی لوگوں میں امام محمد بن حسن الشیبانی بھی تھے ایک زمانہ تک ملازمت سے
یہ کنارہ کش رہے اور اپنا سامان وقت امام کی مجلس کے مدونہ قوانین کی تہذیب و ترتیب
و تبویب میں خرچ کرتے رہے۔ لکھا ہے کہ سارے مسائل اور قوانین کو امام محمد نے چھوٹی
بڑی ہزار کتابوں پر تقسیم کر کے مرتب کیا۔ اور اس وقت فقہ کی کتابوں میں کتاب الطہارت
کتاب الصلوٰۃ وغیرہ وغیرہ کے نام سے جو کتابیں پائی جاتی ہیں۔ یہ امام محمد ہی کی کتابوں

امام محمد کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ نے دس رومیات (یورپین) عورتوں کو جو شرعی کنیز
ہونے کی حیثیت رکھتی تھیں عربی زبان اور کتابت کی تعلیم دی تھی اور ان کی تدریس و ترتیب

کی یادگار رہے۔ لیکن ان کتابوں کی ترتیب و تہذیب سے فارغ ہونے کے بعد زندگی کے آخر دنوں میں ہارون الرشید کے محبوب و پسندیدہ شہر رتہ کی قضاوت کا عہدہ انھوں نے قبول کر لیا تھا۔

یحییٰ بن عبد اللہ کی مہم

اسی زمانے میں جب امام محمد رتہ کے قاضی تھے حکومت عباسیہ کے لئے ایک نئے خطرے و یلم کے گھستاؤں سے سراٹھایا، قصہ تو طویل ہے حاصل یہ ہے کہ

بہت قتل و غارت ۵۱۷ھ

کئے گئے کام میں ان کا ہاتھ بڑا تھی دیکھو کردی ص ۱۶۲ ج ۱۲

۱۵۔ یہ ساحل فرات کا ایک شامی شہر ہے حلب سے چارویں کی راہ پر واقع تھا۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ فرات کے بائیں طرف جانب جنوب لب دریا اس کا محل وقوع تھا، تجارت کا بڑا مرکز تھا، حران رہا اسی رتہ کے مفصلاتی شہر تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ بغداد میں ہارون کی طبیعت اچھی نہیں رہتی تھی۔ حتیٰ کہ اسی وجہ سے اپنے دادا کے بنائے ہوئے اس شہر کو وہ "بخار" کہتا تھا ص ۱۰ ج ۱۰۔ اسی لئے زیادہ تر ہارون رتہ ہی میں رہتا تھا، لغضوں نے اس کی شکایت بھی کی تو معذرت کرتے ہوئے اس نے کہا کہ بلاشبہ بغداد میرے باپ دادا کی جگہ ہے اور مجھے اس سے نفرت نہیں ہے۔ لیکن میں نے شام کے قریب رتہ کو اس لئے پسند کیا ہے کہ شام ہی میں بنی امیہ کے شجر ملعونہ کی جڑ ہے، نیز اس ملک اور اس کے اطراف میں چوروں ڈاکوؤں کی کثرت ہے ص ۹ طبری بہر حال ہارون الرشید کے عہد میں رتہ کو چونکہ بہت اہمیت حاصل ہو گئی تھی اس لئے خصوصاً طور پر اس شہر کا قاضی بھی ہارون نے ایک ایسے شخص کو مقرر کیا جن کا درجہ علم و فنسل اور تمام دوسرے مقامات میں قاضی ابو یوسف کے بعد امام کے شاگردوں میں دوسرے درجہ پر تھا ۱۲

۱۶۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون نے رتہ کی قضاوت پر جب ان کا تقرر کرنا پایا تو آپ نے اللہ رکھا قاضی ابو یوسف زندہ تھے انھوں نے ان کو وسیلہ بنا کر کوشش کی کہ اس جہگڑے سے حکومت انھیں آزاد ہی رکھے لیکن بات سنی نہیں گئی مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ ۱۲

محمد بن زکیہ کے ایک بھائی جن کا نام یحییٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی علیہم السلام تھا، یہ نفس زکیہ کی مہم کی ناکامی کے بعد مختلف علاقوں میں روپوش ہوتے ہوئے بالآخر ولیم پنچے اور بتدریج ایک ایسا اقتدار اس علاقے میں یحییٰ بن عبداللہ نے حاصل کر لیا کہ عباسی حکومت اب ان سے اغماض اختیار نہیں کر سکتی تھی ان کی قوت و طاقت کی جو خبریں ہارون الرشید تک پہنچاتی گئی تھیں، طبری نے لکھا ہے کہ ہارون اُن سے اتنا متاثر ہوا کہ اس زمانے میں اس نے بیڈ کا استعمال تک ترک کر دیا تھا اور سخت فکر میں مبتلا ہو گیا۔ بالآخر یحیٰ بن زکیہ کی ایک فوج دے کر فضل بن یحییٰ برکمی کو یحییٰ بن عبداللہ کے مقابلہ کے لئے اُس نے روانہ کیا۔ فضل بجائے لڑائی بھڑائی کے صلح جوتی کی تدبیروں سے کام لینے لگا۔ ولیم کے بڑے بڑے لوگوں میں کافی روپیہ اس نے تقسیم کیا اور یحییٰ بن عبداللہ سے خط و کتابت کر کے اُس نے ان کو راضی کر لیا کہ خود ہارون الرشید اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کر میرے پاس اگر بھیجے گا تو میں اپنے آپ کو ہارون کے حوالہ کر دوں گا فضل نے ہارون کو اس شرط سے مطلع کیا، دل کی یہی مراد تھی۔

ہارون کا امن نامہ

اسی وقت ہارون نے امان نامہ لکھا اور بڑے بڑے علماء اور قاضیوں کے سوا بنی ہاشم کے سربراہان و بزرگوں کے دستخطوں سے مزین کر کے ہاشمیانہ تحفوں اور ہبایا کے ساتھ اُس امان نامہ کو فضل کے پاس روانہ کر دیا۔ یحییٰ بن عبداللہ نے حسب وعدہ اپنے آپ کو فضل کے حوالہ کر دیا اور فضل جیسا چاہیے تھا انتہائی اکرام و تعظیم کے ساتھ اپنے ساتھ لے ہوئے ہارون کی خدمت میں حاضر ہو گیا بڑی گرم جوشی سے ہارون بھی حضرت یحییٰ بن عبداللہ سے ملا اور اُن کے رہنے سہنے کا بہترین انتظام اُس نے کر دیا۔ طبری نے لکھا ہے کہ اُن کی ساری ضرورتوں کی براہ راست ہارون خود نگرانی کرتا تھا اور جو وعدہ اُس نے کیا تھا اُسے پورا کرتا رہا۔

امین نامہ کی خلاف ورزی کیلئے شرعی حیلے

لیکن بعض دراندازوں کی دراندازیوں سے متاثر ہو کر ہارون کی طبیعت حضرت یحییٰ کی طرف سے بتدریج بدل گئی پھر ان کے ساتھ اس نے کیا کیا بڑی طویل داستان ہے میری غرض کا صرف اس جزرے تعلق ہے جس کا ذکر علاوہ حنفی مورخین کے طبری نے بھی اپنی تاریخ میں کیا ہے :

امام محمد کی طلبی اور امین نامہ کے متعلق استفسار

یہ ہوا کہ جب رفتہ رفتہ ہارون کی سورمزا جی حضرت یحییٰ سے بڑھتے ہوئے اس حد تک پہنچ گئی کہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی اور وہ امین نامہ کی خلاف ورزی کر کے ان کے قتل پر آمادہ ہو گیا چاہتا تو اپنے اس ارادہ کو یوں بھی پورا کر سکتا تھا، لیکن دین کا خیال یا خلق اللہ کی رسوائی کا خیال کر کے شرعی حیلہ کے نیچے پناہ لینے کے لئے اس نے فقہار اور قضاۃ کو طلب کیا، واقعہ غالباً رقبہ ہی کا ہے جہاں کے امام محمد قاضی تھے اور شاہی کیمپ کے ساتھ قاضی القضاۃ دہب بن دہب بھی وہیں موجود تھے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے امام ابو حنیفہ کے ایک اور شاگرد قاضی حسن بن زیاد بھی اس مجلس میں بلائے گئے تھے۔ لیکن طبری کی روایت میں حسن بن زیاد کا ذکر نہیں ہے بظاہر وہاں ان کے رہنے کی کوئی وجہ بھی نہیں معلوم ہوتی۔

امام محمد کا جواب

بہر حال طبری نے جعفر بن یحییٰ برکمی ہارون الرشید کے مشہور وزیر کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ :-

ہارون نے یحییٰ بن عبد اللہ کو اس امان نامہ کے ساتھ جو ان کو لکھ کر دیا گیا تھا، طلب کیا اور محمد بن حسن کو پہلے خطاب کر کے اس نے پوچھا کہ کیا یہ امان نامہ جو اس شخص کو لکھ کر دیا گیا ہے صحیح ہے؟ یعنی مجھ پر اس کی پابندی کیا ضروری ہے؟ امام محمد نے کہا کہ اس کے صحیح ہونے میں کیا

شعبہ ہے ؛ لیکن صحیح ہے۔ تب ہارون ان سے جھگڑنے لگا۔
 یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ کے گزشتہ باغیانہ طرز عمل کو پیش کر کے
 ان کو مجرم قرار دینا چاہتا تھا غالباً اسی کا جواب تھا جو امام محمد نے ہارون سے کہا
 ”میں پوچھتا ہوں کہ حکومت سے باغی ہو کر جس نے جنگ کی ہو، لیکن
 بعد کو تائب ہو جائے اور اسے امن دیا جائے تو کیا وہ مامون و محفوظ
 نہیں ہو جائے گا۔“

مطلب یہی تھا کہ امان نامہ کے بعد اگر عہد کی خلاف ورزی یحییٰ بن عبداللہ
 سے ہوئی ہو تو بے شک اس وقت گنجائش پیدا ہوتی ہے لیکن امان نامہ سے
 پہلے کی باتوں کو الزام قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔

قاضی وہب کا جواب

طبری کا بیان ہے:-

”تب امام محمد سے رخ پھیر کر ابوالنختری یعنی قاضی القضاۃ وہب
 بن وہب کی طرف ہاسون متوجہ ہوا اور اسی سوال کو ان پر
 پیش کیا۔“

قاضی وہب جیسے آدمی تھے وہ اپنے آپ کو شریعت کا نہیں بلکہ ہارون کا
 ملازم سمجھتے تھے انتہائی بے شرمی کے ساتھ اس شخص نے کہنا شروع کیا کہ
 ”یہ امان نامہ مختلف وجوہ سے ٹوٹ چکا ہے جس کی وجہ ہے
 یہ وجہ ہے۔“

طبری میں تو صرف اسی قدر ہے لیکن حنفی مورخین نے لکھا ہے کہ
 ”قاضی وہب نے اپنے موزے سے ایک چاقو نکالا اور امان نامہ
 کو اسی سے چاک کر کے کہنا شروع کیا کہ یہ امان نامہ منسوخ
 ہو چکا ہے۔“

اور ہارون کو خطاب کر کے کہا کہ
 ”آپ اس شخص کو قتل کر دیجئے اس کے خون کو میں اپنی گردن پر

لیتا ہوں :-

طبری نے لکھا ہے کہ ہارون نے

”قاضی دہب سے یہ سن کر کہا کہ آپ قاضی القضاۃ ہیں آپ ہی اس مسئلہ کو زیادہ جان سکتے ہیں اس کے بعد قاضی نے امان نامہ کو چاک کر دیا اور اس پر تمحک ڈال دیا ص ۵۱۵ ج ۱۰

امام محمد پر ہارون کا عتاب

واللہ اعلم حنفی مورخین کا یہ بیان ہے کہاں تک صحیح ہے کہ ہارون نے قاضی کے بعد امام محمد کو غصہ کی نگاہ سے دیکھا اور کہا کہ ”تم ہی جیسے لوگوں سے شہ پاپا کر یہ لوگ بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں :-

اور آپ سے باہر ہو کر لکھا ہے کہ دوات جو سامنے رکھی ہوئی تھی اٹھا کر امام محمد کے منہ پر ہارون نے دے ماری جس سے اُن کا چہرہ زخمی ہو گیا۔

ص ۱۶۴ ج ۲

لکھا ہے کہ امام محمد مجلس سے اٹھ کر چلے گئے ان کے ساتھ اُن کے شاگرد رشید محمد بن سماعہ بھی ساتھ تھے اُن کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا امام محمد چلتے ہوئے روتے جاتے تھے میں نے عرض کیا کہ اللہ کی راہ میں اگر مجروح ہوتے ہیں تو کیا یہ رونے کی بات ہے جواب میں امام محمد نے کہا

”میں اپنی چوٹ کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ اپنی اس

سہ لکھا ہے کہ قاضی دہب نے جس وقت یہ فتویٰ دیا تو یحییٰ بن عبد اللہ نے ہارون سے کہنا شروع کیا امیر المومنین یہ شخص جس کا باپ مدینہ میں طبال تھا یعنی طبلمی تھا آپ اس کے فتوے پر عمل کرتے ہیں ذرا اس کی پیٹھ کھول کر دیکھئے (کوڑوں) کے نشانوں سے بھری ہوئی ہے مدینہ کے حمام کے سارے دلاک اس سے واقف ہیں اور اس وقت کربہ زمین کا جو سب سے بڑا فقیہ ہے اس کے فتوے سے اعراض کرتے ہیں ۱۲

کو تباہ ہمتی پر رو رہا ہوں کہ قاضی القضاۃ جس وقت یہ باتیں
 بنا رہا تھا اور جن وجوہ سے دعویٰ کر رہا تھا کہ یہ امان نامہ
 منسوخ اور مسترد ہو چکا ہے، مجھ میں اس کی ہمت کیوں نہ
 ہوتی کہ اس سے میں اس دعویٰ کے دلائل پر بحث کرتا، میں
 اپنی اس ریزدلی کی خاموشی پر رو رہا ہوں۔" ص ۱۶۴ ج ۲ کر
 جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے، گو ہارون نے امام محمد کی رائے
 تسلیم نہیں کی اور وہ اب ہی کے فتوے کو اس نے سراہا لیکن قتل کرنے کی ہمت
 امام محمد کے اختلاف کی وجہ سے اس کو نہ ہوسکی۔ خطیب نے ہارون کے یہ الفاظ
 بھی نقل کئے ہیں کہ:-

"خدا کی قسم اگر میرے نزدیک اس شخص کا قتل جائز ہوتا تو میں
 ضرور اس کی گردن اڑا دیتا۔ اور میں قسم کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں
 کہ میں نے نہ اس شخص کو خود رہرپلا یا ہے اور نہ کسی دوسرے
 سے پلویا یا ہے۔" ص ۱۶۵ ج ۲

اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ظاہر ہارون نے جس طرز عمل کا بھی اظہار
 غصہ میں کیا ہو لیکن عمل اس نے امام محمد ہی کی رائے پر کیا۔
 بلکہ ان ہی یحییٰ بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن مصعب کے ساتھ ہارون ہی
 کے دربار میں اس واقعہ کے بعد جو صورت پیش آئی جس کا حاصل یہ ہے کہ
 عبد اللہ بن مصعب نے حضرت یحییٰ پر بعض زکیات الزامات لگائے یحییٰ بن عبد اللہ
 نے ان کا انکار کیا۔ آخر میں قسم تک بات پہنچی ہارون نے عبد اللہ کو اس قسم پر
 مجبور کیا جس کا یحییٰ نے مطالبہ کیا تھا۔ اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ ابن مصعب
 اس قسم کے بعد اسی دن یا تیسرے دن مر گیا الخطیب کا بیان ہے کہ قسم کے اس
 فوری اثر کا خیال ہارون کو جب کبھی آجاتا تو کہتا کہ:-

لا الہ الا اللہ ابن مصعب سے یحییٰ کا بدلہ کتنا جلد لیا گیا

ص ۱۶۵ ج ۲

کہتے ہیں کہ دربار سے ابن مصعب گھر جا رہا تھا گھوڑے سے گرا اور مر گیا، بعض

کہتے ہیں کہ فاج کا حملہ ہوا اور کئی دن بعد مر گیا۔

قاضی وہب کا انجام

اور عجیب بات یہ ہے کہ قاضی وہب بن وہب کے متعلق بھی یہی لکھتے ہیں کہ سقط و مال ص ۵۴ خطیب گرا اور ایک طرف جھک گیا۔

اگرچہ قاضی وہب بن وہب کے سن وفات میں مورخین کی مختلف رائیں ہیں لیکن یہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مفلون ہوتے کے بعد قضا کے عہدے سے پہلے دیئے گئے اور ہارون حسن نے قاضی ابویوسف کی وفات کے بعد غیر حنفی قاضی القضاۃ کا جو تجربہ کرنا چاہا تھا اس کو قاضی وہب سے ایسے تجربات مسلسل ہوتے چلے گئے جس کے بعد قدرتی طور پر ان کی جگہ حنفی قاضی القضاۃ کے تقرر کو اس نے مناسب خیال کیا۔ امام محمد رحمہ اللہ کے قاضی تو پہلے ہی سے تھے۔ اگرچہ بعضوں کا بیان ہے کہ یحییٰ بن عبد اللہ طابہی کے قصے میں ہارون نے غصہ میں ان کو برطرف بھی کر دیا تھا۔ لیکن عرض کر چکا ہوں کہ عمل بہر حال اس نے امام محمد ہی کے فتوے پر کیا۔

امام محمد کا قاضی القضاۃ کے عہدے پر تقرر

قدرتاً ایسی حالت میں امن کی نگاہ قاضی وہب کے بعد قاضی القضاۃ بننے کے لئے امام محمد ہی پر جا سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ زبیدہ خاتون کی جس سفارش کا لوگ تذکرہ کرتے ہیں اسی کو حید ہارون نے بنا لیا ہو۔ اور دوبارہ دربار میں بلا کر قاضی القضاۃ کا عہدہ ان کے سپرد کر دیا ان کے شاگرد ابن سماعہ کے حوالہ سے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ

ثم قرب الرشيد محمد بن الحسن بعد ذلك وتقدم عنده ودلالة قضاة القضاة ص ۳ بلوغ الاماني للفاضل المكنزي

پھر ہارون نے محمد بن الحسن کو قرب عطا کیا دربار میں ان کو برتری حاصل ہوئی اور ہارون نے قضاۃ القضاۃ کا عہدہ ان کے سپرد کیا۔

امام محمد کی وفات

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد کی عمر بڑھنے لگی اور تقاضا ہونے کے بعد ہارون کے ساتھ پہلے سفر میں جو اس نے خراسان کا کیا تھا یہ مقام رہی ان کی وفات ہو گئی سی۔ امام محمد کے قاضی القضاۃ ہونے کے واقعے نے زیادہ شہرت حاصل نہ کی، تاہم اس عرصے میں ہارون کے ساتھ چند واقعات ایسے پیش آئے ہیں جن کا مضمین نے تذکرہ کیا ہے جن میں ایک واقعہ تو وہی ہے جو ٹھیک اسی دن پیش آیا جس دن ہارون نے زبیدہ کے اشارے سے دربار میں بلا کر اپنی رنجش اور خفگی کے ازالہ کا اعلان کیا۔ اس روایت کا ذکر خطیب کے حوالہ سے پہلے بھی کسی موقع پر کر چکا ہے اس وقت علامہ ابو جعفر طحاوی نے امام محمد کے شاگرد خاص قاضی ابن سماعہ کے حوالہ سے جن الفاظ میں اس قصے کو درج کیا ہے ہم اس روایت کا ترجمہ پھر نقل کرتے ہیں قاضی ابن سماعہ کا بیان ہے کہ

ہارون کے شاہی محل میں امام محمد کے ساتھ میں بھی تھا۔ جس وقت زبیدہ کی کوشش سے ان کی معافی ہوئی تھی، ہوا یہ کہ جہاں پر ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ہارون دہیں ہم لوگوں کے سامنے آیا ہر ایک جو وہاں بیٹھا ہوا تھا، ہارون کے آنے کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا مگر ساری جماعت میں میں نے دیکھا کہ تنہا محمد بن الحسن جیسے بیٹھے ہوئے تھے جیسے رہے ہارون تیز نظروں سے ان کی اس حرکت کی وجہ سے ان کو دیکھنے لگا اور محل خاص میں پہنچ کر اس نے آدمی بھیجا جس نے آواز دی کہ سرف محمد بن حسن فقیہ کی طلبی ہے۔

ابن سماعہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے تو ہوش اڑ گئے اور میں نے خیال کیا کہ اندر بلا کر پیام نہ کرنے کی وجہ سے خلیفہ یقیناً کسی سخت سزا کا حکم ان کے متعلق دینے والا ہے جب ہی تو اکیلے ان ہی کی طلبی ہوئی ہے لیکن تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس ہوئے تو دیکھا کہ ہشاش بشاش میں میں نے دریافت کیا کہ واقعہ کیا پیش

آیا ہوئے کہ ہارون نے بلا کر مجھ سے دریافت کیا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی سارا مجمع تو مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا، اور تم بیٹھے کے بیٹھے رہے۔ امام محمد نے کہا کہ میں نے ہارون سے عرض کیا کہ

جس طبقہ میں آپ نے مجھے شریک کیا ہے، خود اپنی مرضی سے میں نے نہیں چاہا کہ اس طبقہ سے اپنے آپ کو خارج کر کے دوسرے طبقہ میں داخل کروں، میں نے کہا کہ امیر المومنین نے مجھے علم کا اہل قرار دیا ہے، میں نے یہ مناسب نہ خیال کیا کہ آپ سے علم کا اہل قرار دیں اُس کو ان لوگوں کے طبقے میں شریک کروں جس کا کام خدمت اور نوکری ہے آپ ہی کے ابن عم صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ

جس کی یہ خواہش ہو کہ لوگ اُس کی تعظیم میں اُس کے سامنے کھڑے ہو جایا کریں، چاہیے کہ ایسا آدمی اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنائے

۱۳ خطیب جلد ۲

امام محمد نے اس کے بعد ہارون کو سمجھا یا کہ عام درباریوں کا قیام آپ کو دیکھ کر اس کی توخیر گوئی گنجائش پیدا ہو سکتی ہے مگر اس سے دوسروں پر خلیفہ کا برعب قائم ہوتا ہے۔ دشمن اس حال کو دیکھ کر دل میں خیال کرتے ہیں کہ درباریوں کے دل میں آپ کی اور آپ کے احکام و فرائین کی کتنی عزت ہے۔ لیکن علماء کے متعلق یہی خواہش کہ آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو جایا کریں میرے نزدیک اس حدیث کی خلاف ورزی ہوگی ان ہی کا بیان ہے کہ ہارون نے ان کی تقریر کو سن کر کہا کہ عدتِ رحمہ نے سچی بات کہی، ۱۴ بلوغ الامانی وغیرہ

امام محمد کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہارون نے مجھ سے بنی تغلب کے نصارے کے متعلق فتویٰ دریافت کیا۔ ہارون کی راجت تھی کہ بنی تغلب کے عیسائیوں نے جو معاہدہ اسلامی حکومت سے کیا تھا، اس کی خلاف ورزی کے وہ مرتکب ہوئے ہیں اسی لئے ہم پر بھی ان رعایتوں کی پابندی ضروری نہیں ہے، جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں از روئے

۱۰ بنی تغلبہ: اصل خاندان عربی النسل قبیلہ تھا، لیکن مادہ عرب سے علیحدہ ہو کر فرات کے مشرقی اور مغربی سواحل میں آباد ہو گیا تھا۔ فلسطینی پادریوں نے ان کو عیسائی بنایا تھا۔ لیکن ان کی عیسائیت محض نام کی عیسائیت تھی۔ بعض مغربی مورخین نے یہ سچ لکھا ہے کہ شراب خواری اور زنا کاری کے سوا عیسائیت نے ان کو اور کچھ نہیں سکھایا تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے حضرت ابن عباس کے اس فتوے کی جسے البلاذری نے نقل کیا ہے کہ بنی تغلبہ کے عیسائیوں کا نہ تو ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان کی عورتوں سے مسلمانوں کو نکاح کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس اپنے اس فتوے کے بعد یہ بھی فرماتے تھے کہ یہ لوگ نام میں سے ہیں اور نہ اہل کتاب میں سے ہیں۔ اسی لئے عیسائیوں اور مسلمانوں میں جن قانونی تعلقات کی اجازت اسلام نے دی ہے بنی تغلبہ کے عیسائیوں کے ساتھ ان کا قائم کرنا درست نہ ہوگا۔ بہر حال قصہ یہ ہے کہ جب فرات کے سواحل عہد فاروقی میں فتح ہوئے تو جیسے عام ذی رعایا جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تھا، ان پر جزیہ لگا یا گیا تھا، بنی تغلبہ کے ان عیسائیوں پر یہی ٹیکس لگا دیا گیا مگر اس کو اپنی بے عزتی خیال کر کے اسلامی محروسہ سے وہ بھاگنے لگے۔ وہ مدعی تھے کہ ہم خالص عرب ہیں، ہم جزیہ ادا کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے۔ حضرت عمر کو ان کے نمائندوں نے بنی تغلبہ کے اس طرز عمل کی اطلاع دی، آپ نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو روکو اور پوچھو کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں۔ رد و قبح کے بعد بنی تغلبہ والوں نے منظور کیا کہ بجائے جزیہ کے ہم بھی وہی محصول حکومت کو ادا کریں گے جو مسلمان ادا کرتے ہیں بلکہ مسلمانوں سے دینی رقوم ادا کریں گے بشرطیکہ اس کا نام جزیہ نہ رکھا جائے حضرت عمر نے ان کی اس شرط کو مان لیا لیکن اپنی طرف سے بھی ایک شرط یہ پیش کی کہ نام نہاد مذہب جو تمہارا ہے یعنی اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہو اس مذہب کے قبول کرنے پر اپنی آئندہ اولاد کو مجبور نہ کرے اور اصطلاح یعنی بپسہ بچپن ہی میں دے کر ایسی صورت حال ان کے لئے پیدا نہ کر دے کہ تمہاری اس عیسائیت کے قبول کرنے پر اپنے آپ کو وہ مجبور پائیں۔ بنی تغلبہ والوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس شرط کو تسلیم کر لیا۔ لیکن حضرت عمر ہی کے زمانہ میں عملاً اس شرط کی تعمیل سے گریز کرتے رہے، حضرت عثمان، حضرت علی کی خلافت کے عہد میں بھی بپسہ دینے کا رواج ان میں

کہتے ہیں کہ ہارون کے ان الفاظ کو سن کر امام محمد نے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ آخر کون سی نئی بات پیدا ہوئی جو آپ ایسا کرنا چاہتے ہیں ہارون نے وہی جواب دیا کہ ان سے معاہدہ تھا کہ اپنے بچوں کو اصطباغ نہ دیں گے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ مطالبہ اس کا کاروبار ان میں جاری ہے امام محمد نے فرمایا کہ اصطباغ کا یہ دستور تو عہد فاروقی میں بھی بنی تغلب میں جاری رہا لیکن حضرت عمر نے امان نامہ کی خلاف ورزی کا الزام ان پر قائم نہیں کیا جس حال میں تھے ان کو اسی حال پر باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ عملاً یہ شرط ان کے معاہدے سے خارج ہو چکی تھی ہارون نے کہا کہ ہو سکتا ہے حضرت عمر کچھ کرتا چاہتے ہوں لیکن ان کی حکومت کی مختصر مدت میں اس کا موقعہ ان کو نہ مل سکا ابہر حال ان کی خاموشی کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ معاہدے سے یہ شرط عملاً خارج ہو چکی تھی امام محمد نے کہا کہ مان لیا جائے کہ حضرت عمر کو موقعہ نہ مل سکا لیکن ان کے بعد بھی دو عادل ترین خلفاء گزرے جن کی حکومت کی مدت بھی کافی دراز تھی یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اپنے زمانہ میں بنی تغلب والوں کو نہیں چھیڑا جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ

کانا امضیا لہم الصلح بلاشریطۃ
ان دونوں عادل حکم رہوں نے بنی تغلب کی صلح کو بغیر کسی مزید شرط کے باقی رکھا ہے
علیہم فیہ بلوغ ۳۳
ان پر اسی کو نافذ رہنے دیا۔

ہارون امام محمد کی اس تقریر کے بعد خاموش ہو گیا بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے امام محمد سے کہا کہ اچھا تو آپ جاسیے لیکن ضمیر سی کے حوالہ سے جو روایت نقل کی جاتی ہے اس میں مزید اضافہ یہ بھی ہے کہ آخر میں محمد بن حسن نے کہا کہ

تقیہ ٹوٹ ص ۵۲
سلسل جاری رہا۔ لیکن حکومت اسلامی نے کسی قسم کی واروگیر نہ کی۔ البلاذری ص ۱۱ بنی تغلب کے متعلق ایک چیز یاد رکھنے کی یہ بھی ہے کہ ان سے اپنی اولاد کے متعلق یہ معاہدہ حضرت عمر نے کیا تھا کہ ان کو نصرانی نہ بنائیں گے محدثین کو خود اس روایت کی صحت میں شبہ ہے
تکمیل حین الفوائد ص ۳ ج ۲

”یہ صلیح عمر اور ان کے بعد کے خلفاء کی قائم کی ہوئی ہے اور آپ کے لئے دست اندازی کا کوئی موقعہ نہیں ہے، علم کی جو بات تھی وہ آپ کے آگے میں نے رکھ دی آئندہ جو آپ کی رائے ہو۔“

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ ہارون نے یہ سن کر امام محمد کو مخاطب کر کے کہا کہ ”اچھا طریقہ کار ان خلفاء نے اختیار فرمایا تھا“ میں بھی اسی کو جاری رکھوں گا انشاء اللہ ص ۴۳

آخر میں اس نے امام سے کہا کہ

”پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حق تعالیٰ نے مشورہ کرنے کا حکم دیا تھا اسی لئے آپ لوگوں سے مشورہ فرماتے تھے اور فیصلہ کا علم جبریل علیہ السلام کے ذریعہ سے آپ کو حاصل ہو جاتا تھا رہیں میں نے بھی تم سے مشورہ کیا، اب تم اس شخص کے لئے دعا کرو جس کے ہاتھ میں تم لوگوں کی نگرانی سپرد کی گئی رکھ خدا اس کو بھی نیک توفیق عطا کرے اور صحیح فیصلہ کا اہتمام کرے، تم خود بھی دعا کرتے رہو اور اپنے رفقاء کار شاگردوں کو بھی کہو کہ دعا کریں“ ص ۴۴

ہارون نے اس کے بعد ایک بڑی رقم کی منظوری صادر کی کہ امام محمد کے حوالہ کی جائے تاکہ ارباب استحقاق میں اپنے صواب و ید سے تقسیم کر دیں۔ علاوہ مخفی مورخین کے اس واقعہ کا ذکر الخطیب نے بھی تاریخ بغداد میں کیا ہے صاحب بلوغ الامانی نے ان کی سوانح عمری میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد بالکل صحیح لکھا ہے کہ:-

”اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان نقباء کی رائے کتنی بے لاگ ہوتی تھی، مسلمان ہو یا عیسائی، کوئی ہو حق کے اظہار میں قطعاً کسی کی جنبہ داری نہیں کرتے تھے۔“

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ان چیزوں کی اہمیت کا اندازہ ہم لوگوں کو ہو

بھی نہیں سکتا۔ ہارون جو اپنے عہد میں کرہ زمین کا سب سے بڑا طاقتور و مطلق العنان بادشاہ تھا۔ اپنے منشا کو ظاہر کرتا ہے اور ایک کس مہر میں قبیلہ سے اس کا تعلق ہے جو مسلمان قبیلہ بھی نہیں ہے۔ لیکن ہارون کی حکومت قاہرہ اظہار حق میں مانع نہ آسکی، اور نہ بے چارے بنی تغلب کی کس مہر سی کا ان کے متعلق مسئلہ کی اہمیت پر کوئی اثر پڑا۔

اور یہ تھے وہ اسباب و وجوہ جس نے بالآخر عباسی حکومت کو امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کے آگے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر دیا۔ امام محمد کو جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ قضا القضا کے اختیارات سے نفع پہنچانے کا موقعہ اس لئے نہ مل سکا کہ عہدے کے جائزہ لینے کے ساتھ ہی ان کی حیات کا پیالہ لبریز ہو گیا، ہارون خراسان کے دورے پر امام محمد کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا، رستے میں چار مہینہ اس کا قیام رہا۔

عمر و مقام تدفین

اور اسی رستے کے شاہی کیمپ میں کل ۵۰ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا، یہ عجیب اتفاق کی بات تھی کہ ہارون کے ساتھ اس سفر میں جیسے وقت کی سب سے بڑی قانونی ہستی امام محمد کی تھی، اسی طرح لغت اور عربیت کے امام الکسانی کو بھی ہارون نے ساتھ رکھ لیا تھا۔ اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ ایک ہی دن یا دو تین دن کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ اپنے اپنے فن کے دونوں اماموں کا رستے ہی میں انتقال ہوا۔

اے کہتے ہیں کہ ہارون کا شاہی کیمپ بارہ میل میں پھیلا ہوا تھا، اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کی وفات اگرچہ ایک ہی کیمپ میں ہوئی۔ لیکن مقام وفات میں دونوں میں بارہ میل کا فاصلہ تھا، کسانی جن کا نام ابو الحسن علی بن حمزہ الاسدی ہے، ان سے اور امام محمد سے ہارون کے دربار میں بعض دلچسپ مکالمے ہوئے ہیں، کسانی نے ایک دفعہ دعویٰ کیا، کسی ایک علم کا کمال دوسرے علوم کی راہوں کو بھی آدمی پر کھول دیتا ہے، امام محمد نے کہا کہ

امام محمد کی وفات پر ہارون کا تاثر

کہتے ہیں کہ اس عجیب اتفاق پر ہارون بار بار کہتا کہ
"میں نے رے کی سرزمین میں نفع اور لغت و ولوں کو دفن کر دیا"

ص ۱۸۱ الخطیب

یہ واقعہ سلسلہ ہجری میں پیش آیا جافظ ابن عبد اللہ نے انتقار میں نقل کیا
ہے کہ امام محمد کو یاد کر کے ہارون کبھی کبھی اس شعر کو پڑھا کرتا تھا۔

اسیت علی قاضی القضاۃ محمد
فلذقت دمی والنفوا ذعمیل
میں قاضی القضاۃ محمد کی وفات کی وجہ سے
غم زدہ ہوں میرے آئینہ جاری ہیں اور دل
بے چین ہے !

میں سے صرف اسی کا اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ ہارون کے دل میں امام محمد کا

بہت بڑا اثر تھا۔
اچھا آپ بتائیے کہ سجدہ سہو میں بھی آدمی سے سہو ہو جائے تو کیا کرے کیا اس کے لئے بھی
سجدہ سہو کرے گا۔ کسان نے کہا کہ نخو کا قاعدہ ہے کہ جس نام کی تصغیر ایک دفعہ ہو جاتی ہے
ترجیحاً اس تصغیر شدہ نام کی تصغیر نہیں ہوتی۔ پس اسی پر تکیا کر کے کہا جائے گا کہ سجدہ سہو
کے سہو میں سجدہ سہو نہ ہو گا اور بھی دوسرے لطائف اس سلسلہ میں مختصرات کی کتابوں
میں منقول ہیں الکسانی لغت قرأت عربیت کا حالانکہ مسلم عند الکمل امام تھا۔ لیکن
شعر سے بچا ہے کہ دور کی بھی مناسبت نہ تھی ہارون کے بدست شہزادے امین الرشید کسانى استاذ تھا۔۔
بعض کہتے ہیں کہ ہارون کا بھی کسانى استاذ تھا اور کسی کتاب میں تو یہ بات نظر سے نہیں گذری۔
لیکن شرح سیر کبیر میں شمس الائمہ مخری نے لکھا ہے کہ کسانى امام محمد کے خاندان سے تھے اور یہ
بھی لکھا ہے کہ سیر کا جو خاص باب "کتاب الامان" ہے جس میں فقہار حنیفیہ نے انتہائی دقیق
سنجیوں سے کام لیا ہے خصوصاً لغوی اور نحوی مسائل سے اس باب
میں خاص طور پر کسانى سے مدد لی گئی ہے۔ شمس الائمہ کا بیان ہے کہ کسانى
سے بھی امام محمد ان مسائل میں مشورہ لیا کرتے تھے دیکھو شرح
سیر کبیر ص ۱۶ جلد ۱

کیا مقام تھا۔ بلکہ بعض لوگوں کو امام محمد کے قاضی القضاۃ ہونے میں جو تھوڑا بہت شبہ ہے اس کا ازالہ ہو جاتا ہے آخر اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود خلیفہ انکو "قاضی القضاۃ" کے خطاب سے یاد کرتا ہے۔

قاضی القضاۃ کے عہدہ پر یحییٰ بن اکثم کا تقرر

اور قصہ کچھ امام محمد ہی پر ختم نہیں ہو گیا، بلکہ مارون کے بعد قاضی القضاۃ کے اس عہدے کی اہمیت روز بروز بڑھتی ہی چلی گئی۔ مامون الرشید کے عہد کے قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم کے اقتدار کا جب یہ حال تھا جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے

أخذ بها مع قلبه حتى قلد
قضاء القضاة وتلد بهر مملكته
فكانت الوزراء لا تعمل في تدبير
الملك شيئاً إلا بعد مطالعة
یحییٰ بن اکثم ص ۱۹ ج ۴ خطیب

مامون الرشید کے دل و دماغ پر قاضی یحییٰ بن اکثم چھا گئے تھے، تاہیں کہ قضاۃ القضاۃ کے عہدے پر مامون نے ان کا تقرر کیا اور حکومت کے انتظام و تدبیر میں بھی ان کو شریک کر دیا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ حکومت کے نظم و ضبط میں ذرا کسی تجویز پر اس وقت تک عمل نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ قاضی یحییٰ بن اکثم کی نظر سے وہ تجویز گزر نہ۔

قاضی یحییٰ بن اکثم کی دینی خدمات

مامون اور یحییٰ بن اکثم کے تعلقات اور بے تکلفی کی داستانوں سے تاریخ کے اوراق معمور ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ قاضی یحییٰ نے اپنے اس دنیوی اقتدار سے دین کی ایک ایسے نازک ترین موقعہ پر خدمت بجالائی ہے کہ آج تک اس کے تشکر و امتنان سے مسلمان مورخین رطب اللسان ہیں اور ہے بھی بات کہ مسلمان

سنہ میرا اشارہ مسئلہ متعہ کی طرف ہے تفصیل تو کتابوں میں پڑیئے حاصل ہے کہ آیام

جاہلیت کے تمدن میں عورتوں سے استفادے کے مختلف طریقے جو مرد جتنے، مثلاً ایک رسم استیضاع کی تھی کسی اچھے بہادر خوبصورت آدمی کا تخم کوئی اگر حاصل کرنا چاہتا تھا تو اپنی خوشی سے اپنی بیوی کو اس کے پاس بھیج دیتا تھا گویا آج یورپ و امریکہ سے اس قسم کی خبریں جو آرہی ہیں کہ شیشے کی ٹلیوں میں لوگوں کے نطفوں کو محفوظ کر کے عورتوں میں انجکٹ کر کے طریقہ وہاں مرد جتنے والا ہے یا ہو چکا ہے اسی کی ایک شکل ایام جاہلیت میں مرد جتنے تھے، فرق صرف اس قدر ہو گا کہ عرب چری ٹلیوں سے تخم کو اپنی مرضی کے مطابق منتقل کرتے تھے اور یورپ و امریکہ والے اپنی جدید جاہلیت میں شیشے کی یا فلزاتی ٹلیوں سے کام لیں گے۔ ہر حال اسی سلسلہ کی ایک چیز متعہ بھی تھی سفر میں عرب کے جاہل اس طریقے سے زیادہ کام لیتے تھے، یعنی عورت سے جتنے دن یا جتنے گھنٹوں کے لئے چاہتے تھے معاہدہ کر لیتے تھے معاوضہ بھی کبھی زیادہ کبھی کم ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک ایک مٹھی جو یا جواری پر بھی معاملہ ہو جاتا تھا، خیر کہ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو گدھوں کے گوشت کے متعلق آپ کو معلوم ہوا کہ لوگوں نے ہانڈیوں میں چڑھا رکھا ہے اسی وقت ہانڈیاں اٹوا دی گئیں پھر واپسی کے وقت کچھ عورتوں پر نظر پڑی دریافت سے پتہ چلا کہ ان عورتوں سے بعضوں نے متعہ کیا تھا جیسے گدھے کے گوشت کی حرمت کا اعلان کیا گیا تھا، متعہ کی حرمت کا بھی اعلان کر دیا گیا، ظاہر ہے کہ جیسے گدھے کے گوشت کے متعلق یہ کہنا صحیح نہ ہو گا کہ اسلام میں پہلے حلال تھا اور بعد کو حرام کیا گیا، اسی طرح متعہ کے متعلق بھی یہ صحیح تعبیر نہ ہو گی کہ اسلام میں کبھی وہ حلال ٹھہرایا گیا تھا، بلکہ جاہلی دستور کے مطابق جیسے گدھے کے گوشت کو لوگوں نے پکے کے لئے چڑھا دیا تھا، یہی طریقہ عمل متعہ کے متعلق بھی بعض لوگوں نے اختیار کیا ہو گا پیغمبر کو جب علم ہوا تو اس کی حرمت کا آپ نے اعلان کر دیا پھر متعہ کے ساتھ یہ صورت پیش آئی کہ فتح مکہ کے بعد بکثرت نئے لوگ جو اسلام میں داخل ہوئے اور مکہ سے طائف و اطلس کے طرف جو ہم روانہ ہوئی اس میں نو مسلموں کا یہ گروہ جو ق در جو ق شریک ہو گیا اسلامی احکام سے ان نو مسلموں کو رائق ہونے کا موقعہ چونکہ نہیں ملا تھا، اس لئے پھر اسی پڑانے جاہلی دستور کے مطابق بعضوں نے متعہ کر لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر ہوئی تو دوبارہ آپ نے اس کی حرمت کا اعلان کر دیا۔ واقعہ کی کل نوعیت جہاں تک آیات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میر غزویک یہی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے بعض راویوں نے اسی

امیروں کے ادب و باش آوارہ مزاج افراد کی حد سے گندری ہوئی عیاشیوں کے تذکروں سے مسلمانوں کی تاریخ یوں ہی گھٹاؤنی بنی ہوئی ہے۔ خدا نخواستہ اسلام کا یہ قاضی اگر اس دن جان پر کھیل کر حق کے اظہار میں کچھ بھی کمزوری دکھاتا تو خدا ہی جانتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہوتا۔ غیر قوموں کی نگاہوں میں مسلمانوں کا نام بجز ایک زمانہ کا قوم کے شایلو

واقعہ کی تعبیر ان الفاظ میں پھیلا دی کہ متعہ دو دفعہ حلال کیا گیا اور دو دفعہ حرام کیا گیا، ابتداء اسلام میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعبیری مغالطے کی وجہ سے بعض لوگ غلط فہمی کی شکار رہے۔ مشہور کر دیا گیا تھا کہ عباسیوں کے جدِ علی حضرت عبداللہ بن عباس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ان لوگوں میں تھے جو متعہ کو جائز سمجھتے تھے، مامون کو یہی باور کرایا گیا چاہا کہ دادا کے فتوے کو بیزور حکومت نافذ کرے قاضی یحییٰ بن اکثم کو خبر ہوئی منہ بنائے ہوئے دربار میں حاضر ہوئے، مامون نے پوچھا کیوں چہرہ آپ کا مکدر کیوں ہے؟ بولے مسلمانوں کے لئے زنا جب حلال کر دیا جائے تو اس سے زیادہ صدمہ کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ زنا کے حلال ہونے کا فتویٰ؟ مامون نے پوچھا قاضی نے کہا ہاں زنا ہی کا فتویٰ، تم کس دلیل سے ایسا کہتے ہو؟ مامون نے کہا قاضی نے قرآن کی پھر مشہور آیت تلاوت کی جس میں ازواج یعنی بیویوں اور مملکت ایمانکم شرعی لونڈیوں کے سوا جو کچھ ہے سب کو قرآن نے حرام ٹھہرایا ہے، قاضی نے پوچھا کہ متاعی عورت شرعی لونڈی تو ظاہر ہے کہ نہیں ہے اور ازواج میں بھی اس کو شریک نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن نے زوج کو شوہر کا اور شوہر کو زوج کا وارث قرار دیا ہے متاعی عورت نہ وارث ہوتی ہے اور نہ متعہ کرنے والا اس کا وارث ہوتا ہے۔ ازواج کے دوسرے خصوصیات بھی قاضی نے بیان کر کے ثابت کیا کہ وہ "زوج" نہیں ہو سکتی، مامون یہ سن کر حیران ہو گیا۔ پھر حضرت علی کی حدیث سنائی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حضرت علی نے متعہ کی حرمت کو منسوب فرمایا ہے مامون نے قاضی یحییٰ کا وقت پر اس راہ نمائی کا شکریہ ادا کیا، مسلمان مہد خین نے اسلام کے چند اہم دلوں میں ایک دن اس دن کو بھی قرار دیا ۱۲

سہ دکن ہی کے مشہور بادشاہ فیروز شاہ بہمنی کے متعلق لکھتے ہیں کہ مختلف ممالک و اقوام کی آٹھ سو عورتوں سے بوقتِ واحد اس نے عقد متعہ کیا ۱۲

کچھ نہ ہوتا، خدا کا منی بھینی کی قبر کو روشن رکھے کہ ہر چیز سے بے پروا ہو کر اپنے فرض کو انھوں نے ادا کیا اور نیت کی سچائی کا ثمرہ یہ ملا کہ اپنی کوشش میں وہ کامیاب ہوئے۔

معتصم، متوکل اور واثق کا زمانہ

قاضی القضاۃ کے عہدے پر ابو عبد اللہ کا تقرر

امون الرشید کے بعد معتصم متوکل، واثق وغیرہ خلفاء کے زمانے میں قاضی القضاۃ ابو عبد اللہ احمد بن ابی دواؤد کا دورہ بھی اپنی شوکت و جلالت میں کسی سے کم نہ رہا، افسوس ہے کہ اس بد بخت قاضی سے ایک ایسی ناقابل عفو غلطی سرزد ہوئی جس نے دین و دنیا میں اس کو رو سیاہ کر دیا اور ساری خوبیوں پر اسی ایک ناش غلطی نے خاک ڈال دی۔ ورنہ عام مسلمانوں کو قاضی ابن دواؤد اپنے اقتدار سے جتنا نفع پہنچا پایا ہے۔ اگر اس کے دامن پر اس جرم شدید کا داغ نہ ہوتا تو اسلام

لے ابن دواؤد کی کورنسیبی یہ تھی کہ اسی شخص کے اغوا و اصرار سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر مسئلہ "خلق قرآن" میں مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اسی چیز نے اس کو سارے جہان میں رسوا کر دیا ورنہ حکومت کے روپے سے اور خود اپنے ذاتی روپے سے غلام فقراء و رہا پ حاجات کی حاجت روائیوں میں اس کے اقدامات ایسے ہیں جن کی تاریخ میں مشکل ہی سے نظیر مل سکتی ہے، ایک دلچسپ واقعہ اسی کا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ معتصم کسی مجرم کو واجب القتل قرار دینے کے بعد نطع رچھڑا جس پر مقتول بٹھایا جاتا تھا، پر مقتول کو بٹھا چکا تھا، جلاد کی تلوار کھینچ چکی تھی کہ عزات کر کے ابن دواؤد نے پکار کر کہا امیر المومنین تلوار کو انصاف سے آگے بڑھنے کا موقعہ نہ دیجئے معتصم متوجہ ہو گیا، قاضی کا بیان ہے کہ پیشاب کے تقاضے کی شدت میں اسی وقت میں مبتلا ہو گیا، دیکھ رہا تھا کہ لمحہ بھر سے جسے جی اُڑیں غائب ہوتا ہوں تو اس غریب کی جان چلی جائے گی۔ میں نے اپنے

کے اکابر رجال میں شمار ہونے کے لائق تھا اس کی جلالت قدر اور حکومت میں اس کے اثر و نفوذ کا اسی سے اندازہ کیجئے کہ خلفاء کے دربار میں دستور تھا کہ ان کے خطاب سے پہلے کوئی خلفاء کو خطاب نہیں کر سکتا تھا لیکن ابن وواد پہلا آدمی ہے جس نے اس رسم کو توڑا، کہتے ہیں کہ جس وقت مامون کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوئی تو اپنے جانشین مقتصم کو بھا کر اس نے وصیت کی تھی کہ ابو عبد اللہ احمد بن ابی وواد کو کسی حال میں کسی وقت نہ چھوڑنا اور ہر معاملہ میں اس شخص سے مشورہ لیتے رہنا ۲۵ خطیب ج ۲

آل ابن ابی الشوارب اور آل دامغانی کے قضاۃ

اوران دو قاضی القضاۃ کے بعد عباسیوں کی حکومت میں پشتہا پشت تک آل ابن ابی الشوارب اور آل دامغانی کے قضاۃ کا اس عہدے پر جس آن بان سے قبضہ رہا ہے، عباسیوں کی سینکڑوں سال کی تاریخ سے ان قاضیوں کی تاریخ وابستہ ہے۔

یہاں اس مسئلہ کے چھیڑنے کی اگرچہ چنداں ضرورت نہیں ہے کہ حکومت عباسیہ کے یہ سارے قاضی القضاۃ تفتہ وافتار فصل خصوصیات میں کس مسلک کے پابند تھے کیونکہ مجھے تو صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی حدود و حدود کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر حکومت نے اپنے شعبہ عدل و انصاف کو بالکل اہل علم کے سپرد

جسم کے کپڑوں کو رچا ور وغیرہ کو نیچے رکھ لیا اور پیشاب خطا کر گیا۔ پیشاب کرتا جاتا تھا اور مستصم سے اس کی معافی کے وجہ بھی عرض کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ بات اس کی سمجھ میں آگئی مجرم قتل سے بچ گیا، لیکن جب میں اٹھا تو جگہ پیشاب سے تر تھی، مستصم کی نظر پڑ گئی، پوچھا کہ قاضی یہ تمہارے نیچے پانی کہاں سے آیا تب میں نے گردن جھکا کر جو واقعہ پیش آیا تھا۔ عرض کیا اس پر مستصم اتنا خوش ہوا کہ ایک لالچہ درم انعام کے لئے اس نے میرے واسطے فرمان کیا۔ ایبافعی ج ۲

کر دیا اور جس دن سے حکومت کا یہ شعبہ اہل علم کے ہاتھ میں آیا، اس پر اسی طبقہ کا اقتدار کا وزن بذور بڑھتا ہی چلا گیا خواہ اہل علم کے اس طبقہ کا تقصد واجتہاد کے جس مکتب خیال سے بھی تعلق ہو۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ عباسیوں کو تقریباً پانچ صدیوں تک حکومت کرنے کا موقعہ جو ملا اس طویل و دراز مدت میں ان کے قاضیوں خصوصاً قاضی القضاۃ کے عہدے پر سرفراز ہونے والوں میں عموماً حنفی مسلک ہی کے پابند فقہا تھے الا ماشاء اللہ کسی خاص وجہ سے دوسرے مسلک کے علماء کو بھی کبھی کبھی اس کا موقعہ ملا ہے۔ میں نے آل و امغانی کے قاضیوں کا جو ذکر کیا ہے ان کے متعلق تو خیر کچھ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ وہ حنفی تھے اس خازن کے بیسیوں آدمیوں کے نام عباسیوں کے "قاضی القضاۃ" کی فہرست میں نظر آتے ہیں اور سب

۱۱۰۰ھ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کی جلد سوم کے خاتمہ میں مشہور عرب فلسفی یعقوب کنڈی کے حوالہ سے یہ عجیب بات نقل کی ہے کہ اس نے نجوم کے حساب سے یہ پیش گوئی کی تھی کہ عربوں کی دولت کا خاتمہ ۱۱۰۰ھ میں معلوم ہوتا ہے کہ ہو جائے گا، ابن خلدون نے اس کی تصدیق کی ہے کہ قریب قریب واقعہ بھی کچھ اسی کی پیش گوئی کے مطابق پیش آیا یعنی ۱۱۰۳ھ ہجری میں سفاح اول الخلفاء بنی عباس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور مستعصم عباسی تاتاریوں کے ہاتھ سے ۱۱۰۵ھ میں قتل ہو گیا اور اسی پر اسی عربی دولت کا خاتمہ ہو گیا اس حساب سے گویا پانچ سو تیس سال دنیا میں حکومت رہی بغداد میں اس خاندان کے (۳۷۰) خلفاء گزرے ابن خلدون ۵۲۸ھ ج سوم

۱۱۰۵ھ مشہور محدث اور اسماء الرجال کے مستند عالم علامہ ابن ماکولا کو ۱۱۰۳ھ ہجری میں خلیفہ قادر بالله عباسی نے بغداد کا قاضی القضاۃ مقرر کیا خطیب نے ان کے تذکرے میں تصریح کی ہے کہ کان ینتحل من ہب الشافعی (یعنی شافعی مسلک کے پابند تھے) منتج لیکن اسی کے ساتھ میں جب یہ معلوم ہے کہ مشہور عباسی امیر ابو دلف العجلی سے ان کا نسلی تعلق تھا، تو اس پر کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ باوجود شافعی ہونے کے ان کے تقرر کو بغداد والوں نے کیسے قبول کر لیا علم و فضل کے ساتھ پشت و پشت سے دولت و امانت ان کے خاندان میں چلی آرہی تھی قاضی القضاۃ جیسے اہم منصب دارانہ عہدے کے لئے ان سے بہتر آدمی اور کون مل سکتا تھا ۱۲

کے سب حنفی تھے باقی آل ابن ابی الشوارب تو ابن ابی الشوارب کے صاحبزادے
عبدالملک سے براہ راست یہ روایت نقل کی جاتی ہے، جب وہ لہرہ میں
رہتے تھے تو ایک مسئلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے اپنے خاندانی پرانے محل
رقتصر عتبت کی طرف اشارہ کر کے کہا:-

قل خراج من هذا سبعون اس گھر سے ستر آدمی ایسے نکلے ہیں جو
قاضیا علی من طلب ابی حنیفہ امام ابو حنیفہ کے مسلک کے مطابق کام
کرتے تھے۔

یہ بات قاضی یحییٰ بن اکثم یہ صحیح ہے کہ دارقطنی نے ان کو شافعی المذہب امام
تواریخ یا ہے۔ لیکن حنفی مورخین کو ان کے حنفی ہونے پر اصرار ہے دلائل سے اسی
کی تائید ہوتی ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے، البتہ قاضی ابن ابی دواؤد
کے متعلق سمجھے اب تک ان کے حنفی ہونے کی شہادت نہیں ملی ہے، لیکن متعدد
قرائن ایسے ہیں جن کی بنیاد پر ان کو بھی حنفی قرار دینا زیادہ قرین صواب ہے۔

ابن ابی اللہ کی نواسی اہل تلامذہ غلطی

یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے ساتھ مسئلہ خلقی قرآن
میں جو زیادتیاں اس شخص سے سرزد ہوئی ہیں ان کی وجہ سے اپنی جماعت
کی طرف اس شخص کے انتخاب کو کوئی پسند نہیں کرتا، حالانکہ یہ قصہ کچھ ابن ابی
دواؤد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اہل علم جانتے ہیں کہ ایک بڑا طبقہ علماء کا ایسا

لہ عقاب بن اسید صحابی جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب
سے پہلی دفعہ ان کو مکہ معظمہ کا قاضی مقرر کیا اسی لئے تاریخ قضائہ اسلام میں ان کا نام سب
سے پہلے لیا جاتا ہے ان ہی کے بھائی خالد بن اسید کی نسل سے آل ابن ابی الشوارب
کا ایسی تعلق تھا جو نگہ یہ لوگ بنی امیہ کے خاندان سے تھے اس لئے ابتدا سے دولت و
اقتدار اس خاندان میں مسلسل منتقل ہوتی رہی، جب سیوں کے عہد میں محکمہ قضائہ قبضہ کر کے
ان لوگوں نے بنی کد مشہر عزت و عظمت کو مدتوں قائم رکھا ۱۲

گزارا ہے جو ذوقاً اہل السنۃ والجماعت کے چاروں ائمہ میں سے کسی امام کا مقلد نہ تھا۔ لیکن اعتقاداً و غیر سنی عقائد رکھتا تھا مثلاً معتزلی، یا کرامی، یا جہمی وغیرہ ہوتا تھا خصوصاً حنفی مذہب کی تاریخ میں تو اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

۱۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ اور اجتہاد کی لطافت اور اس کی گہرائیاں عموماً ذہین لوگوں کو ان کی طرف مائل کرتی ہیں، لیکن ذہانت کہنے یا عقلیت کہیں اس کے غلط استعمال کا کوئی شکار ہو گیا، تو یہی عقلیت اس کے لئے مصیبت بن جاتی ہے اور وہ عوام کو سبھا اور بد عقلوں کی جماعت قرار دے کر اپنے عقائد میں حدت پیدا کرنا چاہتا ہے لیکن "غیبی حقائق" جو عقل و حواس کے حدود سے خارج ہیں ان کو جاننے کی فطری راہ نبوت و وحی ہے۔ صحیح علم اس باب میں ان ہی لوگوں کا باقی رہتا ہے جو وحی و نبوت کے عطا کئے ہوئے معلومات کو بغیر کسی ترمیم و اضافہ و اصلاح کے مان لیتے ہیں، عقلیت صادقہ کا یہی اتقا غنا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "عقلاً" کے باب میں چاہئے کہ آدمی دین العجائز یعنی بوڑھیوں کے دین پر رہے، یعنی من و عن وحی و نبوت سے جو کچھ معلوم ہوا ہے اسی کو تسلیم کرے عوام کی راہ سے ہٹ کر مذہب کے اساسی حقائق جن کا عموماً غیب سے تعلق ہوتا ہے جو ان کو عقلی خرا و پرتراش خراش کر مانتے ہیں، قرآن مجید نے ان ہی لوگوں کے متعلق فرمایا کہ **الانہم ہم السفہاء** یعنی بد عقل و بے وقوف وہی لوگ ہیں جو ان مسائل میں اپنے آپ کو عوام کی سطح پر رکھنے سے گھبراتے ہیں، بہر حال سلامت زوی خدا کی دین ہے ہر زمانہ میں عقلیت کا غلط استعمال کیا گیا ہے یہی لوگ علی زندگی میں حنفی ہونے کے باوجود عقائد میں معتزلی وغیرہ ہو جاتے تھے علامہ کوثری نے یہی لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ راشدین کو اس باب روایات تھے جو بدنام کیا ہے۔ اس بدنامی میں منغلہ دوسرے وجوہ کے ان عقلیت زدہ حنفیوں کے وجود کو بھی دخل ہے انہوں نے ایک عربی شعر بھی اسی موقع پر استعمال کیا ہے کہ گناہ کوئی کرے اور پکڑا کوئی جائے قاضی احمد بن ابی دؤاد بھی میرے خیال میں ان ہی لوگوں میں ہیں صولی کی جو جو خطیب نے اپنی تسبیح میں ان کے متعلق نقل کی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص عرلاً اور نروناً حنفی مسند ہی کا پابند تھا اور یہی دوسرے اسباب وجوہ ایسے ہیں جن سے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے، انشاء اللہ کتاب تدوین فقہ میں اس پر مفصل بحث کی جائے گی ۱۲

بہر حال میرا خیال ہے کہ گویا چار پانچ سو سال کے اس طویل عرصے میں دوسروں کا بھی عباسی حکومت میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر تقرر ہوا ہے لیکن غالب اکثریت ان ہی لوگوں کی تھی جو امام ابو حنیفہ کے تعلقہ واجتہاد سے خصوصی تعلق رکھتے تھے خواہ صراحتاً اپنے آپ کو حنفی نہ کہتے ہوں البتہ انہی نے سلسلہ ہجری کے حوادث و واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانہ میں شافعی عالم ابو علی بن خیران کے سامنے بغداد کے قضا کا عہدہ پیش کیا گیا، لیکن انھوں نے انکار کیا۔

آگے بعض دوسرے واقعات کا تذکرہ کرنے کے بعد ابن خیران کا یہ فقرہ بھی شافعی نے نقل کیا ہے کہ :-

هذه الاصل لم يكن خينا وانما كان
في اصحاب ابى حنيفة رحمهم
الله تعالى ص ۲ ج ۲

قضا کا عہدہ ہم لوگوں میں کبھی نہیں رہا بلکہ
یہ تو امام ابو حنیفہ کے ماننے والوں میں رہا
ہے۔

چوتھی صدی کے آغاز تک کی یہ کھلی ہوئی شہادت ایک شافعی عالم کی ہے کہ قضا کا محکمہ عباسیوں کے عہد حکومت میں حنفیوں ہی کے قبضے میں رہا اسی کے ساتھ مقررہ جزی کے اس بیان کو بھی ملاحظہ کیجئے جس کا بڑی تفصیل سے اس نے ذکر کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سلسلہ ہجری میں مشہور شافعی عالم ابو حامد اسفرائینی کی کوشش سے خلیفہ قادر باللہ نے حنفی قاضی ابو محمد بن الاکفانی کی جگہ ایک شافعی عالم احمد بن محمد مازری کا قاضی القضاۃ کے عہدے پر تقرر کر دیا یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ نہ صرف بغداد بلکہ سارے مشرقی علاقے جو عباسیوں کے زیر اقتدار تھے۔ ان میں پھیل پھج گئی۔ آخر نیشاپور سے قاضی ابو العلاء صاعد بن محمد بغداد آئے طول طویل جھگڑوں کے بعد خلیفہ کو شافعی قاضی کے عزل پیر اور ان کی جگہ الاکفانی کو مقرر کرنا پڑا اس موقع پر جو بیان ایران خلافت سے شورش عام کو دبانے کے لئے شائع ہوا تھا یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ بعض غلط فہمیوں اور بداندیشیوں کی دراندازیوں کی وجہ سے یہ غلط انتخاب عمل میں آیا۔ لیکن

اب خلافت کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ امیر المومنین اپنے

گذشتہ اسلاف کی روش پر حنفیوں کے ساتھ جو ترجیحی سلوک قضاہ القضاہ کے سلسلہ میں کیا جاتا تھا اسی کو آئندہ جاری رکھیں گے اور آئندہ احناف ہی کا اس عہدے پر تقرر ہوا کرے گا، الما زری کو اسی بنیاد پر معزول کیا جاتا ہے اور جس کا یہ حق ہے اسی کو واپس دلایا جاتا ہے جیسا کہ ہمیشہ سے دستور چلا آتا ہے۔

اعلان کیا جاتا ہے کہ حنفیوں کے احترام و اعزاز کا خیال حکومت جیسے اب تک کرتی چلی آئی ہے آئندہ بھی کرتی رہے گی ص ۱۸۱ مقرری جلد ۴ یہ اور اسی قسم کی باتوں پر خلافت کا فرمان شتل تھا۔

بہر حال چوتھی صدی ہجری تقریباً جس وقت ختم ہو رہی تھی عباسی حکومت نے "فقہ حنفی" کے علماء سے اپنے عہد قدیم کی گویا یہ تجدید کی تھی اور اس سے حنفی علماء کے اقتدار کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو حکومت پر انھوں نے حاصل کر لیا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک تفرج جو علماء احناف کے منشاء کے خلاف ہوا تھا اُس نے مشرق سے مغرب تک ملک میں لہلہا پیدا کر دی اور فتنہ اس وقت تک فرو نہ ہو سکا جب تک کہ حکومت اپنی غلطی کے اعتراف کے بعد اس غلطی کی اصلاح پر آمادہ نہ ہوئی!

سچ تو یہ ہے کہ حنفی مورخین کا یہ بیان اگر صحیح ہے، اور جس سند سے موفق نے یہ روایت درج کی ہے اس میں کوئی غیر معتبر آدمی بھی نہیں ہے یعنی مامون الرشید ہارون کے زمانے میں جب مرو کا والی تھا اور قاضی خالد بن صبیح وہاں کے قاضی تھے تو خود قاضی خالد کی یہ روایت ہے کہ ایک مقدمہ میں بجائے امام ابو حنیفہ کے قول کے میں نے قاضی ابو یوسف کے قول کے مطابق فیصلہ صادر کر دیا تھا، اس کی خبر جب مامون الرشید کو معلوم ہوئی تو اُس نے مجھے ہدایت کی کہ

"مسئلہ میں جب تک ابو حنیفہ کا قول موجود ہو، فیصلہ اسی کے

مطابق کیا کرو اور اس سے ہرگز تجاوز نہ کرو ص ۱۵۹ ج ۲

آپ دیکھ رہے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے تلمذ و اجتہاد کی قدر و منزلت عباسیوں کے ابتدائی خلفاء کے قلوب میں جب اس حد تک قائم ہو چکی تھی کہ خود ان کے شاگرد ابو یوسف کے قول تک کو اختیار کرنے سے منع کیا جاتا تھا جب تک امام کا

قول موجود ہوا اسی پر قیاس کرنا چاہیے کہ دوسرے علماء اور فقہاء کے آراء اور فتاویٰ کے لئے کیا گنجائش رہی ہوگی اور جیسا کہ میں نے عرض کیا آئندہ یہ رنگ روز بروز بگڑنے سے بچتے تر ہوتا چلا گیا تو عباسیوں کی حکومت میں بحیثیت قاضی ہونے کے دوسروں کے داخل ہونے کی صورت ہی کیا باقی رہی ہوگی۔ الا یہ کہ خود علماء احناف ہی ان کے تقرر پر جب کبھی راضی ہو جاتے تھے تو کبھی کبھی دوسروں کو بھی موقع مل جاتا تھا۔ مازری کے قصے میں فتنہ دراصل اٹھا ہی اس لئے تھا کہ بقول مشہوری اجیب الیہ بغیر رضا الکفائی یعنی مازری کے تقرر کو قادر باللہ نے قاضی الکفائی سے رائے لئے بغیر منظور کر لیا تھا۔

۱۷۵

نہ صرف اس فقرے سے بلکہ دوسرے معلومات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں کبھی کبھی غیر حنفی قضا کا تقرر ہو بھی جاتا تھا تو اس میں حنفی قاضی القضاۃ کی رائے ضرور شریک ہوتی تھی۔

بہر حال بات بہت طویل ہو گئی۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ امام ابوحنیفہ نے جو کچھ سوچ کر وضع قوانین کی مجلس بنائی تھی اور جن لوگوں کو اپنی صحبت میں رکھ کر تیار کیا تھا امام کی طبیعت اور صادق نیت کا یہ اثر تھا کہ خدائے ان کو اس میں بھی کامیاب کہا کہ ان کی مجلس کے وضع کردہ قوانین کے مجموعہ نے حکومت کے باضابطہ آئین کی حیثیت حاصل کر لی اور بنی امیہ کے خلفاء کی بے تمیزلوں کی وجہ سے شریعت اسلامی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی نعمت سے بتدریج مسلمان جو محروم ہوتے چلے جا رہے تھے امام کو خدائے اس میں کامیابی نصیب کی کہ ان پر حکومت نے اسی قانون کو نافذ کر دیا جو اپنے خصوصیات کی بنیاد پر ان کے دین کے منشا اور روح کا سب سے بڑا محافظ اور جو ان کی شریعت محتاط ترین شرح بغیر کسی دغذغہ کے قرار دی جاسکتی ہے اور اسی کے ساتھ سیرت سازی اور کردار تراشی کا جو فطری سلیقہ امام میں تھا اس کی بدولت نہ صرف ابتدائی زمانے میں بلکہ بعد کو بھی اس قانون کے نفاذ و انطباق کے لئے حکومت کو عموماً ایسی ہستیاں ملتی رہیں جن میں سب کے متعلق تو نہیں کہا جاسکتا لیکن اکثریت ان ہی لوگوں کی تھی جو امام ابوحنیفہ کی ڈھالی ہوئی سیرتوں کی زمانہ دراز تک مناسبتاً لگاتے رہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ قاضی القضاۃ کے اس عہدے پر جو حکومت کا اہم ترین شعبہ بن گیا تھا اس پر امام ابو حنیفہ کے براہ راست ساختہ پر داختہ تلامذہ کے بعد جن لوگوں کا تقرر ہوتا رہا۔ ان کے متعلق یہ کلی دعویٰ تو فلت ہو گا کہ سب کی سیرتیں معیار تھیں نہ یہ عقلاً ہی جائز ہو سکتا ہے، اور نہ واقعات ہی سے اس کی تائید ہوتی ہے کسی اور قوم کی تاریخ ہوتی تو ممکن تھا کہ اس میں واقعات کے چھپانے کی کوشش بھی کی جاتی بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ بہت سی قوموں نے اپنی تاریخ کو شاید اسی خیال سے کہ اچھے واقعات کے ساتھ افراد قوم کے برے حالات کا بھی تذکرہ کرنا پڑتا ہے اس لئے سرے سے انھوں نے تاریخ کے قصے ہی کو ختم کر دیا شاید ان کے لئے غالباً اسی وجہ سے یہ آسان ہو گیا ہے کہ اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کو جو جی میں مان لیں، فرشتہ مان لیں، دیوتا مان لیں، یا ان سے بھی زیادہ بڑی چیزیں مان لیں لیکن مسلمانوں نے تاریخ بنائی نہیں ہے بلکہ جو واقعات گزرے ہیں، انھیں قلم بند کر لیا ہے، آپ دیکھئے قضاۃ ہی کا قصہ ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ عہدہ ہی اس قسم کا تھا جس میں اہل علم کے سوا خصوصاً امام ابو حنیفہ کی کوشش کے بعد دوسرے کا داخلہ ممکن ہی نہ تھا۔ لیکن مسلمانوں نے محض اس لئے کہ علماء کے طبقہ سے چونکہ ان کا تعلق ہے اس لئے یہ نہیں کیا ہے کہ اچھوں کی اچھائیوں کے ساتھ بروں کی بُرائیوں کے ذکر کو نظر انداز کر دیا ہو۔ آپ ان قضاۃ کی تاریخ اٹھا کر پڑھیے۔ ان میں آپ کو ہر طرح کے لوگ نظر آئیں گے۔ یہی آل ابن ابی الثوراب، یا آل دامونی کے قضاۃ ہیں۔ ان میں جہاں اچھے معیاری قضاۃ گزرے ہیں ان ہی کے ساتھ اسلامی مورخین ہمیں یہ بھی سناتے ہیں کہ آل ابن ابی الثوراب کے مشہور قاضی محمد بن حسن بن عبد اللہ المتوفی ۱۱۳ھ ہجری ان میں جہاں یہ خوبیاں تھیں کہ بڑے سخی اور جواد تھے وہیں ان کی زندگی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ

کان قبیح الذکر فیما یتولا من الاعمال منسوباً الی الاستیشاء فی الاحکام والعل فیہا بما لا یجوز

جس عہدے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی جاتی تھی اس میں ان کا ذکر برائی کے ساتھ لوگ کرتے تھے اپنے کام میں رشوت خواری اور مل

وَقَدْ شَاعَ ذَلِكَ عِنْدَ تَحْلِيلِ
میں ناروا باتوں کا یہ ارتکاب کرتے تھے اور
بات اُن کے متعلق عام طور پر پھیلی ہوئی
ہے۔

اور جیسے اس خاندان کے بعض افراد کا یہ حال تھا اسی طرح عباسی
قاضیوں کے دوسرے خاندانوں کے ایک بزرگ جن کا نام حسین بن
احمد الدامغانی تھا مشہور وفات ہوئی ہے۔ ان کے حالات میں بھی لکھے ہیں
لَمَّا يَكُنْ مُحَمَّدُ الْمُسِيرَةُ فِي حَكْمِهِ
اپنے فیصلوں میں ان کا کردار قابل تعریف
ہوا ہر مفید صبح ۲

قاضیوں کی کمزوری کردار کی یہی عام تعبیر اس زمانے میں تھی جس سے
اشارہ وہی رشوت ستانی وغیرہ کی طرف کیا جاتا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ
بلا خوف تردید یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بحمد اللہ اکثریت زمانہ دراز تک ان ہی
لوگوں کی رہی جو حقیقی الوسع اپنے قدیم اسلاف کی روایتوں کو زندہ رکھے ہوئے تھے
اور یہی نہیں کہ قضاۃ کے سلسلے میں امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ اُن شاگردوں
کی سیرت کی پیروی کی جاتی تھی جنہیں امام نے اپنی صحبت میں رکھ کر بنا یا تھا
بلکہ ایک طبقہ حنفی فقہاء کا ہر زمانہ میں پایا گیا ہے جو امام کے نقش قدم پر باوجود اصرار
شدید کے حکومت کی ملازمت سے کارہ رہا اور گریز کرتا رہا۔ امام کے شاگردوں
کے حالات کا تذکرہ تو مختلف جہتوں سے گذر چکا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ پچھلے زمانہ
کی چند مثالی ہستیوں کے ذکر پر اس کتاب کو ختم کر دوں۔

میں نے کہا تھا کہ امام کے تلامذہ میں جن لوگوں نے قضا کا عہدہ قبول کر لیا تھا۔
ان میں بعض حضرات تو ایسے تھے جو حکومت کی تنخواہ اور داد و دہش کے لینے سے
انکار نہیں کرتے تھے۔ ابن جوزی نے مشہور ہجری کے واقعات کے سلسلہ میں حنفی
قاضی احمد بن بدیل کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مقتصد کے مشہور
ترکی حیزل بغا کے بیٹے موسیٰ بن یغا کا ایک مقدمہ مرویہ کسی جاتداد کے متعلق
دائر تھا۔ مقدمہ تو غیر طویل ہے، خلاصہ یہ ہے کہ موسیٰ بن یغا کے سکرٹری
عبید اللہ بن سلیمان بیان کرتے تھے کہ موسیٰ ایک جاتداد کے لینے کا خواہشمند

تھا جس میں کسی یتیم کا بھی حصہ تھا قاضی ابن بدیل کو میں نے لاکھ آمادہ کیا کہ موسیٰ کی جلالتِ قدر کا خیال کر کے یتیم کے معاملہ میں تھوڑی چشم پوشی سے کام لیں لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے تب میں نے جھنجھلا کر کہا کہ قاضی کچھ سمجھ بھی رہے ہو۔ معاملہ کس کا ہے؟ اند موسیٰ بن بغا (یعنی موسیٰ بن بغا کا معاملہ ہے) لیکن سننے کے ساتھ قاضی کی زبان سے نکلا کہ اعزک اللہ تبارک وتعالیٰ (خدا تیری عزت کو قائم رکھے اُدھر بھی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا معاملہ ہے) عبید اللہ کا بیان ہے کہ شرم سے میری گردن جھک گئی اور میں نے جب موسیٰ کے سامنے قاضی کے اس فقرے کو دہرایا تو وہ بھی اس درجہ متاثر ہوا کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ کے الفاظ کو بار بار دہراتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ پھر اس نے قاضی صاحب کو کہلا بھیجا کہ آپ کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو بے تکلف طلب کر لیا کیجئے۔ جواب میں کہلا بھیجا کہ مہری مقررہ تنخواہ رکی ہوئی ہے، بس اس کے سوا اور مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ المنظم ص ۹ جلد ۵

اور یہ قصہ تو ایک ایسے قاضی کا تھا جو تنخواہ لے کر کام کرتے تھے، میں نے ذکر کیا تھا کہ امام کے براہِ راست شاگردوں میں قاضی قاسم بن معن بھی ہیں جو قضا کی خدمت حسبہ اللہ بغیر کسی معاوضہ کے انجام دیتے تھے لیکن قصہ ان ہی پر ختم نہیں ہو گیا تھا بعد کو بھی حنفی فقہاء میں ایسی مثالیں پیدا ہوتی رہی ہیں ابن جوزی ہی نے قاضی حسن بن عبد اللہ جن کی وفات ۳۸۳ھ ہجری میں ہوئی ہے یعنی چوتھی صدی ہجری کے عالم ہیں ان کے والد بخوسی تھے بہزاد نام تھا مسلمان ہونے کے بعد عبد اللہ نام رکھ لیا تھا، بہر حال ابن جوزی کا بیان ہے کہ درس اور قضا دونوں خدمتیں انجام دیتے تھے لیکن قلعاً حکومت سے کبھی اس کا معاوضہ نہ لیا، ان کا قاعدہ تھا کہ روزانہ دس ورق کی کتابت کر لیتے تھے جس سے روزانہ دس درم ان کو مل جاتے تھے جو ان کی گذر کے لئے کافی ہو جاتا تھا دستور تھا کہ پہلے یہ دس ورق لکھ لیتے تب قضا اور تدریس کی خدمت کے لئے گھر سے باہر نکلتے۔۔۔

ص ۹۵ ج ۱، منظم

امد یہ مثالیں تو ان لوگوں کی تھیں جنہوں نے قضا کی خدمت قبول کر لی تھی۔

لیکن آپ علماء احناف کے طبقات کی کتابیں پڑھتے مشکل ہی سے کوئی زمانہ ایسا ملے گا جس میں آپ کو ایسے علماء نظر نہ آئیں جن کو ملازمت کے قبول کرے پر حکومت مجبور کرتی رہی لیکن امام کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے ابتدائی صدیوں میں تو خیر ایسے بزرگوں کی کثرت ہے۔ لیکن پانچویں صدی تک کے عالم محمد بن موسیٰ کے حال میں ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اپنے وقت میں حنفی مذہب کی ریاست ان ہی پر ختم ہوتی تھی حکومت نے لاکھ چاہا کہ کسی طرح قضا کے عہدے قبول کر لیں لیکن راضی نہ ہوئے ص ۱۲۲

حکومت عباسیہ کو متاثر کرنے میں امام رحمۃ اللہ علیہ کی کوششیں کس حد تک بار آوریں۔ اس وقت تک محض اسی کی تفصیل میں وقت صرف ہو گیا پھر بھی بہت سی چیزوں کے

سہ محمد بن موسیٰ کے حال میں ابن جوزی نے یہ عجیب بات کہی ہے کہ باوجودیکہ حنفی فقہاء کے اپنے عہد میں یہ سرخیل تھے بڑے بڑے احناف ان سے شرف تلمذ کہتے ہیں خصوصاً قاضی صمیری جن کی طبقات ضیفہ میں بہترین کتاب ہے، ان ہی کے شاگرد ہیں، لیکن نماز کے متعلق لکھا ہے کہ ایک حنبلی امام کے پیچھے پڑھا کرتے تھے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ قصداً اسی کو انھوں نے اپنا امام بنایا تھا۔ اس سلسلہ میں یعنی حکومت سے امداد کے نہ لینے میں بعضوں کا فلوکس حد تک پہنچا ہوا تھا، مشہور حنفی امام ابو الحسن الکرخی کا دردناک قصہ ہے بغداد میں حنفی فقہ کے اپنے زمانے میں سب سے بڑے مدرس و مفتی تھے، حکومت کی ملازمت سے گریز کرتے رہے۔ آخر عمر میں فالج کا حملہ ہوا افلاس کی وجہ سے جیسا کہ چاہیے تھا علاج ممکن نہ ہوا ان کے بعض شاگردوں نے حلب کے بادشاہ سیف الدولہ کو لکھ بھیجا کہ اتنا بڑا عالم مفلسی کی وجہ سے اپنا علاج بھی نہیں کرا سکتا۔ اسی وقت دس ہزار درم سیف الدولہ نے روانہ کئے روپے کے پہنچنے سے پہلے کسی طرح الکرخی کو اس کی خبر ہو گئی کہ لوگوں نے سیف الدولہ سے میرے لئے امداد طلب کی ہے لکھا ہے کہ گڑا گڑا کہ خدا سے کہنے لگے کہ آپ نے مذاق میں راہ سے مجھے غلط کیا ہے اس کے سوا دوسری راہ مجھ پر نہ کھولے، کہتے ہیں کہ روپیہ پہنچنے سے پہلے کرخی کا انتقال ہو چکا تھا خدا نے سیف الدولہ کے احسان سے ان کو بچا لیا ۱۳

فقط اجمالی تذکرے پر قناعت کرنی پڑی خصوصاً اس حکومت کے بعض ممتاز قاضیوں کے حالات تفصیل کے طالب تھے۔ لیکن کتاب اپنے مقررہ پیمانے سے یوں ہی زیادہ بڑھ چکی ہے مجبوراً قلم کو روکنا پڑا۔

دوسری حکومتوں کی عدالتوں پر فقہ حنفی کا اثر

اب آخر میں یہ بتا کر کہ حکومت عباسیہ کی اثر پذیری کے بعد دوسری حکومتوں کی امام کی جدوجہد کا بالواسطہ کیا اثر پڑا۔ اس کتاب کو ختم کر دیتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ ٹھیک ان ہی دلوں میں جب ہارون الرشید کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ دولت عباسیہ کے محاکم عدلی و قضا کی باگ بالکل قاضی ابویوسف کے سپرد کر دے، جیسا کہ معلوم ہو چکا، بالآخر یہی اس کو کرنا بھی پڑا عباسیوں کے اس اقدام کو دیکھ کر جیسا کہ المقریزی نے لکھا ہے اسلام کی مغربی حکومت یعنی بنی امیہ کی اندلس میں جو حکومت قائم تھی اس حکومت نے بجائے امام ابو حنیفہ کے حضرت امام مالک کے ایک شاگرد جن کا نام یحییٰ بن یحییٰ سمیودی تھا۔ ان ہی کو بلا کر اپنی حکومت کے عدلیہ کو ان کے سپرد کر دیا۔

المقریزی کے بجنہ الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ

”ہارون الرشید سدا رستے خلافت ہوا اور قاضی ابویوسف یعقوب بن ابراہیم جو امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں سے تھے ان کے حوالہ ہارون نے قضا کا محکمہ کر دیا یہ سلسلہ ہجری کا واقعہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق خراسان شام مصر میں رومیوں کا تقرر ابویوسف کی رائے کے ساتھ وابستہ ہو گیا ان تمام علاقوں میں وہی قاضی مقرر ہو سکتا تھا جس کے تقرر کی منظوری قاضی ابویوسف دیتے تھے اسی طرح اندلس میں الحکم المرتضیٰ بن ہشام بن عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان اپنے باپ کے بعد تخت حکومت پر متمکن ہوا اور اپنا لقب اس نے مختصر رکھا۔ اسی نے سلسلہ تہبری میں یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر الاندلسی

سے خصوصی تعلقات قائم کئے، یحییٰ نے حج بھی کیا تھا اور امام مالک سے موطا راہ کی کتاب بھی سنی تھی، بجز چند ابواب کے پھر امام مالک کے تلامذہ، وہب اور ابن القاسم وغیرہ سے بھی اس نے علم کا بہت بڑا سرمایہ حاصل کیا تھا، تعلیم کے ان مراحل کو طے کرنے کے بعد یحییٰ ۱۲ اندلس واپس ہوئے اور دینی اُمیہ کی اس مغربی حکومت میں ایسا اقتدار ان کو حاصل ہوا جو آج تک کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا تھا، حکومت اور عوام دونوں ہی کا یہ مرکز و مرجع، نجات و مادی یحییٰ کا دروازہ تھا، سارے اختیارات ان ہی کو دے دیئے گئے تھے اندلس میں کوئی قاضی ان کی منظوری کے بغیر مقرر نہیں ہو سکتا تھا، ص ۱۸۱ مفریزی جلد ۴

جس کا مطلب یہی ہوا کہ اندلس کی اموی حکومت جیسے تمام دوسرے معاملات میں عباسیوں کو دیکھتی رہتی تھی اور مشرق کی اسی حکومت کو اس نے اپنے لئے نمونہ بنا رکھا تھا قضا اور عدالت کے باب میں بھی اس کو وہی کرنا پڑا، جس کا فیصلہ عباسی حکومت کر چکی تھی۔ اسی لئے اندلس کے اس انقلاب کو بھی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں کا بالواسطہ نتیجہ قرار دیتا ہوں اور خواہ اسے خوش اعتقاد ہی کیوں نہ سمجھا جائے لیکن میرا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اثر اور زور کے عراق اور اس کے زیر اثر ممالک میں توڑنے کے لئے عباسی حکمرانوں خصوصاً ابو جعفر منصور نے امام مالک کو بغداد لا کر جو کھڑا کرنا چاہا تھا جس کی تفصیل گذر چکی، لیکن جب کبھی امام کے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی۔ آپ سن چکے کہ امام دارالہجرت نے صاف لفظوں میں انکار فرمادیا، ابو جعفر سے بھی یہی کہا، اور کہا جاتا ہے کہ ہارون کو بھی آپ نے خفاک جواب دے کر مایوس کر دیا تھا، میرا یہ احساس ہے کہ قدرت کی طرف سے اسی اخلاص اور تلہیت کا صلہ حضرت امام مالک کو اس شکل میں ملا کہ ان سے دور بہت دور ایسی حکومت جو یورپ میں قائم تھی اس نے امام مالک کی فقہ کو اپنی حکومت کے آئین کی حیثیت سے تسلیم کر لیا اور اسی کو اپنے ممالک محروسہ میں نافذ کر دیا۔

یہ سوال کہ اندلسی حکومت میں امام مالک کی فقہ کو جو حیثیت حاصل ہوئی کیا اس میں خود امام کو بھی کسی حیثیت سے دخل تھا؟ ایک دلچسپ سوال ہے اتنی بات تو صحیح ہے کہ حج و زیارت کے سلسلے میں اندلس اور مغرب اتھلے کے مسلمانوں کی آمد و رفت حجاز میں جاری تھی۔ امام مالک اپنے عہد میں حجاز کے سب سے بڑے عالم و فقیہ و محدث تھے قدرتنا باہر سے آنے والے لوگوں میں امام سے ملنے کی تمنا رہتی تھی خصوصاً لزجو الازن کا جو طبقہ مغربی علاقوں سے علاوہ حج و زیارت کے تحصیل علم کا بھی شوق رکھتا تھا۔ اس کو امام مالک کے قالب میں علم کا ایک ایسا سرچشمہ مدینہ منورہ میں بآسانی مل جاتا تھا جس کی تلاش میں علاوہ حج و زیارت کے سفر کے کسی دوسرے سفر کی ضرورت نہیں ہوتی تھی یہی وجہ تھی کہ امام مالک کے حلقہ درس میں ہمیشہ مغربی ممالک کے طلبہ کی کافی تعداد رہتی تھی۔ نقل کرنے والے امام مالک سے ایسی روایتیں نقل کرتے ہیں کہ فارغ ہونے کے بعد جب مغربی علاقے کے ان طلبہ کو آپ رخصت فرماتے تو اس وقت آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ بھی نکل جاتے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس مغربی حکومت کو اپنی فقہ کی سرپرستی پر آپ متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔

خود بھی یحییٰ بن یحییٰ معمودی جو بنی امیہ کی اندلسی حکومت کے گویا قاضی ابولوسف تھے ان کا بیان ہے کہ امام مالک سے وطن جانے کے لئے میں رخصت ہوئے لگا تو امام سے میں نے درخواست کی کہ مجھے خاص طور پر کچھ ہدایتیں دی جائیں۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ میری اس درخواست پر آخری وصیت امام نے مجھے یہ کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

”اللہ کی اللہ کے کتاب کی مسلمانوں کے ائمہ و حکمرانوں کی

اور عام مسلمانوں کی بھی خواہی اس کو اپنی زندگی کا فرض منصبی

قرار دینا“ ص ۲۵۱ دیباج المذہب

مسند تیمور پاشا مسمری کا مقالہ فقہ اسلامی کی تاریخ پر عربی زبان میں اگرچہ ایک مختصر سی کتاب ہے مگر معلومات اس کے قیمتی ہیں اس مقالہ میں امام مالک کی طرف سے اس قسم کے الفاظ منسوب کیے گئے ہیں

یہ خود بخوبی کا براہ راست بیان ہے میرا خیال ہے کہ امام مالک کی طرف جس آرزو کو لوگ منسوب کرتے ہیں، خدا نے جسے پوری کیا اس آرزو کی جھلک امام کی اس وصیت میں بھی نظر آتی ہے آخر امام ابو حنیفہ بھی اس کے سوا اور کیا چاہتے تھے یہی کہ مسلمانوں کی حکومت مسلمانوں کی کتاب (قرآن)، کی مرضی کے مطابق حکومت کرے، امام مالک نے بھی مذکورہ بالا الفاظ سے اسی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

حاصل کلام

بہر حال کچھ بھی ہو کوفہ میں امام نے جس نصب العین کو پیش نظر رکھ کر کام کرنا شروع کیا تھا کسی نہ کسی طرح پہلے مشرق اور مشرق کے بعد مغرب کے مسلمانوں کی زندگی اسی دستور اور آئین کے نیچے آگئی فرق مغرب اور مشرق میں اگر کچھ ہوا تو یہی کہ مشرقی ممالک میں اسلامی شریعت کی حنفی تشریح نافذ ہوئی اور مغربی علاقوں میں امام مالک کے نقطہ نظر کو حسن قبول حاصل ہوا۔ اصل مقصد دونوں حال میں حاصل ہو گیا۔ یعنی حکم رانوں اور ان کے وزراء و امراء کے ذاتی خیالات و جذبات کی پابندیوں سے نکل کر مسلمانوں کو اپنے دین کے تحت آئینی زندگی بسر کرنے کا موقع مل گیا۔

اور مسئلہ اسلام کی ان ہی دونوں مرکزی حکومتوں یا خلافتوں کی حد تک محدود نہ رہا بلکہ ان حکومتوں کے ساتھ ان کے زیر اثر یا ان سے آزاد ہو کر دنیا کے مختلف حصوں میں جو حکومتیں قائم ہوتی رہیں یا ان دونوں مرکزی سلطنتوں کے زوال کے بعد مسلمانوں نے اپنی بادشاہت مشرق یا مغرب کے کسی علاقے میں قائم کی، تو جیسا کہ چاہیے تھا، عموماً ان حکومتوں کے سامنے حکمرانی کے معیاری نمونے مشرقی اور مغربی خلافت کے طور و طریقے تھے چونکہ دونوں خلافتوں میں عدلیہ کا محکمہ بالکل علیہ علماء دین کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ اس لئے آئندہ ہر حکومت کو یہی کرنا پڑا اور حکومتیں بدلتی رہیں، انقلاب پر انقلاب برپا ہوتے رہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کو جو کامیابی اپنے نصب العین کی تکمیل میں ہوتی تھی یقیناً ماننے کے آخر وقت تک یعنی دنیا کی سیاست کی امامت و قیادت مسلمانوں کے ہاتھ سے مغربی اقوام کے جب تک منتقل نہیں ہوتی تھی، برابر یہی دستور اپنے پورے اقتدار و اختیار کے ساتھ جاری رہا اس معاملہ میں

امام ابو حنیفہ کا وجود اتنا نمایاں اور روشن تھا کہ جب مصر پر ایک غیر سنی حکومت یعنی فاطمیوں یا عبیدیوں کا اقتدار قائم ہوا تو گواہل سنت کے ائمہ کی فقہ کو اس نے تسلیم نہیں کیا، لیکن یہ مسئلہ کہ عدلیہ کا محکمہ علماء ہی کے ہاتھ میں رہے گا اس سوجہ دستور کے ماننے اور نافذ کرنے پر اس کو بھی مجبور ہونا پڑا، بلکہ ایک دل چسپ لطیفہ اس حکومت کا یہ ہے کہ مصری فاطمیوں کا پہلا حکمران المعز لدین اللہ سے مقابلہ کرتے ہوئے ایک قاضی بھی معز کے ساتھ آیا تھا جس کا خدا جانے اصلی نام کیا تھا۔ لیکن بعد کو ابو حنیفہ نعمان ہی کے نام سے مشہور ہوا، گویا جیسے عباسی حکومت کے آئینی شعبے کی بنیاد میں امام ابو حنیفہ نعمان تھے۔ اس کی نقل اتارنے والی مصری حکومت نے نام تک میں اس کی تقلید کی، کہتے ہیں کہ پہلے فاطمیوں کا یہ قاضی مالکی فقہ کا پابند تھا، لیکن معز کی صحبت میں اس نے امامیہ مشرب اختیار کیا، لوگوں کا بیان ہے کہ بجائے خود بڑا عالم و فاضل آدمی تھا، اہل سنت کے ائمہ اجتہاد کے مقابلہ میں اس نے بھی بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی تھیں جن میں سنیوں کی فقہ پر اس نے سخت تنقیدیں کی تھیں رویکھو الیافعی جلد ۲ و لسان المیزان وغیرہ، میرے نزدیک تو امام ابو حنیفہ کے خدمات کا فیروں کی طرف سے یہ عملی اعتراف تھا۔

یہ مسئلہ کہ قاضی ابو یوسف کے حوالہ جس دن سے ہارون نے دولت عباسیہ کے عدلیہ کو کیا تھا اس دن سے آخر وقت تک مسلسل یعنی اسلامی دول کے نفوق و برتری کا کرۂ زمین پر جب تک خاتمہ نہ ہوا اس وقت تک جس زمانہ اور جس ملک میں بھی مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوتی رہیں۔ ان کا محکمہ عدلیہ ہمیشہ علماء ہی کے ہاتھ میں رہا۔ اگر اس کی بھی تفصیل کا ارادہ کیا گیا تو کتاب بجائے ایک جلد کے مجلدات کی شکل اختیار کرے گی، مختصر اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ جیسے جیسے زمانہ آگے کی طرف بڑھتا رہا۔ قاضی القضاۃ اور اس کے اختیار و اقتدار کی قوتوں میں قوتوں کا اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، سلاطین اور حکمرانوں نے ہمیشہ ان قاضیوں کے سامنے اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کیا، قاضی ہی کے کردار کی نرمی یا کمزوری سے نفع اٹھالیتے تھے تو یہ دوسری بات ہے۔ لیکن

تقاضی القضاۃ بجائے خود کسی بات پر اگر ڈٹ جاتا تھا تو حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ حکومت اس سے سرتابی اور انحراف نہیں کر سکتی تھی حتیٰ کہ نو مسلم تاتاری حکمرانوں کا جب دور دورہ ہوا تو قضاۃ کے اقتدار میں اس وقت بھی کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہوئی، بلکہ تاتاری اور ترکی قبائل پر جہاں تک میرا خیال ہے علماء کا اثر و نفوذ عربوں سے زیادہ ہی قائم رہا، حکومتوں کے بدل جانے

۱۱۰۰ آج امام ابوحنیفہ کے مشہور و روضہ کے نام سے بغداد میں جو عظیم الشان عمارت نظر آتی ہے تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترک مسلمانوں کی یادگار ہے، ابن جوزی نے اپنی تاریخ میں ابن عقیل کے حوالہ سے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ ابتداء میں امام ابوحنیفہ کی قبر پر صرف ایک سائبان سی کوئی چیز تھی، ابن عقیل کہتے ہیں ۳۶۶ھ ہجری میں جس وقت میری عمر پانچ سال کے قریب تھی یہ میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک ترکی امیر نے امام کی قبر کے سامنے چوڑے اور گچھے ایک عظیم مسجد کی بنیاد رکھی یہ ترکی امیر ج کے سلسلہ میں بغداد آیا تھا۔ پھر شرف الملک نے جو امام کے شدید عقیدت مندوں میں تھا اس نے اس قبہ کی تعمیر کی جو اس وقت امام کے روضہ پر پایا جاتا ہے، ابن عقیل کا بیان ہے کہ شرف الملک سے پہلے ایک ترکمان امیر نے بجائے سائبان کے امام کی قبر کو مستفک کر دیا۔ پھر ابن عقیل نے ایک عجیب بات نقل کی ہے، یعنی شرف الملک نے امام کی قبر پر قبہ کی تعمیر کا جب ارادہ کیا تو سامنے جو مسجد تھی اور دوسرے مکانات تھے سب گرا دیئے گئے، اور بڑے بڑے ماہر مہندسین رانجیر اور قطاء عین نقشہ مکانات کا بنانے والے حاضر کئے گئے، قبہ کی تعمیر کے لئے جب زمین کھودی جائے لگی تو سخت زمین کی تلاش میں سترہ ہاتھ گہرائی اور سولہ ہاتھ عرض کھود دینا پڑا، اس کھدائی میں بہت سی ٹہریاں برآمد ہوئیں جو گزشتہ اموات کی وہاں پر دفن تھیں، امام ابوحنیفہ کی قبر کی قبرت کی وجہ سے لوگ وہاں چار سو سال سے دفن ہوتے چلے آ رہے تھے، ان ہڈیوں کو کسی دوسری جگہ لے جا کر لوگوں نے دفن کر دیا، کہتے ہیں کہ اسی سلسلہ میں ایک مسلم لاش بھی برآمد ہوئی جس کی ہڈیاں باہم ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ تھیں یعنی الگ الگ نہیں ہوئی تھیں اور کافور کی خوشبو اس سے نکل رہی تھی۔ ابن جوزی نے اس کے بعد

کے بعد بھی زیادہ تر یہی ہوا کہ قاضی القضاۃ کے عہدے پر جو عالم پہلے سے مقرر تھا آنے والی حکومت نے بھی عموماً اسی کو بحال رکھا، اسی سے اندازہ کیجئے کہ صلاح الدین ایوبی جس وقت دمشق کے قلعہ پر یورش کر رہا تھا، اور قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا، صلاح الدین نے اس عرصے میں دمشق کے قاضی ابوالفضل شہر زوری کے مکان کی طرف رخ کیا۔ صلاح الدین کو دیکھ کر قاضی صاحب کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ لیکن فوراً صلاح الدین نے آگے بڑھ کر ان کو قتل کر دی اور کہا کہ

طوب نفساً فالامراء و
المبلد بلدک ص ۲۹۸ المیانفی جلد ۱
آپ بالکل مطمئن رہیے، حکم آپ ہی کا حکم
رہے گا اور شہر آپ ہی کا شہر رہے گا
اگرچہ ظاہر ہے کہ "خیر القرون" سے مسلمان جس حد تک دور ہوتے چلے گئے
اسلامی خصوصیات کی ترمیم و تازگی اور پرمردگی سے بدلتی چلی جا رہی تھی

ابن عقیل کا یہ لطیفہ نقل کیا ہے کہ لوگوں سے میں نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ جس کے لئے پھر پستہر پیا تہ بنایا گیا ہے وہ اس مقام میں اب موجود نہ ہو، یعنی اب ابن عقیل کا خیال تھا کہ بڑیاں جو برآمد ہوتی تھیں ان ہی میں امام ابو حنیفہ کی لاش بھی شریک تھی خصوصاً جو مسلم ڈھانچہ کا نور کی خوشبو والا نکلا تھا ابن عقیل کے اس لطیفہ کی وجہ سے کافی ہلچل بغداد میں مچ گئی تھی، ابن جوزی نے اس روایت کے بعد ابن المہدی کی زبانی بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مشہد آج کل جہاں پر ہے، یہاں پر امام کے خمد کا جو نامع نہیں ہے۔ ابن مہدی نے اپنے بیان کی توجیہ کرتے ہوئے کہا کہ جہاں پر آج کل قبہ تعمیر کیا گیا ہے دراصل قاعدہ یہ چل پڑا تھا کہ (خراسان و ترک سے) حج کے لئے براہ بغداد و لوگ عرب جاتے تھے تو امام ابو حنیفہ کی قبر خیال کر کے اس مقام کی زیارت کرتے تھے اور طواف کرتے تھے۔ لیکن امام کی قبر کہاں پر ہے اس کی خبر ان کو بھی نہ تھی ص ۲۹۷ منظم ۸
لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ابن عقیل جو ابن جوزی حنبلی حضرات میں ابو حنیفہ سے چٹکی لینے کی عادت ان کی برائی سے

زندگی کے دوسرے شعبے جیسے اس عام قانون سے متاثر ہو رہے تھے اس سے طبقہ قضاۃ کا علم و عمل کیسے مستثنیٰ رہ سکتا تھا۔ لیکن بایں ہمہ میں تو اس کو بھی حضرت امام ہی کے خلوص نیت کا نتیجہ خیال کرتا ہوں کہ تو مسلم ترک اور تاتاری حکومتوں میں بھی سیرت و کردار کے بعض حیرت انگیز مثالیں آخر زمانہ تک مسلسل ملتی چلی جاتی ہیں۔ حاکم شہیدؒ، شمس الامنہ سرخسی جیسے بزرگوں کی مثالیں نادر مثالیں نہیں ہیں۔ علماء کا ایک بڑا طبقہ ہر زمانہ میں دین و علم کے وقار کی حفاظت میں ممکنہ قسربا نیاں آخر وقت تک پیش کرتا رہا جس میں ہندوستان کی اسلامی حکومتوں کے قضاۃ کا کافی اور معقول حصہ ہے۔

بلکہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آخر زمانے میں بعض ناقابل عفو مہلک بے ضابطگیاں مسلمانوں کے نظام قضا و افتاء و درس امامت و خطابت و احتساب وغیرہ میں جو پیدا ہو گئیں ان میں غیر عربی حکمرانوں اور حکومتوں کی حد سے بڑھی ہوئی ان عقیدت مندوں کو بھی دخل ہے جو موروثی طور پر ان اقوام و ممالک میں مذہبی طبقات کے متعلق پائی جاتی تھیں اور جیسا کہ دستور ہے کہ ہر خیر حدود سے تجاوز کر جانے کے بعد شرعین جاتا ہے، علماء اور قضاۃ کے اقتدار کا بھی آخری حشر یہی ہوا، یہ ایک مستقل کتاب کا مضمون ہے سردست صرف اتنا اجمالی اشارہ کافی ہے۔

سلسلہ سامانی امیر بخارا کے عہد میں شہید ہوئے۔

سلسلہ مجند کے جب ریعنی کنوئیں، میں زامدیک قید محض اس لئے رکھے گئے کہ ترکی خان نے لوگوں پر ناجائز محصول عائد کئے تھے شمس الامنہ نے اس محصول کے دینے سے انہیں کو ابھارا کہ انکار کر دیں حکومت کی طرف سے سخت مزاحمتیں آپ کو دی گئیں آخر میں کنوئیں میں قید کر دیئے گئے تھے، طلبہ کنوئیں کے من پر بیٹھ جاتے تھے اور شمس الامنہ اندر سے امداد کراتے تھے مہسوط فہمس الامنہ سرخسی کی تیس جلدوں میں جو طبع ہو چکی ہے اسی زمانے کے لکچروں کا یہ مجموعہ ہے کتاب کے مختلف مقامات پر اس کا ذکر ہے کہ کتاب اس فصل تک پہنچی ہے اور میں ابھی قید ہی کی سزا بھگت رہا ہوں، ان لوگوں کے تفصیلی حالات کے لئے ”تدوین فقہ“ کی اشاعت کا انتظار کیجئے ۱۲

امام ابوحنیفہ کے خدمات کی مندرجہ بالا روداد کے پڑھنے کے بعد میں خیالی کرتا ہوں کہ اس زمانے میں ایک سوال دلوں میں جویہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو کرہ زمین کے بڑے حصہ پر تقریباً ایک ہزار سال تک حکمرانی کے جو مواقع ملے تو ان کی یہ حکمرانیاں کس آئین اور دستور کی پابند تھیں؟ ان کے آئین و دستور کا وہ دفتر کہاں ہے جس کی راہ نمائی میں مسلمان حکومت کے فرائض انجام دیتے رہے، بعض اچھے پڑھے لکھوں کو میں نے دیکھا ہے کہ اس سوال کے جواب میں وہ کچھ چکرا سے جاتے ہیں مسلمانوں کے کتب خانوں میں وہ اسی قسم کی کتا ہیں تلاش کرتے ہیں جیسے موجودہ زمانہ کی مغربی حکومتیں آئین و دستور کے نام سے مرتب کرتی رہتی ہیں۔ پھر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب کتاب تو کتاب شاید اس نوعیت کے چند اوراق کے پائے میں بھی بنے بیچارے کامیاب نہیں ہوتے اور کچھ چیزیں اس سلسلہ میں ملتی ہیں تو ایک ایسی قوم جس کی سینکڑوں حکومتیں زمین کے مختلف حصوں میں مختلف زمانوں میں قائم ہوتی رہی ہیں اس کی عظمت اور حکومتوں کی کثرت کے لحاظ سے گویا نہ ہونے کے مترادف ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے اکبری عہد کا آئین یا اسی قبیل کی بعض چیزیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ قانون سازی اور آئین طرازی کے سلسلے میں مسلمانوں نے جو کام کیا ہے دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانہ کی قانونی حکومتوں کے آئینی خدمات اور کتا ہیں ابھی مسلمانوں کی کتا بوں کے حساب سے کٹاؤ کیفا بہت پیچھے ہیں۔ جیسا کہ بتایا جا چکا کہ مسلمانوں کی آئینی خدمت ابتداء سے آخر وقت تک علماء کے سپرد رہی اور فقہ و اصول فقہ کے نام سے نہ صرف حنفی علماء بلکہ ان کے سوا مالکیہ شافعیہ حنابلہ وغیرہ نے جو کام کیا ہے اور آئین و قانون پر جو کتا ہیں لکھی ہیں، جو سرمایہ ضائع ہو چکا ہے اس کو تو جانے دیجئے۔ کتب خانوں میں اب بھی جو کچھ موجود ہے میں تو نہیں جانتا کہ دنیا کی کوئی قوم اتنا بڑا قانونی سرمایہ پہلے زمانے میں تو کیا کسی زمانے میں بھی پیش کر سکتی ہے؟ متون، شروح، حاشی کے سوا واقعات و نوازل، حوادث و فتاویٰ جن کی حیثیت گویا دی ہے، جو آج کل کی عدالتوں میں نظر آ رہے، بلکہ نگار کی تدوین و ترتیب

کا خیال بھی کوئی تعجب نہیں کہ مسلمانوں کی ان ہی کتابوں کو دیکھ کر پیدا ہوا ہو، بہر حال فقہ کی کتابوں کی ان مختلف قسموں کے سلسلے میں چھوٹی بڑی جو کتابیں لکھی گئی ہیں، کیا آدمی ان کو گن سکتا ہے، ان میں بعض بعض کتابیں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ بلکہ انتی اسی سو تتر و عظیم جلدوں پر مشتمل ہیں، مسوطات اور حاربات یا محیط کے نام سے جو فقہی انسائیکلو پیڈیا ہیں مختلف اعصار و قرون میں مدون ہوتی ہیں، کیا دنیا کی کوئی قوم اپنے پاس ایسی قانونی کتابیں رکھتی ہے۔

کچھ بھی ہوا، ہوا تو یہ کام ہے صدیوں میں، لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ واقعات اس کے شاہد ہیں کہ ان ساری قانونی اور فقہی سرگرمیوں کا ابتدائی سرچشمہ اسی شخص کی خدمات بابرکات تھی جس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے

لوکان الایمان بالثریا لتناولہ
دھال من فارس رتردی،
اگر ثریا ستارے تک چڑھ کر ایمان رزمین
چلا گیا تو فارس (ایران) کے لوگ اس کو
پالیں گے۔

کے الفاظ میں پیش گوئی فرمائی تھی، فاللہم ارحمہ واغفرلہ ولنا والجميع
المسلمین۔

ختم شد

مناظر حسن گیلانی

جوار الجماعۃ العثمانیہ حیدرآباد دکن

سفر نامہ ابن بطوطہ

مترجمہ: رئیس احمد جعفری

ابن بطوطہ نے جب اپنے سفر کا آغاز کیا تو اس وقت نہریل تھی، نہ موڑ، نہ طیارے، نہ کل کے جہاز، حب سمندر کا سفر کرنا جان جو کھوں کا کام تھا۔ بربر کا ایک منجلا نو جوان۔ ابن بطوطہ رخت سفر باندھ کر اٹھا۔ اور کامل پچیس سال تک سمندر کی لہروں سے لڑتا۔ ہولناک ریگستانوں سے گزرتا ہر شور و یادوں کو کھنگالتا۔ فلک رفعت پہاڑوں پر چڑھتا، جنگلوں اور بیابانوں اور برساتوں کو قطع کرتا اپنے ذوق سیاحت کو تسکین پہنچاتا رہا۔ وہ دیار حجاز کی خاک پاک کو آنکھوں سے لگاتا مین کے دشوار گزار راستوں کو طے کرتا مصر، بغداد شام، عراق ایران، ترکستان، ماوراء النہر، بلخ بخارا، بدخشاں، افغانستان، آذربائیجان، سیسیائیوں کے مرکز ثقل فسطاط اور ترکوں کی مملکت کا دورہ کرتا، ان مقامات کے علماء صلحاء اختیار ارار، ملوک و سلاطین، امراء اور وزراء، نیز اصحاب علم و فضل سے ملتا ہندوستان پہنچا۔ اس نے سندھ کے ایک ایک شہر کو دیکھا یہاں کے لوگوں سے ملا۔ یہاں کے مدارس اور مکات کا جائزہ لیا اس نے پنجاب کی سیر کی اور وہاں کے اہل علماء سے ملاقات کی وہ دلی پہنچا تاریخ کے سب سے زیادہ باجربہ شخص محمد تغلق نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا نہ نصب قضا پر مامور کیا اس طرح اسے سارے ہندوستان کی سیاحت کا بہت اچھا موقع ملا، پھر سلطان کا سفیر بن کر وہ چین گیا وہاں کے مسلمانوں سے ان کے طرز ماند و بود سے، ان کے اقتدار و اختیار سے واقفیت پیدا کی خاقان چین سے ملا، چین کی تہذیب ثقافت اور مدنیت کا گہرا مطالعہ کیا پھر وہاں سے ہندوستان واپس آیا۔ وہ اس پہنچا بیٹی گیا کرناٹک کالی کٹ الاہار کھمبایت وغیرہ کی سیر کی پھر لنگا گیا وہاں بدھوں کے آثار دیکھے پھر سراندیپ پہنچا وہاں سر آٹھوں پر بٹھایا گیا پھر بربر افریقہ یعنی مغرب اقصیٰ واپس آیا۔ جب وطن سے لکلا تھا تو ۲۵ سال کا نو جوان تھا جب واپس آیا تو ۵۰ سال کا بوڑھا تھا۔

ابن بطوطہ کا یہ سفر طویل صبر آزما اور پر مشقت سفر تفریحی نہیں تھا علمی تھا اس نے جس طرف لگا ہی سے سب کچھ دیکھا جس قابلیت سے مشاہدات سفر مرتب کئے جس خوبی سے اکابر رجال کے احوال و سوانح پر روشنی ڈال وہ صرف اس کا حق ہے۔

ابن بطوطہ کے مکمل سفر نامہ کا ترجمہ تہذیب و ترقی کے ساتھ سید رئیس احمد جعفری نے کیا ہے کتاب کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ ایک صفحہ پڑھنے کے بعد جب تک ختم نہ کر لیں آپ کو قرار نہ آئے گا معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری خوبیوں کے اعتبار سے بھی کتاب حد درجہ دیدہ زیب اور دلکش ہے۔

صفحات ۸۲۷

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ

تاریخ اور سیاست کی روشنی میں

مصنف: ڈاکٹر طہ حسین ————— مترجم: مولوی عبدالمجید نعمانی

اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ میں اس موضوع سے اہم کوئی اور موضوع نہیں مل سکتا یہ موضوع ہے اشک و آہ کا گریہ پیہم اور گریہ بے اختیار کا، نوحہ و ماتم کا، ایک ہولناک انقلاب کا، ایسا انقلاب جس نے تاریخ اسلام کا رخ بدل دیا اس موضوع اب تک صد ہا مرتبہ ہزار ہا کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہ کتابیں یا تو سراسر عقیدت کا نتیجہ ہیں یا اندھا دھند آزاد خیالی، بے راہ روی اور کھال کی حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر طہ حسین کی یہ کتاب سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اسے پڑھنے کے بعد پردہ آنکھوں کے سامنے اٹھ جاتا ہے اور سنگین، برہنہ اور کھٹوس حقائق نظر کے سامنے آ جاتے ہیں، جنہیں نہ جھٹلایا جاسکتا ہے نہ جن کی تردید کی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر طہ حسین نے یہ کتاب لکھ کر تاریخ پر بہت بڑا احسان کیا ہے تاریخ نگاروں کے لئے ایک نیا راستہ کر دیا ہے اور ایک ایسی مثال قائم کر دی ہے جس کی تقلید اور پیش روی پر دوسرے لوگ مجبور ہیں۔

صفحات ۵۷۶ بڑی سائز

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی

مصنف: علامہ مناظر احسن گیلانی مرحوم

مولانا مناظر احسن مرحوم نے اس کتاب میں بنی اُمیہ کی سیاسی غلطیوں کا بالتفصیل جائزہ لیا ہے، اور ان اسباب و محرکات پر روشنی ڈالی ہے جو ان کے زوال اور بنی عباس کے عروج کا موجب بنیں، لیکن اسلامی دنیا نے بنی عباس سے جو امیدیں اور آرزوئیں وابستہ کر رکھی تھیں وہ بے بنیاد نکلیں اور لوگوں کو جلد معلوم ہو گیا کہ تحت خلافت پرست ہونے کے بعد بنی عباس کے فرمانرواؤں کا عام طور سے رویہ وہی تھا، جو ان کے پیش روؤں نے اختیار کیا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی بنی اُمیہ کے زوال اور بنی عباس کے عروج کے اس پس منظر میں بیان کی گئی ہے فاضل مصنف نے امام صاحبؒ کے سیاسی عقیدوں اور سرگرمیوں کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔

ان لوگوں کے لئے جو اپنے آپ کو امام ابوحنیفہؒ کا پیرو اور مقلد کہتے ہیں، اس کتاب میں تقویت ایمانی کا یورا سامان موجود ہے، ہمیں امید ہے کہ اہل علم اس کتاب سے سبق لیں گے۔

نظام الملک طوسی

مصنف: مولانا عبدالرزاق کمان پوری

عالم اسلام کا پہلا آئین ساز وزیر اعظم
خواجہ حسن نظام الملک طوسی عالم اسلام کا پہلا وزیر اعظم جس نے اسلامی آئین کی تدوین کی۔ اس اسم تذکرہ میں
عمر خیام نیشاپوری اور حسن بن صہبانی فرقہ فاطمیہ کے مفضل اور مستند حالات درج ہیں،
نظام الملک طوسی کے پایہ کی علمی کتابیں اردو زبان میں ہی نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی بہت کم ہیں،
مولانا موصوف نے اگرچہ ایک فرد کی سوانح عمری لکھی ہے لیکن درحقیقت انھوں نے ایک مکمل عہد کو از سر نو زندہ کر دکھایا
ہے اور نظام الملک طوسی کے عہد کی تمام باکمال شخصیتوں کا تعارف کرایا ہے۔
بڑا سائز -

البرامکہ

مصنف: - مولانا عبدالرزاق کمان پوری

عالم اسلام کے نامور وزرا خالد برمکی، یحییٰ برمکی اور جعفر برمکی کون تھے؟ انھوں نے عہد عباسیہ میں کیا کیا
کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان دانشور اور مدبر وزیروں کے عروج و زوال کی حیرت انگیز داستان!
البرامکہ ایک شخص یا صرف تین نامور وزراء یحییٰ، فضل، اور جعفر برمکی کی سوانح حیات ہی نہیں ہے
بلکہ ایران کی قدیم عظمت کی کہانی، عہد عباسی کے عظیم الشان تمدن و تہذیب کی تاریخ اسلامی تاریخ کے درخشاں
ترین دور کی جیتی جاگتی تصویر اور عباسی خلفاء کے سیاسی و انتظامی اداروں کی مکمل داستان بھی ہے۔
اور آج بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ
اس کتاب سے زیادہ اہم اور زیادہ معلومات آفریں کوئی دوسری کتاب دنیا کی
کسی زبان میں البرامکہ پر موجود نہیں ہے۔

بڑی سائز

ہماری عظمت پارسہ کے زرین اوراق

تاریخ اسلام

مصنف مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

مکمل تین حصوں میں

مغربی مورخین نے تاریخ اسلام کے واقعات کو تعصب کے زہر میں بچھے ہوئے قلم سے لکھ کر دنیا کے سامنے پیش کیا اور ایک عرصہ تک تاریخ اسلام کا طالب علم حقیقت سے ناواقف رہا۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے برہادر س کی محنت سے یہ مفصل اور مستند تاریخ مرتب کی جس کی ہر سطر اسلامی سطوت و عظمت کی آئینہ دار ہے جو مسلمان حکمرانوں، جانبازوں اور بہادروں کے زندہ ماوید کارناموں کی مفصل تاریخ ہے۔

یہ عظیم شاہکار تین حصوں پر مشتمل ہے

پہلا حصہ یہ عہد رسالت مآب سے لیکر خلافت راشدہ تک ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ایک ان پڑھ اور غیر متدین قوم جب ہلاکت کے سرچشمے سے سیلاب ہوتی ہے تو وہ کس طرح فاتح عالم بن کر ساری دنیا کو باغ و بہار بنا دیتی ہے۔

دوسرا حصہ عہد بنی امیہ سے لیکر خلافت بنی عباس مصر پر ختم ہوتا ہے یہ بلاد مسلمانوں کے دور کشور کشائی تمدن آفرینی اور قیادت علمی کے عروج کی مکمل تاریخ بھی ہے اور زوال و اسباب زوال کی عبرتناک داستان بھی اس کا مطالعہ سیکھوں سیکھنا بصیرت اور درس عبرت رکھتا ہے۔

تیسرا حصہ بنو امیہ اندلس، دولت صغریٰ، سلجوقیہ، عثمانیہ، مولان چنگیزی، خوارزم شاہیہ، اور اس دور کی تمام مسلمان حکومتوں کے تفصیلی حالات پر مشتمل ہے۔ اس طرح مصنف نے مصر میں دولت مملوکیہ کے اختتام اور سلطان سلیم خاں کی فتح مصر اور خلافت تک ۹۲۳ء کے حالات شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں یہ ہماری عظمت پارسہ کی دردناک داستان ہے آج جبکہ مسلمان قوم ساری دنیا میں زندگی کی انگڑائیاں لے رہی ہے۔ ماضی کی یہ تابناک داستان مستقبل کے لئے راستہ کو روشن کرنے کا کام دے گی۔ صفحات - حصہ اول ۵۹۲، دوم ۴۷۲، حصہ سوم ۴۰۸



فہرست مضامین حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی

۵۹	خلیفہ منصور پر حضرت امام کا احقاق حق	۱۰	حرف آغاز چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری
۶۲	اموی اور عباسی دور کے دور رسدے	۲۸	تمہید
۶۳	طبقة حشویہ کے بعض عجیب عقائد	۲۹	امام صاحب کے عہد کی سیاسی تاریخ
۶۴	حجاج کی مطلق العنانی	۲۹	ولادت و ماحول
۶۷	پہلا منحوس دن اور پہلا مسلمانوں کا بادشاہ	۳۲	حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت
۶۸	بگڑے ہوئے حالات سے حضرت امام کا تاثر	۳۲	آزادی کا پہلا منشور
۶۸	امام کا سیاسی مسلک	۳۳	حضرت امام کا ابتدائی تعلیمی رجحان
۶۸	پہلا اقدام	۳۵	رجحان میں تبدیلی
۶۹	قاضی شریک کی ملازمت		حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات اور بعد
۷۰	دین دوزی کا نسخہ	۳۷	کے خلفاء کی گمراہیاں
۷۲	حضرت امام کا وسیع پیمانے پر تجارت کا کاروبار	۳۸	خلافت اور بادشاہی کا فرق
۷۶	تجارت کی تفصیلات	۳۹	خلفاء بنی امیہ کی واقعی دینی حالت
۷۹	خز کی دوکان	۴۰	اسلامی اموال میں خلافت راشدہ کا نقطہ نظر
۷۹	خز کی کونہ کی سب سے بڑی دوکان	۴۱	اموی دور میں اسلامی اموال کے متعلق مطلق لغائی
۸۰	غلاموں کے ذریعہ مال کی پھیری	۴۶	خلافت راشدہ میں انصاف اور حکومت کا تصور
۸۱	دراآمد و برآمد کا کاروبار	۴۷	اموی دور میں انصاف و حکومت سے بے راہ دی
۸۱	حضرت امام کے شریک تجارت	۴۸	قانون ادا انصاف کے متعلق حضرت عمر
۸۳	حضرت امام کے اساتذہ کی تعداد		بن عبدالعزیز کی وضاحت
۸۵	حضرت امام کے شاگردوں کی تعداد	۵۰	اموی دور میں قضا پر والیوں کا اثر
۸۵	کن کن شہروں میں حضرت امام کے شاگرد تھے	۵۳	ارباب صدق و امانت کا قضا سے انکار
۸۵	حضرت امام کے سرمایہ تجارت کے متعلق تفصیل	۵۷	اسلامی حکومت کے حدود
۸۹	امانتیں	۵۸	عہد عباس میں حضرت امام کی کہ سے کونہ کو وہابی